جلد دوم
راج ترنگنی
(جونہ راجہ)
اُردو ترجمہ
(مع حواشی و مختصر توضیحات و تعلیقات)
ترجمہ و تحقیق
پروفیسر ڈاکٹر شمس الدّین احمد
گلشن بکس سرینگر، کشمیر

راج ترنگنی

راج ترنگنی

اُردو ترجمہ

(مع حواشی و مختصر توضیحات و تعلیقات)

ترجمہ و تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر شمس الدّین احمد

حصّہ دوم
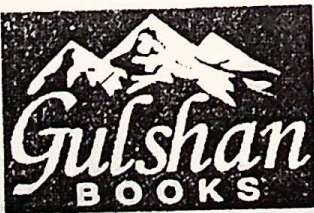
گلشن بُکس

ریذیڈنسی روڈ، سرینگر کشمیر

نام کتاب	:	راج ترنگنی
ترجمہ کار	:	پروفیسر ڈاکٹر شمس الدّین احمد
صفحات	:	۱۲۰۰
سائز	:	۱۸x۲۲
قیمت	:	۱۰۰۰ (۲ جلد سیٹ)
زیر اہتمام	:	شیخ اعجاز احمد
کمپیوٹر کتابت	:	TFC سنٹر سرینگر 2473818
اشاعت اول	:	۲۰۰۷ء
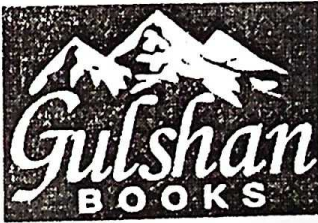
پبلشر

گلشن بُکس

ریذیڈنسی روڈ، سرینگر کشمیر

تقسیم کار

شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجرانِ کتب

ریذڈنسی روڈ سرینگر کشمیر

مدینہ چوک، گاؤکدل سرینگر، کشمیر

حصۂ دوّم

(حواشی، توضیحات و تعلیقات)

(مربوط بہ متنِ کتاب)

۱۔ ھَرَ: یہ شِو یا مہادیو کا نام ہے اور اگنی کا بھی یہ وِشنو اور کرشن (جو وشنو کے ساتھ یکسان ہے) برھما، اِندر اور یم کا بھی نام ہے۔ شِو کے لئے حاشیہ ۲۱۸ بھی دیکھئے۔

۲۔ پاروَتی: شِو کی بیوی دُرگا کا ایک نام جو برفیلے پہاڑوں کے راجا ھیم دَت کی بیٹی تھی۔ اسے پاربتی بھی کہا گیا ہے۔

۳۔ تین دنیا: ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق دنیا تین ہیں جنہیں مجموعی طور پر ترِلوک کہتے ہیں یعنی آسمان، زمین اور فضا یا آسمان، زمین اور پاتال (نچلا حصہ)۔ ان تین دنیاؤں کا مالک ہندوؤں کے نزدیک اِندر دیوتا ہے۔ جسے ترِلوک ناتھ بھی کہتے ہیں۔

۴۔ گنیش: شِو اور پاروتی کے بیٹے کا نام۔ گنیش کو ہندو عقیدے کے مطابق دانائی کا دیوتا کہتے ہیں اور موانع کو دور کرنے والا۔ اس لئے ہندو ہر کام کرنے کے آغاز میں اسے یاد کرتے ہیں۔ اکثر ادبی کلام اور امور کو اختیار کرنے کے وقت شری گنیشیہ نامہ کے الفاظ شروع میں لکھے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے ملک میں بعض علاقوں میں گائے یا مویشی کے گوبر کی گنیش کی مورتی بنا کر اسکی پوجا کی جاتی ہے۔ اس مورتی کا نام گوبر گنیش ہے۔ گنیش کا سر ہاتھی کا سر ہے جس میں سُونڈ بھی لٹکتی ہے۔ اسے گن پتی یا گن پت بھی کہتے ہیں۔ سری نگر میں اسی گن پت کے نام سے گن پت یار محلے میں گن پت نامی مندر موجود ہے۔ گنیش کی صورت ایک پست قد موٹے آدمی کے مشابہ ہے جس کی توند آگے کو نکلی ہے اور اکثر چوہے پر سوار ہوتا ہے یا چوہا اس کے ساتھ ہوتا ہے۔

۵۔ کلِ یُگ: ہندو دیوتا کے مطابق زمانوں کی تعداد چار ہے۔ ست یُگ، ترتیہ، دواپر اور کلِ یُگ۔ ان چاروں زمانوں کو مجموعی طور پر چتر یُگ یا مہا یُگ کہا جاتا ہے۔ ایک ہزار چتر یُگ کو ایک کلپ کہتے ہیں یا برہما کا ایک

دن اور یہ سارا زمانہ چار ارب بتیس کروڑ سال کے برابر ہے اور اس زمانے کے گزر جانے کے بعد دنیا ختم ہوگی اور پھر اس زمانے کے برابر رات رہیگی۔ کَلِ یُگ کا زمانہ چار لاکھ بتیس ہزار سال کا ہے۔ دَواپَر کا زمانہ کل یُگ سے دوگنا برابر ہے یعنی آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار، ترِتیہ کا زمانہ تین گناہ زیادہ ہے یعنی بارہ لاکھ چھیانوے ہزار اور سَت یُگ (یا ستیہ یگ) کا چار گناہ بڑھ کر یعنی سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار سال۔ چاروں یگوں (زمانوں) کا کل میزان تنتالیس لاکھ بیس ہزار سال ہے جو مہا یُگ کہلاتا ہے اور چونکہ دنیا کی ایک ہزار مہا یگ ہے اس لئے یہ کل زمانہ چار ارب تبیس کروڑ سال ہے۔ مہا یگ کو دواپر۔ ترتیہ، کرتَ اور کَلِ یُگ پر بھی مشتمل کہا جاتا ہے۔

۶۔ شری گونارَد: شری گونادر سے مراد ہے شری گونند اول، جو کشمیر کی تمام مقامی تواریخ کی رُو سے کشمیر کا اولین حکمران ہے اور یہ حکمران کوروؤں اور پانڈوؤں کا ہم زمان تھا اور اس بادشاہ کے عہد سے کشمیری راجاؤں کی کم سے کم ترتیب وار تاریخی تعین ہوجاتا ہے۔ اس راجا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کَل یُگ کے ۶۵۳ برس گزر جانے پر تخت نشین ہوا تھا۔ شری گونند اول کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ جراسَندھ کا رشتہ دار تھا جو مگدھ کا حکمران تھا اور کرشن کا سُسر۔ اور کلہن نے لکھا ہے کہ جراسندھ نے اسے کَنس کے دشمن یعنی کرشن کے خلاف لڑائی میں مدد کرنے کے بلایا، لیکن متھرا میں اس جنگ میں لڑ کر وہ مارا گیا۔

۷۔ کَلہن: کشمیر کا مشہور برہمن جس نے راج ترنگنی نامی تاریخ لکھی جو سال ۴۹۔۱۱۴۸ء میں لکھی گئی اور سال ۱۱۵۰ء میں مکمل ہوئی۔ کلہن شِو کا پجاری تھا جس کی تصدیق اس نے راج ترنگنی کے ہر ترنگ کے آغاز میں شِو اور اس کی بیوی گوری کی نسبت اپنی عقیدت کا اظہار کرنے سے ہوتی ہے۔ کلہن کے آباء

واجداد پرَ ہاس پورہ (جسے اب پرَس پور کہتے ہیں اور جو کشمیری میں گِنہ شہر یعنی پتھروں کا شہر کہلاتا ہے) کے رہنے والے تھے۔ کلہن کشمیر کے راجا جَیہ سمہہ (۱۱۲۸ء۔۱۱۵۴ء) کا ہم عصر تھا۔ کلہن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا باپ چَنپک کشمیر کا ایک اہم عہدہ دار تھا اور دوار پتی تھا یعنی سرحدوں کا محافظ تھا اور راجا ہرش دیو (۱۰۸۹ء۔۱۱۰۱ء) کے دور سے تعلق رکھتا تھا۔ کلہن جَیہ سمہا راجا کے دربار کا ایک شاعر تھا گو کہ مشہور راج ترنگنی نامی کشمیر کے راجاؤں کی تاریخ نویسی اس کی زندگی کا ایک بڑا مقصد تھا جسے اس نے پورا کرلیا۔ کلہن نے جیسا کہ مشہور ہے اپنے مربی راجا جَیہ سمہا کی مدح میں جَیہ سمہا بھیو دیا نامی نظم لکھی تھی جو اب نایاب ہے۔

۸ جَیہ سمہا: سٹائن نے اس کا عہد حکومت سال ۱۱۲۸ء سے سال ۱۱۴۹ء لکھا ہے۔ بعض مقامی مورخین نے سال ۱۱۲۸ء تا ۱۱۵۵ء اور ۱۱۲۸ء تا ۱۱۵۴ء لکھا ہے لیکن سبھی متفق ہیں کہ جَیہ سمہا سال ۱۱۲۸ء (۵۱۹ھ) میں تخت پر بیٹھا۔ کلہن نے جو جیہ سمہا کا چشم دید مورخ اور درباری شاعر تھا، اس راجا کے کردار، تاریخی واقعات اور جنگی مہموں کا جو تفصیلی ذکر کیا ہے مقامی مورخین نے اپنی تواریخ میں اسی کی تکرار کی ہے۔ ان واقعات و حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ بھِکشا چار کے نزدیکی فاصلے پر استواری کے ساتھ قائم رہنے، ڈامروں کے چھوٹے راجاؤں کی طرح رہے، راجا ہرش کے زمانے (۱۰۸۹ء تا ۱۱۰۱ء) سے بالخصوص لوگوں کے بدحالی میں زندگی گزارنے، اور خود بھی چند ہی قابل اعتماد پیروکاروں کی صحبت میں رہ جانے کی وجہ سے راجا جَیہ سمہا بے شک بڑی خطرناک حالت میں تھا، لیکن وہ مضبوطی کے ساتھ اپنی جگہ پر جما رہا گو کہ اسے لوہر جانے کا مشورہ بھی دیا گیا۔ اس نے سب سے پہلے عام معافی کا اعلان کر دیا جس کے نتیجے میں اس نے لوگوں کی ہمدردی اور خوشنودی حاصل کی۔ شدید

برفباری نے بھی آڑے آکر بھکشا چار کو سری نگر پر حملہ آور ہونے سے روک دیا لیکن جب بھکشا چار نے رہزنوں، ڈامروں، شہریوں اور گھوڑ سواروں پر مشتمل ایک بڑی لشکر کے ہمراہ حملہ کیا تو راجا جیہ سمہا نے اسے دھکیل دیا۔ اس کے بعد کشمیر پر اپنا اقتدار بڑھانے کی غرض سے جیہ سمہا نے عیاری اور سازش و فریب کاری سے کام لیا اور اس کام کو چالاکی کے ساتھ انجام دینے میں اس کے وزیر اعظم لکھشمک کا ہاتھ تھا۔ اکثر ڈامر سرداروں کو اپنے نرغے میں لاکر اور باپ کی موت کے صرف چار ماہ بعد کہا جا سکتا تھا کہ ملک سوائے جیہ سمہا کے اور کسی کی اطاعت میں نہ تھا، لیکن بھکشا چار کا خطرہ دو سال تک جیہ سمہا کے سر پر منڈلاتا رہا۔ اس عرصے میں اس نے کشمیر کو پانے کی خاطر تین ناکام کوششیں کیں۔ بالآخر بھکشا چار کو سال ۱۱۳۰ء میں پکڑ کر قید میں ڈال دینے کے بعد قتل کر دیا گیا، لیکن بہت جلد تخت کا ایک نیا دعویدار نمودار ہوا۔ تخت سے اتارے جانے کے بعد لوتھن کو قیدی بنا کر لوہر میں بھیجا گیا تھا۔ اب اسکی مدد وہ افراد کرنے لگے جو جیہ سمہا کے دشمن تھے۔ انہوں نے اسے قید سے رہا کر دیا اور لوہر کا راجا بنا دیا۔ کشمیر کے راجا نے اس کے خلاف بھاری لشکر روانہ کیا لیکن کچھ موسم گرما کے مقامی بخار، جس نے بہت سی جانیں لیں، اور کچھ دیگر راجاؤں کے مدد آنے سے، کشمیری فوج کی کچھ نہ چلی۔

اب جیہ سمہا نے لوتھن کے خلاف حکمت عملی سے کام لیا جو کاملاً کامیاب رہی۔ اس کے نتیجے میں لوتھن کو مل ارجن نے نکال باہر کیا جو اس کا سوتیلا بھائی تھا اور پھر اس کے بعد خود مل ارجن کو لوہر سے نکال دیا گیا، لیکن وادی کشمیر جیہ سمہا کے عاملین کے درمیان باہمی اختلافات کی وجہ سے مصائب کا شکار رہی۔ یہ عاملین دو جھگڑنے والے حصوں میں بٹ گئے جن میں ایک حصے کا سردار سجی تھا جو سپہ سالار تھا۔ اور دوسرے حصے کا سردار وزیر رلہن تھا۔ مختلف جاسوسیوں

اور سازشوں اور مقابلے کی سازشوں کے نتیجے میں بھجی اور اس کے بہت سے پیروکاروں کو نہ فقط شکست ہوئی بلکہ انہیں قتل بھی کر دیا گیا۔ اگلے چند سال جیہ سمہا کے حق میں خوش گزارنی کے سال تھے۔ اس کے وزیروں کے علاوہ اس کے رشتہ داروں اور خود اس نے یہ مدت لوگوں کے اخلاقی اور مادی ترقیات میں گزاردی۔ کئی مَٹھ اور وِہار تعمیر ہوئے یا ان کی مرمت کی گئی۔ ہمسایہ پہاڑی علاقوں کے ساتھ بھی دوستانہ روابط قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس بارے میں کلہن نے بلاور دردستان اور قنوج کا ذکر کیا ہے۔ بلاور کے بارے میں لکھا ہے کہ جیہ سمہا نے وہاں کے راجا وِکرم رَاج کی بیخ کنی کی اور اس کی جگہ کلہن کو بٹھا دیا، لیکن اس واقعہ کی مزید معتبر اور مربوط شہادت دستیاب نہیں۔ دَردوں کے ملک کے ساتھ جیہ سمہا کے تعلقات جلد ہی بگڑ گئے۔ جب ان کا حکمران جسودھر فوت ہوا تو اس کا تخت اس کے بوالہوس وزیروں وِدسیہ اور پَریک کے درمیان باعث تنازعہ بن گیا۔ ان کے اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جیہ سمہا نے دردستان میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کا اقدام کیا۔ بدلے میں وِدسَیہ نے، جو اپنے حریف سے بہتر حیثیت میں تھا، لوٹھن کو کشمیر کا اقتدار چھین لینے پر اکسایا۔ اَلنکار چکر اور وادی کے چند دیگر ڈامروں کے ساتھ جنہوں نے دردستان کے وزیروں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کر لئے تھے۔ لوٹھن اپنی پناہ گاہ یعنی بُھوستھل سے پہلے سے ہی تعلقات قائم کر چکا تھا۔ سال ۱۱۴۳ء میں وہ کرناد کے علاقے میں، جو اُس کے معاونین کا مضبوط گڑھ تھا، آ گیا جہاں سلہن کا بیٹا بھوج اور جیہ سمہا کا ایک سوتیلا بھائی وگرسہ راج اُس سے آ ملے، لیکن بِرسِل قلعہ میں جیہ سمہا کی فوج نے باغیوں کو گھیر لیا۔ آخر کار سال ۱۱۴۴ء میں کچھ اس کی بیوی کی بے وفائی سے، جو شاہی سالار سُستھا چندر پر عاشق تھی، اور اسے اپنے شوہر کے پوشیدہ منصوبوں سے باخبر

رکھتی تھی، لیکن بیشتر اپنے مخالفین کی بالا دستی کی وجہ سے، اَلنگر چکر لوتھن اور وِگرَہہ رَاَج کو جیہ سمہا کے آدمیوں کے حوالے کر دینے پر مجبور ہو گیا۔ البتہ بَھوج نے فرار ہونے کا بندوبست کرلیا اور جلد ہی تخت کے دعویدار کی حیثیت سے نمودار ہوا۔ کچھ طاقتور ڈامر اور کوہ ہمالیہ کی فوجی وادیوں سے کئی ملیچھ سردار اور ودسِیَہ بھی اس کے ساتھ مل گئے، لیکن اگر چہ اس جنگ کی تیاری سے جیہ سمہا کی قسمت ڈولنے لگی لیکن بہادری کے ساتھ مقابلہ کرنے کے نتیجے میں درزوں، ڈامروں اور دیگر لوگوں کی ملی جلی فوج بھاگ نکلی۔ البتہ ملک میں امن قائم نہ ہو پایا جب کہ سال ۱۱۴۵ء میں بالآخر بھوجَ نے دربدری سے تھک ہار کر جیہ سمہا کے ساتھ صلح کرنے کا فیصلہ کیا اور اسی کے ساتھ ڈامروں کی بغاوت ٹوٹ گئی۔

راجا اور اس کے وزیروں نے پھر سے تعمیرات کی طرف توجہ کی۔ اسی موقع پر شاہی خاندان کے اراکین کی شادی کی رسمیں ادا کی گئیں۔ جَیہ سمہا کی سال ۱۱۵۵ء میں موت ہوگئی لیکن مرنے سے پہلے اس نے اپنے چھ یا سات سالہ بیٹے گلہن کے حق میں تخت نشینی کا اعلان کیا اور اس کی تاج پوشی کروائی۔ اگر چہ جَیہ سمہا کی زندگی ایک راجا کی حیثیت سے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے ساتھ نپٹنے میں گزری لیکن خیر یہ اور مذہبی امور انجام دینے کی طرف بھی اس کی توجہ تھی۔ اس نے سمہا پور مٹھ تعمیر کیا۔ کئی اور مندر بھی بنوائے جن کے لئے مستقل وقف مقرر کئے، کئی نامکمل تیرتھوں کے مکانات کو مکمل کیا۔ اس نے کئی باغوں، تالابوں اور نہروں کی تعمیر و مرمت بھی کی۔ اس نے غریب لوگوں کی مدد کی۔ جو لوگ اپنے بچوں کی شادی نہیں کر سکتے تھے یا کوئی مذہبی امور انجام نہیں دے پاتے تھے ان کا کفیل بن جاتا تھا۔ عالم لوگ اور برہمن اسکی وسیع القلبی اور تربیت کا فائدہ پاتے رہتے تھے۔ خود مذہبی امور ادا کرنے کا

سخت پابند تھا اوراس کے علاوہ عوامی جشنوں میں بھی شامل ہوتا تھا، بلکہ لوگوں کے شادی بیاہ کے موقعے پر بھی ان کی رسوم میں شامل ہوتا تھا۔

کلہن نے لکھا ہے کہ جیہ سمہا برفباری اور سیلابوں کے خطرات کے پیش نظر ہمیشہ خوراک کے انبار لوگوں کے لئے مہیا رکھتا تھا۔ کلہن اس کے وزیر بھوٹ کی بڑی تحسین کرتا ہے جس نے بھوٹ پور محلے کی تعمیر کی، اور ڈل جھیل اور آنچار سر کو ملانے کے لئے ایک ندی بنائی جسے بھوٹہ کول کہتے ہیں اور یہ وہی ندی ہے جس پر بھوٹہ کدل ابھی بھی موجود ہے۔

راجا کی رانیوں نے بھی تعمیری کام کئے بلکہ اس کے رشتہ داروں اور سرکاری عاملوں نے بھی۔ اس کی رانی رَدّا دیوی نے رُدریشور تیرتھ بنایا اور پہلے کے مندروں کی تعمیر کی۔ رانی رتنا دیوی نے رتنا پُورہ (رتن پور) میں ایک گوکل اور وہار بنوایا جس کے ساتھ وَے کُنٹھ مٹھ بھی تعمیر کیا۔ اس رانی نے رتنا پورہ بھی آباد کیا جو پیر پنچال کے جنوب میں درو بھسار میں بنوایا۔ گوکل جو بنوایا (یعنی گاو خانہ) اس کے ساتھ بری چراگاہیں بھی میسر رکھیں اوراس کے احاطے میں وشنو کی مورتی بھی بنوائی جو گوردھن پہاڑ کو تھامے ہوئے تھا۔ مہادیو کا مندر بھی تعمیر کیا۔ دَرو بھِسار (بھمیر) میں جو قصبہ رتنا پور تعمیر کیا اس میں رانی مذکور نے جوگنوں کے لئیے بھی خانقاہیں بنوائیں۔ ان تمام تعمیرات پر اس نے سرکاری خزانوں سے کوئی پیسہ خرچ نہیں کیا بلکہ اس نے اپنی جیب سے ساری رقم صرف کی۔ وزیر رَلہن کی بیوی نے اَشوک وہار کو پھر سے بنوایا جو منہدم ہو چکا تھا اور اس وہار میں اس نے پتھروں، رہائش گاہوں، طلباء کی رہائش کے مکانوں، مسافروں کے لئے ٹھہرنے کی جگہوں، اور پانی کے وافر انتظامات کا اضافہ کیا۔ کلہن نے ان اضافات کی بڑی تحسین کی ہے۔

جیہ سمہا کے سرکاری عاملین جیسے رِلہن، دھنیہ، اُودیہ، اَلنکارَ، بھُوٹ،

سنکیا، سمنس اور منکھگ وغیرہ نے سری نگر میں بہت سی عمارات بنوائیں اور سری نگر کو خوبصورت بنایا۔ منکھگ یا منکھ نے شری کنٹھ چرتیا لکھ کر اور خود اپنے نام پر ایک لغت نامہ (ڈکشنری) تیار کروا کے اپنا نام باقی رکھا۔

جیہ سمہا کا زمانہ کشمیر میں خاصی ترقی کا زمانہ مانا جاتا ہے اس نے کشمیر میں سکے بھی جاری کئے چنانچہ ایک سکہ جو سال ۱۱۴۹ء کا ہے سرینگر عجائب گھر میں موجود ہے۔

جَیَہ سمہا کا نام عام طور پر جے سنگھ کی صورت میں آیا ہے۔ مجموع التواریخ کے مولف پنڈت بیربل کاچرو نے، جس نے اس راجہ کی بہت زیادہ تفصیل بیان نہیں کی ہے، راجہ کا نام زی سہم دیو لکھا ہے جو جے سنگھ دیو کی ہی ایک صورت ہے۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں ''جَیسنگھ بن سُسلہا۔ بسیت وھفت سال'' پر اکتفا کیا ہے اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔

۹۔ شری جَینُ العابھدین: یعنی زین العابدین سلطانِ کشمیر۔ کشمیر کی تمام تواریخ میں اس عظیم بادشاہ کا خاصی تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ جون راج نے اس کتاب کے متن میں سلطان موصوف کے عہد سلطنت کے بعض ایسے حالات و واقعات کا ذکر کیا ہے جو معتبر اور نوادرات میں سے ہیں کیونکہ جونَ راج بادشاہ کا ایک درباری تھا اور ان واقعات کا چشم دیدہ گواہ بھی تھا۔ مقامی تواریخ کا مطالعہ سلطان زین العابدین کی صحیح شناخت کے لئے اہم ہے جن میں بالخصوص فارسی توریخ کو اولیت حاصل ہے۔ تاریخ بڈشاہی نام کی کتاب مولفہ محمد الدین فوق بھی ایک صحیح ہدایت نامہ ہے۔

سلطان زین العابدین (جو شہزادگی کے ایام میں شاہی خان کہلاتا تھا) کے بارے میں مورخین نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ وہ ایک وسیع القلب اور بالغ نظر سلطان تھا۔ اس نے عدل و انصاف سے حکومت کی۔ امن و سلامتی کو قائم

کیا اور علوم وفنون کو بہت ترقی دی۔ اس نے کچھ فتوحات بھی کیں۔ پہلے تبت (لداخ) کو مسخر کیا۔ پھر بلتستان فتح کیا۔ اُوہند اور گلو کو بھی زیر کر لیا (گو کہ بعض علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ سلطان نے کلو کو فتح کیا ہوگا کہ کلو اس زمانے میں لداخ کے تحت تھا)۔ کاشغر کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ اسے سلطان نے فتح کیا اور نوشہرہ، راجوری اور لوہر کو بھی مسخر کیا۔ اکثر ہمسایہ ممالک اور دور حکمرانوں کے ساتھ دوستانہ روابط رکھے۔ خراسان، ترکستان، تبت، آزربایجان، گیلان، سیستان، مصر اور مکہ کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے۔ ہندوستان میں پنجاب کے جسرت کھوکھر، دہلی کے سلطان بہلول لودھی، گجرات کے سلطان محمود بیگڑہ، سندھ کے جام نظام الدین گوالیار کے تنور راجا، مالوہ کے محمود اول، اور میواڑ کے رانا کُمبھ کے ساتھ سلطان کی دوستی تھی۔ سلطان اپنی شاندار طرز حکومت کے لئے کشمیر میں خاص طور پر شہرت کا حامل ہے۔ اس نے پنڈتوں کو بلوایا جو کشمیر چھوڑ چکے تھے۔ اس نے رشوت خوری کی بیخ کنی اور اسے روکنے کے لئے جاسوس مقرر کیے۔ ملک کو جُرموں سے پاک کر دیا اور سزا دینے میں مطلق کوئی لحاظ نہیں کیا خواہ وہ مجرم خود سلطان کا منظور نظر تھا یا کوئی معمولی آدمی۔ قیمتوں پر قابو پانے کے لیے سلطان نے اشیاء کی قیمتیں مقرر کیں جنہیں تانبے کی تختیوں پر کندہ کروا کے شہر کی خاص خاص جگہوں پر منتشر کر دیا۔ سلطان نے مالیات میں بھی کمی کر دی۔ سلطان نے تمام اسناد اور اہم تحریرات کو سرکاری دفتر میں ثبتِ اندراج کے لئے ضروری قرار دیا۔ زراعت کو وسعت دینے کے لئے سلطان نے ملک کو پرگنوں میں بانٹ دیا اور ہر پرگنہ کو کئی دیہات میں۔ ہر کاشتکار کے حصہ جات کو ہر گاؤں میں ناپ دیا گیا اور جریپ کی نئی پیمائش مقرر کی گئی، ان پیمائشوں کو بوجھ پتر یا تانبے کی تختیوں پر محفوظ رکھ کر مرکزی محفوظ خانہ میں رکھا جاتا تھا جو سوپور میں

قائم تھا۔ مالیہ جنس کی صورت میں لیا جاتا تھا۔ جسے اناج کے ذخیروں میں رکھا جاتا تھا۔ لیکن جنس کا مالیہ کس قدر تھا یہ صحیح طور پر معلوم نہیں۔ سلطان ایک عظیم تعمیر کار بھی تھا۔ زین نگر (موجودہ نوشہر) کو خوبصورت عمارات سے آراستہ کیا۔ پورے مشرق زمین میں سلطان کا راج دان نامی قصر سلطانی ایک نادر عمارت تھی جو بارہ طبقہ بلند تھی اور ہر طبقہ میں پچاس کمرے تھے اور ہر کمرے میں پانچ سو آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ یہ عمارت ان کمروں کے علاوہ بڑے بڑے کمروں (ہال) پر بھی مشتمل تھی جن میں غلام گردشیں تھیں اور ساری عمارت چوبکاری اور نقاشی سے مزین تھی۔ تاریخ حسن کے مؤلف نے اس عجوبۂ روزگار عمارت کو زین ڈب کے نام سے یاد کیا ہے اور لکھا ہے کہ "عام لوگوں کی ابان پر بھی اس کا نام راز دان تھا یعنی خانۂ بادشاہ"۔ سلطان نے کامراج میں زینہ گیر، مراج میں زینہ پورہ، پرگنہ سایرالمواضع پائین میں زینہ کوٹ، نوشہرہ میں زینہ ڈب (جس کا ذکر اوپر ہوا) زینہ کدل (یعنی زینہ پل۔ کدل کشمیری زبان میں پل کو کہتے ہیں) زینہ بازار (موجودہ زینہ کدل سے نایدکدل تک) اور جھیل ولر کے بیچ میں زینہ لنک نامی جگہیں اور تعمیرات اپنے نام سے بنوائے۔ ان کے علاوہ سلطان نے جھیل ڈل کے دونوں حصوں میں سونہ لنک اور روپہ لنک نامی دو خوبصورت جزیرے تعمیر کئے۔ سلطان نے کئی نہریں بھی نکالیں جن کے اوپر پُل بھی تعمیر کئے۔ ان تعمیرات کے خوبصورت فن تعمیر اور تعداد کے پیش نظر جس میں اس کی اپنی والدہ کا مقبرہ اور سید محمد مدنیؒ (جو مدین صاحب کے نام سے مشہور ہے) کا مقبرہ مع مسجد کے شامل ہے، سلطان زین العابدین کو ایک تعمیر کار بادشاہ کی حیثیت سے مشہور مغل شہنشاہ شاہ جہاں سے مشابہ کیا جاتا ہے۔

سلطان زین العابدین ایک زبان دان، عالم اور شاعر بادشاہ تھا، کشمیری

زبان، جو اسکی مادری زبان تھی، کے علاوہ فارسی اور سنسکرت پر بھی عبور رکھتا تھا۔ مشہور ہے کہ تبتّی زبان سے بھی واقف تھا۔ فارسی میں آتش بازی کے فن پر، جو کشمیر میں اس عہد میں ایک مقبول مشغلہ تھا اور نئی ایجادات کا حامل، سلطان نے اس فن کی باریکوں اور اعتراضات پر ایک کتاب لکھی۔ اس کے علاوہ اپنے خودغرض فرزندوں کی ناشائستہ حرکتوں سے متاثر ہوکر فارسی میں ہی دنیا کی ناپائیداری اور اپنوں کی بے وفائی پر شکایات نامی عنوان سے ایک اور کتاب لکھی۔ فارسی میں شعر کہتا تھا اور کوئی تعجب کی بات نہیں کہ سلطان نے اپنی مادری زبان کشمیری میں بھی شعر کہے ہونگے۔

سلطان زین العابدین کے درباریوں میں اس زمانے کے عظیم علماء شامل تھے جن میں ملک اشعراء ملا احمد، سید محمد رومی، قاضی سید علی شیرازی، سید محمد سیستانی، مولانا کبیر، ملا نادری، جون راج، شری وَر، یَودھ بھٹ اور ناتھوسَوم پنڈت شامل تھے۔ عربی اور فارسی زبانوں اور رائج علوم کو ترقی دینے کے لئے سلطان نے نوشہرہ میں (جو اس کا دارالخلافہ تھا) مولانا کبیر کی سربراہی میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ سلطان کے حکم پر اور اس کی سرپرستی میں جَون راج نے سال ۱۴۵۸ء تک (۸۶۳ھ) سنسکرت زبان میں کشمیر کی تاریخ لکھی (اور وہ کتاب یہی موجودہ کتاب ہے جس کا میں نے انگریزی ترجمہ سے اردو میں ترجمہ کیا ہے)۔ یہ کتاب کلہن کی راج ترنگنی کا تسلسل ہے۔ جون راج کی وفات کے بعد اس کے کام کو شری وَر نے جاری رکھا۔ ناتھوسَوم پنڈت نے کشمیر زبان میں زین چرت لکھی جس میں اس نے سلطان زین العابدین کی زندگی کے حالات و اور اس کے کارنامے لکھے۔ ایک اور سوانح عمری یَودھ بھٹ نے ڈرامہ کی صورت میں کشمیری زبان میں لکھی جس کا عنوان زَین پَرکاش تھا بھٹ اوتار نے، جس نے فردوسی کے شاہنامہ کا مطالعہ کیا تھا، اور

کچھ اور بھی فارسی کتابوں کو پڑھا تھا، جین ولاس نامی کتاب لکھی جس میں اس نے سلطان کے مقولہ جات درج کیے۔ ملا احمد اور ملا نادری نے جو دونوں عظیم عالم تھے، کشمیر کی تواریخ فارسی میں لکھیں۔ بادشاہ کے درباری طبیب محمد منصور نے طب پر مشہور کتاب تحریر کی۔ صرف نئی کتابیں ہی نہیں لکھی گئیں بلکہ بادشاہ کی ذاتی نگرانی میں کئی کتابوں کا ترجمہ بھی ہوا ہے بلکہ دارالترجمہ قائم کیا گیا جس میں قابل علماء ترجمہ کار تھے۔ ملا احمد نے سنسکرت زبان کی بعض کتابوں جیسے مہا بھارت، دَشَ اَوتار اور کلہن کی راج ترنگنی کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ شری وَر نے فارسی زبان میں لکھی ہوئی مولانا جامیؒ کی کتاب یوسف و زلیخا کا سنسکرت میں ترجمہ کیا۔ سلطان کے شوقِ کتاب کی وجہ سے دارالخلافہ میں ایک عظیم بادشاہی کتاب خانہ وجود میں آیا اور بادشاہ اس بے مثال کتاب خانے کو غنی تر بنانے کی خاطر قلمی نسخوں اور کتابوں کو ہندوستان، ایران، عراق اور ترکستان سے منگواتا تھا۔

سلطان زین العابدین کا نام کشمیری صفت و حرفت کے مربی کی حیثیت سے ہمیشہ باقی رہے گا۔ مرزا حیدر دوغلت نے جس نے قریب گیارہ سال تک کشمیر پر حکومت کی (سال ۱۵۴۰ء سے سال ۱۵۵۱ء تک۔ ۹۴۷ھ تا ۹۵۸ھ) لکھا ہے کہ ''کشمیر میں وہ سب صنایع اور حرفتیں نظر آتی ہیں، جو دوسرے شہروں میں عام نہیں جیسے پتھر پر روشن گری کا کام، سنگتراشی کا کام، بوتلیں بنانے کا کام، پنجرہ سازی، سونے کو پیٹنے کا کام وغیرہ۔ سارے ماوراء النہر، سوائے سمرقند و بخارا کے اور کہیں نہیں نظر آتے جب کہ کشمیر میں یہ ہر جگہ نظر آتے ہیں اور یہ سب کچھ سلطان زین العابدین کی وجہ سے ہے''۔

ہندو راجاؤں کے زمانے میں کشمیر میں صنعت و حرفت کے ترقی و کمال کی کوئی شہادت موجود نہیں اور نہ ہی قدیم سنسکرت کی کتابوں میں اس کے کوئی

اشارے موجود ہیں اور نہ ہی اس کی گواہی موجود ہے کہ جن کشمیری ہندو بادشاہوں نے وسط ایشائی ممالک کے ساتھ روابط قائم کیئے یا وہاں تک اپنے حملات کو بڑھاوا دیا ان ممالک سے انہوں نے کاریگروں کو اپنے ہمراہ لا کر در آمد کیا ہو۔ یہ افتخار فقط کشمیر کے مسلمان سلاطین کے نصیب میں رہا اور بالخصوص سلطان زین العابدین کے نصیب میں۔ سلطان موصوف کے عہد میں جب بھی کوئی غیر ملکی کاریگر کشمیر کا دیدار کرنے کے لئے آتا تو اسے یہاں پر مستقل طور پر رہنے کی طرف مائل کیا جاتا جس کے لئے اسے ہر طرح کی تسہیلات مہیا کی جاتیں اور اگر وہ رہنے پر آمادہ نہ ہو جاتا تو اسے مقامی افراد کو، جو مختلف دستکاریوں کے سیکھنے میں دلچسپی رکھتے تھے، سکھانے پر راغب کر دیا جاتا تھا یا بعض اوقات ایسے لوگوں کو کشمیر چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ ایسے مقامی لوگوں کو جو باہر کے ممالک میں جا کر صنعت وحرفت کے سیکھنے کے مائل ہوتے تھے، بھاری وظائف دئے جاتے۔ ان اقدامات کے نتیجے میں کشمیر نے صنعت وحرفت اور کمال دستکاری کے فنون واحزامات میں ترقی کی اور وہ معراج پایا جو باقی ہے اور باقی رہے گا۔

سلطان زین العابدین نے رقص وموسیقی کے فنون کو بھی ترقی دی۔ رقص و موسیقی میں اس دربار میں غیر ملکی فن کار بھی موجود تھے اور ملکی بھی۔ ملکی فن کاروں میں جون راج، شِری وَرَ اور یودھَ بھَٹَّ بھی تھے۔ غیر ملکی فن کاروں میں ملا عودی تھے جو عوذ کانے میں ماہر تھے اور گانے میں بھی بے مثال تھے۔ ملا زادہ ستار نواز تھے۔

سلطان زین العابدین نے کشمیری ہندوؤں کو پوری مذہبی آزادی دی۔ شِری وَرَ نے لکھا ہے کہ ''اس کَلِ یُگ کے زمانے میں سلطان زین العابدین کی حکومت نے سیسہ یُگ کے درمیانی برسوں کی یاد دلا دی''۔

۱۰: **جون راج**: دیکھئے "سخنِ مترجم"

۱۱: **شِری جینُ العابدین**: یعنی سلطان زین العابدین۔ ملاحظہ ہو ۹۔

۱۲: **شِری شِری بھٹ**: یہ سلطان زین العابدین کے ادارۂ انصاف کا ایک افسر تھا جب کہ خود جون راج کے بیان سے واضح ہے۔

۱۳: **گنگا**: دریائے گنگا۔ اِسے ھندو ھیموت اور مینا کی بیٹی جانتے ہیں۔ سانتنُو کی بیوی اور بھیشم کی ماں یا دھرم کی ایک بیوی۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق ایک گنگا آسمان میں ہے جو آکاش گنگا یا وِیوم گنگا کہلاتی ہے اور ایک اور زمین کے نیچے ہے۔ بھاگیرتھ یا بھگیرتھ نے جو دلیپ کا بیٹا تھا اپنی عبادت سے آسمان سے گنگا کو زمین پر لایا تھا اور اس لئے اُسے گنگا کا باپ کہتے ہیں۔ شِو نے گنگا کو آسمان سے تیز رفتاری کے ساتھ اُترنے کے سبب اپنے سر پر روک رکھا ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ گنگا وشنو دیوتا کے پاؤں سے نکلتی ہے۔

۱۴: **کلھَن پنڈت**: دیکھئے نمبر ۷۔

۱۵: **سُسّل**: اس راجا نے دربار کشمیر پر حکومت کی۔ پہلی بار سال ۱۱۱۱ء (یا ۱۱۱۲ء) سے ۱۱۲۰ء تک اور دوسری بار ۱۱۲۱ء سے ۱۱۲۸ء تک۔ راجا اُچل (۱۱۰۱ء تا ۱۱۱۱ء) کی موت کے بعد گڑبڑ کے زمانے میں رڈّا تخت نشین ہوا اور اس نے سنکھ راج کا لقب اختیار کیا۔ لیکن ایک رات سے زیادہ اقتدار میں نہ رہا کیونکہ دوسرے روز صبح کو گرگ چندر نے 'جو ایک ڈامر سردار تھا' اپنے مرحوم بادشاہ کے قتل کا انتظام رڈّا اور اُس کے حامی سازشیوں سے لے لیا اور ان کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد گرگ چندر نے اُچل کے سوتیلے بھائی سلھن کو تخت پر بٹھا دیا۔ لیکن سَلھن نا قابل تھا اور اس کے عہد میں ڈاکوؤں نے لوگوں کو خود

اس کے شاہی محل میں لوٹا۔ تخت نشینی کے بعد چار مہینوں کی مدت میں اُسے تخت کو خالی کرنا پڑا جب کہ گرگ چندر کی دعوت پر سُسّل کشمیر پر حملہ کرنے آیا۔ سُسّل کا پہلا عہد بھی غیر ذمہ دار ڈامروں کے خلاف لمبی اور شدید لڑائی میں گزرا۔ البتہ آغاز میں اُسے سرینگر میں چند مندروں کی تعمیر اور دِڈّا وہار کی مرمت کرنے کی فرصت ملی جو آگ کی نذر ہو چکا تھا۔ سُسّل کے مصائب کا آغاز اس وقت ہوا جب اُس نے اپنے بھائی کے قاتلین کی عورتوں اور بچوں تک کو بھی اپنے انتظام کا نشانہ بنایا۔ بعض ڈامروں نے اس پر حملہ بھی کیا لیکن بچ گیا۔ اس کے بعد جنوب سے وارسی میں داخل ہونے والے چند جلاوطن ہوئے سرداروں نے اُسے تخت سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو پائے۔ پھر بھکشا چار کی طرف سے حملے کا خطرہ اس کے درپے رہا اور چمبہ، بلاور، ببنور، کانگڑہ اور دیگر جگہوں کے سرداروں نے اس کی مدد کی۔ بھکشا چار کے ہاں خود اختلافات پیدا ہونے کی وجہ سے اُس کے حملے کا منصوبہ ترک ہوا۔ چونکہ سُسّل کی راہ میں خطرات پیدا کرنے میں گرگ چندر کا ہاتھ تھا۔ اس نے گرگ چند کو سبق سکھانے کے لئے ملکوستھ نامی ڈامر سردار کو بھیجا۔ گرگ چندر تسلیم ہوا اور اُسے قتل کر دیا گیا۔

اس کامیابی کے بعد سُسّل نے **راجوری** پر غیر مصلحتی حملہ کیا جس پر بھاری رقم خرچ ہوئی لیکن کوئی قابل ملاحظہ فائدہ نہیں ہوا۔ اس غیر ضروری جنگ کے اخراجات رعایا کو بھاری مالیات کی صورت میں ادا کرنے پڑے جس سے رعایا سُسّل سے بدظن ہوگئی۔ ڈامروں نے پھر سر اُٹھایا۔ خود سُسّل کے عاملین بھی اس کے خلاف ہو گئے۔ **ملکوستھ** ان حالات سے حوصلہ افزائی پاتے ہوئے۔ **بھکشاچار** کو کشمیر میں لے آیا۔ سُسّل نے بہر حال دارالخلافہ کی حفاظت کی لیکن اُس کے لوگوں نے اُس کی حمایت نہیں کی۔

برہمنوں نے بھوک ہڑتال کی۔فوج نے بھی نافرمانی کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ سُسل نے لاری چھوڑ کرلوھر کا رُخ کیا اوراس طرح سے ۲۱۔۱۱۲۰ء میں اس کی پہلی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

لیکن اس کی حکومت کا دوسرا دور بھی (۱۱۲۱ءتا ۱۱۲۸ء) شروع میں پُرامن نہ تھا۔اُس نے غلطی سے غیر ملکیوں میں سے اپنے مشیروں کا انتخاب کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی عاملین اور ڈامروں نے بھکشا چار کی طرفداری کی اور اس سے مل گئے۔بھکشا چار نے سخت حملے کئے اور کئی عمارتوں کو جلا ڈالا۔ان حملوں سے بچ نکلنے کے بعد سُسل کی محبوب ملکہ **میگھ مخبری** کی وفات ہوگئی جس سے سسل اس حد تک ٹوٹ گیا کہ اُس نے اپنے بیٹے جیہ سمہا کے حق میں تخت چھوڑ دیا۔ (۱۱۲۳ء) لیکن پھر حالات کا جائزہ لینے کے بعد اقتدار سنبھالا۔سسل نے اب بھکشا چار کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا کر **تکّ** کو اس کام کے لئے بھیجا لیکن تِک جو ڈامر تھا خود بھکشا چار کا حامی تھا اور اس نے بھکشا چار کے اشارے پر خود سُسل کو قتل کر ڈالا اور اس طرح سے سال ۱۱۲۸ء میں اُس کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں سُسلہا لکھا ہے اور اُس کی پہلی حکومت کا زمانہ سات سال دس ماہ اور دوسرے دور کا طول دو سال تین ماہ لکھا ہے۔ پنڈت بیربل کاچروغے اپنے تصنیف مجموع التواریخ میں ان ہی واقات کا ذکر کیا ہے جو اوپر درج کلہن کی راج ترنگنی سے نقل کئے گئے۔ واقعات کشمیر (اُردو ترجمہ و تحقیق پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد) بھی دیکھئے اور تاریخ حسن کی دوسری جلد بھی۔(ص:۱۴۵۔۱۴۸)

۱۶: **جنمانتر** : دوسرا جنم۔وجود کی دوسری کیفیت۔ مستقبل کی زندگی۔نشاۃ ثانیہ۔

۱۷: **جَیہ سمہا**: حاشیہ ۸ دیکھیں۔

۱۸: **علم کی دیوی**: یعنی سرسوتی (سنسکرت میں) ہندی میں سرسُوتی۔ برھما کی بیوی۔ کلام فصاحت کی دیوی۔ موسیقی اور فنون کی مربی، سنسکرت زبان اور دیوناگری خط کا اختراع کرنے والی۔ سرسوتی دریا (یہ دریا دہلی کے شمالی مشرقی حصے کی حدود سے نکلتا ہے اور جنوب مغربی اطراف میں چل کر ریگستان میں گم ہو جاتا ہے۔ ہندوؤں کا خیال ہے کہ یہاں پر آکر دریا صرف غائب ہو جاتا ہے اور زمین کے نیچے جاری رہتے ہوئے الہ آباد کے سنگم پر گنگا اور جمنا میں مل جاتا ہے) عام دریا کو بھی کہتے ہیں۔ کلام 'فصاحت' ایک شاندار عورت، ایک فصیح زبان اور اختراع کرنے والی عورت اور دُرگا اور ایک گائے کو بھی سرسوتی کہتے ہیں۔

۱۹: **قسمت کی دیوی**: یا دولت کی دیوی جسے **لکھشمی** کہتے ہیں یا **لکشمی**۔ قسمت اور خوبصورتی کی دیوی ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق۔ ہندو اسے وِشنو کی یا ناراؤن کی بیوی مانتے ہس اور ہندوؤں کی خاص نسوانی دیوی ہے۔ اسے **پدما کملا** اور **شری** بھی کہتے ہیں۔ یہ **سیتا** کا ایک لقب بھی ہے جو **رام** کی بیوی تھی۔ **کارتک** مہینے میں نصف چاندرات کے اندھیرے کے پندرھویں روز لکشمی پوجا کرتے ہیں اور اس میں قسمت اور اقبال مندی کی خاطر دولت مند اور خوشحال لوگ زیادہ تر حصہ لیتے ہیں۔ قسمت، خوشحالی، امیری، کامیابی، خوشی، وقار، خوبصورتی، حسن و جمال، شان، بھی لکشمی کے معانی میں آتے ہیں۔

۲۰: **تگرٹہ**: نگرکوٹ یعنی کانگڑہ۔

۲۱: **مَلّہ**: اس شخص کا پورا نام جیسا کہ خود زون راج نے آگے چل کر لکھا ہے۔ **مَلّ چندر** تھا۔ اس شخص کے بارے میں زون راج کے بیان

کے پیشِ نظر کہ یہ یاونوں کے خیمے میں جاکر اُن کے سردار کے سرہانے پر اپنے جوتوں کا جوڑا چھوڑ کر جن پر اپنا نام لکھ دیا تھا، واپس چلا آیا۔ **تاریخ حسن** (جلد دوم، ص:۱۵۲۔۱۵۳) کے مصنف نے لکھا ہے کہ سال ۵۲۵ھ میں **ترکستان** کے والی **چنگیز خان** نے حملہ کر کے **افغانستان** کو اپنے قبضۂ اقتدار میں لایا اور اپنی فوج کے ایک افسر کو بھاری لشکر کے ساتھ **پنجاب** اور **کشمیر** کو فتح کرنے کے لئے بھیج دیا۔ راجا جے سنگھ نے پنجاب کے راجگان کی فوجوں کے ہمراہ دریائے **نیلاب** (سندھ) پر اس کا مقابلہ کیا اور اس کے کناروں پر خون کی نہریں جاری کر دیں۔ اسی حال میں راجا جے سنگھ نے اپنے وزیر **مُل چَندر** کو حکم دیا کہ **ترکوں** کی لشکر میں کسی صاحب فراست کو جاسوس کی حیثیت سے بھیج دیا جائے کہ اچھی طرح سے اُن کی قوت وطاقت کے بارے میں آگاہی حاصل کر کے لوٹ آئے۔ ملچندر نے خود اپنی جگہ غور وخوض کر کے اس اہم کام کو انجام دینے کی خاطر کسی کو اہل نہ پایا۔ ناچار لباس بدل کر خود اکیلا ترکوں کی فوج میں داخل ہوا اور ایک خط لکھ کر اسے اپنے جوتوں میں رکھتے ہوئے ترکوں کی لشکر کی طرف آہستہ آہستہ چل دیا اور ہر طرف جا کر تلاش وجستجو کرتا رہا۔ جب فوج کے سردار کے خیمے میں پہنچا تو خط اور جوتے کو اُس کے سرہانے پر رکھ دیا اور اچھی طرح سے حالات سے واقفیت پیدا کرنے کے بعد لوٹ آیا۔ دوسرے روز غفلت شعار سردار استراحت کی نیند سے جب جاگا تو جوتے میں سے خط کو اٹھا کر دیکھا۔ اس میں لکھا تھا:

"میں ہوں مُل چندر راجا جے سنگھ کی فوجوں کا افسر! میں یہاں پر آپہنچا جب کہ تم غفلت کی نیند میں مست ہو کر سوئے ہوئے تھے۔ میں نے چاہا کہ تمہارے سر کو کاٹ کر خدا کے بندوں کو تیرے ظلم، تیری

سختیوں اور تیرے مکروفریب سے نجات دوں، لیکن غفلت کی حالت میں دشمن کو مار ڈالنا مروّت نہیں اور نہ مردانگی ہے۔اس لئے تیرا خون بہانے سے میں نے صرف نظر کیا۔تم جیسے غفلت شعار آدمیوں کے لئے شایستہ نہیں کہ خود بینی اور لاف زنی سے کام لیتے ہوئے دلاور پیشہ لوگوں کیخلاف جنگ وجدل کا علم بلند کر کے خود کو اژدہا کے منہ میں ڈال دیں''

ترکوں کی فوج کے سالار نے جب خط کا مضمون پڑھا تو کشمیر کے راجا سے صلح کر کے واپس چلا گیا اور جے سنگھ خوش بختی کی مدد سے کشمیر کے دارالخلافہ میں لوٹ آیا اور ملچندر کو دونوں ثبت جاگیر میں دے کر اس کی قدر ومنزلت بڑھادی۔اس کے بعد **ملچندر** نے **گگنہ گیر** گاؤں میں ایک سنگین قلعہ تعمیر کیا اور وہاں پر عیش وعشرت کے ساتھ زندگی گزاری۔جے سنگھ نے ۲۷/سال تک حکومت کی اور بالآخر ترکوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

کلھن پنڈت نے **راجہ سوسَل، جے سنگھ** اور **مُل چندَر** کے حالات کو مکمل شرح وضبط کے ساتھ تقریباً دو ہزار شلوکوں میں اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے۔طوالت اور فضولی کے پیش نظر اُن کو ترک کر کے میں نے اُن میں سے ایک نمونہ پیش کیا۔جَے سنگھ کی وفات کے بعد بھی مُلچندر اپنی لیاقت وزیر کی اور ہوشیاری سے حکومت پر برقرار رہا لیکن جوانمردی اور نمک شناسی کے حق کا لحاظ کرتے ہوئے اس نے راجا جے سنگھ کے بیٹے **پرمانو** کو تخت پر بٹھا دیا۔

تاریخ حسن میں اس عبارت سے پہلے **راجہ جے سنگھ** کے ذکر کے آغاز میں (ص:۱۴۹۔۱۵۰) **مُلچندر** کے بارے میں لکھا ہے کہ ''کہا جاتا ہے **مُلچندر** جو **سوسرم** کا بیٹا تھا، **چندر بنسی** راجگان کے خاندان میں سے تھا۔یہ چندروں کی قوم ہمیشہ کمال حشمت وجلال

کے ساتھ **نگر کوٹ** یعنی **کانگڑہ** پر حکومت کرتی تھی۔ دشمنوں کے غالب آجانے سے وطن کو چھوڑ کر مُلچندر نے سابق الفت ومحبت کے روابط کے پیش نظر راجہ جے سنگھ کے پاس پناہ لی۔ سابق الفت کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے راجا نے **پرگنۂ** لار اُس کی جاگیر مقرر کردی جو اس کا ذریعہ معاش قرار پائی اور وزارت اور سپہ سالاری کے عہدے اُس کو عطا کئے۔ چنانچہ اس کی اولاد اور ذریات پادشاہانِ چغتائیہ کی حکومت کے عہد تک امیری اور وزیری کے عہدوں پر پشت در پشت شرفیاب رہے اور پسندیدہ اُمور انجام دئے''۔

ملچندر، اُس کے خاندان اور اس کی اولاد کے کشمیر پر حکومت کرنے کے تعلق سے یہ بیان خاصی اہمیت رکھتا ہے اور پنڈت زون راج کے اس بیان کے ساتھ کہ مُلچندر، سُشرم کے خاندان کا فرد تھا، خاصی مطابقت رکھتا ہے اگر چہ تاریخ حسن میں آیا ہے کہ ملچندر، سُشرم کا بیٹا تھا۔ زون راج نے جو اشارے ملچندر کے بارے میں دئے ہیں تاریخ حسن کے مؤلف نے اُن کی تفصیل بیان کی ہے جو تاریخی اعتبار سے معتبر ہیں۔

۲۲ : **یاوَن**: انگریزی میں IONIAN، [بحرِ روم (میڈی بڑے نَین) کا ایک حصہ جو اٹلی، البانیہ اور یونان تک طویل ہے۔ مغربی یونان کے ساحل کی مساحت میں واقع جزیرے، جن پر بارھویں صدی عیسوی سے اٹلی کا قبضہ تھا اور بعد میں فرانس کے ساتھ ملحق ہوئے اور سال ۱۸۱۵ء سے انگریزوں کے تحت آگئے اور ۱۸۶۴ء میں یونان کو دے گئے۔ ان کی طوالت ۱۹۳۳ مربع کلومیٹر ہے اور اابادی تین لاکھ کے قریب ہوگی۔ ضمناً اَیُونیہ (IYONIYYA) بھی ایک قدیم ملک کا نام ہے جو ایشیاء کوچک کے مغربی

ساحل پر ازمیر اور منڈیلیا کے خلیجوں کے درمیان واقع ہے۔ مہاجر یونانی اسی علاقے کے باشندے تھے۔ یہ ملک چھٹی صدی عیسوی میں یونانی تمدن کو پھیلانے کا سب سے بڑا مرکز تھا۔] یونانی یا یونانی بادشاہ، یورپی، غیر ملکی، اواخر عہد میں مسلمان کو بھی یاوَن کہا گیا کہ کشمیر میں مقامی پنڈتوں کے خیال میں جو غیر ملکی مسلمان آکر آباد ہوئے وہ یاوَن تھے۔ یعنی غیر کشمیری۔ ایک ذات کا نام۔ ایک گوت (یا گوتا یعنی نسل، خاندان، رشتہ دار لوگ) کھشتری اور ویش کا حلال بیٹا۔ (یاوَن دیش۔ ایونیہ۔ یونان۔ باختر یعنی بلخ اور اواخر میں عرب کو بھی اس میں شامل کر دیا گیا ہے)۔ ہندی میں جامنی وہی معنی رکھتا ہے جو سنسکرت میں یاونی کے ہیں اور اس میں مسلمان بھی شامل ہے۔ اس کے ایک معنی BARBARIAN بھی ہیں یعنی اجنبی۔ غیر ملکی، غیر یونانی، غیر عیسائی، جاہل، وحشی۔

۲۳: **مَله چندَر**: دیکھئے حاشیہ ۲۱ اور ۲۷۔

۲۴: **تُرشک**: تُرکی یا تُرکستانی۔ ہندتورانی۔ انگریزی میں Indo Sythians [ترکوں، تورانیوں یا ترکستانیوں کی نسل] Sythia بحیرۂ اسود، بحیرہ خضر اور بحیرۂ اُرال کے شمال کا قدیم نام تھا۔ [ضمناً لوبان نامی خوشبو کو بھی تُرشک کہتے ہیں۔ لوبان ایک قسم کی گوند ہے جو آگ پر رکھنے سے خوشبو دیتا ہے اور اسے انگریزی میں Olibanum کہتے ہیں اور ہندوستان کے ملک میں پایا جاتا ہے] تُرکی خاندان، تُرکستان کا گھوڑا۔

۲۵: **سال سنله ۳۰**: عیسوی سال ۱۱۵۴ء۔ شک ۱۰۷۶۔ ہجری ۵۴۹ھ

۲۶: **پھالگن ماہ**: شک سال کے بارہ مہینوں کے نام یہ ہیں:

بیساکھ، چیٹھ، ہار، ساون، بہادون، اسوج، کتک، مگھر، پوہ، ماگھ، پھاگن، چیت۔ کشمیر میں ڈوگرہ راجاؤں نے یہی تقویم رائج کی تھی۔ اب انگریزی تقویم رائج ہے۔

۲۷۔ **پرمانُکا**: ابوالفضل نے **آئین اکبری** میں اسی قدر لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ **پرمانُک بنِ جینگو** بسیت وہفت سال (یعنی جے سنگھ کے بیٹے پرمانُک نے ۲۷ سال تک حکومت کی)۔ **کنگڈم آف کشمیر** کے مصنف نے لکھا ہے کہ "جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں **جَیہ ستھہ** نے اپنی زندگی میں **گُلھن** کو تخت پر بٹھایا تھا اور یہ اطلاع ہمیں **کلھن** نے دی ہے لیکن **جون راج** جس کی **وِوتیا راج ترنگنی** میں درج بیان پر ہمیں اصولاً سال ۱۱۵۰ء سے سال ۱۱۵۹ء تک کی کشمیر کی تاریخ پر انحصار کرنا ہے، کہتا ہے کہ **جَیہ سمھہ** کا جانشین اس کا بیٹا **پرمانُک** تھا جسے **پرمانُودیو** بھی کہا جاتا ہے اور یہ کہ وہ اپنے وزیروں کے پسندیدہ انتخاب پر تخت نشین ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ **گُلھن** کی تخت نشینی کو اس کے باپ کی وفات پانے کے بعد نظر انداز کر دیا گیا۔ **پرمانُک** کا خاص مقصد دولت کی جمع آوری تھا اور اُس کی خوش قسمتی سے اُس کے پاس سونا کھود کر نکالنے والے دو آدمی آ گئے۔ ان میں سے ایک **پریاگ** تھا اور دوسرا تھا **جَنَک**۔ جنہوں نے اپنے مالک کا خزانہ ظلم وستم کی راہ سے بھر دیا"۔ **تاریخ حسن** (جلد دوم ۱۵۳۔۱۵۴) میں آیا ہے کہ "**راجہ پرمانُو** نے سال ۱۲۱۶ بکرمی میں **مُل چندر** کی مدد سے راجگی پائی۔ احمق پن اور غرور میں ممتاز تھا چنانچہ بیوقوفی اور احمق پن کی وجہ سے **مُل چندر** کی کوئی قدر نہیں کی۔ دو شریر بد اطوار آدمیوں کو وزارت کا عہدہ دیا۔ ہمیشہ ظلم وجفا کو روا رکھتے ہوئے لوگوں کو اذیت دی۔ اسی دوران **مُل چندر**

کی زندگی کا سورج ڈوب گیا اور وہ اس ناپایدار دنیا کو چھوڑ گیا۔ **پرمانو** کے بگڑے حالات اور **مُل چندر** کی وفات کی خبر سن کر **پھکلی**، **راجور**، **جموں**، **کشتواڑ** اور **تبت** کے اطراف کے راجاؤں نے راجہ کی اطاعت کو ترک کر کے خودمختاری اختیار کی۔ **پرمانو** کے ساتھ دو شعبدہ باز مل گئے جنہوں نے اُسے شعبدہ بازی کی شکلیں دکھائیں اور کہا کہ یہ شکلیں دراصل عالم بالا سے ایک دیوتا تیرے لئے لے آتا ہے اور ان ہی کے قدموں کی برکت و تبرک سے تم ہمیشہ کی حکومت اور ملک رانی پاؤ گے۔ ایسی ہی مکاریوں اور عیاریوں سے فریب دے کر اس کی بیشمار دولت لوٹ لی اور اُسے مفلس وغریب بنا دیا۔ نو سال چھ ماہ اور دس دنوں تک حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا''۔

مجموع التواریخ (قلمی نسخہ) میں آیا ہے کہ یہ دونوں آدمی برھمن تھے اور اُن کی بداطواری اور مردم آزاری کو دیکھ کر سپاہیوں اور تمام رعایا نے اُن کا کام تمام کر دیا اور راجا آزاد ہو گیا اور اٹھارہ سال تک حکومت کی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مجموع التواریخ کے مصنف پنڈت بیربل کاچرو نے **مُل چندر** کے بارے میں وہی لکھا ہے جو تاریخ حسن نے مصنف لکھا ہے۔ البتہ یہ اضافہ کیا ہے کہ اس دوران میں وقت کا ایک برھمن دانشور تھا جس کا نام **جوتی** تھا۔ یہ بلکہ دانشوروں کا سردار تھا۔ راجہ کی فرمایش پر اس نے تاریخ **شاہ نامہ** سنسکرت زبان میں لکھی اور کافی انعام واکرام سے فیضیاب ہوا۔ پنڈت بیربل مذکور نے لکھا ہے کہ راجہ نے بیس سال اور چھ ماہ تک حکومت کر کے وفات پائی اور اُس کا ایک بیٹا یادگار رہا جس کا نام **پری بات** تھا۔ (غالباً پربھات؟) جو کم سن تھا۔ اعیان وقت نے مُل چندر سے حکومت قبول کرنے کو کہا۔ مل چندر نے مصلحتاً قبول کیا اور یہ شرط رکھی کہ جب پربیات صاحب شعور

ہوگا صاحب تخت وہی ہوگا۔ مل چندر کے اوصاف سے رازہ ترنگنی (راج ترنگنی) پر ہے۔ اس نے **دکن** تک **ہندوستان** کے ممالک کو اپنے تصرف میں لایا اور اُن ممالک میں خرابیوں کو دور کرنے کے بعد لوٹ آیا۔ اس عرصہ میں اس نے دیکھا کر پری بات باشعور ہوگیا ہے اور سولہ سال کے بعد اعیان سلطنت کو بلا کر کہا کہ اب تک میں نے آپ کے پاس خاطر سے فرمان دہی کی۔ اب جو پری بات عقل وتمیز کی منزل پر آ گیا ہے، راجگی کی وراثت اُسی سے متعلق ہے۔ اس لئے اُسے تخت نشین کر کے میں حق نمک سے اپنے کندھوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہوں اور اس کے بعد میں اُسی کی متابعت میں رہوں گا۔ تب مل چندر کی مساعی سے پری بات نے حکمرانی کا علم لہرایا اور اہل بغاوت وعناد کو منہدم کرنے میں ممتاز رہا۔ لیکن احمق پن اور بیوقوفی کی وجہ سے مل چندر کی قدر نہ جانی اور احترام نہ کیا اور اُس نے دو بدکردار آدمیوں کو ترجیح دی اور اُن کی ظلم پیشگی کی راہ سے لوگوں کو اذیتیں دیں۔ اسی اثناء میں اس کی عمر کا سورج ڈوب گیا۔ ایک متمول آدمی تھا۔ مال واسباب سے قطع نظر محاسبوں نے اُس کے زر نقد کا حساب لگا کر اُسے ایک لاکھ اور ستر ہزار اشرفیوں اور چار سو من سونے کا مالک پایا۔ چند دنوں کے بعد راجہ پری بات بھی فوت ہوا۔ اس نے نو سال تک حکومت کی۔ میرا خیال ہے کہ پری مانو کی جگہ پری بات کاتب کا اشتباہ ہے۔ مجموعی طور پر سارے بیانات مشابہ ہیں۔

۲۸: **کُند** : یاسمن (چنبیلی) کی ایک قسم J.HIRSUTUM JASMINUM MULTIFLORUM, J. PUBESCENS وِشنو کا ایک نام۔ ایک پہاڑ کا نام۔ ایک پیاز نما جڑ۔ گٹھی (پیاز وغیرہ کی)۔ کھانے کے قابل جڑ Arum Companulatum۔ لہسن۔

۲۹: **وید**: علم جو مقدس ہو۔ مقدس تحریر۔ ہندوؤں کی مقدس تحریر جسے دِیاس نے ترتیب دیا ہے۔ یہ تعداد میں تین تحریریں تھیں۔ رِگ وید، یجُر وید اور سام وید۔ بعد میں چوتھا وید اتھروَ کا اضافہ کیا گیا۔

۳۰: **راکشَس**: بھوُت، جِن، شیطان، ایک بدروح، خبیث دیو، عظیم پیٹو۔ ہندو خُرافات میں راکشس کا بڑا حصہ ہے اور اس کی تین اقسام ہیں۔ پہلی قسم نیم متبرک ہے اور کوبیر دیوتا کے غلاموں میں شمار ہوتی ہے۔ دوسری قسم بُری ہے۔ خبیث ہے اور شیطانی جو راتوں کو گھومتے رہتے ہیں۔ مرگھٹوں میں جاتے ہیں۔ قربانیوں کو تتر بتر کرتے ہیں۔ نیک لوگوں کو پریشان کرتے ہیں۔ لاشوں میں جان ڈالتے ہیں اور زندوں کو جال میں پھنسا کر اُن کو کھا جاتے ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو ایک عالی دماغ شوق کے قریب تصور کی جاتی ہے۔ یا کسی سخت دل اور بے درد دشمن کے قریب جو دیوتاؤں کی دشمن ہے اور مافوق انسان کی صورت میں یا کسی مجسم ہیت میں سامنے آتی ہے جیسے راون۔

۳۱: **چیتُر ماہ**: چیت کا مہینہ

۳۲: **بھشایک شہر**:

۳۳: **بھادر**: بھادُون کا مہینہ۔

۳۴: **ورتِ دیو**: تاریخ حسن (ج ۲، ص ۱۵۴) میں اس کا نام **ورتی دیو** آیا ہے اور لکھا ہے کہ سال ۱۲۲۵ بکرمی میں تخت پر بیٹھا۔ سات سال تک حکومت کی اور فوت ہوا۔ چونکہ اپنی کوئی اولاد نہ تھی اور سلطنت کے وارثوں میں بھی کسی کو تخت کا اہل نہ پایا۔ اس لئے اعیانِ ملک نے **لون فرقہ** کی ترغیب پر **راجہ اُوپیہ دیوکو**، جو حکومت کرنے کے لائق نہ تھا قحط الرجّال کی وجہ سے تخت پر بٹھا دیا۔ **مجموع التواریخ** میں لکھا ہے کہ

راجہ پری مات (راجہ پرمانکا) کے بعد اس کے بیٹے **راجہ وینہ دیو** نے تخت مملکت کو آراستہ کیا (گویاؤپیہ دیو مراد ہے) اور آٹھ سال اور چھ ماہ کی مدت سلطنت کے بعد وفات پائی۔ **آئین اکبری** میں ابوالفضل نے پرمانُکا کے بعد اُس کے بیٹے **دتی** کا نام لکھا ہے جو تخت نشین ہوا۔ لیکن اس کی شناخت نہیں ہو پائی کہ کسی بھی مورخ نے اس کا نام نہیں لیا ہے۔ (شاید ورتی دیو ہو؟)۔ **کنگڈم آف کشمیر** کے مؤلف نے لکھا ہے کہ سال ۱۱۶۴ء میں پرمانُک کے بعد اس کا بیٹا **ونتی دیو** یا **ورتی دیو** تخت نشین ہوا۔ اس کی سلطنت جو سات سال تک قائم رہی۔ (ابوالفضل نے دتی، جو غالباً اشتباہ ہے اور امکان ہے ونتی ہو کی مدتِ سلطنت سات سال دو ماہ لکھی ہے) اہم واقعات سے خالی تھی اور جب بے اولادی کی حالت میں سال ۱۱۷۱ء میں اُسکی موت واقع ہوئی تو اسی کے ساتھ کشمیر میں دوسرے لوھر خاندان کا راج بھی ختم ہوگیا۔ **تاریخ جدولی موسوم به موجزالتواریخ** میں بھی **راجہ پرمانو** کے بعد **راجہ وِرتی دیو** کا ذکر ہے اور لکھا ہے کہ "مدتِ حکومت ۷/سال۔ ۵۶۳ھ، ۱۱۶۸ء، ۱۲۲۵ بکرمی۔ یہ راجہ بے اولاد تھا"۔

۳۵: دیکھئے حاشیہ ۳۲۔

۳۶: **وَوپیہ دیو: تاریخ حسن** میں آیا ہے کہ **راجہ اُوپیہ دیو** سال ۱۲۳۲ بکرمی میں مسند حکومت پر بیٹھا۔ اس کے ہاتھوں سوائے تباہی وخرابی کے اور کچھ نہ ہوا۔ اس کی حماقت کے قصے مشہور ہیں۔ کہتے ہیں ایک روز جھیل ڈل میں کشتی میں بیٹھ کر سیر کر رہا تھا۔ پانی میں اپنا عکس دیکھ کر ہنس پڑا اور اُدھر سے عکس بھی ہنس دیا۔ اس پر غصہ آیا اور اپنے چہرے کے عکس پر تھپڑ مارا اور انگوٹھی ہاتھ کی پانی میں گر گئی اور وہاں پانی کی سطح کے اوپر

خط کھینچا۔ جب دولتخانہ میں پہنچا تو ایک وزیر نے پوچھا "آپکی انگوٹھی کہاں کھو گئی؟" کہا "جھیل ڈل کی سیر کرتے کرتے پانی میں گرگئی اور وہاں پر میں نے خط کھینچا ہے کہ نشانہ رہے۔ کل انگوٹھی وہاں پر ڈھونڈ لی جائے"۔ کہتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے پتھروں کو بڑے پتھروں کے بچے جانتا تھا اور کہا کہ چھوٹے چھوٹے پتھروں کو دودھ پلا دو کہ بڑے اور موٹے تازہ ہو جائیں۔ نو سال اور چار ماہ تک حکومت کر کے فوت ہوا۔ **تاریخ جدولی** (اردو ترجمہ ص ۹۵) میں بھی راجہ ورتی دیو کے بعد راجہ اوپیہ دیو کا نام آیا ہے اور مدت حکومت ۹ رسال ۴ ماہ ہی لکھی ہے۔ مزید لکھا ہے کہ احمق تھا مگر قحط الرجال یعنی دانا لوگوں کی کمی کے باعث حکمران بن گیا۔ **ابوالفضل** نے **بتی دیو** لکھا ہے اور مدت حکومت ۹ سال ۴ ماہ اور ۱۷ر دن لکھی ہے۔ لیکن نام صحیح نہیں۔ جون راج نے جو نام لکھا ہے یعنی ووپیہ یو وہی صحیح ہے۔ **کنگڈم آف کشمیر** میں آیا ہے کہ جب سال ۱۱۷۱ء میں (۵٦۷ھ۔ ۱۰۹۳ء تک) ونتی دیو کی وفات کے بعد تخت خالی رہا تو معتبر شہریوں نے ایک **بوپہ دیو** یا **وپہ دیو** نامی آدمی کا راجہ کے طور پر انتخاب کرلیا۔ اگر چہ اس نئے بادشاہ کی اصلیت مبہم ہے لیکن وہ ایک غیر معمولی قابلیت والا آدمی تھا اور زمین شناس تھا اور یہ ایسی صفات تھیں جن سے رہ مقابلتاً تاج کے لئے ایک ترجیحی امیدوار بن گیا۔ جون راج ہمیں مطلع کرتا ہے کہ اس کا بیشتر مشغلہ پتھروں اور کنکروں کا مطالعہ تھا لیکن یہ مورخ اس علم کی تعریف کے حق میں نہیں دکھائی دیتا اور وہ **بوپہ دیو** کی مشغولیتوں کا مذاق اڑاتا ہے۔ پس اُسے احمق پن کا ایک نمونہ قرار دے کر جون راج کہتا ہے کہ بڑے بڑے پتھروں کو دیکھنے کے بعد وہ حکم دیتا تھا کہ چھوٹے پتھروں کو حیوانوں کا دودھ پلا پلا کر موٹا تازہ کر دیا جائے۔ معلوم نہیں کہ کنگڈم آف کشمیر کے مصنف بوپہ دیو (جب کہ راجہ کا صحیح نام جون

راج کے بقول وو پہ دیو ہے) کے احمق پن پر پردہ کیوں ڈال رہے ہیں جبکہ بو پہ دیو کو صرف ایک ہی مورخ جون راج نے احمق اور بے وقوف نہیں کہا ہے بلکہ سبھی مقامی مورخین اُسے ایسا کہنے میں ایک زبان ہیں اور پھر اس مصنف نے ''زمین شناسی کے عالم بو پہ دیو'' کی زمین شناسی کی کہیں سے کوئی مثال بھی پیش نہیں کی۔ یہ کنگڈم آف کشمیر کے مصنف کا احمق کو دانا بنانے کا ایک بے معنی گمان اور وہم ہے جو خاص اُن ہی کا ہے۔ اس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ **مجموع التواریخ** کے مصنف نے لکھا ہے کہ **بومہ دیو** (کاتب کا اشتباہ ہے۔ غالباً بو پہ دیو لکھا ہے) بہت احمق اور بیوقوف تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک روز دریا سے گزر رہا تھا تو پانی میں اُسے اپنا عکس دکھائی دیا اور ہنس پڑا۔ مقابل میں عکس بھی اس پر ہنس دیا اور اس پر وہ خشمگین ہوا اور پانی پر ایک طمانچہ مارا۔ ہاتھ کی انگوٹھی انگلی سے نکل گئی اور اس جگہ پر پانی پر خط کھینچ دیا۔ جب گھر پہنچا تو اپنے ملازموں سے کہا کہ فلاں جگہ میری انگوٹھی پانی کے اندر چلی گئی ہے اور میں نے پانی پر خط کھینچ دیا ہے۔ جا کر انگوٹھی لے آؤ۔ اس بے عقلی کے باوجود نو سال تک حکومت کی۔ **واقعات کشمیر** میں بھی ان ہی بیانات کا اعادہ ہے۔

۳۷: **سُریشوری مندر**: اس مندر کی شہرت اور اس کے مقام کے بارے میں ملاحظہ کیجئے۔ **قدیم ترین جغرافیہ جموں و کشمیر** کلہن پنڈت مترجم ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ سے شائع کردہ گلشن پبلیکشنز گاؤ کدل سرینگر (ص ۲۳۱۔۲۳۲)۔ چونکہ یہ مندر جھیل ڈل کے شمال میں ہے اس لئے راجہ اس ڈل سے گزرا تھا جس کے پانی میں اس نے اپنے چہرے کا عکس دیکھا تھا۔

۳۸: **جَسک**: **تاریخ حسن** (ج ۲، ص ۱۵۵) میں یہ نام

راجہ رسہ دیو کی صورت میں آیا ہے اور لکھا ہے کہ اوپیہ دیو (دیکھئے حاشیہ ۳۶) کا بھائی تھا اور سال ۱۲۴۱ بکرمی میں تخت پر بیٹھا۔ گو کہ سلطنت پر راضی نہ تھا لیکن **لون فرقہ** کی رائے سے جو صاحب قابل اور صاحب استعداد تھے، اس کام کے لئے آمادہ ہو گیا۔ دو چالاک برھمن جو ایک ہی خاندان کے تھے راجہ موصوف کے دربار میں صاحب استعداد تھے، اس کام کے لئے آمادہ ہو گیا۔ دو چالاک برھمن جو ایک ہی خاندان کے تھے راجہ موصوف کے دربار میں صاحب اعتبار بن گئے اور سلطنت کا بھی خیال دل میں لے آئے اور فساد و عناد پر اتر آئے۔ چونکہ لون گروہ راجہ کا نیک خواہ گروہ تھا اس لئے برھمنوں کی تدبیریں آگے نہ بڑھ پائیں اور راجہ نے مکمل آزای کے ساتھ ۱۸ سال اور ۱۳ روز تک حکومت کی۔ **کنگڈم آف کشمیر** کے مصنف ایم۔ ایل۔ کپور صاحب نے لکھا ہے کہ جب وہ (بقولِ کپور صاحب، بوپہ دیو۔ دیکھئے حاشیہ ۳۲) سال ۱۱۸۰ء میں فوت ہوا تو ملک نے تخت نشینی پر اس کے بھائی اور بیٹے کے درمیان تخت نشینی پر ایک منحصر لڑائی ہونے کا مشاہدہ کیا۔ آخر جب بیٹے کو راجوری کی طرف بھگا دیا گیا تو بھائی جس کا نام **جَسَک** تھا لَوَنِیَہ ڈامروں کے تعاون سے تخت نشین ہوا۔ جسّک کمزور دل کا تھا اور دو برھمن بھائی **بھیم** اور **کُسکس** نے اُس کے خاطر کو مغلوب کر لیا۔ انہوں نے تخت پر بھی قبضہ کر لیا ہوتا لیکن ڈامروں کے ڈر سے ایسا نہیں کیا۔ اس نے سال ۱۱۹۸ء (۵۶۵ھ) تک حکومت کی۔ **تاریخ جدولی** میں بھی تاریخ حسن کی پیروی میں **راجہ رسہ دیو** آیا ہے اور لکھا ہے کہ مدت حکومت ۱۸/سال ۱۳/روز۔ ۱۲۴۱ بکرمی۔ اُوپیہ دیو کا بھائی تھا اور لون فرقہ کی امداد سے راجہ بنایا جا سکا۔ **مجموعُ التواریخ** کے مؤلف پنڈت بیربل کاچرو نے لکھا ہے ''اُس کے بعد (یعنی وُپیہ دیو کے بعد... دیکھئے

حاشیہ۳۶) اُس کا بیٹا **رشہ دیو** (نام میں کاتب کا اشتباہ ہے) ارباب کار کی رائے سے حکومت کے تخت پر بیٹھ گیا۔ ہر چند خود راضی نہ تھا۔ **طایفۂ لون** نے جو بڑے صاحب قبیلہ لوگ تھے اُسے رضا مند کرلیا۔ اس کے عہد میں دو برہمنوں نے اس حد تک اختیار حاصل کرلیا کہ اُس کے احکام کو قبول نہ کرتے ہوئے بدکرداری اور شرارت سے کام لیا اور لوگوں کو اذیتیں دیں۔ اس کردار کو دیکھ کر فوج اور لوگ اُن سے متنفر ہو گئے اور دونوں کا کام تمام کردیا اور راجہ مطلق العنان ہوگیا۔ اس کی حکومت کی مدت اٹھارہ سال لکھی گئی ہے''

ابوالفضل نے آئین اکبری میں اپنی معمول کی مختصر بیانی کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے لکھا ہے ''**جسدیو** برادرخوردِ اُو... ھژدہ سال وسیزدہ روز'' (جسدیو، اُس کا (یعنی بقول ابوالفضل بتی دیو) کا چھوٹا بھائی جس نے ۱۸ سال اور ۱۳ دنوں تک حکومت کی۔ یہاں پر یہ کہنا لازمی ہے کہ کشمیر کے ہندو راجاؤں کے نام اپنی تاریخ میں ثبت کرنے کے بارے میں ابوالفضل نے تحقیق سے بے نیازی کا مظاہرہ کیا ہے اور اس طرح کے شان وشوکت والے مغلیہ درباری علماء قدیم تاریخ کا کام اپنے غلام ماتحتوں سے کرواکر اُن کی محنت کی کلغی کو اپنے دستار پر چسپاں کرتے تھے)۔

۳۹: **مہادیو**: یعنی بڑا دیوتا۔ شِو کا ایک نام جو ہندوؤں میں تین بڑے دیوتاؤں میں تیسرا بڑا دیوتا ہے۔ ہندو عام طور پر شِو کو مہادیو کے نام سے ہی یاد کرتے ہیں۔ شِو کی بیوی پاروتی یا دُرگا کو مہادیوی کے لقب سے بھی پکارا جاتا ہے کشمیر کے ہندو (جنہیں عام زبان میں پنڈت کہتے ہیں) اکثر اور بیشتر فقط شِو کی ہی پرستش کرتے ہیں۔ حاشیہ ۲۱۸ بھی دیکھئے۔

۴۰: **سال ۷۴ لوکِک**: سال ۱۱۹۸ء (۵۹۵ھ، ۱۱۲۰شک)

۴۱: **شِری جگدیو**: **کنگڈم آف کشمیر** میں آیا ہے کہ

"اُس کی (یعنی جَسَک کی) حکومت سال ۱۱۹۸ء تک رہی جب کہ اس کی وفات ہوئی اور اس کے بعد اس کا بیٹا **جگدیو** تخت نشین ہوا جو **جَسدیو** اور **جَودیو** بھی کہلاتا ہے۔ (ان ناموں کے حوالے اس انگریزی میں لکھی گئی تاریخ میں مصنف نے نہیں دئے ہیں۔ میرے زیرِ نظر منابع میں بھی جسدیو اور جودیو ناموں کا کوئی ذکر نہیں)۔ یہ ایک روشن دماغ حکمران ثابت ہوا۔ اس نے ملک کو ڈامروں کے ظلم وجود سے نجات اور لوگوں کو ایک شفاف حکومت دلانے کی کوشش کی۔ اس وجہ سے **کالیستھ** عاملین نے، جو بڑے نقصان میں رہے، پورے گروہ کی صورت میں اُس کے خلاف طاقتور ڈامروں کے ساتھ مل کر، بغاوت کی اور راجہ کو کشمیر سے باہر نکال دیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد اُس نے پھر سے اپنے وفا شعار وزیر **گُنکر راھول** کے مشورے اور تعاون سے اقتدار پایا۔ لیکن سال ۱۲۱۲ء میں (۶۰۹ھ) اُسے اپنے ہی **پدَم** نامی رووار پتی نے زہر دے کر مار ڈالا۔ **تاریخ حسن** کے مولف نے لکھا ہے کہ سال ۱۲۵۹ بکرمی میں امراء کے مشورے سے سلطنت کے تخت پر قدم رکھ کر اس نے قدیم ظلم وجفا کی رسموں کو برطرف کر کے عام رعایا کو خواہ وہ خاص تھے یا ادنیٰ تھے، خوش حال بنا دیا۔ فسادی لوگوں کو خوب سزا دی۔ کچھ عرصے کے بعد طمع کی بنا پر امراء اور وزراء نے اُسے سلطنت سے برطرف کر کے ہندوستان کی طرف نکال باہر کیا۔ وزیروں میں سے **کراھُل** نامی ایک وزیر نے (غالباً گُن کراھول سے مُراد ہے جو گن کر راھول کی بگڑی صورت ہے) راجہ سے موافقت کی اور دونوں مُلک سے باہر چلے گئے۔ جب دونوں نے دُور تک کا راستہ طے کیا تو اپنے اس وزیر روشن ضمیر کی تدبیر سے راجہ کشمیر میں لوٹ آیا اور یہاں اپنے مخالفین کو چھوٹی سی تعداد کو شکست دے کر پھر سے تخت پر بیٹھا اور وزیر کی رہنمائی میں رعایا کی بہبودی اور راحت

وآسائش کے اُمور میں مشغول رہ کر نیکنامی پائی۔ کہتے ہیں جو دوسخا اور عطاو کرم میں بڑا وسیع دست تھا اور حاتم سے بھی بڑھ کر تھا۔ کشمیر کے لوگ اسے **جگدیو داتا** کہتے تھے۔ بالآخر **پَدْمَ** نامی ایک شخص نے جو راجہ کے اپنوں میں صاحب اقتدار واعتبار تھا۔ سلطنت پانے کی لالچ میں راجہ کو زہر دے کر اُسے نابود کردیا۔ اس کی حکومت ۱۴سال ۳ماہ ۳دن کی تھی۔ **تاریخ جدولی** میں آیا ہے **راجہ جگدیو** کی مدت حکومت ۱۴سال ۳ماہ ۳یوم کی تھی۔ سال ۱۲۵۹ بکرمی۔ چونکہ محسن تھا اور سخاوت میں مشہور، اس لئے لوگ اُسے **جگدیو داتا** کے نام سے پکارتے تھے۔ رعایا نواز تھا۔ بالآکر زہر دے کر مارا گیا۔ پنڈت بیربل کاچرو نے **مجموع التواریخ** میں لکھا ہے کہ ''اُس کے بعد (یعنی راجہ رشہ دیو... دیکھئے حاشیہ ۳۸) اُس کے چچیرے بھائیوں میں سے ایک بھائی راجہ جگد یواُمور سلطنت کی طرف متوجہ ہوا۔ گزشتہ ایام میں رائج ظلم وستم کی رسومات کوختم کرڈالا۔ **کراھُل** نامی وزیر کوآزادی بخشی اور اُسے اس قدر تسلّط حاصل ہوا کہ راجگی کے نام کے بغیر راجہ کا کوئی دخل ہی نہ تھا۔ بالآخر وزیر بدتدبیر نے خدائے برحق کی طرف سے باز خواست کئے جانے اور حق نمک سے چشم پوشی کرتے ہوئے اُسے زہر دے کر مارڈالا۔ اس ملک پر ۱۴سال تک حُکم فرمائی کی اور بُوم خصلت وزیر کوسوائے ذلالت وبدبختی والا حاصلی کے کچھ نہ ملا''۔ لیکن وزیر شری گُن کرراھول (جسے تاریخ حسن اور بیربل کاچرو نے کراھول اشتباہی نام سے یاد کیا ہے) پر یہ الزام کسی اور ذریعے سے مصدّق نہیں۔ مقامی تواریخ میں ایک رائے سے شری گُن کرراھول کوراجہ جگد یو کا وفا شعار وزیر باتدبیر کہا گیا ہے جس کی ہوشیاری اور عقلمندی سے راجہ جگد یونے دوسری بار کشمیر کا تخت حاصل کرلیا۔ا **ابوالفضل** نے اپنے معمول کے اختصار کوقائم رکھتے ہوئے بس صرف اتنا

لکھ دیا ہے کہ ''جگد یو بن جسد یو... چہاردہ سال ودوماہ'' (یعنی جسد یو کے بیٹے جگد یو نے ۱۴سال ۲ماہ تک حکومت کی)۔**واقعات کشمیر** میں بھی راجہ جگد یو کے بارے میں عیناً یہی حالات درج ہیں۔

۴۲۔ **رام**: تین الساطیری بڑی ہستیوں کا نام جنہیں ہندو وشنو کی تجسیم جانتے ہیں یعنی **پرسُرام**، **رام چندر** اور **بلرام** لیکن عام طور پر **رام چندَر** کو کہتے ہیں۔ **رام چندر** یا **رام**، وِشنو کا ساتواں تجسیم اور **رامائن** نام کی رزمیہ نظم کا پہلوان۔ رام **دُشرتھ** کا بیٹا تھا جو سورج ونشی خاندان کا راجا تھا اور کہتے ہیں کہ تقریباً ۱۶۰۰ قبل مسیح میں **ایودھیا** نامی جگہ کا حکمران تھا۔ اس نے اپنی بیوی سیتا کی بازیابی کے لئے، جسے لنکا کا راجا **راون** فریب دے کر اغوا کر چکا تھا، جنگ کی اور اُسے واپس لے آیا۔

۴۳۔ **بندروں کا بادشاہ**: یعنی **ھنومان**۔ بندر دیوتا کا نام یا بندروں کے سردار کا نام جس نے لنکا پر حملہ کرنے کے دوران رام کی رہنمائی اور جاسوسی کرنے نیز اُس کا رفیق بننے کا کام انجام دیا۔ اسے **ھَنُمَنت** بھی کہتے ہیں۔

۴۴۔ **چَتر**: (فارسی لفظ ہے) چھتری، چھاتا، چھتر۔ یہاں بادشاہی جلال وعظمت کی نمود ونمایش کے لئے اس شاہی چھتری سے مراد ہے جو کسی سلطان، بادشاہ یا راجا کے سر کے اوپر رہتی ہے اور یہ قیمتی آرایشوں سے آراستہ ہوتی ہے۔

۴۵۔ **چامَر**: شاہی پنکھا جو بادشاہ کے پیچھے غلام ہاتھ میں لے کر اپنے دائیں بائیں ہلاتا رہتا ہے اور یہ بھی شاہی تخت وتاج کی عظمت کی نمائش کا ایک اہم حصہ مانا جاتا تھا۔

۴۶۔ **رَجُوپُورہ**:

۴۷: **دوار:** دروازہ، بڑا دروازہ۔ آنے جانے کا دروازہ۔ داخلے کی راہ۔ رسائی کا مقام۔ مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں باہر کے ملکوں سے آنے والوں کو پہاڑی راستوں اور درّوں سے وادی میں داخل ہونے کے لئے بڑے دروازوں میں سے گزرنا پڑتا تھا جو فوج کی نگرانی میں ہوتے تھے اور یہ محافظ فوج ایک ملک (فوجی حاکم یا سالار یا سردار) کے تحت بھی جسے **دوار پالک** یا **دوار پالی** بھی کہا گیا۔ بعد میں ان ہی مقامات پر قلعے تعمیر ہوئے اور ملک کو قلعہ دار کہا گیا۔ راہ روی کے یہ دروازے چوکی یا چوکیوں کے نام سے بھی جانے جاتے تھے اوران چوکیوں سے گزرنے کے لئے موجودہ اصطلاح میں Permit (پرمٹ) کی ضرورت ہوا کرتی تھی یعنی پروانۂ راہگذر۔ جون راج نے جو دوار کا حاکم کہا ہے اُس سے مطلب یہی چوکی کا سردار یا قلعہ دار ہے۔

۴۸: **راج دیو:** آئین اکبری میں **ابوالفضل** نے لکھا ہے: راجدیو... پسرِ اُو، بیست وسہ سال وسہ ماہ وھفت روز" (راجدیو۔ اُس کا یعنی جگدیو بن جسدیو کا بیٹا جس نے ۲۳ رسال تین ماہ اور سات روز تک حکومت کی)۔ **کنگڈم آف کشمیر** میں آیا ہے کہ **پدم** اور **جگدیو** کے بیٹے **راج دیو** کے درمیان خانہ جنگی ہوئی۔ لیکن اس خانہ جنگی کے ختم ہونے سے قبل ہی اول الذکر (یعنی پدم) کی وفات ہوگئی۔ (جون راج نے لکھا ہے کہ پدم ایک چنڈال کے ہاتھوں قتل ہوا جب کہ وہ فوجی محافظین کے بغیر اپنے لئے نذرانہ میں آئے ہوئے جوتوں کے ایک جوڑے کو دیکھنے کے لئے باہر آیا) اور بھٹوں نے یا برہمنوں کے اجتماعی گروہ نے اُسے شاہی غسل دیا۔ بعد میں بھٹوں نے راج دیو کو ہٹانے کا فیصلہ کرلیا اور راج دیو نے اُن کو غارت کرنے کا حکم دیا۔ اس پر اُن میں "نہ بھٹو ہم" کا شور بلند ہوا (یعنی ہر

بھٹ کہنے لگا کہ میں بھٹ نہیں ہوں)۔ لونیوں نے بھی بعد میں آگ پر تیل کا کام کیا چنانچہ اُن میں سے **بلادھیه چندر** نامی ایک شخص نے دارالسلطنت کے نصف حصے پر قبضہ کرلیا۔ ان ہی مصیبتوں کے دوران راج دیو کی موت واقع ہوگئی۔ (۱۲۳۵ء۔۶۳۳ھ...اس تاریخ کے اندراج سے ابوالفضل کے اس بیان کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ راجدیو نے ۲۳ سال تک حکومت کی جب کہ وہ سال ۱۲۱۲ء میں تخت نشین ہوا تھا) اور اس نے اپنے بیٹے **سمگرام دیو** کے لئے تخت چھوڑ دیا۔ **تاریخ جدولی** میں راج دیو کا نام **راجه رازه دیو** آیا ہے (اُردو ترجمہ ص ۹۵) اور لکھا ہے "مدت حکومت ۲۳ سال ۳ ماہ اور ۲۷ روز (ابوالفضل نے ۷؍روز لکھا ہے)۔ راجہ جگدیو کے رشتہ داروں کی اولادوں میں سے تھا۔ اس نے راجور اور زرلو آباد کیا۔ ملچندر کے بیٹے کھکہ چندر کو وزیر اعلیٰ مقرر کیا"۔ **مجموع التواریخ** میں آیا ہے "اُس کے بعد (یعنی راجہ جگدیو کے بعد) اس کا بیٹا راجہ **رازه دیو** (راج یا راجا کا رازہ میں تبدیل ہو جانا اسکی کشمیری صورت ہے) تخت نشین ہوا۔ اس سے پہلے کے حکمران آرام طلبی اور کم آزاری کی بنا پر صرف کشمیر پر ہی اکتفا کرتے تھے، اس راجہ نے مُل چندر کے بیٹے **کک چندر**، جس نے **پرگنۂ لار** کے **گگنه گیر** میں ایک قلعہ تعمیر کیا، کی مدد سے **پھکلی، دانگلی** اور **بُنیر** جیسے اطرافِ کشمیر میں واقع مقامات کو مسخر کرلیا۔ لون نامی طایفے کو، جو ادب کی حدود سے باہر نکل چکے تھے، قرار واقعی تنبیہ کی اور سزا دی اور اُنہیں اس حد تک مطیع وفرمان بردار بنالیا کہ وہ کک چندر کے لئے **تبت** کے اطراف سے دا پھو کی راہ سے روز مرہ کے تحایف پیش کش کرنے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد کک چندر دارالبقا کو چل دیا۔ راجا نے اُس کے بیٹے **بلادچند** کی طرف کوئی

توجہ نہیں کی کیونکہ وہ صاحب جاہ وثروت تھا۔ روگردان ہوکر اُس نے دشمنی وبغاوت سے کام لیتے ہوئے شہر کا رُخ کیا۔ چونکہ بعض اہالی شہر بھی راجا سے آزردہ خاطر تھے وہ بلادچند کے ساتھ یکدل ویکزبان ہو گئے اور گیارہ سال کے بعد اُسے شہر بدر کر دیا۔ اس کے عہد حکومت میں **جملا** نامی ایک دانشور، جو دانشمندی اور فضیلت میں بے نظیر و بے مثال تھا۔ ہندوستان سے یہاں آیا۔ راجا نے اُس کے لئے **پرگنہ آدون** میں **جمال نگری** تعمیر وآباد کی۔ اس کے بعد **بلادچند** نے اس ملک پر دست درازی کی اور **محلۂ بلدیمر** میں رہا چنانچہ یہ محلّہ ابھی تک اُس کے نام سے مشہور ہے۔ **پرگنۂ دچھن پارہ** میں ایک محکم قلعے کی بنا ڈالی اور کمال آزادی کے ساتھ ۲۹ سال گزارے۔ اس کی حکومت میں شہر کے لوگ فراغ بالی کے ساتھ بسر اوقات کرتے رہے''۔ **تاریخ حسن** (ج ۲، ص ۱۵۶) میں آیا ہے'' **راجہ رازہ دیو**، جگدیو کے چچیرے بھائیوں میں سے تھا۔ شرپسندوں کے ڈر سے بیشتر **کشتواڑ** کے اطراف میں رہتا تھا اور وہیں پر راجا (جگدیو) کی وفات کی خبر سُن کر لوٹ آیا اور **کھاہور پارہ** میں ایک جماعت کو اکٹھا کرنے کے بعد **سیر قلعہ** میں بغاوت کا علم بلند کیا۔ اس طرف سے **پدم** نے **جگدیو** کو مار دینے کے بعد ہنگامہ برپا کر کے سلطنت پر قابض ہونے کی تیاری کی لیکن جب **رازہ دیو** کے حملے کی خبر سنی تو اپنی جماعت کے ہمراہ اُس کے مقابلے کے لئے نکل آیا اور قلعہ میں رازہ دیو کو گھیر لیا اور محصور کر دیا۔ دونوں طرف سے جنگ وجدل اور شجاعت ودلیری کے مظاہرے میں سخت خون ریزی ہوئی۔ ایک روز ایک شخص ایک صاف وشفاف جوتے کو جو نقش ونگار سے آراستہ تھا، پدم کے پاس تحفے میں لے آیا۔ پدم اسے دیکھنے میں مشغول تھا کہ اچانک پیچھے سے

ایک پیدل سپاہی نے آکر اُسے قتل کر دیا۔ قلعہ والے خوشیوں کے ڈھول بجاتے ہوئے قلعے سے باہر آگئے۔ اعیان سلطنت وارکان مملکت کے اجتماع میں **راجہ رازہ دیو** نے تخت پر جلوس کیا اور مخالف ومنافق سب اس کے موافق ہوگئے اور اکابرین میں سے سب کے ساتھ لطف ومدارا سے پیش آیا اور انہیں شاہانہ الطاف واکرام سے نوازا۔ لون طایفہ کو جوطرح طرح کے فساد وعناد برپا کرنے کی وجہ سے سرکش ہو چکے تھے، اس قدر اپنا مطیع وفرمان بردار بنالیا کہ وہ چارہ کے بوجھ کو سر پر لاد کر شہر میں پہنچا دیتے تھے۔ **مُلچندر** کے بیٹے **کھکہ چندر** کو، جو ہمیشہ سپہ سالاری کے خطاب سے سرفراز رہا۔ راجہ رازہ دیو نے اُس کے قدیم نامور عہدے پر رکھ کر اُسے اقتدار واعتبار بخشا لیکن بموجب تقدیر سال ۶۳۷ھ (۱۲۳۹ء) میں اس جہان فانی سے چل دیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے **بلاد چندر** نے اپنے باپ کے عہدے پر ارجمندی پائی۔ ذلیل لوگوں کی فتنہ انگیزی سے رازہ دیو اُس کا مخالف ہوگیا۔ اس وجہ سے بلاد چندر نے بغاوت اور سرکشی کا علم بلند کر کے نصف شہر پر قبضہ کرلیا اور **محلۂ بلدیمر** میں سکونت پذیر ہوکر اس محلے کو اپنے نام سے مشہور کر دیا۔ راجہ کی کم توجہی اور بے رغبتی میں جب برھمنوں کو اپنی بے حُرمتی نظر آئی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کرلیا کہ راجہ کو حکومت سے ہٹا دیا جائے اور اس کی جگہ کسی اور کو بٹھا دیا جائے۔ جس راجہ کو اس مشورے کی کسی طرح خبر ہوئی تو اس نے حکم جاری کر دیا کہ بھٹ طایفہ کو غارت وتاخت وتاراج کیا جائے۔ جب سپاہی پنڈتوں کا تاخت وتاراج کرنے لگے تو اکثر پنڈتوں نے اپنے نسب سے انکار کیا چنانچہ اب تک مشہور ہے ''بٹو؟ نہ بٹو'' (یعنی کیا تم بھٹ ہو؟ ''جی نہیں حاشا! کہ میں بھٹ نہیں ہوں'') اس زمانے میں **جُملا چارج** نامی ایک فاضل آدمی تھا جس نے

سالِ کبسیہ پر **ارناس بچار** کتاب لکھی۔ راجہ نے **پرگنۂ آڈون میں جمال نگر گاؤں** اُسے جاگیر میں دیا۔ اپنی حکومت میں راجہ نے **لاجور** اور **رُزلو** نامی دو گاؤں آباد کیئے۔ اس نے ۲۳ سال ۳ ماہ اور ۲۷ روز تک حکومت کی۔

۴۹: **کَاشٹھ وَاٹ**: یعنی جدید **کشتوار**۔ کلہن نے اسے راجہ کلشن کے زمانے میں (۱۰۶۳ءتا۱۰۸۹ء) ایک الگ پہاڑی مُلک بنایا ہے اور وہ ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ نے راجہ کشتوار کے وزیر لکھ پت کی جاسوسی اور مدد سے کشتوار پر قبضہ کرلیا۔ کہتے ہیں کہ کشمیر کے مسلمان رشیوں کے سرتاج اور اوّلین کشمیری اولیا اللہ جناب حضرت نورالدین نورانیؒ کے اجداد اسی خاک کے راجگان میں سے تھے۔

۵۰: **دوار**: دیکھئے حاشیہ ۴۷۔

۵۱: **چنڈال**: ملے جلے قبیلوں کا سب سے پست آدمی۔ یہ آدمی شُودر باپ اور برھمن ماں سے ہوتا ہے۔ نکالا گیا آدمی اپنے قبیلے میں سے۔ ایک ذلیل و پست آدمی۔ خبیث وذلیل آدمی۔ اچھوت۔ اسے چانڈال بھی کہتے ہیں اور چنڈال بھی۔ (یہ سنسکرت لفظ ہے)

۵۲: **بھٹّ**: عالم، فاضل، فلسفی وہ جو فلسفیانہ طریقوں سے واقف ہو۔ ایک عظیم حکیم یا استاد اور فلسفی۔ ایک لقب جو کسی عالم برھمن یا بڑے استاد یا بزرگ ومعتبر معلم کو دیا جاتا ہے۔ مہرٹہ برھمنوں کا خطاب ہے بھٹ آچاریہ۔ (بھٹ کے کئی اور معنی ہیں جیسے جنگجو سپاہی، وحشی۔ ایک خاص قبیلے میں سے نکالا ہوا آدمی۔ ہندی میں آگ کی بھٹی۔ تنور، اینٹ کی بھٹی، گھاس کی ایک قسم)۔ کشمیر میں جو ہندو رہتے ہیں اُن کو مقامی مسلمان بھٹ کے عام نسلی خطاب سے مخاطب کرتے ہیں اور ہندو نہیں کہتے البتہ اس قوم

کے فضلاء وعلماء کو پنڈت کے خطاب سے یاد کرتے ہیں اور پنڈت کے بھی وہی معنی ہیں جو ایک عالم برھمن یا بھٹ کے ہیں۔ کشمیر کے مقامی بھٹ لوگ (ہندو) برھمن ہیں۔ اس لئے ہم کشمیری مسلمان اُن کو عالم برھمن سمجھ کر قدیم عرصے سے پنڈت اور بھٹ کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ کشمیری برھمنوں میں ذات پاک کی تمیز مفقود ہے۔ وہ مسلمانوں کی طرح گوشت خور بھی ہیں اور گوشت پسند بھی۔ پیاز ولہسن بھی شوق سے کھاتے ہیں اور اُن کی برھمنیت قایم ہے۔ گویا کشمیر میں بھٹ مخصوص فقط ہے کشمیری برھمنوں کے لئے اور پنڈتوں کے لئے۔ یعنی بھٹ اور پنڈت کے خطابات ایک ہی معنی میں لئے جاتے ہیں۔

۵۳: **لَھر**: وادی کشمیر کا ایک مشہور پرگنہ ہے جو **لار** کہلاتا ہے۔ قدیم کشمیر میں لَہر کے ڈامر بڑے صاحب اقتدار واختیار تھے۔ لہر کا راستہ ایک عظیم تجارتی راستہ تھا اور یہیں سے کشمیری اور وسط ایشیائی تاجروں کی آمد ورفت ہوا کرتی تھی۔ مغلیہ زمانے میں شاہی درباروں کے امراء وزراء لار کے علاقے پر فریفتہ تھے چنانچہ کئی شاعروں نے لار کی حیرت انگیز خوبصورتی کو اپنے بے نظری اشعار میں قید کر دیا ہے۔

۵۴: **مَٹھ**: جدید اصطلاح میں کالج یا سکول خاص کر جوان برھمنوں کے لئے جو اپنے مذہب کے بارے میں مطالعات کو جاری رکھنا چاہتے تھے۔ ایک عمارت جس میں کوئی ہندو زاہد اور اُس کے چیلے رہتے ہوں۔ ایک جھونپڑی۔ کسی ہندو زاہد کی تنہا جھونپڑی۔ مندر۔ خانقاہ۔ دَیر۔ زاویہ۔ صومعہ۔

۵۵: **کھش**: کہا گیا ہے کہ قدیم زمانے میں کھش وہ قوم تھی جو ہمالیہ پہاڑ میں یا ایک بڑے علاقے میں رہتی تھی یا چھوٹی سی جگہ میں آباد تھی

جس کے مغرب میں دریائے وتسٹا کے گزرگاہ کا درمیانی حصہ اور مشرق میں کشتوار ہے۔ راج پوری (راجوری) کے راجے اور ان کی فوج اسی قوم سے تھی۔ راجوری سے مشرق کی طرف کی بالائی وادی پنچ گھر (بقول شری ور، پنج گھور) کھش قوم کی رہایش گاہ ہے۔ اس سے آگے مشرق میں بان شال (بانہال) کے اوپر کی طرف اسی نام کا ایک درّہ ہے جہاں سے چندر بھاگا (موجودہ نام بچلاری وادی۔ قدیم نام وزلاتا) تک کھش قوم رہتی تھی۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ کھشوں کی بستیاں کھشالیہ میں تھیں اور اس وادی کا ذکر جون راج نے بھی کیا ہے جو کشمیر کے جنوب مشرقی گوشے میں واقع مارہ بل سے کشتوار تک جاتی ہے۔ راجپوری (راجوری) سے مغرب کی طرف میں واقع پرنوتس (پونچھ) کھشوں کا علاقہ ہے۔ دریائے وِتستا (دریائے جہلم) کی بارہ مولہ کی وادی کھشوں کی رہایش گاہ تھی۔ کھش ہی اب کھکھ کہلاتے ہیں اور دریائے جہلم کے نیچے کے علاقے کے جو پہاڑی لوگ تھے اور پہاڑی سردار تھے اُن کا کچھ حصہ کھکھ قوم سے ہے۔ قدیم زمانے میں پنجاب اور اس کے گردونواح کے پہاڑی علاقوں میں کھش کی جگہ کھکھ کا استعمال ہوتا تھا اور کھکھوں نے سکھوں کے زمانے تک اپنی نیم آزادی کو برقرار رکھا تھا اور یہ لوگ بڑے زبردست تھے اور لوٹ مار کرنے کی غرض سے پہاڑوں پر سے اتر کر وادی کشمیر میں داخل ہو جاتے تھے۔ کھکھوں کو پہاڑی مسلمان راجپوتوں کی ایک شاخ مانا جاتا ہے۔

۵۶: **سال ۹۵۰ شَک سموَت**: یہ سال ۴۲۰ھ اور سال ۱۰۲۹ء کے برابر ہے۔ **شَک** ایک حکمران یا شہزادہ جو اپنے زمانے کو اپنے نام پر رکھے۔ یہ بالخصوص شالِ واھن کے بارے میں کہا گیا ہے یا شک نامی راجا کے بارے میں جس نے اپنے زمانے کو (جس کا آغاز سال ۷۸ء میں ہوا

تھا) اپنا نام دیا جو جاری رہا۔ (شک ایک خاص قبیلے کا نام بھی بتلایا جاتا ہے جو شالِ واھن کے پیرو تھے یا اس کے اولاد) ہندوستان کے ملک میں وہاں کی مجلسِ اصلاحِ تقویم (Calendar Reform Committee) نے سفارش کی کہ اس سموت کو ۲۲ مارچ ۱۹۵۷ء مطابق یکم چیت ۱۸۷۹ شک سے رائج کیا جائے۔

۵۷: **وملا چاریہ**: اس کا ذکر مجموع التواریخ اور تاریخ حسن کے مولفین نے جملا اور جملا چارج کے نام سے کیا ہے۔ بلکہ تاریخ حسن کے مؤلف نے س کی تصنیف کا نام بھی لکھا ہے۔ دیکھئے حاشیہ ۴۸۔

۵۸: **راجا پوری**: تاریخ حسن نے **لاجور** لکھا ہے غالباً ککتبی اشتباہ ہے اور **راجور** سے **لاجور** ہوگیا ہے۔ تاریخ جدولی میں بھی راجور ہی آیا ہے۔ میرا خیال ہے یہ وہی گاؤں ہے جو راج پور کے نام سے جانا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۹: **راجولَکا**: تاریخ حسن میں رَزلو **واقعات کشمیر** میں راجور اور رجلو آیا ہے۔

۶۰: **سنگرام دیو**: **کنگڈم آف کشمیر** میں آیا ہے کہ اس نئے بادشاہ (سنگرام دیو) کو فساد برپا کرنے والے ڈامروں کا سامنا تھا۔ انہوں نے سنگرام دیو کے بھائی **سوریہ** کو اس کے خلاف بغاوت کرنے پر اُکسایا۔ ابھی مشکل سے ہی وہ اُن کی للکار کو توڑ پایا تھا کہ کلھن نامی ایک شخص کے بیٹوں کی راہنمائی میں برھمنوں نے اُس کے لئے تازہ مشکلات پیدا کر کے اُسے بھگا دیا۔ سنگرام دیو نے **راجوری** کے حکمران کے پاس پناہ لی۔ اُس کی غیر حاضری میں ڈامروں نے لوگوں کو پامال کیا۔ آخر کار سنگرام دیو

اپنے دشمنوں پر غالب آ گیا اور تخت کو پھر سے حاصل کر لیا لیکن اس کے بعد وہ بہت دیر تک زندہ نہیں رہا اور کلہن کے بیٹوں نے اُسے سال ۱۲۵۲ء (۶۵۰ ھ) میں قتل کر ڈالا۔ **تاریخ حسن** میں آیا ہے کہ رازہ دیو کے بیٹے راجہ سنگرام دیو نے ۱۲۹۷ بکرمی میں باپ کی جگہ حکومت کے تخت پر قدم رکھا۔ فوج کی پرورش کا خاص خیال رکھا اور بلاد چندر کو سپہ سالاری کا رُتبہ عطا کیا۔ **محلہ بلدیمر** میں شاہی عمارات تعمیر کیں۔ پرگنۂ **دچھن پارہ** میں **سلر** نامی گاؤں میں ایک سنگین اور مضبوط قلعہ بنایا۔ سنگرام دیو نے سابق راجاؤں کے مقابلے میں کمال تسلّط واستحکام حاصل کیا اور اپنے نوکر چاکروں نیز خدم وحشم اور فوج میں خاصا اضافہ کیا۔ اپنے بھائی سورج دیو کو بدار المہامی کا عہدہ بخشا اور قدر ومنزلت میں اُسے اپنے برابر رکھا۔ اس نے بدبختی کی وجہ سے اُس کے مساوی بن جانے کے خیال سے بغاوت کا علم لہرایا۔ راجا نے اس کی نیت سے آگاہ ہو کر اُسے حکومت سے ہٹا دیا۔ سورج نے خوف جان سے لگنہ گیر قلعے میں جا کر بلاد چندر کے پاس پناہ لی اور راجا نے محافظت کے خیال سے لشکر کشی کی۔ جب جنگجوؤں نے اپنے اندر مقابلہ کرنے کی قوت نہ پائی تو اسکردو کی طرف فرار ہو گئے۔ اسکردو کے حاکم **ٹونگ** نے اطراف کوہستان سے ایک کثیر فوج کو اکٹھا کر کے سورج کی مدد کے لئے راجۂ کشمیر کے مقابلے میں بھیج دی۔ یہ خبر سن کر راجا نے راجہ اسکردو کے خلاف لشکر جرار روانہ کی اور ٹونگ کے خانمان کو برباد کر کے اُس کا ملک ویران کر دیا۔ سورج پریشان خالی اور شکستہ بالی کی حالت میں پہاڑوں کے تنگ دروں میں چھپتے چھپاتے آوارہ گرد پھرتا رہا اور خود اپنے معاونین سے بھی بچھڑ گیا اور آخر اپنے دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ راجا نے اُس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ آخر بھائی کو قتل کر دینے کی وجہ سے شدید بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ سال ۶۵۰ ھ

(۱۲۵۲ء) میں بلاد چندر نے اس دار فانی سے مُلکِ جاودانی کی طرف کوچ کیا اور سنگرام چندر اُس کا بیٹا اُس کا قایم مقام بن گیا۔ اس نے **قصبہ بجبہاڑہ** میں محلّہ سنگرام اور چندر یار آباد کیے۔

اس کے بعد **کلہن** کے بیٹوں نے جو اُس کے چچیرے بھائی تھے، شورش اٹھا کر ملک کو غارت کیا۔ راجا اُن کے مقابلے میں عاجز ہوا اور **راجور** کے راجا کے پاس مدد لینے کے لیے چلا گیا۔ اُس کے پیچھے **ڈانگروں** نے خروج کیا اور کشمیر میں خاصی افراتفری پیدا کر کے مُلک کو تاراج کیا۔ چند دنوں کے بعد سنگرام دیو راجور سے ایک کثیر فوج کے ہمراہ لوٹ آیا اور کلہن کے بیٹوں کے ساتھ جنگ وکُشت وخون کے بعد اُن کو گرفتار کرلیا۔ کمالِ قدرت رکھنے کے باوجود اُن کو قتل کرنے پر راضی نہیں ہوا بلکہ اُن پر عنایت ومہربانی کی۔ سنگرام دیو نے اپنی حکومت میں شاعروں اور عالموں کی بڑی قدردانی کی۔ کل ۱۶/سال اور دس دنوں تک حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا۔

تاریخ جدولی میں آیا ہے کہ سنگرام دیو کی مدت حکومت ۱۶/سال اور دس روز کی تھی۔ (۶۳۸ھ۔۱۲۴۰ء۔۱۲۹۷ بکرمی)۔ رعایا پرور تھا۔ بلاد چندر کو سپہ سالار بنایا۔ بلدیمر محلّہ کو آباد کیا۔ موضع دچھن پارہ اور موضع سلر میں دو مضبوط قلعے تعمیر کیے۔ (اس بارے میں تاریخ حسن کا ہی بیان درست ہے۔ دچھن پارہ کوئی موضع یا گاؤں نہیں بکہ دریائے جہلم کے دائیں طرف کا سارا وسیع علاقہ ہے اور اسی لئے اس عظیم ووسیع علاقے کو دچھن پارہ یا دَچھُن پور کہتے ہیں۔ دچھُن پور کشمیری اصطلاح ہے جس کے معنی ہیں دائیں طرف کی بستی۔ البتہ سلر گاؤں ابھی بھی اس علاقے کا ایک مشہور گاؤن ہے)۔ بلدیمر اس کے سپہ سالار بلاد چندر کے نام پر تعمیر ہوا جہاں شاہی عمارت تعمیر کی گئیں۔

بلاد چندر سال ۶۵۰ھ میں فوت ہوا جس کے بعد اس کا بیٹا سنگرام چندر مقرر ہوا۔ اس نے بھی قصبۂ بچھباڑہ میں محلّہ سنگرام اور چندر یار آباد کیا۔ کلہن پنڈت مورخ کے بیٹے اس کے ماموں زاد بھائی تھے۔ (کلہن نام سے مورخ کو اشتباہ ہوا ہے۔ بیچ میں سو سال سے بھی زاید عرصہ گزر چکا ہے۔ یہ کوئی اور کلہن تھا)۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں معمول کے اختصار سے کام لے کر لکھا ہے کہ ''سنگرام دیو۔ پسرِ اُو، شانزرہ سال ودہ روز'' (سنگرام دیو۔ اُس کا یعنی راج دیو کا بیٹا۔ ۱۶ سال اور ۱۰ روز تک حکومت کی)۔

مجموع التواریخ کے مؤلف نے لکھا ہے اس کے بعد راجہ راز دیو کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ اُس نے فوج کی طرف اس قدر توجہ کی کہ قدیم راجاؤں میں سے کسی نے بھی نہیں کی تھی۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی **سورج** کو اپنا جانشین نایب بنا کر ملک کو مال کا اہتمام وانتظام اُس کے قبضۂ اختیار میں دے دیا۔ تسلط واقتدار پا کر اُس ناہنجار نے دشمنی کا راستہ اختیار کیا اور بلاد چندر کے بیٹے سنگرام چندر کے پاس جا کر پناہ لی اور اُس کے ساتھ متفق ہو کر بعض شمالی فرمانرواؤں سے مدد کی درخواست کر کے ایک کثیر فوج جمع کر لی اور جنگ کرنے کے ارادے سے یہاں چلا آیا۔ سخت جنگ وجدل کے بعد اُن پر ایک مکمّل شکست واقع ہوئی اور فرار کا راستہ اختیار کیا۔ راجہ سنگرام نے اُن کا تعاقب کیا اور اُن ملکوں کو غارت کر کے سورج کو اسیر وگرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ بھائی کو قتل کرنے کے غم سے بیمار پڑ گیا۔ البتہ سنگرام چندر تک اس کا ہاتھ پہنچ نہ سکا۔ کافی جدوجہد کے بعد بھی اُس سے نپٹ نہ سکا۔ تب ناچار کشمیر کو چھوڑ کر **راجور** کے زمیندار کی پناہ لی۔ اُس سے مدد حاصل کر کے سنگرام چند پر یلغار کی۔ ہر چند دلیری کا مظاہرہ کرنے میں کوئی کمی نہیں

کی لیکن اُس کی کوشش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ پس ناچار کے ساتھ صلح کر لی اور خاصے لُطف واحسان کے ساتھ اُسے رضا مند کر لیا۔ جب راجا راجور کی طرف گیا تھا تو **ڈانگروں** نے جو چوروں اور رہزنوں کی ایک جماعت ہے، بے رحمی سے کام لے کر ملک میں طرح طرح کی خرابیاں کیں۔ قدرت رکھنے کے باوجود مخالفین پر نوازشیں کیں۔ **بجبھاڑہ قصبہ** میں **محلہ سنگرام نو** اور **چندر نویار** بسائے۔ سولہ سال تک فرمانروائی کی۔ (یہ دونوں گاؤں جیسا کہ ان کے ناموں سے ظاہر ہے بلاد چندر کے بیٹے سنگرام چندر نے ہی بنائے ہوں گے اور اس کی تصدیق اکثر مقامی مورخین نے کی ہے)۔

۶۱: **سُوریہ**: دوسرے مقامی مورخین بالخصوص مقامی فارسی تواریخ میں یہ نام **سورج** کی صورت میں آیا ہے اور معنی کے لحاظ سے مشابہ ہیں یعنی سورج۔ **واقعات کشمیر** (چھاپ فارسی) میں یہ نام چھاپی اشتباہ سے **سوراج** چھپا ہے۔ اس کے مؤلف خواجہ محمد اعظم ددمری نے لکھا ہے کہ بلاد چند نے بلدیمر جو ایک مشہور محلّہ ہے اور موضع سنگرام بسائے۔

۶۲: **لَھر**: دیکھئے حاشیہ ۵۳۔

۶۳: **شَمَال**: موجودہ **پرگنہ حمل** جو سوپور کے مغرب میں **کمراز** میں واقعہ ہے یعنی **کروھن** سے جو علاقہ ملحق ہے۔ یہاں کے ڈامروں نے بعد کے راجاؤں کے زمانے کی خانہ جنگیوں میں حصہ لیا تھا۔ جون راج کے بقول تنگ بھی حمل کا حاکم تھا جب کہ **تاریخ حسن** میں آیا ہے کہ تُنگ یا ٹُونگ اسکردو کا حاکم تھا۔ (حمل کا علاقہ ہندوارہ تحصیل میں رفیع آباد کا علاقہ ہے)۔

۶۴: **سُورِیّہ**: دیکھئے حاشیہ ۶۱۔

۶۵: **کَلھَن**: جون راج نے اس کلھن کے بارے میں نہیں لکھا ہے کہ یہ کون تھا لیکن قرائن سے معلوم ہوا ہے کہ کوئی صاحب قوت آدمی تھا اور غالباً راجا کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھا جب ہی اُس کے بیٹے بھی صاحب اقتدار تھے اور بادشاہ اُن سے سانپوں کی طرح خوفزدہ تھا چنانچہ ان کی سازش سے راجہ کو کشمیر چھوڑ کر راجوری میں پناہ لینی پڑی تھی۔ اور اُن ہی کے ہاتھوں سال ۱۲۵۲ء میں قتل ہوا۔ **صاحب تاریخ حسن** نے لکھا ہے کہ کلھن کے بیٹے راجا کے چچیرے بھائی تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ خود کلھن راجا کا چچا تھا لیکن اس رشتے کا ذکر کسی مورخ نے نہیں کیا ہے۔ تاریخ جدولی کو مصنف کو راج ترنگنی کے مؤلف پنڈت کلھن کے ساتھ اشتباہ ہوا ہے جب کہ ان دونوں کلھنوں میں سو سال کی دوری ہے۔

۶۶: **ڈوموئوں**: غالباً **ڈوم** کی جمع ہے اور ڈوم ہندوؤں میں سب سے رزیل اور نیچ قوم تھی۔ یہاں پر جون راج نے **ڈامروں** کو، جنھوں نے راجہ کے راجوری کی طرف فرار کرنے کے بعد وادی کے لوگوں کا خون چوسنا شروع کیا۔ **ڈوموئوں** کے ساتھ مشابہ کیا ہے جنہیں **ڈومب** بھی کہتے ہیں اور کشمیر میں بلکہ کشمیری زبان میں بھی یہی لفظ مروج ہے۔ ڈومب جو اصولاً ہندو ذات کے لوگ ہیں رسیاں بناتے ہیں، چٹائیاں، ٹوکریاں اور ہتھ پنکھے وغیرہ بناتے ہیں۔ مُردہ لاشوں اور گندگی کو ہٹاتے ہیں اور شمشانوں کو صاف کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ بہت بڑے چور بھی ہیں۔ غالباً ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا اور وہی ڈوم اس وقت کشمیر میں موجود ہیں۔ کشمیر میں دیہات میں گائے مویشی پالنے والے کو بھی ڈومب کہتے ہیں جو کم ذات اور پست ترین قوم ہے۔

۶۷: **وِجَیشیوَر**: یہی لفظ کشمیری زبان میں **وِیجہِ بیور** ہو گیا

ہے اور کشمیر کے پنڈت اسے **وِیجہ بروَر** کہتے ہیں۔ (کشمیری زبان بولنے والے پنڈت **بروَر** کو بھگوان یا دیوتا کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور یہ لفظ کہا جاتا ہے کہ **بھٹارَک** سے نکلا ہے اور بھٹارک یا بھٹارک کے معنی ہیں وہ جس کی پرستش کی جائے۔ایک عظیم بزرگ۔ یہ لفظ دیوتاؤں اور بڑے علماء خاص کو شِو مسلک کے پنڈت علماء اور بدھ مذہب کے علماء کے لئے استعمال ہوتا ہے)۔ یہ مقام جو **شِووِ جَیَشیور** سے مشہور تھا تیرتھ کی مشہور جگہ تھی اور پورا قصبہ اسی نام سے ابھی تک کشمیر کا ایک نامور قصبہ ہے۔ کلہن نے اس کا خاصا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ راجا اشوک نے اس مندر کے احاطہ کی گچ والی دیوار کی جگہ پتھر کی دیوار بنوائی نیز یہ کہ اس کی چاردیواری کے اندر شِوکیشور نام کے دو مندر تعمیر کئے تھے۔اب وہ قدیم مندر موجود نہیں بلکہ ایک چھوٹا سا مندر ہے جس کی بیرونی دیواریں شکستہ خالی میں ہیں۔ البتہ ویجہ بیور قصبہ جسے لکھتے ہیں **بیج بھارہ** کی صورت میں لاتے ہیں۔ خاصا معروف ہے۔ جیسا کہ اپنے ہندو عروج کے زمانے میں تھا جب کہ قدیم زمانے کے ہندو راجے یہاں پر بھی اپنے شاہی مکان بنواتے تھے۔

۶۸: **کَلپ درخت**: **اِندر** دیوتا کے بنائے سورگ میں ایک درخت کا نام۔اندر دیوتا کے اس پودے یا درخت کو کلپ ترو یا کلپ لتا یا کلپ ورِکش یا کلپ برِکش بھی کہتے ہیں جو ساری خواہشات کو پوری کر لیتا ہے۔

۶۹: **بھادر**: ہندی نام بھادُون۔ سنسکرت میں مہینوں کے نام یہ ہیں۔ **چِتیر، ویشاکھ، جَیَشٹھ، اَشاڑ، شرَاوَن، بَھادرَ، آشوَن، کارتک، اگرھایَن، پَوش، ماگھ، بھالگُن۔**

۷۰: **سال ۲۸**: ۱۲۵۲ء ـــ ۱۱۷۴ اشک ـــ ۴۳۵۳ کل یگ ـــ ۶۵۰ھ

۷۱: **رامِ دیو**: **کنگڈم آف کشمیر** کے مولف نے لکھا ہے

کہ سنگرام دیو کے جانشین اور بیٹے رام دیو نے باپ کے قاتلوں کو گرفتار اور قتل کر کے باپ کا انتقام لیا۔ اس نے لوگوں کو ایک اچھی حکومت دینے کی کوشش کی۔ اس نے اتپل پور میں وِشنو مندر کی مرمت کی جبکہ اس کی سمُد رانے سری نگر میں اپنے نام پر ایک مٹھ بنایا۔ **اینشنٹ کشمیر** کے مولف نے لکھا ہے کہ سنگرام دیو کے بیٹے رام دیو (۱۲۵۲ء ۔ ۱۲۷۳ء) نے اپنے باپ کے دشمنوں کے خلاف سخت اقدامات کر کے اُن کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک بااستعداد راجا تھا اور اپنے وزیر **پرتھوی راج** کی وساطت سے بڑے موثر انداز میں حکومت کی۔ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ **سلر** میں اس نے ایک شاندار قلعہ تعمیر کیا جو **لدر** کے دائیں کنارے پر واقع تھا۔ یہ قلعہ خود اس کے نام پر بنا اور اس کی شہرت کا یادگار تھا۔ **سمال** (موجودہ **حمل یا رفیع آباد**) کو زیر کرنے کی تیاریاں کیں اور اس کو فتح کر لیا۔ اُتپل پور کے وشنو مندر کی جو خانہ جنگی میں ٹوٹ پھوٹ گیا تھا، تجدید کی۔ اس کی رانی شریمتی سمدرا برھمنیت کی متعقد تھی اور اس نے دریائے جہلم کے کنارے اپنے نام پر ایک بڑا مٹھ بنایا۔

مجموع التّواریخ میں آیا ہے کہ اُس (راجہ سنگرام دیو) کے بعد راجہ رام دیو نے تخت سلطنت کو زینت دی۔ اس نے **سلر** گاؤں میں دریائے **لدر** کے کنارے پر قلعہ بنوایا اور مُلک رانی کے امور کی طرف متوجہ ہوا۔ کل ایک سال اور ایک ماہ تک حکومت کی۔ **واقعات کشمیر** میں درج ہے کہ اُس (راجہ سنگرام دیو) کے بعد راجہ رام دیو اپنے باپ کی جگہ پر بیٹھا اور باپ کے مخالفین کو قتل کر دیا۔ اور وہ اپنے مقربین میں سے ایک شخص **پرتھی راجہ رام** کو اپنا وزیر بنا لیا۔ **لیدر دریا** کے کنارے پر **تاپر گائوں** اسی کا بنایا ہوا ہے۔ (اگر یہ تاپر وہی گاؤں ہے جو سری نگر سے

سوپور یا بارہمولہ جاتے ہوئے پٹن سے دواڑھائی میل دور ہے تو یہ پرتھی راجہ یا راجہ رام دیو کا بنایا نہیں ہے بلکہ **راجہ پرتاپ پیڈ** کا بنایا ہوا ہے جو **ملھن** کا بیٹا تھا اور سال ۶۹۱ بکرمی میں تخت نشین ہوا تھا۔ نیز تاپر سے لیدر کا بہنا سراسر چھاپی اشتباہ ہے)۔ **ابوالفضل** نے بس گنے چنے چند لفظوں میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "پسر اُو۔ رام دیو بسیت و یک سال و یک ماہ و سیزدہ روز" (اُس کا (راجہ سنگرم دیو کا) بیٹا رام دیو، ۲۱ سال ایک ماہ اور ۱۳ روز تک حکومت کی)۔ **تاریخ حسن** میں آیا ہے راجہ رام دیو فرزندِ سنگرام دیو نے سال ۱۳۱۳ بکرمی میں حکومت کا خلعت پہن لیا اور باپ کے مخالفین کو تختۂ دار پر چڑھایا۔ **پرگنہ دچھن پارہ** میں دریائے لدر کے جنوبی کنارے پر ایک محکم قلعہ تعمیر کیا۔ اس کے عہد میں **پرتھی راج** وزیر اور مدار المہام تھا جس کی حسن تدبیر سے مملکت کا انتظام عمل میں آتا رہا۔ (تاریخ حسن ہی کی جلد اول ص ۳۸۶ میں آیا ہے کہ کھکہ چندر کے بیٹے بلاد چندر نے پرگنہ دچھن پارہ کے سلر گاؤں میں سلر قلعہ سال ۶۲۰ھ (۱۲۲۳ء میں بنوایا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اسی قلعہ کے ٹوٹ جانے کے بعد راجہ رام دیو نے اس کی تجدید تعمیر کی تھی۔)

۲۷۔ **لِدر دریا**: اسے **لدر** نالہ بھی کہتے ہیں اور **لمبودری** نام سے بھی معروف ہے۔ پرگنۂ لار کے جنوبی پہاڑوں اور امرناتھ پہاڑ کے برفانی پانی سے چار ندیاں ایک ہی جگہ پر جمع ہو جاتی ہیں۔ ایک گویہ بری کی راہ سے، دوسری وارہ داس پہاڑ سے، تیسری پھاک پرگنہ کے سرد علاقہ تارسر چشمے کے پانی سے اور چوتھے شیشرم ناگ کے بڑے چشمے کے پانی سے اکھٹے مل کر ایک نالہ یا دریا بنتا ہے جو دچھن پارہ کی کھیتیوں کو سیراب کر کے چارہ حصوں میں چار جگہوں پر بٹ جاتا ہے اور دریائے

جہلم میں مل جاتا ہے۔

۷۳: **شمال**: دیکھئے حاشیہ ۶۳۔

۷۴: **اُتپل پور**: ضلع پلوامہ میں موجودہ کاکاپورہ گاؤں۔

۷۵: **وِشنُو**: ہندو دیوتاؤں میں ایک اہم اور خاص دیوتا جو بعد کے اساطیر میں ''محافظ ونگہبان'' اور برھما کے ساتھ ''پیدا کرنے والا'' اور شِو کے ساتھ ''فنا کرنے والا''، شمار ہوکر معروف تِرمورتی کا اہم جُزو بن گیا۔ مختلف اوتار اسی دیوتا کے مظاہر بتلائے جاتے ہیں۔ لکشمی کو وِشنو کی بیوی کہا گیا ہے۔ لکشمی کے علاوہ آدِتی، سنوالی اور سرسوتی بھی وِشنو کی بیویاں ہیں۔ وِشنو کے بیٹے کا نام کام دیو ہے جو عشق کا دیوتا ہے اور اس کی جنت کا نام وَے کُنٹھ ہے۔ وِشنو کی سواری کا نام گُرد ہے۔ دریائے گنگا اُس کے پاؤں سے نکلتا ہے اور ایک ہزار ناموں سے اس کی پرستش کی جاتی ہے۔

۷۶: **وِدھاتا**: ترتیب دینے والا۔ عالم کے نظم ونسق کو چلانے والا۔ خُدا۔

۷۷: **چَمَک**: چمپا پھول جو زرد رنگ کا ایک مشہور خوشبودار پھول ہے۔

۷۸: **بھِشایک پور**:

۷۹: **لکشمن دیو**: **مجموع التواریخ** کے مصنّف نے لکھا ہے کہ ''چونکہ (راجہ رام دیو) اپنا کوئی بیٹا نہ رکھتا تھا۔ **لچھمن دیو** نامی ایک برھمن لڑکے کو فرزندی میں لے کر اپنا ولی عہد بنایا۔ چونکہ اصل میں وہ ایک برھمن بچہ تھا اُمورِ مملکت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برا نہ ہوسکا۔ اس کے زمانے میں کچل نام ایک جادوگر، جو طلسمات اور افسون گری میں ماہر تھا، اور ممتاز تھا، یہاں آیا اور اُسکی سحر وشعبدہ بازی سے مُلک راجہ لچھمن دیو کے

ہاتھ سے نکل گیا اور وہ ملک پر قابض ہو گیا اور اس نے طرح طرح کا ظلم وفساد جاری رکھا۔ تیرہ سال تک شہر و بازار میں شور وشر کی گرم بازاری رہی۔ اعیان وقت اس کے ہاتھوں تنگ آ گئے اور انہوں نے سنگرام چند کے بیٹے **رامچند** کی طرف رجوع کیا اور اس کے ساتھ مل کر ایک لشکر فراہم کر کے **کچل جادوگر** پر حملہ کیا اور اُسے نیست و نابود کر دیا'' **تاریخ حسن** میں آیا ہے کہ'' کہتے ہیں راجہ (رام دیو) بے اولاد تھا اس نے ایک برھمن لڑکے **لچھمن** کو متبنیٰ اور ولی عہد بنا لیا۔ راجہ لچھمن دیو نے سال ۱۳۳۴ بکرمی میں ولعید ہی کا تاج سر پر رکھا۔ اپنی پست ہمتی اور پشت فطرتی کے سبب سلطنت کا بوجھ اٹھا نہ سکا۔ اسی زمانے میں **کچل** نامی ایک جادوگر جو طلسمات اور افسون گری کے علم میں ماہر تھا اور شعبدہ بازی و جادوگری سے لوگوں کو رُلاتا تھا سیر و سیاحت کے لئے کشمیر میں داخل ہوا اور **کوہِ سلیمان** کے دامن میں قیام کیا۔ چونکہ کشمیر کے لوگ سخت ضعیف الاعتقاد ہیں وہ جوق در جوق اُس کے پاس آتے رہے اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ اُس کے مکر وفریب کی جال میں گرفتار ہو کر اُس کے مطیع و فرمان بردار بن گئے یہاں تک کہ جادوگر کو سلطنت پر قابض ہونے کا خیال آ گیا اور اس نے فتنہ وفساد کی بنیاد ڈالی اور بغیر کسی فوج ولشکر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ حکومت کے ارکان اُس کو ہٹانے میں عاجز آ گئے۔ بالآخر **سنگرام چندر** کے ساتھ مل کر ایک لشکر فراہم کی اور کچل جادوگر کو مغلوب کر لیا۔ راجہ نے ۱۳ سال اور تین ماہ تک حکومت کی''۔

مجموع التواریخ نے سنگرام چند کے بیٹے رام چند کا ذکر کیا ہے۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں ممول کے اختصار کے ساتھ لکھا ہے ''لچھمن دیو کہ برھمن پسری بود سیزدہ سال و سہ ماہ و دوازدہ روز'' (لچھمن دیو نے جو ایک برھمن لڑکا تھا ۱۳/سال ۳/ماہ اور ۱۲/روز تک حکومت کی) **واقعات**

کشمیر میں آیا ہے کہ ''چونکہ اُس (راجہ رام دیو) کا کوئی فرزند نہ تھا تو **لچھمن** نام کے ایک برھمن لڑکے کو فرزندی میں لے لیا اور اُسے اپنا ولی عہد بنالیا اور وفات پائی۔ اس نے ۲۱/سال ایک ماہ اور بارہ روز تک حکومت کی۔ سال ۶۷۸ھ (۱۲۷۹ء) میں اُس کی موت ہوئی اور لچھمن مذکور قایم مقام ہوا۔ چونکہ پست فطرت اور بلند درجے کا گدا طبع آدمی تھا امور سلطنت کو انجام نہ دے سکا۔ کچل نامی ایک ساحر و طلسم دان شہر میں آیا اور طرح طرح کے طلسم اُس پر چلا کر سارے شہر کو مسخر کرلیا اور اُس کی بادشاہی میں خلل ڈال دیا۔

ناقابل کی تربیت کرنے میں کوئی فائدہ نہیں
اگر دنیا کے لوگوں سے بھی اُسے برتر بٹھاؤ گے
بارش کی نمی سے ہرگز سبزو شاداب نہیں ہوگا
وہ خشک کانٹا جسے تم دیوار کے سر پر بھی بٹھاؤ گے

راجہ کی مدت حکومت ۱۳/سال ۳/ماہ اور ۱۲/روز تھی۔ **اینشنٹ کشمیر** میں بیان ہوا ہے کہ ''رام دیو کا جانشین ایک عالم آدمی تھا اور علوم کی چھ شاخوں پر اُسے دسترس حاصل تھی۔ وہ پیدائشی برھمن تھا لیکن اُسے کھشتری بنالیا گیا۔ البتہ اُس نے اپنی ذات کو ترک نہیں کیا۔ مہیلا رانی نے دریائے جہلم کے کنارے پر اپنی ساس کے مٹھ کے پہلو میں ایک نیا مٹھ اپنے نام سے بنایا۔ کشمیر کی تاریخ میں اُس کی (یعنی رام دیو کے جانشین لکھشمن دیو) حکومت کی کوئی تفصیل موجود نہیں۔ اُس کی حکومت میں کچل نامی ایک سیاح کشمیر میں داخل ہوا۔ وہ ایک جادوگر تھا اور اس نے اپنا ڈیرہ شنکر آچاریہ پہاڑی کے ڈھلوان پر ڈال دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک مسلمان قوم کا آدمی تھا اور اُس کے عہد میں جو خانہ جنگی ہوئی اس میں لکشمن دیو سال ۱۲۸۶ء میں مارا گیا۔ اب ملک پر دو ڈامر و رئیسوں سنگرام چند اور دچھن پارہ کے سمہہ دیو کا اقتدار تھا۔

ابوالفضل سمہہ دیو کو دچھن پارہ کا سردار کہتا ہے۔ (دچھن پارہ لدر دریا کے داہنے کنارے پر پہلگام سے لے کر ترال تک کا علاقہ ہے)......"

تاریخ جدولی کے مولف نے لکھا ہے" راجہ رام دیو بے اولاد تھا اور لکھمن نام کے ایک برھمن لڑکے کو اپنا متبنی بنایا۔ راجہ لچھمن دیو کی مدت حکومت ۱۳ سال ۳ ماہ تھی۔ سال ۶۷۷ھ (۱۲۷۸ء۔۱۳۳۴ بکرمی) کم ہمت تھا۔ اس کے زمانے میں ایک نامور جادوگر گزرا ہے جس کا نام کچل تھا"۔

کنگڈم آف کشمیر کے مؤلف نے لکھا ہے کہ" راجہ رام دیو کی موت سال ۱۲۷۳ء میں ہو جانے کے بعد (واقعات کشمیر کے مولف نے راجہ رام دیو کا سال وفات ۶۷۸ھ یعنی ۱۲۷۹ء لکھا ہے) **بھس یک پور** کا برھمن لڑکا **لکشمن دیو** جو اس کا متبنیٰ تھا تخت نشین ہوا۔ لکشمن دیو البتہ محض ایک عالم شخص تھا جو علوم کی چھ شاخوں سے معمور تھا اور اس میں دلیری اور ہمت مفقود تھی۔ پس آسانی کے ساتھ اس کی شکست ہوئی اور مارا گیا جبکہ ایک **تُرشک** یعنی ایک تُرکی مسلمان نے جس کا نام **کچل** تھا اس پر حملہ کیا۔ کچل شاید ایک منگول تھا"۔

۸۰: **کھشتری**: ہندوؤں میں دوسری ذات کا نام جو محافظت کرنے کے کام کے ذمہ دار ہیں اور ان کو قدیم زمانے میں فوج کے ساتھ مناسبت تھی۔ آریہ قوم کی چار ذاتیں ہیں یعنی برھمن، کھشتری، ویش اور شودر۔ (کھشتری کے اور بھی معنی ہیں: کاٹنے کا کام کرنے والا۔ تراش خراش کرنے والا۔ حمال۔ رتھ بان۔ گاڑی بان۔ کھشتریہ عورت سے شُودُر مرد کا بیٹا یا کھشتری مرد سے شودر عورت کا بیٹا۔

۸۱: **ترشک**: دیکھئے حاشیہ ۲۴۔

۸۲: **منڈل**: غالباً یہاں پر دارالخلافہ یا دارالسلطنت (انگریزی میں

(Capital) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۸۳: یعنی راجہ لکھشمن دیو۔

۸۴: **پوش** : ہندی مہینوں میں پوہ کا مہینہ۔

۸۵: **سِمھه دیو**: **اَنیشنٹ کشمیر** میں جون راج کی تفصیل کا اعادہ کیا گیا ہے۔ **کنگڈم آف کشمیر** کے مولف نے لکھا ہے کہ "سمہہ دیو کی تخت نشینی سے کشمیر میں **ڈامروں** کی حکومت کا آغاز ہوا۔ ہم دیکھ چکے کہ انہوں نے کس طرح سے آہستہ آہستہ خاص کر دسویں صدی عیسوی کے وسط سے قوت واقتدار حاصل کر لیا۔ کمزور راجاؤں کی تخت نشینی، تخت حاصل کرنے کے لئے تخت کے دعویداروں میں اقتدار کی خاطر جھگڑے اور لڑائیاں اور اُن کی ان مقاصد کے لئے ڈامروں کی دامن گیری کرنے سے ڈامر عملاً کشمیر کے مالک بن گئے۔ انہوں نے زرخیز جاگیریں حاصل کیں، فوجی محافظ رکھے اور وادی میں مستحکم جگہیں خاص اور فوجی لحاظ سے اہم مقامات پر قائم کیں۔ تو اس میں حیرانگی نہیں تھی کہ تخت وتاج بھی اُن کی گرفت کے نزدیک تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس کے لئے کوشش کی اور کامیاب ہو گئے۔ لیکن حکمرانوں کی حیثیت سے وہ سخت کمزور ثابت ہوئے اور کسی بھی میدان عمل میں کوئی بھی حصہ ادا نہیں کیا۔ اس میں شک نہیں کہ سمہہ دیو نے، جس نے ڈامر حکومت کی بنیاد ڈالی، شروع میں چند مذہبی تعمیرات کیں لیکن بعد میں خدا سے اُس کا یقین اُٹھ گیا اور سال ۱۳۰۱ء میں اپنی دایہ کی بیٹی کے ساتھ ایک قصبہ میں اسکی جان چلی گئی۔ اس کے بعد اُس کا بھائی سُہہ دیو تخت نشین ہوا"۔

تاریخ حسن کے مؤلف نے لکھا ہے کہ "لچھمن کا بیٹا **راجہ سہم دیو** (یعنی سمہہ دیو) سال ۱۳۴۸ بکرمی میں تخت نشین ہوا۔ سنگرام چندر نے لار سے آکر کُشت وخون کیا لیکن جنگ میں مارا گیا۔ اُس کے بیٹے راجچندر نے

اطاعت کا طوق گردن میں ڈال دیا اور اپنے آباء کے منصب پر سرافراز رہا۔
ان ہی دنوں میں **شنکر آچارج** جو وقت کے دانشمندوں کا سرگروہ تھا، شہر میں آ گیا اور اُس نے **کچل** جادوگر کے ساتھ بڑا سخت مناظرہ و مباحثہ کیا اور اس کے طلسم وافسون کو توڑ ڈالا اور عوام کے ہجوم نے اُسے ملک سے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد اُس نے **بودھ** علماء سے مباحثات کر کے اُن کو مغلوب و مہزوم کر دیا۔ اکثر کو قتل کر دیا اور **شو مذہب** کو اس ملک میں رونق و رواج دیا۔ راجا نے شنکر آچارج کی نسبت ادب واحترام اور ہر طرح کی خدمات روا رکھے۔ اُسے اپنا مُرشد اور مربی جانا اور اس کے حکم سے ہرگز منہ نہ موڑا۔ کوہ سلیمان کے دامن میں اپنی عزیز عمر گزارنے کے بعد شنکر آچارج نے انتقال کیا۔ اس کی بیوی نے اپنے زیورات اور مال واسباب بیچ کر **مُرن** گاؤں میں ایک سنگین تالاب بنوا کر اسے وقف عام کر دیا۔ کہتے ہیں کشمیر میں سابقہ زمانے سے رسم چلی آ رہی تھی کہ اگر کوئی عورت بدکاریوں کی مرتکب ہو جاتی تھی تو اس کے باپ کو گرفتار کر کے اس سے جرمانہ وصول کیا جاتا تھا۔ ایک دن راجہ سہم دیو نے ایک خوبصورت عطا گُلی نامی مطربہ سے ایک گانا سنا (جون راج نے اداگلی لکھا ہے) اور نہایت لذت یاب ہوا اور مطربہ سے کہا "اپنا من پسند انعام مانگ لو مجھ سے جو بھی مانگنا ہو" مطربہ نے التماس کیا "اس ملک میں بیٹی کے گناہ پر باپ کو پکڑ لیتے ہیں۔ اس بدعت کو معاف کر دیجئے" بادشاہ نے اس کی استدعا پر یہ بدعت ہٹا دی۔ کہتے ہیں سہم دیو نے کچھ عرصے تک رعایا کی بہبودی اور خیر وفلاح کے کام کئے۔ بالآخر اہلِ فساد کے گمراہ کئے جانے پر بُرے کام شروع کئے یہاں تک کہ امرا اور وزراء اُس سے بیزار ہو کر اسے ہٹانے کی تدبیریں کرنے لگے اور **دُر** نامی ایک شخص نے، جو راجا کے مقربوں میں سے تھا۔ بعض امراء کے اکسانے پر راجا کو قتل کر دیا۔ ۱۴ سال اور ۵ ماہ تک

حکومت کی"۔ **تاریخ جدولی** میں آیا ہے "راجہ سہم دیو، مدت حکومت ۱۴سال ۵ ماہ۔ ۱۳۴۸ بکرمی۔ آخری ایام میں اعمال قبیحہ کا مرتکب ہوا۔ سنگرام چندر کا بیٹا رام چند وزارت پر فائز ہوا۔ اسی راجا کے زمانے میں شنکراچارج نامی ریشی گذرے ہیں جس نے اپنی عمر کا بڑا حصہ کوہ سلیمان کے دامن میں گزارا اور وہیں وفات پائی"۔

واقعات کشمیر میں چھاپی اشتباہ سے سمہہ دیو یا سہم دیو کی جگہ سیہہ دیو آیا ہے اور لکھا ہے کہ اس نے کچل جادوگر کو شہر سے نکال دیا۔ اس کے عہد حکومت میں بدکار بیٹی کے گناہ کا مرتکب ہونے پر اُس کے باپ کو زندانی میں ڈال کر اس سے جرمانہ وصول کرتے تھے۔ ایک روز راجا نے اداکلی نامی مطربہ سے گیت سنا اور نہایت خوش ہوا اور فرمایا: "مانگ لو جو چاہو، اس نے اس بدعت کو ہٹا دینے کی التماس کی۔ راجا اس بدعت سے باز رہا۔ بالآخر بُرے کاموں میں مبتلا ہو گیا۔ اسکی حکومت کی مدت ۱۴سال ۵ ماہ اور ۲۰ روز تھی۔ سال ۷۰۵ھ (۱۳۰۵ء) میں وفات پائی"۔ **مجموع التواریخ** میں آیا ہے کہ "راجہ سہم دیو (فرزند لچھمن دیو) کو تخت نشین کر دیا گیا۔ شنکراچارج جو اس زمانے میں وقت کے دانشوروں کا سرگروہ تھا اس ملک میں آیا ہوا تھا۔ اُسے ملکی و مالی امداد کا صاحب اختیار بنا کر اقتدار کی باگ اس کے ہاتھوں میں دے دی۔ آچاریہ مذکور نے فہم فراست اور عقل و سیاست سے لوگوں کے آرام و آسائش کے لئے بڑی کوشش کی اور سابق راجاؤں کے باطل رسومات کو صفحہ روزگار سے مٹا دیا۔ چنانچہ اگر کوئی عورت زنا کی بدکاری کی مرتکب ہوتی تو قدیم راجے اس کے باپ کو سزا دیتے اور اس سے جرمانہ وصول کرتے تھے۔ اس نے ان منحوس رسوم کی عمارات کو گرا دیا۔ اس زمانے میں عطا قلی نام کی ایک مطربہ جو حسن و جمال اور ساز و سرود بجانے میں دل پسند تھی، ہندوستان

سے یہاں آئی۔ راجا نے اس کی ساری خواہشات پوری کر دیں اور خود بدکاریوں کی طرف راغب ہوا جس کی بنا پر اعیان سلطنت اُس سے بیزار ہو گئے اور **درما** نامی ایک شخص کو اُس کے مارنے پر آمادہ کر کے اُسے قتل کروایا۔ ۴۱ سال تک حکمرانی کی باگ اس کے ہاتھوں میں رہی''۔

۸۶: **لهر**: دیکھئے حاشیہ ۵۳۔

۸۷: **بُرج اسد**: انگریزی Leo بارہ آسمان کے بارہ برجوں میں سے ایک بُرج کا نام۔ یہ بارہ برج ہیں۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، اور حُوت۔ بُرج اسد کو شیر کی صورت میں خیال کیا گیا ہے۔ قدماء آسمانی بارہ برجوں میں ہر ایک بُرج کے حق میں سرد وگرم یا خشک وتر ہونے پر یقین رکھتے تھے اور اسی لئے انہوں نے بارہ برجوں کو چار آبی، آتشی، بادی اور خاکی حصوں میں تقسیم کیا تھا اور ہر حصے کے ساتھ تین برجوں کو مربوط کر دیا تھا۔ آبی بُرجوں میں سرطان، عقرب اور حُوت شامل تھے اور سرد وتر مزاج۔ آتشی برجوں میں جو گرم مزاج اور خشک ہیں حمل اسد اور قوس ہیں۔ بادی برجوں میں، جو گرم وتر مزاج ہیں جوزا میزان اور دلو شامل ہیں اور خاکی برجوں میں جو سرد وخشک مزاج ہیں ثور، سنبلہ اور جدی شامل ہیں۔ اس بُرج اسد کے اثرات میں اختیار کئے جانے والے کا تمام اُمور کو مبارک خیال کیا جاتا ہے اور غالب وکامیاب ایک شیر کی مانند۔

۸۸: **دِهیا نُدار**:

۸۹: **نَرسمهه**: اسے نرسنہہ بھی کہتے ہیں اور نرھری بھی اور نرسنگھ بھی۔ اس کے معنی ہیں آدم شیر۔ آدمیوں میں ایک شیر یا شیر کی مانند آدمی۔ ایک عظیم جنگجو۔ ایک شجاع آدمی مقتدر اور صاحب قوّت۔ ایک سردار۔ شیر کا سر رکھنے والا۔ ہندو دیوتا وِشنو ست یُگ میں چوتھے اوتار کی صورت میں جب

وہ سریاکشیو نامی ایک شہزادے کے ساتھ لڑنے کے لئے اُترا تھا۔ (وِشنُو کے لئے دیکھئے حاشیہ ۵۷) راجہ بھیرو کے باپ کا نام۔

۹۰: وَجیشیوَر: دیکھئے حاشیہ ۶۷۔

۹۱: **شری شنکر سوامی**: مطلب ہے شری شنکر آچاریہ جس کے بارے میں حاشیہ ۵۷ میں حوالے پیش کئے گئے ہیں۔ گوکہ شری شنکر آچاریہ بہت بڑا ہندو عالم اور دانشمند تھا لیکن اپنے مذہبی تعصب میں اُس نے بودھ مذہب کے پیروؤں میں سے ''اکثر ہارا از تیغ ہا گذرانیدہ مذہب شیو را دریں ملک رونق ورواج داد'' (اکثر کو قتل کر کے اس ملک (کشمیر) میں شِو مذہب کو رواج دیا)۔ چنانچہ راجۂ کشمیر نے اس کارنیک میں اُس کا کوئی تعرّض نہ کیا جیسا کہ قراین سے ظاہر ہے بلکہ ''راجہ بہ نسبت شنکر آچارج آداب تعظیم وانواع خدمات بجا آوردہ اورامرشد ومربی خودمی دانست وفرمان اور اصلاً تخلف نمی کرد''۔ (راجہ شنکر آچاریہ کی نسبت آداب تعظیم واحترام اور طرح طرح کی خدمات بجا لاتا تھا۔ اُسے اپنا مرشد ومربی جان کر ہرگز اُس کے احکام سے منہ نہیں موڑتا تھا)۔

چنانچہ اسی بے دریغ قتلِ عام کے نتیجے میں کشمیر میں بُدھ مذہب کا ایک بھی آدمی باقی نہ بچا جہاں سے اس مذہب کے عظیم مبلغین اُٹھے جنہوں نے اسے دور ونزدیک ممالک میں پہنچایا تھا۔ شنکر آچاریہ کا یہ غیر انسانی اقدام گوکہ تاریخ کا ایک واقعہ ہے لیکن ہے بڑا قابلِ افسوس اسلئے بھی کہ ایک بڑے ہندو دھرم شناس اور عالم وفاضل آدمی کے ہاتھوں انجام پایا۔ اس سے افسوس ناک تر بات یہ ہے کہ مورخ جون راج نے اس حقیقت کو چھپا کے رکھا جو اس کے شایان نہ تھا۔

۹۲: **گوری**: ''روشن دیوی'' شِو کی بیوی پاروتی کا نام۔ **بھادر پَد**

شُکل پکش کی شب بیداری اور جشن کا نام جو ہندو لوگ پاروتی کے احترام میں منعقد کرتے ہیں۔ ایک راگنی یا موسیقی کی طرح کا نام۔ گوری دس سال کی عمر کی لڑکی کو بھی کہتے ہیں۔ ماہواری جاری ہونے سے پہلے کی لڑکی۔ کنواری لڑکی کو بھی گوری کہتے ہیں۔ شِو دیوتا کو گوری شنکر کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ (شو کے لئے دیکھئے حاشیہ ۲۱۸)

۹۳: **شنکر**: ''خوشی کا باعث'' ہندوؤں کے دیوتا شِو یا مہادیو کا خطاب۔ شِو کو ہندو شنکر سوامی بھی کہتے ہیں اور اُس کی آواز کو شنکر وانی یا شنکر بانی۔ شنکر کی بیوی پاروتی کو شنکری بھی کہتے ہیں۔

۹۴: **اِداگلی**: رقاصہ کا یہی نام صحیح ہے کیونکہ اسے قریب العہد مورخ جون راج نے لکھا ہے۔ یہی نام مسلمان اور دیگر فارسی نویس کشمیری مورخین نے عطاقلی کی صورت میں لکھا ہے جو نادرست ہے۔ ضمناً یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ چونکہ رقاصہ یا مُطربہ مذکور صاحب حسن و جمال تھی ممکن ہے اُس کی خوبصورتی کے پیش نظر گلی اس کا لقب یا خطاب رہا ہوگا۔ جس کے معنی ہیں ''ایک قسم کی مینا''،''کبوتری کی ایک قسم'' (واللہ اعلم)

۹۵: **کام سُھہ**: گوکہ اس شخص کی کیفیت دستیاب نہیں لیکن **اینشنٹ کشمیر** کے مؤلف نے اس نام کے ساتھ لکھا ہے کہ ''مسلمان تھا''۔ البتہ مولف مذکور نے اس دعویٰ پر کوئی سند پیش نہیں کی ہے۔ مقامی تواریخ میں بھی کام سُہہ کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اسلامی ناموں کو مسخ کرنے میں جون راج زبردست مساخ تھا۔

۹۶: **سُھہ دیو**: **کنگڈم آف کشمیر** کے مؤلف نے اس کا عہد سال ۱۳۰۱ء (۷۰۱ھ) سے سال ۱۳۲۰ء (۷۲۰ھ) تک لکھا ہے اور لکھا ہے کہ ''اگرچہ یہ راجہ خود ایک چُوزہ دل اور ناقابل آدمی تھا لیکن اس کے

وزیراعظم رام چندر میں ہوشمندی اور حکومت چلانے کی قابلیت موجود تھی۔ کچھ اور امور کے واقع ہوجانے کے علاوہ سُہہ دیو کی حکومت کئی غیر ملکی مُہم جوؤں کی کشمیر میں آمد کے بارے میں قابلِ ملاحظہ ہے جن کی آزادانہ معاشی امداد کرنے میں راجا اور درباری امراء پیش پیش رہے۔ ان میں سے دو افراد **شاھمیر** اور **رینچن** تھے۔ اول الذّکر جو سال ۱۳۱۳ء (۱۳ ۷ھ) میں آیا۔ **سُھه دیو** کے ساتھ رہا اور سُہہ دیو نے اُسے بارہ مولہ کے پاس **داور کُنیل** نامی گاؤں جاگیر میں دے دیا۔ **رینچن** جو شاھمیر کے فوراً بعد آگیا۔ **رامچندر** کے یہاں رہا۔ اُس نے وادی لار میں گگنہ گیر گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ **سُھه دیو** کی حکومت **دُلاچه** کے اول درجے کے تباہ کار حملے کے ساتھ ختم ہوگئی"۔ **اینشنٹ کشمیر** میں آیا ہے کہ "سُہہ دیو کا عہد سال ۱۳۱۰ء (۱۰ ۷ھ) سے سال ۱۳۲۰ء (۲۰ ۷ھ) تک تھا۔ سُہہ دیو، سہہ دیو کا بھائی تھا جو اس کے بعد تخت نشین ہوکر کشمیر کا حکمران بن گیا۔ یہ ایک قابل اور مقتدر حکمران تھا اور اس نے ایک **مسلمان** کی وساطت سے جس کا نام **کام سُھه** تھا سارے کشمیر پر اپنا اقتدار قائم کرلیا۔ سُہہ دیو عملی عادات رکھتا تھا۔ اُس نے راجوری کے مشرق میں واقع **پنج گبھل** پر چڑھائی کی۔ سُہہ دیو کی حکومت کشمیر کی تاریخ میں ایک نقطہ انقلاب ہے۔ مختلف جگہوں سے بہت لوگ وادی میں پہنچ گئے اور راجا کی ملازمت اختیار کی۔ ان میں قابل ملاحظہ شخصتیں تھیں۔ **سوات** سے **شاہ میر** اور **مغربی تبت** یعنی **لیھه** سے **لاچن گیالبُو رنچن**۔ ان کے آنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو حکومت کا کشمیر میں خاتمہ ہوگیا اور شہمیری خاندان کی اسلامی حکومت وجود میں آگئی۔ راجا کے بیٹے **وَبرُوَاھَن** نے گربھ پور کا شہر بسایا اور میرا خیال ہے (اینشنٹ کشمیر کے

مصنف کا) کہ یہ سری نگر شوپیان سڑک پر ۲۶ ویں میل پر واقع پلوامہ تحصیل میں گھبر پور نامی گاؤں ہے۔ سُہہ دیو کے عہد حکومت میں وادی نے بظاہر امن وخوشحالی دیکھی۔ یہ اسی سوات کے مسلمان مہاجر شاہ میر کی بدولت تھا کہ سہہ دیو کشمیر کے طول وعرض میں اپنا اقتدار اور ربط وضبط قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ سُہہ دیو کے عہد حکومت کے آخری حصے میں کشمیر ایک غیر ملکی حملے کا شکار ہوا۔ جب تک سُہہ دیو تخت نشین ہوا تب تک مسلمان وادی میں قدم جما چکے تھے اُدُ راور ابھی بہت سے مسلمان **سید شرف الدین بلبل شاہ**ؒ کی پُرامن بلیغی کوششوں سے آگئے تھے۔ (لیکن اس بارے میں مقامی تواریخ میں کوئی شواہد موجود نہیں۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد) وادی کے پنڈت اور بودھ اس قدر روکھے پھیکے فرسودہ اور بے جان سے ہوگئے تھے کہ اُن میں ایک انقلاب آنے کی ضرورت تھی۔ صرف ایک چنگاری چاہے تھی اور وہ تھی دین اسلام کی صوت میں جو پہلے ہی وادی میں مشتمل تھی۔ اس زمانے میں دو غیر ملکی حملوں نے کشمیر کی آبادی پر جو ستم ڈھائے اُن میں سے ایک **ذُوالجو** یا **ذوالقدر خان** کا تھا اور دوسرا **قاآن** کی سرداری میں تھا۔ اس سے قبل **محمود غزنوی** نے وادی کو مسخر کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ لوہر کوٹ سے ہی واپس چلا گیا۔ جو وادی کو جانے والے توش میدان کا حفاظتی علاقہ تھا۔ البتہ (اسلامی) تہذیب وتمدن کو پھیلا چکا تھا جس سے **اُننت دیو، کُلش دیو** اور **ھرش دیو** بہت متاثر ہوئے۔ حملہ آور **منگول قوم** کے تھے وہ وحشی تھے اور ظالم۔ وہ مسلمان نہیں تھے بلکہ لامائیت کے پیرو تھے جیسے کہ اُن کا جد **چنگیز خان** تھا۔ پہلا حملہ **منگوقاآن** نے راجہ رام دیو کے عہد حکومت میں کیا۔ [راجہ رام دیو کے بارے میں دیکھئے حاشیہ اے ۱۔ اس حاشیہ میں جو حوالے میں نے پیش کئے ہیں اُن میں کسی ایک میں بھی منگول

سردار منگوقا آن کا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ کچل یا کچل کا ذکر آیا ہے۔ جو ایک سحر کار اور جادوگر تھا اور جو راجہ رام دیو کے متبنیٰ بیٹے راجہ لکشمن دیو کے عہد میں ظاہر ہوا۔ یہاں پر یہ بیان کرنا بیجا نہ ہوگا کہ منگوقا آن جو تولوی کا بیٹا تھا چنگیز خان کا پوتا تھا۔ سال ۶۴۸ھ (۱۲۵۰ء) میں تخت نشین ہوا اور سال ۶۵۷ھ (۱۲۵۸ء) میں وفات پائی۔ مختصر حکومت کے باوجود اس کے دور میں منگول اداروں میں بڑے انقلابات آئے اور مختلف مذہبی فرقے انتہائی آزاد تھے۔ منگوقا آن نے اپنے بھائی ھلاکو کو ایمان کے باقی شہروں کو فتح کرنے پر مامور کیا۔ ایرانی تواریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ منگوقا آن نے ایران کو چھوڑ کر دنیا کی باقی جگہوں کو مسخر کرنے کا ارادہ کیا ہو چہ جائیکہ وہ خود کشمیر آیا ہو۔ فتوحات انجام دینے کا کام اس نے اپنے بھائی ہلاکو کے سپرد کر دیا تھا۔ مقامی مورخیں نے راجہ رام دیو کے عہد حکومت کو کشمیر میں اچھی حکومت کا عہد کہا ہے اور اس کے زمانے میں کسی غیر ملکی حملہ آور کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ چنانچہ **پروفیسر محب الحسن** نے لکھا ہے کہ "رام دیو ۱۲۵۲ء تا ۱۲۷۳ کے دور حکومت میں کوئی قابل ذکر بات نہیں ہوئی"] اُس کی فوجوں نے کھڑی فصلوں کو تباہ کر دیا، مکان منہدم کئے، دولت لوٹ لی اور بے گناہ جوانوں اور بوڑھوں کو قتل کر دیا۔ رام دیو نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی رعایا کا خون ہوتے ہوئے نہیں سہا اور قا آن اور ھلاکو خان کے حکم سے لکشمن دیو تخت نشین ہوا۔ (مولف نے جہاں اپنی کتاب اینشنٹ کشمیر ص ۲۳۳ پر لکھشمن دیو کا علیحدہ ذکر کیا ہے وہاں پر اُس نے اپنے اس نئے انکشاف کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے کہ لکھشمن دیو قا آن اور ھلاکو خان کے فرمان پر تخت نشین ہوا۔ دیکھئے حاشیہ ۹۷)۔ دوسرا حملہ سال ۱۳۱۹ء (۷۱۹ھ) میں ہوا جب کہ وسط ایشیا سے ایک تاتاری جس کا نام **ذُولجو** تھا۔ جہلم وادی کے راستے سے ستر

ہزار سپاہیوں کی ہمراہی میں وادی پر حملہ آور ہوا۔ (تاریخ حسن میں اس حملے کا سال ۷۲۴ھ) (۱۳۲۳ھ) اور حملہ آور کا نام ذوالقدر خان آیا ہے جو چنگیز خان کے بیٹے ہولاکو خان کے پوتوں میں سے تھا اور کشمیر کے لوگ اسے ذُولجو کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ تاریخ حسن ج ۲، ص ۱۶۲)۔ اس نے سخت مظالم کیئے۔ آگ ار و تلوار کا ہر جگہ بے دریغ استعمال کیا۔ اُس کے سپاہیوں نے جسے پکڑ لیا اُس کو عذاب میں مبتلا کیا۔ دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے برعکس راجا سُہہ دیو، کشتواڑ کی طرف اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ فرار کیا اور رعایا کو تقدیر کے حوالے کر گیا جیسے کہ سال ۱۹۴۷ء (۱۳۶۷ھ) میں چوتھے ڈوگرہ حکمران راجا ہری سنگھ نے خود ہمارے زمانے میں کیا۔ راجا سہد یو کے فوجی سردار **رام چند** نے ملک کا ربط وضبط سنبھالا۔ **ذوالجو** نے وادی میں آٹھ ماہ تک قیام کیا اور خوراک کی کمی کی وجہ سے **پیر پنچال** (دیوہ سر درہ) سے پچاس ہزار کشمیریوں کو قیدی بنا کر چلا گیا۔ لیکن قہرِ الٰہی سے بچ نہ سکا، دسمبر کا مہینہ تھا۔ ایک سخت برفانی طوفان نے اُسے مع قیدیوں اور فوج کے دبوچ لیا۔ **کھوری بھٹ پور** (کولگام تحصیل) میں وہ مٹ گیا۔ مقامی لوگ اسے ابھی بھی بھٹ گجی کہتے ہیں۔ اُس کی موت کے بعد کشمیر پیدائش سے پہلے سا خطّہ بن گیا۔ ''ایک وسیع میدان جس میں نہ غذا تھی اور نہ ہی گھاس''۔ حسن گامرو (مراد ہے غلام حسن پیر مولف تاریخِ حسن جو گامرو گاؤں کا رہنے والا تھا) جون راج کے حوالے سے لوٹ اور تباہی ہو جانے پر واویلا کا ذکر کرتا ہے۔ صرف سو آدمی پریشان حال تھے جب کہ شہر میں فقط گیارہ آدمی تھے جو کام کاج کی طرف متوجہ ہو پائے۔ کشمیر کی وادی کے پنڈتوں میں ابھی بھی یہ کہاوت موجود ہے کہ ایک وقت ایسا تھا جب کہ صرف گیارہ خاندان بچے تھے۔ بعض لوگ اس وحشیانہ عمل کا ذمہ دار مسلمانوں کو جانتے ہیں جو تاریخی

اعتبار سے بے بنیاد ہے اور ایک خود ساختہ بات ہے۔ سری نگر کے شہریوں نے جا کر پہاڑوں کی کھوہ اور غاروں میں پناہ لی اور کچھ گلگت تبت اور کشتواڑ کی طرف بھاگ گئے جب کہ بوڑھے لوگ اور عورتیں راستے میں لقمہ اجل ہو گئیں۔ سُہہ دیو کے عہد میں کشمیر نے جو خوشحالی پائی تھی اُسے ذولجو کے حملے نے غارت کر دیا۔ منگول حملہ آوروں کے چلے جانے کے بعد اُن کے ظالمانہ عمل کے اثرات نمودار ہوئے۔ حکومت مفلوج ہو کے رہ گئی اور رفاہ عام کے امور کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ ذوالجو کے اس حملے کے بعد ایک تیسرا حملہ **رِنچن** کی سرکردگی میں ہوا جو ایک لداخی سردار کا بیٹا تھا جس کا باپ ایک بلتی کے ہاتھوں ایک جنگ میں مارا گیا تھا۔ رنچن نے کئی بلتیوں کو مارنے اپنے باپ کے مار کر جانے کا انتقام لیا۔ وہ لداخ سے بھاگ نکلا اور **درہ زوجی لا** کے راستے سے کشمیر میں داخل ہوا۔ **گگنہ گیر گائوں** (تحصیل گاندربل) میں پہنچ کر اُسے وہاں پر رہنے کی اجازت مل گئی۔ ذوالجو کے حملے کے دوران رنچن، گگنہ گیر میں رام چند کے پاس رہا جس نے اُسے نظم وضبط برقرار رکھنے کی ذمہ داری سونپ دی۔ تھوڑی ہی مدت میں وہ صاحب رسوخ بن گیا اور لوگوں کے دل جیت لئے۔ اب اُس نے کشمیر کا تخت پانے کا لالچ کیا۔ اس نے حالات کا غور سے جایزہ لیا اور ترقی کی رفتار کو جانچ لیا۔ پروفیسر محبّ الحسن کے بقول وہ کھلے طور پر رام چند کے خلاف لڑنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ اس کو ایک تدبیر سُوجھی۔ اس نے اپنے لداخی پیروں کو لار (لَہر) میں اُونی کپڑے فروخت کرنے کے لئے بھیجا۔ ایک روز وہ تجارت کے بہانے سے قلعہ میں ہتھیاروں کے ہمراہ داخل ہوئے اور رام چند اور اُس کے آدمیوں کو قتل کر دیا۔ رام چند کے بیٹے راون چند کو گرفتار کیا گیا۔ اب رنچن خالی تخت پر قابو پانے کے لئے آزاد تھا۔ اس نے راون چندر کو رہا کر دیا، اُسے

لار اور لداخ جاگیر میں دئے اور اُس کی بہن **کوٹا رانی** کے ساتھ شادی کی اور اس طرح سے اُس کے باپ کو قتل کرنے کے داغ کو اس کے دل سے مٹا ڈالا۔ راون چندر کو اپنا وزیر اعظم بنایا اور **شاہ میرزا** کو سپہ سالار۔

اس اثنا میں **سُہہ دیو** کشتواڑ سے لوٹ آیا اور تخت کا اپنا حق جتلایا لیکن اُس کے حق کو رد کر دیا گیا اور وہ بالآخر واپس کشتواڑ چلا گیا۔ ایک اور خطرہ **لونیوں** کی طرف سے تھا جو بادشاہ گر بن بیٹھے تھے اور اب رنچن کو حکمران تسلیم کرنے سے انکاری تھے۔ رنچن نے مکمل طور پر اُن کو پامال کیا اور اس طرح سے اس نے وادی پر اپنا بھرپور اقتدار قائم کر لیا۔ رنچن اصلاً ایک بودھ تھا۔ اس کی بیوی ہندو تھی۔ اس سے اس کے دل میں انتشار پیدا ہوا۔ ہندو مذہب اُس کے لئے خاطر خواہ نہ تھا کہ یہ اُس کی نظر میں ذات پات میں فرق کرتا تھا اور برھمن متکبر تھے۔ وہ راتوں کو اٹھ کر روتا اور خدا سے دعائیں مانگتا تھا کہ وہ صحیح راہ کی طرف اس کی ہدایت کرے۔ آخر کار **منگولوں** کے زیر اثر ایک ہزار پناہ گزینوں میں **ترکستان** سے آئے ہوئے اور کشمیر میں مقیم (ایک دینی بزرگوار) **سید شرف الدّین** رحجنہیں ہم **بلبل شاہ** کے نام سے یاد کرتے ہیں، سے اُس کی ملاقات ہوئی۔ رنچن اُن کی تعلیمات سے جو سادہ اور تکلفات سے خالی اور ذات پات اور برھمنیت سے پاک تھیں، سخت متاثر ہوا اور مسلمان بن کر **صدرالدین** کا نام اختیار کیا۔ رنچن کی حکومت سخت تھی اور ربط وضبط والی تھی۔ وہ ایک مستقل مزاج تھا اور قانون کا پابند آدمی! وہ کم ہی مدت تک تخت نشین رہا اور سال ۱۳۲۳ء (۷۲۴ھ) میں فوت ہوا اور اپنے مرشد بلبل شاہؒ کی خانقاہ کے پہلو میں دریائے جہلم کے کنارے پر واقع محلّہ بلبل لنکمہ میں مدفون ہوا۔ اُس نے کشمیر میں اولین **جامع مسجد** بھی تعمیر کی جو عالی کدل کے نزدیک واقع ہے

اوراب **رینتن مسجد** کے نام سے محکمہ آثار قدیمہ کے قبضے میں ہے۔

اب کوٹا رانی حقیقی حکمران بن گئی اور رنچن کا بیٹا **حیدر** ابھی نابالغ تھا جو شہمیر کی سرپرستی میں تھا۔ شہمیر اور دیگر اعیان کے مشورے پر کوٹا رانی نے سُہہ دیو کے بھائی **اُدین دیو** کو، جو زوالجو کے حملے میں سوات کی طرف بھاگ نکلا تھا، واپس بلا لیا اور اُسے بادشاہ بنا کر اُس کے ساتھ شادی کی۔ اُدین دیو ایک بُزدل آدمی تھا اور نا قابل! اس لئے حکومت کوٹا رانی کے ہاتھوں میں رہی۔ اُدین دیو کی بادشاہت مختصر تھی۔

اُس کے عہد میں **قُردل** کی سربراہی میں جو **ترکستان** سے تھا، کشمیر پر ایک اور حملہ ہوا۔ حملہ آور **ھرپور** سے کشمیر میں داخل ہوئے اور حکمران **زوجی لا** کے پہاڑی راستے سے لداخ کی طرف فرار کر گیا۔ حملہ آور نے دہشت پھیلا دی لیکن کوٹا رانی نے ہمت نہیں ہاری۔ اس نے حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے دلیرانہ اقدامات کئے۔ اُس نے باغی سرداروں سے کمرِ ہمت باندھنے کی تمنا کرتے ہوئے اُن سے گزارش کی کہ وہ آ کر حملہ آور کا مردانہ وار مقابلہ کریں۔ اُس کی اس تمنا کا خاصا اثر ہوا اور اس لئے منگولوں کا دلیرانہ مقابلہ کیا گیا جس کے نتیجے میں وہ لوٹ جانے پر مجبور ہو گئے۔ اُن کے چلے جانے کے بعد ادین دیو، لداخ سے لوٹ آیا۔ اب وہ سیاست سے دستبردار ہوا اور تنہا نشینی کی زندگی گزارنے لگا۔ کوٹا رانی حقیقی حکمران تھی۔

اُدین دیو سال ۱۳۳۸ء (۷۳۹ھ) میں فوت ہوا لیکن کوٹا رانی نے اس کی موت کو ظاہر نہیں کیا جب تک اُس نے اپنی حیثیت مضبوط کر لی۔ اُس کے دو بیٹے تھے ایک رنچن سے تھا جو شاہ میر کی تربیت میں تھا اور دوسرا اُدین دیو سے تھا جو **بھٹ بھکسن** کے زیرِ تربیت تھا۔ لیکن اُس کی حیثیت کو اپنے بیٹے حیدر کے مربی ساہ میر سے خطرہ لاحق تھا۔ شاہ میر کے خطرے سے محفوظ

رہنے کے لئے اس نے سری نگر سے اپنا دارالخلافہ **جیہ پور** میں منتقل کیا جو اب **اندر کوٹ** کہلاتا ہے۔ کوٹا رانی کو شکست ہوگئی اور **سلطان شہمیر** کشمیر کا بادشاہ بن گیا جس نے **شمس الدین** کا لقب اختیار کیا۔ اس تغیر سے کشمیر میں مُسلم حکومت کا قیام عمل میں آیا جو سات سو برسوں تک قائم رہا۔ اس طرح سے چودھویں صدی کے اولین بیسوں میں ہندو حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ کوٹا رانی سال ۱۳۳۹ء میں فوت ہوئی''۔

تاریخ حسن (جلد۲، ص۱۶۰) میں آیا ہے ''**راجہ سُہہ دیو** قسمت کی یاوری سے سال ۱۳۶۲ بکرمی میں باپ کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے **رام چندر** کو سپہ سالار کا رُتبہ عطا کیا اور خود سلطنت کے نظم وضبط اور مملکت کے انتظام میں ۱۹ سال اور ۴ مہینے گزارے۔ اِذَا اَرَادَاللہ شیئاً اَسبابہ (اللہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے لئے سامان بھی ویسا ہی پیدا کردیتا ہے) اس راجا کے عہد میں اطراف سے تین آدمیوں نے اس ملک میں آکر اقامت اختیار کی۔ ایک تھا **طاہر بن فور شاہ** کا بیٹا **شاہ میرزا** (جون راج نے **فُرشاہ** لکھا ہے۔ امکان ہے فورشاہ چھاپی یا کتابت کا اشتباہ ہو) جو **سَوادکُنر** سے آیا اور **بارہ مولہ** میں قیام کیا۔ (جون راج نے شاہ میر اور اس کے باپ دادا کے اصلی وطن کے بارے میں کچھ بھی نہیں لکھا ہے) (سواد کُنر سے مراد ہے سوات)۔ اُس کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے جد فورشاہ نے جو اہل مکاشفہ میں سے صاحب کرامات وخوارق عادات کا حامل تھا، شاہ میر کو کم عمری میں گود میں لے کر کہا تھا کہ ''مجھے عالم غیب سے الہام ہوا ہے کہ ہمارا یہ فرزندِ دلبند کشمیر کی بادشاہت پائے گا بلکہ اس کی اولاد کئی پشتوں تک نسلاً بعد نسل وہاں حکمرانی اور بادشاہی کا ڈنکا بجائے گی''۔ چونکہ کُنر سواد کے لوگ فورشاہ کے کشف وکرامات اور خرق عادات پر

کامل یقین رکھتے تھے اس لئے جب **شاہ میرزا** بالغ عمر کا ہو گیا تو انہوں نے اُسے اپنے جدِ بزرگوار کی بشارت سے آگاہ کرتے ہوئے اُسے کشمیر جانے پر اُکسایا اور اس لئے شاہ میرزا اپنے عیال و اطفال کو ساتھ لے کر سال ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ء) میں کشمیر آ گیا۔ **راجہ سهه دیو** نے اُس کی نسب کی برتری کی وجہ سے اُسے **پرگنۂ کروھن** میں دارہ ویر گاؤں جاگیر میں دے دیا اور اپنے دربار کا ہم صحبت و ہم مجلس رُکن بنایا۔ **تاریخ فرشتہ** میں آیا ہے کہ شاہ میرزا **پانڈوئوں** کی نسل سے تھا یعنی شاہ میرزا ابن شاہ طاہر ابن فورشاہ ابن آل ابن کرشٹ ابن بنگو در اور بنگو در کی نسبت ارجن دیو تک پہنچتی ہے جو پانڈووں میں سے ایک فرد تھا اور پانڈووں کا حال **مہابھارت** میں درج ہے اور یہی شاہ میرزا، کشمیر کے سلاطین کا جدّ ہے [یہ شجرہ تاریخ فرشتہ ج ۲، ص ۶۳۶ پر یوں آیا ہے اور لکھا ہے کہ ''سال ۷۱۵ھ میں جب کہ کشمیریوں کی حکومت سیہ دیو نامی راجا کے ہاتھ میں تھی کشمیر میں ایک شخص مسمّی شاہ میرزا فقیروں کے لباس میں آیا اور راجا کے ملازموں میں داخل ہو گیا۔ شاہ مرزا اپنے آپ کو ارجن کی نسل سے بتاتا تھا اور اپنا شجرۂ نسب یوں بیان کرتا تھا: شاہ میرزا، ابن ماہر بن آل بن گرشاسپ بن نکودر۔ نکودر کے بارے میں شاہ میرزا کا بیان تھا کہ یہ شخص ارجن کی نسل سے تھا جو مشہور پانڈو ہے۔ واضح رہے کہ پانڈووں کا قصہ مہابھارت میں تفصیل سے لکھا ہے''۔ تاریخ فرشتہ میں شاہ میر کے بارے میں اطلاعات غیر صحیح ہیں اور نام بھی ہماری مقامی تواریخ سے مطابقت نہیں رکھتے۔ تاریخ فرشتہ ترجمہ اُردو عبدالحی خواجہ۔ مکتبہ ملت دیو بند، یو پی جلد ۲، چھاپ ۱۹۸۳ء... یہ عجیب بات ہے اور اصولاً غلط طریقۂ تلاش کہ ہمارے کشمیر کے سلاطین سے متعلق محققین نے خاص کر جو غیر کشمیری ہیں، اُن معتبر تواریخ کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے جو کشمیر میں

فارسی زبان میں موجود ہیں۔ اس کے نتیجے میں اُن کی تحقیق ناپختہ اور ناقابل اعتبار حدود تک پہنچ چکی ہے۔ اگر ایسے محققین خود ان قابل قدر اور مقامی فارسی منابع کو پڑھ نہیں سکتے تو فارسی خوان معلمین اور فارسی زبان و ادب میں دسترس رکھنے والوں سے وہ مدد لے سکتے ہیں یا مدد لے سکتے تھے۔ اس میں کیا حرج ہے۔ علم واطلاع کی کہیں سے بھی اور کسی سے بھی دریافت کیا جا سکتا ہے۔ اس میں احساس شرم کہاں؟ یا احساس کمتری کیسا؟ یورپ کے عظیم محققین نے اپنا بیشتر تحقیقی کام فارسی ادب کے انگریزی ترجموں سے (خواہ صحیح یا غلط) مکمل کیا ہے...ڈاکٹر شمس الدین احمد] دوسرا تھا **رینچن شاہ** جو **تبت** کے حکمران **بُغین** کا بیٹا تھا۔ اپنے چچا کی مخالفت میں مغلوب ہو کر پریشان خالی میں کشمیر آ گیا اور مدد کے لئے **رام چندر** سے التجا کی۔ امداد واستعانت کی امید میں **گگنہ گیر گائوں** میں چند سال تک رہا اور راجا کے خزانے سے اس کا راتبہ جاری رہا۔ تیسرا تھا **لنگر چک** جو **چک طایفہ** کا جدّ ہے۔ **اُردو** سے مخالفوں کے ڈر سے کشمیر آیا اور راجا کی پناہ لی۔ اس کے نسب کے بارے میں مورخین نے عجیب وغریب قصے بیان کئے ہیں جن کا ذکر اپنی جگہ پر ہوگا۔ اس زمانے میں بلکہ اس سے بھی پہلے، کشمیر کے لوگ ہدایت کے راستے سے منحرف ہو کر بدکاریوں اور بُرے عادات میں مبتلا ہو گئے تھے اور فسق وفجور اور جُرم وقصور کو اختیار کر کے نیکی اور کارہائی خیر کو نظر انداز کرتے ہوئے لہو ولعب اور جور وجفا اور شراب اور جوئے کو اپنا لیا تھا اور اس طرح سے وہ خیر وصلاح کے امور سے کلی طور پر محروم ہو چکے تھے۔ حقیقی انتظام لینے والے نے اس قوم کو اس بدکرداری کی پاداش میں پکڑ لیا اور آفتوں کے گرداب میں دھکیل کر اُن کو نابود کر دیا اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ سال ۷۲۴ھ (۱۳۲۳ء) میں **ذُوالقدر خان** جو چنگیز خان کے بیٹے **ہولاکر خان** کے پوتوں

میں سے تھا اور کشمیر کے لوگ اُسے **ذوالجو** کہتے ہیں، ستر ہزار فوجیوں پر مشتمل ایک لشکر جرار کے ہمراہ **ترکستان** سے **کابل** کے راستے سے آیا اور اس نے راہ میں بہت سے شہروں کے لوگوں کو قتل کیا اور پھر ارادے کے گھوڑے کو دوڑا کر کشمیر کا رُخ کیا اور آغاز بہار آ پہنچا۔ **راجہ سُھہ دیو** نے یہ خبر سنی تو اپنے سپاہیوں میں مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پا کر مجبوراً اپنی قوم اور خاندان کے افراد کے ساتھ **کشتواڑ** کی طرف فرار کیا۔ ذوالقدر خان نے نیام سے اپنی خون نوش تلوار نکال کر یہاں کے باشندوں کا خواہ وہ عام تھے یا خاص قتل عام کر دیا اور یہاں کے بچوں اور عورتوں کو اُن تاجروں کو بیچ دیا جنہیں وہ ترکستان سے اپنے ساتھ لے آیا تھا اور اس طرح سے خزانے جمع کر لئے۔ ہر کسی کا مال ومتاع اور مویشی اور گھوڑے لوٹ لئے اور شہر کی عمارتوں میں آگ لگا کر اُنہیں خاک کے ساتھ یکسان کر دیا۔ موسم بہار کی کھیتیوں میں بیج کا ایک زرہ بھی بویا نہ گیا۔ ربیع کی فصل کو گھوڑوں کے اصطبل میں ڈال دیا۔ **سُھہ دیو** کے سپہ سالار **رامچندر** نے **پرگنۂ لار** کے حدود میں واقع **گگنہ گیر** قلعہ میں پایداری کا مظاہرہ کیا اور بہت سے سرداروں کو اپنی پناہ میں رکھا۔ بعض مظلوم پہاڑوں کے غاروں میں چھپ کر شرپسندوں کے قہر وغضب سے محفوظ رہے۔ بعض **تبت**، **گلگت** اور **کشتواڑ** کی طرف بھاگ کر مال اور اہل وعیال سے فارغبال ہو گئے۔ **ذُوالقدر خان** نے آٹھ مہینوں تک قیام کر کے عناد وفساد کی وجہ سے ملک کی بنیاد اکھیڑ دی اور حقیقی خرابی اور تباہی کرنے کے بعد جاڑے کے موسم میں ہوا کی سخت نمی، اور سرما کی ہیبت اور غلے کی نایابی کے باعث واپس چلے جانے پر مجبور ہوا۔ قیدیوں سے ہندوستان جانے کا راستہ پوچھ لیا۔ انہوں نے **پیرہ بل پہاڑ** (دیوہ سر) کی چوٹی سے گزرنے والی راہ **کھوری** سے ہدایت

ورہنمائی کی۔ کشمیر کے قیدیوں میں سے اُس کے ہمراہ پچاس ہزار بچے اور عورتیں تھیں اوران کو ساتھ لے کر کشمیر سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ دیوہ سر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو بادِسموم چلنے لگی اور آسمان سے برف اور اولے برسنے شروع ہو گئے۔ تیز آوازوں کے ہمراہ بادل گرجنے لگے گویا چلاّ چلاّ کر نعرہ زنی کر رہے تھے۔ لِمَن المُلك السيوم لِلّٰه واجدِ القهار (آج کس کی حکومت ہے؟ خدائے واحد قہار کی) اور خدائے قہار کے قہر کے دبدبے سے شر پسند لشکر کے سپاہیوں کے جگر کاٹ کر رکھ دیئے۔ برف کا طوفان سیلاب کی صورت میں بڑھتا ہوا آیا اور وہ سارے شریر فوجی، مع اس ملک کے قیدیوں کے برف کے سیلاب میں غرق ہو گئے چنانچہ اس خبر کو لے جانے کے لئے ان میں سے ایک بھی فرد باقی نہ بچا۔ بادشاہ عالم پناہ (خداوندِ قدوس) کے حکم سے بس ایک لمحے میں ہزاروں سرداروں کے سر کٹ گئے۔ اس شریر قوم کے ہلاک ہو جانے کے بعد یہاں کے بچے کھچے لوگ پہاڑوں کی پناہ گاہوں سے نکل آئے اور اپنے رشتہ داروں اور خاندانوں میں سے کسی ایک فرد کو بھی زندہ نہ دیکھا۔ خود اپنی زندگی سے بیزار ہو کر خون کے آنسو رو دیئے۔ غرض صرف ایک سو آدمی زندہ بچے اور انہوں نے دیہات میں اپنے لئے ایک ایک گھر پکڑ لیا اور شہریوں میں صرف گیارہ آدمیوں نے نئے گھر بنا لئے۔

رام چندر سپہ سالار جولار کے علاقے میں گگنہ گیر قلعہ میں تھا، اپنے خاندان کے ساتھ **اندر کوٹ** کے قلعہ میں آیا اور وہیں پر سکونت اختیار کی اور **رینچن** اور **شاہ میرزا** جو حادثہ ہونے کے وقت اس کے دامنِ حمایت میں آسودہ تھے، اُس کی مصاحبت وملازمت سے سرفراز ہوئے۔ سُہہ دیو حکومتِ کشمیر سے دلگیر ہو کر کشتوار کے راجہ کے پاس دامادی کا رشتہ ہونے کے پیش نظر جا کر رہا۔ سال ۷۲۵ھ (۱۳۲۴ء) میں کشمیری پس ماندگان نے،

اپنی وسعت وطاقت کے مطابق آبادکاری کی کوشش میں کھلیان جمع کیے۔
جب خطۂ کشمیر میں کوئی صاحب نظم وضبط اور فرمان روا نہیں رہا تو پہاڑوں میں **کھسوں** کے فرقے نے شورش کی اور **مراج** کے حدود میں غارت کر کے غلہ جات وحیوانات اور مال ومتاع کی صورت میں اُنہیں جو بھی ہاتھ آیا لوٹ کر لے گئے۔ (بعض مقامی تواریخ میں کھَس کی جگہ کھش آیا ہے اور عام مورخین نے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ کھَش کی وضاحت کے لئے دیکھئے حاشیہ ۵۵) اور کھَس فرقے سے کشمیر کے مصیبت زدہ لوگوں نے **رامچندر** کی طرف خایف ہوکر رجوع کیا اور رامچندر نے ایک معدود جماعت کے ساتھ **رینچن** اور **شاہ میرزا** کو **کھش قوم** کی مدافعت کے لئے مامور کیا۔ کمال ہمت ودلیری کے ساتھ رینچن، کھسوں کی کمین گاہ میں مستعدی کے ساتھ لڑتا رہا اور رات کے وقت اس شرانگیز قوم کو حسنِ تدبیر کے ساتھ گرفتار کر کے اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں پھانسی پر لٹکا دیا۔ لوگ جب کھسوں کے ڈر سے آزاد ہو گئے تو انہوں نے سلام وشکرانے کے طور پر رینچن کو نقد وجنس پیش کیا۔ ان میں سے کچھ رینچن نے رامچند رکو دے دیں اور اپنے لئے بھی کچھ چیزیں رکھ لیں۔ البتہ اسی حال میں اُس کے دل میں فرمانروائی کے خیال نے زور پکڑ لیا اور شاہ میر کو اپنا ہم خیال بنا کر دونوں رامچند رکو ہٹانے پر کمر باندھ لی۔ ان ایام میں **رینتجو** پرگنۂ **لار** میں تھا۔ (تاریخ حسن کے مولف نے بیشتر رینچن کا لفظ استعمال کیا ہے۔ گوکہ ایک آدھ بار **رنیتجو** بھی لکھا ہے۔ عام مقامی مورخین نے اس لدٰاخی شہزادے کا نام رینچن یا رِنچن لکھا ہے۔ جب کہ اس کا صحیح لداخی نام **لھاچَن رِگیا لُبو رنچن** تھا اور اس کے باپ کا نام تھا **لُھا چَن ڈنگوس گرب** جو سال ۱۲۹۰ء سے سال ۱۳۲۰ء تک لداخ کا حکمران تھا۔ کشمیر کے لوگ شوخی کے طور

پر یا غالباً کسی بڑے آدمی کے حق میں نام نکالنے کے عادی تھے اور نام کو گھٹا کر اُس کے پیچھے جُو کا اضافہ کیا کرتے تھے اور جو بذاتِ خود کوئی برا لفظ نہیں۔ جو دراصل سنسکرت لفظِ جُیو کی کشمیری سورت ہے اور اس کے معنی ہیں پیارا، محبوب، معشوق۔ اگرچہ اس لفظ کے کئی اور معنی ہیں لیکن کشمیر کے لوگ شریف اور بزرگ لوگوں کو جو عمر کے لحاظ سے بھی بزرگ ہوتے تھے۔ اُن کے نام کے ساتھ احتراماً جُو کا لفظ لگا کر پکارتے اور اس میں ہندو اور مسلمان میں کوئی امتیاز نہیں تھا۔ جیسے ہندوؤں میں رام جو، کرشن جو، یا مسلمانوں میں عزیز جو، رمضان جُو وغیرہ۔ ضمناً میں نے راماین میں، جس کا میں نے کلچرا کاڈمی سری نگر کی خواہش، دو جلدوں پر مشتمل فارسی سے کشمیری میں ترجمہ کیا ہے، شری رامچند رجی کو کئی بار رام جُیو کے نام سے مخاطب ہوتے دیکھا ہے۔ یہی جو (یا جُیو) رینچو کے ساتھ چسپان کر دیا گیا ہے بلکہ ذُوالجو کے ساتھ بھی جو ترکی یا منگول نسل سے ذوالقدر اخان نام کا ھلاکو خان کے پوتوں میں سے کشمیر کا ایک سخت گیر حملہ آور تھا۔ کشمیری زبان میں جو کا لفظ گاہے چُو بھی ہو جاتا ہے جیسے ذُوالچو، البتہ یہ میرا ذاتی خیال ہے اور اس خیال سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن براہین ودلائل سے) رامچند ر نے اُسے پیغام بھیجا کہ وہاں سے کوئلوں کی چند بوریاں روانہ کی جائیں۔ اس روز تبت کے لوگوں کی) فارسی تواریخ کشمیر میں بیشتر تبت کا لفظ لداخ کے معنی میں آیا ہے چنانچہ **بوٹن** کو تبت کلان کہتے ہیں جس کا مرکزی شہر **لیھہ** ہے اور **اسکردو** کو تبتِ خورد) ایک جماعت گھوڑوں پر غلہ لاد کر شہر (سری نگر) کو جارہی تھی۔ رینچن نے اُن کی موافقت سے بوریوں کو کوئلوں سے بھر دیا اور کوئلوں میں جنگی سامان چھپا کر رکھ دیا اور اپنے ساتھ **اندر کوٹ** میں لے آیا اور کوئلوں کو ایک کمرے میں ڈال کر اس کے دروازے پر تالا چڑھا دیا۔ رات کو کمرے کا دروازہ کھول دیا اور جنگی

سامان کو تبتی لوگوں اور اپنے مددگاروں کے ہاتھوں میں تھما کر رامچند ر کے سبستان میں گھس آیا اور رامچند ر کو قتل کر ڈالا۔ رامچند ر کے پیروؤں اور اطاعت گزاروں نے مقابلہ کرنے کی تیاری کی لیکن ان سب کو مار ڈالا۔ رامچند ر کے بیٹے **راوَن چندر** کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ اندر کوٹ میں یہ قضیہ ختم ہو جانے کے بعد رینچن سرعت کے ساتھ شہر (سری نگر) کی طرف روانہ ہوا اور وہاں مکمل آزادی کے ساتھ بادشاہی تخت پر جلوس کیا۔ رنچن شاہ نے سال ۲۵ ؁ (۱۳۸۱ بکرمی۔ ۱۳۲۴ء) بادشاہی تخت پر فرمان روائی کی آزادی پا کر جہانبانی کا اقتدار قایم کیا اور سب کو اپنے زیر فرمان اور اطاعت گزار بنایا اور **رامچندر** کی بیٹی **کوٹه رین** کو اپنے عقد ازدواج میں لے آیا۔ اُس کے بھائی **راون چندر** کو طرح طرح کی رعایتیں دی اور اُسے **رینه** یعنی **مُدارُالمهام** کا خطاب دے کر سربلند کر دیا۔ (مُدار المہام۔ جس پر سلطنت کے تمام اُمور کا انحصار ہو۔ جو سلطنت کا صاحب اختیار عہدہ دار ہو۔ سلطنت کا منتظم۔ وزیر اعظم) اور دونوں تبّت (یعنی لداخ اور اسکردو) اور لار اُس کو جاگیر میں دئے اور باپ کا قصاص لینے سے اُسے بے خیال کر دیا۔ شاہ میرزا کو وکالت (ہر کام کا ضامن بن جانے کا عہدہ) کا عہدہ دے کر کارخانۂ فرمان روائی کا سارا مدار اسی پر ڈال دیا اور اپنے بیٹے **حیدر خان** کی اتالیقی (یعنی اُس کی تربیت کرنے کا کام) اُس کے سپرد کر دیا۔ **راجه سُهدیو** جو **ذُوالچو** کے واقعہ میں کشتوار کی طرف فرار کر چکا تھا۔ اپنی موروثی سلطنت پانے کی امید میں کشمیر چلا آیا۔ جب اس نے تقدیر کے رنگ اپنے خلاف دیکھے تو اپنے سے نچلے درجے کے آدمی **رینتجن** کا فرمان بردار بن جانے کو قبول نہ کرتے ہوئے ناچار فرار کر کے کشتوار میں اقامت پذیر ہوا اور رینچن ملک کے بندوبست وانتظام میں مشغول رہا۔

مورخین نے رنیچن کے زمانے تک راجاؤں کی حکومت کی مدت چار ہزار چارسو اور پنتالیس شمسی سال لکھی ہے۔ اس مدت میں اس ملک میں ہندو مذہب رائج تھا لیکن کوئی بھی خالص اسی مذہب پر قایم نہ تھا بلکہ مختلف اقسام اور طریقوں کی کثرت اور مسلکوں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ ان میں الناسُ علیٰ دین ملُوکھم (لوگ اُن کے بادشاہوں کے طریق پر چلتے ہیں) کے مصداق **بُدھ مذھب** کا بیشتر رواج تھا اور کثرت بھی تھی۔ اس مذہب کے علاوہ اور بھی مختلف مذاہب اور کئی فرقے جیسے **کھشتری**، **ویش**، **کالیست**، **پارسی** اور **ناگ پرست** وغیرہ یہاں رہتے تھے۔ چونکہ ذُوالچو کے واقعہ میں بہت لوگ قتل ہوئے تو بہت کم لوگ مختلف مذاہب کے زندہ رہ گئے۔ جب رنیچن، جو بُدھ مذہب پر تھا، حکومت کے تخت پر بیٹھا اور مذاہب کے کثرت اختلاف کی وجہ سے اصلی مذہب میں خلل پایا تو اُس نے اِس اپنے ماتحت ملک میں ایک ہی قوم کو رائج کردینے کا ارادہ کرلیا۔ چونکہ **شو مذھب** میں داخل ہونا دشوار تھا دوسرے مذاہب کے بارے میں تذبذب میں رہا۔ پس دل میں فیصلہ کرلیا کہ کل صبح کو جس پر میری نظر پڑ جائے گی میں اُسی کے دین کو قبول کرلوں گا۔ صبح سویرے **جناب سید شرف الدین لقب به بلبل شاہ**ؒ کو دیکھا جو دریائے بہت (جہلم) کے اس طرف نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کی نماز و نیاز کو پسند کر کے اہل و عیال کے ہمراہ اُن کے دین میں آگیا اور دین **اسلام** کا طوق گردن میں ڈال کر **ملک صدر** الدّین کا لقب اختیار کیا۔ دوسرے روز اس کی پیروی میں **رام چندر** کا بیٹا **راون چندر**، سلطنت کے رؤسا اور اعیان، اور عام لوگ، سید زبزرگوارؒ کے ہاتھ پر جوق درجوق شرف اسلام سے مشرف ہوئے۔ **طلوعِ آفتاب دین محمدی** (۷۲۶ھ) اس واقعہ کی تاریخ

بتائی گئی ہے۔ اسلام کی اقبال مندی پانے کے بعد رینچن نے اپنے مُرشد بزرگوار کے لئے دریائے بہت پر ایک بلند خانقاہ تعمیر کی اور یہ پہلی خانقاہ ہے جو کشمیر میں بنی۔ اس میں مسافروں کی رفت و آمد اور محتاجوں کے لئے لنگر جاری کیا اور باورچی خانہ و خانقاہ کے اخراجات کی خاطر **پرگنۂ ناگام** میں سے چند گاؤں مقرر کئے جو **چغتائی بادشاھوں** کے زمانے تک بدستور جاری تھے اور فقراء اور مساکین وہاں سے راتبہ کھایا کرتے تھے۔ اس وجہ سے اس جگہ کو **بُلبل لنگر** کہتے تھے۔ رینچن شاہ نے اپنی سکونت کے لئے ایک شاہی دولت خانہ بنایا جس میں اب **حضرت سیّد محمد امین اُویسی**ؒ کی مرقد ہے۔ اس قصرِ شاہی کے متصل خاصی وسیع **جامع مسجد** تعمیر کی جہاں پر خود جمعہ کی نماز پڑھا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد یہ جامع مسجد نذرِ آتش ہوئی اور اس کی جگہ چھوٹی سی مسجد تعمیر کی جو ابھی تک موجود ہے اور اسے **رینتن مسجد** کہتے ہیں۔ رینچن شاہ نے کُل دو سال اور سات مہینے حکومت میں گزار کر انتقال کیا اور خانقاہِ بلبل شاہ کے متصل جنوب میں آسودۂ خاک ہوا۔ (ان ہی سطور میں تاریخ حسن کے مؤلف نے لکھا ہے کہ رینچن شاہ نے سال ۷۲۵ھ میں تختِ بادشاہی پر جلوس کیا۔ گویا اُس کا انتقال بقولِ مولف مذکور ۷۲۷ھ یا ۷۲۸ھ کے دوران ہوا جو سال ۲۳۲۶ء یا ۱۳۲۷ء سے مطابقت رکھتا ہے)۔

سُھہ دیو کا بھائی **اودَن دیو** (جون راج نے اس کا نام اُدیَن دیو لکھا ہے) جو ذوالجو کے واقعہ میں فرار کر گیا تھا کشمیر کے ارکانِ سلطنت کی صلاح پر لوٹ آیا اور کوٹہ رانی کے ساتھ نکاح سے سرفراز ہوا اور سال ۷۲۸ھ مطابق ۱۳۸۴ بکرمی (۱۳۲۷ء) میں کشمیر کے پادشاہی مسند پر جلوس کیا ور **شاہ میرزا** اور **پیچہ بٹ کاکاپور** کو وزارت اور سپہ سالاری کا رُتبہ بخشا۔

سال ۷۳۲ھ میں (۱۳۳۱ء) **اُوڑدن** نامی ایک تُرکی **هیره پور** کی راہ سے بھاری فوج کے ساتھ کشمیر میں داخل ہوا اور یہاں کے حکام کے انتظام میں خلل پیدا کر دیا۔ ادون دیو نے یہ خبر سُنتے ہی بُزدلی اور بیوقوفی سے ثبت کی جانب فرار کیا لیکن کوٹہ رین کے حکم سے (مقامی فارسی مورخین نے اس رانی کا نام گاہے کوٹہ رانی، کوتہ رانی اور گاہے کوٹا رانی اور کوتہ رین یا کوتہِ ریݨز لکھا ہے اور یہ آخری نام خالص کشمیری نام ہے جس کے معنی ہیں مادہ کبوتر یا کبوتری اور چونکہ یہ رانی ایک مادہ کبوتر کی مانند وضع دار دلکش اور ظاہری حسن و جمال کی حامل تھی اس لئے اس کا نام کشمیری زبان میں کوتہ رین یا کوتہِ ریݨز رکھا گیا۔ اس کی اولین تصدیق کشمیری کے معروف مورخ خواجہ محمد اعظم دِدمری نے اپنی تالیف واقعات کشمیر میں کی ہے) شاہ میرزا نے خونخوار دشمن کو ہٹانے کے لئے کمر ہمت باندھی اور دیہات کے سرکش اکابرین وحکام کو خطوط لکھے کہ ''اس سے قبل آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ ذُوالچو کے واقعہ میں ہم پر کیا کیا سختیاں گزریں۔ اب ایک اور دشمن نے ہم پر حملہ کیا ہے۔ اس وقت اگر غفلت اور کمزوری سے کام لیا جائے تو بلا شک ملک کی خرابی، جاری بدنامی اور دشمن کی کامیابی ہوگی''۔ یہ پیغام سن کر اطراف کے سرداروں اور رہنماؤں نے خواہ وہ شریف تھے یا رذیل، باھمی مشورہ سے اتفاق کر کے ترکی فوج کے خلاف صف آرائی کا علم لہرایا۔ جانبین نے جنگ وجدل اور کشت وخون میں دادِ شجاعت دے کر لاشوں کے انبار لگائے۔ ترکی سردار پسپا ہو کر صلح وصفا کے ساتھ واپس چلا گیا اور شاہ میر نے کمالِ آزادی کے ساتھ فتح نصرت کا ڈنکا بجاتے ہوئے بلند مرتبہ پر اقتدار پایا۔ اور ادون دیو تبت سے لوٹ آیا لیکن بُزدلی اور پست فطرتی کی وجہ سے اُسے امور مملکت کے نظم وضبط میں کوئی اعتبار نہیں دکھائی دیا۔ مُلک داری کا سارا انتظام شاہ میرزا کے اہتمام سے ہوتا رہا اور اُس کے

بیٹے پرگنوں پر حکمرانی کرتے رہے۔ادون دیو نے ۱۵ سال ۲ ماہ تک کی مدت اُدھار کی سلطنت میں گزار کر وفات پائی۔ (اس سے پہلے ہم ان ہی سطور میں اینشنٹ کشمیر کے حوالے سے دیکھ چکے کہ مولف نے کشمیر پر اس تیسرے غیر ملکی ترکی حملہ آور کا نام قردل لکھا ہے جبکہ تاریخ حسن کے مصنف نے اس کا نام اُوردُن کہا ہے اور جون راج نے اُس کا نام اَچل لکھا ہے۔ظاہر ہے جون راج کا نام صحیح ہونے میں شک نہیں کیا جاسکتا)۔اس کی وفات کے بعد کوٹہ رین نے اپنے بھائیوں کی حمایت کرنے کے لئے **قلعہ اندر کوٹ** میں اپنے جاہ وحشمت کا علم بلند کیا اور پچاس دن بے چینی کے عالم میں گزارے۔شاہ میرزا نے صفحۂ وقت کو خالی پا کر اپنے جد کی کرامت کی تقویت کے سہارے سلطنت کی آرزو کی اور اندر کوٹ سے شہر میں آکر اعیانِ ملک کے ساتھ مشورہ کیا۔سابق حقوق ورعایت کے پس منظر میں سب نے شک وتردد کو چھوڑ کر اس کا ساتھ دیا اور اُس کے زیر اطاعت وفرمان ہوگئے اور استواری کے ساتھ قسمیں لے کر عہد وپیمان کر کے اُسے سلطان بنا دیا۔پیچہ بٹ نے اُسکی متابعت کرنے سے مُنہ موڑلیا اور اُسے قتل کر دیا گیا۔اس کے بعد شاہ میرزا نے شاہی لباس پہن لیا اور **سلطان شمس الدین** کالقب اختیار کیا''۔

سُھہ دیو کے بارے میں ہم اُسکی حماقت اور بے غیرتی کے داغ دار راج نیز دیگر مربوط واقعات کے بیان کو ہماری رکھتے ہوئے کشمیر کی مقامی معتبر تواریخ سے جن کے حوالے کشمیر کی تاریخ پر غیر کشمیری احوالوں سے بلاشک معتبر تر ہیں،نقل کریں گے کہ واضح ہو جائے کہ کشمیر کے لوگوں پر کشمیر کے ہی حکام اور حکمران اجنبی حکمرانوں کی حکومت کے ذمہ دار تھے۔یہ بدنصیبی مسلکی اختلافات اور اعیانِ مملکت اور راجاؤں کی ذاتی بدسیرتی کا نتیجہ رہی ہے۔

مجموع التواریخ کے مصنف پنڈت بیربل کاچرو ارستہ نے لکھا ہے کہ

"اُس) یعنی سہم دیو) کے بعد (دیکھئے حاشیہ ۸۵) **راجہ سھہ دیو** تخت نشین ہوا اور اس نے ۱۹ سال تک حکومت کی۔ ان ایام میں **شاھمیر بن طاھر** سال ۷۶۴ھ میں **سواد کُنر** ملک سے یہاں آ پہنچا۔ اُس کے آنے کا سبب یہ تھا کہ اس کا جد **وقور شاہ** صاحب کشف وکرامات تھا۔ اس نے اپنے پوتے کو بشارت دی کہ "کشمیر میں تجھے بادشاہت مل جائے گی اور شمس الدین کا لقب پاؤ گے اور بادشاہت کئی پشتوں تک تیرے خاندان میں جاری رہیگی"۔ اسی امید پر وہ یہاں آ گیا اور راجہ سہہ دیو نے بارہ مولہ کے اطراف میں واقع **دارہ وتر گائوں** اُسے جاگیر میں دیا۔ ایک دوسرا آدمی **لنگری چک**، چکوں کا جد، **داردو** کے مضافات میں واقع **برشال** سے آیا۔ اُس کے آنے کی وجہ یہ ہے کہ اُس کا اپنے بھائی سے جھگڑا تھا، اس کے غالب آجانے کی وجہ سے وہ وہاں پر نہیں رہا اور یہاں چلا آیا۔ نیز **رینتجو**، جس کا باپ تبت کا حاکم تھا اور وہ دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوا، خوف کی وجہ سے راجہ سہدیو کے سپہ سالار **رامچند** کے پاس، جس کی جاگیر میں راجہ کی طرف سے دونوں تبت تھے اور وہ ان علاقوں میں مکمل طور پر آزاد تھا، پناہ گیر ہوا۔ رامچند رنے اُس کی اوارگی اور پریشان حالی پر رحم کرتے ہوئے **پرگنۂ لار** کا مزروعہ گاؤں **گگنہ گیر** اس کی جاگیر میں دے دیا۔ اس زمانے تک اس ملک میں ہندوؤں کا طریقہ مرسوم تھا اور کسی اور مسلک کا نشان تک نہ تھا۔ (یہ بیان نادرست ہے کیونکہ اس زمانے تک بُدھ مذہب کے راجاؤں نے بھی صدہا سال تک کشمیر پر حکومت کی۔ بعد میں برھمن ہندوؤں نے رفتہ رفتہ غلبہ پا کر بُدھ مذہب کی آبادی کو قتل وغارت کی راہ سے نیست ونابود کردیا اور ایک مشہور شِو مسلک کے ہندو برہمن مبلغ شنکمہ آچاریہ کی رہنمائی میں بُدھ مذہب کی کشمیری آبادی کو کشمیر کی زمین سے مٹا کے

رکھ دیا گیا۔ اس پر کشمیر کی کئی تواریخ گواہ ہیں)۔ برھمن لوگ اُمور خیر کو انجام دیتے اور خیرات کرنے میں خاصا اہتمام کیا کرتے تھے اور گھروں میں مہمان کے آنے کے بغیر کھانے کو ہاتھ تک نہ لگاتے تھے اور چونکہ ہر روز مہمان کا وارد ہو جانا محال تھا اس لئے مقرر کیا کہ **چنڈالوں** کی عورتیں ہر برہمن کے گھر میں آکر کھانا کھائیں گی اور پھر اس کے بعد وہ خود کھانا کھائیں گے۔ کسی عرصے تک وہ اس پر قایم رہے لیکن بعد میں زمین وزمان کے پیدا کرنے والے کے ارادے کے بموجب یہاں کے باشندوں کی نیت بدل گئی اور ہر روز چنڈالوں کو کھانا کھلانا اُن پر گران گزرا اور مقرر کیا کہ اس طایفہ کو گھروں کے اندر جھاڑو دینے اور صفائی کرنے کا کام سونپ دیا جائے۔ غرض یہاں کے لوگوں میں بدکاری اور بداخلاقی رائج ہوئی اور لوگ فسق وفجور کی طرف مائل ہوئے۔ (کشمیری برھمنوں کے حق میں کشمیری برھمن مورخ پنڈت بیربل کاچرو کے اس بیان کی تصدیق کسی اور مقامی مآخذ سے نہ ہوسکی)۔ یہ عالم کون وفساد چونکہ مکافات کی کھیتی ہے اسی زمانے میں **زلچو** نام کا ایک تُرک ستر ہزار فوجی سواروں کے ہمراہ بارہمولہ کے راستے سے کشمیر میں داخل ہوا اور خون ریزی سفا کی اور لوٹ مار اور غارتگری کرنے کے لئے باز وکھول دئے اور کئی ہزار لوگوں کو قتل کر کے نیست ونابود کر دیا اور عرصۂ روزگار میں وہ حالت پیدا کردی کہ قیامت کا افسانہ ثابت کر کے رکھ دیا۔ **راجه سهدیو** نے مقابلہ کرنے کی خود میں طاقت نہ پا کر چند لوگوں کے ساتھ کشتواڑ کی جانب فرار کیا۔ جہاں کے راجا کی بیٹی اُس کے عقد میں تھی۔ رامچند رنے پرگنۂ لار میں گگنہ گیر قلعے میں پناہ لی۔ اگرچہ مقابلہ کرنے کے اقدامات نہیں کئے لیکن لشکر کے آدمیوں اہل وعیال اور اکثر لوگوں کو جو وہاں آئے، دشمن کے دستبرد سے اپنے پناہ میں رکھ کر نجات دی۔ زُلچو نے آٹھ مہینے تک یہاں قیام کیا اور

طرح طرح کی خرابی پیدا کی۔ چنانچہ اس بارے میں جب کسی سے پوچھا گیا تو اس نے جواب میں کہا "آ گئے، حملہ کیا، مار ڈالا، زدوکوب کیا، باندھ دیا اور چل پڑے"۔ غرض زدوکوب اور آشوب گری اور قتل و غارت کے بعد پچاس ہزار آدمیوں کو اسیر بنا کے اپنے ہمراہ اٹھا لیا اور سردی اور جاڑے کے دنوں میں اس وجہ سے کہ زراعت کا قلع و قمع کرنے سے مکمل کمی آ گئی تھی اور ایک قطعۂ زمین بھی آباد نہ ہوا پایا تھا اور نہ ہی کسی اور جگہ سے غلہ کے آنے کا امکان تھا، اور اس لئے اُس کی فوج میں قحط عظیم پیدا ہوا، مجبور ہو کر اس نے ہندوستان کا رُخ کیا اور **پھکلی** کے راستے کو، جہاں سے گزرنا سہل اور آسان تھا، نظر انداز کرتے ہوئے وہ پرگنہ دیوہ سر کے برنیل کے راستہ سے جو ایک دشوار گذار ترین راستہ ہے، روانہ ہوا اور دیوہ سر کے پہاڑ پر ایسی برفباری ہوئی کہ اس کی فوج کے تمام سپاہی اور سارے قیدی برف کے نیچے دب کر مر گے اور ایک جان بھی باقی نہ رہی اور زُلچو نے فوراً ہی اپنی بدکرداری کا نتیجہ پا لیا۔ اس کی ہلاکت کے بعد وہ لوگ جو پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلے تھے باہر آ گئے اور جب اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ پایا تو اپنی زندگی سے بیزار ہوئے۔ اب جب کہ کوئی حکمران بھی موجود نہ تھا تو **کھسول** کی قوم نے (قلمی نسخے میں کھسان کی جگہ کہان آیا ہے جو کاتب کا سہو ہے۔ اصل میں کھشان ہے کھش کی جمع۔ کھش کے لئے دیکھئے حاشیہ ۵۵)۔ جو چوروں اور رہزنوں کی جماعت تھی، غارتگری کے ہاتھ دراز کر کے، جہاں کہیں کسی کو پاتے تھے تو بڑی تکلیفیں دے کر اُس پر حملہ آور ہوتے تھے۔ جب کوئی صاحب حکم موجود نہ رہا تو جس کسی کے پاس کوئی تھوڑی سی جماعت تھی اُس نے آزادی کا اعلان کیا اور کسی اور کی اطاعت سے منہ موڑ لیا۔ غرض سرکشی کا بازار گرم تھا۔ **رنتیجو** نے جو تبت کے اطراف میں حاکم کی اولاد

میں سے تھا، اور اس کا ذکر اگلے اوراق میں ہو چکا ہے، ایک جماعت فراہم کر کے شہر پر قبضہ کرلیا اور اکثر اس کی اطاعت میں آگئے۔ **رامچندر** نے جو قلعہ میں اپنی قوم اور خویشاوندوں کے ساتھ قیام پذیر تھا اس کی اطاعت نہیں کی۔ **رنتجو** نے نمکحوارگی کے پیش نظر کھل کر مخالفت نہیں کی بلکہ حیلہ گری سے کام لے کر تبتی لوگوں کی ایک جماعت کے اہتمام سے بخاروں کے لباس میں چوری سے مار دھاڑ اور جنگ کرنے کے آلات کو قلعہ کے اندر پہنچائے اور ایک روز سپاہیوں کی ایک جماعت پر قابو پا کر رامچندر کو ہلاک کر دیا اور اس کے بیٹے **راون چندر** کو، مع تمام تابعین ولواحقین کے، گرفتار کر کے کے خاطر جمعی کے ساتھ ملک پر قبضہ کرلیا۔ رام چندر کی بیٹی **کوتہ رانی** کو اپنے عقد میں لے آیا۔ نرمی و مدارات سے راون چندر کو راضی کر کے دونوں تبت اور پرگنۂ لارُ اُسے جاگیر میں دئے اور پدرکشی کے خیال کو اُس کے دل سے نکال دیا۔

راجا سہدیو جو ذُلچو کی افراتفری میں کشتوار کی طرف چلا گیا تھا، موروثی سلطنت کو پانے کے خیال سے یہاں چلا آیا۔ جب اُس نے سلطنت کا معاملہ کسی اور نوعیت میں دیکھا تو اپنے سے ادنیٰ پائے کے آدمی **رنتجو** کی اطاعت قبول کرنے پر اس کا دل راضی نہ ہوا اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پا کر ناچار کشتوار کا رُخ کیا۔ غرض سال ۷۲۵ھ (۱۳۲۴ء) میں رنتجو مکمل آزادی کے ساتھ حکومت پر مسند آرا ہوا۔ مورخین نے اُس کے زمانے تک راجاؤں کی حکومت کا زمانہ تیرہ سو سال سے کچھ زائد عرصہ لکھا ہے۔

اس عہد تک اس ملک میں ہندوؤں کا طریقہ رائج تھا اور کسی اور مذہب وطریقے کا کوئی نشان نہ تھا (یہ دعویٰ نادرست ہے۔ بُدھ مذہب بھی بڑی رونق کے ساتھ کشمیر میں رائج تھا جسے رفتہ رفتہ کشمیری برھمنوں نے شنکر آچاریہ کی

رھنمائی میں آخری کوششوں میں ارضِ کشمیر سے نیست ونابود کردیا۔ کئی مقامی تواریخ میں اس کا ذکر موجود ہے)۔ رنچو نے ہندو فلسفیوں اور دانشوروں کو خداپرستی اور رب المعبود کی عبادت کے سلسلے میں طلب کیا انہوں نے اس کی کم پائیگی کو نظر میں رکھتے ہوئے راز کو آشکار کرنے میں تغافل واغماض سے کام لیا۔ چونکہ وہ اس ملک کے باشندوں کے طریق سے بے خبر تھا وہ رات دن اس غم میں بیقرار رہنے لگا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ کل علی الصباح جس پر تیری نظر پڑے گی اُسی کو اپنے طریق کا رراہنما جان لو اور اسی کی پیروی میں خداپرستی کی راہ میں قدم رکھو۔ صبح کو جب خواب سے بیدار ہوا تو گھر کی چھت پر آگیا اور ہر طرف نظر دوڑائی۔ دیکھا کہ مغرب کی طرف ایک شخص دریا کے گھاٹ پر آئین دین اسلام کے مطابق نماز پڑھ رہا ہے۔ یہ کیفیت دیکھتے ہی بے تامل اُس کی خدمت میں آیا اور صورت حال پوچھی۔ اس شخص نے جواب میں کہا کہ میرا نام بلبل شاہ ہے۔ (تقریباً تمام مقامی مورخین بالخصوص فارسی مسلمان تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ آپ کا نام سید شرف الدین عبدالرحمٰن اور لقب بلال شاہ یا بلبل شاہ تھا۔ پنڈت بیربل کاچرو سے سہو ہوا ہے) اور میرا طریقہ اسلام ہے۔ پس حکمت الٰہی کے تقاضا اور خواب کے اعتقاد میں آپ کی پیروی کو قبول کیا اور دیگر طریق سے دستبردار ہوا۔ سال ۷۲۵ھ (۱۳۲۴ء) میں بلبل شاہؒ کا کشمیر میں ورود واقع ہوا ہے۔ محلّہ بلبل لنگر میں، جو مشہور محلّہ ہے آپ کے بود و باش کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی اور عزت واحترام کے ساتھ رکھا۔ دوسال اور چھ ماہ تک حکومت کی۔

اس کی وفات کے بعد **کوتہ رانی** نے، **راجہ سُھدیو** کے بھائی **اُودیے چند** کو (تمام مقامی مورخین نے راجہ سہدیو کے بھائی کا نام **اُدین دیو** لکھا ہے۔ اُودے چند صریح اشتباہ ہے) جو زُلچو کی شورش کے

ایام میں گنز سواد کی طرف حسرت و مایوسی کے دن گزار رہا تھا، لاکر تخت سلطنت پر بٹھا دیا اور دو آدمیوں ایک شاہمیر اور دوسرے **تیجہ بَت کاکاپوری** (تاریخ حسن کے مولف نے **پیچہ بٹ کاکاپور** لکھا ہے) کو جن کے اُس کے خاندان سے دُودھ شریکی کے برادرانہ تعلقات تھے، (پنڈت بیربل کاچرو نے لفظ **کوکہ گی** لکھا ہے اور کوکہ کے معنی ہیں دُودھ شریک بھائی۔ انا کا بیٹا۔ لیکن مقامی تواریخ میں اس رشتے کا کہیں کوئی ذکر نہیں مگر یہ کہ پنڈت موصوف نے اپنے نامعلوم مقصد کے اظہار میں کوکہ گی سے کوئی اور چیز مراد لی ہو جس سے اُس کے انا کی تسکین ہوتی ہو۔ ورنہ جیسے کہ تفصیل سے شاہمیر کے بارے میں ہم پڑھتے آئے ہیں کہ عالی رتبہ خاندان سے تھا جس کے پیش نظر مقامی راجا سہدیو نے اُس کی عزت افزائی کر کے اُسے جاگیر عطا کی۔ البتہ پیچہ بٹ کاکاپور کی کیفیت سے ہم بے خبر ہیں۔ صرف قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ یہ شخص بھی اساساً محترم آدمی تھا کہ کوٹہ رانی نے اسے سپہ سالار بنا دیا) سپہ سالار بنا دیا۔

اسی اثنا میں **اُردل** نامی ایک تُرک (تاریخ حسن میں اس کا نام اُورڈن آیا ہے۔ جون راج نے اچل اور اینشنٹ کشمیر کے مولف نے قُردل لکھا ہے)۔ ہیرہ پور کے راستے سے شہر میں داخل ہو کر اس ملک میں خلل انداز ہوا۔ اطراف و پرگنات میں جس کسی کے پاس کوئی جماعت تھی اُس نے اپنے اختیار سے حکمرانی اختیار کر رکھی تھی۔ نیک اندیشی اور پیش بینی کی راہ سے **کوتہ رانی** نے اُن کو پیغام بھیجا کہ: "بے اتفاقی سے دشمن کامیاب ہوگا اور ہماری بدنامی ہوگی۔ آپ لوگوں کو یاد ہوگا کہ ابھی نزدیک ہی زلچو کے ظلم وستم سے مہم پر کیا گزری اور کس قدر خرابی ہوئی۔ دشمن کو شکست دینے کے بعد آپ جیسے بھی راضی ہوں گے ہمیں منظور ہے لیکن اس وقت پیٹھ پھیر لینا واجب نہیں" (تاریخ حسن کے مولف کے بقول یہ پیغام کوتہ رانی

نے نہیں بلکہ شاہ میر نے بھیجا)۔ اس پیغام کو سننے کے بعد اطراف کے تمام سرکشوں نے، خواہ وہ اشراف تھے یا اوباش، آپس میں اتفاق کر کے مذکورہ ترکی حملہ آور کے خلاف لڑنے پر آمادہ ہو گئے اور جنگ وجدل سے اس کو زیر کرلیا۔ اپنی ذلت وخواری کو دیکھ کر ترکی سردار نے صلح کر لی اور عزت کے ساتھ واپس چلا گیا۔

چونکہ **اودے چند** کا اس سے پہلے تبت کی طرف فرار اختیار کرنے کی وجہ سے ہر چھوٹے بڑے کی نظر میں وقار واعتبار ختم ہو چکا تھا، اس لئے ملکی اُمور **شاہ میر** کے صلاح ومشورے سے طے پاتے تھے خاص کر ترکوں کو باہر نکال دینے میں اس نے بڑی کوششیں کر کے کمال اعتبار حاصل کیا۔ ۱۵؍سال تک حکمرانی کرنے کے بعد سال ۷۴۲ھ میں (۱۳۴۱ء) اُودے چند فوت ہوا۔ اس کی وفات کے بعد **کوتہ رانی** نے جب ملکرانی میں خلل پایا تو وہ **اندر کوٹ** چلی گئی اور اپنے بھائی **راون چند** کے ساتھ حکومتی اُمور کی طرف متوجہ ہوئی۔

اسی دوران **شاہ میر** کو حکومت کے احکام کی خلل اندازی اور فرمان روائی کی ناموجودگی کے اسباب کی وجہ سے اپنے جد کی بات یاد آ گئی اور بدنیتی کے ساتھ انصاف کی راہ سے باہر نکل کر کوتہ رانی کو نکاح کا پیغام بھیج دیا (جون راج کا یہ جملہ خود اُس کی اپنی بدنیتی پر مبنی ہے)۔ وہ پاک نہاد صالح عورت اُس کی خدمتگاری اور کوکہ گی کو دیکھ کر راضی نہیں ہوئی اور اُس حق ناشناس نے خدانا ترسی اور کثرت کوتاہ اندیشی سے حق نمک اور کوکہ گی کے خیال کو نظر انداز کرتے ہوئے سلطنت کے تجربہ کار لوگوں کو اپنے ساتھ متفق کر کے سرکشی کا اقدام کیا۔ (جون راج نے جو پاک نہاد وصالح ہونے کی سند کوتہ رانی کو دی ہے اگرچہ اُس سے مسلکی تعصب کی بو محسوس ہوتی ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ راجا

سُہہ دیو جس کے کردار اور جس کی کوتہ نظری اور رعایا کی نسبت، جس کی بے وفائی اور غداری کو مختلف معتبر مقامی منابع سے ہم نقل کر رہے ہیں، شری بیربل کاچرو برھمن مورخ نے ایک لفظ بھی نہیں لکھا اور نہ ہی اُ خود کام اور خود پسند راجا کی بے غیرتی پر اظہارِ افسوس کیا ہے البتہ شاہ میر پر، جو اس افراتفری اور ہنگامہ و شورش خیز عالم میں اہلِ کشمیر کے حق میں ایک مستقل مرہم ثابت ہر کر ایک پایدار اور پُر امن حکومت کا ضامن بن گیا، شری بیربل کاچرو برھمن مورخ، اُس کی خود وضع کردہ ترکیبات ''کوکہ گی و خدمتگاری'' سے شاہ میر کو ملزم قرار دے کر اُس پر تہمتیں باندھتا ہے۔ نکاح کی تجویز اصولاً نہ کوئی جرم ہے اور نہ ہی کوئی گناہ اور تاریخ میں اس طرح کا ازدواج سیاسی مصلحتوں کو سامنے رکھ کر بھی ہمیشہ ہوا ہے۔ شاہ میر نے اس بارے میں کوئی زور زبردستی نہیں کی۔ رہا بقول برھمن مورخ بیربل کاچرو کے خود اختراع کئے ہوئے ''کوکہ گی وخدمتگاری'' کے الفاظ کا سوال، جو اس نے شاہمیر کے حق میں استعمال کئے ہیں، ان کے بارے میں بس یہی حق بات کہی جاسکتی ہے کہ شاہ میر جو سومات سے کشمیر چلا آیا تو راجا سہدیو نے اُس کی خاندانی برتری اور سیرت کی بلندی کو دیکھ کر ہی شاہ میر کو جاگیر بخشی اور اپنے دربار میں بخشی اور اپنے دربار میں اپنا مصاحب بنالیا اور ایسا کرنے میں شہمیر کی قابلیت و استعداد کے پیشِ نظر جس کا اُس نے خود راجا اور اس کی حکومت کے حق میں مظاہرہ کیا، راجا سُہدیو نے کوئی غلطی نہیں کی۔ صاف ظاہر ہے کہ شاہ میر نہ کوئی خدمتگار تھا اور نہ ہی کوکہ گی کا شکار۔ وہ آزاد ملک کا ایک امیرزادہ تھا جس کے رُتبہ کو دیکھ کر ایک آزاد ملک کشمیر کے آزاد راجا و حکمران سہدیو نے اپنے دربار میں بلند مقام عطا کیا اور اس طرح کا سلوک کرنے میں راجا سہدیو تنہا راجۂ کشمیر نہیں تھا۔ تاریخ عالم اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ راجے آخر راجے ہوتے ہیں۔ ذاتی

بلند صفات اور سیاسی مصلحتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ قوم و مذہب سے بالاتر رہ کر اس طرح کے اقدامات کرنے کے عادی تھے۔ ایسا کرنے پر ہمارا بیچارا تنگ نظر برھمن مورخ سیخ پا نظر آ رہا ہے جس کے نتیجے میں اُس نے اپنی تنگ نظری اور مسلکی تعصب کا اظہار بھی کیا)۔

اسی دوران کوتہ رانی کا بھارئی راون چند اپنی قضا سے مر گیا۔ تیجہ بت کا کاپور نے جو صاحب جاہ و حشم تھا، پاس نمک سے جب اس کا ساتھ نہ دیا تو اُس ناانصاف نے اُسے قتل کر دیا اور خود شہر میں چلا آیا۔ ایزد تعالیٰ کی خواہش پر شہر کے لوگوں نے اُس کی مدد کر کے اُس کا ساتھ دیا۔ کوتہ رانی نے بھی سُن کر ربانی عقد و پیوند کے آگے سر جھکا لیا اور مجلس عروسی برپا کرنے کا ظاہری پیغام بھیج دیا۔ یہ بشارت پا کر شاہ میر نے اپنے مقصد کے شکار کو دام میں آتے دیکھ کرنا قابل بیان مجلسِ عروسی کا اہتمام کیا۔ وہ نیک فرجام پاک عورت اپنے مقام سکونت سے مرادانہ وار روانہ ہوئی اور داخل ہوتے ہی اپنی پیٹ میں خنجر بھونک کر انتڑیاں اس کے آگے رکھ دیں اور مر گئی۔ اس واقعہ سے عروسی کی مجلس حلقہٴ ماتم میں بدل گئی۔ یہ حال دیکھ کر وہ اپنے کیے پر پشیمان ہوا اور اس ناپسندیدہ عمل سے رسوائی پائی (جون راج نے اس فرضی واقعہ کو اپنی تاریخ میں محض ایک افسانہ جان کر نہیں لکھا ہے)۔ غرض **شاہ میر** سال ۷۴۳ھ میں سلطنت کشمیر کے تخت پر بیٹھا۔ (۱۳۴۲ء) اور اگرچہ **رنتجو** کے عمل کی ابتداء سے راجاؤں کی حکمرانی خلل پذیر رہی لیکن اُس کے زمانے میں کلی طور پر منہدم ہوگئی اور گردشِ روزگار نے ایک تازہ تبدیلی بروی کار لائی اور شاھمیر کی حکمرانی تین سال اور پانچ ماہ تک رہی اور سال ۷۴۷ھ (۱۳۴۶ء) میں اُس کی وفات ہوگئی۔ (صاحب مجموع التواریخ پنڈت بیربل کاچرو نے کوتہ رانی کے بارے میں جو لکھا ہے کہ اُس نے شہمیر کے حجلہٴ عروسی میں داخل ہوتے ہی

چھُری سے اپنا شکم کاٹ کر انتڑیاں نکال دیں، محض ایک نا قابل یقین افسانہ ہے جس سے مورخ اپنے خیال وگمان سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہندو کوتہ رانی مسلمان شاہ میر کے ساتھ نکاح کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ اس قابل تمسخر وہم کے اظہار میں بیربل کاچرو ہندو برھمن مورخ کے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ ایسا کرنے سے پہلے کوتہ رانی نے خود "اس ربّانی عقد و پیوند کے آگے سر تسلیم جھکا لیا تھا"۔ تو پھر اس کے بعد خودکشی کرنا ایک حکمران رانی کی شانِ حکمرانی کے خلاف اقدام ہے۔ پنڈت جون راج نے اس فرضی واقعہ کو محض ایک وہمی بازیچہ جان کر نظر انداز کیا ہے اور اس کا مطلق کوئی ذکر ہی نہیں کیا ہے بلکہ شاہ میر کے بارے میں لکھا ہے کہ "جس طرح سے ایک سوکھا ہوا دریا لوگوں کو اپنے اوپر سے عبور کرنے دیتا ہے اور اپنے کناروں پر اُن کو پناہ دیتا ہے، اُسی طرح سے اللہ پر یقین رکھنے والے اس خاموش اور فعال آدمی نے وحشت زرہ لوگوں کی حفاظت کی"۔ بیربل کاچرو اپنی تاریخ میں گاہ بہ گاہ کی اس افسانہ نگاری میں تنہا نہیں۔ اس افسانہ نویسی میں جو بھی اُس کا شریک ہے وہ محض ایک افسانہ نگار ہی ہے)۔

راجا سھدیو کے بارے میں اطلاعات کو جاری رکھتے ہوئے ہم چند اور منابع سے نقل کریں گے۔ پروفیسر محبّ الحسن کی کتاب کشمیر انڈر سلطانز میں آیا ہے (اُردو ترجمہ "کشمیر سلاطین کے عہد میں") کہ "**سنگھہ دیو** (مُراد ہے سمہہ دیو) کے بھائی **سُھدیو** نے (۱۳۰۱ء تا ۱۳۲۰ء) سارے کشمیر کو اپنے زیرِ نگین کیا لیکن بھاری جُرمانے اور ٹیکس لگانے کی وجہ سے لوگ اُس کے خلاف ہو گئے۔ اُس نے برھمنوں سے بھی ٹیکس وصول کیا۔ وہ اچھا حکمران نہ تھا بلکہ راکھشس کے بھیس میں وہ ایک حکمران تھا جو ملک کی حفاظت کے نام پر اس کو ۱۹ رسال اور ۲۵ ردن تک لوٹتا رہا۔ اپنے پیشروؤں کی

طرح اس نے بھی دروں کی نگہبانی نہ کی، اس طرح سے ملک کے دفاع سے غافل رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وادی کے اندر جاسوس اور نئے لوگ بغیر کسی روک ٹوک کے گھس آئے۔ معاشرتی اور اخلاقی حیثیت سے کشمیری باشندے پستی کی انتہا کو پہنچ چکے تھے کیونکہ بوڑھے اور جوان یکساں طور پر مکروفریب، سازش، بددیانتی اور آپس کے نزاع کا شکار ہو گئے تھے۔ ان ہی حالات میں کشمیر پر **ذُوالجو** کے بیرونی حملے کا طوفان اُمنڈ پڑا''۔ محبّ الحسن نے اس کے بعد ذوالجو کے حملے کا ذکر کیا ہے اور مختلف نظریات کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''زوالجو اصل میں منگول تھا۔ وہ ترکستان سے آیا تھا۔ جو اُس زمانے میں چنگیز خان کے بیٹے چغتائی کی نسل کے حکمرانوں کے زیرِ نگین تھا جس کی فوج میں ترک اور منگول دونوں ہی شامل تھے۔ جہاں تک زولجو کے مذہب کا تعلق ہے وہ مسلمان نہیں تھا کیونکہ اُس زمانے تک صرف چند چغتائی سردار مشرّف نہ اسلام ہوئے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر اپنے آباء واجداد کے مشرکانہ اعتقاد کے پیرو تھے۔ تیرھویں صدی میں منگولوں نے اپنے میدانوں سے نکل کر ایشیا اور یورپ کے کافی حصہ کو پامال کر دیا تھا۔ کشمیر پر بھی انہوں نے متواتر حملے کئے۔ چنگیز خان کے تیسرے بیٹے اوغتائی نے گاتو کو ہندوستان اور کشمیر کی طرف بھیجا اور وہ ان دونوں ملکوں کے مختلف حصوں کو لوٹ مار کر واپس ہوا۔ پھر ۱۲۵۳ء میں **طیر** کو ہندوستان اور کشمیر پر فوج کشی کے لئے بھیجا۔ طبر کی وفات کے بعد فوج کی کمان **سلی** نے سنبھالی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے کشمیر کو فتح کیا اور کئی ہزار قیدی **ھلاکو خان** کے پاس بھیجے۔ ان منگول حملوں کی تفصیلات کا پتہ نہیں لیکن ان حملوں کی حیثیت چھاپہ مارنے کی سی ہے جو کشمیر کی سرحدی پہاڑوں تک محدود رہے۔ سال ۱۳۲۰ء کے موسم بہار میں زوالجو کا حملہ بھی وادی کشمیر کو فتح کرنے کی کوشش کے سلسلہ میں ہوا''۔

[محبّ الحسن کے اس بیان میں منگولوں کے ذکر میں کشمیر کا زوالجو کے موردِ حملہ قرار پانے میں حتمی بات سامنے نہیں آتی۔ چنانچہ مقامی مورخین کے بیانات میں بھی اختلافات موجود ہیں۔ عام مورخین نے جن میں فارسی مورخین پیش پیش ہیں متفقہ طور پر لکھا ہے کہ زوالچو کا نام ذوالقدر خان تھا اور وہ چنگیز خان کے بیٹے ھولاگو خان کے پوتوں یا نواسوں میں سے تھا۔ ذوالچو نے سال ۷۲۴ھ (۱۳۲۳ء یا بقول محبّ الحسن ۱۳۲۰، ۷۲۰ھ) میں کشمیر پر حملہ کیا۔ ہم نے چنگیز خان کے جانشینوں کی سلطنت سے لے کر ھولاگو خان اور ایران کے منگول سلاطین ایلخانوں کی جو مشرف بہ دین اسلام ہو چکے تھے، ساری منگول تاریخ کھنگال کے دیکھی اور سال ۷۲۴ھ سے بھی آگے دیکھی لیکن ہمیں کہیں بھی ذوالچو یا ذوالقدر خان کا نام نظر نہ آیا اور نہ ہی کسی ایک بھی منگول بادشاہ کے ضمن میں نظر سے گزرا کہ اس نے کبھی ہندوستان یا کشمیر پر حملہ کیا ہو۔ جتنی بھی فارسی تواریخ کا ہم نے مطالعہ کیا وہ منگولوں کی تاریخ اور اُن کے کارناموں پر ایران کی مشہور اور معتبر ترین تواریخ شمار ہوتی ہیں جن میں بلاشک سرفہرست دورۂ تاریخ ایران تالیف حسن پیرنیا و عباس اقبال آشتیانی کی تاریخ ہے اور اس میں تفصیل کے ساتھ منگولوں کے ذکر میں کہیں بھی ذوالقدر خان یا کشمیر پر اُس کے حملے کا ذکر موجود نہیں ہے اور نہ ہی متواتر سال ۶۶۳ سے (۱۲۶۴ء) جب ھولاگو خان (ہلاکو خان) تخت نشین ہوا، آخری منگول ایلخان سلطان ابوسعید خان بہادر (۷۱۶ھ تا ۷۳۶ھ، ۱۳۱۶ء تا ۱۳۳۵ء) کے عہد سلطنت کہیں بھی کشمیر پر منگول سلاطین کی طرف سے حملہ کئے جانے کا کوئی ذکر موجود ہے۔ ذوالقدخان یا ذوالچو کے علاوہ پروفیسر محبّ الحسن نے کسی طہیر یا سلی منگول کمانداروں کا کشمیر کے فاتحین کی حیثیت سے ذکر کیا ہے کسی منگولوں پر لکھی گئی فارسی تواریخ سے اُن کی تصدیق نہ ہوئی۔

منگولوں کی تاریخ سے مربوط تواریخ وہی معتبر ترین تواریخ ہیں جو ایران کے مورخین نے لکھی ہیں کیونکہ منگولوں کا سروکار اور ان کی حکومت کا مرکز ایران ہی تھا۔ غرض ذوالچو یا ذوالقدر خان کے بارے میں ہماری اطلاعات بالکل ناقص ہیں اور خود ہمارے مقامی مورخین نے اس سہاک حملہ آور کے بارے میں کوئی تحقیق نہیں کی ہے کہ اس کا صحیح نام کیا تھا، کہاں سے آیا، خود فتح کرنے کی نیت سے آیا یا کسی راجا یا بادشاہ کے فوج کا سردار بن کر آیا اور کس ملک سے آیا اور کشمیر میں کس راستے سے آیا، کب تک کشمیر میں رہ کر واپس چلا گیا؟ یہ سب تحقیق طلب باتیں ہیں جن کے بارے میں ابھی تک ہماری تاریخ نامکمل ہے۔ ہمارے موجودہ زمانے کے کشمیری محققین اور دردمن مورخین کو عاریت کی لائی ہوئی اطلاعات پر اکتفا کر کے خانہ نشینی نہیں اختیار کرنی چاہئے بلکہ اپنی خاک پر آج کے دن تک ہوئے مظالم اور ظالموں کی صحیح تصویر اور مکمل تاریخ کو کشمیری مظلوم رعایا کے سامنے پیش کرنے کی خاطر صحیح تحقیق کو زندہ اقوام کی طرح عمل میں لانا چاہئے۔ یہ کام محققین کے فرائض میں داخل ہے]۔ سُہدیو کے بارے میں آگے کی اطلاعات اُن ہی بیانات کی تکرار ہے جن کا ذکر ہم پچھلے اوراق میں منابع کے حوالوں سے کر چکے ہیں اور پروفیسر محبّ الحسن نے ان میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے اور یہ محض ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے کہ چنگیز خان کے تیسرے بیٹے اوغتائی (اُوگتای قاآن) نے گاتو کو ہندوستان اور کشمیر کی طرف بھیجا یا سلی نے کشمیر کو فتح کیا اور کئی ہزار قیدی ہلاکو خان کے پاس بھیجے۔ یا ذوالچو کے حملے سے مربوط ذکر میں محبّ الحسن کا یہ بیان کہ راجہ سہدیو نے اپنے پیشروؤں کی طرح دروں کی نگہبانی نہ کی اور اس طرح وہ ملک کے دفاع سے غافل رہا، باعث اختلاف ہے۔ اس لئے کہ سلطان محمود غزنوی (۳۸۷ھ تا ۴۲۱ھ) کے حملے کے بعد کشمیر کے راجاؤں نے دروں کو محفوظ تر بنا لیا تھا۔

رنجیت پنڈت ستیارام کی ترجمہ کی ہوئی راج ترنگنی ص ۴۴۶ میں آیا ہے کہ سلطان المحمود غزنوی کے مشہور درباری عالم اور مورّخ ابوریحان البیرونی نے لکھا ہے کہ ''کشمیر کے باشندے قدرتی طور پر اپنے ملک کی حفاظت کو جو اُسے اونچے پہاڑوں اور ناقابل عبور راستوں کے سبب حاصل ہے قائم رکھنے کے خواہشمند ہیں۔ وہ وادی میں داخل ہونے والے تمام راستوں سرحدوں اور دروں کی حفاظت کرتے ہیں...'' کشیر نامی کتاب میں صوفی غلام محی الدین نے ابوالفضل کے حوالے سے لکھا ہے ''کہ کشمیر جانے والے راستے اس قسم کے ہیں کہ اگر وہاں کے حکمران کو صرف چند روز پہلے کسی غیر ملکی فوج کی آمد کی اطلاع مل جائے تو وہ اس طرح سے درّوں کی حفاظت کر سکتا ہے کہ ہزاروں رستموں سے معمور فوج بھی اس ملک پر قبضہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی''۔ (نقل از موجز التواریخ ترجمہ اُردو ص ۱۰۲)۔ راجہ سہدیو کے بارے میں **موجز التواریخ** میں معمول کے اختصار کے مطابق آیا ہے کہ راجہ سہدیو کی مدت حکومت ۱۹ سال اور ۴ ماہ تھی۔ (سال ۷۰۵ء۔ ۱۳۰۵ء۔ ۱۳۶۲ بکرمی)۔ ۷۰۶ھ میں (تاریخ حسن نے ۷۲۴ھ، پروفیسر محبّ الحسن نے ۷۲۰ھ اور کنگڈم آف کشمیر کے مولف نے بھی ۱۳۲۰ء (۷۲۰ھ) لکھا ہے)۔ کشمیر میں وارد ہوا اور تمام شہر کو جلا ڈالا اور قتلِ عام کیا یہاں تک کہ ملک بے چراغ ہو گیا۔

۹۷: **کام سُھہ**: **اینشنٹ کشمیر** کے مولف نے جیسا کہ قبلاً ان ہی اوراق میں بیان ہوا، لکھا ہے کہ ''راجا سہدیو (۱۳۱۰ء تا ۱۳۲۰ء) اپنے بھائی سِمہہ دیو کے بعد کشمیر کا حکمران بنا۔ وہ ایک صاحب استعداد اور طاقتو بادشاہ تھا اور اس نے مسلمان **کام سُھہ** کی مدد سے اپنا اقتدار کشمیر کی پوری سلطنت پر قائم کر لیا''۔ لیکن مولف نے اس کے مسلمان ہونے کے

بارے میں تصدیق کے طور پر کوئی سند پیش نہیں کی ہے۔ مقامی مورخین نے کام سُہہ کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے۔ ویسے یہ نام بظاہر مُسلمان نام نہیں یا اگر ہو بھی تو پنڈت جون راج نے یا تو اصلی نام کو مسخ کر دیا ہے یا اس نام کے کسی ہندو کو سُہہ دیو کی کامیابیوں کا باعث قرار دیا ہے۔

۹۸: **اَرجُن**: پانڈو شہزادوں میں سے تیسرا شہزادہ، مہا بھارت میں جس کا نام ایک شُجاع کی حیثیت سے آیا ہے۔ ایک درخت جس کا عملی نام Terminalia Alata Globra ہے۔ سفید، صاف، دودھ کی طرح سفید۔ بجلی کی مانند صاف، اندر دیوتا۔ پانڈووٗں میں تیسرا شہزادہ جو اندر اور کُنتی کا بیٹا تھا۔ کرِت وِریا کا بیٹا (جسے پرسُرام نے قتل کیا تھا)۔ اُوشا (اَن رُدھا کی بیوی) کا نام۔

۹۹: **پنچ گھور**: **اینشنٹ کشمیر** میں یہ نام **پنچ گھبل** آیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ مقام راجوری کے مشرق میں واقع تھا۔ مقامی مورخ اس مقام کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔

۱۰۰: **گَر بھر پُور**: بقول مولف اینشنٹ کشمیر یہ **پلوامہ تحصیل** میں گھبر پور گاوٗں ہے جو سری نگر سے شوپیان جاتے ہوئے ۲۶ رویں میل پر واقع ہے۔

۱۰۱: **فُرشاہ**: مولف تاریخ حسن نے اس کا نام **فُور شاہ** لکھا ہے جو اہل مکاشفہ میں صاحب خوارق عادات وکرامات تھا۔ **واقعات کشمیر** میں بھی فور شاہ نام ہی آیا ہے۔ **تاریخ جدولی** میں **واقر شاہ** آیا ہے۔ **تاریخ فرشتہ** میں شاہ میر کے شجرۂ نسب میں **قور شاہ** کا نام نہیں آیا ہے۔ (ویسے بھی کشمیر کے حالات میں اکثر نام تاریخ فرشتہ میں غلط ہیں یا غلط چھپے ہیں) **مجموع التواریخ** میں وفور شاہ آیا ہے۔

۱۰۲: گویا جون راج قُر شاہ کو ہندو دھرم کے عظیم دیوتا شِو کی صفات میں سے ایک صفت کا حامل جانتا ہے۔ ہندو عقیدہ کے مطابق یہ تین آنکھوں والا دیوتا ہے جو اُس کے پُر قوت دیوتا ہونے کی ایک دلیل ہے۔

۱۰۳: **اِنا مُکھی:**

۱۰۴: **ھَر:** حاشیہ نمبر۱ دیکھیں۔

۱۰۵: **طاھَراج:** مطلب ہے راجا طاہر۔ طاہر کے ساتھ جو راج کا سنسکرت لفظ جون راج نے جوڑ دیا ہے اس کے معنی ہیں بادشاہ، شہزادہ، حکمران، سردار، آقا، بہترین یا بزرگترین۔ راج کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ طاہر جو شاہ میر کا والد تھا بڑے خاندان کا ایک فرد تھا جنہیں گویا برتری حاصل تھی۔

۱۰۶: **شہمَیر:** پچھلے اوراق میں مربوط جگہوں پر شہمیر کا جستہ جستہ ذکر ہوا ہے۔ مجموعی طور پر تمام دستیاب مقامی تواریخ میں مسفقہ طور پر آیا ہے کہ شاہ میر یا شاہ میرزا نے گُنر سواد (موجودہ سوات پاکستان) سے بقولِ مولف تاریخ حسن (جلد۲/ ۱۶۱) سال ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ء) میں اور بقول مجموع التواریخ ۷۲۴ھ میں اپنے اہل وعیال کے ہمراہ کشمیر میں ہجرت کی اور بارہ مولہ میں قیام کیا۔ اس وقت کشمیر راجہ سہدیو (۱۳۰۱ء۔۱۳۲۰ء) کی حکومت تھی۔ شاہ میر کے خاندانی حالات واضح نہیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ مہابھارت کے شہرت یافتہ پانڈووَں کی نسل سے تھا لیکن اس دعویٰ پر مستند شہادتیں موجود نہیں ہیں اور محض سنی سنائی باتیں ہیں۔ (چنانچہ ان ہی غیر مستند بیانات میں آیا ہے کہ شاہ میر یا سوات کا تھا، یا ایران سے تھا یا ترکستان سے اور ایک تحقیق کی رُو سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ شاہ میر **کھَس** یا کھش قوم سے تھا جو **پنج گھبر** وادی میں آباد تھی۔ (کھش کے لئے دیکھئے حاشیہ ۵۵)۔ پنج گھبر کا نام جون

راج نے پنج گہور لکھا ہے۔ اینشنٹ کشمیر میں پنج گبھل اور کنگڈم آف کشمیر میں پنج گھبر آیا ہے۔ اینشنٹ کشمیر کے مصنف نے لکھا ہے کہ یہ جگہ **راجوری** کے مشرق میں واقع تھی) چنانچہ تاریخ حسن اور تاریخ فرشتہ میں مہابھارت کے ایک مشہور جنگجو ارجن سے مربوط جو شجرۂ نسب شاہ میر سے منسوب ہے اس میں اختلافات موجود ہے (دیکھئے حاشیہ ۹۶)۔ کشمیر میں شاہ میر یا شاہ میرزا [**میر** کا لفظ کا مخفف ہے۔سید۔اس معنی میں اکثر نام کی ابتا میں آتا ہے۔ سردار، رہنما، آقا، بزرگ، **میرزا** یعنی امیرزادہ۔، میرزادہ، شاہ زادہ۔اس معنی میں یہ لفظ ایران میں سربدازوں، تیموریوں اور صفویوں کے دور میں (۷۳۶ھ تا ۱۱۴۸ھ) ناموں کے اول اور آخر میں بڑھاتے تھے، جیسے شاہ رُخ میرزا یا میرزا شاہ رُخ۔ میرزا کے معنی دبیر، منشی، باسواد اور تعلیم یافتہ بھی ہیں۔ قابل احترام آدمیوں اور معاشرہ میں تمازافراد کے ناموں کے ساتھ استعمال کرنے کا بھی رواج تھا جس سے مقصد خالص اس شخص کی نسبت اظہار احترام وادب تھا جیسے میرزا شمس الدین احمد یا شمس میرزا۔پس شاہ کے نام کے ساتھ میر کا خطاب خاندان کی بزرگی اور اس شخص کی ذاتی بزرگواری وامتیاز کی سند ہے۔اور اس لئے شہمیر یا شاہ میرزا اعلیٰ نسب اور ایک برتر خاندان کا فرد تھا] کے ہجرت کرنے کی وجہ یوں بتائی گئی ہے کہ اُس کے جد فورساہ یا قورشاہ (دیکھئے حاشیہ ۱۰۱) نے، جو اہل کسف میں ایک صاحب کرامات بزرگوار تھا، اُسے کم عمری کے دنوں میں ایک بار اپنی گود میں لے کر کہا تھا کہ "عالم غیب سے مجھے انہام ہوا ہے کہ یہ فرزندِ دل بند کشمیر کا بادشاہ ہوگا۔ بلکہ اس کی اولاد بھی کئی پشتوں تک نسلاً بعد نسل وہاں بادشاہی وحکمرانی کا ڈنکا بجائیں گے۔ چونکہ کُنر سواد کے لوگوں کا فورشاہ (یا قورشاہ) کے خرق عادات اور کشف و کرامات پر یقین تھا، جب شاہ میرز بالغ ہوا تو انہوں نے اس کی جد بزرگوار کی

بشارت سے آگاہ کر کے کشمیر جانے پر اکسایا۔ چنانچہ شاہ میر اپنے عیال واطفال کے ساتھ کشمیر میں وارد ہوا اور اس وقت کے راجہ سُہد یو نے اُس کے نسب کی برتری کے پیشِ نظر پرگنۂ کروہن میں دارہ ویر نامی گاؤں جاگیر میں دے دیا اور اپنی مصاحبت وہم مجلسی کا بھی شرف عطا کیا۔ راجہ سُہہ دیو کے عہد میں لداخ کا ایک فراری شہزادہ لُہاچن گیالبورنچن بھی ان ہی ایام میں کشمیر میں قیام پذیر تھا۔ سیاسی افراتفری کو ختم کرنے میں شاہ میر نے راجہ سہدیو کا عملی ساتھ دیا جس کے نتیجے میں راجہ سہدیو نے اسی مسلمان مُہاجر بزرگ زادہ کی کوششوں سے سارے کشمیر میں اپنا اقتدار قائم کرلیا۔ جون راج نے یہ جو لکھا ہے کہ ''سُہہ دیو نے سارے کشمیر کو **کام سُہَہ** کی مدد سے زیر کرلیا'' میرا خیال ہے کہ **شہمیر** ہی کی طرف اشارہ کیا ہے اور شہمیر کا نام لینے کی بجائے اُس کے قوت عمل کو نظر میں رکھ کر کام سُہہ (یعنی کام کی تکمیل میں ہاتھ بٹانے والا رفیق۔ وسیلۂ کامیابی) کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ **اینشنٹ کشمیر** کے مصنّف نے لکھا ہے ''یہ سوات وادی سے آئے ہوئے مسلمان مہاجر کی وجہ سے تھا (یعنی شاہ میر) کہ سہدیو سارے کشمیر میں اپنی طاقت اور اقتدار کو قائم کرسکا''۔

شہمیر ایک قابل اور صاحب استعداد آدمی تھا۔ جب ایک غیر ملکی حملہ آور غاصب ذوالچو نامی سردار نے کشمیر کی اینٹ سے اینٹ بجادی (بقول تاریخ حسن سال ۷۲۴ھ۔ ۱۳۲۳ء اور بقول اینشنٹ کشمیر سال ۱۳۱۹ء۔ ۷۱۹ھ اور بقول کنگڈم آف کشمیر ۱۳۲۰ء۔ ۷۲۰ھ) تو اُس نے راجہ سُہدیو کی غیر حاضری میں جو مظلوم کشمیریوں کو اس اجنبی لٹیرے حملہ آور اور اُس کے ستر ہزار خون آشام سپاہیوں کے حوالے کر کے خود بے غیرتی اور ننگ آوری کے ساتھ اپنے سُسرال واقع کشتوار میں اپنے عیال و رشتہ داروں کے

ہمراہ راحت و آرام کرنے کی نیت سے فرار کر چکا تھا، راجہ مذکور کے سپہ سالار **راون چندر** کی جو **پرگنۂ لار** کے قلعہ **گگنہ گیر** میں حملہ آور کا مقابلہ کئے بغیر، محفوظ ہو کر بیٹھا تھا، دستگیری کی اور راون چندر کا اعتماد حاصل کیا۔ سیاسی حالات کے تغیر کے نتیجے میں جب لداخ کا مذکورہ فراری شہزادہ رِنچن کشمیر کا بادشاہ بنا اور اپنے بُدھ مذہب کو ترک کر کے دینِ اسلام کو اختیار کرنے کی امتیازی بزرگواری سے مشرف ہو کر سلطان صدرالدین کے خطاب سے کشمیر کے اولین مسلمان سلطان کی حیثیت سے تخت نشین ہوا، تو اُس نے شہمیر کو اپنا سپہ سالار بنالیا۔ (سلطان صدرالدین نے راجہ سہدیو کی وفات کے بعد اسکی بیوی **کوٹا رانی** سے شادی کر لی ،'جو راون چندر کی بہن تھی' اور اس سے یک بیٹا بھی ہوا جس کا نام حیدر تھا)۔ سلطان صدرالدین نے تین سال تک (۱۳۲۰ء تا ۱۳۲۳ء اور بقول مولف تاریخ حسن ۷۲۵ھ تا ۷۲۸ھ۔ ۱۳۲۴ء تا ۱۳۲۷ء) حکومت کی۔ اس کی وفات کے بعد کوٹا رانی نے اپنے دیور (یعنی پہلے خاوند راجہ سُہدیو کے بھائی اُدین دیو) کو سوات سے بلوا لیا جہاں وہ اپنے بھائی سہدیو کی طرح حملہ آور ذوالچو کے خوف سے بھاگ کر آرام کی زندگی گزار رہا تھا اور اُسے تخت پر بٹھا کر اُس کے ساتھ شادی کر لی گویا یہ اس رانی کا تیسرا خاوند تھا اور اس سے بھی اس کا ایک بیٹا ہوا جس کا نام جٹا یا جتا تھا۔ اُدین دیو کمزور اور نکمّا تھا۔ اُس کے عہد میں اچل نامی ایک اور غیر ملکی حملہ آور نے کشمیر پر حملہ کیا (جون راج نے اس حملہ آور کا نام اچل لکھا ہے۔ کنگڈم آف کشمیر میں بھی یہی نام آیا ہے۔ تاریخ حسن کے مولف نے اس کا نام اُوردُن لکھا ہے اور مزید لکھا ہے کہ یہ ترکی تھا اور سال ۷۳۲ھ میں '۱۳۳۱ء' میں ہیرہ پور کے راستے سے بھاری فوج لے کر کشمیر میں داخل ہوا) لیکن

راجہ اُدین دیو اپنی اور خاندانی نامردانگی کی روایت کو قائم رکھتے ہوئے دو بچوں کی ماں اپنی بیوی کوٹا رانی اور مظلوم کشمیری رعایا کو ترک کر کے لداخ کی طرف بھاگ گیا۔ اینشنٹ کشمیر کے مولف نے اس حملہ آور کا نام **قُردَل** لکھا ہے۔ اس تازہ حملہ آور کے حملے کے دوران شاھمیر نے اور ایک شجاع اور دلیر نجات دھندہ کی حیثیت سے کشمیر کی جو خدمت کی اس سے وہ کشمیری قوم کا ہر دلعزیز اور محبوب وممتاز رہنما بن گیا اور اس کا اعتراف جون راج نے بھی کیا۔ اُس نے لکھا ہے کہ ''حیرانگی کو بات ہے کہ اللہ پر یقین رکھنے والا یہ شخص لوگوں کا نجات دھندہ بن گیا۔ جس طرح سے ایک سوکھا ہوا دریا لوگوں کو اپنے اوپر سے عبور کرنے دیتا ہے اور اپنے کناروں پر اُن کو پناہ دیتا ہے اسی طرح سے اللہ پر یقین رکھنے والے اس خاموش اور صاحب کردار آدمی نے وحشت زدہ رعایا کی حفاظت کی''۔

لوگوں کی دلی خواہش اور بے انتہا مسرت ورغبت کی فضا میں سیاسی ماحول کو کشمیر کے حق میں لانے کے بعد جس میں کوٹا رانی کا تسلیم ہو جانا بھی ۸ شامل تھا اور شاھمیر کے ساتھ اُس کا نکاح بھی (اور یہ مہارانی کا چوتھا خاوند تھا)، شاہ میر نے سلطان شمس الدین کے لقب سے کشمیر کے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا (سال ۱۳۳۹ء۔۴۰ے ھ) بقول تاریخ حسن سال ۴۳ے ج۔ ۱۳۹۹ بکرمی ۔۱۳۴۲ء)۔ سلطان شمس الدین کی حکومت کے بارے میں **کنگڈم آف کشمیر** کے مولف نے لکھا ہے کہ ''اس کی حکومت اگرچہ مختصر مدت کی تھی، لوگوں کے حق میں ایک برکت تھی۔ ملک کو ماضی میں اندرونی خلفشار اور افراتفری کی وجہ سے نیز بیرونی حملہ آوروں کی وجہ سے سختیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ سلطان موصوف ایک شریف النفس، انسان دوست، انصاف پسند اور سخی دل آدمی تھا۔ اُس نے

کشمیر کے مصائب کو دور کر کے اس کے حالات کو بدل کے رکھ دیا۔ ہندو حکومت میں لوگوں پر سخت مالیات عائد کئے گئے تھے اور لوگوں کے پاس روزگار بچانے کے سوا اور کچھ باقی نہ تھا۔ شاہ میر نے مالیات کے نظام کو پھر سے منظّم کیا۔ نہ صرف خود اختیاری مالیات کو ہٹا دیا بلکہ وصول کرنے کے ظالمانہ طریق کار کو بھی مٹا دیا۔ زمینی مالیات کی شرح کو کُل پیداوار کے چھٹے حصے کے برابر کر دیا گیا۔ ماضی میں **لون فرقہ** لوگوں کے لئے متواتر ایک دردِ سر بنا ہوا تھا۔ شاہ میر سُلطان شمس الدین شہمیر نے نہ صرف ان کو قابو میں رکھا بلکہ اُن کے اثر ورسوخ کو گھٹانے بلکہ مٹانے کے لئے مقامی اصالت والے **ماگریوں** کی حوصلہ افزائی کی اور اُنہیں فوج میں جگہ دی۔ سلطان نے بلند اسلامی اصول وروایات کو قائم رکھتے ہوئے ایک اسلامی سلطان کی طرح اپنی رحمت و برکت کی بارش ہندوؤں پر بھی برسائی اور کشمیر کے بعض رسوم کو باقی رہنے دیا۔ البتہ رائج ہندو سموت کو جو لوکِک یا سپت رِشی کہلاتا تھا، بدل دیا اور اس کی جگہ کشمیری سَموَت رائج کیا جسے سلطان صدرالدین (رینچن) کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد قابل عمل جانا گیا۔ اواخر میں سلطان نے حکومت اپنے دو بیٹوں جمشید اور علی شیر کے حوالے کر دی اور خود سال ۱۳۴۲ء میں (۷۴۳ھ) وفات پائی۔ تاریخ حسن میں سلطان شمس الدین شہمیر کے تخت نشین ہونے کا سال ۷۴۳ھ (۱۳۴۲ء) آیا ہے اور سال وفات تین سال اور پانچ ماہ بعد گویا ۷۴۷ھ (۱۳۴۶ء)۔ مجموع التواریخ میں بھی یہی تاریخ درج ہیں۔ مورخوں نے متفقہ طور پر اس بات کی تصدیق کی ہے کہ سلطان الدین شہمیر سُنبل میں مدفون ہے۔ مورخ غلام حسن کو یہامی (مولف تاریخ حسن) نے لکھا ہے کہ سلطان موصوف کا مقبرہ وہاں پر

مقبرہ سلطان پادشاہ کے نام سے مشہور ہے اور اس کی تاریخ وفات اس فارسی مصرعہ سے نکالی ہے ۔ ''آمدہ شمس باز زیر سحاب'' اس سے ۷۴۸ھ حاصل ہوتا ہے۔ سال بھر کے فرق کو تاریخ نکالنے میں نظر انداز کیا جاتا ہے)۔ سلطان شمس الدین شاہ میر کشمیر میں ذوی الاقتدار سلسلۂ سلاطین شہمیری کا جد ہے جس نے دوسو بیس سال سے زائد عرصے تک کشمیر پر حکومت کی۔

۱۰۷: **جون راج**: اپنی برھمنیت پر سخت کٹڑپن کے ساتھ مایم تھا اور اُس نے اپنے عقیدے کے مطابق مسلمانوں کی ترقی وعروج کو اپنے مسلک کے نامور دیوتاؤں یا دیویوں کی قبولیت سے منسلک کیا ہے جو بہرحال کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں کیونکہ کشمیر کے ہندو برھمن ہمیشہ اسی عقیدے کو بنیاد بنا کر اپنے خیالات کا اظہار کرتے آئے ہیں۔

ھر قوم راست راہی دینی وقبلہ گاہی

۱۰۸: **واقعاتِ کشمیر**: میں آیا ہے کہ اس کی (سیہہ دیو) کی سلطنت کے عہد میں شہمیر نامی ایک شخص جو سواد کبر کے سلاطین کی اولاد میں سے تھا اور اب سلطان شمس الدین سے مشہور ہے، کشمیر کے مالک میں آیا اور اس کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ اُس کا جد جس کا نام فور شاہ تھا ایک صاحب کرامت اور خوارق عادات کا حامل تھا اور مرجعِ خلایق تھا۔ ایک روز اس نے کہا کہ ''رب جلیل کا الہام مجھے پہنچا ہے کہ تیرے فرزند کا ایک بیٹا ہوگا جس کا نام شہمیر ہوگا۔ وہ کشمیر کا بادشاہ بنے گا اور اس کی نسل سے چند آدمی تخت بادشاہی پر بیٹھیں گے''۔ شہمیر مذکور نے اپنے جد کی کرامات پر اعتماد کرتے ہوئے بارہ مولہ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ سکونت اختیار کی۔ جب اُس کی سکونت کی خبر راجہ کو پہنچی تو حکم دیا کہ دوار دیر گاؤں میں سکونت کرنے اور وہاں کی آمدنی کو

اپنے معاش میں خرچ کرے''۔

تاریخ حسن کے مولف نے لکھا ہے کہ ''شاہ میرزا ولد شاہ طاہر بن فور شاہ نے جو سواد کُنر سے آیا بارہ مولہ میں قیام کیا۔ اُس کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ اُس کا جد فور شاہ اہلِ مکاشفہ میں سے صاحبِ کرامات اور خوارق عادات تھا۔ اس نے کم سنی میں شاہ میرزا کو گود میں لے کر فرمایا کہ ''مجھے عالم غیب سے الہام کیا گیا کہ یہ فرزندِ دلبند کشمیر کی بادشاہی پائے گا بلکہ اس کی اولاد کئی پشتوں تک نسلاً بعد نسل وہاں پر حکومت و بادشاہی کا ڈنکا بجائے گی''۔ چونکہ کُنر سواد کے لوگوں کو فور شاہ کے خوارق عادات اور کشف و کرامات پر مکمل اعتقاد تھا تو جب شاہ میرزا بالغ ہوا اُسے اپنے جد بزرگوار کی بشارت سے آگاہ کیا اور کشمیر جانے پر اُکسایا۔ اس وجہ سے شاہ میرا اپنے عیال و اطفال کے ہمراہ سال ۷۲۰ھ میں کشمیر چلا آیا اور راجہ سُہہ دیو نے اُس کے نسب کی بلندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے پرگنۂ کُرہن کے دارہ ویز گاؤں کو اس کی جاگیر میں دے دیا اور اُسے اپنی ہم نشینی و صحبت سے معزز کیا''۔

مجموع التواریخ کے مولف پنڈت بیربل کاچرو وارستہ نے لکھا ہے کہ ''ان ہی ایام میں (راجہ سُہہ دیو کی فرمانروائی کے دنوں میں) شاہ میر بن طاہر سال ۷۲۴ھ میں سواد کُنر ملک سے یہاں آیا۔ اس کے آنے کا سبب یہ ہے کہ اُس کے جد نے، جس کا نام فور شاہ تھا اور صاحب کشف و کرامات تھا، اپنے پوتے کو بشارت دی کہ ''تم کشمیر میں فرمان روائی کرو گے اور شمس الدین کا لقب پاؤ گے اور تیری سلطنت تیرے خاندان میں کئی پشتوں تک باقی رہے گی'' اس امید پر وہ یہاں کیے حدود میں داخل ہوا۔ راجہ سُہد یو نے بارہ مولہ کی طرف دارہ دیر گاؤں اسے جاگیر میں دے دیا''۔ **جون**

راج نے جو سال ۸۹ مطابق شک سموت ۱۲۳۵ لکھا ہے وہ بعد کے مورخین کے سالوں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ **کنگڈم آف کشمیر** کے مؤلف نے شاہ میر کی سلطنت کا آغاز سال ۱۳۳۹ء (۷۴۰ھ) میں لکھا ہے جو شک سموت کا ۱۲۶۱/رواں سال ہوتا ہے اور کشمیر میں اُس کی آمد سال ۱۳۲۰ء (۷۲۰ھ) میں لکھی ہے۔ **کشمیر سلاطین کے عہد میں** (اُردو ترجمہ) مرقوم ہے کہ شاہ میر سال ۱۳۱۳ء (۷۱۳ھ) میں کشمیر میں آیا اور سال ۱۳۳۹ء (۷۴۰ھ) میں بادشاہ بن گیا جو شک سموت کا ۱۲۶۱/رواں سال ہوتا ہے۔ **مجوع التواریخ** میں شہمیر کی آمد کا سال ۷۲۴ھ (۱۳۲۳ء) آیا ہے اور اُس کے بادشاہِ کشمیر بننے کا سال ۷۴۹ھ (۱۳۴۸ء) جو شک سموت کا ۱۲۷۰/رواں سال ہے۔ **تاریخ جدولی** میں شاہ میر کے بادشاہ بننے کا سال ۷۴۳ھ (۱۳۴۲ء) لکھا ہے جو شک سموت کا ۱۲۶۴/رواں سال ہے۔ **تاریخ حسن** میں بھی شاہ میر کے بادشاہ بننے کا سال ۷۴۳ھ (۱۳۴۲ء) آیا ہے جو شک سموت کا ۱۲۶۴/رواں سال ہے۔ **جون راج** کے شک سموت ۱۲۳۵ کے شاہ میر کے بادشاہ کشمیر بن جانے کی تاریخ کسی بھی مقامی مورخ کی تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتی اور اس تاریخ کے درج کرنے میں غالبًا اس سے تسامح ہوا ہے۔ شک سموت ۱۲۳۵ ھجری سال ۷۱۳ھ اور عیسوی سال ۱۳۱۳ کے برابر ہے جو اختلاف رائے کے ساتھ اس کی کشمیر میں آمد کا مشکوک سال قرار دیا جائے تو دیا جائے لیکن شاہ میر کے بادشاہ کشمیر بننے کا سال ہرگز نہیں۔

۱۰۹: **کرم سین**: **جون راج** نے کرم سین کے بارے میں یہ نہیں لکھا ہے کہ وہ کہاں کا راجہ تھا صرف عظیم بادشاہ کرم سین لکھا ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کرم سین ایک مشہور اور قوی طاقتور راجا

تھا جس نے اپنے سپہ سالار ذُوالجو یا بقولِ جون راج دلاچہ کو کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ (زوالچو کے لئے جون راج نے ایک اور جگہ پر **دَلچه** کا نام بھی لیا ہے اور مقامی تواریخ میں ذُوالچو کو ذوالقدر خان، دُلاچہ، دُلاچو، دُلوچ، ذلچہ، ذُلاچو اور ذُلجو کے نام سے یاد کیا گیا ہے)۔

کرم سین کے بارے میں محققین کو ترکستانی حدود میں تلاش کرنے کے اقدام کرنے چاہیں اسلئے کہ بعض مقامی مورخین کا خیال ہے کہ ذوالقدر خان اساساً منگول تھا اور ترکستان سے کشمیر میں حملہ آور کی حیثیت سے آیا تھا۔ جون راج جو ذُوالقدر خان یا ذُوالچو کے زمانے سے، زیادہ دُور نہ تھا، (ذُوالچو نے سال ۱۳۲۰ء میں کشمیر پر حملہ کیا اور جون راج نے ۱۴۵۹ء میں وفات پائی) کے عہد میں کرم سین کا نام بلاشک لوگوں کی زبانوں پر رہا ہوگا جس نے اپنے سپہ سالار کو محض لُوٹ مار کرنے، نہ کہ کشمیر کو فتح کر کے اسے اپنا مقبوضہ اور مستقل علاقہ بنانے کی نیت سے بھیجا تھا۔ سپہ سالار ذوالقدر خان ذُوالچو کا رویہ کشمیر میں، اُس کے کردار کے پیشِ نظر جیسا کہ تمام مقامی تواریخ میں درج ہے خالص معاندانہ اور ایک انتقام گیر رویہ تھا۔ وہ کشمیر کو فتح کرنے کے لئے نہیں بلکہ وہ ایک "عظیم بادشاہ" کی طرف سے آیا۔ حملہ کیا، لوٹ مار کی، قتل و غارت کیا، مظلوم کشمیریوں کو ذلیل و غارت کیا، اور ہزاروں کشمیری عورتوں، مردوں اور بچوں کو حیوانوں کی طرح ہانک کر طوفان برف و باران میں اپنے ہمراہ لے گیا۔ (یہ الگ بات ہے کہ خداوند رحیم و رحمن کو اُس کا یہ رویہ پسند نہ آیا اور اُس خدائے قہار نے ذُوالچو کو واپس اپنے ملک میں جانے نہ دیا بلکہ کشمیر کے پہاڑوں میں ہی اُسے زندہ دفنا دیا)۔ ذوالقدر خان کا رویہ یا کہنا چاہئے کہ راجہ کرم سین کا ارادہ انتقام کی آگ بجھانے کی نیت

سے تھا اور بہت ممکن ہے کہ انتقام کسی ایسے ہی مساویانہ کشمیری راجا کے ظالمانہ حملے کا عکس العمل ہو۔ کشمیر کے راجاؤں نے مرکزی ایشیا کے ممالک پر حملے کئے۔ ظاہر ہے کہ ان حملوں میں ہمارے کشمیر راجا حملہ آوروں نے جلوہ نہیں بانٹا ہوگا یقیناً بے مثال خون خرابہ کیا ہوگا، لوٹ مار اور قتل و غارت کی ہوگی اور ہزاروں مظلوموں کو اسیر بنا کر چوپایوں کی طرح کشمیر کے میدانوں میں ہانک کر لایا ہوگا اور راجہ کم سین ممکن ہے اُن کے مرکزی ایشیا کے کسی ترکستانی علاقے کا وارث راجا رہا ہو جس کا ملک کشمیری راجاؤں یا کسی خاص کشمیری راجہ کے پے در پے سفاک حملوں کا شکار رہا ہو اور انتقام لینے کی قوت اور مناسب وقت کے میسر آجانے پر اُس نے ذُوالقدر خان ذوالجو نامی اپنے سفاک اور بے رحم سپہ سالار کو انتقام لینے کے لئے کشمیر بھیج دیا ہو۔ یہ کشمیر کی نامکمل تاریخ کو مکمل دیکھنے یا مکمل کرنے سے قلبی لگاؤ رکھنے والے کشمیر کے مورخین اور محققین کا اولین فرض ہے کہ وہ اس کام پر تحقیق کر کے اپنی قوم کے سامنے کشمیر کی کامل تاریخ کو پیش کریں۔ کرم سین کو تلاش کرنا بالخصوص اُن محققین کا کام ہے جو کشمیر اور وسط ایشیائی ممالک کے ماضی کے باہمی روابط خواہ وہ دشمنانہ تھے یا دوستانہ، پر خاص نظر رکھتے ہوں۔ گو کہ میں ذاتاً اس عام خیال سے متفق نہیں ہوں کہ ذوالقدر خان، ہلاکو خان منگول کے پوتوں یا اُن کی اولاد میں سے تھا، کیونکہ منگولوں کی پوری تاریخ میں اس بات کے شواہد موجود نہیں ہیں، جیسا کہ ان ہی اوراق میں کہیں پر میں کہہ چکا ہوں کہ انہوں نے کبھی بھی کشمیر میں فوجیں بھیج کر اسے اپنے قدموں کے نیچے روند ڈالا ہو لیکن یہ میری دقیق اور آخری تحقیق نہیں اور اس اہم تحقیقی کام کے لئے تُرکستانی، چینی ماخذ و منابع اور اسناد کا مطالعہ

ضروری ہے جو مربوط عہد سے متعلق ہوں کیونکہ منگولی یا ترکستانی اور چینی ماخذ اس تحقیقی کام کے لئے نہ فقط اہم ہیں بلکہ ناگزیر اور اساسی اہمیت کی حامل ہیں۔ یہ کام سخت ہے لیکن کشمیر کی سیاسی ماضی کی تکمیل کے لئے سخت تر ضروری ہے۔

۱۱۰: **دلاچہ**: ذُوالقدر خان یا ذُوالجو کے نام کی ایک صورت جسے جون راج نے کسی "عظیم راجہ کرم سین" کا سپہ سالار کہا ہے اور جس نے سال ۱۳۲۰ء (۷۲۰ھ اور بقول تاریخ حسن ۷۲۴ھ۔ ۱۳۲۳ء) میں کشمیر پر سفاکانہ حملہ کیا۔ ذوالجو کو دلاچہ، دلاچو، دلوچ، زلچہ، ذیلچو اور ذیلاچو کے مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے اور معلوم نہیں ان ناموں میں سے کوئی نام اُس کے نام کے ساتھ بحیثیت عُرف یا لقب استعمال ہوتا تھا یا اُس کے ذاتی نام کا مخفف تھا یا بگڑی ہوئی شکل تھی۔ یہ سب تحقیق طلب باتیں ہیں۔

۱۱۱: بعض مقامی خاص کر فارسی تواریخ میں یہ تعداد ستر ہزار بتلائی گئی ہے۔

۱۱۲: مُراد ہے راجا سُہہ دیو۔

۱۱۳: **کالمانی بھوٹوں**: سے مُراد ہے بلتی فرقے کے لوگ جنہوں نے رنچن کے باپ کو سال ۱۳۲۰ء میں شکست دی۔ بلتی لداخی بھوٹوں کے ہمسائے تھے۔

۱۱۴: **وکتانیہ**: سے ظاہر ہے کہ جون راج کے مطابق یہ رنچن کے باپ کا نام تھا۔ پروفیسر محبّ الحسن نے رنچن کے باپ کا نام مہاچن رنگوس گرب لکھا ہے (کشمیر سلاطین کے عہد میں ص ۵۱) اور کنگڈم آف کشمیر (ص ۱۱۶) میں بھی یہی نام آیا ہے۔ تاریخ جدولی (ص ۱۰۴) اور تاریخ حسن (ص ۱۶۱) میں لکھا ہے کہ رینچن شاہ تبت کے حکمران

بغین کا بیٹا تھا۔

۱۱۵: **رِنچن**: پچھلے حواشی میں مربوط جگہوں پر ہم نے تفصیل کے ساتھ رنچن کا ذکر کیا ہے۔ یہاں پر ہم اس لداخی مہاجر اور بعد میں کشمیر کے اولین مسلمان بادشاہ ملقب بہ سلطان صدرالدین کی سیاسی اور حکومتی فعالیتوں کے بارے میں مختلف مقامی حوالوں سے اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے۔

رنچن جو مقامی تواریخ میں رینچٹن، رینچو، ریچن، ریچن شاہ، رینچٹن شاہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ (کنگڈم آف کشمیر کے مولف نے ان ناموں میں رنجو، رنجو شاہ، رتچن اور رنچوی کا اضافہ کیا ہے لیکن یہ نام میرے خیال میں اول الذکر ناموں کی کتابت کے اشتہابات ہیں) اصل میں لدّاخ کا شہزادہ اور وہاں کے حکمران جس کا نام جون راج کے بقول وکتانیہ اور ہمارے کشمیر کے بعض مورخوں کی رائے میں **لھاچن دنگوس گرب** (LHA CHEN DNGOS GRAB) کا بیٹا تھا اور خود رنچن کا پورا لداخی نام **لھاچن رگیا لبورنچن** (LHA CHEN RGYALBU RINCHANA) تھا۔ رنچن کے باپ کو ہمسایہ بلتیوں نے سال ۱۳۲۰ء میں ایک جنگ میں شکست دے کر اُسے قتل کر دیا۔ رنچن نے باپ کے قتل کا بلتیوں سے زبردست انتقام لیا اس کے باوجود دشمنوں سے خود کو محفوظ نہ پا کر لداخ سے بھاگ نکلا اور کشمیر میں آ کر یہاں کے راجہ سُہدیو (۱۳۰۱ء تا ۱۳۲۰ء) کے سپہ سالار رام چندر کی پناہ میں آ گیا جو موجودہ لار میں رہتا تھا اور اسی پرگنہٗ کے گگنہ گیر گاؤں میں اُسے رہنے کی اجازت مل گئی۔ اسی دوران ترکستان کے ایک حملہ آور **ذوالقدر خان ذوالچو** نے، جو بعضوں کے بقول ایک منگول ترکستانی اور بعضوں کے بقول ایک تاتاری تھا کشمیر پر حملہ کر دیا (مورخ جون راج نے لکھا ہے کہ ذوالچو **کرم سین** نامی ایک

عظیم بادشاہ کا فوجی سپہ سالار تھا۔ دیکھئے حاشیہ ۱۰۹)۔ گو کہ خود رنچن، افراتفری کے اس عالم میں اور زیادہ بے بس تھا لیکن اس حالت سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی جو اُس کو کشمیر کی سلطنت پانے کے رتبے تک لے گئی اس نے دُور اندیشی سے کام لے کر کشمیر کے لوگوں کے دل جیت لینے کے اقدامات کئے جن کے دل، راجہ سُہد یو کے بزدلی اور بے غیرتی کے ساتھ اُن کو حملہ آور ذوالجو کے قتل وغارت کے حوالے کر کے خود کشتوار کی طرف فرار کرنے کے اقدام سے ٹوٹ چکے تھے۔ اُس نے رام چندر کے بیٹے راون چندر کو سلطنت پر قابض ہوتے ہی قید سے آزاد کیا اور اس کو سپہ سالار بنا دیا۔ لار اور لداخ اُسے جاگیر میں دیئے اور راون چندر کی بہن کوٹا دیوی سے شادی کی جو بعد میں کشمیر کے تاریخ میں کوٹا رانی کہلائی۔ لوگوں کو اپنے وزیر اعظم شاہ میر کے تعاون سے صاف وشفاف اور انصاف پر مبنی حکومت مہیا کی۔ سرکش **لونیوں** کے فرقے کو، جو ہمیشہ فساد پر برپا کیا کرتے تھے، زیر اور پامال کر دیا۔ رنچن نے رعایا میں انصاف کو عام کر دیا۔ جون راج نے لکھا ہے کہ **تمی** نے ایک گوالن سے زبردستی دُودھ چھین لیا۔ گوالن نے رنچن کے دربار میں آکر شکایت کی اور جب تمی نے بھرے دربار میں انکار کیا تو بادشاہ نے اس کا پیٹ چاک کروا دیا جہاں سے دودھ نہ نکلا۔ اس انصاف وعدل پرستی سے کشمیر میں امن وتحفظ کا ماحول دوبارہ قائم ہوا۔ اس کے فوراً بعد رنچن اپنے اصلی مذہب **بودھ مت** سے دستبردار ہو کر مشرف نہ دینِ اسلام ہوا اور رنچن سے **سلطان صدرالدّین** بن گیا۔ یہی سلطان کشمیر کا اولین مسلمان بادشاہ ہے۔ راجہ سُہہ دیو اگرچہ کشتوار سے تخت مانے کے لئے لوٹ آیا لیکن دل سرد رعایا نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا اور ذلیل ہو کر پھر سے کشتوار کی طرف فرار کر گیا۔ سلطان صدرالدین کی زات

پر **تُک** نے ایک حملہ بھی کیا لیکن یہ حملہ ناکام رہا۔ تُک لداخ میں رنچن کا ایک رفیق تھا اور جب رنچن کشمیر میں بادشاہ بن گیا تو اُس نے اپنے اس دوست سے غداری کر کے بادشاہت چھین لینے کی بدنیتی کے ساتھ سلطان پر حملہ کر دیا لیکن تُک کو پکڑ لیا گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے بھائی تمی کے قتل کا بدلہ لینے کا انتقام لینا چاہتا تھا اور اس کام میں راجہ سہدیو کا بھائی ادین دیو، جوذوالچو کے حملے میں بھگ نکلا تھا، اُسے اُکسا رہا تھا، بہر حال تُک اور اُسکے ہمراہیوں کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔ سلطان صدرالدین نے دینِ اسلام کو پھیلانے کی سعی کی۔ راون چندر، جو اُس کا سالار اور بارسوخ درباری تھا مع عیال واطفال کے مسلمان بن گیا۔ شاہی سرپرستی کے سبب عام لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے نیز شاہی دربار کے درباریوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ سلطان صدرالدین نے دریائے جہلم کے کنارے پر اپنے قصر شاہی کے پاس مسجد تعمیر کی اور اسی کے قرب وجوار میں رنچن پور نامی محلّہ بسایا۔ دین مُبین اسلام سے مشرّف ہونے کی دولت سلطان صدرالدین کو **حضرت سیّد شرف الدین عبدالرحمن عُرف بلبل شاہؒ** کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے سے حاصل ہوئی جو دینی بزرگواروں کی ایک نامعلوم تعداد کے ہمراہ (غیر مستند روایت ہے ایک ہزار) سال ۷۲۵ھ میں بقولِ مولف واقعاتِ کشمیر یہاں تشریف لائے۔ بلبل شاہؒ **ترکستان** یا **ایران** کے مشہور صوبہ **خراسان** سے آئے۔ بدقسمتی سے اُن کی تبلیغی مساعیِ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ سلطانِ موصوف نے اپنے پیرومرشد کے لئے اپنے قصر شاہی کے نزدیک ایک خانقاہ تعمیر کی جس میں مساکین وفقراء کے لئے مفت لنگر قائم کیا۔ چنانچہ اسی مناسبت سے وہ علاقہ بلبل نگر کے نام سے اب بھی باقی ہے۔ سلطان صدرالدین نے سال ۱۳۲۰ء سے

سال ۱۳۲۳ء تک حکومت کی (۷۲۰ھ سے ۷۲۴ھ تک)۔ تاریخ حسن کے مولف نے لکھا ہے کہ سلطانِ موصوف سال ۷۲۵ھ (مطابق ۱۳۸۱ بکرمی۔ ۱۳۲۴ء) میں تخت نشین ہوا۔ سال ۷۲۶ھ (۱۳۲۵ء) میں اسلام کو قبول کیا اور دو سال سات ماہ تک حکومت کرنے کے بعد انتقال کرکے خانقاہ بلبل شاہ کے جنوب میں مدفون ہوا۔

۱۱۶: **وِیال:** جون راج نے آگے چل کر ویال کے بارے میں لکھا ہے ''ویال راج، رنچن کے چھوٹے بھائی، اس کے بیٹے، رشتہ دار، اس کے وزیر، ساتھی اور اس کے دوست کی مانند بن گیا''۔ وِیال راج بادشاہ رنچن سے متاثر نہیں تھا بلکہ بادشاہ ہی وِیال کی حرکتوں سے متاثر تھا جو ''شاستروں میں خوب مہارت رکھتا تھا۔ شستہ مذاق کا حامل تھا اور دنیا کی ناقابل گذر تاریکی کو ویران کر دیتا تھا جیسے کہ پانی میں چاند کے عکس کو سورج کی کرنیں کہا کرتی ہیں''۔ گویا ویال، رنچن کے چھوٹے بھائی کی مانند تھا اور اُس کا معتمد جو ہر قدم پر اپنے بادشاہ برادر کی رفاقت و معاونت کے لئے ایک وزیر ایک شفیق ساتھی اور وفادار دوست کی طرح رہتا تھا۔ ویال راج بقول جون راج ہندو دھرم کے شاستروں کا ایک ماہر عالم تھا ورشستہ مذاق رکھتا تھا اور دلیر آدمی تھا۔ پروفیسر محبّ الحسن کا کہنا ہے کہ جب ٹگ (ٹکا) نے رنچن پر قاتلانہ حملہ کیا تو ویال راج فوراً اس کی مدد کو پہنچا تھا۔

۱۱۷: یہ اُس جنگ کے بارے میں ہونے والے واقعہ کی ایک اطلاع ہے جو بلتیوں کے خلاف لڑنے کے بارے میں اولین اطلاع ہے اور اس لحاظ سے اہم ہے۔ اس جنگ میں اگرچہ رنچن نے فتح پائی لیکن دشمنوں کے خوف سے کشمیر چلا آیا۔

۱۱۸: **رام چندر**: پچھلے حواشی میں رام چندر کا نام کشمیر سے مربوط تاریخ کے حوالے سے کئی جگہوں پر آیا ہے۔ رام چندر کشمیر کے راجہ سُہہ دیو (۱۳۰۱ء تا ۱۳۲۰ء) کا وزیر اعظم تھا جو صاحب فہم تھا اور حکومت کرنے کا ملکہ رکھتا تھا۔ لیکن تاریخ حسن، واقعات کشمیر اور مجموع التواریخ کے مولفین نے لکھا ہے کہ وہ راجہ سُہد یو کا سپہ سالار تھا۔ موخر الذکر دو تواریخ میں رامچند ر کا نام رام چند آیا ہے۔ مؤلف **تاریخ حسن** نے (جلد ۲/ص ۱۴۹۔۱۵۰) **راجہ جے سنگھ** (جس کا اصلی نام وہ زَیہ **سہَم دَیو** بتاتا ہے) (۱۱۲۸ء تا ۱۱۵۵ء) کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ **مُل چندر** اُس کا مدار المہام اور سپہ سالار تھا۔ مُلچند را بن سوسرم چندر اصل میں **چندر بنسی** راجاؤں کے فرقے سے تھا جنہیں **چندر** کہتے تھے اور کمال شان وشوکت کے ساتھ **انگر کوٹ** یعنی **کانگرہ** کے علاقے میں حکومت کرتے تھے۔ دشمنوں کے غالب آجانے کے باعث مُل چندر نے سابق محبت وشفقت کے وابط کے پیش نظر **راجا جے سنگھ** کے پاس پناہ پائی۔ راجا موصوف نے پچھلے حقوق اور روابطِ دوستانہ کی رعایت کرتے ہوئے اُس کی وجہ معاش **پرگنۂ لار** کی جاگیر سے مقرر کردی اور وزارت وسپہ سالاری کا عہدہ اُسے بخش دیا چنانچہ اُس کی اولاد وذُریت نے پُشت در پُشت **پادشاہانِ چغتائیہ** کی حکومت کے زمانے تک امارت ووزارت کے عہدوں پر شرفیابی پاکر پسندیدہ کام انجام دئے ہیں۔ راجہ سہد یو کے زمانے میں اسی مشہور خاندان کا موروثی فرد رام چندر اپنی استعداد وقابلیت سے راجہ موصوف کا وزیر اعظم یا سپہ سالار (یا دونوں) بن گیا اور پرگنۂ لار کے گگنہ گیر گاؤں میں جو اُسے جاگیر میں ملا تھا، سکونت اختیار کی جہاں اس نے ایک مضبوط مستحکم قلعہ تعمیر کیا۔ راجہ سُہد یو کے زمانے میں دو غیر ملکی شہزادوں نے اپنے ملکوں میں نزاعی حالت کے جاری

رہنے کی وجہ سے کشمیر میں ہجرت کی۔ ان میں ایک کا نام رنچن تھا جو **لداخ** سے آیا اور دوسرا **شاہ میر** تھا جس کے بارے میں مقامی مورخین نے لکھا ہے کہ اس نے **سوادکُنر** یا **سوات** سے ہجرت کی۔ دونوں مہاجر شہزادوں نے کشمیر کی سیاسی افراتفری سے استفادہ کر کے یہاں کا شاہی تخت حاصل کیا ورر نچن نے سلطان صدرالدّین کا مسلمان ہو جانے کے بعد لقب اختیار کر کے تین سال تک (۱۳۲۰ء تا ۱۳۲۳ء) بادشاہی کی اور شاہ میر نے گو خود سال ۱۳۳۹ء سے سال ۱۳۴۲ء تک ہی حکومت کی لیکن کشمیر میں اپنے خاندان **شہمیری** کی مستحکم بنیاد ڈال دی جس نے قریب دوسوتیں سال تک حکومت کی۔ (واقعات کشمیر کے مولف کے بقول (ص ۸۶) دوسو بیس اور چند سال تک)۔ **رام چندر** نے **رنچن** کو گگنہ گیر میں اپنے علاقے میں پناہ دی اور **شاہ میر** کو بھی جس نے سوات سے آکر بارہ مولہ میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا اپنے پاس **لار** میں بلالیا اور دونوں مہاجر شہزادوں کو اُن کے رُتبۂ شہزادگی کے پیش نظر اپنا مصاحب بنالیا۔ اسی دوران **ذوالقدر خان عرف ذوالچو** نامی ایک منگول یا ترکستانی منگول سردار نے جو **کرم سین** نامی کسی راجا کا سپہ سالار تھا، (کرم سین کی شناخت ابھی تک ہمارے مورخین سے نہیں ہوسکی ہے) کشمیر پر ساٹھ یا ستر ہزار سپاہیوں کے ہمراہ حملہ کر دیا جو ایک تباہ کن حملہ تھا۔ اس حملے کی تاب نہ لا کر کشمیر کا بے غیرت اور بقول جون راج ''یہ راکھش بادشاہ سہدیوؔ'' رعایا کو حملہ آور کی تباہ کاریوں کے حوالے کر کے خود اہل وعیال کے ہمراہ کشتوار کی طرف بھاگ گیا۔ یہ حملہ اس قدر خونخوار اور وحشیانہ تھا کہ ملک کا سپہ سالار رامچند ربھی اپنی اور اپنے عیال اور رشتہ داروں کے جانوں کی حفاظت کرنے کے ''اولین فرض'' کو نبھانے میں مشغول رہ کر قلعۂ لار سے باہر نہیں نکلا۔ ذوالچو جب اپنے انتقامی حملے سے

جس میں ہزار ہا بے بس، لاچار اور مظلوم کشمیری قتل ہوئے اور ہزاروں دیگر کشمیریوں کو جن میں عورتیں، بچے، بوڑھے اور جوان شامل تھے، اسیر بنا کر برف و باران کے طوفان میں ہانک کر لے گیا۔ (حواشی نمبر ۱۰۶، ۱۰۹، اور ۱۱۵ دیکھئے) رام چندر اپنے مضبوط و سنگین قلعہ سے باہر نکلا۔ اب ملک کی حالت کاملاً بگڑ چکی تھی۔ غدار راجہ سُہدیو کے فرار سے رعایا اس سے متنفر ہو چکی تھی۔ رام چندر کی الغفسی مصلحتوں نے بھی لوگوں کو اُس سے بدل کر دیا اور اس طرح سے عام لوگ نہ راجا سہدیو کو پسند کرتے تھے اور نہ ہی رام چندر کو۔ لوگ بے سرپرست تھے۔ غیر یقینی کی اس حالت میں رنچن نے کشمیر کے تخت پر قابض ہونے کا ارادہ کیا جس میں ایسے موقعوں پر عام فریب کارانہ تدبیر کو عمل میں لانے سے کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس نے رام چندر کو قتل کر دیا۔ اس کے بیٹے **راون چندر** کو قید میں ڈال دیا اور رام چندر کی بیٹی **کوٹا دیوی** کو اپنے عقد میں لایا اور **شہمیر** کو اپنا وزیر اعظم بنا لیا۔ یہ سارے واقعات سال ۷۲۵ھ میں ہوئے (سال ۱۳۲۴ء البتہ بقول تاریخ حسن اور واقعات کشمیر) لیکن دیگر مقامی مورخین نے یہ واقعات سال ۱۳۲۰ء (۷۲۰ھ) سے منسوب کئے ہیں جو رنچن کی تخت نشینی کا سال ہے۔ حاشیہ ۹۶ دیکھیں۔

۱۱۹: **راھو**: ہندو خرافات (MYTHOLOGY) میں ایک دیتیہ (DEMON) جو **وِپراچِتی** اور **سِنھِه کا** کا بیٹا ہے اور سورج اور چاند کو گرفت میں لاتا ہے جس سے گرہن ہو جاتا ہے۔ اژدہا کا سر، کسی سیارے کا چڑھتا ہوا نقطہ یا خط۔ سیارے کے اترتے اور چڑھتے ہوئے نقطوں یا خطوط کو راھو کیتُو کہتے ہیں اور سورج گرہن یا چاند گرہن کو ہندی میں راھُو گراس یا راھُو گراہ کہتے ہیں۔

۱۲۰: **دِلاچه**: یعنی ذُوالچویا ذُوالقدر خان۔ دیکھئے حاشیہ ۱۰۱ اور حاشیہ ۹۶۔

۱۲۱: **دلچه**: یعنی ذُوالچو یا ذوالقدر خان۔ دیکھئے حاشیہ ۹۶ اور حاشیہ ۱۰۱۔ معلوم نہیں کہ زول راج نے ذوالقدر خان ذُوالچو کی نسبت دلاچہ اور دلچہ کے نام خود وضع کئے ہیں یا لوگوں میں اُس کے حملے کے بعد اس طرح کے نام اس کے حق میں رائج تھے اور یا محض ذوالچو کے حق میں حقارت کے اظہار کرنے میں استعمال میں لائے جاتے تھے۔ تاریخ حسن میں آیا ہے (جلد ۲، ص ۱۶۲) ''سال ۷۲۴ھ (۱۳۲۳ء) میں ذوالقدر خان جو ھولاکو خان ابن چنگیز خان کے پوتوں میں سے تھا اور کشمیر کے لوگ اُسے ذوالچو کہتے ہیں....'' واقعات کشمیر میں آیا ہے ''مشکل ترین حوادث میں سے جو کشمیر کے لوگوں پر حادثہ نازل ہوا وہ تھا ذوالجو معروف بہ ذوالقدر خان کا آنا...'' (ص ۲۷)۔ **تاریخ جدولی** میں بھی ذوالقدر خان نام آیا ہے (ص ۱۰۳)۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ ذوالقدر خان کے نام کو شاید اہلِ کشمیر نے مخفف کر کے ذوالجو یا ذوالچو کر دیا تھا۔ البتہ یہ تحقیق طلب ہے۔

۱۲۲: **رینچه**: رنچن مُراد ہے۔ اس طرح کا نام رنچن کے حق میں اول بار استعمال میں آیا ہے اور صرف جون راج کی اختراع ہے۔

۱۲۳: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رنچن جب لداخ سے فرار کر کے کشمیر میں پناہ کی تلاش میں داخل ہوا تو وہ تنہا نہیں تھا بلکہ ایک شہزادے کی حیثیت سے اُس کے ساتھ ہمراہیوں کی اتنی تعداد ضرور تھی جنہیں کم سے کم ایک فوجی گروہ کہا جا سکتا ہے اور یہ باعث تعجب ہے کہ ایسی صورت میں وقت کے حکمران راجہ سُہد یو نے اُسے فوجی گروہ کے ہمراہ پناہ دی۔ راجہ موصوف کا یہ فیصلہ سیاسی بدتدبیری اور غیر مصلحت اندیشی پر مبنی تھا جس کا نتیجہ اُسے ذلت کے ساتھ تخت اور ملک کو خیر باد کہنے میں دیکھنا پڑا۔ راجہ سہد یو کشمیر کے حق میں

نہایت منحوس، بد بخت، بد تدبیر اور ایک بے غیرت ترین حکمران ثابت ہوا۔

۱۲۴: گویا ذُوالجو (بقول جون راج دلچہ) بُت شکن بھی تھا باوجود اس کے کہ بقولِ مورخین وہ مذہباً مسلمان نہیں تھا بلکہ منگول یا تاتاری تھا اور اساساً بُدھ مذہب کا پیرو تھا۔

۱۲۵: **راکشس**: بھوت، جن، دیو، بدرُوح، شیطان۔ حاشیہ ۳۰ بھی دیکھئے۔

۱۲۶: **بادشاہ**: مراد ہے راجہ سُہد یو۔

۱۲۷: **راھو**: دیکھئے حاشیہ ۱۱۹۔

۱۲۸: **رام چندر**: دیکھئے حاشیہ ۱۱۸۔

۱۲۹: **لھر قلعہ**: یعنی لار کا قلعہ جو اندرکوٹ میں واقعہ تھا اور اسے رام چندر نے تعمیر کیا تھا۔ حاشیہ ۵۳ بھی دیکھئے۔

۱۳۰: **کلپ**: دیکھئے حاشیہ ۶۸۔

۱۳۱: **مَنڈل**: کئی معانی کے علاوہ منڈل، مُلک، خطہ، علاقہ، ضلع اور صوبہ اور دارالخلافہ (جو بعضوں کے نزدیک ہر طرف سے بیس یا چالیس یوجنا کا فاصلہ رکھتا ہو۔ (ایک یوجنا یا یوجن چار کوس یا نو میل ہوتا ہے) کے معنی میں بھی آیا ہے۔ یہاں پر منڈل کا لفظ مبہم ہے اور معلوم نہیں کون سے خاص ملک کی طرف اشارہ ہے۔ البتہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ متفقہ طور پر سبھی مقامی مورخین یک رائے ہیں کہ راجہ سُہد یو، کشتواڑ میں فرار کر گیا تھا جہاں کے راجہ کی بیٹی اُس کے عقد میں تھی۔

۱۳۲: **شری رام چندر سُرت رانا**: مراد ہے راجہ سہد یو کا سپہ سالار شری راچند رجو پرگنہ لار کے اندرکوٹ قلعہ میں رہتا تھا۔ رام چندر کے بارے میں پچھلے اوراق میں خاصا ذکر ہوا ہے۔ حاشیہ ۱۱۸ بھی دیکھیں۔

سُرَت رانا یعنی خود دیدار یا ڈل پسند۔ یہ خطاب خود رجون راج نے راجچند ر کے حق میں وضع کرلیا ہے۔

۱۳۳: یہ ساری عبارت جون راج نے رنچن کی بادشاہت کی تحسین و ستائش میں لکھی ہے۔ لیکن جون راج نے برھمنی تعصّب سے کام لے کر اس حق بات کو چھپا کے رکھا کہ رنچن آسمانی دین اسلام سے مشرف ہو کر مسلمان ہوگیا۔ چنانچہ اس کشمیری برھمن نے جس کی رگ رگ میں مسلمانوں کے خلاف خُون مسموم جاری تھا مسلمانوں کو ملیچھ اور موسلے کہا ہے اور قابلِ غور ہے یہ بات کہ وہ مسلمان بادشاہوں کا ذلّہ خوار تھا اور اُن ہی کے رحم وکرم پر معاشی زندگی گزارتے ہوئے ان ہی مسلمانوں کو ملیچھ کہتا تھا جن کے ایک اشارے پر اس کا سر قلم ہوسکتا تھا۔ ویسے بھی جون راج جیسے وید خوان برھمن عالم کو بدزبانی اور بدذہنی سے کام نہیں لینا چاہئے تھا۔ ایسا کرنا ایک عالم کی شان کے خلاف ہے۔ (**ملیچھ**۔ یعنی ایک غیر ملکی۔ وحشی۔ جو آریائی نہ ہو۔ ایک شخص جسے ذات سے خارج کردیا گیا ہو۔ سنسکرت کے بغیر کوئی اور زبان بولنے والا یا کوئی اور زبان جو اس سے نکلی ہو اور ہندو اداروں کے ساتھ مطابقت نہ رکھتی ہو۔ ایک بدسرشت اور بُرا آدمی۔ فتنہ گر، فسادی، گناھکار، کافر، ناپاک، ناپاک نسل کا آدمی، وہ جو پاک اور ناپاک غذا میں فرق نہ کرتا ہو یا نہ کرتے ہوں۔ پیٹو)

۱۳۴ھ : آچھوڈا جھیل:

۱۳۵: **ٹکَ۔ تِمی**: رینچن کے حالات کے ضمن میں پروفیسر محبّ الحسن نے کشمیر سلاطین کے عہد میں'' (اُردو ترجمہ میں) لکھا ہے کہ ''اسی دوران رینچن کو ایک بڑی سازش کا سامنا کرنا پڑا جس کا سربراہ اس کا سابق وزیر اعظم ٹکا (ٹکّ) تھا۔ رینچن سے ٹکا کی برھمی کا سبب یہ تھا کہ رینچن نے اس کو

برخاست کر کے اُس کا عہدہ ویال راج کو دیا تھا اور اُس کے بھائی (مُراد ہے تمی) کو موت کی سزا دی تھی۔ جب وہ دَمپر ستھ میں تھا ٹکا اور اس کے ساتھیوں نے رنچن پر اچانک حملہ کر دیا..." (ص ۵٦)۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ٹکا یا تُکّ ، رنچن کا وزیر اعظم تھا اور تمی تُکّ (یا بقول محبّ الحسن ٹِکا) کا بھائی تھا۔ لیکن ٹکا کبھی بھی رنچن کا لداخ میں وزیر اعظم نہیں تھا اس لئے کہ رنچن وہاں کا حکمران نہیں رہا بلکہ شہزادگی کے عالم میں ہی لداخ سے فرار کر کے کشمیر میں پناہ لی اور کشمیر میں تین سال کے مختصر عرصے میں اُس نے سلطان صدرالدین کے نام سے جو بادشاہی کی اس عمر میں فقط مقتول راجچند ر کے بیٹے راون چندر اور شاہ میر کے نام بالترتیب سپہ سالار اور وزیر اعظم کی حیثیت سے مقامی تواریخ میں درج ہیں **کنگڈم آف کشمیر** کے مولف ایم ایل کپور نے تُک اور تمی کے ذکر میں (ص ۱۱۷) لکھا ہے کہ "اُس (رنچن) کی حکومت کے اواخر میں اس کی زندگی پر ایک ناکام حملہ بھی ہوا۔ تُک تب سے انتقام کی آگ میں جل رہا تھا جب رنچن نے اُس کے بھائی تمی کو ایک معمولی سی خطا کے بدلے میں قتل کر ڈالا تھا۔ اس کام سے سُہدیو کے بھائی اُدین دیو نے بھی اُکسایا تھا جو ذُوالجو کے حملے کے دوران کشمیر سے فرار کر چکا تھا۔ ایک مناسب وقت پر جب کہ سلطان اپنے دارالخلافہ سری نگر سے باہر تھا، تُک اور اس کے ساتھیوں نے اچانک اس پر حملہ کیا"۔ مصنف مذکور نے یہ نہیں لکھا ہے کہ تُک، رنچن کا سابق وزیر اعظم تھا۔ البتہ دونوں مولفین کے بیانات سے واضح ہو جاتا ہے کہ تُک اور تمی آپس میں بھائی تھے اور دونوں لداخ کے تھے اور اس فراری قافلے میں شامل تھے جس کا سربراہ رنچن تھا۔ اس بات کا امکان ہے کہ تُک اور رنچن قدیمی دوست رہے ہوں گے اور اس لئے رنچن نے اُسے غالباً اپنا درباری بنا لیا ہوگا۔

۱۳۶: راول پور سے قدیم ہوائی اڈے کی طرف جاتے ہوئے نصف کلومیٹر کی دوری پر ایک محلے کا نام جو اسی نام سے آج بھی معروف ہے۔

۱۳۷: **شری دیو سوامی**: قرائن سے ظاہر ہے کہ رنچن کے عہد میں کشمیری برھمنوں کا بڑا گروہ تھا جسے بُلوا کر رنچن نے ہندو دھرم کے بارے میں گفتگو کی تھی اور اس کے بعد سید شرف الدین عبدالرحمٰنؒ کو بھی دربار میں تشریف لانے کی گزارش کی تھی۔ پھر اپنے ساتھ دونوں کے دلائل وبراھین کا موازنہ کرنے کے بعد دین مُبین اسلام کا ادراک وانتخاب کر کے مسلمان ہو گیا۔ رنچن کے ساتھ دونوں بزرگوں کی یہ مذہبی گفتگو ایک فیصلہ کُن گفتگو تھی جس کے نتیجے میں کشمیر ہزاروں سال کے ہندو مذہب میں جاری رہتا یا ہندو دھرم کی جگہ ایک نیا مذہب لے لیتا جو کشمیریوں کے لئے اجنبی ہوتا اور دونوں رہنما اپنے دلوں میں اس حقیقت کا احساس لے کر چلے تھے اور پھر وہاں شاہی دربار میں ہندو گرو ہار گیا اور مسلمان مرشد نے کامیابی پائی۔ اس طرح کے بڑے فیصلے اللہ کے دربار میں ہوتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ بقول جون راج رنچن چونکہ بھوٹا تھا یعنی لداخی تھا اس لئے دیوسوامی نے اُسے شِو مسلک کے لائق نہیں جانا۔ یہ بیان جون راج نے خود وضع کر کے دیوسوامی کی خفت کو مٹانے کے لئے اپنی تاریخ میں لکھ دیا ہے جس کے ناکام رہنے سے کشمیر نے ہمیشہ کے لئے ہندو دھرم کی برھمنانہ برتری سے نجات پائی۔ پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ ''یون راج (مطلب ہے جون راج) کا یہ قول غلط ہے کہ وہ (رنچن) شِومت قبول کرنا چاہتا تھا لیکن برھمنوں نے اُس کو تبدیلی مذہب کی اجازت نہ دی۔ زمانۂ قدیم میں بدھ مت سے ہندو دھرم اور ہندو دھرم سے بدھ مت اختیار کرنے کا چلن تھا۔ فی الحقیقت رنچن نے صرف اس وجہ سے شِومت کو قبول نہیں کیا کہ اس سے اُس کی روحانی تسکین نہ ہو سکتی تھی۔ یون

راج (جون راج) نے شاید اس بات سے چڑ کر لکھا دیا ہے کہ رنچن کے شومت کے ماننے سے انکار کردینے کی وجہ سے اس کو ہندو دھرم میں قبول نہ کیا۔ رنچن کے مشرف بہ اسلام ہوجانے کی وجہ سے یون راج نے چڑ کر اس کا ذکر بہت کم کیا''۔ محبّ الحسن کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ شری دیوسوامی ہندو دھرم کے کشمیر میں جاری رہنے کی نیت سے خود رنچن کے پاس گیا اور اُسے ہندو مذہب قبول کرنے کی دعوت دی جسے رنچن نے رد کردیا کیونکہ جیسے کہ محبّ الحسن نے حوالوں سے رنچن کا مشرف بہ اسلام ہونا کے عنوان سے لکھا ہے کہ ''رنچن کے ذہن میں تجسس اور بیداری تھی۔ وہ پڑھے لکھے آدمیوں، ہندو اور بودھ پروہتوں کی صحبت کو بہت پسند کرتا تھا اور اُن سے اُن کے مذاہب پر طرح طرح کے سوالات کرتا، اطمنان بخش جواب پانے کی غرض سے مناظرہ کرتا رہتا تھا تاکہ اس کو معلوم ہو کہ سچ کیا ہے لیکن یہ مناظرے اس کی روحانی تشنگی کو بجھا نہ سکے۔ بدھ مت جو اس کا پیدایشی مزہب تھا خارجی عناصر کے امتزاج کی وجہ سے اس کے لئے وجہ تشفی نہ ہوسکا۔ ہندو دھرم ذات پات کی بندشوں اور برہمنوں کی خودستائی کی وجہ سے جو اس کے محافظ بنے بیٹھے تھے، اس کو پسند نہیں آتا تھا۔ اُس کو تلاشِ حق میں ناکامی ہوئی جس کی وجہ سے اس کی زندگی میں ایک طرح کی شکست خوردگی کا احساس گھر کرتا جارہا تھا اور وہ اپنے آپ کو ایک روحانی خلا میں محسوس کرتا تھا۔ اس کی مضطرب اور بے چین روح نے اس کی راتوں کی نیند حرام کردی تھی اور راتوں کو گڑ گڑا کر خدا سے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی دُعائیں مانگتا۔ اس روحانی اضطراب کے عالم میں اس کی ملاقات سید شرف الدین سے ہوئی جن کو بلبل شاہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بلبل شاہ، شاہ نعمت اللہ فارسی کے مرید تھے جن کا تعلق سلسلۂ سہروردیہ سے تھا اور وہ سہدیو کے دورِ حکومت میں منگولوں کے حملے کے خوف

سے ایک ہزار پناہ گزینوں کے ساتھ ترکستان سے آئے تھے۔ رنچن نے بلبل شاہ سے اسلام کے متعلق معلومات حاصل کیے اور اسلام کی تعلیمات کی سادگی سے متاثر ہوا کیونکہ اس میں رسم پرسی اور ذات پات کی بندش نہ تھی اور نہ کسی خاص مذہبی طبقہ کا اقتدار اور غلبہ تھا۔ پس وہ مسلمان ہو گیا اور شیخ کے مشورے سے صدر الدین نام قرار پایا اور اس کے بعد اُس کے سالے راون چندر نے بھی اسلام قبول کر لیا اور شاہی سرپرستی کے سبب بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا (ص ۵۵۔۵۶)''۔ کشمیری برھمن سنسکرت عالم پنڈت زون راج نے یہ جانتے ہوئے کہ رنچن نے سیّد شرف الدین عبدالرحمٰن بلبل شاہؒ کے دلائل و براھین اور دین اسلام کی فطری سادگی و روشن تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا، مسلمان ہو کر سلطان صدر الدین نام پایا اپنی تنگ دلی اور محدود نظر سے کام لے کر نہ صرف اسے انتہائی تعصب وحسد کی وجہ سے چھپا لیا بلکہ سلطانِ موصوف کی وفات کے وقت تک جہاں کہیں بھی اس کا ذکر کیا رنچن کے نام سے ہی کیا۔ ایسا کرنے سے زون راج نے اپنے مخصوص ذہن کی تسکین کر لی لیکن ساتھ ہی اپنے بعد آنے والے زمانوں تک اس ذہن کو متعارف بھی کیا۔

۱۳۸: **شِو**: ہندو تثلیث میں تیسرے دیوتا کا نام جو تخلیقی، فنا کرنے یا وقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ شِو کو شنبھو، شنکر اور مہادیو بھی کہتے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے حاشیہ ۲۱۸۔

۱۳۹: **وِیال راج**: دیکھئے حاشیہ ۱۱۶۔

۱۴۰: **شاستر**: ہدایت دینے یا سکھانے کا ذریعہ، حکم، فرمان، طریقہ، ادارہ، قوانین کا مجموعہ، مذہب کے ادارے، ہندوؤں کی مقدس تحریریں یا عام طور پر ہندوؤں کا علم۔ مذہبی یا علمی رسالہ، ایک فلسفہ، یا علم، ادب قانون۔

۱۴۱: **گندھارا:** کہتے ہیں کہ اس علاقہ میں موجودہ شمال مغربی سرحدی صوبہ (جو پاکستان کا صوبہ ہے) بھی شامل تھا اور سوات تک کا علاقہ بھی لیکن مورخین نے اسے قندھار کا علاقہ قرار دیا ہے۔ کشگھم نے اسے خالص پشاور ہی کہا ہے۔

۱۴۲: **شِری اُدیان دیو:** سلطان صدرالدین کی وفات (سال ۱۳۲۳ء۔۷۲۴ھ) کے بعد ملک کی حکمرانی اُس کی بیوہ ملکہ کوٹا کے ہاتھ میں رہی چونکہ سلطانِ موصوف کا بیٹا حیدر، جو ملکہ کوٹا کے بطن سے تھا بہت کمسن تھا (غالباً دو سال کا تھا) اس لئے ملکہ نے اپنے دیور، اُدین دیو یعنی راجہ سہدیو (۱۳۰۱ء۔۱۳۲۰ء) کے بھائی کو واپس بلوایا۔ (جو ذوالجو خان ذوالچو کے حملے میں اپنے حکمران بھائی راجہ سہدیو کی طرح کشمیر کو چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ راجہ سہدیو نے فرار کر کے کشتواڑ میں جا کر سانس سنبھالی جب کہ اس کے بھائی اُدین دیو نے سوات کے علاقہ میں پناہ لے کر اپنی جان بچائی)۔ اُدین دیو لوٹ آیا اور کوٹا رانی کو اپنی بیوی بنا لیا اور بیوی نے تخت اُس کے حوالے کر دیا۔ یہ کوٹا رانی کا تیسرا شوہر تھا جو بہت نکما نکلا۔ کاہل طبع تھا اور زن مرید۔ جون راج نے اس کے بارے میں لکھا ہے "وہ (کوٹا رانی) گویا دل تھی اور بادشاہ (اُدین دیو) جسم جو اُس کے احکام کی تعمیل کرتا تھا"۔ اُدین دیو کی شاہی کے دوران کشمیر پر ایک اور غیر ملکی حملہ آور نے حملہ کیا جس کا نام جون راج نے اچل لکھا ہے (تاریخ حسن میں اس حملہ آور کا نام اُوردُن اور اینشنٹ کشمیر میں قُردَل آیا ہے)۔ اپنی خاندانی روایت سے سرِ مُو انحراف نہ کرتے ہوئے اُدین دیو نے پھر سے مظلوم و بے سہارا اہلِ کشمیر کو حملہ آور کی خونخوار شمشیروں کے حوالے کر کے دوڑ کر اور ہانپتے ہوئے لداخ میں پناہ لے کر اپنی زندگی بچائی اور کشمیر کو ایک عورت ذات، جو اس کی بیوی تھی، کے

حوالے کر دیا۔ اس سخت افراتفری اور خطرناک صورت حال میں **شاہ میر** نے کوٹارانی کا ساتھ دے کر حملہ آور کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور ان کام امراء ار سرکش حکام کے ساتھ عملی تعاون کیا جنہیں کوٹارانی نے ماضی کی تمام رنجشیں بھلا کر کشمیر کو بچانے کے التماس میں خط لکھ کر بلوایا تھا۔ حملہ آور نے شکست کا سامنا کیا اور اسی دوران اُدین دیو فوت ہوا (سال ۱۳۳۸ء۔ ۷۳۹ھ) اُدین دیو جو حملہ آور کی واپسی کے بعد کشمیر لوٹ آیا، پندرہ سال تک تخت نشین رہا۔ اُدین دیو کے بارے میں تمام مقامی مورخین نے یہی اطلاعات اپنی تواریخ میں معمولی اختلافات کے ساتھ لکھی ہیں۔

۱۴۳: **ویال**: دیکھئے حاشیہ ۱۱۶۔

۱۴۴: **مھادیو**: یعنی ہندو تثلیث میں تیسرے دیوتا شو کو کہتے ہیں۔ شو کی بیوی پاروتی یا دُرگا کو مہادیوی کہتے ہیں۔ شو کے لئے دیکھئے حاشیہ ۲۱۸ اور ۱۳۸۔

۱۴۵: **تیمی مچھلی**: جون راج چونکہ شاعر تھا اس لئے تمی اور تجنیس لفظی پیدا کی ہے۔ تیمی مچھلی کی ایک قسم ہے جو انگریزی میں وھیل (WHALE) کہلاتی ہے۔ دراصل وہیل کی شکل مچھلی کی مانند ہے ورنہ یہ ایک بہت بڑا دُودھ پلانے والا جانور ہے سمندر کا، جو سخت خطرناک اور دیو ھیکل ہوتا ہے۔ تیمی، دُروا، کے بیٹے کا نام ہے جو برھد رتھ کا باپ تھا۔ تمی، د۔کش (کشپ کی بیوی اور سمندری جنوں کی ماں) کی بیٹی کا نام تھا۔

۱۴۶: **تُک**: حاشیہ ۱۳۵ دیکھئے۔

۱۴۷: **شُکَ لَن کِت**:

۱۴۸: **وِمش بَرستَھ**:

۱۴۹: **ویال**: دیکھئے حاشیہ ۱۱۶۔

۱۵۰: **ٹک**: دیکھئے حاشیہ ۱۳۵۔

۱۵۱: **شھمیر**: حاشیہ ۱۰۶ دیکھیں۔

۱۵۲: **حیدر**: ملکہ کوٹا کے دوسرے خاوند سلطان صدرالدین سے اس بیٹے کے بارے میں جسے حیدر خان کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے، کچھ معلوم نہیں۔ تمام مقامی تواریخیں اُسکے، شاہ میر کے بادشاہ بن جانے کے بعد کے حالات کے بارے میں، خاموش ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ سلطان صدرالدّین نے اس فرزند کو شاہ میر کی تربیت میں رکھا تھا۔ جون راج نے لکھا ہے "شھمیر کی تربیت میں اور اُس کے زیر نظر بڑھنے سے شہزادہ کے حسن میں اضافہ ہوا جیسے کہ ایک درخت بارشوں سے پل بڑھ کر اور سائے کی حفاظت میں رہ کر نئے پتے لاتا ہے"۔ اس عبارت سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شہزادہ حیدر ابن صدرالدین شاہ میر کی تربیت میں بلوغیت کی عمر کو پہنچا تھا۔ پروفیسر محبّ الحسن نے بھی لکھا ہے کہ "کوٹا رانی نے سال ۱۳۳۹ء (۷۴۰ھ) میں قید خانے میں انتقال کیا اُس کے دونوں بیٹوں پر کیا گزری اس باب میں مورخین خاموش ہیں"۔ کوٹا رانی کا پہلا بیٹا جِٹا یا جَتا، راجہ سہدیو (۱۳۰۱ء۔۱۳۲۰ء) سے تھا، جسے رانی مذکور نے **بھٹ بھکشن** نامی اپنے ایک بارسوخ درباری کی تربیت میں دیا تھا۔ دوسرا بیٹا یہی حیدر تھا۔

۱۵۳: اس شہر کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں۔ ظاہر ہے کہ اپنے نام پر بسائے ہوئے شہر کا نام رنچن نے رنچن پور رکھا ہوگا جیسے کہ کنگڈم آف کشمیر کے مولف نے لکھا ہے کہ "عدل وانصاف سے سخت محبت کرنے والا، وہ (رنچن) ایک ایک عظیم معمار بھی تھا۔ اس نے **رنچن پورہ** شہر کو بسایا جو اب سری نگر کا ایک حصہ ہے"۔ لیکن مولف نے یہ نہیں لکھا کہ یہ رنچن پورہ

کہاں پر بنایا اور سرینگر کا کونسا حصہ ہے۔ اس لئے یہ ایک مبہم بیان ہے۔ رنچن پورہ کے بارے میں اس نام کی وقت کے گزرنے کے اثرات سے کوئی بگڑی صورت بھی باقی نہیں کہ اس سے اس کے اصلی نام کا پتہ لگایا جاسکتا۔ اس لئے اس بارے میں قیاس آرائی بھی نہیں جاسکتی۔ مقامی تواریخ میں رنچن پورہ کا کوئی ذکر نہیں۔

۱۵۴: **آخری حادثہ**: سے مُراد ہے وہ حملہ جوتنگ اور اس کے آدمیوں نے رنچن پر حملہ کیا تھا جس سے رنچن کا سر تلوار کی ضرب سے زخمی ہو گیا تھا۔

۱۵۵: **پَوش**: ہندی مہینوں میں پوہ کا مہینہ جس کا نام سنسکرت میں پوش ہے۔ دیکھئے حاشیہ ۶۹۔

۱۵۶: ہندی مہینوں میں پوہ کا مہینہ جس کا نام سنسکرت میں پوش ہے۔ دیکھئے حاشیہ ۶۹۔

۱۵۶: سال ۹۹ لوکک انگریزی سال ۱۳۲۳ء اور شک سموت ۱۲۴۴ اور ہجری سال ۷۲۳ھ کے برابر ہے اور یہی سال ۱۳۲۳ء مقامی مورخین نے بھی رنچن کا سال وفات لکھا ہے۔ مقامی فارسی تواریخ میں سلطان صدرالدین (رنچن) کا سال وفات ۷۲۷ھ (۱۳۲۶ء) اور سال جلوس ۷۲۵ھ (۱۳۲۴ء) آیا ہے۔

۱۵۷: مطلب ہے شہزادہ حیدر۔

۱۵۷: (ا) **لوتی**: لونیوں سے مراد ہے غیر ملکی، بیگانے۔ یہاں مقصد ہے بلتی اور لداخی فوج سے جو رنچن کے اپنے ساتھ لایا تھا۔

۱۵۸: **اُدین دیو**: دیکھئے حاشیہ ۱۴۲۔

۱۵۹: **شری کوٹا**: مُراد ہے کوٹا رانی۔ کوٹا رانی کے بارے میں

پچھلے مربوط حواشی میں خاصا ذکر ہوا ہے۔ جون راج نے اس کا نام کوٹا لکھا ہے اور یہاں پر گویا احتراماً "شری کوٹا" فتحمندی کی دیوی" کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ (شری کے معنی ہیں خوشحالی مسرت، کامرانی، دولت، مال، خوبصورتی، روشنی، رونق، فتحمندی، آرایش، ذہن یا فہم، وشنو دیوتا کی بیوی لکشمی کا نام۔ کثرت اور خوشحالی کی دیوی۔ سرسوتی کا نام۔ زندگی کے مجموعی طور پر تین چیزوں کا نام یعنی محبت، فرض اور دولت)۔ رانی بن جانے سے پہلے کوٹا دیوی کہلاتی تھی چنانچہ یہ نام کنگڈم آف کشمیر میں بھی آیا ہے (ص ۱۱۶-۱۱۹) اور راجہ سہدیو (۱۳۰۱ء-۱۳۲۰ء-۷۰۱ھ-۷۲۰ھ) کی رانی بن کر کوٹا رانی کہلائی چنانچہ کشمیر کی تاریخ میں اسی نام سے جانی جاتی ہے۔ کوٹا رانی (دیوی) راجہ سہدیو کے سپہ سالار رام چندر کی بیٹی تھی۔ (رام چندر اور اُس کے خاندان کے بارے میں ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۱۸)۔ راجہ سہدیو کی کشمیر سے فرار کرنے تک کے حالات کے بارے میں کوٹا رانی کا کوئی تفصیلی ذکر مقامی تواریخ میں موجود نہیں البتہ جب راجۂ موصوف سال ۱۳۲۰ء میں ذوالجو کے حملے میں کشمیر چھوڑ کر بھاگ گیا تو اِس کا نام تاریخ کشمیر میں نمایاں ہوا کیونکہ اُس نے مردانہ وار اکیلے ہی کشمیر کے تشویش ناک سیاسی حالات میں حکومت کی باگ اپنے ہاتھوں میں سنبھالی اور جب رنچن نامی لداخی مغرور شاہزادہ نے کشمیر کا تخت سنبھالا اور سلطان صدرالدّین کے نام کو اختیار کر کے مسلمان ہو کر تین سال تک حکومت کی تو ملکہ کوٹا نے سلطانِ موصوف کے ساتھ شادی کی اور اُس سے حیدر نامی ایک بیٹا ہوا۔ مغرور راجہ سہدیو سے بھی کوٹا رانی کا جتا یا جٹا نامی بیٹا ہوا تھا اور یہ دونوں شہزادے شاہ میر اور بھٹ بھکشن نامی دو صاحب اثر و رسوخ اور مقتدر درباریوں کے زیرِ تربیت تھے۔ سلطان صدرالدین کی وفات کے بعد ۱۳۲۳ء-۷۲۳ھ) جب تخت خالی رہ گیا تو کوٹا رانی نے غالباً کسی ذاتی

مصلحت سے اولین خاوند راجہ سہدیو، جس کی وفات کشتوار میں ہو چکی تھی اور جہاں وہ بھاگ کر گیا تھا، کے بھائی اُدین دیو کو بلا لیا۔ ادین دیو بھی ذُوالچو کے حملے میں (۱۳۲۰ء۔ ۷۲۰ھ) اپنے بھائی سُہدیو کی طرح سوات کی طرف بھاگ نکلا تھا۔ اُدین دیو کے آتے ہی کوٹا رانی نے اُس کے ساتھ شادی کی اور یہ رانی موصوف کا تیسرا خاوند تھا۔ اُدین دیو چونکہ ایک بزدل، کمزور اور کاہل طبع آدمی تھا اور بادشاہ بننے کے لایق نہیں تھا اس لئے اصل بادشاہت کوٹا رانی کی تھی جس نے ایک اور حملہ آور (جس کا نام بقول جون راج اچل تھا اور بقول مولف اینشنٹ کشمیر قُر دل، بقول تاریخ حسن اُور دُون تھا) کے کشمیر پر حملہ کے دوران بڑے سیاسی تدبر کا مظاہرہ کیا جب کہ بار دیگر اُس کا بے وفا اور بے غیرت و بزدل شوہر اُدین دیو کشمیر کے ملک کو حملہ آور اور اس عورت ذات کے حال پر چھوڑ کے بھاگ گیا۔ کوٹا رانی نے ایک بہادر خاتون اور فرض شناس اور کشمیر دوست ملکہ کی طرح کشمیر کے اجنبی حملہ آور کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور سیاسی سوجھ بوجھ سے کام لے کر علاقوں کے سرکش مگر ناراض حکمرانوں کو حملہ آور کے حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کی رگ حمیت کو جھنجوڑا اور اس فیصلہ کن مرحلے پر اُن سے متحد ہو جائے اور اپنے مادر وطن کی عزت و آبرو کو بچانے کے لئے دردمند خطوط لکھے۔ سرکش کشمیری حکمرانوں کی وطن دوستی و کشمیر پرستی نے جوش مارا اور متحد ہو کر دشمن کے خلاف کمر بستہ ہو گئے اور دشمن بھاگ گیا۔ اس خطرناک اور نازک مرحلے پر شاہ میر نے بڑی جلادت و مردانگی کے ساتھ لڑ کر اپنی مقبولیت کا مظاہرہ کیا اور اس کے بعد کوٹا رانی شاہ میر سے خوفزدہ رہی۔ وہ اندر کوٹ چلی گئی جہاں اس نے لونیوں کے سہارے اپنے دونوں شہزادوں حیدر اور جٹا کے حق میں بادشاہت و تخت نشینی کو نظر انداز کر کے اپنے حق میں حکمرانی کا اعلان کیا اور ایک کم رتبہ بھٹ بھکشن نام کے

درباری کو اپنا مشیر خاص بنالیا۔

شاہ میر برہم ہوا اور کوٹا رانی نے اپنی شجاعت کے اظہار میں اُس کے خلاف ہتھیار اٹھالئے۔ اس پر رانی کی فوجوں نے اس کے صفوں سے علیٰحدگی اختیار کی اور اُسے گرفتار کرلیا اور شاہ میر، سلطان شمس الدین شاہ میر کے لقب سے کشمیر کا بادشاہ بن گیا۔ جون راج نے لکھا ہے کہ شاہ میر کی تجویز کو کوٹا رانی نے قبول کرتے ہوئے اُس کے ساتھ شادی کرلی۔ سلطان شمس الدّین شہمیر کوٹا رانی کا چوتھا اور آخری شوہر تھا۔ بعض فارسی مقامی مورخین نے لکھا ہے کہ (جیسے مولفین تاریخ حسن، واقعات کشمیر اور مجموع التواریخ) حجلہ عروسی میں داخل ہوکر کوٹا رانی نے خودکشی کرتے ہوئے خنجر سے اپنی انتڑیاں نکال کر شاہ میر کے آگے ڈال کر کہا کہ یہ ہے میری قبولیت''۔ لیکن جون راج جیسے جانب دار مورخ نے بھی اِس کا مطلق کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ اگر یہ حقیقت ہوئی تو وہ اپنی راج ترنگنی میں ''آسمان کو سر پر اٹھالیتا''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض ایک افسانہ ہے۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ کوٹا رانی کو اپنی ملکہ بنانے کے بعد سلطان شمس الدین شہمیر نے اُسے قید میں ڈال دیا جہاں بقول محبّ الحسن اُس نے سال ۱۳۳۹ء (۷۴۰ھ) میں وفات پائی۔ محبّ الحسن کی سند کمزور ہے اور معتبر نہیں ہے چنانچہ اکثر مقامی تواریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ کوٹا رانی نے قید میں وفات پائی۔ بہرحال کوٹا رانی مجموعی طور پر ایک شجاع اور کشمیر دوست ملکہ تھی۔ جسے اپنے وطن سے بہت محبت تھی۔ صاحب واقعات کشمیر نے لکھا ہے کہ کوٹا رانی اصل میں کوتہ رینی ہے یعنی مادہ کبوتر۔ جو ایک کشمیری نام ہے۔

۱۶۰: مراد ہے دولت و اقبال اور طالع مندی جو متلوّن مزاج ہے۔ کبھی کسی کے پاس ہوتی ہے کبھی اُس کو ترک کرکے دوسرے کو طالع مند بناتی ہے۔

۱۶۱: یعنی اُدین دیو۔ اُدین دیو کے بارے میں دیکھئے حاشیہ ۱۴۲۔

۱۶۲: تاریخ حسن (جلد دوم، ص ۱۶۹) میں آیا ہے کہ "تاریخ فرشتہ کی روایت سے اُس (یعنی شمس الدین شاہمیر) سے چار بیٹے یادگار رہے میرزا جمشید، میرزا علی شیر المخاطب بہ علاء الدین، میرزا شامک معروف بہ شہاب الدّین اور میرزا ھندال مشہور بہ قطب الدین۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ شہاب الدین اور قطب الدّین، علاء الدّین کے فرزند ہیں" تاریخ جدولی (اُردو ترجمہ ص ۱۱۱) میں آیا ہے کہ "سلطان شمس الدّین شاہ میر کے دو بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا جمشید اور چھوٹا بیٹا علی شیر تھا" واقعات کشمیر میں آیا ہے (ص ۳۳) کہ "اُس سے (یعنی سلطان شمس الدین شاہ میر سے) دو بیٹے باقی رہے ایک سلطان جمشید اور دوسرا علی شیر مشہور بہ علاء الدین"۔ مجموع التواریخ کے مولف نے لکھا ہے (قلمی نسخہ ورق ۵۴) کہ "اُس کی (یعنی سلطان شمس الدین شاہمیر کی) اولادوں میں سے دو آدمی باقی رہے ایک سلطان جمشید اور دوسرا سلطان علی شیر"۔ کنگڈم آف کشمیر میں آیا ہے (ص ۱۲۴) کہ "اس نے (یعنی سلطان شمس الدین شاہ میر نے) حکومت اپنے دو بیٹوں جمشید اور علی شیر کے حوالے کردی اور خود کنارہ کش ہو کر استراحت اختیار کی۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد سال ۱۳۴۲ء میں فوت اور اندرکوٹ کے پاس سُنبل میں مدفون ہوا"۔ محبّ الحسن کی تالیف "کشمیر سلاطین کے عہد میں" (انگریزی سے اُردو میں ترجمہ ص ۶۵) آیا ہے "اپنی زندگی کے آخری ایام میں (سلطان) شمس الدین (شاہ میر) نے سلطنت کا انتظام اپنے دو لڑکوں جمشید اور علی شیر کو سونپ دیا"۔ ان حوالوں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جون راج کا یہ قول صحیح ہے کہ شہمیر کے طرف دو بیٹے تھے اور تاریخ فرشتہ کی یہ روایت کہ اس کے چار فرزند تھے صحیح نہیں ہے۔ ویسے بھی تاریخ فرشتہ (جلد دوم، ص ۹۳۶ چھاپ مکتبہ ملت دیوبند، یوپی۔

سال ۱۹۸۳ء مترجم اُردو عبدالحی خواجہ) میں مجموعی طور پر سلاطین کشمیر کے بارے میں جو اطلاعات درج ہیں وہ نادرست ہیں اور نام بھی صحیح طور پر درج نہیں۔ شاہ میرزا (یعنی شاہ میر) کے بارے میں لکھا ہے کہ ''راجہ اودن نے (گویا مصنف کا مطلب ہے اُدین دیو سے) شاہ میرزا علی (یعنی بقول مصنف شاہ میر کا یہی نام تھا) کو اپنا وزیر بنایا اور اس کے دونوں بیٹوں جمشید اور علی شیر پر بھی اعتماد کر کے اُنہیں صاحب اقتدار کیا۔ شاہ میرزا کے دو اور بیٹے، سرات مک (یعنی مطلب ہے شامک اور ہنڈال (یعنی مُراد ہے ہِندال) بھی تھے۔ ان چاروں نے کشمیر میں بہت قوّت حاصل کر لی اور اس وجہ سے راجہ اودن (مطلب ہے گویا راجہ ادین دیو سے) نے ان چاروں کا اپنے گھر میں داخلہ بند کر دیا''۔

۱۶۳: **جیمشار**: جون راج کا مطلب ہے جمشید سے۔ جون راج نے اپنی تاریخ راج ترنگنی میں ناموں کو نا قابل شناس حد تک مسخ کر دیا ہے۔ سنسکرت زبان ہندی میں لکھی جاتی ہے اور ہندی میں جمشید کا لفظ بڑی آسانی کے ساتھ لکھا جا سکتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ تاریخی ناموں کو بدل ڈالنے کا کام سنسکرت زبان کے ہی حصے میں آیا ہے مگر یہ کہ اس کے لئے کوئی قاعدہ ودستور ہو۔ جون راج کی تاریخ میں خاص کر مسلمان بادشاہوں کے ناموں کو سراسر مسخ کر دیا گیا ہے جب کہ ہندو راجاؤں کے نام ان کی اصلی صورت میں موجود ہیں۔

سلطان جمشید بقول مولف **تاریخ حسن** (ج ۲، ص ۱۶۹) سال ۷۴۷ھ مطابق ۱۴۰۳ بکرمی (۱۳۴۶ء) میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور عدل وانصاف اور رعیت پروری سے کام لیا۔ کچھ عرصہ بعد اُس کے خلاف علاءالدّین نے بغاوت کر کے زینہ پور کے حدود میں جنگ کی اور بے

خبری میں شبخون مار کر جمشید کو شکست دی۔ اس کے بعد جمشید نے زینہ پور کو خراب کرنے کے لئے حملہ کیا اور علاء الدّین کے سپاہیوں کو جو وہاں تھے قتل کر ڈالا۔ علاء الدّین نے پھر سے ہلہ بول دیا اور جمشید کو کامراج کی طرف بھگا دیا اور جمشید شاہ کے وزیر سراج الدین نے، جو پائی تخت سری نگر کا محافظ تھا، علاء الدین کو پیغام بھیج کر تخت و تاج اُس کے حوالے کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد جمشید نے کوئی آمادگی نہیں دکھائی اور سلطنت کو وداع کیا اور ان ہی ایام میں فوت ہوا۔ چودہ مہینوں تک حکومت کی، **واقعات کشمیر** (ص ۳۴۳) میں آیا ہے کہ ''سلطان جمشید باپ کے واقعہ (مرگ) کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا۔ ایک سال دو ماہ تک حکومت کی۔ اس کے بعد اس کے بھائی علی شیر نے خروج کیا اور جنگیں ہوئی۔ بالآخر سلطان جمشید، زینہ پورہ گاؤں میں جہاں جنگ ہو رہی تھی، اپنے بھائی کے ہاتھوں سال ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء) میں مارا گیا''۔ **مجموع التواریخ** (ورق ۵۴، نسخۂ خطی) میں آیا ہے کہ ''سلطان جمشید باپ کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا۔ ایک سال دو ماہ تک مسند آرا رہا۔ اس اثنا میں اُس کے بھائی نے کمال مکر و فریب سے کام لے کر لڑائی کا علم لہرایا اور جنگ کے لئے صف آرا ہوا۔ فریقین میں معرکۂ جنگ زینہ پور میں واقعہ ہوا۔ دوران جنگ سلطان جمشید تیر قضا کا ہدف بن گیا اور جسم کے قید سے رہائی پائی سال ۷۴۸ھ میں''۔

تاریخ جدولی (اُردو ترجمہ ص ۱۱۱) میں کہ ''باپ کے مرنے پر جمشید سلطان بن گیا۔ محسن تھا مگر اپنے چھوٹے بھائی نے اس کو ہرا دیا اور بھاگ جانے میں ہی اپنی خیریت جان لی''۔ **کشمیر سلاطین کے عهد میں** (اُردو ترجمہ ص ۶۵-۶۷) میں آیا ہے کہ ''سلطان جمشید (۱۳۴۳-۱۳۴۴ء) عمر میں بڑا تھا چنانچہ وہی تخت کا وارث ہوا۔ اس کو اُمور

مملکت کا پہلے ہی سے تجربہ تھا کیونکہ وہ اور اس کا بھائی ادیان دیو کے عہد میں کامراج اور مراج کے والی رہ چکے تھے۔ اپنے باپ کے عہد میں بھی اس کو حکومت سے بڑی وابستگی رہی۔ اس نے اچھا حکمران ہونے کا پورا ثبوت دیا اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کوشش کی۔ قصبہ جام نگر اور پرگنہ ادوین کی بنیاد رکھی۔ سوپور میں دریائے جہلم پر قلعہ تعمیر کیا اور مختلف مقامات پر مسافروں کے لئے سرائیں بنوائیں۔ لیکن آنے والے خطرات کو محسوس نہ کر سکا اور نہ ان پر غالب آنے کے لئے اس نے کوئی تدبیر سوچی۔ جمشید نے اپنے چھوٹے بھائی علی شیر کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ وہ اس پر اعتماد رکھتا تھا اور سلطنت میں اس سے صلاح و مشورہ کرتا تھا لیکن علی شیر بلند حوصلہ انسان تھا۔ کچھ درباریوں کے بھڑکانے پر اس نے اونتی پور میں تخت حاصل کرنے کے لئے علم بغاوت بلند کی۔ جمشید نے مصالحت کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی اسی اثنا میں سلطان نے اپنے بیٹے کو دیوسر میں ایک دوسری بغاوت کو فرو کرنے کے لئے فوج دے کر بھیج دیا۔ موقع پا کر علی شیر نے اپنے بھتیجے پر دھاوا بول دیا اور اس کو شکست دی لیکن اس کی غیر موجودگی میں اپنے وزیر لکشمن بھٹ کے مشورے سے جمشید نے اپنے بھائی کے صدر مقام اونتی پور پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ اس نے اونتی پور کا محاصرہ کیا اور اس کی فوج کو کافی نقصان پہنچایا۔ لیکن علی شیر کی آمد کی خبر سُن کر وہ پیچھے ہٹ آیا اور اس کے ساتھ دو مہینے کے لئے ایک عارضی صلح پر دستخط کئے لیکن جب وہ کامراج میں تھا تو علی شیر نے اس عارضی صلح کو نظر انداز کر دیا اور سری نگر کے نگران سراج کو رشوت دے کر راجدھانی پر قبضہ کر لیا اور اپنے سلطان ہونے کا اعلان کیا۔ جمشید کے پاس مقابلہ کرنے کی قوت باقی نہ تھی۔ اس لئے بے بس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا اور وادی میں ایک سال دس ماہ تک مارے مارے پھرنے کے بعد ۱۳۴۵ء میں (۷۴۶ھ) وفات پا گیا''۔

مقامی فارسی تواریخ سے جو حوالے ہم نے دئے ہیں، اُن میں پروفیسر محبّ الحسن کی تفصیل درج نہیں جس کی نمایاں وجہ یہ تھی کہ جون راج (بقول محبّ الحسن، یون راج) کی تالیف راج ترنگنی اُن کی دسترس میں نہیں تھی یا اس کو انہوں نے دیکھا نہ تھا اس لئے کہ جون راج کی یہ کتاب کئی بلکہ اکثر واردات کے نقل کرنے میں موردِ اعتماد ہے۔ گو کہ فارسی تواریخ میں درج بیانات کو، اگرچہ مختصر ہیں، سراسر ہی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ محبّ الحسن کے بیشتر بیانات جون راج کے حوالے سے ہیں اسلئے وہ معتمد ہیں۔ **کنگڈم آف کشمیر** کے مصنف نے لکھا ہے کہ "شاہ میر کے بعد اس کا بڑا بیٹا جمشید، تخت نشین ہوا۔ یہ نرم طبع اور مہربان آدمی تھا۔ اسے اپنے بھائی علی شیر پر اعتماد تھا اور اہم عوامی امور میں اس کے ساتھ مشورے کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علی شیر خود سلطان کی مانند ذوی الاقتدار بن گیا جس سے جمشید کے دل میں شکوک وشبہات پیدا ہوگئے اور اس پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا۔ اس پر علی شیر نے کھل کر بغاوت کی اور مقابلہ آرائی کے بعد تخت پر قبضہ کرلیا۔ جمشید بھاگ گیا اور ڈیڑھ سال تک وادی میں مارا مارا پھرنے کے بعد سال ۱۳۴۵ء (۷۴۶ھ) میں فوت ہوا"۔

مجموعی طور پر اوپر کے بیانات سے تاثر ملتا ہے کہ علی شیر اپنے بھائی جمشید کی جگہ لینا چاہتا تھا اور اس کے لئے اس نے پہلے سے ہی تدابیر سوچ رکھی تھیں اور اُن کے عین مطابق اپنی مساعی سے ماحول بنا کر، جیسے کہ جون راج کے بیان سے بھی عیاں ہے، تخت پر قابض ہوگیا۔

۱۶۴: **عَلیشا**: مُراد ہے شہمیر کا دوسرا فرزند علی شیر جو جمشید کے بعد سلطان علاء الدّین کے نام سے کشمیر کا بادشاہ بن گیا۔ جون راج نے یہاں پر بھی شہمیر کے دوسرے فرزند علی شیر کا صحیح صورت میں

نام نہیں لیا ہے بلکہ آگے چل کر علیشوَر کہا ہے (اور جمشید کو جمسر سے بھی یاد کیا ہے جس کا ذکر ہم اوپر حاشیہ ۲۶۳ میں جیمشار کے عنوان میں کر چکے) اور آخر میں علاودین سے خطاب کیا ہے۔

واقعات کشمیر کے مولف خواجہ محمد اعظم دِڈّمری نے **سلطان علاء الدّین** کے بارے میں لکھا ہے ''سلطان علاء الدین نے جس کا نام علی شیر تھا، بھائی کو مار ڈالنے کے بعد مذکورہ سال میں (۷۴۸ھ۔ ۱۳۴۷ء) تخت پر جلوس کیا۔ **علاء الدّین پورہ** کو اسی نے بسایا جو اب **ملک آنگن** کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ باپ سے زیادہ وقت پایا اس لئے اُمور کی بھلائی کی طرف متوجہ ہوا اور شہر کی تعمیر کی اور اسے آباد کیا کہ یہ ذُوالچو کے زمانے سے ویران ہو چکا تھا۔ بیماری کی وجہ سے سال ۷۵۸ھ میں فوت ہوا (۱۳۵۶ء)۔ اس کی قبر علاء الدّین پورہ میں ہے۔ جس پر ایک کشادہ روضہ بنا تھا لیکن اب لوگوں کی عمارتوں کے نیچے آ گیا ہے اور وہاں پر چند ہی قبریں رہ گئی ہیں۔ پانچ چھ گز کے فاصلے پر حمام کی بھٹی اور محلے کی عام زمستانی مسجد رہ گئی ہے جو حسرت وعبرت کا مقام ہے۔ بارہ سال چھ ماہ تک حکومت کی۔ کل نفسٍ زائقة الموت سن کو اپنے اصلی وطن کا رُخ کیا''۔ (بقول واقعات کشمیر جب سلطان علاء الدین سال ۷۴۸ھ میں تخت نشین ہوا اور بارہ سال چھ ماہ تک حکومت کی تو اس حساب سے سلطان موصوف کا سال وفات سال ۷۶۰ھ یا سلا ۷۶۱ھ کے ابتدائی مہینے ہونے چاہیں نہ کہ ۷۵۸ھ۔ یہ صریح اشتباہ ہے۔ جیسا کہ ہم نیچے کی عبارت میں دیکھیں گے تاریخ حسن میں سلطان علاء الدین کا سال وفات ۷۶۱ھ (۱۳۵۹ء) آیا ہے)۔ **تاریخ حسن** کے مصنف حسن شاہ کھویہامی کا بیان ہے کہ ''**سلطان علاء الدّین** نے سال ۷۴۸ھ مطابق ۱۴۰۴ بکرمی میں حکمرانی کے مسند پر جلوس کیا

اور محلّہ **علاء الدّین پورہ** کو بسایا۔ اور اپنے بھائی شہاب الدین کو وزارت کا عہدہ عطا کیا۔ (مورخ حسن نے شہاب الدّین کو بھی شاہ میر کا فرزند فرض کرلیا ہے اور اس طرح سے تاریخ فرشتہ کے بیان کو تسلیم کرلیا ہے کہ شاہ میر کے چار بیٹے تھے۔ دیکھئے حاشیہ ۱۶۲۔ جب کہ بقول جون راج شاہ میر کے دو ہی بیٹے تھے۔ جون راج کا بیان قریب العہد مورخ ہونے کی وجہ سے نیز کشمیری دربار سے وابستہ رہنے کی راہ سے قابل اعتماد ہے)۔ اس کے آخری عہد حکومت میں بے وقت بارشوں کی وجہ سے عظیم قحط پڑا اور کشمیر لوگوں کی جانیں گئیں۔ مورخ حسن نے 'تاریخ حسن جلد اول، ص ۴۵۸' لکھا ہے کہ یہ قحط سال ۷۵۸ھ '۱۳۵۶ء' میں واقع ہوا)۔ **لون** اور **نیایک** طایفوں نے مخالفت کی اور **کشتواڑ** کی طرف فرار کیا۔ سلطان نے مختلف حیلے بہانوں سے کام لے کر سب کو بلا کر قید میں ڈال دیا۔ سلطان نے اپنی قلمرو میں حکم جاری کیا کہ بدکار عورت کو اُس کے شوہر کی میراث سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اس حکم سے بہت سی فاحشہ عورتوں نے پرہیز گاری اختیار کی۔ **وقایع کشمیر** کے مصنف کا کہنا ہے (یہ کتاب سلطان زین العابدین بڈشاہ ۱۴۲۰ء تا ۱۴۷۰ء کے درباری مورخ ملا احمد کا پنڈت رتنا کر کی سنسکرت منظوم تاریخ رتنا کر پُران کا فارسی ترجمہ ہے جو غالباً تاریخ حسن کے مصنف حسن شاہ کھویہامی کو دستیاب رہی ہے) کہ سلطان علاء الدّین کے زمانے میں جناب **سید جلال الدین مخدوم جهانیان جهانگرد** قدس سرہ نے اپنی پُر برکت تشریف آوری سے خطہ کشمیر کو تر و تازگی و شادابی عطا کی۔ کُل دو یا تین ہفتوں تک اطراف کی سیر کر کے واپس چلے گئے۔ سلطان نے شہر کو قدرے آباد کیا اور انتقال کیا۔ بارہ سال آٹھ ماہ اور تیرہ دنوں حکومت کی۔ تاریخ وفات یہ ہے ؎ بہر تاریخ وفاتِ سلطان۔ ہاتفی گفت: ''مکانش فردوس''

(۷۶۱ھ)۔ **فتح کدل** سے اوپر محلّہ **ملک آنگن** میں مدفون ہے''۔
(تاریخ حسن میں جو جلوس کا سال درج ہے یعنی ۷۴۸ھ اس کے مطابق سلطان موصوف کا سال وفات ۷۶۱ھ ''۱۳۵۹ء'' صحیح معلوم ہوتا ہے)
مجموع التواریخ کے مصنف پنڈت بیربل کاچرو وارستہ نے لکھا ہے ''سال ۷۴۸ھ میں سلطان علی شیر نے خود کو **سلطان علاء الدین** کے نام سے ملقب کر کے مسندِ حکومت پر جلوس کیا۔

اوزیرِ زمین گرفت واین روی زمین (اُس نے یعنی سلطان جمشید نے زمین کا نچلا حصہ پکڑ لیا اور اس نے یعنی سلطان علاء الدّین نے زمین کا اُوپر کا حصہ)۔ تخت نشینی کے بعد **علاء الدین پورہ** کو اپنی بُو دو باش کی خاطر بنایا اور اپنی مقدور کے مطابق شہر کو آباد کرنے کی کوشش کی۔ بارہ سال اور آٹھ ماہ کی مدت گزار کر سال ۷۵۸ھ میں (۱۳۵۷ء) بیماری کی وجہ سے اس دنیا ناپائدار سے چلا گیا''۔ (مجموع التواریخ کے مصنف کے ہی بقول سلطان علاء الدین کا سال وفات ۷۶۰ھ یا ۷۶۱ھ کے ابتدائی مہینوں میں سے کوئی مہینہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جب اس کے کہنے کے مطابق سلطانِ موصوف سال ۷۴۸ھ میں تخت نشین ہوا تو بارہ سال اور آٹھ ماہ کی مدت سال ۷۶۰ھ یا ۷۶۱ھ میں ختم ہونی چاہیئے نہ کہ سال ۷۵۸ھ میں)۔ **کشمیر سلاطین کے عهد میں** نامی کتاب میں (جو محبّ الحسن کی انگریزی کتاب "KASHMIR UNDER SULTANS" کا اُردو ترجمہ ہے اور مترجم کا نام علی حماد عباسی ہے اور سال ۱۹۶۷ء میں مطبع معارف اعظم گڑھ سے چھپا ہے) درج ہے (ص ۶۷۔۶۸) کہ ''تخت نشین ہونے پر علی شیر نے **علاء الدّین** کا لقب اختیار کیا۔ اس نے تقریباً گیارہ سال حکومت کی اور جو کچھ اس کے عہد کے بارے میں معلوم ہو سکا ہے اس سے یہی معلوم

ہوتا ہے کہ وہ قابل، منصف مزاج اور طاقتور حکمران تھا۔ اس نے اپنے پیشروؤں کے اصلاحی کاموں کو جاری رکھا۔ اُس نے پہلے کاشتکاروں کو واپس بلا کر اُن کو ان کے کھیت دیئے جو ذُوالچو کے حملہ کی وجہ سے ملک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اس نے اجڑے ہوئے شہروں کو پھر سے بسایا۔ جس سال وہ سلطان ہوا اسی سال بے وقت بارش کی وجہ سے فصل تباہ ہوگئی تھی اور وادی میں سخت قحط پڑا تھا لیکن اس نے اپنی رعایا کے مصائب کو دور کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ اس نے **اندر کوٹ** میں کئی خوبصورت عمارتیں تعمیر کرائیں جس کو اس نے اپنی راجدھانی بنائی۔ اپنے نام پر **علاء الدین پور** کا قصبہ بسایا جو اب سری نگر کا حصہ ہے۔ پھر ایک قانون نافذ کیا جس کی رُو سے لاولد بیوہ بدکاری کی مرتکب ہونے پر اپنے خُسر کی جایداد سے محروم ہو جاتی تھی۔ اس کے عہد حکومت میں قبیلہ **لون** نے علم بغاوت بلند کیا اور اس کے تمام افراد کشتواڑ بھاگ گئے لیکن علاء الدین نے ان کا پیچھا کر کے ان کو گرفتار کیا اور کشمیر لا کر اُنہیں جیل میں رکھا اور ان کے سربراہوں کو پھانسی کی سزا دی۔ علاء الدّین نے ۱۳۴۵ء میں انتقال کیا اور نو آباد قصبہ علاء الدین پور میں دفن ہوا''۔ **تاریخ جدولی** میں آیا ہے (اردو ترجمہ ص ۱۱۱)۔ اسکی مدت حکومت ۱۲/سال ۸/ماہ اور ۱۳/روز تھی۔ (۷۴۸ھ۔ ۱۳۴۷ء۔ ۱۴۰۴ بکرمی)۔ اصلی نام علی شیر تھا مگر **علاء الدین** کا لقب اختیار کیا۔ **محلہ علاء الدین پورہ** سری نگر اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ شہاب الدّین اس کا وزیر تھا۔ اس کے عہد میں ۷۵۸ھ میں کشمیر میں قحط پڑا۔ اسی سلطان کے زمانے میں **حضرت سیّد جلال الدّین بخاری مخدوم جہانیاں**ؒ وارد کشمیر ہوئے اور **للہ عارفہ**ؒ آن کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئی۔ سلطان علاء الدّین **محلہ ملک آنگن** سری نگر میں دفن ہیں'' [مقامی فارسی مورخین نے حضرت سید

جلال الدّینؒ موصوف کے کشمیر میں تشریف لانے کا "سلطان علاء الدّین کے عہد میں" کوئی ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ہی اُن کی خدمت میں کشمیر کی مشہور عارفہ لل دید کے حاضر ہونے کا۔ **لل دید یا للّٰہ عارفہ** کشمیر کی مشہور باکمال عارفہ تھیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ سال ۷۳۵ھ میں '۱۳۳۴ء' میں پیدا ہوئیں اور ایک کشمیری ہندو گھرانے میں۔ اسی لئے کشمیر پنڈتوں میں وہ **لل ایشوَری** کہلاتی ہے کیونکہ پنڈتوں کے بقول اُس نے اپنے ہندو دھرم سے وابستہ رُوحانیت موجود تھی۔ لیکن کشمیری مسلمانوں کے مستند قول کے مطابق لل دیدؒ بعد میں **حضرت میر محمد ہمدانی**ؒ (فرزندِ حضرت امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانی شاہِ ہمدانؒ) کے ہاتھ پر مسلمان ہوئی اور اس کے بعد اس کے شلوک خالص اسلامی روحانیت کے رنگ میں ظاہر ہوئے جن میں سے نمونے کے طور پر مثلاً یہ ایک شلوک ؎

"کلمے پورم کلمے سورم۔ کلمے کورم پنُن پان۔ کلِمے ہنہ ہَنہِ مَوین توٗ رُم۔ اِد لل وأ ژس لامکان"

(کلمہ پڑھا کلمہ پر عمل کیا۔ خود کو کلمہ بنالیا۔ کلمہ ہی روئیں روئیں میں بس گیا۔ جب ہی لل لامکان میں پہنچی)۔ مشہور ہے کہ للّٰہ عارفہؒ بچھاڑہ کشمیر کی جامع مسجد کے صحن کے ایک گوشے میں مدفون ہے۔ **حضرت میر سید جلال الدین مخدوم جہانیان بخاری**ؒ کا بہت سا زمانہ سیر وگشت میں گزرا جس کی وجہ سے آپ کو جہان گشت کہتے ہیں۔ آپ نے شمالی ہندوستان، بہار بنگال کے علاوہ عرب، مصر، شام، عراقین، بلخ اور بخارا کی سیر کی جس دوران آپ نے ۳۶ حج کئے اور بہت سے بزرگان دین سے فیض پایا۔ مکہ میں امام عبداللہ یافعی کی صحبت میں رہے اور مدینۂ پاک میں سند المحد ثین شیخ عفیف الدین عبداللہ المطر ی سے عوارف

المعارف اور سلوک کی دوسری کتابیں پڑھیں۔ اپنے زمانے میں آپ کو بڑا اقتدار حاصل تھا۔ پادشاہان وقت سلطان محمد تغلق اور فیروز تغلق آپ کا سخت ادب کرتے تھے۔ آپ کے ملفوظات کی دو جلدیں الدّر لمنظوم فی ملفوظ المخدوم کے نام سے اردو میں ترجمہ ہو کر چھپ چکی ہیں۔ آپ امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر شدت سے عامل تھے۔ بہت سے ہندوؤں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام قبول کر لیا۔ گجرات میں اشاعت اسلام کے لئے بڑا کام کیا اور (پاکستانی) پنجاب میں بھی۔ ۷۷ برس کی عمر میں آپ نے ۱۳۸۴ء "۷۸۶ھ" میں انتقال فرمایا] **کنگڈم آف کشمیر** کے مولف نے لکھا ہے کہ "علی شیر نے خود کو علاء الدّین سے ملقّب کیا۔ اس کی حکومت امن اور استحکام کا زمانہ تھا۔ قصبہ جات اور شہروں کو، جو قبلاً خراب ہو چکے تھے، پھر سے آباد کیا۔ اس نے اندرکوت سے اپنا دارالخلافہ **علاء الدین پورہ** میں منتقل کیا جسے اس نے خود **رنچن پورہ** کے نزدیک بنایا تھا۔ مسافروں کی سہولت کی خاطر **بُدہ گیر** نامی ایک سرائے بھی تعمیر کی جو اب **عالی کدل** کے پاس ایک محلے کے نام سے معروف ہے۔ وہ اپنے وقت سے بھی آگے ایک اجتماعی مصلح تھا۔ اس نے ایک قانون جاری کیا جس کی رُو سے اُس عورت کو جو ایک بے اولاد فاحشہ ہوتی، اس کے خاوند کی جائداد سے کچھ بھی نہ ملتا تھا۔ اس کی حکومت کا اولین حصہ سخت قحط سے قدرے متاثر رہا لیکن اس نے فوراً ہی قحط زدگان کی مدد کی جس سے قحط کے آثار مٹ گئے۔ لونیوں نے بھی بدامنی پھیلانے کی کوشش کی لیکن اُن کا تعاقب کیا گیا اور گرفتار کر کے ان کو سخت سزا دی گئی۔ سال ۱۳۵۴ء (۷۵۵ھ) میں وفات پائی اور علاء الدّین پور میں مدفون ہوا"۔

۱۶۵: **کرم راجیہ**: مطلب ہے کامراج جسے کشمیری میں کمراز کہتے

ہیں۔ رائج قیاسات کے بموجب کمراز یعنی کامراج کا علاقہ دریائے جہلم سے نیچے سری نگر کے دونوں اطراف کا علاقہ ہے جب کہ دریائے جہلم سے اوپر سری نگر اور سارا اسلام آباد کا علاقہ مراز یعنی مدوراج کہلاتا ہے۔ موجودہ روایت درستی کے ساتھ ان دونوں حصوں یعنی کامراج اور مراج (کشمیری زبان میں کمراز اور مراز) کی حد **شیر گڑھی** (نزدیک امیرا کدل) کو مانتی ہے۔

۱۶۶: یعنی سلطان صدرالدین کے زمانے میں لوفی طایفہ مارے خوف کے چھپ گیا تھا لیکن اب راجہ اُدین دیو کے پھر سے برسر اقتدار آنے پر پھر سے نمودار ہوا اور کم دل وضعیف راجہ کو لوٹنے لگا۔

۱۶۷: **چنڈال**: دیکھئے حاشیہ ۵۱۔

۱۶۸: **وید**: دیکھے حاشیہ ۲۹۔

۱۶۹: **وِشنُو**: دیکھئے حاشیہ ۵۷۔

۱۷۰: **اَچَل**: اس کا نام **تاریخ حسن** میں ''اُوردُن تُرکی'' آیا ہے ''جو سال ۷۳۲ھ (۱۳۳۱ء) میں ہیر پور کے راستے سے کشمیر میں داخل ہوا''۔ **اینشنٹ کشمیر** کے مولف نے لکھا ہے کہ ''ادین دیو کے عہد میں ترکستان کے قُر دل نے حملہ کیا۔ حملہ آور ھُر پور کی راہ سے کشمیر میں داخل ہوئے۔ **کشمیر سلاطین کے عھد میں** نامی کتاب میں حملہ آور کا نام نہیں آیا ہے۔ اس میں مصنف پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ ادیان دیو کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد کشمیر کو ترکوں کے حملے کے خطرے کا سامنا کرنا پڑا۔ ترک ملک کے اندر ہیراپور کے راستے سے داخل ہو چکے تھے''۔ البتہ ذیلی یادداشت میں پروفیسر موصوف نے لکھا ہے ''یہ ایک قسم کا ہلہ تھا۔ لیکن یہ ترک کون تھے۔ اور اگر انہیں سلاطینِ دہلی نے بھیجا تھا تو اس کا کوئی

ریکارڈ نہیں ملتا۔ہلہ جوتنے والوں کے سردار کے مختلف نام تریخوں میں درج ہیں۔فارسی کی زیادہ تر تاریخیں اس کا نام اردل بتاتی ہیں لیکن یون راج اس کا نام اچل بتاتا ہے''۔

مجموع التواریخ میں بیربل کاچرو نے لکھا ہے کہ''اسی اثنا میں اُوردل نامی ایک تُرکی ہیرہ پور کے راستے سے شہر میں داخل ہوا''۔لیکن اس بارے میں پنڈت جون راج کے قول پر ہی اعتبار کیا جاسکتا ہے کہ قریب العہد تھا۔

۱۷۱: **مُگدھ پور:**

۱۷۲: **دَلچہ:**

یعنی ڈُوالچو۔دیکھئے حاشیہ ۱۲۱ اور حاشیہ ۱۱۰۔

۱۷۳: **اِندَر**: دیوتاؤں کا بادشاہ۔ بارش کا دیوتا۔ فضا اور آسمان کا دیوتا۔ یہ دیوتا اپنے بجلی کے کڑکے (وَجر) کے ساتھ تاریکیوں کے بھوتوں کو مارکراُن پر فتح پالیتا ہےاورعمومی طور پرشجاعت کی علامت ہے۔اصل میں اندر آسمان کے دیوتاؤں کا آقانہیں تھالیکن اُس کے اعمال انسانیت کے حق میں مفید تھےاوراس لئے کسی دوسرے دیوتا کے مقابلے میں دعاؤں اور پوجا میں اسے زیادہ یادکیا جاتا تھااور آخرکار درُون جیسے روحانی تھاور برتہ دیوتا سے بھی آگے نکل گیا۔بعد کے اساطیر میں اندرتین دیوتاؤں یعنی رہما، وشنواور شو سے نیچے قرار دیا گیا لیکن ہندوؤں کے دل میں باقی سارے دیوتاؤں کا سالار برقرار رہا۔ ہندواسے دائیں آنکھ کا پتلا مانتے ہیں اوراس کی بیوی اندرانی کو بائیں آنکھ کا۔اِندر کومشرقی حصے کا حکمران مانا جاتا ہےاور بارہ آدِتیوں میں سے ایک آدِتی (اَدِتی یا آدِتیہ۔دیوتاؤں کی ایک خاص جماعت جوتعداد میں بارہ ہیں۔سورج کوبھی آدِتیہ کہتے ہیں)۔

۱۷۴: **بھیمانک**:

۱۷۵: **بھوٹوں کا مُلک**: یعنی لداخ۔

۱۷۶: **رنچن**: یہ وہ رِنچن نہیں جس نے سلطان صدرالدّین کی حیثیت سے کشمیر پر تین سال تک حکومت اور ملکہ کوٹارانی سے شادی کی اور جس کے بطن سے شہزادہ حیدر پیدا ہوا۔ یہ کوئی اور صاحب اثر ورسوخ لداخی درباری تھا جس کے بارے میں مقامی تاریخیں خاموش ہیں۔

۱۷۷: **تُشارلِنگ**: برف اور یخ کالِنگ جو شِو کے لنگ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (**تُشار**۔ سرد۔ منجمد۔ یخ۔ برف، **لنگ**۔ مردانہ شرمگاہ۔ شِو کا آلہ تناسل یا شِو کی پوجا آلۂ تناسل کی مُورت کی صورت میں۔

۱۷۸: یعنی شہزادہ حیدر جس کی تربیت شاہ میر نے کی۔ کوٹارانی کا پہلا بیٹا، جس کا نام جَتا یا جٹا تھا جو ایک مقتدر ہندو درباری بھٹ بِھکشن کی تربیت میں تھا۔ یہ دوسرا فرزند رانی کے پہلے خاوند راجہ سہدیو (۱۳۰۱ء۔۱۳۲۰ء) سے تھا۔

۱۷۹: ان تمام عبارتوں میں بادشاہ سے راجہ اُدین دیو مراد ہے۔

۱۸۰: غالباً راجہ اُدین دیو کو یہ یاد دلانے کے لئے تخت کا اصلی وارث یہی شہزادہ حیدر ابنِ مرحوم سلطان صدرالدین ہے۔

۱۸۱: **تاریخ حسن** (جلد۲/ص۱۶۹) میں آیا ہے کہ "تاریخ فرشتہ کی روایت سے اُس سے (یعنی سلطان شمس الدین) سے (بقول مولف تاریخ حسن ۷۴۳ھ۔ ۷۴۷ھ۔ ۱۳۴۲ء۔ ۱۳۴۷ء) چار بیٹے باقی رہے میرزا جمشید، میرزا علی شیر (المخاطب بہ علاءالدین) میرزا شاہ (معروف بہ شہاب الدّین) اور میرزا ھندال (مشہور بہ قطب الدّین) اور بعض مورخین کے بقول شہاب الدّین اور قطب الدّین، علاء الدّین کے فرزند

ہیں''۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان شمس الدین کے دو ہی بیٹے تھے میرزا جمشید (جس نے اپنا نام برقرار رکھتے ہوئے کوئی لقب اختیار نہیں کیا۔ جمشید کی بادشاہت کے بارے میں دیکھئے حاشیہ ۱۶۳) اور میرزا علی شیر، جس نے سلطان علاء الدّین کا لقب اختیار کر کے بقول مولف تاریخ حسن سال ۷۴۸ھ سے سال ۷۶۱ھ تک حکومت کی۔ (دیکھئے حاشیہ ۱۲۴)۔ گویا میرزا شامک اور میرزا ھندال دونوں سلطان شمس الدّین کے پوتے تھے اور دونوں بقولِ تاریخ حسن اُس کے بیٹے سلطان علاء الدّین کے فرزند تھے۔ جون راج نے ان ہی ''دو بڑے صاحب استعداد پوتوں'' کا ذکر کیا ہے اور دونوں کا نام اپنی معمول کی عادت کے مطابق ہندو ناموں میں مسخ کر دیا ہے۔ یعنی میرزا شامک کو شرِ ھستا تک اور میرزا ھندال کو ھِمند یا ھِند میں بدل دیا ہے۔ **کنگڈم آف کشمیر** کا نام شِیر آشامک آیا ہے اور میرزا ھندال کا نام میرزا ھندال ہی آیا ہے البتہ اضافہ کیا ہے کہ ''ھندو خان بھی کہلاتا تھا اور قطب الدّین کا لقب پایا تھا'' (تاریخ حسن کے مولف نے لکھا ہے کہ شیر آشامک، سلطان شہاب الدّین کا نام تھا جیسا کہ اُوپر بیان ہوا۔ محبّ الحسن نے بھی فارسی تاریخوں کی پیروی میں سُلطان شہاب الدین کا نام شیر آشامک ہی لکھا ہے۔ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ سطان قطب الدّین کا نام میرزا ھندال تھا نہ کہ بقولِ جون راج ھِند یا ھِمد۔ **تاریخ جدولی** میں بھی سلطان شہاب الدّین کا نام شیر آشامک آیا ہے اور سلطان قطب الدین کا میرزا ھندال۔

۱۸۲: **دوّار**: جن درّوں کو لوگ عام طور پر وادی میں داخل ہونے کے لئے استعمال کرتے تھے ان کے ناکوں پر قدیم زمانے سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے گئے تھے جنہیں دوّار (دوّار کے لفظی معنی ہیں دروازہ۔ بڑا دروازہ۔

دروازے کی راہ۔ بڑے دروازے کا راستہ۔ داخلہ۔ اندر جانے کی راہ۔ دوار کے محافظ کو دوار پال، دوار پالک یا دوار پلی کہتے تھے۔ حاشیہ ۷۴ دیکھیں)۔ رفتہ رفتہ ان دواروں (قلعوں) کے محافظوں سے چونگی وصول کرنے کا کام بھی لیا گیا۔ قلعہ دار بن جانے کی وجہ سے یہ ایک طرح کے خود اختیار حکام بن گئے اور انہوں نے اپنی فوج بھی رکھ لی۔ یہ کام سرکش اور طاقتور ڈامروں نے کیا جو خاصے طاقتور تھے۔ نزدیک کی قلعہ چوکی جس کا یہاں پر صرف دوار کے نام پر اکتفا کیا گیا ہے، کے حاکم کے ساتھ جس کا نام لُست (یا لست) تھا شہمیر نے رشتہ قائم کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوار کا یہ حاکم خاصا اہم اور قوی ڈامر تھا۔ گویا اپنی سیاسی حیثیت کو مضبوط بنانے کے لئے شہمیر نے یہ اقدام عمل میں لایا۔

۱۸۳: **علیشوَر**: جون راج نے علی شیر کے نام کو ہندو صورت میں لا کر اسے علی ایشور یا علیشور کر دیا ہے۔ اس سے پہلے جون راج نے اسے علیشا کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔ دیکھئے حاشیہ ۱۶۴۔

۱۸۴: **شری شنکر پور**: غالباً شنکر ورمن (۸۸۳ء۔۹۰۲ھ) کا بسایا ہوا شہر شنکر پور سے مُراد ہے جسے آج پٹن کہتے ہیں اور سری نگر سے ۱۷ میل کی دوری پر شمال میں واقع ہے۔ واللہ اعلم

۱۸۵: **جمسَر**: مراد ہے جمشید ابن شہمیر۔ دیکھئے حاشیہ ۱۶۳۔

۱۸۶: **بشیلا کشور**:

۱۸۷: **بھانگیلا**: موجودہ ماگام اور ٹنگ مرگ کا علاقہ جو بھانگل بھی کہلاتا ہے۔

۱۸۸: **قسمت کی دیوی**: حاشیہ ۱۹ دیکھیں۔

۱۸۹: **شمال**: حاشیہ ۶۳ دیکھئے۔

۱۹۰: **نرسمھا**: حاشیہ ۸۹ دیکھئے۔

۱۹۱: **لکشمی**: حاشیہ ۱۹ دیکھئے۔

۱۹۲: **دیتیہ**: دیوتاؤں کا دشمن۔ دیو۔ بدرُوح۔ ہندو خرافات میں ایک جن۔

۱۹۳: **کرال**: موجود آڑون جو ناروا و کے مغربی سرے سے لے کر دریائے وِشو کے نچلے حصے تک پھیلا ہوا ہے اور بجبھارہ کے جنوب مغرب میں ۳ رمیل کے فاصلے پر وِشو دریا کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔ آڑون پرگنہ دیوہ سر کے نیچے درّوں اور پشتوں میں واقع ہے۔ اس پرگنہ میں بقول تاریخ حسن (ج ا، ص ۲۶۵) دو سو آٹھ گاؤں اور بقولِ پنڈت بیربل کاچرو، دو سو نو گاؤں واقع ہیں۔

۱۹۴: **کَلَس**: یا راجہ کلش دیو (۱۰۶۳ء۔ ۱۰۸۹ء۔ ۴۵۵ھ۔ ۲۸۲ھ) کی دوستان مقامی تواریخ میں بیشتر اُس کا بدچلنی، بدکرداری، بدکاری اور اُس کے اپنے والدین راجہ انت دیو اور رانی سُوریہ متی کی بے حد ایذا رسانی کی داستان ہے جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب اُس کے والدین سری نگر کو ترک کرنے پر مجبور ہو گئے تو انہوں نے جا کر وِجیشور (بیج بہارہ) میں پناہ لی لیکن بدشعار و بدکردار بیٹے نے وہاں جا کر بھی اُن کے مکان اور پورے قصبے کو آگ لگا دی جون راج نے یہاں پر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ہم یہاں پر راجہ کلش موصوف کے حالات کو بیان کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ مقامی تواریخ کی طرف رجوع کیا جائے۔ البتہ یہ درج کرنا بے جا نہ ہوگا کہ تاریخ حسن (ج ۲، ص ۱۳۲) نے راجہ کلش کے بادشاہ بن جانے کا سال ۱۱۴۸ بکرمی لکھا ہے اور مدت حکومت آٹھ سال لکھی ہے جو غیر فارسی تواریخ کے ساتھ غیر مطابق ہے سوائے مجموع التواریخ کے جس نے دیگر مورخین کی

متابعت میں ۲۶ سال لکھی ہے۔

۱۹۵: **وِجیشیپور**: یعنی بیج بہارہ۔ دیکھئے حاشیہ ۶۷۔

۱۹۶: **چکر دھر**: بیج بہارہ میں موجودہ سمتھن گاؤں۔ چکردھر کے کریوہ پر چکردھر مندر ہندوؤں کا ایک مشہور مندر تھا جو وِشنو چکردھر مندر کہلاتا تھا اور ہندوؤں کا ایک مقدّس تیرتھ تھا۔

۱۹۷: **کَمپَن**: موجودہ اسلام آباد تحصیل میں ایک مقام کا نام تھا۔

۱۹۸: **کوٹا**: اس شادی کا ذکر کشمیر کی تاریخوں نہیں آیا ہے۔

۱۹۹: **راجو یجی**:

۲۰۰: **شِوراتِری**: یعنی شِو کی رات۔ ہندوؤں میں فاقہ سے رہنے اور شِو کے حق میں جشن منانے کی رات جو ماگھ مہینے کے نصف کے تاریک پندرھواڑے میں مناتے ہیں۔ یہ جشن دن کو بھی مناتے ہیں۔ کشمیر میں غالباً پھاگن مہینے کی ۱۴ کو مناتے ہیں۔ کشمیر کے ہندوؤں میں کئی دنوں تک شِوراتری منانے کی رسم ہے۔ ان دنوں میں بھنوراپوجا کرتے ہیں اور گھروں میں گوشت مچھلی پنیر پکاتے ہیں مچھلی زیادہ پکائی جاتی ہے۔ پانی میں اخروٹ ڈال کر پوجا ہوتی ہے اور بعد میں ان اخروٹوں کو تقسیم کرتے ہیں۔ شِوراتری کے لئے کشمیر میں ھیرت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ رشتہ داروں کے یہاں جا کر اِس بڑے دن کی مبارکبادی پیش کرنے نیز شادی شدہ بیٹیوں کے والدین کے پاس آنے اور اُن کے ہاں سے کئی تحالیف کے ہمراہ سسرال واپس جانے کی رسم بڑی مدتوں سے جاری ہے۔

۲۰۱: جون راج نے شاہ میر کی صحبت میں رہ کر، جس کی اُس نے کئی جگہوں پر ستائشیں کی ہیں اور اُسے کوٹا رانی کے بیٹے شہزادہ حیدر کا مربی، کشمیر کا خادم، قسمت کی دیوی کی گود میں پلنے والا ایک شجاع مرد بھی کہا ہے، اُدین دیو کو

بھی یہ کہہ کر ملیچھ کہا ہے کہ وہ شاہ میر کو چھوتا تھا اور اس لئے آلودہ ہو گیا (یعنی ناپاک ہوا) اور گویا مرنے سے پہلے ملیچھ ہو کر مرا۔ یہ ہے ہمارے کشمیری برھمن مورخ پنڈت زون راج کی برھمنانہ ذہنیت جو مسلمانوں سے بے مثل ببر رکھتا تھا جب کہ وہ خود مسلمان سلاطین کے درباروں کا ذلّہ خوار تھا اور سلطان زین العابدین (۱۴۲۰ء۔۱۴۷۰ء) کے دربار میں ستار اُٹھا کر اُسے خوش کرنے کے لئے راگ بھی الاپتا تھا۔

ناطقہ سربہ گریبان ہے کہ اسے کیا کہیے
خامہ ہے انگشت بدندان کہ اسے کیا لکھیے

جون راج نے اپنی علمی صلاحیت کو محض کشمیری مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے پر صرف کر کے اپنے بعد نہ صرف کشمیری برھمن قوم کو بدنام کرنے کا سامان ہمیشہ کے لئے فراہم کر دیا بلکہ محدود علمیت پر مبنی تعصب سے خود کو بھی داغدار بنا دیا۔

سیاہی از حبشی کی رود کہ خود رنگ است

اگر شاہ میر کی صحبت میں رہ کر راجہ ادین دیو ملیچھ ہو کر مرا تو جون راج خود جو سلطان زین العابدین کے پیروں کو روز ایک ہندو برہمن درباری کی حیثیت سے چھوتا تھا کیا ہو کر مرا۔

۲۰۲: **شری کوٹا**: مطلب ہے کوٹا رانی۔

۲۰۳: **بادشاہ**: یعنی راجہ اُدین دیو (۱۳۲۳ء، ۱۳۳۸ء، ۷۲۳ھ، ۷۳۹ھ)

۲۰۴: یعنی وہ بیٹا جو اُس کے پہلے خاوند راجہ سُہہ دیو (۱۳۰۱ء، ۱۳۲۰ء۔ ۷۰۱ھ، ۷۲۰ھ) سے تھا۔ اس بڑے بیٹے کا نام تواریخ میں جٹا یا جتا آیا ہے۔

۲۰۵: مطلب ہے شہزادہ حیدر جو کوٹا رانی کے دوسرے شوہر سلطان

صدرالدین (۱۳۲۰ء-۱۳۲۳ء-۲۰ےھ-۲۳ےھ) سے تھا۔

۲۰۶: **بھٹ بھکشن**: غالباً کوٹا رانی کے دربار میں صاحب رسوخ اور صاحب علم درباری تھا کیونکہ کوٹا رانی کا پہلا بیٹا (دیکھئے حاشیہ ۲۰۴) اسی کی تربیت میں تھا۔ پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ ''شاہ میر کی اولعزمی اور بڑھتی ہوئی طاقت سے ہراسان ہوکر کوٹا رانی نے بھٹ بھکشن کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ وہ ساری مملکت میں سب سے زیادہ اہل اور طاقتور انسان تھا اور کوٹا رانی کو یہ امید تھی کہ وہ شاہ میر کا پورا جواب ہوگا''۔ لیکن بھٹ بھکشن کے کوٹا رانی کا وزیر اعظم بننے کے بارے میں کوئی شواہد موجود نہیں۔ جون راج نے صرف عزت افزائی کی بات کی ہے۔ **کنگڈم آف کشمیر** کے مولف نے لکھا ہے ''کوٹا رانی شاھمیر سے خوفزدہ تھی اور اس لئے اُس کو اقتدار سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا۔ پس اس نے ایک کم رُتبہ درباری بھٹ بھکشن کو اپنا خاص مشیر بنالیا اور یہ اقدام بے شک شاہ میر کے لئے ایک کڑوی دوا کی گولی تھی جسے وہ ہضم نہ کر پایا''۔

۲۰۷: **کشمیر سلاطین کے عہد میں** نامی اُردو ترجمہ میں (جو پروفیسر محبّ الحسن کی انگریزی تصنیف ''کشمیر اَنڈَر رُسلا طانز'' کا اردو ترجمہ ہے) صفحہ ۶۲ کے ذیلی یاداشت میں درج ہے کہ ''یُوَن رَاج (یعنی جوَن رَاج) ص ۲۶ پر) رقم طراز ہے کہ ''شاہ میر نے بیماری کا بہانہ کیا اور جب کا کا پوری اس کی عیادت کو گیا تو اس کو چھرا بھونک کر مار ڈالا''۔ لیکن یہ قصہ جھوٹا ہے ان کے تعلقات اچھے نہ تھے اس لئے یہ ممکن نہین ہے کہ کا کا پوری، شاہ میر کی عیادت کو گیا ہوگا''۔ اس عبارت میں محبّ الحسن نے بھٹ بھکشن کی جگہ کسی کا کا پوری کا نام لیا ہے جو یہاں پر ایک اجنبی نام ہے اور جوَن رَاج نے اس کا نام تک نہیں لیا ہے۔ جوَن رَاج نے صریحاً لکھا ہے کہ ''ملکہ کوٹا نے بھٹ

بھکشن کو اَدَتار کے ہمراہ اُس کی (یعنی شاہ میر کی) احوال پُرسی کے لئے بھیج دیا''۔ ساری عبارت میں جوُن راج نے کہیں بھی یہ اجنبی کا کاپوری نام استعمال نہیں کیا ہے۔ یہ تسامح ہے۔ بھٹ بھکشن اور شاہ میر کے تعلقات آپس میں اچھے نہ تھے اور دونوں ایک دوسرے کے خواہاں نہ تھے لیکن کوٹا رانی کے حکم کو ٹالنا بھٹ بھکشن کے بس کی بات نہ تھی کہ۔ حکمِ حاکم مرگِ مفاجات۔ شاہی حکم تھا اور جانا ہی پڑا۔ **کنگڈم آف کشمیر** میں آیا ہے کہ شاہ میر نے سازش سے بھٹ بھکشن کو مروا ڈالا لیکن وہ سازش کیا تھی اس بارے میں مؤلف خاموش ہے۔

۲۰۸: **کمپن**: موجودہ اسلام آباد تحصیل میں ایک جگہ کا نام تھا،

۲۰۹: مقامی تواریخ میں اس واقعہ کا ذکر مفقود ہے۔

۲۱۰: **جیا پیڈ پور**: اندرکوٹ کا دارالخلافہ جسے جے پور بھی کہتے تھے۔ کلہن کے زمانے میں جے پور کا نام ابھنیتر کوٹ تھا یعنی اندرونی قلعہ اور اُبھنیتر بعد میں اندر ہو گیا۔ یہ علاقہ اب سُنبل کہلاتا ہے۔ حاشیہ ۲۵۹ بھی دیکھیں۔

۲۱۱: **کوٹ**: مراد ہے اَندرکوٹ یا جے پور کا قلعہ۔ لفظی معنی قلعہ۔ فصیل

۲۱۲: گویا یہ نکاح یعنی بیاہ کرنے کا پیغام تھا جو شاہ میر نے کوٹا رانی کے لئے بھیج دیا۔

۲۱۳: مقامی فارسی مورخین نے یہ جو لکھا ہے کہ شادی کی رات کو ملکہ کوٹا نے اپنا پیٹ کاٹ کر خودکشی کر لی تھی۔ ایک فرضی داستان ہے۔ اگر یہ واقعہ ہوتا تو جوُن راج جیسا مسلمان دشمن کشمیری برہمن اسے بیان کرنے سے ہرگز نہ چوکتا۔ ویسے بھی غیر فارسی مورخین نے اس فرضی داستان کو مضحکہ خیز جان کر نظر انداز کر دیا ہے۔ جوُن راج کے بقول رانی مذکور کو گرفتار کیا گیا۔

۲۱۴: **تِکشنا** :

۲۱۵: سال ۱۵ کا سال ۱۳۳۹ء (۴۴۴۰ کلِ یُگ، ۱۲۶۱ اشک سَموت اور سال ۷۴۰ھ) کے برابر ہے۔ غیر فارسی مقامی تاریخوں میں کوٹا کا سال وفات ۱۳۳۹ء ہی ہے۔ فارسی مورخین نے ملکہ کوٹا کا سال وفات نہیں لکھا ہے۔

۲۱۶: **کلپ درخت**: دیکھئے حاشیہ ۶۸

۲۱۷: **کَرم**: عمل، حرکت، کرتوت، کام، طریق کار، طریقِ عمل، کرتب، کار، پیشہ، فرض، اخلاقی کردار، مذہبی عمل۔ کوئی مذہبی کام یا رسم، اخلاقی فرض، تقدیر، قسمت، حصہ، نتیجہ، اثر۔

۲۱۸: **شِو**: مبارک، سعود، عظیم، مہربان، دوستانہ، محبوب، شفیق، خوش، خوش قسمت، خوشی، بہبودی، آزادی، آخری نجات، بکھیر دینے والے یا فنا کرنے والے اور پھر سے تعمیر کرنے والے ہندو دیوتا کا نام جو ہندوؤں کا تیسرا بھگوان ہے تین بھگوانوں میں۔ باقی دو بھگوان ہیں برہما (پیدا کرنے والا ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق) اور وِشنُو (رکھوالا یا نگہبان ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق)۔ وید میں صرف فنا کر دینے والے کا نام رُدرَ تھا (وحشتناک دیوتا) لیکن بعد کے زمانوں میں اس دیوتا کو مبارک کا نام دیا گیا اور اس کے ساتھ تخلیق کا پھر سے پیدا کرنے کا اور فنا کر دینے کا کام منسوب کر دئے گئے۔ پورانوں اور رزمیہ نظموں میں جو شِو کی پوجا کو ترجیح دینے کے خیال کو ترقی ملی ہے اس سے اُس کے مخصوص پوجا کرنے والوں (جنہیں شِو بھگت کہتے ہیں) نے اُس کو سب سے بڑا وجود قرار دیا ہے۔ فنا کر دینے والے کی حیثیت سے بعض اوقات اسے کال (کالا) بھی کہا گیا ہے اور پھر وقت کے ساتھ بھی منسوب کیا گیا ہے (ضمناً کشمیری زبان میں بھی کال کو

وقت کے معنی میں استعمال کرتے ہیں) اگرچہ فنا کر دینے کا یہ عمل اکثر اسکی بیوی کے ساتھ کالی کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے جس کا ڈراونا کردار اُسے قربانیوں کی راہ سے خوشنودی کے حصول کا ایک عام کردار بنا دیتا ہے۔ فنا کر دینے کے نتیجے میں نسل کو پھر سے پیدا کرنے کے عمل کے سلسلے میں شِو کی علامت لِنگ یعنی آلہ تناسل کی مورت ہے۔ جس کی ہندوستان اور کشمیر بھر میں ہندو برہمن پرستش کرتے ہیں۔ نیز اُس کی ایک نمود اَردھ ناری کی صورت (یعنی نصف عورت) میں ہے اور دوسرا مردانہ نصف تولید کے اصول کے اتحاد کی علامت ہے۔ شِو کی تین آنکھیں ہیں جن میں سے ایک پیشانی میں ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ تین آنکھیں وقت کے تین حصوں یعنی ماضی، حال اور مستقبل کی ترجمان ہیں جب کہ مرکزی آنکھ کے اوپر چاند کا ہلال مہینوں میں وقت کی مقدار بتلاتا ہے اور اس کی گردن کے اردگرد سانپ کی موجودگی سالوں کی مقدار کی ترجمانی کرتا ہے اور دیگر سانپوں کے ساتھ کھوپڑیوں کی دوسری مالا جو اُس کے جسم پر آویزان رہتی ہے، زمانوں کے دائمی انقلاب اور انسانی نسلوں کے پیوستہ فنا ہو جانے اور تولیمہ پانے کی طرف اشارہ ہے۔ اُس کے بال موٹے پن کے ساتھ اکٹھے بے ہوئے رہتے ہیں جو اس کی پیشانی کے اوپر ایک کنڈلی کی شکل میں جمع ہیں۔ اس کے اوپر وہ گنگا کو لئے ہوئے ہے۔ تا کہ آسمان سے گر کر آتے وقت اس کی تیز رفتار سے زمین پارہ پارہ نہ ہو جاتی۔ اس کے گلے کا رنگ سیاہ نیلا ہے اس مُہلک زہر کے داغ کی وجہ سے، جس سے ساری دنیا تباہ ہو جاتی، اگر لازوالیت کے شہد کی خاطر دیوتاؤں نے سمندر کو جوش میں لاتے وقت وہ زہر اُس نے نہ پی لیا ہوتا۔ اس کے ہاتھ میں تین شاخوں والی ایک لمبی سی چھڑی رہتی ہے جسے ترشول اور پناک بھی کہتے ہیں جو بعضوں کے خیال میں اُس کی تین مجموعی صفات یعنی پیدا کرنے والے

فنا کردینے والے، اور پھر سے وجود میں لانے والے کی ترجمان ہے۔ اس کے ساتھ ایک ڈھولک بھی رہتی ہے جسے ڈَمرُو کہتے ہیں۔ اُس کے خدمت گاروں کو پَرمَتھا کہتے ہیں۔ جنہیں دیو یا بھوت پریت خیال کرتے ہیں اور ان کے دستوں یا لشکروں کو گنا کہتے ہیں۔ شِو کی بیوی دُرگا (جسے کالِی، پاروتی، اُوما، گوری، بھوانی وغیراہ بھی کہتے ہیں) شکتُوں اور تانترگوں میں پرستش کی خاص دیوی ہے اور اس تعلق سے شِو ناچنے کا شوقین ہے اور شراب خوری کا بھی۔ شِو کی ایک بڑے سیاسی کی حیثیت میں بھی پوجا کی جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ اُس نے اپنی مرکزی آنکھ کی ایک نظر سے محبت کے دیوتا، کام دیو کو جلا کر راکھ دیا تھا جب کہ سخت ریاضت میں مشغول رہنے کے دوران کام دیو نے اُس کی بیوی پاروتی پر جنسی محبت کے اظہار میں ڈورے ڈال کر اُس کے غصے کو بھڑکایا تھا۔ کائنات کو فنا کرنے والے دیوتا کے عمل میں اس کے بارے میں ہندوؤں میں مشہور ہے کہ اس نے کائنات اور دیگر تمام دیوتاؤں کو بشمول برھما اور وِشنُو کے جلا ڈالنے والی اپنی نظر سے جلا دیا تھا اور ساری راکھ اپنے بدن پر مل دی تھی اور اسی لئے اُس پوجا میں راکھ کا استعمال کیا جاتا ہے اور رُدراکش بیریوں کا استعمال بھی۔ جن کا قصہ یوں ہے کہ ترِی پُورہ نامی تین شہروں کو تباہ کرتے وقت اس کی آنکھوں سے غصے سے آنسوؤں کے چند قطرے گرے تھے جن سے یہ بیریاں اُگیں تھیں۔ شِو کا گھر کیلاش میں ہے جو ہمالیہ پہاڑ کی ایک بلند ترین شمالی چوٹی ہے۔ وِشنُو کی طرح اس کی ویسے کوئی تجسیم نہیں اگرچہ کا ہے۔ وِیربھدرَ اور آٹھ بھیروؤں وغیرہ کی تجسیم اس کے ساتھ منسوب کی جاتی ہے۔ شِو کی پوجا بالخصوص بنارس اور کشمیر میں ہوتی ہے۔ غالباً کشمیر کے برہمن شِو کے علاوہ اور کسی بھگوان کی پوجا کرتے ہی نہیں کہ شِومت اور شِو پوجا ہی کشمیری برہمنوں کا دھرم ہے۔ اگر باقی چند ایک بہت مشہور دیوتاؤں کی پوجا

کرتے بھی ہیں تو وہ معمولی سی ہے شِو پوجا کی طرح غیر معمولی نہیں۔ شِو کے نام وِشنو کے مقابلے میں زیادہ تعداد میں ہیں۔ چنانچہ شِو پُوران کے ۶۹ ویں باب اور مہابھارت کے ۱۷ویں باب اَنُوشاسن پَروَن میں اس کے ایک ہزار اور آٹھ نام درج ہیں جن میں سے بعض عام نام مہادیو، شنبھُو، شنکر، اِشا، اِشوَر، مہیشور، ھَرَ ہیں۔ گنیش اور کارتکیا اُس کے بیٹے ہیں۔

۲۱۹: ھری: وِشنُو کو کہتے ہیں کرشن کو بھی (جسے وِشنُو کے ساتھ یکسان مانا جاتا ہے) شِو کا بھی نام ہے اور برھما کا بھی۔ اندر کا بھی نام ہے اور یم کا بھی۔ وِشنُو ہندوؤں کے تین خاص بھگوانوں میں سے ایک بھگوان کا نام ہے جو بعد کے ہندو خرامات میں نگہبان برہما کے ساتھ پیدا کرنے والا اور شو کے ساتھ فنا کر دینے والا ہے۔ مختلف اَوتار اسی وِشنُو دیوتا کے روپ ہیں۔

۲۲۰: بَرھما: ہندوؤں کے تین اولین بھگوانوں میں پہلا بھگوان جسے ہندو دنیا کا خالق سمجھتے ہیں۔

۲۲۱: بُدھ: دانشمند آدمی عالم، ہوشیار، ذہین، چالاک، دانا، بُدھ مت کی پیروی کرنے والوں کے خیال میں مکمل طور پر روشن ذہن کا آدمی جس نے حق کی مکمل علمیت پائی ہو اور اس طرح سے اس نے سارے وجود سے رہائی پائی ہو اور اپنے نِروان کو حاصل کرنے سے پہلے اس کے حاصل کرنے کے طریق کو آشکار کرے۔ بُدھ سال ۵۰۰ ق م میں کپل وستو نامی جگہ میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ سُدھودَنا جو ساکیا قبیلے یا خاندان سے تھا اس علاقے کا راجہ تھا اور اُس کی ماں مایا دیوی راجہ سُوپَر بودھا کی بیٹی تھی۔ پس وہ کھشتریہ ذات کا تھا اور اس کا اصلی نام ساکیہ مُنی یا ساکیہ سِنہا اس کا خاندانی نام تھا جب کہ گوتم کا نام اُس کی نسل سے تھا۔ اس کی موت اسّی سال کی عمر میں ہوئی اور شاید سال ۴۲۰ ق م میں۔ ہندوؤں کے خیال میں گوتم بُدھ وِشنو بھگوان کا نواں اوتار

ہے۔ یہی گوتم بدھ بدھ دھرم کا بانی ہے جس کے پھیلانے میں کشمیری مبلغوں کا بڑا حصہ رہا ہے۔

۲۲۲: **جین** : مطلب ہے مہاوِیر جین۔ ایک زمانہ تھا جب کہ اس بات کا یقین کیا جاتا تھا کہ جین مت محض بدھ مت کی ایک شاخ ہے لیکن علماء نے بعد میں خیال کیا کہ جین مت بذاتِ خود ایک علیحدہ دھرم ہے۔ بدھ مت اور جین مت کی اول باہمی شناسائی اس بات پر تھی کہ دونوں مذہب کرم اور اَہنسا پر زور دیتے تھے۔ اسی طرح ابتداء میں یقین کیا جاتا تھا کہ مہاویر جین مت کا بانی ہے۔ جیسے بدھ، بُدھ مت کا بانی ہے، لیکن اب یہ بات مان لی جاتی ہے کہ مہاویر ۲۴ واں ترتھنکر ہے یعنی اس دھرم کا پیغمبر۔ جین دھرم کی کتابوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ جین دھرم کا بانی رِشابھ تھا جس کے بعد ۲۳ ترتھنکر آئے۔ پُرسوانا تھ ۲۳ واں ترتھنکر تھا

مہاویر آخری ترتھنکر تھا جو ویشالی کے اضلاع میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام سدھارتھ تھا جو جَن ترکا نامی کھشتریوں کا سردار تھا۔ ۱۳ سال کی عمر میں اُسے نِروان حاصل ہوا۔ مہاویر خدا پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ وہ اس بات پر یقین نہیں رکھتا تھا کہ خدا نے سب کچھ پیدا کیا ہے کہ تمام کائنات کا منتظم ہے۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ خدا ان تمام طاقتوں کا ایک مکمل اظہار ہے جو آدمی کی روح میں پوشیدہ ہیں۔ منتروں کا پڑھنا یا قربانی دینا فقط تضیع اوقات ہے۔ اچھی زندگی کی اہم چیزیں تین ہیں۔ دُرست عقیدہ، دُرست علم اور درست عمل۔ ان تین چیزوں کا نام تین نگینے یا تین رتن ہے۔ مہاویر نے اپنے پیروں سے کہا کہ وہ اچھی اخلاق والی اور نیک زندگی گزار دیں۔ حق کو پانے کے لئے جسم کی ہر طرح کی جراحتوں اور درد میں مبتلا کرنا چاہیئے۔ تدریجی فاقوں سے خود کو مار ڈالنے کی سفارش بھی کی گئی ہے بلکہ خودکشی کی بھی۔ شادی

کرنے کو ممنوع قرار دیا گیا اور کنوار پن کی زندگی گزارنے کی تعلیم دی گئی۔ پیروؤں کو لباس ترک کر کے ننگے چلنے کی ہدایت دی گئی۔ مہاویر نے اہنسا پر بہت زور دیا۔ اُس کے مطابق فقط آدمیوں اور حیوانوں میں ہی روح نہیں پائی جاتی بلکہ پودوں میں، ہوا میں اور آگ میں بھی روح موجود ہے۔ پتھر اور پودے بھی اسی طرح زخم اور درد سہتے ہیں جس طرح سے آدمی اور حیوان محسوس کرتے ہیں اس لئے حیوانوں، پودوں اور پرندوں وغیرہ کو کوئی اذیّت نہیں دینی چاہئے۔ مہاویر کے کہنے کے مطابق ہر آدمی کو بُرے کرموں کو بند کر دینے اور سختیاں سہہ کر کرم کو فنا کر دینا چاہئے۔ وجدانی علم کے بغیر آدمی گناہ کیا کرتا ہے اور جب گناہ کئے جائیں تو پھر سے جنم لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ مہاویر نے جو سختیاں برداشت کرنے کی تعلیم دی ہے ان میں فاقہ کرنا، ۳۲ لقموں کی غذا میں بس ایک لقمے پر اکتفا کرنا، بھیگ مانگنا، عمدہ اور مزے دار کھانے کو ترک کرنا، جسم کو ذلیل کرنا، سخت عاجزی کو اختیار کرنا، خدمت کرنا وغیرہ شامل ہے

۲۲۳: **قسمت کی دیوی**: یعنی لکشمی۔ دیکھئے حاشیہ ۱۹

۲۲۴: مراد ہے سلطان شاہ میر

۲۲۵: مراد ہے سلطان شمس الدین شاہ میر

۲۲۶: سلطان شمس الدین شاہ میر کے زورِ بازو اور ایک قوی و شجاع بادشاہ ہونے کی طرف اشارہ ہے

۲۲۷: **کاشَو وَاٹ**: یعنی کشتواڑ۔ حاشیہ ۹۴ دیکھیں

۲۲۸: سال ۱۸ کلِ یگ کے سال ۴۴۴۳ شک سموت ۱۲۶۴ عیسوی سال ۱۳۴۲ء اور ہجری سال ۷۴۳ھ کے برابر ہے اور عموماً سال ۱۳۴۲ ہی سلطان شمس الدین شاہ میر کا سال وفات تاریخوں میں درج ہے۔ البتہ تاریخ حسن

(ج ۲ ص ۱۶۸) میں سلطان موصوف کی تکت نشینی کا سال ۷۴۳ھ مطابق ۱۳۹۹ بکرمی آیا ہے جس کی پیروی تاریخ جدولی نے کی ہے اور بادشاہت کی مدت تین سال پانچ ماہ لکھی ہے۔ اس کے مطابق شاہ میر کا سال وفات ۷۴۶ھ یا ۷۴۷ھ کے ابتدائی مہینوں میں سے کوئی مہینہ ہونا چاہئے۔ مجموع التواریخ میں سال ۷۴۷ھ میں آیا ہے (۱۳۴۶ء)۔ گویا فارسی تواریخ میں غیر فارسی تواریخ کے مقابلے میں چار سے پانچ سال تک کا فرق ہے لیکن اس بارے میں ہمیں جون راج پر ہی اعتبار کرنا ہوگا کہ وہ قریب العہد تھا۔

۲۲۹ھ : ستی سَر:

نیل مت پُوران نامی کتاب جو ہندو عقائد کی کتاب ہے، کے بقول کشمیر کی وادی اصل میں ایک جھیل تھی جس کا نام ستی سَر تھا یعنی سَتی کی جھیل (ستی یعنی شِو کی بیوی پاروتی جس کا پہلا نام ستی تھا)۔ اس علاقے میں **مارِیچی** کے بیٹے **کشیپ** کی دو بیویاں **کدرُو** اور **وِناتا** رہتی تھیں۔ کشیپ **برھما** کا پوتا بھی تھا۔ کدرُو کے بیٹے ناگ تھے یعنی سانپ اور وِناتا کے بیٹے **گرُد** اور **اَرُونَ** نامی پرندے تھے۔ سبز چشم والے دیو نے سانپوں اور پرندوں کو چین سے نہیں رہنے دیا۔ باہمی رسہ کشی کے دوران گرُد، اِندَر کے پاس گیا اور اس سے سانپوں کو کھا جانے کی اجازت پا کر اُن کی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا۔ ناگوں کے سردار **واسُکی** نے تنگ آکر **وِشنو** سے مدد کی التجا کی۔ وشنو دیوتا نے اُسے کہا کہ "تم ستی کے ملک میں پارسا ناگوں کے ہمراہ آسمان کی مانند جھیل کے مقدس پانی میں رہ سکتے ہو۔ سانپوں کا دشمن اُن سانپوں کو نہیں مارے گا جو اس جھیل میں رہیں گے۔ ناگوں کے سردار! میری سواری ناگوں کی دشمن، اُسے نہیں مارے گی۔ جو ستی کے ملک میں ہر طرف سے بلا کسی خوف کے رہے گا۔ اے خوش نصیب! جا کر اُن طاقتور ناگوں کے ملک میں، جو ستی کے

ملک میں رہتے ہیں، **نیل** کی تاج پوشی کرو"۔ داستان آگے بڑھتے ہوئے کہتی ہے کہ کچھ عرصہ بعد **اِندر** اپنی زوجہ کے ہمراہ تفریح کی خاطر **ستی سر** میں آگیا۔ **سَنگرھہ** نامی ایک دَیتیہ سردار نے جوکشیپ کی نسل سے تھا، اِندر کی بیوی پر عاشقانہ نظر ڈال کر اسے اغوا کرنا چاہا۔ اس سے اِندر اور سَنگرہہ کے درمیان لڑائی ہوئی جو ایک سال تک جاری رہی۔ بالآخر سنگرَھ کو شکست ہوئی اور مارا گیا۔ سَنگرَہہ کا ایک بیٹا ہوا جس کا نام **جَلَود بھو** تھا۔ بچپن میں اُس کی پرورش **نیل** نے کی۔ جب جَلوَد بھَو بڑا ہوا تو اس نے **برھما** سے ایک غیر محسوس جنم کا عطیہ پایا۔ تب اس نے نیل کے اقتدار کو للکارتے ہوئے اردگرد کے علاقوں یعنی دَروا بھسار۔ گندھار، جُھندر، شاکوں، کھسوں اور، مدرُوں کو مارنا شروع کردیا۔ بے ہار و مددگار نیل اپنے باپ کشیپ کے پاس گیا جو مختلف مقدس مقامات کی زیارت کرکے **ھری دوار** کے نزدیک **کنکھل** میں قیام پذیر تھا۔ اس نے اس کو مَدرا اور دیگر جگہوں پر آنے کی تاکید کی۔ یہاں پر آکر جب کشیپ نے ہر جگہ تباہی کا مشاہدہ کیا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا: "نیل! مجھے بتاؤ تو سہی کہ اس مَدرا ملک میں یہ خالی پن کیوں ہے؟ یہ ہمیشہ ایک دلکش جگہ رہی ہے جو قحط کی آفت سے محروم اور غلے سے ہمیشہ بھرپور رہی ہے"۔ بیٹے نے جواب دیا کہ: "گستاخ جَلَودبھَو جس نے غیر محسوس جنم کا عطیہ برہما سے پایا ہے، میری متعلق پروا نہیں کرتا اور تین دنیاؤں کے اُس مالک کے عطیہ کی وجہ سے میں اُسے اپنے قابو میں لانے کے اہل نہیں۔ اُسی بڑے ذہن والے بدکردار۔ آدمیوں کا گوشت کھانے والے۔ کی وجہ سے مَدرا کا سارا ملک بلکہ ہمسایہ ممالک تک خالی ہوگئے ہیں"۔ اسے بیان کرنے کے بعد نیل نے اپنے باپ سے کہا کہ اُسے دنیا کی بھلائی کی خاطر روک دو۔ ایسا کرنے کو قبول کرتے

ہوئے کشیپ، **ستی سر** میں آگیا اور **برھما**، **وشنو** اور **شو** سے
مدد کی التجا کی اور وشنو جلو دبھو کو سزا دینے کے لئے بڑھا، لیکن یہ جان کر کہ پانی
میں وہ فنا نہیں ہوسکتا، وہ دیو جھیل میں اتر گیا۔ ارد گرد کے پہاڑوں پر باقی سبھی
دیوتاؤں نے قیام کرنے کے بعد وشنو نے **اننت** سے کہا کہ "ہمالیہ کو ہل سے
کاٹ کر فوراً اس جھیل کو پانی سے خالی کردو"۔ جب ایسا ہوا تو پانی زور و شور کے
ساتھ بہنے لگا جس کے خوفناک بہاؤ اور شور سے تمام جاندار خوفزدہ ہو گئے اور
اس کی ہمالیہ جیسی اونچی لہریں آسمان کو چھونے لگیں۔ خود کو بچانے کی شدت کی
کوشش کرتے ہوئے جلو دبھو نے جادو سے سب جگہوں پر اندھیرا پھیلا دیا،
لیکن شِو نے فوراً ہی اپنے ہاتھوں میں سورج اور چاند کو پکڑ کر اندھیرا دور کر دیا۔
بالآخر وِشنو نے دیو پر اپنے چکر سے حملہ کرکے اُسے جان سے مار ڈالا۔
ستی سر کے پانی میں سے جو زمین نمودار ہوئی اُس پر برھما، شِو، وشنو،
اننت، کشیپ اور دوسرے دیوتاؤں نے اپنے اپنے مٹھ بنا لئے۔ اسی طرح
گندھاروں، اپسراؤں، یکشوں اور گہیکاؤں کے ہمراہ پہاڑی راجاؤں نے
بھی بنا لئے۔ بعد میں وِشنو نے وہاں پر اپنی صورت اور شِو اور اس کی بیوی کی
صورتیں قائم کر دیں اور ناگوں، گندھروں، دانشمندوں اور دیگر لوگوں کی بڑی
تعداد شِو کی صورت کو دیکھنے کے لئے آ گئے۔ تب کشیپ نے وِشنو سے دعا کی
"بھگوان! اس ملک کو دو آدمیوں سے آباد کرا اور اسے مقدس اور دلکش بنا دے"
لیکن ناگوں نے وِشنو سے کہا "ہم آدمیوں کی صحبت میں نہیں رہیں گے"۔
ناگوں کے اعتراض سے خشم آلود ہو کر کیشپ نے ان پر پھٹکار کی کہ چونکہ تم
گستاخ ہو کر میری باتوں کا کوئی لحاظ بغیر بول رہے ہو، اب تم **پشاچوں**
کے ساتھ رہو گے"۔ پشاچ ریت کے سمندر کے مرکز میں رہتے تھے اور سخت
خوفناک تھے۔ اُن کی ہیبت ناکی کے پیش نظر نیل نے اپنے باپ سے ناگوں

کے حق میں رحم دلی کی درخواست کی۔ کیشپ نے اپنی پھٹکار میں اس حد تک اصلاح کی کہ پشاچ وادی میں ہر سال صرف جاڑے کے چھ مہینوں تک رہیں گے اور باقی چھ مہینوں کے لئے یہاں پر ہر سال آدمی رہا کریں گے۔ لیکن نیل نے پھر کہا کہ ''ہم ہمیشہ آدمیوں کے ساتھ ہی رہیں گے۔ ہم ظالم اور ظلم پسند پشاچوں کے ساتھ نہیں رہیں گے''۔ تب وِشنو نے ناگ سردار کو یقین دلایا کہ یہ سلسلہ صرف چار یگوں سے زیادہ دیر تک قائم نہیں رہے گا اور اس کے بعد تم صرف آدمیوں کی صحبت میں ہی رہو گے۔ وِشنو نے مزید کہا: ''آدمی اُن ناگوں کی جو اُن کے علاقہ میں رہیں گے، پھولوں، خوشبوؤں، کھانے کے لایق چڑھاؤں، دُھونیوں اور مختلف اقسام کی عطروں اور عمدہ نذرانوں کے ساتھ پوجا کریں گے''۔ چار یگوں کے ختم ہو جانے پر، نیز لوگوں کے جاڑے کے چھ مہینوں کی مدت گزارنے کے لئے وادی سے نکل کر، چندر دیو نامی ایک بوڑھا برھمن یہیں پر رہ گیا۔ لیکن پشاچوں نے اُسے سخت تنگ کیا۔ اپنی مشکل کے لئے وہ نیل کے پاس گیا جس کی خدمت پشاچوں کا سردار **نُکمبھ** کیا کرتا تھا۔ ناگ سردار کی تعریف کرتے ہوئے برھمن نے اُسے لوگوں کے کشمیر سے چھ ماہ کی ہجرت سے آزاد کر دینے کی التجا کی۔ نیل نے درخواست قبول کی بشرطیکہ لوگ اُن ہدایات پر عمل کریں گے جو اُسے **کیشو** نے دی ہیں۔ چندر دیو، نیل کے شاہی محل میں چھ ماہ تک رہا اور وہاں پر ساری رسمیں اور مذہبی آداب سیکھ لئے۔ بہار کا موسم آنے پر جب لوگ کشمیر میں لوٹ آئے تو اُس نے لوگوں کے سردار **وِرودیا** سے سارا واقعہ بیان کیا۔ اس کے بعد لوگ وادی میں چین سے رہنے لگے۔ **ستی سر** کا یہ سارا قدیم بیان محض ایک فرضی قصہ ہے اور تاریخی اسناد پر مبنی نہیں۔

۲۳۰: **جَمسَر**: مطلب ہے جمشید ابن سلطان شمس الدین شاہ میر۔

دیکھئے حاشیہ ۱۷۸۔

۲۳۱: **بادشاہ**: یعنی جمشید ابن سلطان شمس الدّین شاہ میر۔

۲۳۲: مطلب ہے سلطان علاء الدّین ابن سلطان شمس الدّین شاہ میر جس کا اصلی نام علی شیر تھا۔ دیکھئے حاشیہ ۱۶۴۔

۲۳۳: **اَونتی نگر**: یعنی اونتی پور۔ اس کی بنیا راجہ اونتی ورمن (۸۵۵ء۔۸۸۳ء) نے ڈالی تھی۔ آج بھی یہ گاؤں سری نگر کی شاہراہ پر بہت مشہور ہے۔ حضرت سید حسین منطقیؒ کا روضہ اسی گاؤں میں مرجع خاص وعام ہے۔

۲۳۴: **اُتپَل پُور**: یعنی ضلع پلوامہ میں موجودہ کاکاپورہ گاؤں۔

۲۳۵: **جنّت مکان بادشاہ**: یعنی سلطان شمس الدین شاہ میر۔

۲۳۶: **کمپَن**: دیکھئے حاشیہ ۱۹۷ اور ۲۰۸۔

۲۳۷: **لکھشمن بَھٹّ**: دیکھئے حاشیہ ۲۰۶۔

۲۳۸: **شِری دیو سَرس**: مطلب ہے دیوہ سر۔ شاہ آباد کی جنوبی حدود کے پہاڑوں سے شوپیان تک پھیلا ہے۔ اور اس کے بیچ میں سے وِشو دریا گزرتا ہے۔

۲۳۹: **اَونتی پور**: دیکھئے حاشیہ ۲۳۳۔

۲۴۰: **دریائے وِتشا**: یا وِشٹا۔ کشمیر کے لوگ اس کا نام اس کی بگڑی ہوئی صورت، میں یعنی وِیتھ (Wyeth) استعمال میں لاتے ہیں۔ فارسی تحریرات اور منظوم کلام میں بہت (Bhet) آیا ہے۔ کشمیری برھمن دریائے وتسا کو (جس کا استعمال اب قطعی متروک ہے اور اس کی جگہ دریائے جہلم اور کشمیری زبان میں وِیتھ استعمال کیا جاتا ہے) شِو کی

بیوی پاروتی کی ایک صورت مانتے ہیں۔

۲۴۱: **علیشوَر**: یعنی بادشاہ شاہمیر سلطان شمس الدین کا چھوٹا فرزند اور سلطان جمشید کا چھوٹا بھائی جس کا نام علی شیر تھا اور پنڈت زون راج نے اسے ہندوانہ صورت دے کر علیشور بنا دیا۔ حاشیہ ۱۶۴ اور ۱۸۳ دیکھیں۔

۲۴۲: **جَمسَر**: یعنی سلطان جمشید۔ دیکھئے حاشیہ ۱۶۳۔

۲۴۳: **کھشِری**:

۲۴۴: **اِکشِک**: ناگام کے ساتھ اس کے جنوب میں **پرگنہ بچ** ہے جو سری نگر کے نواحات تک پہنچتا ہے اسی کے مرکز میں **دامودروڈر** واقع ہے۔ تاریخ حسن (جلد اول ص ۲۶۶) میں اسی کا نام **پرگنۂ اِچھہ** آیا ہے اور لکھا ہے کہ شہر کے متصل جنوب کی طرف دامودر کریوہ کے حوالی میں واقع ہے۔ دُودگنگا نامی نالہ اس میں سے گزرتا ہے۔

۲۴۵: **سُیّاراج**: جون راج نے اسلامی نام **سراج** کو سیّا راج کی صورت دیتے ہوئے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ سیّا راج ہندو تھا۔ تاریخ حسن (جلد ۲، ص ۱۶۹۔۱۷۱) میں سلطان جمشید کے حالات میں آیا ہے کہ جمشید نے سال ۷۴۷ھ مطابق ۱۴۰۳ بکرمی میں تخت نشینی کی اور عدل واحسان اور رعیت پروری پر کمر بستہ ہوا۔ کچھ عرصہ بعد علاء الدّین (یعنی اس کا برادر جس کا نام علی شیر تھا) نے بغاوت کا علم بلند کر کے زینہ پور کے حدود میں اپنے بھائی کے خلاف جنگ کی اور بے خبری میں شخون مار کر جمشید کو شکست دی۔ اس کے بعد جمشید نے ثابت قدمی سے کام لے کر زینہ پور کو ویران کر دینے کے لئے حملہ کر دیا اور علاء الدین کے سپاہیوں کو، جو زینہ پور میں تھے قتل کر دیا۔ پس علاء الدین نے حملہ کیا اور جمشید کامراج کی طرف شکست کھا کر بھاگ گیا۔ جمشید شاہ کے وزیر **سراج الدین** نے جو دارالخلافہ سری نگر کا محافظ تھا، علاء

الدّین کو پیغام بھیج کر تخت وتاج اُس کے حوالے کر دیا..." **کشمیر سلاطین کے عهد میں** (ص ٦٧) آیا ہے کہ"...علی شیر نے اس عارضی صلح کو نظر انداز کر دیا اور سری نگر کے نگران **سراج** کو رشوت دے کر اس نے راجدھانی پر قبضہ کر لیا اور اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا..."

۲۴۶: **کرمَ راجیه**: یعنی موجودہ کامراج (کشمیری میں کمراز)۔ دیکھئے حاشیہ ۱۶۵۔

۲۴۷: جون راج نے سال وفات نہیں لکھا بلکہ پروفیسر محبّ الحسن نے سال ۱۳۴۵ء (۷۴۶ھ) لکھا ہے۔ تاریخ حسن (جلد۲) میں اگرچہ سال وفات درج نہیں لیکن سال ۷۴۷ھ میں جمشید کی تخت نشینی اور چودہ مہینوں تک مدت حکومت کا ذکر کرنے سے قیاساً ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء) ہے۔ تاریخ جدولی میں ۷۴۷ھ تخت نشینی کا سال درج ہے لیکن نہ مدت حکومت درج ہے اور نہ ہی سال وفات۔ کنگڈم آف کشمیر میں سال وفات ۱۳۴۳ء (۷۴۴ھ) آیا ہے۔ مجموع التواریخ کے مولف نے تاریخ حسن کے الفاظ کو دُہرایا ہے۔ واقعاتِ کشمیر میں جمشید کا سال وفات ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء) آیا ہے۔

۲۴۸: **علاو ادین**: مُراد ہے **سلطان علاء الدّین ابنِ سلطان شمس الدّین شاهمیر** حاشیہ ۱۶۴ دیکھیں۔

۲۴۹: **دوَار**: حاشیہ ۷۴ اور ۱۸۲ دیکھیں۔

۲۵۰: جون راج نے یہ نہیں لکھا ہے کہ علاء الدین کا یہ تیسرا بھائی کون تھا یا سلطان شمس الدّین شاہمیر کا یہ تیسرا فرزند کون تھا بلکہ خالص دو ہی فرزندوں یا دو ہی بھائیوں کا اول سے ذکر کیا ہے جنہیں وہ اپنے بقول جمیشار اور علیشور کہتا ہے یعنی جمشید اور علی شیر۔ جمشید سلطان جمشید کے نام سے بادشاہ بنا (۱۳۴۲ء، ۱۳۴۳ء، ۷۴۳ھ، ۷۴۴ھ) اور علی شیر نے سلطان علاء الدّین کا لقب اختیار

کر کے بادشاہت کی (۱۳۴۳ء،۱۳۵۴ء، ۷۴۴ھ،۷۵۵ھ)۔ مقامی تاریخوں میں سے کسی بھی تاریخ میں سلطان شمس الدّین شاہمیر کے کسی تیسرے بیٹے کا نام نظر نہیں آیا۔ سب میں مذکورہ دو بیٹوں یا دو ہی بھائیوں کا ذکر موجود ہے۔ یہاں پر یہ ذکر کرنا بیجا نہ ہوگا کہ تیسرے بھائی کے الفاظ میں تیسرے کا لفظ قوسین میں ہے یعنی Bracket میں ہے اور قیاساً یہ لفظ جون راج کا نہیں بلکہ انگریزی مترجم جوگیش چندر دتّ کا ہے کیونکہ عام طور پر جملۂ معترضہ یا مشکوک عبارت کو قوسین میں بند کیا جاتا ہے۔ بہر حال اگر یہ لفظ یعنی تیسرے کا لفظ جون راج کا نہ بھی ہو جب بھی اُس نے لکھا ہے کہ ''حکومت اپنے بھائی کو دے دی''۔ لیکن یہ بھائی کون تھا جس کو حکومت سونپ دی جون راج نے اس کا نام نہیں لیا ہے جب کہ علاء الدّین کا اکیلا بھائی جمشید وفات پا چکا تھا۔

۲۵۱: **جَمسَر**: یعنی سلطان جمشید ابن سلطان شمس الدین شاہ میر۔ دیکھئے حاشیہ ۱۶۳ا۔

۲۵۲: **سُجّاپور**: مولف **کنگڈم آف کشمیر** نے لکھا ہے (ص ۱۲۵) کہ ''ایک عظیم عمارت کار ہونے کی بنا پر جمشید نے **سوپور** میں دریائے جہلم پر ایک پُل تعمیر کیا''۔ سوپا پور کا ستجا پور میں بدل جانا سنسکرت زبان میں ی کے ج میں بدل جانے کی عام روایت ہے اس لئے سجاپور، سوپور ہی ہوسکتا ہے واللہ اعلم!

۲۵۳: **شِری شِوَ سَوامِیکَ**: معلوم نہیں یہ کون تھا۔ ویسے جون راج کی تحریروں سے پڑھنے والے پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کشمیری دور میں جتنے بڑے ہندو بڑھے، گویا ہر طرف ہندو حاکموں کی بھرمار تھی۔ اور اگر کوئی مسلمان حاکم تھا بھی تو جون راج نے اس کا نام مسخ کر دیا ہے۔

۲۵۴: **دوار**: حاشیہ ۴۷ا اور ۱۸۲ا دیکھئے۔

۲۵۵: **واک پُشٹ**: غالباً موجودہ کھونہ مُوہ (قدیم کٹی موسا) کا علاقہ۔ ضمناً راجہ توبخین (سال ۲۹۵۰ کل یُگ) کی رانی کا نام بھی واک پُشٹ تھا۔ جو شوھر کے مرجانے پر ستی ہوگئی تھی۔ کلہن کے زمانے تک شمشان بھومی کا نام واک پش تتوی تھا جو موجودہ گاؤں کولگام میں تھا۔ امکان یہ بھی ہے کہ جنگل وہاں پر یہی تھا۔

۲۵۶: **یوگنی**: یعنی جوگن۔ ایک عقیدت مند عورت۔ جوگ والی عورت (جوگ سے مراد ہے ذہنی ادراک، تفکر، ریاضت، ذہنی فکر وادراک سے وجود اعلیٰ (Supreme Being) کے ساتھ اتحاد۔ فلسفیانہ جوگ کا نظام جسے پاتنجلی نے وجود اعلیٰ کے ساتھ مکمل اتحاد ہو جانے کی خاطر ایک طریق کار کے طور پر سکھایا)۔ پارسا عورت۔

۲۵۷: **تاریخ حسن** (جلد۲ص۱۷۱) میں یہ قصہ سلطان شہاب الدّین کے ساتھ منسوب ہے۔ اس کے مولف نے لکھا ہے کہ "بیان کیا گیا ہے کہ شہزادگی کے ایام میں (سلطان شہاب الدّین) شکار کرنے کی خواہش میں پہاڑ کے ایک درے میں آبادی سے دور ہو کر لب تشنہ ہوا۔ اپنے ملازمین میں سے اُس کے ساتھ تین آدمی تھے ایک رائے شردل، دوسرا جنڈا اور تیسرا آختہ جی۔ اچانک پہاڑ کے درے سے **للہ عارفہ** نمودار ہوئی۔ اس نے شہاب الدّین کو دودھ کی ایک پیالی دی۔ شہاب الدین تھوڑا سا پانی کو جنڈا کو دیا۔ اس نے تھوڑا پی کر رائے شردل کو دیا۔ اس نے سارا پی لیا اور آختہ جی کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ للہ عارفہ نے بشارت دی کہ "شہاب الدّین ایک عظیم بادشاہ بن جائے گا۔ جنڈا اور رائے شردل اس کے وزیر اور سپہ سالار بنیں گے۔ آختہ جی کی زندگی چھوٹی ہوگی"۔ جب یہ شہر کی طرف لوٹے تو آختہ جی کا راستے ہی میں انتقال ہوگیا"۔ **واقعات کشمیر** میں آیا ہے (ص ۳۳-۳۴) کہ

''علاء الدّین کا بیٹا سلطان شہاب الدّین والدِ بزرگوار کی وفات کے بعد اُمرای نامدار کے مشورے سے تخت نشین ہوا جو تخت نشین ہونے سے پہلے عالی مرتبہ باپ کے زمانے میں شکار کرنے کے لئے ایک جنگل کی طرف نکل پڑا تھا اور ایک کامل مجذوبہ سے دودھ کی دو پیالیاں پی کر سلطنت کی بشارت پائی تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ مجذوبہ **للہ عارفہ** تھی۔ اس کے ساتھ (یعنی شہاب الدّین کے ساتھ) دو اور رفیق تھے ایک چندر دادا اور دوسرا دشہِ راول۔ اس مجذوبہ نے ان دونوں کو دُودھ کا حصہ دے کر وزارت کی بشارت دی اور کہا کہ اس خبر کو درستی کی علامت یہ ہے کہ سلطان کا آختہ جی، جسے دودھ کا حصہ نہیں ملا ہے گھر پہنچنے سے پہلے ہی مر جائے گا''۔ **تاریخ جدولی** میں یہ داستان نہیں آئی ہے صرف لکھا ہے کہ ''سلطان (شہاب الدین) **للہ عارفہ** کی خدمت میں بھی حاضر ہوا ہے'' **کشمیر سلاطین کے عهد میں** نامی کتاب میں بھی یہ داستان موجود نہیں۔ **مجموع التّواریخ** کے مولف پنڈت بیربل کاچرو نے بھی اس قصے کو سلطان شہاب الدّین کی ذات سے منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''روایت کرتے ہیں کہ تخت نشین ہونے سے پہلے باپ کے عہد حکومت میں شکار کرنے کی خاطر جنگل میں چلا گیا تھا۔ وہاں پر اس کا گزر ایک مجذوبہ عورت کے گھر سے ہوا۔ اس پاک سرشت نے اسے دودھ کی دو پیالیاں پلا کر سلطنت حاصل کرنے کی بشارت دی۔ ہندو طبقے کے دو آدمی ایک روپ چند معروف بہ آرو، اور دوسرا دشہِ عرف راول، اس کے ہمراہ تھے۔ اُن کو بھی دودھ کا حصہ دے کر رتبہ وزارت پانے کا اشارہ دیا''۔ (نسخہ خطی ورق ۵۴)

۲۵۸: پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ جون راج کا اُدیا شِری وہی ہے جو فارسی تاریخوں میں دشہ راوُل کے نام سے مشہور ہے (حاشیہ ۲ صفحہ ۷۴)۔

غالبًا تاریخ حسن کا جنڈا اور رائے شردل، چندر ڈامر اور ادبا شری ہے۔ واقعات کشمیر کا چندرداد، جون راج کا چندرڈامر ہے۔

۲۵۹: **جَیا پیڈ پُور**: یہ جگہ جے پور بھی کہلاتی تھی اور اب یہ سُنبل میں واقع ہے یہی جگہ اندر کوٹ بھی تھی۔ جَیا پیڈ پور، راجہ جیا پیڈ (۷۵۱ء-۷۸۲ء) کا بسایا ہوا ہے جسے اُس نے اپنا پائیہ تخت بنایا تھا۔ حاشیہ ۲۱۰۔

۲۶۰: **شِری رِنچَن پُور**: سلطان صدرالدّین نے غالبًا اسے موجودہ عالی کدل کے قرب وجوار میں بسایا تھا۔

۲۶۱: **بدھ گیر**: سلطان صدرالدّین نے عالی کدل کے قریب وجوار میں غالبًا مشرق کی جانب یہ عمارت ایک سرائے کے طور پر مسافروں کے لئے تعمیر کروائی تھی چنانچہ ابھی بھی وہ سارا محلّہ بودھ گیر ہی کہلاتا ہے۔

۲۶۲: سال ۱۹ عیسوی سال ۱۳۴۳ء اور ہجری سال ۷۴۴ھ کے برابر ہے۔ تاریخ حسن (جلد ص ۴۵۸) میں آیا ہے کہ سلطان علاء الدّین کے عہد میں سال ۷۵۸ھ میں (۱۳۵۶ء) میں بے وقت بارش کی وجہ سے قحط واقع ہوا اور بہت سے لوگ تلف ہوئے۔ علاء الدین کے بارے میں دیکھئے حاشیہ ۱۶۴۔

۲۶۳: **شاھا وَدِین**: مُراد ہے سلطان شہاب الدّین شہمیری۔ **تاریخ حسن** (ج ۲، ص ۱۷۱-۱۷۵) میں آیا ہے کہ **سلطان شهاب الدّین موسوم به شیر آشامک** نے سال ۷۶۱ھ مطابق ۱۴۱۶ بکرمی (۱۳۵۹ء) میں مسندر شاہی پر جلوس کیا۔ تاریخ ہاتفِ غیب بہر سالِ جلوس گفت برگو ''شہنشہ نامی'' (۷۶۱ھ)[مولف نے ان سطور کے بعد شہاب الدین مذکور کا للہ عارفہؒ کے ساتھ ملاقات ہونے کے بعد جس کا ذکر

حاشیہ ۲۵۷ میں ہو چکا ہے لکھا ہے کہ] ’’تخت پر جلوس کے بعد شہاب الدّین نے **جنڈا** کو سپہ سالار کا رُتبہ دیا اور **رائے شردل** کو ملک کی وزارت وانتظام پر اختیار بخشا اور اُس کی حسن تدبیر سے ملک کا باج وخراج اور پرگنہ بندی مقرر ہوئی جو **چغتائی عہد** تک برقرار تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ **ذُوالچو** کی تباہی کے بعد کشمیر کی آبادی میں روز بہ روز ترقی ہوئی لیکن اطراف میں حکومت میں عدم استقلال کی وجہ سے ربط وضبط قائم نہ تھا کیونکہ اطراف کے پرگنوں کے سرکش اور سردار چند گاؤں کو اپنے تصرف میں لا کران پر حکمرانی کرتے تھے اور شہر کے حاکم کے لئے کوئی چیز نذر وتحفہ کے طور پر بھیجا کرتے تھے اور حاکم شہر میں اُن سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی۔ سلطان شہاب الدین نے جب حکومت کا علم لہرایا سرکشوں اور باغیوں کا اس نے قلع قمع کیا اور اور اُن کو ذلیل وخوار کر کے دیکھ دیا۔ جس روز کوئی فتحنامہ نہ آتا اس دن کو وہ اپنی عمر میں شامل نہیں کرتا تھا۔ اس خطۂ دل پذیر کو منظّم کرنے کے بعد کشمیر کے مضافت کو تنظیم وتنسیق دینے کی طرف متوجہ ہوا۔ پہلے بارہ مولہ کے راستے سے **پھکلی، کبر سواد** اور **گھکروں** کے ملک کو مسخر کیا۔ اس کے بعد بھاری فوج کے ساتھ **تبّت** جا کر **کاشغر** کے حکمران کے ساتھ ایک عظیم جنگ کی اور **تبت** اور **اسکردو** کو اس کے تصرف سے نکال کر اپنے قبضۂ اقتدار میں لے آیا۔ وہاں سے گلگت میں آکر **دارُدو** اور اس کے اطراف پر قابض ہوا۔ جنڈا کو عظیم لشکر کے ساتھ **کشتوار** اور **جموں** فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اطراف میں ربط وضبط قائم کرنے کے بعد سال ۷۷۳ھ (۱۳۷۱ء) میں جنگ وجدل کا سامان آمادہ کرنے کے بعد اور فوج کو مستعد کر کے پچاس ہزار سواروں کی اور پانچ لاکھ پیدل سپاہیوں کی بھاری جماعت کے ساتھ بارہمولہ کی راہ سے روانہ ہوا۔ **سید حسن بہادر** کو

جو **حضرت امیر کبیر**ؒ کے چچیرے برادر **سید تاج الدین بیہقی** کے فرزند تھے، امیر لشکر بنا دیا۔ وہ بیس ہزار سواروں اور ایک لاکھ پیادہ سپاہیوں کے ساتھ ہراول کے طور پر آگے آگے جا رہے تھے اور جہاں بھی پہنچتے فتحیاب ہو جاتے تھے جیسے کہ فتوحات کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں تھیں۔

پہلے ہی حملے میں **ملک یوسف زئی** کو زیر کر لیا اور **سواد بجور** اور **پیشاور** فتح کر لئے۔ وہاں سے **کابل** کا رُخ کیا۔ مرزبانِ **کابل سلطان احمد خان** جنگ کے لئے مقابلے میں آیا لیکن شکست کھائی اور سیّد حسن نے اس کا تعاقب کر کے گرفتار کر لیا۔ وہ آٹھ ماہ تک قید میں رہا اور بالآخر سیّد تاج الدّین کی سفارش پر قید سے رہائی پا کر اپنے ملک پر پھر قائم رہا اور سلطان شہاب الدّین اسکی بہن کو اپنے عقد میں لے آیا اور اپنی بہن کو اس کے عقد میں دے دیا اور اس کی بیٹی کو **سلطان قطب الدّین** کے نکاح میں لا کر اُسے سربلندی بخشی۔ وہاں سے جہانگیری کا علم لہراتے ہوئے **بدخشان، لمغان، غزنین، غور، قندھار** اور **ہرات** فتح کئے اس کے بعد **خراسان** کو مسخر کرنے کے لئے یلغار کرتے ہوئے بہت سے ممالک کو اپنے قبضۂ اقتدار میں لے آیا اور **ہندو کش پہاڑ** پر پہنچ کر فوج کو سخت تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے واپسی کا کوچ کرتے ہوئے **سندھ** اور **ملتان** فتح کئے۔ وہاں سے فتحمندی کے علم کو بلند کرتے ہوئے **لاھور** کے قلعہ کا محاصرہ کیا اور بہت سی لڑائیاں لڑنے کے بعد **پنجاب** کے ممالک فتح کر لئے اور تسخیر پنجاب کے بعد **دریائے ستلج** پر خیمے گاڑ دیئے۔ **دھلی** کے بادشاہ **فیروز شاہ** نے یہ خبر سن کر بادشاہِ کشمیر کے مقابلے کے لئے ایک کثیر لشکر روانہ کر دی اور فریقین میں بھاری جنگ ہوئی۔ بالآخر **حضرت امیرِ کبیر** قدس سرّہ کے حکم پر معاملہ صلح

پر ختم ہوا اور **پنجاب** کا ملک **سرھند** کی حدود تک شہاب الدّین کے تصرف میں آ گیا۔ فیروز شاہ کی تین بیٹیاں تھیں۔ حضرت امیرؒ نے تینوں کو سلطان کے اقرباء کے نکاح کے لئے نامزد کیا چنانچہ پہلی بیٹی **حسن خان** (فرزندِ سلطان شہاب الدّین) دوسری بیٹی سلطان قطب الدّین اور تیسری بیٹی **سیّد حسن بہادر** کی مواصلت سے مفتخر ہوئی۔

صاحب وقایع کشمیر لکھتا ہے کہ سلطان شہاب الدین کے فیروز شاہ کے ساتھ جنگ کے دنوں میں جناب امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس سرہ نے اپنے برکت والوں قدموں سے خطۂ کشمیر کو رونق بخشی اور سلطان قطب الدّین نے جو نایبِ سلطنت تھا اُن کی حتی المقدور خدمت کی اور آن جنابؒ نے چار ماہ کے قیام کے بعد واپس جا کر فیروز پور میں سلطان شہاب الدّین کے ساتھ ملاقات کی اور دونوں لڑنے والوں کے درمیان صلح کی تجویز پیش کی۔ تاریخ ہے **مقدم شریف** ۷۷۴ھ (یہ تاریخ حضرت امیر کبیرؒ کے کشمیر میں تشریف لانے کی تاریخ ہے نہ کہ صلح کی تجویز پیش کرنے کی، جس کا یہاں پر مغالطہ ہوسکتا ہے۔ واقعات کشمیر (ص ۳۶) میں بھی یہی تاریخ حضرت امیر کبیرؒ کی تشریف آوری کے سلسلے میں درج کی گئی ہے۔

سالِ تاریخ مقدم اُورا
یابی از مقدمِ شریف اُو

(مترجم ڈاکٹر شمس الدّین)۔ صلح ہو جانے کے بعد فتح و نصرت کا ڈنکا بجا کر اور دور و نزدیک ممالک کے ربط و ضبط کے اقدامات انجام دے کر بادشاہ نے کشمیر واپس جانے کے علم بلند کئے۔ بادشاہ امورِ جہانبانی اور ملکوں اور قلعوں کو فتح کرنے میں بے نظیر تھا اور بدیع و غریب امور کے واقع ہو جانے میں اُس کا عہد عجائب روزگار میں شمار ہوتا ہے۔ جس طرف بھی تسخیر کے ارادے

سے گھوڑے دوڑاتا اُس جگہ کو مسخر کر کے پھر سے اُس کے مالک کو لوٹا کو عطا کرتا تھا۔ ملکوں کو فتح کرنے کے بعد ملک ورعایا کی بہبودی کی خاطر بڑی کوششیں کیں۔ محلّہ **شہاب الدّین پورہ** کو جو اس وقت **شہام پورہ** سے مشہور ہے ساٹھ ہزار لوگوں سے آراستہ کر کے اپنا دارالخلافہ بنایا اور وہاں پر ایک جامع مسجد بھی بنائی جس کی بنیاد ابھی بھی باقی ہے۔ فوج کے بودوباش کے لئے ایک ہزار چھاونیاں تعمیر کیں۔ آخری عمر میں بُت خانوں کو خراب کرنے کا خیال آیا۔ **بجیشور بُت خانہ** کو جو **بیج بھارہ** میں خاصا اونچا تھا، توڑ ڈالا اور شہر کے اندر جہاں کہیں بھی کوئی **بُدھ بت خانہ** موجود تھا اُسے ویران کر دیا۔ سال ۷۷۷ھ (۱۳۷۵ء) میں سیلاب کے باعث دس ہزار گھر ویران ہو گئے اور اسی سال بادشاہ نے اپنے بیٹوں **حسن خان** اور **علی خان** کو، دوسری بیوی کے کہنے پر، جس کا اُن کی ماں کے ساتھ جھگڑا تھا، **دھلی** کی طرف نکال دیا۔ کچھ عرصہ بعد سخت بیماری کی وجہ سے بستر پر دراز ہوا اور حسن خان کو دہلی سے بلوایا۔ ابھی وہ **جموں** ہی پہنچا تھا کہ شہاب الدّین قریب المرگ ہوا اور اپنے برادر **ہِندال معروف بہ قطب الدّین** کو جانشین کر کے انتقال کیا۔ تاریخ ؎

زدربارِ کشمیر چون رخت بست

شہاب ودگر قطب جالیش نشست

۱۹ر سال ۳ر ماہ حکومت میں گزارے۔ **محلہ بلدیمر** میں دریا کے کنارے اس کا مقبرہ، سلطان الدّین العابدین کے مقبرہ سے تیس قدم کی دوری پر شمال کی جانب واقع ہے۔ اس پر ایک سنگین اونچا گنبد بنا تھا۔ رنبیر سنگھ کے اہلکاروں میں سے پرتاب سنگھ نے مذکورہ مقبرہ کو عمارتوں کے نیچے لایا"۔

مجموع التواریخ کے پنڈت بیربل کاچرو وارستہ نے سلطان شہاب الدّین کی شہزادگی کے ایام میں ایک مجذوبہ سے ملاقات ہونے کی داستان کا ذکر کرنے (دیکھئے حاشیہ ۲۵۷) کے بعد لکھا ہے کہ "سلطان شہاب الدین باپ کی وفات کے بعد اکابرانِ وقت کے مشورے سے تخت نشین ہوا اور دونوں رفقاء (بقول مؤلف رُوپ چند اور دشہِ راوُل) کو وزارت دی۔ دشہِ راول فہم وفراست میں بے نظیر تھا۔ باج وخراج اور احکام سلطنت کے رسوم وامور اس طرح سے ترتیب دئے کہ وہ چغتائی دور تک برقرار رہے۔ خود سلطان شہاب الدّین نے ملکی امور کے ربط وضبط میں کمر ہمت باندھ کر پرگنوں اور شہر کے اطراف ونواحی کے اختلافات کو دور کردیا۔ ان سے فراغت پاکر پچاس ہزار جرّار سواروں اور پانچ لاکھ آزمودہ کار پیدل فوج کے ساتھ بارہ مولہ کی راہ سے نکل گیا اور پہکلی، سوادگنر، لغمان، کابل اور بدخشان کو فتح کر کے تبت پہنچا۔ ان ایام میں تبت کی حکومت پادشاہ کاشغر کے ہاتھوں میں تھی اور اُس کے ساتھ عظیم جنگیں کیں اور اس کے ملک کو فتح کرلیا۔ ان علاقوں سے فراغت پاکر کشتوار اور نگرکوٹ کو فتح کرلیا اور پھر ہندوستان کا رُخ کیا۔ ان دونوں دہلی کا فرمان روا فیروز شاہ تھا۔ فیروز شاہ نے سلطان کے آنے کی خبر سن کر مقابلہ کیا اور مردانہ وار لڑائیاں ہوئیں اور کوئی بھی ایک دوسرے پر غالب نہ آیا۔ تب آپس میں صلح کی اور **سرھند** سے اس طرف کشمیر تک کا علاقہ سلطان کے تصرّف میں اور اُس طرف کا علاقہ فیروز شاہ کے قبضے میں رہا۔ وہاں سے لوٹ کر تعمیری کاموں کی طرف متوجہ ہوا۔ کشمیر کے بُت خانوں کو خراب کردیا اور اکثر جگہوں پر ان کو خراب کیا خاص کر بیج بہارہ کے بُت خانہ کو منہدم کردیا جو سب سے بڑا اور وسیع تھا۔ ۱۹ رسال کی مدت حکومت کو انجام تک پہنچانے کے بعد سال ۷۸۰ھ میں (۱۳۷۸ء) موت کی لشکر نے اس

کے شہرِ وجود پر یلغار کر کے اس کی ہستی کی بنیاد کو الٹ دیا''۔

مجذوبہ للہ عارفہ سے ملاقات ہو جانے کا قصہ بیان کرنے کے بعد (دیکھئے حاشیہ ۲۵۷) **واقعات کشمیر** کے مؤلف خواجہ محمد اعظم دِدّمری لکھتا ہے (ص ۳۳-۳۴) کہ ''سلطان علاء الدّین کا بیٹا شہاب الدّین اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا اور وزارت کا عہدہ دونوں رفیقوں کو دیا۔ دشہ راوَل ملکی امور کی تدابیر میں پیش قدم تھا۔ رسوم سلطنت اور باج و خراج کے اکثر امور اسی کے مقرر کئے ہوئے ہیں جو سلاطین چغتائیہ کے دور تک باقی تھے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ سلطان شہاب الدّین نے ایسی حکومت کی اور جگہوں اور قلعوں کو فتح کیا کہ ماضی و حال کے مؤرخوں نے مبالغہ نویسی اور اغراق گوئی کی تہمت کے خوف سے اُن کو بیان کرنے سے اپنے ہاتھ اور ان کی تفصیل لکھنے سے قلم روک دئے۔ بدیع اور غریب امور کے ظاہر و صادر ہونے کی وجہ سے اس کا زمانہ عجائب روزگار میں سے تھا۔ ۱۹ رسال تک حکومت کی۔ پرگنوں کی جہاں خلل واقع ہوا تھا، اصلاح کی۔ سرکشوں کو قتل کیا۔ اہلِ تاریخ نے لکھا ہے کہ کشمیر کو نظم و ضبط دینے کے بعد سُلطان، بارہ مولہ کی راہ سے پچاس ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیدل فوجیوں کے ساتھ نکل پڑا اور **پکلی، دمتور** اور **سواد کبر** کو فتح کیا اور لغمان و کابل کو بھی اپنے تصرف میں لایا اور بدخشاں کو فتح کر لیا۔ وہاں سے تبّت گیا جو کاشغر کے بادشاہ کے ہاتھوں میں تھا۔ عظیم جنگوں کے بعد جن میں کار آزمودہ لوگ کام آگئے، تبّت کو اپنے کہنہ تصرّف میں لے آیا۔ اس کے بعد کشتواڑ اور نگر کوٹ کو فتح کیا ور پھر ہندوستان کا رُخ کیا۔ ان دنوں دہلی کا بادشاہ فیروز شاہ تھا۔ لشکر کشی کر کے اس نے سلطان کے ساتھ عظیم جنگیں اور لڑائیاں لڑیں۔ طرفین نے دلاوری و شجاعت کا مظاہرہ کرنے میں کوئی کمی نہیں کی لیکن کوئی کسی پر غلبہ نہ پا سکا۔

سرہند سے کشمیر تک سلطان شہاب الدّین اور اس طرف کا علاقہ فیروز شاہ کے لئے مقرر ہو جانے کی صلح کے بعد سلطان کشمیر لوٹ آیا۔ یہ حکایت تمام تواریخ میں بیان کی گئی ہے سوائے صاحب تاریخ دھلی کے جو فیروز شاہ کے حالات میں ہے، اور اس نے اس قصے کی طرف مطلق کوئی توجہ نہیں کی ہے۔ بہر حال واپس آکر **شہاب الدین پورہ** کو پائے تخت قرار دیا اور وہاں پر ایک بڑی جامع مسجد بنائی۔ اس مسجد کی بنیاد ابھی بھی موجود ہے لیکن پائے تخت کی کوئی نشانیاں موجود نہیں۔ سلطان نے بہت سے تبخانوں کو منہدم کیا۔ بیج بہارہ کے تبخانے کو جو زیادہ بڑا تھا ویراں کر کے کفر اور کافروں کی تذلیل کی۔ سال ۷۸۰ھ (۱۳۷۹ء) میں موت کی لشکر نے سلطان کے شہرِ وجود کا رُخ کیا اور محلّہ بلدیمر میں دریائے جہلم کے کنارے پر سونے کی جگہ پائی۔ (گویا موجودہ مہاراج گنج کا علاقہ مؤلف کے زمانے میں بلدیمر (عالی کدل محلے) میں تھا)۔ اس کے بعد اس کے قریب سلطان زین العابدین کے مزار کی تعمیر ہوئی۔ سلطان شہاب الدّین کی قبر پر ایک اونچا گنبد نصب ہوا۔ اس وقت مزار کے اطراف کا سارا حصہ لوگوں کی عمارتوں کے نیچے آ گیا ہے اور سوائے گنبد کی جگہ کے اور کچھ نہ رہا۔ گنبد کا ایک طرف گر چکا ہے"۔

تاریخ جدولی (اُردو ترجمہ ص ۱۱۱-۱۱۲) میں آیا ہے کہ "سلطان شہاب الدّین مدت حکومت ۱۹/سال ۳/ماہ ۷۶۰ھ (۱۳۵۹ء-۱۴۱۶ بکرمی) شیرا شامک کے نام سے مشہور تھا۔ کئی علاقوں کو فتح کر لیا۔ اس کے زمانے میں ۷۷۴ھ میں بانی مسلمانی کشمیر حضرت امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانیؒ پہلی مرتبہ وارد کشمیر ہوئے۔ سلطان، للہ عارفہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا ہے اور شہاب الدّین پورہ اسی کا آباد کیا ہوا ہے جس میں سات ہزار گھرانے آباد کئے گئے تھے۔ محلّہ بلدیمر میں جو مزار سلاطین کے شمال میں واقع ہے دفن کیا گیا"۔ [یہ

تھے بعض مشہور مقامی فارسی تواریخ سے اہم اقتباسات جن میں مجموعی طور پر چند معمولی سے اختلافات سے قطع نظر شہاب الدین سلطانِ کشمیر کے حالات وفتوحات کے بارے میں یکسانیت وہم آہنگی موجود ہے۔ اب ہم دیگر مورخین کی رائے اور نظریات کو بیان کریں گے]۔

کشمیر سلاطین کے عہد میں نامی کتاب میں پروفیسر محبّ الحسن کا بیان ہے کہ ''سلطان شہاب الدین (۱۳۳۷ء-۱۳۵۴ء) علاء الدّین کے بیٹے اور جانشین شیر آشامک کے متعلق اس سے زیادہ کچھ اور نہیں معلوم نہیں کہ حکومت کے انتظام میں وہ اپنے باپ کا شریک کار تھا۔ تخت نشین ہونے پر اس نے شہاب الدّین کا لقب اختیار کیا۔ وہ بڑا جان باز اور طاقتور تھا اور قرب وجوار کی مملکتوں پر اپنا اقتدار جمانے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ لیکن اقتدار کی جنگ شروع کرنے سے پہلے اس نے ملک میں اپنی حیثیت کو مستحکم کرنا زیادہ ضروری سمجھا۔ ذُوالجو کے حملہ کے بعد کی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر جاگیرداروں نے خودمختاری کا اعلان کردیا تھا اور بڑے مضبوط قلعے بنوا لئے تھے۔ شہاب الدّین کے پیشروؤں نے ان میں سے کئی ایک کو مغلوب کرلیا لیکن اب بھی کئی سردار ایسے موجود تھے۔ جو خراج دینے سے انکار کرتے تھے اور حکومت کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ شہاب الدّین نے سب سے پہلے ان پانچ سرداروں کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ کرلیا جنھوں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کیا۔ اُس نے ان کو قتل کردیا لیکن جنھوں نے وفادار رہنے کا وعدہ کیا ان کو اس نے معاف کردیا اور جب اس کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ اس کی غیر موجودگی میں وادی میں کوئی خلل پیدا نہ ہوگا تو وہ ان علاقوں کو تسخیر کرنے چلا جو کبھی مملکت کشمیر میں شامل تھے۔

کشمیر کی تاریخوں میں لکھا ہے کہ شہاب الدین نے **بارہ مولہ** کے

راستے سے فوج کشی کی اور **پکھلی** اور **سوات** پر قبضہ کرلیا۔ پھر اس نے **ملتان، لغمان، کابل، غزنی، قندھار** پر حملہ کیا اور ان پر ایک ایک کر کے قبضہ کیا۔ (میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۵ ب۔ ۵۷ الف، بہارستان شاہی ورق ۱۲۰/الف۔ ۲۱ ب، حیدر ملک ورق ۱۰۸ ب) پھر اس نے **کوہ ہندوکش** کو پار کر کے **مدخشان** پر حملہ کیا۔ (حیدر ملک ورق ۱۰۸ ب۔ بعد کی تاریخوں میں **ماوراء نہر** کو بھی شامل کرلیا گیا ہے) اس کے بعد اس نے **گلگت** اور **داردو** کی طرف قدم بڑھائے۔ **کاشغر** کا حکمران جس کی حکومت میں یہ صوبے شامل تھے شہاب الدّین کے حملے کی خبر سن کر ایک عظیم لشکر لے کر چل پڑا۔ **لداخ** میں اس سے مقابلہ ہوا اگر چہ کشمیری فوج کاشغر کی فوج سے تعداد میں کم تھی لیکن کامیاب رہی۔ اسی طرح **بلتستان** اور **لداخ** پر قبضہ ہوگیا۔ اسی دوران میں شہاب الدین کے ایک فوجی سردار ملک حیدر نے **کشتواڑ** اور **جموں** کو فتح کرلیا (بہارستان شاہی ورق ۲۶ الف۔ ۲۱ الف، حسن ورق ۱۰۵ ب، ۱۰۶ ب، طبقات اکبری جلد ۳ رص ۴۲۸)۔ دوسری طرف شہاب الدّین نے لداخ سے **نگر کوٹ (کانگڑہ)** کی طرف کوچ کیا اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد **ستلج** کے میدان میں خیمہ زن ہوا۔ یہاں ۱۳۶۱ء میں نگرکوٹ کے راجہ **ادک پتی** سے اس کی لڑائی ہوئی جو حال ہی میں **فیروز شاہ تغلق** کی مملکت پر حملہ کر کے کثیر مال غنیمت لے کر لوٹا تھا شہاب الدّین نے اس کو شکست دی اور اس کو مال غنیمت سپرد اور اس کی حکومت تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔ (میونخ قلمی ورق ۵۶ الف، یون راج ص ۳۹، طبقات اکبری ج ۳ رص ۴۲۸)۔ اس کے بعد پچاس ہزار سوار اور پچاس ہزار پیدل سپاہ لے کر وہ **دھلی** کو فتح کرنے کے لئے چل پڑا۔ فیروز شاہ تعلق نے ستلج کے کنارے اس کا مقابلہ کیا۔ یہ

جنگ فیصلہ کن ثابت نہ ہوئی اس لئے ان کو صلح کرنی پڑی۔ اس صلح سے **سرھند** سے لے کر کشمیر تک کا علاقہ شہاب الدین کو ملا اور بقیہ مشرقی علاقہ فیروز شاہ کی مملکت میں رہا۔ (بہارستان شاہی ورق ۱۲۸ الف، حسن ۱۰۶ ب، حیدر ملک ۱۰۸ ب، ۱۰۹ ب) اس سے فیروز شاہ کی دو لڑکیاں شہاب الدّین اور اس کے بھائی قطب الدین سے منسوب ہوئیں اور شہاب الدّین کی لڑکی شادی فیروز شاہ سے ہوئی۔ (نوادرالاخبار ورق ۱۱۲۸الف، گوھر عالم ورق ۱۱۱۳الف۔ب) یہ شہاب الدّین کی آخری فوج کشی تھی۔ اس کے بعد وہ کشمیر واپس آیا اور اپنی حکومت کے بقیہ نو سال ملک میں اصلاح کے کام میں مشغول رہا۔

شہاب الدّین کی فتوحات کا ذکر کشمیر کی تاریخوں میں بڑی مبالغہ آرائی سے آیا ہے اور ان کی کوئی معاصر سند بھی نہیں ملتی۔ جس طرح دو صدی پہلے کلہن نے اپنے ہیرو للتادتیہ کے فوجی کارناموں کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا تھا۔ اسی طرح یون راج اور دوسرے کشمیری مورخین شہاب الدّین کے کارناموں کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس بات کی کوئی بھی شہادت نہیں ملتی کہ شہاب الدّین نے کوہِ ہندوکش کو پار کر کے اس کے آگے کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ واقعہ تو یوں ہے جیسا کہ فرشتہ اور نظام الدّین لکھتے ہیں پہاڑ کو پار کرنے کی مشکلات کو سمجھ کر وہ وہاں سے واپس لوٹ آیا (میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۵ب۔۵۶الف، بہارستان شاہی ورق ۲۰ب۔۲۱ب، حیدر ملک ورق ۱۰۸ب، سیّدعلی نے تاریخ کشمیر میں ان فتوحات کو سیّد علی ہمدانی کے بھیجے تاج الدّین کے بیٹے سید حسن سے منسوب کیا ہے)۔ اسی طرح یہ دعویٰ کہ سلطان نے کابل، غزنی اور قندھار کو فتح کیا ناقابلِ قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اس کی فتوحات کا رقبہ اس سے کم تھا اس کے

مفتوحہ علاقوں میں مشرق میں گلگت دردستان، بلستان، شمال کی طرف لداخ جنوب میں کشتواڑ جموں، چمبہ اور دوسری دوسری پہاڑی ریاستیں، اور مغرب میں پنجاب کا جنوبی اور مغربی علاقہ اور ضلع پشاور شامل تھا۔ جہاں تک شہاب الدّین کے ساتھ فیروز شاہ کے تعلقات کا تعلق ہے یہ ممکن ہے کہ دونوں میں اس وقت ملاقات ہوئی ہو اور آپس میں صلح ہوئی [جرنل آف رایل ایشاٹک سوسائٹی ج ۱۸/ (۱۹۱۸ء) ص ۴۵۳۔ شہاب الدّین کی راجہ نگرکوٹ اور فیروز شاہ سے ملاقات کی تاریخ ذرا غیر واضح ہے۔ فیروز شاہ کے دور حکومت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملاقات ۱۳۶۰ء یا اس کے بعد ہوئی ہوگی کیونکہ اس سے پہلے فیروز کہیں اور مصروف تھا۔ (منتخب التواریخ ج ۱/ ص ۳۲۷۔۳۳۰) لیکن یہ مشکل جون راج کے بیان سے پیدا ہوتی ہے کہ ۱۳۶۰ء میں کشمیر میں سیلاب آیا تھا اور اس زمانہ میں شہاب الدّین سری نگر میں موجود تھا عین ممکن ہے کہ سیلاب کے فوراً بعد شہاب الدّین فیروز شاہ سے ملنے آیا ہو، اس کا مطلب ہے کہ دونوں کی ملاقات ۱۳۶۰ء سے پہلے ہوئی ہو لیکن یہ ناممکن ہے کیونکہ دہلی کے سلطان کے سفر سے یہ ثابت نہیں ہوتی، ہوسکتا ہے کہ سیلاب یون راج کے قول کے خلاف ۱۳۶۰ء میں نہیں بلکہ ۱۳۶۲ء میں آیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شہاب الدّین اور فیروز شاہ کی ملاقات اوائل ۱۳۶۰ء میں ہوئی ہو اور اس کے بعد سیلاب کے زمانے میں شہاب الدّین سری نگر واپس ہوا ہو]۔ جب کہ شہاب الدّین، نگرکوٹ کے راجا کے خلاف فوج کشی کر رہا تھا لیکن اس کی کوئی مستند شہادت نہیں ملتی کہ کشمیر اور دھلی کے سلاطین میں کوئی جنگ ہوئی تھی اور آپس میں شادی بھی ہوئی تھی۔ [نہ تو یون راج اور نہ فیروز شاہ کے عہد کی کسی تاریخ میں جنگ اور شادی کا حوالہ ملتا ہے بہارستان شاہی اور حیدر ملک کی تاریخ میں رشتۂ ازدواج کا حوالہ نہیں ہے۔ صرف کشمیر

کی بعض تاریخوں میں اس کے سندھ اور کابل کے حکمرانوں سے رشتۂ ازدواج کا حوالہ ملتا ہے لیکن یہ سب روایتیں قصہ ہیں]۔

شہاب الدین نہ صرف ایک آزمودہ کارسپاہی تھا بلکہ ایک قابل حکمران بھی تھا اور حکومت کا انتظام عدل وانصاف اور استقلال سے کرتا تھا لیکن اس کا حکم بڑا ظالمانہ تھا جو کئی سال تک جاری رہا کہ مہینے میں سات دن ہانجیوں (ملاح) کو کسی مزدوری کے بغیر بادشاہ کی خدمت کرنی ہوگی۔ (بہارستان شاہی ورق ۱۹۔الف، حسن ۱۰۳۔الف، حیدر ملک ۱۰۷۔الف) باج کی وصولی میں عوام پر بڑی سختی ہوتی تھی (حیدر ملک ورق ۱۰۷۔ب) لیکن وہ علماء کی سرپرستی کرتا تھا اور اس نے کئی مدرسے کھولے جہاں قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ (نوادر الاخبار ورق ۲۹۔الف، گوھر عالم ورق ۱۱۰۔ب)۔اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کرتا تھا اور فارسی کے مورخین کا یہ کہنا کہ اپنی حکومت کے آخری دور میں اس نے بت شکنی سے دلچسپی لی غلط ہے۔ جون راج پرانا اور معتبر مورخ ہے۔اس کا یہ بیان ہے کہ جب جنگ کے کثیر اخراجات کی وجہ سے خزانہ خالی ہوگیا اس کے وزیر **اُودیے شِری** نے بدُھ کی پیتل کی مورتی کو پگھلا کر سکہ بنانے کا مشورہ دیا۔ تو سلطان نے خفا ہوکر جواب دیا: ”گذشتہ نسلوں نے ان دیوتاؤں کی مورتیاں نصب کر کے عزت وافتخار حاصل کیا اور تم ان کو گرادینے کے مشورہ دیتے ہو۔ کچھ لوگ تو ان کو نصب کر کے مشہور ہوئے، کچھ لوگوں نے ان کی پرستش کر کے عزت پائی کچھ لوگوں نے ان کی نگہداشت کی اور کچھ لوگ ان کو گرا کر اپنا نام پیدا کریں یہ کتنی سنگین بداخلاقی ہے“ [جون راج ص ۴۴]۔

اپنے والد اور چچا کی طرح شہاب الدین نے بھی ایک نیا شہر بسایا۔یہ جہلم اور سندھ کے خوبصورت سنگم کے پاس تھا اور اس کے نام سے **شہاب**

الدّین پور سے موسوم تھا۔ اس شہر میں اُس نے ایک مسجد تعمیر کرائی اور عوام کی خاطر باغات اور تفریح گاہیں بنوائیں (جون راج ۴۲، میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۶۔ب، بہارستان شاہی ورق ۲۱۔ب) شہاب الدّین پور اب شادی پور کے نام سے مشہور ہے۔ اسی اثنا میں ۱۳۶۰ء میں کشمیر میں زبردست سیلاب آیا جس سے سارا سری نگر کا شہر گھر گیا تھا۔ بہت سی جانیں تلف ہوئیں اور مال واسباب برباد ہوا اور سلطان کو ایک پہاڑی قلعہ میں پناہ لینی پڑی تھی۔ پانی گھٹنے کے بعد اس نے **کوہ ماران** پر ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی تاکہ یہ سیلاب سے محفوظ رہے اور اپنی **رانی لکھشمی** کے نام پر اس کا نام **لکھشمی نگر** نام رکھا۔ سلطان نے ایک اور شہر **شہاب پور** بسایا جو اب **شیام پور** کہلاتا ہے۔ (یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ شہام پور کہلاتا ہے اور سرینگر میں نوھٹہ کے متصل ملہ کھاہ کی طرف واقع ہے۔... مترجم ڈاکٹر شمس الدین احمد) اور سری نگر کا ایک حصہ ہے۔ اس نے بہت سی مسجدیں اوز خانقاہیں بھی تعمیر کرائیں۔

شہاب الدّین بڑا مردم شناس تھا اور اپنی حکومت میں ان ہی لوگوں کو ملازم رکھتا تھا جو اپنی لیاقت اور دیانت داری کے لئے مشہور ہوتے تھے۔ اس کو اپنے وزیر **اودے شری** اور **کوٹہ بھٹ** پر بڑا اعتماد تھا [جون راج ص ۴۱۔ بہارستان شاھی ورق ۲۱۔الف، جون راج کا اودے شری وہی ہے جو فارسی تاریخوں میں دشہ راول کے نام سے مشہور ہے] اودے شری اس کا وزیر اعلیٰ اور وزیر مال تھا [حسن ۱۱۵،الف] لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد کوٹہ بھٹ نے دنیا کو تیاگ دیا اور جنگل میں رہنے لگا۔ اس کے فوجی سرداروں میں **ملک چندر، شورلولک** اور **اچل رینہ** تھے۔ موخرالذکر رام چندر کی نسل سے تھا۔ سلطان نے اس کو موضع چاڈر بطور جاگیر عطا کیا تھا۔

[جون راج ص ۳۸۔۴۱، جون راج کا چندر ڈامر بہارستان شاہی کا ملک چندر اور حیدر ملک کا چندر دار ہے۔ شور لولک فارسی تاریخوں کا شرادل ہے، بہارستان شاہی ورق ۲۱۔ب، حسن ورق ۱۰۷۔الف، حیدر ملک، ورق ۱۰۹۔الف، نوادر الاخبار میں سیّد حسن ابن سیّد تاج الدّین جو سید علی همدانی کا بھتیجا تھا اس کا نام بھی سلطان کے فوجی سرداروں میں درج ہے]۔

شہاب الدّین کے آخری ایام اچھے نہیں گذرے۔ اس کو اپنی ملکہ لکشمی کی بہن کی لڑکی **لاسہ** سے تعلق پیدا ہو گیا تھا جس کو اس کی ملکہ نے پرورش کیا تھا۔ وہ بڑی حسین اور زیرک تھی۔ اس نے اپنی چال سے سلطان اور ملکہ میں علیٰحدگی کرادی اور پھر اس کے دونوں لڑکوں حسن خان اور علی خان کو جلاوطن کرا دیا۔ لڑکوں کی جدا سلطان پر بہت شاق گذری لیکن لاسہ کی وجہ سے وہ اپنے حکم کو منسوخ نہیں کر سکتا تھا۔ بہر حال اپنی موت سے قبل ۱۳۷۳ء میں اس نے اپنے لڑکوں کو جو دہلی میں مقیم تھے سری نگر واپس آنے کو لکھا۔ اس حکم کو صرف حسن نے مانا لیکن اپنے باپ کی زندگی میں اس سے ملاقات نہ کر سکا (یون راج ص ۴۷۔۴۸، میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۹۔الف]۔ **آئین اکبری** میں ابوالفضل نے سلطان شہاب الدّین کے بارے میں مختصر جملہ تحریر کیا ہے:

''سلطان شہاب الدّین نے چراغِ آگہی روشن کیا اور عدل وانصاف کے علم لہرائے۔ اس نے نگرکوٹ اور تبت اور دیگر ممالک پر غلبہ پایا''۔

کنگڈم آف کشمیر کے مولف ایم ایل کپور نے لکھا (ص ۱۲۵۔۱۲۶) ہے کہ ''علاء الدّین کے بعد اُس کا بیٹا **شیر آشامک** بادشاہ بن گیا اور **شہاب الدّین** کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ (۱۳۵۴ء۔۱۳۷۳ء)۔ وہ ایک عظیم فاتح تھا اور اس نے کشمیر کے شمالی، شمال مغربی اور جنوبی علاقوں کو زیر کر لیا۔ لیکن فتوحات کے کردار کا مظاہرہ کرنے

سے پہلے اس نے اپنے ملک کی حیثیت کو مستحکم بنانے کی طرف توجہ دی۔ سلطنتِ سلاطین کے قائم ہو جانے سے پہلے بہت سے جاگیردار سرداروں کو، جو سرکش اور باغی ہو چکے تھے، **شاہ میر** اور اس کے جانشینوں نے زیر کر لیا۔ لیکن اُن میں سے کچھ ابھی سر اٹھائے ہوئے تھے۔ اس لئے شہاب الدّین نے اُن کو سزا دینے کے لئے مہم شروع کی اور ان کو خاک نشین بنا دیا۔ اندرونی نظم وضبط کو برقرار کرنے کے بعد اس نے دوسرے ممالک کی طرف اپنی فوجوں کو حرکت دی۔

سلطان شہاب الدین کی فوج پونچھ، راجوری، بُدھل کے پہاڑی علاقوں اور مظفر آباد اور بارہ مولہ کے آدمیوں پر مشتمل تھی۔ فوجوں کی کمان **سیّد حسن بہادر**، **اچل یا عبدل رینہ** اور ڈامر سرداروں **چندر**، **شُور** اور **لُول** کے ہاتھوں میں تھی۔ ان فوجی سرداروں اور فوجوں کے ساتھ شہاب الدّین ایک لمبے سفر اور دشوار مہم پر روانہ ہوا۔ ''آہو چشم عورتیں'' جون راج کہتا ہے ''اُس کے دل کو اپنی طرف نہ کھینچ سکیں، نہ ہی شرانجوری کی لذت اور نہ ہی چاندنی راتیں''۔ لیکن سلطان کو فوج کے ساتھ چلتے رہنا اس قدر پسند تھا جس قدر ایک مرد کو جوان عورت ہوتی ہے۔ نہ ہی گرمی وسردی، نہ ہی شام یا رات اور نہ ہی بھوک یا پیاس اُس کے فوجی سفر کو روک سکے۔ یہ صاحب افتخار سلطان جب فوج کے ساتھ چل پڑا تو غیر قابل عبور دریاؤں، نارسا پہاڑوں اور بنجر ریگستانوں کو پار کرنے میں اسے کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی''۔ جون راج کی دی ہوئی اطلاعات کے مطابق، جن کا تنقیدی دقت کے ساتھ عالموں نے مطالعہ کیا ہے، شہاب الدّین نے اول اپنی مہم کا آغاز ان علاقوں کے خلاف کیا جو سندھ اور دریا کے درمیان کشمیر کے شمال میں واقع تھے۔ اس کے نتیجے میں **اُدبندہ پور**، یا **اٹک** کے قریب

اُند، سندھو یا سندھ کے اوپر کا علاقہ اور **گندھارا** زیر کر لئے۔ **سروَتریُوں** اور **کھشتَریوں** کے پہاڑی قبائل اور **سنگھا (جموں** کے علاقے کا **چنتَس**) نے بھی اس کے اقتدار کو قبول کر لیا۔ اس کے بعد اس نے **غزنی** کو ڈرایا دھمکایا اور **پُرشویر** یا **پشاور** کو غارت کر دیا۔ **ناگز گرھر** یا موجودہ **جلال آباد** کو راستے میں زیر کر لینے کے بعد وہ **ہِندو گھوش** یا **ھندوکش پہاڑ** کے نشیب میں پہنچ گیا۔ وہاں سے پھر جنوب کی طرف بڑھنے کی خاطر کشمیر لوٹ آیا۔ جنوب میں شہاب الدّین پہلے **تَدرُو** یا **ستلج** پہنچ گیا۔ وہاں اس نے **ادک پتی** "شمال کے رئیس" کا سامنا کیا، جو غالباً ایک منگول حملہ آور تھا اور جو دھلی کو لُوٹ کر لوٹ رہا تھا، اور اُسے مال غنیمت تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد اس نے **سشَرم پور** یا نگرکوٹ کے راجہ پر حملہ کیا جس نے قلعہ چھوڑ کر **دیوی** کے مندر میں پناہ لی۔ آخر میں اس نے **بھوٹوں** کے ملک یعنی **لدّاخ** کا رُخ کیا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کو پار کر کے ہی لوٹ آیا۔

کشمیر کی فارسی تاریخیں شہاب الدین کے ساتھ کئی اور فتوحات کو منسوب کرتی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس نے پہلے **پکھلی** اور **سوات** کو مسخر کیا اور اس کے بعد **سندھ** کے جام کو شکست دی۔ اس کے بعد **کابل، قندھار، ھرات، بدخشان** اور **خراسان** کو یکے بعد دیگرے فتح کر لیا۔ **گلگت، بلتستان، لدّاخ، کشتواڑ** اور **مدرون** کا علاقہ (**جموں**) بھی اس کے بعد مسخر ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان شہاب الدّین کی سب سے زیادہ یادگاری مہم دہلی کے **فیروز شاہ تغلق** کے خلاف تھی۔ دونوں کی جنگ، کہا گیا ہے، **ستلج دریا** کے کناروں پر ہوئی لیکن کسی نے بھی فیصلہ کن فتح نہیں پائی۔

بالآخر آپس میں صلح کرلی جس کے مطابق فیروز شاہ نے **سرہند** سے لے کر **کشمیر** تک پھیلے ہوئے علاقے پر شہاب الدّین کا اقتدار قبول کرلیا۔ شادی بیاہ کے روابط بھی قائم ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ فیروز شاہ نے شہاب الدین اور اُس کے بھائی قطب الدّین کو اپنی ایک ایک بیٹی نکاح میں دے دی جب کہ شہاب الدین نے اپنی بیٹی کا نکاح فیروز شاہ سے کردیا۔

لیکن کوئی تائیدی شہادت موجود نہیں جس سے تصدیق ہو پائے کہ شہاب الدین نے کبھی کابل، قندھار اور ہرات پر قبضہ کرلیا ہو یا ہندوکش کو عبور کیا ہو۔ شہاب الدّین کے ہاتھوں سندھ کے جام کی شکست ہونا بھی غیر مصدقہ ہے بلکہ کہا جاتا ہے کہ **جام** کا لفظ دراصل **تاریخ فرشتہ** میں الحاقی ہے جس سے سندھ کشمیر روابط کی غلط بیانی ہوئی ہے۔ حقیقت میں یہ لڑائی **سندھو** یا بالائی سندھ کے علاقے کے حکمران کے ساتھ ہوئی ہے نہ کہ سندھ کے جام کے ساتھ۔ شہاب الدین کے فیروز شاہ کے ساتھ روابط کے بیان کو آسانی کے ساتھ مورخ کے خیال خاطر کی حیثیت سے ردّ کیا جاسکتا ہے۔ تعلق کی تاریخ کا حتی کہ ایک بھی مآخذ ان روابط کا ذکر تک نہیں کرتا۔ بہرحال شہاب الدّین نے جو بھی علاقے فتح کرلئے اُن کو اس نے وہاں پر اپنی براہ راست حکومت قایم کرنے میں دشواریوں کا سامنا کرنے کی وجہ سے ان کے اصلی حکمرانوں کو واپس کردیا۔

شہاب الدّین نے نہ صرف ایک عظیم فاتح کی حیثیت سے بلکہ ایک کامیاب منتظم کی حیثیت سے بھی اپنا نشان باقی چھوڑا۔ بڑے بڑے جاگیردار، کیا ہندو کیا مسلمان، جو لوگوں پر ظلم کرتے اور قانون شکنی کیا کرتے تھے، زیر کرلئے گئے۔

سال ۱۳۶۰ء میں کشمیر نے ایک تباہ کن سیلاب دیکھا اور اہل کشمیر کو سخت مصیبتیں اٹھانا پڑیں۔ جون راج کے مطابق ''کوئی درخت، کوئی حد بندی، کوئی پل اور کوئی گھر سیلاب کی راہ میں نہ آیا جسے اس نے تباہ نہ کیا ہو''۔ سلطان نے نہ صرف سیلاب سے متاثر ہوئے لوگوں کی مدد کی بلکہ آئندہ نقصان کو روک دینے کے لئے اس نے **کوہ ماران یا هاری پربت** کے نزدیک بلند سطح پر ایک نیا شہر بنایا جس کا نام اس نے اپنی ملکہ لکشمی کے نام پر **لکشمی نگر** رکھا۔

اس نے مسلمان اور ہندو رعایا میں کوئی تفریق نہیں کی اور ہندوؤں کے ساتھ رواداری برتی۔ جب اس کے چند ہندو افسروں نے باغیانہ روش کا مظاہرہ کیا تو اس نے اُن کو برطرف کر دیا لیکن بعد میں اُن کو بحال کر دیا۔ لیکن کشمیر کے مورخین اُس پر کچھ ہندو مندروں کو خراب کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔ علوم کو ترقی دینے کے لئے اس نے کئی مدرسے کھولے۔ لیکن شہاب الدّین کے بعض اقدام بے شک لوگوں کی بہبود کے حق میں نہیں تھے۔ باج نامی مالیات نے مثلاً لووں کو سخت متاثر کیا۔ ویسے ہی ہانجیوں یا ملاّحوں سے اس کا یہ تقاضا کہ وہ سات دنوں تک ہر ماہ اس کے لئے مفت کام کریں ایک ظالمانہ اقدام تھا۔

شہاب الدّین کی شام زندگی اُس کی ملکہ لکشمی کی بہن کی لڑکی **لاسہ** کے ساتھ عشق میں گذر گئی۔ وہ نہ فقط حسن و جمال میں نادرہ روزگار تھی بلکہ غیر معمولی زیرک بھی تھی۔ سلطان پر اپنی دل کشی کا جال ڈال کر اُس نے آسانی کے ساتھ اس کو پھنسا لیا اور اس کے بعد اُسے ملکہ سے الگ کرنے کی کوشش کی۔ ایک روز اُسے کہا: ''میری نسبت آپ کی توجہ کو برداشت نہ کرتے ہوئے آپ کی ملکہ مجھے تباہ کرنے کے اقدامات کر رہی ہے۔ اپنے

جاسوسوں کے ذریعے وہ مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہے اور دشمنی سے کام لیتے ہوئے اُس نے **اُدیاشری** (سلطان کا ایک وزیر) کو جو اپنی خدمات کی راہ سے اُس کا منظورِ نظر بن چکا ہے، مجھ پر جادو کرنے کی ہدایت دے رکھی ہے''۔ سلطان نے بہرحال لاسہ کے خدشات کو دور کرنے کی کوشش کی۔ اُس نے اُسے کہا کہ: ''اُدیاشری ایک منکر خدا آدمی ہے اور راسخ العقیدہ نہیں ہے وہ کبھی بھی جادوگری سے کام نہیں لے گا'' لیکن لاسہ اپنی بات پر ڈٹی رہی۔ تب سلطان نے اپنی بات کی سچائی کو اس پر واضح کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے اپنے خزانے کو، جو جنگوں اور سیلاب پر بھاری اخراجات کی وجہ سے خالی ہو چکا تھا، پھر سے آباد کرنے کے وسائل کے بارے میں اُدیاشری سے مشورہ کیا۔ سلطان نے اپنی طرف سے **جیشوری** یا **وِجیشوری مندر** کے بُت کو پگھلانے کی تجویز پیش کی تا کہ اس کے دھات سے آبادی حاصل ہو جائے۔ اُدیاشری نے اُسے نہ فقط یہ بُت پگھلانے کا بلکہ بُدھ کا عظیم بُت پگھلانے کا بھی مشورہ دیا۔ اس پر خفا ہو کر سلطان نے اُسے کہا: ''پرانی نسلوں نے شہرت اور ستایش پانے کی خاطر بُت نصب کئے اور تم ان کو گرانے کا مشورہ دیتے ہو۔ بعضوں نے دیوتاؤں کے بُت لگا کر شہرت پائی، بعضوں نے اُن کی پوجا کرنے سے، بعضوں نے اُن کو رکھ لینے سے اور بعضوں نے ان کو گرا دینے سے۔ ایسا کرنا کتنا بڑا جرم ہے!''۔

لیکن درپردہ چالوں سے لاسہ نے اپنی بات منوالی اور ملکہ کی مع اُس کے دو بیٹوں حسن خان اور علی خان کی جلاوطنی کرانے میں کامیاب ہوگئی۔ اس سے سلطان بہت غمزدہ ہوا۔ بہرحال کم ہی عرصے کے بعد جب کہ اپنے بیٹوں کی جدائی کے درد کی ٹیس سلطان کے لئے ناقابل برداشت بن گئی، اس نے انہیں

دہلی سے جہاں پر وہ تھے، لوٹ آنے کا پیغام بھیج دیا۔ حسن خان نے فوراً ہی اپنے والد کے بلاوے پر عمل کیا لیکن اُس کے پہنچنے سے پہلے ہی سلطان وفات پا چکا تھا۔

شہاب الدّین بیشک کشمیر کا ایک عظیم حکمران تھا۔ اسکی فوجی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے جون راج کہتا ہے "دوسرے ملکوں کو فتح کرنے کی اُس کی مسلسل مساعی میں اُس کا اپنا ملک اُس کے لئے غیر ہو گیا اور غیر ممالک اُس کے لئے اپنے ہو گئے"۔ ایک عالم کی رائے ہے کہ "اُس کی فتوحات کشمیر کی سرحدوں سے باہر مستقل طور قائم نہیں رہیں اور غالباً بیشتر فوجی کی نوعیت کی تھیں"۔ لیکن بہر حال وہ اس بات کو قبول کرتا ہے کہ "شہاب الدین کی حکومت کا زمانہ سیاسی اور فوجی لحاظ سے کشمیر کی اسلامی سلطنت میں سب سے زیادہ درخشان عہد تھا"۔ اس نے اپنے ملک پر اچھی طرح سے اور ایک با استعداد سلطان کی طرح حکومت کی۔ علاوہ لکشمی نگر کے اس نے شہاب الدّین پورہ یا شہاب پور کا شہر بنایا جو اب شہام پور کہلاتا ہے اور سری نگر کا حصہ ہے اور ان جگہوں کو کئی مسجدوں سے آراستہ کیا" **تاریخ فرشتہ** میں آیا ہے کہ "سلطان علاء الدّین کی وفات کے بعد اس کے چھوٹے بھائی نے سلطان شہاب الدّین کا لقب اختیار کر کے کشمیر کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ یہ فرمان روا بہت ہی بہادر اور جرأتمند تھا اور اخلاقی اعتبار سے اس کا پایہ بہت بلند تھا۔ جس روز اُس کو کوئی نئی خبر نہ ملتی تھی اُس روز کو وہ اپنی زندگی میں شمار نہ کرتا تھا اور اس امر پر افسوس کا اظہار کرتا تھا کہ عمر عزیز کا ایک دن بیکار گیا۔ شہاب الدّین نے اپنے عہد حکومت میں مقبوضہ ممالک کو ان کے پرانے حاکموں کی تحویل میں دے دیا۔ سلطان شہاب الدّین نے **پنجاب** پر حملہ کیا اور **دریائے سندھ** کے

کنارے قیام کیا۔ سندھ کے حاکم نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ شہاب الدّین کے رعب وداب کا یہ عالم تھا کہ **قندھار** اور **غزنی** کے باشندے بھی اس کے نام سے کانپتے تھے۔ اسنگر سے ہوتے ہوئے اس نے **پشاور** پر لشکر کشی کی اور بے شمار لوگوں کو قتل کرتا ہوا وہ **ہندو کش** پہنچا۔ سفر کی تھکن کی وجہ سے شہاب الدّین واپس ہوا اور اس نے **دریائے ستلج** کے کنارے قیام کیا۔ اسی دوران میں راجہ **نگر کوٹ** سے ملاقات ہوئی۔ راجہ دہلی کے بعض پرگنوں میں لوٹ مار کر کے بیشمار دولت لوٹ کر آرہا تھا۔ اس نے یہ تمام دولت شہاب الدّین کی خدمت میں پیش کی اور اس کے اطاعت گذاروں میں شامل ہوگیا۔ **تبّت کوچک** کا حاکم بھی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے درخواست کی کہ اس کا لشکر تبّت کوچک کو تباہ وبرباد نہ کرے۔ اس کے بعد سلطان شہاب الدّین کشمیر واپس آگیا۔ شہاب الدّین نے سری نگر میں قیام کیا اور اپنے بھائی **ہندال** کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ بادشاہ نے اپنے دونوں بیٹوں **حسن خان** اور **علی خان** کو کشمیر سے نکال دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شہاب الدّین کی ایک بیوی ان دونوں شہزادوں کی والدہ سے ناراض تھی اور اس نے بادشاہ کو ان شہزادوں کے خلاف کردیا۔ **لچھمی نگر** اور **شہاب پور** اسی بادشاہ کے بسائے ہوئے ہیں۔ شہاب الدّین کو اپنے عہد حکومت کے آخر میں شہزادہ حسن خان کے اخراج پر سخت ندامت ہوئی۔ حسن خان، دھلی چلا گیا تھا۔ شہاب الدین نے اُسے طلب کیا۔ شہزادہ باپ سے ملنے کے روانہ ہوا لیکن ابھی وہ خیموں تک پہنچا ہی تھا کہ شہاب الدّین کا انتقال ہوگیا۔ شہاب الدّین کی مدت حکومت بیس سال ہے''۔

ہم نے سلطان شہاب الدین شاہ میری کے بارے میں بعض معتبر مقامی اور غیر مقامی تواریخ سے معلومات اور اہم اقتباسات پیش کئے کہ اس سلطان کشمیر کی سیاسی اہمیت کا اندازہ ہو جائے جو اسے کشمیر کی تاریخ میں حاصل ہے گو کہ ان اطلاعات و معلومات میں سلطانِ موصوف کی فتوحات اور کشمیر کی حدود سے باہر بعض دور ممالک پر حملات کے بیان میں قدرے تفاوت موجود ہے لیکن مجموعی طور پر یہ بات متفقہ طور پر کہی گئی ہے کہ سطان موصوف نے کشمیر سے ملحق چند علاقوں گلگت، داردو، لداخ، بلتستان، کانگڑہ کو فتح کرنے کے بعد پنجاب سندھ اور پشاور غزنی، کابل، جلال آباد اور خراسان (ایران) و ہرات کو فتح کرلیا۔ اگر چہ دو ایک مورخین نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور صحیح یہی بھی ہے کہ مقامی فارسی مورخین اس میں پیش پیش ہیں۔ جہاں تک کشمیر کے باہر کے چند ممالک کو، جن کے نام ہم نے اقتباسات میں درج کئے ہیں، فتح کرنے کا سوال ہے ان کا ہندوستان کی تواریخ میں کہیں کوئی ذکر نہیں اور چونکہ یہ جگہیں غیر کشمیری زمین پر لڑی گئیں واجب ہے ان کا ذکر ہندوستان کی بعد کی تواریخ میں ہونا چاہئے تھا لیکن چونکہ کسی بھی تاریخ میں نہ ان جنگوں کا اور نہ ہی سلطان شہاب الدّین کا ذکر آیا ہے اس لئے محققین کی حتمی تحقیق کے ثابت ہو جانے تک، میں مقامی مورخین کی طرف سے سلطانِ موصوف سے ان فتوحات کو منسوب کرنے کی بات کو مبالغہ آرائی ہی جانتا ہوں۔ چنانچہ اس سلسلے میں میں نے بعض بہت ہی معتمد ایرانی سیاسی تواریخ کا سلطان شہاب الدّین کے آٹھویں صدی ہجری کے عہد کے حوالے سے (جو چودھویں صدی عیسوی کے مطابق ہے) مطالعہ کر کے دیکھا کہ اس عہد میں ایران کے ایلکانی دور میں غزنی، کابل، ھرات اور خراسان پر مطلق نہ کوئی حملہ ہوا ہے

اور نہ ہی وہاں کے بادشاہ اس عہد میں ان جگہوں کی کسی جنگ میں اُلجھے رہے (یہ حقیقت ذہن میں رہے کہ یہ سارے مذکورہ مقامات اس عہد میں ایران کا حصہ تھے اور افغانستان کا نام اس زمانے میں مفقود تھا اور مذکورہ عہد میں ایران میں امرای ایلکانی جنہیں آل جلاپر بھی کہتے ہیں حکمران تھے) سلطان شہاب الدین شہمیری کے عہد میں ایران میں معزز الدین حسین (۷۵۷ھ۔۷۷۶ھ، ۱۳۵۶ء۔۱۳۷۴ء) حکمران تھا جس نے گُردستان اور آذربایجان میں جنگ کی اور اس سے ذرا آگے بھی جائیں تو سلطان حسین حکمران تھا (۷۷۶ھ۔۷۸۴ھ۔۱۳۷۴ء۔۱۳۸۲ء) جس نے چند جنگیں لڑیں جو بعض خاص قبائل کے ساتھ لڑی گئیں۔ پس سلطان شہاب الدّین کے ساتھ خراسان کے بعض علاقوں کی تسخیر کا انتساب بھی مشکوک ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ کشمیر سے ملحق ریاستوں کو سلطان موصوف نے فتح کیا اور یہ میرا قیاس ہے کہ سلطان نے کشمیر کی حدود سے باہر ممالک جن کا اوپر ذکر ہوا، کے بعض حکمرانوں کو اُن کی درخواست پر ضرورتاً اپنی طرف سے فوجی امداد بھیجی ہوگی جس کے نتیجے میں باہمی سیاسی روابط میں استحکام میں اضافہ ہوا ہوگا کیونکہ اس میں شک نہیں کہ سلطان شہاب الدین فوجی اعتبار سے بہت قوی تھا اور اُس کے پاس تعداد کے لحاظ سے بھی عظیم لشکر تھی اور فتوحات پانے کے لحاظ سے غیر معمولی طور پر ایک شجاع اور بے نظیر رہنما بادشاہ تھا۔ بہرحال سلطان شہاب الدین کی اسی قوت و شجاعت اور ذاتی مردانگی کے سبب اُس کے گرد بعض مبالغہ آرائیوں کا جمع ہو جانا کوئی حیرت کی بات نہیں۔ تاریخ میں ایسے ہی جری جنگجو، بہادر اور غیر معمولی محبّ وطن بادشاہوں کے نام باقی رہ جاتے ہیں۔ خاکِ کشمیر کے نامور فرزند ڈاکٹر اقبالؒ نے سلطانِ موصوف کی ان ہی شجاعانہ

وحبّ الوطنی کی صفات سے متاثر ہو کر کہا کہ ؎

عمر ہا گُل رخت برلست وکشاد
خاک ما دیگر شہاب الدین نہ زاد

لیکن میں کشمیر میں لکھی گئی مقامی فارسی تواریخ میں درج سلطان شہاب الدین سے منسوب دور سرحدوں تک کے ممالک کی فتوحات کو سراسر رد بھی نہیں کرسکتا۔ ان پر خاصی دقّت کے ساتھ ایک بے تعصب تحقیق کرنا ابھی باقی ہے کیونکہ ہندوستانی مورخین کی نظر میں ہماری مقامی فارسی تاریخیں نہیں رہی ہیں اور اس لئے ان کے نتائج جو ہم تک سلطانِ موصوف کی فتوحات کے بارے میں پہنچے ہیں قابل بحث ہیں۔ خدا کرے کہ کشمیر کی خاک کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے لیکن دردمند تاریخ شناس علماء، اس اہم اور اچھوتے کام کو ہاتھ میں لے کر مخفی حقیقت کو ہمارے لئے آشکار کر کے مادرِ کشمیر کے حق میں عظیم خدمت کو انجام دیں۔ آمین!

۲۶۴: **للتادتیہ**: پرتاپ دتیہ دوّم (دربھک ۶۶۱ء-۷۱۱ء یا ۷۱۳ء) کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا جس نے سال ۷۲۴ء سے ۷۶۱ء تک کشمیر پر حکمرانی کی۔ اس کا خاندان **کارکوٹ** کہلاتا تھا اور جیسا کہ تواریخ میں کہا گیا ہے اس نے کشمیر کو شہرت کی بلندیوں تک پہنچایا۔ اگرچہ پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ: "کلہن نے اپنے ہیرو للتادتیہ کے فوجی کارناموں کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا تھا" لیکن بہرحال للتادتیہ اپنی خاص صفات وخصوصیت کے لحاظ سے کشمیر کی تاریخوں میں انگشت نما ہے۔ اس کی اولین فتح کنیاقبج یا **قنوج** کی تھی۔ جَلمَدھرَ یا **کانگرہ**، **لوھر** یا پونچھ اور **دریائے گنگا وجمنا** کے بیچ کے علاقے کو جسے **انترویدی** کہتے تھے، زیر کر لیا، اس کے بعد **کالنگ** فتح کیا۔ پھر

کرناٹ سے ہوتے ہوئے **کاویری** کی راہ سے **دوارکا** پہنچا اور اس کے بعد اونتی یا جدید **اُجّین** کو فتح کیا اور پھر شمال میں پہنچ کر کہتے ہیں کہ کمبوجیوں یا **افغانستان** تُخاروں، یا **وادی ماوراء النہر** (بشمول **بلخ ونجارا** کے) اور **بھوٹوں** اور **دردُوں** اور ممولی نامی ایک بادشاہ کو مسخر کرلیا۔ اس کے بعد کلہن نے **پرگ جوتسا** (یا **آسام**) **دَلکُمبدھی** (یاریت کا سمندر) **شترراجیہ** اور **اُتر کُروس** کو فتح کر کے کافی مال غنیمت کے ساتھ واپس کشمیر میں لوٹ آنے کی بات کی ہے۔ گو کہ ان تمام فتوحات کے بارے میں ہمارے جدید مورخین کی رائے مختلف ہے اور وہ ان تمام فتوحاتی بیانات کو رد کرتے ہوئے فقط دردوں اور بھوٹوں کو مسخر کرنے کی بات کو حق مانتے ہیں اور طخارستان کی تسخیر کو بھی قبول کرتے ہیں، لیکن مجموعی طور پر للتادتیہ کو کلہن کی مبالغہ آرائی کے باوجود، کشمیر کا ایک طاقتور بادشاہ قرار دیا جاتا ہے۔ للتادتیہ نے کشمیر کی مرکزی حکومت میں کچھ اہم اصلاحات کیں۔ اس کی تخت نشینی سے پہلے ملک کے کام کو اٹھارہ افسران خاص چلاتے تھے جو کہ **مَستَھان** کہلاتے تھے۔ للتادتیہ نے ان میں پانچ مزید عہدوں کا اضافہ کیا یعنی **مہاپرتی ھرَپیڈ** (میر حاجب) **مہا سنبھی وِگرھہ** (وزیر اعلیٰ) **مہاشوسال** (امیر اصطبل) **مہابھندگر** (خزانہ دار) اور **مَہاسدَھن ھاگ** (نامعلوم)۔ مجموعی طور پر ان پانچ عہدوں کو **پنچ مہا شبدَہ** کہا جاتا تھا۔ طاقتور ڈامروں کو جو ایک سرکش طایفہ تھا اگر چہ مکمل طور پر اس نے زیر کرنے میں کامیابی نہیں حاصل کی لیکن اُن کے بارے میں ہدایات دیں کہ "دیہات میں ضرورت سے زیادہ خوراک سال بھر سے زیادہ عرصے کے لئے مہیا نہ رکھا جائے اور نہ ہی زمین جوتنے

کے لئے زیادہ بیل میسر کئے جائیں کیونکہ اگر اُن کے پاس زیادہ دولت آئے گی تو یہ ڈامر دیہاتی ایک ہی سال میں خود بادشاہ کے احکام کی نافرمانی کرنے کے اہل بن جائیں گے''۔

بارہ مولہ کے پاس دریائے جہلم کے پانی کی تنگ گذرگاہ اور جھیل وُلر کے زیادہ بہاؤ سے کشمیر میں سیلاب آتے تھے۔ للتادتیہ نے مناسب اطراف سے نہریں نکال کر ان خطروں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ للتادتیہ نے تعمیری کاموں میں کئی شہر بسانے کا کام انجام دیا۔ تاریخ حسن (ج ۲/ص ۸۷) میں **للتاپور**، **نسچت پور**، **رپت پور**، **پہل پور**، **پونچھ**، **پرسلپور** اور **لوکہ بھون** کے نام آئے ہیں جب کہ مقامی غیر فارسی تاریخوں میں **سُنتاپور** اور **درپتا پور** کا بھی اضافہ ہے اور ان میں سے بعض مقامات کی شناخت ابھی باقی ہے۔ پونچھ کے بارے میں للتادتیہ کی تعمیر مشکوک ہے۔ للتادتیہ نے کئی **وِہار** بنوائے۔ **مارتنڈ مندر** کی مرمت کی۔ اُس کے وزیروں اور تین رانیوں کملاوتی اشان دیوی اور چکر مردکا نے بھی تعمیری کاموں میں حصہ لیا۔ للتادتیہ گو کہ خود وِشنو کا بھگت تھا لیکن بُدھ مذہب کو بھی آزادی دی تھی بلکہ **چنکن** نامی ایک بودھی کو اپنا وزیراعظم بنایا تھا۔ للتادتیہ نے علوم رائج کو بھی ترقی دی اور اس کے دربار میں **بھوبوتی** اور **وک پتی راج** جیسے عالم موجود ہے۔ للتا پیڈ سے کشمیر کے سرحدوں کے پرے بیرونی ملکوں کی فتوحات کے انتساب کو جدید کشمیری مؤرخین نے ردّ کر دیا ہے اور اسے کلہن پنڈت کی مبالغہ آرائی اور لغو گوئی سے تعبیر کیا ہے اور اس کے لئے دلائل بھی پیش کئے ہیں۔ تاریخ حسن کے مولف نے ہندوستان کے کئی ممالک کو فتح کرنے کے بعد للتادتیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے

کابل اور خراسان کا رُخ کیا اور ان جگہوں کو فتح کر کے ہرات کو زیر کرلیا اور پھر بخارا کو فتح کیا۔ بخارا سے سمرقند، تاشقند، خوقند، کاشغر، تنگان، ختن اور ترکستان پر قابض ہوکر بارہ سال کے بعد واپس کشمیر لوٹ آیا۔ مورخین نے ہندوستانی ممالک کو فتح کرنے کے بارے میں بھی شک و بے اعتباری کا اظہار کیا ہے۔ **واقعات کشمیر** کے مولف نے لکھا ہے کہ ''ہندوستان اور پنجاب کا رُخ کیا اور جو بھی راجہ سامنے آیا اُسے مغلوب ومحکوم کر کے دوسرے ممالک پر قبضہ کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ گجرات کلان، بندرسوت، بنارس، ڈکن، بنگال اور سراندیپ کو فتح کیا۔اس کے بعد ایران گیا اور بُخارا کے حکمران پر غالب آکر خطا وختن گیا اور تبت کی راہ سے کشمیر لوٹ آیا''۔ **مجموع التواریخ** کے مولف نے بھی ہندوستان میں راجہ للتادتیہ کی فتوحات کا ذکر کرنے کے بعد جن میں مولف کے بقول اس نے پنجاب، دہلی، بہار، بنگال، دکن، گجرات شامل ہیں، لکھا ہے کہ للتادتیہ نے کابل کی راہ سے ترکستان کا رُخ کیا اور بخارا کو مسخر کیا۔ وہاں سے ماوراء النہر اور ترکستان گیا اور ان کو فتح کرنے کے بعد کاشعرہ کی راہ سے چین پہنچا اور پورے چین کو فتح کرلیا اور اس کے بعد خطا کو مسخر کر کے تبت کی راہ سے کشمیر کا رُخ کیا''۔ان تمام بیرونی ممالک کی فتوحات کو رد کرتے ہوئے مورخین نے لکھا ہے کہ للتادتیہ کے ساتھ فتوحات کا یہ انتساب خالص مبالغہ آرائی ہے اور حتی کہ کلہن نے جنوبی ہندوستان کی مہم کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ مورخین کے بقول ناقابل یقین ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہندوستانی تاریخ کا ہر طالب علم خوب جانتا ہے کہ شمالی ہند کے اُن حکمرانوں نے جنہوں نے جنوب کو زیر کرلیا جیسے سُمدرگپت، علاء الدین، محمد تغلق اور اورنگ زیب، ہندوستان کے دل میں بڑی سلطنتوں کو

وراثت میں پایا تھا یا خود قایم کرلیا تھا۔ راجۂ کشمیر کے پاس مقابلتاً ایک چھوٹا سا ملک تھا اور بھی ہندوستان کے انتہائی سرے پر واقع تھا۔ پس جنوب کو فتح کرنے کے لئے اُسے دوسروں کی نسبت طویل فاصلہ طے کرنا تھا۔ علاوہ اس کے کلھن کا کہنا ہے کہ للتادتیہ کشمیر سے ایک ناقابل یقین بھاری تعداد والی فوج کو ساتھ لے کر روانہ ہوا جن کے نقل وحمل کے لئے سوالاکھ گاڑیاں استعمال میں لائی گئیں۔ یہ غیر ممکن ہے کہ اس قدر بھاری فوج اُس نے جمع کر رکھی ہو اور تناسب کے لحاظ سے ضرورت کے مطابق بھی میسر ومہیا کر رکھا ہو۔ ہندوستان کے میدانوں میں اُس کے پہاڑی فوج کی مسلسل کامیابیاں پانے پر بھی شک وشبہ کرنے کا احتمال ہے۔ خود **راج ترنگنی** بھی ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ کشمیر کم وبیش جسمانی قوّت کے لحاظ سے سست تھے۔ وہ گرم میدانوں میں جانے سے گریز کرتے تھے اور اس کھانے سے بھی پرہیز کرتے تھے جو وہاں کھایا جاتا تھا اسلئے آسانی سے گھریلو یاد کی بیماری میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ پس اس بات پر یقین کرنا مشکل ہے کہ اتنی بھاری تعداد میں وہ لڑنے کے نکلے ہوں اور انتہائی گرم جنوب کے علاقے میں دس سال تک گھر سے دور رہے ہوں جو علماء کی رائے کے مطابق اس علاقے کو فتح کرنے کے لئے کم سے کم مدّت ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ للتادتیہ کی فوج باہر کے کرائے کے سپاہیوں پر مشتمل تھی تو یہ اُس کے فوجی نظام کی سُستی کو قبول کرنے کے مترادف ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی مشکوک ہے کہ کیا للتادتیہ اپنے ملک کو چھوڑ کر جا سکتا تھا جب کہ اس کی شمالی اور شمال مشرقی سرحدیں محفوظ نہیں تھیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ قنوج کے راجہ یشوورمن کے ساتھ جنگ میں للتادتیہ کے فوجی کمانداروں نے بے چینی کا مظاہرہ کیا

تھا اور اُس کے ساتھ جنگ کو بڑھانے کے حق میں نہیں تھے۔ پس مزید جنگ کو وہ کیسے اختیار کر سکتے تھے۔ یہ وہ علامتیں ہیں جن کو خاطر میں رکھ کر ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ جنوب کو فتح کرنے کا جو بیان کلہن نے للتادتیہ کے بارے میں پیش کیا ہے وہ سراسر خیالی اور باطل ہے۔ باقی فتوحات میں بھی وہی تاریخی لحاظ سے حقیقی فتوحات ہیں جو تُخاروں، دردُوں اور بھوٹوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ ستر راجیہ اور اُتر کرُوس نیم اساطیری علاقے ہیں۔ ریت کا سمندر کی مرکزی ایشیا کے ریگستان کے ساتھ شناخت کی گئی ہے۔ اس دور دراز خطے کو فتح کرنے کی بات بھی، جنوب ہند کی طرح ہمارے لئے ناقابل یقین ہے جب کہ بالخصوص تبتّیوں، تُرکوں، عربوں اور چینیوں کے درمیان اقتدار پانے کے لئے کشمکش جاری تھی.... پس ہم دیکھتے ہیں کہ للتادتیہ کی فتوحات کے سلسلے میں کلہن نے اور مقامی فارسی مورخین نے کلہن کے بیان کی تقلید کرتے ہوئے ناقابل یقین حد تک مبالغہ آرائی کی ہے۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ للتادتیہ نے صرف اپنے سے طاقتور تر ہمسایوں یعنی تبتّیوں اور دردُوں کے مسلسل حملوں کو روکنے میں کامیابی پائی تھی۔

للتادتیہ کا زمانہ تاریخوں میں سال ۷۲۴ء کی ابتدا سے سال ۷۶۱ء تک کا ہے جو ہجری سال ۱۰۶ھ سے ۱۴۴ھ کے مطابق ہے۔ اس صدی میں اُموی خلفا اور بنی عباس خلفا کی حکومت ان سارے علاقوں خصوصاً مرکزی ایشیا کے اکثر علاقوں میں قائم ہو چکی تھی جن کا ذکر کلہن پنڈت نے اور اس کی پیروی میں کشمیر کے دیگر مقامی خصوصاً فارسی مورخین نے للتادتیہ کی فتوحات کے بارے میں کیا ہے۔ مذکورہ خلفا کے زمانے کی حکومتوں میں کشمیر کے راجہ للتادتیہ کے حملے کا قصہ ہمیں کہیں نظر نہ آیا۔

۲۶۵ء: **جیاپیڈ**: مقامی تواریخ میں اس کی مدت حکومت سال

۷۵۱ء۔۷۸۲ء اکتیس سال ہے۔ (ھجری سال ۱۳۴ھ۔۱۶۶ھ)۔ تاریخ حسن میں لکھا ہے کہ ۳۴ ؍سال تک حکومت کی (۸۰۳ بکرمی سے ۸۳۸ بکرمی تک)۔ مورخین نے لکھا ہے کہ کلہن نے للتادتیہ کی طرح اس راجہ کی فتوحات کے بارے میں بھی مبالغہ آرائی کی ہے اور داستان سرائی سے کام لیا ہے۔

بہرحال راجۂ موصوف نے **جَیَہ پور (اندر کوٹ)**، **دواروَتی املهن پور (ملر)** نامی جگہیں تعمیر کیں۔ جَیَہ پور (یا جے پور) کو دارالخلافہ بنایا۔ جیہ پور سے ہی یہاں پر جون راج کا مقصد ہے جیاپیڈ کا شہر۔

۲۶۶: مراد ہے سلطان شہاب الدین

۲۶۷: **پارسکا**: غالباً **سوات** اور **پکھلی** کی علاقوں کے رہنے والے قبائل کی ذات سے مراد ہے۔

۲۶۸: یہ تینوں ڈامر قبیلے کے فوجی رئیس تھے۔ پروفیسر محبّ الحسن کا کہنا ہے کہ جون راج کا چندر ڈامر، بہارستان شاہی کا ملک چندر اور حیدر ملک کا چندر دار ہے۔ شورلولک فارسی تاریخوں کا شرادل ہے۔ لیکن شورلولک دو آدمی ہیں۔ شور اور لولک۔ غالباً شردل یا بقول تاریخ حسن رائے شردل، شور ہوسکتا ہے۔

۲۶۹: **کام**: مراد ہے **کام دیو** یعنی ہندوؤں کے دیوتاؤں میں سے ایک دیوتا جس کو کام دیو کہتے ہیں اور جو محبت کا دیوتا ہے۔ کام یعنی شہوت، جنسی شہوت، خوشی سے محبت، خواہش۔ محبت کا یہ دیوتا یعنی کام دیو، رُکنی کے بطن سے وِشنو کا بیٹا اور رتی کا خاوند تھا۔

۲۷۰: **اُدَبھانَد پور**: اردو میں اس کا نام اُڈبانڈ پور آیا ہے۔ محققین نے دقیق تحقیق کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ موضع اُندیاہُند یا بقول البیرونی وَی ہُند ہے جو دریائے سندھ کے داہنے کنارے پر واقع اٹک سے اوپر کوئی

پندرہ میل کے فاصلے پر واقع ہے جو کسی زمانہ میں قندھار کا دارالخلافہ تھا۔ اُسے اندر، ھُند، اوھُند اور اُھُند بھی کہا گیا ہے۔ وی ھَند، کابل کے برھمن بادشاہوں کا دارالخلافہ تھا جن کے خاندان کو سلطان محمود غزنویؒ نے سال ۱۰۲۶ء (۴۱۷ھ) میں مٹا دیا۔

۲۷۱: **سندھو**: یعنی سندھ کا علاقہ اور اس کے اُوپر کے مقامات۔

۲۷۲: یعنی گندھارا کے رہنے والے۔ گندھار سے مراد ہے قندہار لیکن الگزنڈر کننگھم نے اپنی تالیف، اینشنٹ جیوگرافی آف انڈیا، (ص۴۰) میں اسے پشاور کہا ہے۔ قندھار اب افغانستان میں ہے (پشاور پاکستان میں ہے)۔

۲۷۳: **شِنگس**:

۲۷۴: **غجنِی پوری**: یعنی غزنی (سلطان محمود غزنوی کا دارالخلافہ)۔ غزنی جسے غزنین بھی کہا گیا ہے۔ موجودہ افغانستان کے مرکزی شہروں میں سے ہے۔ اسی شہر سے پانچ کلومیٹر دور شمال مشرقی علاقے میں قدیم غزنین۔ غزنویوں کے دارالخلافہ... کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ جون راج کے بیان سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ سلطان شہاب الدّین نے غزنی کو فتح نہیں کیا تھا بلکہ وہاں کے لوگ جون راج کے بقول سلطانِ موصوف سے خوفزدہ ہو گئے تھے۔ جب کہ وہ اُن کے ملک کی سرحد کے قریب سے گزرا تھا۔

۲۷۵: **اَشت نگر**: الگزنڈر کننگھم نے **اینشنٹ جیوگرافی آف انڈیا** (ص۴۲۔۴۳) میں لکھا ہے کہ اس کا جدید نام **ھَستِ نگر** ہے یعنی "ھَست کا شہر"۔ پشاور سے جو دو شہر **پرنگ** اور **چار سدا** کے بڑے شہر ہیں وہ اسی ھست نگر یا آٹھ شہروں والے شہر کا حصہ ہیں۔ (اس صورت میں ہشت نگر ہونا چاہئے.... مترجم ڈاکٹر شمس الدّین احمد)

جو دریائے سوات کے مشرقی ساحل کے قریب ہیں۔ یہ ہیں تنگی، شیر پاؤ، عمر زئی، ٹرنگ زئی، عثمان زئی، راجور، چارسدا اور پرنگ۔ یہ مقامات پندرہ میل کے فاصلے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ھشت نگر کے پرانے شہر کے گھنڈرات کے ٹیلے پر حصار کا قلعہ واقع ہے۔

۲۷۶: **وید**: دیکھئے حاشیہ ۲۹۔ جون راج کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر برھمنوں کا شہر تھا یا اس شہر میں وید خوان برہمنوں کی اکثریت تھی۔

۲۷۷: **کھشتری**: دیکھئے حاشیہ ۸۰۔

۲۷۸: **پُرشِویر**: یعنی موجودہ مملکت اسلامی پاکستان کے شمال مغربی سرحدی صوبے کا مشہور مرکزی شہر **پشاور** (یا ایرانی تاریخوں کے بقول پیشاور)۔

۲۷۹: **گھوش دھاتُو دریا**:

۲۸۰: **شَتَدرُو دریا**: اسے ستدرو دریا بھی لکھا گیا ہے۔ اس سے مراد ہے دریائے ستلج۔ یہ دریا تبت سے نکلتا ہے اور ہمالیہ کو عبور کر کے سیلاب کے سے تیز بہاؤ اور جوش کے ساتھ اور پنجاب اور چند دیگر ریاستوں کو سیراب اور پندرہ سو کلومیٹر کی دوری کو طے کرنے کے بعد پاکستانی پنجاب میں گرتا ہے۔

۲۸۱: **اُدک پتی**: مورّخوں نے اسے ''شمال کا مالک و آقا'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ **کنگڈم آف کشمیر** کے مولف ایم ایک کپور نے لکھا ہے (ص ۱۲۶) کہ: ''غالباً یہ ایک منگول حملہ آور تھا''۔ لیکن اس کی مزید تفصیل نہیں لکھی ہے۔ ''**کشمیر سلاطین کے عھد میں**'' نامی کتاب میں پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ ''شہاب الدّین نے لداخ سے نگرکوٹ (کانگڑہ) کی طرف کوچ کیا اور اس پر قبضہ کرنے

کے بعد ستلج کے میدانوں میں خیمہ زن ہوا۔ یہاں نگرکوٹ کے راجہ اُدک پتی سے اُس کی جنگ (۱۳۶۱ء) ہوئی جو حال ہی میں فیروز شاہ تغلق کی مملکت پر حملہ کرنے کے کثیر مال غنیمت لے کر لوٹا تھا۔ شہاب الدّین نے اس کو شکست دی اور اس کو مال غنیمت سپرد اور اس کی حکومت تسلیم کرنے پر مجبور کیا (بحوالہ میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۶ الف ب، یون راج ص ۳۹، طبقات اکبری ج ۳، ص ۴۲۸)''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُدک پتی کوئی منگول حملہ آور نہیں بلکہ راجۂ نگرکوٹ تھا۔

۲۸۲: **سُشرَم پُور**: یعنی نگرکوٹ (کانگڑہ)۔ اس کا قدیم نام تگرٹہ تھا۔ **کنگڈم آف کشمیر** میں آیا ہے (ص ۱۲۶) کہ ''اس کے بعد سُشرم پور کے حکمران پر حملہ آور ہوا اور اس نے قلعہ ترک کر کے دیوی کے مندر میں پناہ لی''۔ مولف کا یہ بیان مبہم ہے اور یہ نہیں لکھا ہے کہ کس دیوی کا مندر اور کس جگہ کے مندر میں راجۂ مذکور نے پناہ لی۔

۲۸۳: **اَپسَرا**: اِندر دیوتا کے دربار میں ایک نسوانی رقاصہ۔ پری۔ دیوی۔ حور۔ پری پیکر۔

۲۸۴: **کَندَرپ**: ہندو اساطیر میں محبّت کے دیوتا کام دیو کا ایک نام۔

۲۸۵: قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں اُس حسینہ کے مکان کے محافظ تھے یا اُس حسینہ کے نگہبان۔

۲۸۶: محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ جون راج کا اُدیا شری وہی ہے جو فارسی تاریخوں میں شردل کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخ حسن (ج ۲ /ص ۱۷۱) میں آیا ہے کہ سلطان شہاب الدّین نے رای شردل کو وزارت اور انتظام مملکت دے صاحب اختیار بنا دیا۔ محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ اُدیا شری (تاریخ حسن کا رای شردل) شہاب الدین کا وزیر اور

وزیر مال تھا۔ اُس کا وزیر مال ہونے کا قیاس تاریخ حسن کے اس بیان پر لگایا جاسکتا ہے کہ رای شردل (یا بقول محبّ الحسن، اُدیا شری) کے حُسن تدبیر سے ہی کشمیر کا باج وخراج اور اس کی پرگنۂ بندی مقرر ہوئی۔ پنڈت بیربل کاچرو نے اپنی تالیف مجموع التواریخ میں رائے شردل کا نام دشہ راول لکھا ہے اور کہا ہے کہ یہ شخص فہم وفراست میں بے بدل تھا اور باج وخراج کے رسوم اور احکام سلطنت کو اس خوبی سے ترتیب دیا کہ یہ چغتائی دور تک جاری تھے۔ مقامی فارسی تواریخ میں کوٹہ بھٹ کا نام نہیں آیا ہے۔ مجموع التواریخ میں دشہ راول کے علاوہ رُوپ چند معروف بہ آرو کا بھی نام آیا ہے۔ واقعات کشمیر میں چندر داد اور دشہ راول کے نام آئے ہیں۔ بہارستان شاہی میں، جس میں ناموں کی صورت بکثرت اشتباہات سے پُر ہے، جنڈ اسر دیو اور ژنی رینہ کے نام درج ہیں۔ موخر الذّکر کو سلطان شہاب الدین نے چاڈورہ نامی گاؤں رہنے کے لئے دیا۔ محبّ الحسن نے بہارستان شاہی سے نقل کر کے لکھا ہے کہ ''اس کے (یعنی سلطان شہاب الدّین کے) فوجی سرداروں میں ملک چندر، شور لولک اور اچل رینہ تھے۔ موخر الذّکر، رام چندر کی نسل سے تھا''، لیکن یہ عبارت بہارستان شاہی میں ہم کو نظر نہیں آئی۔ بہارستان شاہی میں آیا ہے کہ ''وہ چندان نسل سے تھا''، ممکن ہے کہ صحیح چندران ہو لیکن ''رام چندر کی نسل'' کے الفاظ نہیں آئے ہیں۔ بہر حال گو کہ مقامی فارسی تاریخوں میں ناموں کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اُن کے سرکاری عہدوں کی تفویض میں کوئی اختلاف نہیں۔ صحیح ناموں کی صورت کے بارے میں پنڈت زون راج پر ہی اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

۲۸۷: تاریخ حسن (ج ۲ رص ۱۷۴) میں آیا ہے کہ ''سال ۷۷۷ھ

میں سیلاب کے باعث دس ہزار گھر ویران ہوئے"۔ یہ سال ۱۳۷۵ء کے برابر ہے۔ جون راج نے سال ۳۶ لوکک لکھا ہے جو ۱۳۶۰ء کے برابر ہے اور دونوں تاریخوں میں پندرہ سال کا طویل وقفہ ہے۔[مقامی فارسی تواریخ میں سلطان شہاب الدّین کی مدت حکومت سال ۷۶۱ھ سے ۷۸۰ھ تک ہے یعنی سال ۱۳۵۹ء سے ۱۳۷۸ء تک جب کہ غیر فارسی مقامی تواریخ میں ۱۳۵۴ء سے ۱۳۷۳ء تک یعنی ھجری سال ۷۵۵ھ سے ۷۷۵ھ تک ہے۔ اوران تاریکوں میں پانچ سال کا فرق ہے]۔ اگر فارسی تواریخ میں درج سلطان شہاب الدّین کی تخت نشینی کے سال ۷۶۱ھ یعنی عیسوی سال ۱۳۵۹ء کو صحیح مانا جائے تو پھر یہ سیلاب سلطان موصوف کی تخت نشینی سے ایک سال پہلے سلطان علاء الدّین کے عہد سلطنت میں آیا تھا۔ لیکن سلطان علاء الدین کے زمانے میں سیلاب عظیم نہیں بلکہ قحطِ عظیم اٹھا تھا۔ پس تاریخوں کی اس باہمی الجھن میں جون راج کی تاریخ کو ہی صحیح مانا جاسکتا ہے۔

۲۸۸: **کُمد**: پانی کا سوسن پھول (Rottlera Tinctoria) قابل خوردنی سفید کمل کا پھول یا پانی کا سوسن پھول (Nymphaea Esculenta)۔ سُرخ لالہ کا پھول (Nymphaea Rubra) ایک ناگ کا نام۔ جنوب مغرب علاقے میں ہاتھی کا نام۔ راماین میں ایک بہادر بندر کا نام۔ ایک آسمانی وجود کا نام، ایک پہاڑ کا نام۔ (قابل خوردنی سفید کمل کا پھول رات میں اپنی پتیوں کو بڑھا دیتا ہے اور دن میں ان کو لپٹ لیتا ہے)۔

۲۸۹: اگر چہ جون راج نے دقیق الفاظ میں **کوہِ ماران** کا نام نہیں لکھا ہے لیکن **شارکا** کی طرف اشارہ کر کے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ

''ایک بڑا اور نامی گرامی شہر'' شارِکا پربت (جو رفتہ رفتہ ہارِ پربت بن گیا) کے دامن میں بنا تھا۔ جون راج نے اس شہر کا نام نہیں لکھا لیکن مقامی مورخین کا کہنا ہے کہ اس شہر کا نام سلطان شہاب الدین کی بیوی اور ملکہ، لکشمی کے نام پر لکھشمی نگر رکھا گیا۔ اس شہر کے کوہِ ماران یا شارِکا پربت یا ہار پربت کے ارد گرد کوئی آثار موجود نہیں بلکہ اس شہر کا نام تک باقی نہیں۔ یہ بات تعجب خیز ہے کہ مقامی فارسی تواریخ نویسوں نے اس بڑے شہر کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے صرف غیر فارسی مورخین نے لکھا ہے کہ سلطان نے کوہِ ماران یا ہری پربت کے نزدیک ایک یا نیا شہر بنوایا جس کا نام اپنی لکھشمی نامی ملکہ کے نام پر لکھشمی نگر رکھا۔

۲۹۰:شارِکا: مینا پرندے کو کہتے ہیں۔ یہ پربت یا پہاڑ چونکہ ایک ہندو اساطیری داستان سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس داستان کے تعلق سے اس کا نام **شارِکا پربت** یا **ہارِ پربت** پڑ گیا۔ کشمیر کے بارے میں مقامی برھمنوں میں یہ خرافاتی Mythological عقیدہ ہے کہ کشمیر کی وادی جو ستی دیش کہلاتی تھی اصل میں شِو کی بیوی پاروتی، جو ستی بھی کہلاتی تھی، کے نام پر ستی کی جھیل یا ستی سر کہلاتی تھی۔ اس جھیل پر جلد بھویا جلود بھو نامی دیو نے قبضہ کر رکھا تھا جو ارد گرد کے رہنے والے علاقوں یعنی درواِبھسار، گندَھر، جُھندَرا اور شاکوں کھسُوں اور مدرُوں کو تنگ کرتا تھا۔ ستی نے یہ دیکھ کر سمیرُو پہاڑ کا ایک ٹکڑا کاٹ لیا اور شارِکا پرندے کی صورت میں اس ٹکڑے کو چونچ میں اٹھا کر ستی سر میں جلود بھودیو کے اُوپر ڈال کر اُسے مار ڈالا۔ شارِکا پرندے کو کشمیری زبان میں ہاٗر کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی یہ سمیرو پہاڑ کا ٹکڑا ہارِ پربت (یعنی شارِکا کا لایا ہوا پربت) کہلاتا ہے۔ حاشیہ ۲۲۹ دیکھ لیں۔

۲۹۱: **سمیرو**: ایک پہاڑ کا نام جو ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق قیمتی موتیوں اور سونے کا بنا ہوا ہے اور اُن کے دیوتاؤں کے رہنے کی جگہ ہے۔ رہنما۔ تسبیح میں بڑا مرکزی دانہ۔ سمیرو کو سُمیر پربت اور سمیرو گیر اور میرو بھی کہتے ہیں لیکن یہ خیالی پہاڑ کہاں پر تھا یا کہاں ہے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

۲۹۲: **اَتکا**: یہاں پر درویش لوگوں سے بھی مراد ہے جو خدادوست ہوتے ہیں۔ کُبیر کے دارالخلافہ کا نام دیکھئے حاشیہ ۳۶۵۔

۲۹۳: یہ شہر شادی پور کے نام سے مشہور ہے۔ جون راج کے ان الفاظ سے کہ ''اس نے اپنے نام سے ایک شہر تعمیر کیا'' ظاہر ہے کہ اس شہر کا نام شہاب الدین پور تھا۔ البتہ شہاب الدّین پور کے نام سے ہی سلطان شہاب الدین نے ایک محلّہ (یا شہر) بسایا جو اب موجودہ نوھٹہ کے متصل ملہ کھاہ کی طرف جاتے ہوئے شہام پورہ کے نام سے معروف ہے اور جس میں بقول مولف تاریخ حسن، سلطان مذکورہ نے ساٹھ ہزار مکانات تعمیر کر کے اسے اپنا دارالخلافہ بنایا تھا اور اس میں ایک جامع مسجد بھی بنوائی تھی جس کی بنیاد مولفِ تاریخ حسن کے زمانے میں موجود تھی۔

۲۹۴: مقامی تواریخ نگاروں نے لول ڈامر کے اپنے نام پر بسائے ہوئے اس اونچی عمارتوں والے شہر کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ قیاساً یہ شہر لولک پور تھا جو اب لول پور کے نام سے جانا جاتا ہے۔

۲۹۵: **کرشن**: وِشنو دیوتا کے دس اوتاروں میں سے آٹھواں مقدس ترین اوتار جسے ہندو کرشن کے نام سے پکارتے ہیں۔ کرشن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کالے رنگ کا ہے اس لئے اُسے اس معنی کی مناسبت سے شام یا شیام بھی کہتے ہیں۔ کرشن کے معنی ہیں سیاہ، کالا، نیلا سیاہ رنگ، کالا ہرن، کالا

مرچ، مہینے کا سیاہ پندرہواڑ، ایک پودا جسے Nigela Indica اور Carissa Carandas کہتے ہیں۔

۲۹۶: اس ساری عشقیہ داستان کا ذکر حاشیہ ۲۶۳ میں آچکا ہے۔

۲۹۷: **بھلّا**: (ھندی لفظ ہے) نیک اور معزّز آدمی۔

۲۹۸: **شری جَے ایشوری**: بیج بہارہ مندر کا بُت۔ جسے شِو وِجیشور کہتے تھے اور تیرتھ کی مشہور جگہ تھی۔ دیکھئے حاشیہ ۶۷۔

۳۰۰: **ساگر**: سمندر۔ بحر۔ ایک بڑی جھیل۔ ہرن کی ایک قسم۔ گداگروں کی جماعت۔ بھگیرتھ کے ساگر نامی ایک بیٹے کے نام سے سمندر کا نام۔

۳۰۱: **بَھگِیرَتھ**: ایک قدیم راجہ کا نام (دلیپ کا بیٹا) جس نے سخت وشدید عبادت سے آسمان سے گنگا کو اتارا۔ اس وجہ سے اُسے گنگا کا باپ بھی کہتے ہیں۔ [ہندوؤں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ گنگا وِشنو دیوتا کے پاؤں سے نکلتی ہے]۔

۳۰۲: **گنگا**: حاشیہ ۱۳ دیکھیں۔

۳۰۳: **اِندَر**: دیکھئے حاشیہ ۱۷۳۔

۳۰۴: **دُشمَنتَ**: یا دُشیَنت۔ چندرونشی خاندان کے ایک شہزادہ کا نام جو پورُو کی نسل، شکنتلا کا شوہر اور بھرت کا باپ تھا۔

۳۰۵: **رام**: دیکھئے حاشیہ ۴۲۔

۳۰۶: **راوَن**: لنکا (یا Cylone سیلون) کا راجہ اور دیوؤں یاراکشسوں کا سردار جس کی وِشنو کے ساتویں اوتار، رام چندر، کے ہاتھوں شکست اور تباہ ہوجانے کی داستان راماین کا موضوع ہے۔ [وہ وِش رَوَش کا کیکسی کے بطن سے بیٹا اور کوُیر کا سوتیلا بھائی تھا]۔ اس کے دس سر تھے۔

اس نے سونے کے خوبصورت ہرن کی صورت اختیار کر کے رام چندر کی بیوی سیتا کو اغوا کرلیا جسے پانے کے لئے رام چندر نے بندروں کے بادشاہ ہنومان کی مدد سے راون سے جنگ کی اور ہنومان نے لنکا میں آگ لگا کر سیتا کو راون کے قید سے چھڑالیا۔ کہتے ہیں راون سنسکرت علوم کا ایک بہت بڑا برہمن عالم تھا۔

۳۰۷: **سیتا**: راجہ جنک کی بیٹی اور رام چندر کی بیوی کا نام۔رام چندر کو اس وجہ سے سیتا پتی بھی کہتے ہیں۔لنکا کے راجہ راون نے اسے اغوا کرلیا اور رام چندر نے اسے چھڑانے کے لئے راون سے لنکا جا کر جنگ کی اور بندروں کے بادشاہ ہنومان کی مدد سے سیتا کو چھڑالیا۔

۳۰۸: **شاهاوَدِین**: یعنی سلطان شہاب الدّین شاہ میری۔

۳۰۹: **یَم**: موت۔قضا، (اس کے کئی اور معنی ہیں جیسے قابو کرنا، روک دیتا، رام کرنا، ضبطِ نفس، کوئی اخلاقی فرض)۔

۳۱۰: **سنیچر**: زُحل، کیوان، زراعت کا دیوتا۔کھیتی باڑی کا دیوتا۔ یونانیوں کے عقیدے کے مطابق زِیُوس دیوتا کا باپ۔ یہ زُحل سیّارہ زمین سے دورترین سیّارہ ہے اور........انگریزی میں اسے Saturn کہتے ہیں اور یہ سورج کے اردگرد گھومتا ہے اور تقریباً زمین کے سات سو گنا برابر ہے۔ اس میں آٹھ چاند ہیں اور ایک نورانی حلقہ اس کے اردگرد ہے۔ یہ ساڑھے اُنتیس سال میں اپنا چکر پورا کرلیتا ہے۔اسے کیوان بھی کہتے ہیں۔قدما اسے ساتواں اور ایک بڑا منحوس سیّارہ جانتے تھے۔[سنیچر کے کئی اور معنی ہیں جیسے سنیچروار کا دن۔ بدقسمتی۔ غربت۔ مسکینی۔ میل۔ گندگی۔ میلے کپڑے۔ گندہ اور گاہل نما آدمی۔ کنجوس۔ پیٹو]۔

۳۱۱: **یوگنی پُور**: مقامی تواریخ میں لکھا ہے کہ سلطان شہاب

الدّین کے دونوں فرزند یعنی حسن شاہ اور علی شاہ دھلی چلے گئے تھے۔ جون راج نے لکھا ہے کہ یہ دونوں شہزادے یوگنی پور کے حکمران کی مدد کرنے کو چلے گئے اور اس مدد کرنے کے عمل میں انہوں نے بالاتر انسانی قوّت کا مظاہرہ کیا۔ جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یوگنی پور کے حکمران کے خلاف دشمنوں کے جنگ میں دونوں بھائیوں نے اُس کا ساتھ دے کر ذاتی طور پر جنگ میں شرکت کر کے شجاعت ودلاوری دکھائی تھی۔ قرین قیاس ہے کہ یوگنی پور دھلی کے نواح میں واقع کوئی خودمختار ریاست تھی۔

۳۱۲: باعث تاسف ہے کہ مقامی مورخین نے سلطان شہاب الدین کی زندگی اور اُس کی سلطنت سے مربوط کئی اہم واقعات کو نظرانداز کردیا ہے جن کے صریح اشارے جون راج کی معتبر تاریخ راج ترنگنی میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ہندوگس اور شیکندَھر کی بغاوت اور اُن کی مددگار فوج، جو مسلمانوں پر مشتمل تھی، کا قتل ہونا کسی بھاری بغاوت کی طرف اشارہ ہے۔ شیکندَھر، سکندر نام کی صورت ہے جسے جون راج نے سنسکرت میں ڈھالا ہے۔

۳۱۳: **مَدَن لاوِکا**: قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بارسوخ درباری ہونے کے علاوہ فوج کے ایک حصے کا سردار بھی تھا جس نے بادشاہ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کا ارادہ کیا۔ جون راج نے اس سرکشی کی وجوہات نہیں بتائی ہیں لیکن چونکہ فوج سلطان شہاب الدین کی طرفدار تھی اس لئے مدن لاوکا کی بغاوت کامیاب نہیں رہی۔ بعد میں قرین قیاس ہے کہ سلطان نے مدن لاوکا کا قصور معاف کردیا اور موٴخر الذکر نے سلطان کے ساتھ وفا شعاری نبھائی جب کہ ایک موقع پر جیسا کہ جون راج نے لکھا ہے جنگل میں شیر کے حملے کی زد میں آکر سلطان کو مدن لاوِکا نے اپنی جان کی پروانہ کرتے ہوئے بچالیا۔

۳۱۴: کھڈگن گری:

۳۱۵: معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کے بادشاہ کے ساتھ سلطان شہاب الدین شاہ میری کے روابط بہت قریب تھے۔ سلطان موصوف نے اپنی محبوبہ لاسا کی خواہش پر جب اپنے دونوں فرزندوں یعنی حسن شاہ اور علی شاہ کو وطن بدر کر دیا تو دونوں شہزادے دھلی میں جا کر مقیم رہے جس کی تصدیق تمام مقامی مورخین نے کی ہے۔ سلطان نے اپنے وفا شعار فوجی سردار اور بارسوخ درباری مدن لاو کا کو، جب اُس کی جان کو خطرہ درپیش رہا، بادشاہ دہلی کی پناہ میں ہی بھیج دیا۔ یہ بات قابلِ بیان ہے کہ دہلی کا بادشاہ ہمعصر سلطان فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ء۔۱۳۸۸ء، ۷۵۲ھ۔۷۹۱ھ) تھا اور کشمیر کے فارسی تاریخ نگاروں نے اس بادشاہ کے ساتھ سلطان شہاب الدین کی نزدیک رشتہ وقرابت داری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دونوں سلطانوں میں جنگ کے صلح میں تبدیل ہو جانے کے بعد فیروز شاہ تغلق نے سلطان شہاب الدین اور اس کے بھائی سلطان قطب الدین کو اپنی دونوں بیٹیاں نکاح میں دے دیں اور سلطان شہاب الدین نے اپنی بیٹی کا نکاح فیروز شاہ کے ساتھ کر دیا۔ تاریخ حسن کے مولف نے لکھا ہے کہ فیروز شاہ موصوف نے اپنی تیسری بیٹی سید حسن بہادر کے نکاح میں دے دی جو سلطان شہاب الدین کے سپہ سالار تھے۔ دہلی کے بادشاہ کے ساتھ قریب سیاسی روابط کی روشنی میں رشتہ داری قائم ہو جانے کی تعلق داری پر بلا کسی دقیق تحقیق کے منکرانہ رویہ اختیار کرنا، ناانصافی ہی نہیں بلکہ تاریخ نگاری کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔ ان روابط پر تحقیق باقی ہے۔

۳۱۶: جون راج شاعر بھی تھا اور ایک مشہور وطاقتور مسلمان سلطان کا درباری مورخ بھی۔ ظاہرہ ہے کہ بادشاہ کی قصیدہ گوئی کرنے سے کیسے باز رہتا۔ یہ سارا قصہ شعری قصیدہ خوانی کی روایتوں کے عینِ مطابق ہے جس میں

شاعر بادشاہ کو خود اس کے بقول خدا کہنے سے بھی نہیں ہچکچاتا۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

۳۱۷: سال ۴۹ لوکِک، سال ۱۳۷۳ء کے برابر ہے اور سلطان شہاب الدّین کی وفات کا صحیح سال یہی ہے۔ یہ سال ۷۷۵ھ کے برابر ہے۔ شک سموت ۱۲۹۵ کے مطابق۔

۳۱۸: **قُمبَہ دِینَ:** مراد ہے سلطان قطب الدّین۔ [اسلامی ناموں کو مسخ کرنے کی یہ ایک اور واضح مثال ہے جس پر برھمن کشمیری مورخ جون راج پنڈت نے عمل کیا ہے۔ ورنہ کیا سنسکرت زبان کے ہجوں میں قطب نہیں لکھا جا سکتا تھا؟]۔ **تاریخ حسن** (جلد۲/ص ۱۷۵۔۱۷۶) میں آیا ہے کہ ''سلطان قطب الدین سال ۷۸۰ھ مطابق ۱۴۳۵ بکرمی (۱۳۷۸ء) میں تخت نشین ہوا۔ اس نے **محلہ قطب الدین پورہ** بسایا جہاں اس نے بہت سی مستحکم تر ستونوں والی ایک اونچی عمارت تعمیر کی۔ سلطان نے اہلِ فساد کا قلع قمع کیا اور ملک میں عدل واحسان رائج کرنے میں اپنوں سے آگے نکلا۔ حکمرانی کی مشغولیتوں کے باوجود علمی کمالات کا حامل تھا۔ **لوھر کوٹ** کے حاکم نے بغاوت کا علم لہرایا تو سلطان نے اس کے ساتھ جنگ کر کے اُسے قتل کر دیا۔ سلطان نے اپنے بھتیجے **حسن خان** کو **دھلی** سے بلوا کر اُسے ملکی اُمور میں شریک کیا۔ چند عرصے کے بعد دشمنوں کی یارہ گوئی سے سلطان نے اُس سے بددل ہو کر اُسے گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ **رائے شردل** کے مشورہ پر، جو اُس کے باپ کا وزیر تھا، حسن خان، لوہر کوٹ چلا گیا اور وہاں پر موجود سلطان کے دشمنوں کے ساتھ مل گیا۔ سلطان نے رائے شردل سے بدگمان ہو کر اُسے زندان میں ڈال دیا۔ اُس نے زندان سے بھاگ کر خود کو حسن خان کے پاس پہنچا دیا اور وہاں دونوں نے مل کر

بغاوت کا علم لہرایا اور اس علاقے کے زمین داروں میں سے دو آدمیوں کو گرفتار کر کے سلطان کے پاس بھیج دیا۔ سلطان نے رائے شردل کو قتل اور حسن خان کو قید کر دیا۔

سال ۷۸۲ھ میں سلطان کے سعادت مند عہد میں **جناب امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانی** قدس سرّہ نے دوسری بار اپنے بابرکت قدموں سے خطۂ کشمیر کو جنت نظیر بنا دیا۔ رفقا اور سادات میں سے سات سو آدمی آپؒ کے ہمراہ تھے اور **محلہ علاء الدّین پورہ** میں اُترے۔ دریائے کے کنارے پر آپؒ نے ایک سنگین صُفّہ بنوایا جس پر آپؒ پانچ وقت نماز ادا کرتے تھے۔ سلطان محبت و عقیدت بجا لا کر آپؒ سے پند و نصائح سُنتا اور ان پر عمل کرتا تھا۔ چنانچہ سلطان کے نکاح میں دو باہمی بہنوں میں سے آپؒ کے فرمانے پر ایک کو طلاق دی۔ حضرت سیدؒ نے سلطان کو اپنی کلاہ مبارک تیمن کے طور پر عطا کی جسے سلطان نے تعظیماً اپنے تاج میں رکھ دیا اور سلطان کے فرزندوں نے اس کلاہ مبارک کو سلطان فتح شاہ کے عہد تک اپنے تاج میں رکھ دیا اور سلطان فتح شاہ اسے اپنے کفن میں لپیٹ کر لے گیا۔

مُلا احمد لکھتا ہے کہ حضرت امیرؒ نے کشمیر میں چھ سال گزار کر سال ۷۸۲ھ میں تبت کا رُخ کیا (مراد ہے لدّاخ) اور کاشغر و ختن میں دین متین کو رواج دیا۔ آپؒ افسوس شہر میں **اصحاب کہف** کی غار کی زیارت سے بھی فیضیاب ہوئے اور ۷۸۵ء میں واپس کشمیر کا رُخ کیا۔ سال ۷۸۶ھ میں **پکھلی** کے راستے سے تشریف لے گئے اور **کُنر سواد** کے حدود میں جان بحق ہوئے۔

سلطان قطب الدّین نے ۱۶؍سال اور ۲؍ماہ تک حکومت کرنے کے بعد انتقال کیا۔ تاریخ

قطب برخاست ز روئ **کشمیر**
از سرِ جاه **سکندر** بنشست

محلہ لنگر ہٹہ میں **روضۂ پیر حاجی محمد** کے متصل ایک سنگین مقبرہ میں مدفون ہے۔ دو بیٹے یادگار رہے ایک **میرزا شکار** جس کا لقب **سلطان سکندر** تھا اور دوسرا **میرزا ہیبت**۔ باپ کی وفات کے بعد سلطان سکندر تخت نشین ہوا۔

تاریخ جدولی کے مولف نے لکھا ہے "**سلطان قطب الدین** مدت حکومت ۱۶/سال ۵/ ماہ ہے۔ ماہ ۷۸۰ھ، ۱۳۷۸ء، ۱۴۳۵ بکرمی، کا اصلی نام **ہندال** تھا۔ **قطب الدّین پورہ** اس کا بنایا ہوا ہے۔ ۱۴۳۶ بکرمی میں کشمیر میں سیلاب آیا جس سے بیس ہزار عمارتیں برباد ہوگئیں۔ اس کے زمانے میں **حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی**ؒ دو مرتبہ رونق افزائے کشمیر ہوئے پہلی مرتبہ ۷۸۱ھ میں (اس سال میں چھاپی غلطی ہے صحیح ہے ۷۸۱ھ مترجم ڈاکٹر شمس الدّین احمد) سات سو کے قریب سادات کے ہمراہ جب کہ چھ مہینے قیام کیا اور دوسری مرتبہ ۷۸۵ میں جب کہ کشمیر میں **اُوراد فتحیہ** پڑھنے کی عام اجازت عطا کی۔ شاہ ہمدانؒ ۷۸۶ھ میں رحلت فرما گئے اور **ختلان** میں آسودہ ہیں۔ انؒ کے تبرکات ابھی تک **خانقاہِ معلیٰ** سرینگر میں موجود ہیں جہاں انہوںؒ نے اپنے قیام کے دوران ایک حجرہ تعمیر کرایا تھا۔ سلطان قطب الدین، پیر حاجی محمد صاحب کے صفہ پر دفن کئے گئے ہیں"۔

مجموع التواریخ کے مولف پنڈت بیربل کاچرو نے لکھا ہے:

"سال ۷۸۰ء میں **سلطان شہاب الدّین** کے برادر سلطان قطب الدّین پر اقبال کی بلندیوں سے قسمت کا ستارہ طلوع ہوا۔ اس نے مخلوق کے

رفاہ کی خاطر کوشش کی اور قطب آسمان کی مانند کامل اہتمام کے ساتھ کافۂ انام کی یکسان پرورش کی۔ سارے لوگ اس کے عہد حکومت میں نیک بختی اور خوش طالعی کے ساتھ فارغبالی کی کثرت میں زندگی گزارتے تھے اور خود بھی عیش ونشاط اور فرحت وانبساط کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اکثر شعر وشاعری کی طرف میل خاطر تھا اور قطب تخلص کرتا تھا۔ اس کے زادہ ہای طبع میں **دیوانِ قطبی** مشہور ہے۔ (مگر یہ دیوان اسمش معلوم و جسمش معدوم کے زمرے میں آتا ہے..... مترجم ڈاکٹر شمس الدّین احمد) اور ہم نے اس مختصر سی کتاب میں دو تین شعروں پر اکتفا کیا۔

اے بگردِ شمعِ روایت عالمی پروانہ ای
از لبِ شیرینِ تو شوری است در ہر خانہ ای
من بہ چندین آشنائی می خورم خونِ جگر
آشنارا حال این است وای بر بیگانہ ای
قطب مسکین گر گناہی میکند عیش مکن
عیب نہ بود گر گناہی میکندر دیوانہ ای

سال ۷۹۶ھ میں اجل طبیعی سے وفات پائی اور ۱۶ رسال تک حکومت کی"۔

ابوالفضل نے **آئین اکبری** میں اپنی عادت کے بموجب مختصر سے جملے میں لکھا ہے کہ "**سلطان قطب الدین** کے زمانے میں **میر سید علی ھمدانی** رح کشمیر آئے۔ سلطان نے اُن کی بڑی تعظیم کی"۔ ابوالفضل مذکور نے یہ بھی لکھا ہے کہ "سلطان قطب الدین ابن حسن الدین نے ۱۵ رسال ۵ رماہ اور ۲ رروز تک حکومت کی"۔ [ابوالفضل جیسے بارسوخ درباری کو شہنشاہ اکبر کی پابوسی کے اپنے مشغلے سے فرصت ہی کہاں تھی

کہ دربار سے باہر نکل کر تاریخ کشمیر کے حقایق کے بارے میں تحقیق کر کے ایک قابل اعتماد تاریخ اپنے پیچھے یادگار کے طور پر باقی چھوڑتا۔ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ کشمیر کے بارے میں اُس کی اطلاعات نا قابل اعتماد ہیں۔ اس امیر اور بارسوخ عالم درباری نے، ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ بعض مزدور لکھے پڑھے آدمیوں کو کام پر لگا کر ان سے کشمیر کے بارے میں اطلاعات کو جمع کرنے کو کہا تھا اور وہ سنی سنائی باتوں کو اکھٹا کر کے ابوالفضل کے پاس لا کر رکھ دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر کے اکثر راجاؤں اور مسلمانوں سلاطین میں بعضوں کے نام بھی صحیح طور پر نہیں لکھے ہیں۔ بعض سلاطین کی ولدیت تک گمراہ کُن حد تک غلط لکھی ہے جیسے سلطان قطب الدّین کے باپ کا نام حسن الدین لکھا ہے.... مترجم ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔

"**کشمیر سلاطین کے عہد میں**" نامی کتاب میں پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے (ترجمہ اُردو) کہ "شہاب الدین کے انتقال کے بعد اس کا چھوٹا بھائی **ہندال، قطب الدین** کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔ وہ نہ صرف ایک قابل حکمران تھا بلکہ خوش مذاق بھی تھا۔ شاعر تھا اور علم وادب کا مربی تھا۔ اُودے شری کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد اس نے اپنے نام سے ایک نیا شہر قطب الدین پور بسایا۔ اس کے دور حکومت کے آخری ایام میں ملک میں سخت قحط پڑا لیکن لوگوں میں کھانا، غلہ اور روپیہ تقسیم کر کے سلطان نے ان کو مصائب سے نجات دلائی"۔ اس کے بعد پروفیسر محبّ الحسن نے اُن تمام واقعات کو بعنیہ جون راج کی راج ترنگنی سے نقل کیا جو سلطان قطب الدین کی حکومت وسیاست سے مربوط ہیں اس وجہ سے میں طوالت کے خوف سے اُن کی تکرار سے صرفِ نظر کرتا ہوں۔

پروفیسر محبّ الحسن نے ان واقعات کے بعد کشمیر میں سلطان قطب

الدین کے عہد میں اہم واقعہ یعنی **حضرت سید علی ہمدانی**ؒ کی تشریف آوری کا واقعہ بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''قطب الدین کے عہد کا سب سے اہم واقعہ سید علی ہمدانی کی تشریف آوری ہے جو عام طور سے امیر کبیرؒ یا علی ثانیؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ چودھویں صدی کے اسلامی دنیا کی سب سے ممتاز شخصیتوں میں سے تھے۔ وہ ہمدان میں بروز دوشنبہ (سوموار) ۲۲/اکتوبر ۱۳۱۴ء (۱۲/رجب ۷۱۴ھ) کو پیدا ہوئے اور شہر کے مشہور خاندان سادات سے ان کا سلسلہ نسب ملتا تھا (ذیلی یادداشت۔ جرنل ایشیاٹک جلد CCXI، ۲۶۰، ص ۵۴)۔ ان کے والد سید شہاب الدینؒ ہمدان کے والی تھے۔ [یہ صحیح نہیں ہے البتہ وہ ہمدان کے والی کے دربار میں عمل دخل رکھتے تھے اور صاحب جاہ و حشم تھے... دیکھئے میری تحقیق بنیاد کتاب ''شاہ ہمدانؒ۔ حیات اور کارنامے'' (ڈاکٹر شمس الدین احمد)]۔ لیکن سید علیؒ نے اپنے والد کے سیاسی معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں لی بلکہ وہ اپنے ناموں کے زیر اثر تھے جو ایک ممتاز صوفی تھے۔ علاء الدین، سید علیؒ کے پہلے استاد تھے اور ان کو اوائل عمر میں درس قرآن دیا (ذیلی یادداشت۔ فتوحات کبرویہ ورق ۱۳۵ الف، ب، اور جعفر بدخشی کی خلاصۃ المناقب ورق ۹۰/الف)۔ اس کے بعد سید علیؒ شیخ شرف الدین محمود ابن عبداللہ مزدقانی کے مرید ہوئے جو اُن کے چچا کرے پیر تھے (ذیلی یادداشت۔ ایضا ورق ۱۳۶/الف، نفحات الانس ص ۵۱۵۔ حبیب السیر جلد سوم ص ۸۷) انہوں نے شیخ رکن الدین علاء الدولہ اور پھر قطب الدین نیشاپوری سے بھی درس لیا۔ شیخ رُکن الدین کی خدمت میں ۶/سال تک حاضر رہ کر انہوں نے تقی الدین دوستی سے ۲/سال تک فیوض حاصل کئے۔ (ذیلی یاداشت۔ فتوحاتِ کبرویہ ورق ۱۳۶/ب، ۱۱۳۰/الف) لیکن ان کے انتقال کے بعد وہ اپنے پرانے استاد شرف الدین محمودؒ کی خدمت میں پھر

حاضر ہوئے اور انہوں نے ان کی تعلیم مکمل کر دی۔ (ذیلی یادداشت۔نفحات الانس ص ۵۱۵۔ حبیب السیر جلد سوم ص ۸۷)۔ تعلیم ختم کر کے سید علیؒ اپنے اساتذہ کی خواہش کے مطابق سفر پر نکل پڑے۔ (سفر اختیار کرنے کا حکم حضرت شاہ ہمدانؒ کو صرف آپ کے اولین استاد حضرت شیخ شرف الدین محمود مزدقانیؒ نے دیا.... ڈاکٹر شمس الدین احمد) جو سفر کو حصول علم کا بڑا ہی کارآمد ذریعہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے متعدد سفر کئے۔ بعض استادوں کے مطابق انہوں نے تین بار دنیا کی سیاحت کی (ذیلی یادداشت۔ایضاً)۔ وہ حج بیت اللہ کے لئے کئی بار مکہ معظّمہ گئے اور اسلامی دنیا کے مختلف مقامات کی سیر کی (ذیلی یادداشت۔فتوحات کبرویہ ورق ۱۳۵/الف ۱۳۷... صحیح نام ہے فتحاتِ کبرویہ (ڈاکٹر شمس الدین احمد)۔ لیکن ان کا سب سے اہم سفر **کشمیر** کا سفر تھا جس کے اس ملک کے لئے بڑے دوررس نتائج برآمد ہوئے۔

سید علیؒ، کشمیر میں پہلی بار ۱۳۷۲ء میں وارد ہوئے۔ (کشمیر میں حضرت شاہ ہمدانؒ کے درود کے بارے میں دیکھئے میری تصنیف ''شاہ ہمدانؒ... حیات اور کارنامے'') چار ماہ کے قیام کے بعد وہ حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے ہمدان واپس آئے (یہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت شاہ ہمدانؒ کو چھوڑنے کے بعد اپنے مشاغل کی وجہ سے ہرگز ہمدان نہیں گئے۔ اُن کی ساری زندگی سفر میں گذری اور بعد میں قریۂ علی شاہ میں، جو اب کولاب کہلاتا ہے، آپ نے خانقاہ تعمیر کی اور وہیں پر آپ طالبوں کی روحانی تربیت کرتے رہے اور خود بھی گاہ بہ گاہ درس وتدریس کرتے رہے اور تفسیر علوم دین کے علاوہ حضرت شیخ محی الدین ابن العربیؒ کی مشہورِ کتاب فصوص الحکم کو پڑھاتے رہے جس کی آپؒ نے شرح بھی لکھی ہے... دیکھئے میری تصنیف ''شاہ ہمدانؒ.... حیات اور کارنامے'' (ڈاکٹر شمس الدین احمد)۔

دوسری مرتبہ وہ ۱۳۷۹ء میں قطب الدین کے دورِ حکومت میں تشریف لائے۔ اس مرتبہ انہوں نے ڈھائی سال تک قیام کیا اور پھر لداخ ہو کر ترکستان چلے گئے۔ وہ تیسری اور آخری بات ۱۳۸۳ء میں آئے اور تقریباً ایک سال قیام کر کے ترکستان چلے گئے۔ [یہ صحیح نہیں ہے۔ آپؒ یہاں سے براہِ راست اپنے وطن کی طرف روانہ ہوئے یعنی قریۂ علی شاہ (کولاب) ترکستان کی طرف نہیں]۔ سید علیؒ کی تیسری آمد کا سبب ۱۳۸۳ء میں فارس پر تیمور کا تیسرا حملہ تھا جب کہ اس نے عراق کو فتح کر کے ہمدان کے علوی سادات کو جو مقامی سیاست میں بہت اہم مقام رکھتے تھے ختم کرنے کا فیصلہ کیا [یہ امیر تیمورؒ پر ایرانیوں کی ایک تہمت ہے۔ امیر تیمورؒ نے اس نیت سے ہرگز فارس پر حملہ نہیں کیا۔ اُس کے دربار میں خاندانِ رسولؐ سے منسوب سادات سخت محترم تھے۔ خود امیر تیمورؒ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کا بڑا معتقد تھا۔ میں نے دلائل و براہین اور معتبر اسناد سے یہ حقیقت پایۂ ثبوت تک پہنچانے کی کوشش کی ہے کہ امیر تیمورؒ کو ایران کے کٹر شیعی مورخین تاریخ عالم میں بدنام کرنے میں پیش پیش رہے ہیں اور خود اختراعی کی بے حقیقت باتوں کو اس پاکباز سُنی شہنشاہِ عالمگیر کے ساتھ منسوب کر دیا ہے۔ دیکھئے میری تحقیق بنیاد کتاب ''شاہ ہمدانؒ... حیات اور کارنامے'' اور حضرت خواجہ نقشبندؒ اور طریقتِ نقشبندیہ]۔ سید علیؒ نے ہمدان کو سات سو سیدوں کی معیت میں چھوڑ دیا (یہ صحیح نہیں۔ آپ نے سادات کے اس گروہ کو وسط ایشیا کے مختلف مقامات سے اکھٹا کر لیا تھا ہمدان (ایران) سے نہیں.... دیکھئے میری کتاب شاہ ہمدانؒ... حیات اور کارنامے) اور کشمیر کی طرف چل پڑے جہاں اُن کو امید تھی کہ وہ تیمور کے غیظ و غضب سے محفوظ رہیں گے (جیسا کہ میں نے اشارہ کر لیا ہے، یہ محض شیعوں سے سنی سنائی باتیں ہیں جو علمی تحقیق کی نارسائی کے نتیجے میں عام ہو گئی تھیں۔

حضرت شاہ ہمدانؒ، امیر تیمور سے خوفزدہ ہوتے تو اول بار کشمیر میں آکر پھر کب واپس چلے جاتے یہیں کے ہوکر رہ جاتے اور پھر حضرات اولیاء پر خوف وغم کہاں؟۔ یہ سب شیعہ مورخینِ ایران کے امیر تیمور کے خلاف بغض وحسد کی باتیں ہیں۔ جس کسی سُنی بادشاہ جہانگشا نے ایران پر حملہ کیا اس پر طرح طرح کی تہمتیں لگادیں اور اُسے بدنام کردیا۔ ایک تیمورؒ ہی کیا اس سے پہلے ایران پر حملہ کرنے والے ایک اور سُنی غازی محمود غزنویؒ کے ساتھ بھی ان شیعہ متعصبین نے یہی سلوک کیا..... ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ سری نگر کے قریب ان کی آمد کی خبر سن کر سلطان قطب الدین نے اپنے خاص سرکاری عہدہ داروں کے ساتھ ان کا اور ان کے ساتھیوں کا بڑے جوش وخروش اور عزت وتکریم سے شہر میں خیر مقدم کیا۔ سید علی نے علاء الدین پور میں ایک سرائے میں قیام کیا۔ وہاں انہوں نے ایک صفہ (چبوترہ) بنوایا جہاں پر وہ نماز پڑھتے تھے جس میں قطب الدین بھی شامل ہوتا تھا۔ [ذیلی یادداشت۔ بہارستانِ شاہی ورق ۱۲۴/الف، حسن]۔

اس وقت کشمیر میں بہت تھوڑے سے مسلمان تھے اور اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ لباس طور طریقہ اور رسم ورواج میں ہندوؤں سے کوئی امتیاز نہ تھا۔ (ذیلی یادداشت۔ مثال کے طور پر حیدر ملک ورق ۳۶۔ب علاء الدین پور میں ایک مندر تھا جس میں ہر صبح سلطان اور رعایا جایا کرتے تھے) اور شرح اسلامی کے خلاف اس نے دوسگی بہنوں سے شادی بھی کی (ذیلی یادداشت فتوحات کبرویہ ورق ۱۴۷ب)۔ ایک بار قحط کو دفع کرنے کے لئے قطب الدّین نے **یکجا** کیا اور برہمنوں کو بہت سے تحائف دئے (ذیلی یادداشت جون راج ص۵۳) سید علیؒ نے ان باتوں کے خلاف آواز بلند کی اور قطب الدین کو ایک بیوی کو طلاق دینے اور دوسری کو رکھنے کو کہا۔ اس نصیحت کے

مطابق سلطان نے بڑی بہن کو طلاق دے دی اور چھوٹی بہن **سنودا** سے دوبارہ نکاح کیا جس سے دولڑکے **سکندر** اور **ھیبت** پیدا ہوئے۔ سید علیؒ نے سلطان کو مسلم ممالک کا عام لباس زیب تین کرنے کی بھی تاکید کی۔ برھمن پروہتوں سے مناظرہ کیا اور اس طرح بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

قطب الدین سید علیؒ کے تمام مشوروں پر عمل نہ کرتا تھا کیونکہ وہ اپنی غیر مسلم رعایا کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا [یہ محبؔ الحسن کی محض خاطر خیالی ہے کہ سلطان، حضرت امیر کبیرؒ کے تمام مشوروں پر عمل نہ کرتا تھا۔ اس کے لئے اُس نے کوئی شواہد یا مستند دلائل پیش نہیں کئے۔ بلکہ ایک اسلامی سلطنت کی بنیادوں کو مستحکم بنانے کے لئے بادشاہ کو شرعی مسائل سے آگاہ کرنا ہی مبلغ اعظم حضرت شاہ ہمدانؒ کا کام تھا۔ ایسا کرنے میں غیر مسلم رعایا کی ناراضگی کا سوال کہاں سے آتا ہے۔ شریعت اسلامی میں ایک مسلمان بادشاہ کی نظر میں ہندو اور مسلمان رعایا کا مرتبہ حکومتی اور سیاسی لحاظ سے یکساں ہوتا ہے۔ محبؔ الحسن کے اس جملے سے کہ ''وہ اپنی غیر مسلم رعایا کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا'' ایسا ظاہر ہو جاتا ہے جیسے کہ حضرت شاہ ہمدانؒ، سلطان قطب الدین کو غیر مسلموں کے خلاف مشورے دیتے تھے۔ اسی لئے میں نے کہا کہ یہ محض محبؔ الحسن کی ذاتی خاطر خیالی ہے۔ ورنہ حضرت شاہ ہمدانؒ کا رویہ کشمیر کے ہندوؤں کے ساتھ ایسا رہا کہ ہندو برھمنانِ کشمیر پچھلے کئی سو سال سے حضرت شاہ ہمدانؒ کی نشست گاہ یعنی خانقاہِ معلیٰ کی چوکھٹ پر تعظیم واحترام کے ساتھ اپنے سر جھکاتے رہتے ہیں۔ اس حقیقت سے یہ غیر کشمیری مورخ محبؔ الحسن بے خبر ہے... ڈاکٹر شمس الدین احمد] لیکن وہ ان کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا اور روزانہ ان کی زیارت کو جاتا تھا۔ سید علیؒ نے اپنی کلاہ سلطان کو عطا فرمائی جس

کو وہ ہمیشہ اپنے تاج کے نیچے پہنا کرتا تھا۔ بعد کے سلاطین نے اس دستور کو جاری رکھا اور آخر کار **فتح شاہ** کی وصیت کے مطابق کلاہ کو اس کے جسد خاکی کے ساتھ سپرد خاک کر دیا گیا (ذیلی یادداشت۔ حسن ۱۱۰/الف، حیدر ملک ۱۱۱/الف، کہا جاتا ہے کہ جب ایک درویش نے کلاہ مبارک فتح شاہ کے ساتھ دفن ہونے کی خبر سنی تو اس نے خاندان شاہی کے خاتمہ کی پیشگوئی کی) وادی میں ایک سال کے قیام کے بعد سید علیؒ نے رخت سفر باندھنے کا ارادہ کیا۔ سلطان نے ان سے ارادۂ سفر ملتوی کرنے کے لئے بہت منت و عاجزی کی لیکن وہ نہ مانے اور اپنے کچھ مریدوں کو لے کر روانہ ہو گئے۔ سلطان کی درخواست پر انہوں نے مولانا محمد بلخی کو جو عام طور پر میر حاجی محمد کے نام سے مشہور ہیں (صحیح ہے پیر حاجی محمدؒ جو موجودہ اسی نام کے محلے میں صراف کدل کے متصل مدفون ہیں... ڈاکٹر شمس الدین احمد) سلطان کو شرعی معاملات میں ہدایت دینے کو چھوڑ دیا (ذیلی یادداشت۔ فتوحات کبرویہ ورق ۱۵۱/ب، مجموعی در انساب مشائخ کشمیر ورق ۱۱۱/ب) حسن ورق ۱۱۰/ب، کشمیری امراء میں ایک شخص لدی ماگرے بھی حضرت کے ہمراہ گیا (سید علی ص ۱۴۔۱۳) سید علی پہلے پکھلی گئے اور پھر وہاں سے کافرستان کے قریب کُنار پہنچے۔ یہاں وہ سخت بیمار پڑے اور ۱۹/جنوری ~~۱۳۸۵~~ء کو وفات پائی (۶/ذی الحجہ ~~۷۸۶~~ھ اسلامی تاریخ تھی... ڈاکٹر شمس الدین احمد) اور ختلان میں سپرد خاک ہو گئے (کولاب نامی گاؤں میں مدفون ہوئے جو اس زمانے میں قریۂ علی شاہ کہلاتا تھا۔ یہ گاؤں اب تاجکستان میں ہے اور مجھے حضرت شاہ ہمدانؒ کے روضۂ مقدس کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی ہے.... ڈاکٹر شمس الدین احمد)

سید علیؒ عربی اور فارسی کو متبحر عالم تھے۔ انہوں نے ایک سو سے زائد تصنیفات منطق، فلسفہ، سیاست، علم الاخلاق، تصوف اور فقہ و تفسیر پر چھوڑی

ہیں۔ (ذیلی یادداشت ETHE جلد اول ص۱۰۲۱، RIEU جلد۲ر ص ۸۳۵ب ۸۳۶الف، ان کی تصنیفات کی فہرست کے لئے دیکھوژ ورنل ایشیاٹک ج ۲۶۰ص اور بعد، یغما جلد۴، نمبر۸ ص ۳۴۷ وغیرہ) کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قیافہ شناسی پر ایک رسالہ قیافہ نامہ بھی لکھا ہے (ذیلی یادداشت۔ETHE ،ج۲ نمبر ۳۰۵۷)۔ اس موضوع پر ان کی ایک اور تصنیف فی علم المقیافہ بوڈلین کمیٹلاگ میں درج ہے۔ ان کی کتاب ذخیرۃ الملوک، سیاست اور علم الاخلاق پر ہے۔ اس میں حکومت، رعایا اور حکمرانوں کے فرایض پر ان کے خیالات درج ہیں [میں نے ذخیرۃ الملوک کتاب کا دو حصوں میں اردو میں ترجمہ کیا ہے جو چھپ چکا ہے۔ پہلے حصے میں کتاب کا فارسی متن کا ترجمہ ہے اور دوسرا حصہ کتاب کے متن سے مربوط حواشی، توضیحات اور تعلیقات پر مشتمل ہے.....ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔

کشمیر کے شیعوں کی روایت کے مطابق سید علی ہمدانیؒ کو شیعہ کہا جاتا ہے۔ نوراللہ شوستری نے اپنی تصنیف مجالس المومنین میں ان کا نام شیعی درویشوں میں لکھا ہے لیکن نوراللہ شوستری کو اس سلسلہ میں قابل وثوق نہیں سمجھا سکتا کیونکہ وہ تمام بڑے صوفیوں، فلسفیوں اور اسلام کے قرون وسطی کے تمام اکابر کو شیعہ بتاتے ہیں۔ موجودہ دور کے ایک عالم نے سید علیؒ کو اس بنا پر شیعہ بتایا ہے کہ انہوں نے اپنی نظموں میں حضرت علیؓ اور ان کے جانشینوں کی مدح سرائی کی ہے (ذیلی یاداشت۔ جرنل ایشیاٹک جلد۲۶۰ ص ۵۴م یغما ج۴ر نمبر۸، ص ۳۳۷۔۳۳۸) لیکن یہ ثبوت کافی نہیں ہے کیونکہ بہت سے سنی درویشوں نے بھی اہل بیت کی شان میں قصائد لکھے ہیں۔ لہٰذا اس بات کا کافی ثبوت نہیں ملتا کہ سید علیؒ شیعہ تھے۔ اس کے برخلاف اُن کے سنی مسلمان ہونے کا کافی جواز موجود ہے۔ اپنی تصنیف ذخیرہ الملوک میں حضرت عائشہؓ

اور خلفائے راشدینؓ کی سند پر انہوں نے بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ ان کو چاروں خلفا سے گہرا شغف تھا اور وہ انہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مقام دیتے ہیں۔ ایک مقام پر انہوں نے بڑے پُرزور الفاظ میں لکھا ہے کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت کو پھیلائے (ذیلی یادداشت، ذخیرۃ الملوک ورق ۵۲ ب)۔ ان کے ایک مرید جعفر بدخشی کا قول ہے کہ وہ پہلے حنفی تھے لیکن بعد میں شافعی ہو گئے تھے لیکن اپنے کسی مرید کے حنفی رہنے پر ان کو اعتراض نہ تھا اور نہ کشمیر میں حنفی قانون کی انہوں نے مخالفت کی (ذیلی یادداشت۔ جعفر بدخشی مناقب الجواہر ورق ۳۰ ب، ۱۳۱/الف۔ فتوحاتِ کبرویہ ورق ۱۴۷/ب)، [میں نے معتبر دلائل وشواہد سے یہ حقیقت ثابت کی ہے کہ حضرت شاہ ہمدانؒ سنی مسلمان تھے اور شافعی مسلک رکھتے تھے۔ دیکھئے میری کتاب "شاہ ہمدانؒ... حیات اور کارنامے"]۔ سید علیؒ، دو واسطوں سے شیخ احمد علاء الدین سمنانی (وفات ۳۶-۱۳۳۵ء) کے خانوادہ تصوف سے تعلق رکھتے تھے۔ [صحیح نام ہے رکن الدین احمد بن محمد بیابانکی کنیت ابوالمکارم لقب علاء الدولہ، نہ کہ علاء الدین۔ علاء الدولہؒ کے خانوادۂ تصوف سے حضرت شاہ ہمدانؒ ہرگز منسلک نہ تھے بلکہ اُن کا تعلق براہ راست کم سنی سے ہی اولین مرشد حضرت شیخ شرف الدین محمود مزدقانیؒ کے تعلق سے حضرت شیخ نجم الدّین طامۃ الکبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کے کُبرویہ سلسلے سے پیدا ہو چکا تھا۔ چونکہ وہ اسی سلسلے سے آخر حیات تک قائم رہے۔ اس لئے حضرت شاہ ہمدانؒ نے کوئی ذاتی سلسلۂ تصوف ایجاد نہیں کیا.... ڈاکٹر شمس الدین احمد] اگرچہ انہوں نے کسی سلسلہ کو جاری نہیں کیا لیکن ان کے ایک بلا واسطہ مُرید سید محمد نوربخش نے نویں صدی ہجری میں نوربخشیہ سلسلہ قایم کیا تھا جس نے کئی صدی تک ایران کی علمی اور مذہبی زندگی میں بڑا ہی اہم حصہ لیا۔ [سید محمد نوربخش، حضرت شاہ

ہمدانؒ کے مُرید نہیں تھے، وہ طریقت میں حضرت علاء الدولہ سمنانیؒ اور خواجہ اسحٰق ختلانیؒ کے مُرید تھے اور خواجہ اسحٰق ختلانیؒ نے ہی سید محمد کو نور بخش کا لقب دے کر خرقۂ تصوف پہنایا تھا۔ حضرت خواجہ اسحٰق ختلانیؒ، حضرت شاہ ہمدانؒ کے داماد تھے.... اس سلسلے میں دیکھئے میری کتاب ''شاہ ہمدان.... حیات اور کارنامے'' ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ فی الحقیقت ایران اور وسط ایشیاء میں سید علیؒ کے کارناموں کا مکمل جائزہ ابھی تک نہیں لیا گیا ہے لیکن اتنا تو ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ کامیابی انہیں وادی کشمیر میں حاصل ہوئی اور ساڑھے چار سو برس (صحیح ہے ساڑھے چھ سو برس.... ڈاکٹر شمس الدین احمد] گذر جانے کے بعد ان کے اثرات آج بھی پائے جاتے ہیں''۔

واقعات کشمیر میں آیا ہے کہ شہاب الدین کا بھائی سلطان قطب الدین سال ۷۸۰ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور فتنہ وفساد کے دروازے لوگوں پر بند کر دئے۔ اس محلّہ کو جو **قطب الدین پورہ** کے نام سے مشہور ہے اپنا دارالخلافہ قرار دیا۔ لوگوں کے سر پر لطف واحسان کا ہاتھ رکھا۔ ملکی مشاغل میں مصروفیات کے باوجود علمی کمالات کی بہت رغبت تھی اور شعر اکثر کہتا تھا۔ اس کے اشعار میں سے ؎

ای بگردِ شمعِ رویت عالمی پروانہ ای
وزلبِ شیرینِ تو شوریست درہر خانہ ای
من بہ چندین آشنائی میخورم خونِ جگر
آشنا را حال این است وای بر بیگانہ ای
قطبِ مسکین گر گناہی می کند عیش مکن
عیب بنودگر گناہی میکند دیوانہ ای

سولہ سال تک بادشاہی کی اور سال ۷۹۶ھ میں طبعی اجل سے وفات

پائی۔ اس کی خواب گاہ بڑی مسجد کے جوار میں ندی کی طرف ہے جسے **یاجہِ برین** کہتے ہیں اور **مزار شاہ قطب الدین** سے بھی مشہور اور معروف ہے اور صفہ میں قبلہ کی طرف مدفون ہے۔ سنگین احاطہ تھا اور اس وقت مزار کا اکثر حصہ لوگوں سے پامال ہو چکا ہے سوائے بادشاہ کی قبر کے جو بلندی پر واقع ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خاص عطیوں اور برکتوں میں سے جو اُس کے مبارک دور میں کشمیر پر نازل ہوئیں وہ جناب تقدس اکتساب، ولایت انتساب، سیادت مرتبہ، قطب الاولیاء، محبوب ربانی، **حضرت سید علی ہمدانی** نور اللہ مرقدہ کے قدوم مبارک کے کشمیر میں داخل ہونے کے ہیں اور جنہوں نے ۸۱ےھ میں کشمیر میں نزول اجلال فرمایا آپ کے **مقدم شریف** کے داخل ہونے کی تاریخ مقدم شریف ادرہے چنانچہ جناب **حضرت سید محمد خاوری** نے، جن کا ذکر ان اوراق میں آرہا ہے، بنات سے زیادہ میٹھے ان اشعار میں حضرت سید السادات کے قدوم شریف کے بارے میں کہا ہے ؎

میر سید علی شہِ ہمدان — سیرِ اقلیم سلبعہ کردہ نکو
شد مشرف ز مقدمش کشمیر — اہل آن شہر از و ہدایت جو
سالِ تاریخ مقدم اورا — یابی از ''مقدمِ شریف اُوْ''

تحقیق کے ساتھ ثابت ہے کہ رفقا و سادات اور خدام میں سے تقریباً سات سو آدمی آپؒ کے ساتھ تھے اور اس ملک کے خاص و عام کو ارشاد و ہدایت سے رہنمائی فرمائی۔ جناب آن حضرتؒ کا نزول **محلہ علاء الدین پورہ** میں ایک سرائے میں ہوا جو وہاں پر تھی۔ **دریائے بہت** کے کنارے پر ایک مربع صفہ پر، جہاں پر اس وقت خانقاہ فیض پناہ ہے، پانچ

وقت کی نماز پڑھتے تھے اور سلطان (قطب الدین) درست نیت وخلوص کے ساتھ خدام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوتا اور محبت وعقیدت کے آداب بجالاتا تھا اور جناب آں حضرتؒ سے پند ونصائح سن کران پر کاربند رہتا تھا۔ چنانچہ جہالت کی بناپر بیک وقت اُس نے جو دو بہنوں کے ساتھ شادی کی تھی۔ (یعنی جو آپس میں بہنیں تھیں) اُس کو منقطع کر دیا۔ چونکہ شریعت محمدی ﷺ کا علم ابھی بہت کم تھا، مسلمان بھی کم ہی تھے اور اسلام اور شریعت کے احکام ابھی بخوبی شایع نہیں ہوئے تھے اور سلطان بھی کافروں کا لباس پہنتا تھا جسے اس نے حضرت سیدؒ کے امرونہی پر ترک کر دیا اور آں حضرتؒ کے احکام کو دل وجان سے بجالایا۔

جناب حضرت سیادت دستگاہ قلب الاولیاءؒ نے بادشاہ قطب الدین کو کمال لطف وکرم سے کلاہِ مبارک عطا فرمائی تھی۔ سلطان نے اس کے قبول کرنے کے آداب بجالاتے ہوئے اسے تعظیم وتکریم کے ساتھ اپنے تاج میں رکھا اور یہ روایت وبرکت بادشاہ **فتح شاہ** کی سلطنت کے اواخر تک ان کی اولاد میں باقی رہی اور فتح شاہ نے اسے اپنے کفن میں لپیٹ لیا۔ **مولانا محمد آنی** نے، جو فتح شاہ کے زمانے میں وقت کے علامہ اور عارف تھے، کہا کہ ''برکت وسلطنت کو زمین کے نیچے لے گیا''۔ اس کے بعد سلطان قطب الدین کی اولاد کی بادشاہی میں خلل پیدا ہو گیا یہاں تک کہ آہستہ آہستہ اس حد تک پہنچا کہ **چک قوم** میں منتقل ہوئی۔ چنانچہ اس کا ذکر اپنے مقام پر تفصیل کے ساتھ ہوگا۔

قدیم تواریخ میں آنحضرتؒ کے قدوم مبارک کی تاریخ، سال ۷۸۱ھ اور واپسی کا سال ۷۸۶ھ لکھا گیا ہے۔ لیکن اس بات کا کوئی قائل نہیں کہ آنجنابؒ کشمیر میں پانچ چھ سال رہے ہوں۔ پس عقل یہی کہہ رہی ہے کہ چند بار آئے

ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ اس ملک کو تین سال تک (غالباً تین بار ہونا چاہئے... ڈاکٹر شمس الدین احمد) اپنے قدوم سے مشرف کیا۔ ''آنحضرتؒ کے رُبع مسکون کی تین بار کی سیر'' اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے اور **قاضی ابراھیم ولد حمید الدین** نے جو اُس زمانے کے قریب تھا، اپنی تاریخ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

بہرحال صفہ کے اوپر، جس جگہ پر اس وقت **حجرۂ خاص** ہے، اکثر اوقات رہتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ وہاں پر تجلی ذات سے مشرف ہوئے۔ جب اس شہر سے کوچ فرمایا تو سلطان قطب الدین کے التماس پر **مولانا محمد قاری** کو جو آپ کے ہمراہ تھے، ٹھہرنے کا حکم دیا۔ جب آپ سوادِ کُنر میں پہنچے تو آپ کے سمعِ شریف میں ''یا اَیَّتُھَا النّفسُ المطمئِنۃ ارجِعی الیٰ ربِك'' کی آواز پہنچی اور ۶/ذی الحجہ سال ۷۸۶ھ میں آپ کی ولایت بخش روح کا پرندہ عرش الٰہی کے سائے میں اڑ کر چھا گیا۔ چونکہ سانس کے منقطع ہونے کے وقت آپ نے بسم اللّٰہِ الرّحمٰن الرّحیم زبان مبارک سے فرمایا تھا۔ یہی جملہ آپ کی تاریخ وفات ٹھہرا۔ **شید محمد سرائی** نے جو وقت صلحاء اور بلغاء میں سے تھے، یوں کہا۔

قطعہ تاریخ:

مفخرِ عارفان شہِ ہمدان — کہ دمش باغِ معرفت بشکفت
مظہر نورِ حق کہ رویش را — عاقبت از جہانیان بنفہت
عقل تاریخ سالِ رحلتِ او — ''سید ما علی ثانی'' گفت

کشمیر کے لوگوں، اہلِ طابقان اور پکھلی کے حکمران، جس کا نام سلطان محمد تھا، کے درمیان دفن کئے جانے کے معاملے پر جھگڑا ہو گیا۔ ہر کوئی اپنی ہی طرف داری کرتا تھا۔ غسل و جنازہ کے بعد **شیخ قوام الدّین**

بدخشی نے، جو خاص محرموں اور مخصوص ملازمین میں سے تھے کہا: ''جو بھی کوئی تابوتِ مبارک کو اٹھا سکے گا وہ اسے لے جائے'' ہر کسی نے اٹھانے کی کوشش کی، کوئی اٹھا نہ سکا سوائے شیخ توام الدین کے کہ انہوں نے اکیلے ہی اٹھالیا۔ پس ملازموں نے نفسِ مبارک کو سوادِ کُنر اور چرار کے پہاڑوں کی راہ سے **ختلان** پہنچا دیا اور ۵/ جمادی الاُخریٰ کو دفن کر دیا اور اس جگہ کو دنیا اور دنیاوالوں کیلئے زیارتگاہ بنایا۔

شیخ محمد ازکانی سے جو علم آپؒ کو اجازت کے وقت ملا تھا اور کئی بار حرمین میں آپ کے ساتھ تھا، اس کی علمداری آپؒ نے کشمیر سے سفر کرتے وقت **لدی ماگریے** کے سپرد کی تھی۔ جب آں حضرتؒ کا واقعۂ ناگزیر (وفات پانے کا واقعہ) ہوا تو **ملک دیوی گنائی** کوشش کر کے لدی ماگرے کے ہمراہ علم کو کشمیر میں لے آئے اور اس صفہ میں رکھ دیا جو اس وقت حجرۂ خاص ہے۔ سلطان قطب الدّین اور اکثر اُمراء زیارت کے لئے اس صفّہ میں آتے تھے۔

راہ میں آنحضرتؒ کا کتابخانہ رہ گیا تھا سلطان کے التماس پر مولانا احمد کو لانے کے لئے بھیج دیا گیا۔ حضرت امیرؒ کے ظاہری اور باطنی کمالات کا ذکر کرنے کی غایت شہرت کی وجہ سے ضرورت نہیں، اس کے لئے کمال جرأت چاہئے۔ **خانقاہِ معلیٰ** کی بنیاد کی کیفیت کو (رسالۂ) **ثمرات** میں شرح ووسعت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے اور اپنی جگہوں پر اس کتاب میں بھی مرقوم ہوگا۔ جب سے یہ آنجنابؒ کی پانچ اوقات کی عبادت گاہ بنی تب سے معمور اور خاص وعام کی زیارت گاہ ہے اور ابھی تک اسکی مکرّر تجدید تعمیر ہوئی ہے اور اس شہر کے نوادر مقامات میں سے ہے۔

به زمینی که نشانِ کفِ پایِ تو بود
سالها قبلۂ صاحب نظران خواہد بود

حضرت امیر کبیرؒ کا نسب یوں ہے :

''حضرت امیر کبیر ابن میر شہاب الدین ابن میر سید محمد ابن سید علی ابن سید یوسف ابن سید شرف الدین ابن سید محبّ اللہ ابن سید محمد ثانی ابن سید جعفر ابن سید عبداللہ ابن سید محمد اول ابن سید علی ابن سید حسن ابن سید حسین ابن سید جعفر الحجہ ابن سید عبداللہ زاہد ابن سید حسین ابن امام ہمام زین العابدین علی ابن الحسین السعید الشہید رضی اللہ تعالیٰ عنہم''

کنگڈم آف کشمیر میں آیا ہے: ''شہاب الدین کے بعد اُس کا چھوٹا بھائی ہِندال، جو ہندو خان بھی کہلاتا تھا۔ قطب الدین کے لقب سے تخت نشین ہوا (۱۳۷۳ء۔ ۱۳۶۹ء) [کتاب میں ۱۳۶۹ء غلط چھپا ہے صحیح ہے ۱۳۸۹ء۔ نیز ہندو خان کا نام جو مؤلف نے ہندال کے ساتھ منسوب کیا ہے نادر اطلاعات میں سے ہے.... ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا، اُس کی وفات سے پہلے شہاب الدین نے اپنے دو بیٹوں حسن خان اور علی خان کو جلاوطنی سے واپس بلا لیا تھا لیکن صرف حسن خان ہی کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ **جموں** پہنچا تو اُس نے اپنے باپ کی اچانک وفات پانے اور اپنے چچا کے تخت نشین ہونے کی خبر سنی۔ پس سری نگر کے حالت کا جائزہ لینے کے لئے کچھ عرصے تک اس نے وہیں پر رہنے کا فیصلہ کر لیا جہاں پر وہ تھا۔ لیکن قطب الدین نے اُسے اپنے وطن میں لوٹ آنے پر اصرار کیا تا کہ وہ ولی عہد بن جائے کیونکہ سلطان کا اپنا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ یہ تجویز حسن خان کے لئے خاصی رغبت والی تھی وہ لوٹ آیا اور وفاداری کا حلف اٹھالیا۔

اپنی سلطنت کے آغاز میں قطب الدین کو **لوھر** میں ایک سخت بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ اُس سے پہلے شہاب الدین وہاں کے سردار کو زیر کرنے میں ناکام رہا تھا۔ قطب الدین نے اُسے زیر کرنے کے لئے ایک

طاقتور ڈامر **لولک** کو روانہ کیا۔ پس اس نے تسلیم ہو جانے کی شرائط طے کرنے کے لئے اپنے چند برہمن قاصدوں کو بھیجا لیکن لولک نے قاصدوں کو برھمنوں کے لباس میں جاسوس سمجھ لیا اور اُن کو سزا دی۔ لوہر کے سردار نے جب یہ خبر سنی وہ غضبناک ہوگیا اور جنگ پر اُتر آیا۔ نتیجے کے طور پر ایک خوفناک جنگ ہوئی جس میں کئی ساتھیوں کے ساتھ لولک مارا گیا۔ قطب الدین بھی لوہر کو زیر کرنے میں ناکام رہا۔

لیکن زیادہ سخت **حسن خان** کی بغاوت تھی۔ کشمیر میں واپسی کے بعد اُس نے خود کو سلطان کے دشمنوں کے ہاتھوں میں آلہ کار بنالیا۔ اس لئے دونوں کے روابط متاثر ہوئے لیکن پھر بھی قطب الدّین نے اپنے بھائی کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ لیکن **اُدیہ شری** نے جو اس کا وزیر اعظم تھا، خیال کیا کہ سلطان ایک کمزور آدمی ہے۔ بس اس نے سلطان قطب الدّین کو تخت سے اتار دینے اور حسن خان کو تخت پر بٹھانے کے حق میں سازش کی۔ لیکن ایک سازشی کی وساطت سے وقت سے پہلے ہی یہ سازش سلطان پر آشکار ہو جانے کی وجہ سے ناکام رہی۔ پس حسن خان، لوھر بھاگ گیا۔ اُدیہ شری کو پکڑ کر قید میں ڈال دیا گیا اور اس کے قدیم خدمات کی رعایت میں اُسے جلد ہی رہا کر دیا گیا۔ لیکن اس کے بعد جب وہ پھر حسن خان کے ساتھ شامل ہوا۔ اُسے گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ کچھ مدت بعد حسن خان ایک **کھس سردار** کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور اپسے سلطان کے سامنے پیش کیا گیا جس کو اس نے قید میں رکھا۔

قطب الدین کے زمانے کا بہت ہی نمایاں اور غیر معمولی واقعہ کشمیر میں **سید علی ھمدانی**ؒ کی تشریف آوری تھی۔ سید موصوفؒ کے بارے میں بہت کچھ لکھا جائے گا لیکن یہاں پر یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ آپؒ کے زیر اثر سلطان نے اپنا بیشتر وقت عبادت میں گزارا اور کیئی ایسے رسوم کو ترک

کیا جو اسلامی تعلیمات کے خلاف تھیں۔

قطب الدین کے عہد میں قحط اکثر پڑتے تھے لیکن اس نے مظلوم رعایا کی مدد کرنے کی بہت کوشش کی۔ ان میں اس نے مفت خوراک تقسیم کی اور قحط کی تکراروں سے بچنے کے لئے نذر و نیاز کئے۔ وہ سلطنت کے اُمور کی طرف خود متوجہ ہوتا اور ان کو عدل و انصاف اور رواداری کے ساتھ نپٹاتا تھا۔ خود شاعر ہونے کی وجہ سے اس نے شاعروں کی تربیت کی۔ **قطب الدین پور،** جو اب سری نگر کا ایک حصہ ہے، اسی کا بنایا ہوا ہے"۔

میں نے سلطان **قطب الدین شاہ میری** کے بارے میں اہم مقامی فارسی تواریخ، غیر مقامی مآخذ اور انگریزی کے اہم مقامی حوالے سے تمام اطلاعات کو قارئین کی توجہ میں لا کر رکھ دیا ہے تا کہ موجودہ محققین و مورخین کو جو فارسی مورخین کی نگارشات سے ناواقف ہیں یا عمداً اُن کو نظر انداز کر کے فقط انگریزی زبان کے حوالوں پر اعتماد کرتے ہیں، **قطب الدین** کی ہمہ پہلو بادشاہی شخصیت پر دسترس حاصل ہو اور تحقیق و آرا کی تجدید ہو پائے۔ ان تمام اطلاعات میں، جیسا کہ قارئین نے دیکھا ہوگا سبھی تاریخ نگاروں نے متفقہ طور پر یہ نمایاں حقیقت لکھی ہے اور تصدیق کی ہے کہ دنیائے اسلام کی ایک ممتاز دینی اور علمی شخصیت نے سلطان قطب الدین شاہ میری کے عہد میں اپنی تشریف آوری سے کشمیر کو مزین فرمایا جن کا اسم مبارک **میر سید علی ہمدانی**رحمۃ تھا اور ان مقامی مورخین میں مسلمان بھی شامل ہیں اور ہندو بھی۔ لیکن پنڈت جون راج کشمیری برہمن مؤرخ کے غلیظ اور گاڑھے برہمنی تعصب کی حدوں کو کہاں تک لے جائیں جس نے کشمیر کی اس اہم اور وقت کی بزرگوار ترین بلکہ ہمہ وقت کی معزز و اکرم ترین شخصیت کا صحیح نام تک نہیں لیا ہے۔ (دیکھئے حاشیہ ۹۸۵)۔ **جون راج** کی تاریخ نگاری کے

لوازمات اور علمی طور طریقوں پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے ہم تو یہی کہیں گے اور بار بار کہیں گے کہ ۔

سیاہی از حبشی کی رود کہ خود رنگ است

۳۱۹: نگینے کی ایک قسم جسے انگریزی میں Sun-Jewel کہتے ہیں۔

۳۲۰: یعنی لولک ڈامر۔

۳۲۱: یاونوں کے لئے دیکھئے حاشیہ ۲۲۔

۳۲۲: تمام مقامی مؤرخین نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ شہزادہ حسن ابن سلطان شہاب الدّین دہلی سے، جہاں پر وہ جلاوطنی کی زندگی گزار رہا تھا، باپ کے بلانے پر پہلے جموں پہنچا اور وہیں پر باپ کے انتقال کرنے کی خبر سنی۔ غالباً مہندر منڈل سے مراد جموں ہو۔

۳۲۳: پنڈت جون راج کشمیری برہمن مورخ نے اپنی برہمنی دنیا سے باہر آنے کی ہرگز کوشش نہیں کی ہے بلکہ کشمیری مسلمانوں کے حق میں بھی برہمنانہ رسوم کو مشابہ کیا ہے۔ معلوم ہے کہ مسلمان مردوں کی پیاسی رُوح کو پانی پلانے پر یقین نہیں رکھتے ہندوؤں میں یہ رسم شرادھ کہلاتی ہے۔

۳۲۴: **اِندَر**: دیکھئے حاشیہ ۱۷۳۔

۳۲۵: یعنی سلطان شہاب الدّین۔

۳۲۶: **اپسرا**: دیکھئے حاشیہ ۲۸۳۔

۳۲۷: **میرُد پہاڑ**: ایک فرضی یا افسانوی پہاڑ کا نام جو ہندوؤں کے خرافات (Mythology) میں یونانیوں کے اولمپس (Olympus) کی مانند ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ یہ پہاڑ جَمبُو دویپ (دنیا کے حصوں میں سے ایک حصہ) کا مرکزی نقطہ ہے اور تمام سیارے اسی کے گرد گھومتے ہیں۔ اس کا مقابلہ کمل پھول کے بیجوں کی پیالی سے کیا جاتا ہے جس کے پتے

مختلف دوِیپُوں (دنیوی حصوں) سے بنتے ہیں۔اس کے اونچائی چوراسی ہزار یوجن ہے (یا قریب چھ لاکھ بہتر ہزار انگریزی میل) جن میں سولہ ہزار زمین کی سطح سے نیچے ہیں۔ اس کی صورت مختلف طریقوں کی بتلائی گئی ہے یعنی مربع، مخروطی، کرہ نما یا ایک پہیہ کی سی اور اس کے چار اطراف مختلف رنگوں کے ہیں۔ مشرق کی طرف سفید ہے، جنوب میں زرد رنگ کا ہے، مغرب میں کالے رنگ کا ہے اور شمال میں سُرخ۔ آسمان سے دریائے گنگا اس کی چوٹی پر گرتا ہے اور وہاں سے یہ دریا اردگرد کی دنیاؤں میں چار ندیوں میں بہہ کر نکلتا ہے۔ سارا پہاڑ موتیوں اور سونے کا بنا ہوا ہے۔ اس کی چوٹی **برھما** کی رہائش گاہ ہے اور دیوتاؤں، رِشیوں اور گندھرُوں وغیرہ کے لئے ملاقات کی جگہ۔

۳۲۸: کسی بھی مقامی مآخذ میں اس خط کا متن موجود نہیں ہے اس لئے جون راج کی راج ترنگنی میں یہ شاہی خط نوادرات میں سے ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جون راج کی دسترس میں حکومتی دستاویز تھے جن سے اس نے استفادہ کیا ہے۔ البتہ جون راج نے یقیناً زیرِ نظر خط میں بعض جگہوں پر الفاظ میں ہیر پھیر کر کے اور برھمنیت کے رنگ ڈھال کرادبی اور امانتی دیانتداری کو نظر انداز کر کے علمی پابندیوں کو پامال کر دیا ہے۔

۳۲۹: مراد ہے سلطان قطب الدین۔

۳۳۰: یعنی سلطان شہاب الدّین۔

۳۳۱ : **پارس**: کسوٹی (موتیوں کے لئے) انگریزی میں Philosophers Stone ہندو افسانوں میں پارس پتھری ہر دھات کو جسے یہ چھوتا ہے فوراً سونے میں بدل دیتا ہے۔

۳۳۲: **چاند پتھر**: انگریزی میں Moon Stone یا Moon Jewel ایک قسم کی دھات جو چاند یا موتی کی طرح چمکتی ہے۔

۳۳۳: مراد ہے قطب الدّین پور۔ یہ نام ابھی بھی موجودہ عالی کدل سے گورگاڑی محلّہ تک کے لئے مستعمل ہے۔

۳۳۴: **جَجُنَ**: یا جن یعنی قربانی۔ نذر۔ ایک تقریب جس میں چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ مراد ہے نیاز۔

۳۳۵: **شرِ نگار**: یہ سنسکرت لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں محبت، جنسی خواہش، عاشقانہ احساس۔ جنسی ملاپ، مباشرت، آرائش و زیبائش کے لئے ہاتھی کی سونڈ اور اُس کے سر پر سُرخ رنگ کے داغ بنانا۔ آدمی کے جسم یا لباس کے لئے خوشبودار گرد (Powder)۔ شرِ نگار کے مقابلے میں ہندی زبان میں سنگار کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں لباس، سج دھج، آرائش، سجاوٹ، محبت، جنسی خواہش، جنسی ملاپ، مباشرت۔ شرِ نگار کے ان مذکورہ معانی کو نظر میں رکھتے ہوئے کوئی ہندو بھی اپنے بچے کے لئے اس نام کو تجویز نہیں کرسکتا۔ چہ جائیکہ ایک مسلمان جو اپنے بچے کے لئے دین اسلام کی پاکیزگی کے عین مطابق بڑے ہی پاکیزہ و شستہ نام تجویز کرتا ہے اور خاص کر جب بچہ ایک شہزادہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مسلمان سلاطین کشمیر نے اپنے لئے دین سے مربوط نام منتخب کئے جیسے شمس الدین، شہاب الدین، قطب الدین وغیرہ۔ اب کیا سلطان قطب الدین اپنے بیٹے کے لئے بقول جون راج اسی مکروہ نام کا انتخاب کرتا جس کے معنی ہم نے اُوپر بیان کئے؟ مقامی تواریخ میں اس شہزادے کا بچپن کا نام میرزا شکار تھا اور اسی لفظ کو کشمیری برہمن مورخ پنڈت جون راج نے شکار سے شرنگار کر دیا۔ جون راج نے بڑی بے باکی کے ساتھ اپنی تاریخ میں اپنے برہمنی تعصب کا اعلان کرنے میں کوئی کمی نہیں رکھی اور اس تعصب کو ہم خود اس کے اپنے بیانات سے نمایاں کر رہے ہیں۔

۳۳۶: **هَیُوَتَ**: یعنی هیبت) میرزا هیبت)،

۳۳۷: سال ۶۵ لوکک، انگریزی سال ۱۳۸۹ء اور شک سموت ۱۳۱۱ کے برابر ہے اور سلطان قطب الدین کے سال وفات سے مطابقت رکھتا ہے، سال ۱۳۸۹ء ہجری سال ۷۹۲ھ کے برابر ہے۔ مقامی فارسی تواریخ میں سلطان قطب الدین کا سال وفات ۷۹۶ھ آیا ہے جو انگریزی سال ۱۳۹۳ء کے برابر ہے۔

۳۳۸: **اُدَک۔ ساھَک**: ایم ایل کپور نے اپنی تصنیف **کنگڈم آف کشمیر** (ص ۱۳۰) میں لکھا ہے کہ ''اُدک اور ساہک دونوں وزیر تھے۔ ساہک کو ساہ بھی کہتے تھے اور اُدک کو اُدا۔ بعض مورخین نے اسے رائے مادری بھی کہا ہے اور رائے ماگرے بھی''۔ رائے ماگرے کو محبّ الحسن نے وزیر اعظم کہا ہے۔

۳۳۹: **شِکَنُدھَر**: یعنی سلطان سکندر۔ اس کا نام میرزا ھیبت تھا۔ **تاریخ حسن** (جلد ۲/ ص ۱۷۶۔۱۸۵) میں منقول ہے کہ ''**سلطان سکندر بُت شکن** اپنی **نورہ** نامی والدہ کے مشورے سے سال ۷۹۶ھ مطابق ۱۴۵۱ بکرمی میں تخت نشین ہوا۔ [محبّ الحسن نے سلطان موصوف کی ماں کا نام **سورا یا سُرا** لکھا ہے اور کنگڈم آف کشمیر کے مولف نے **سورا یا حورا یا سُبھٹ** کہا ہے]۔ تاریخ ؎

شاہِ عادل سکندر ثانی — کہ ازو یافت سر فرعازی تاج
ملک روشن بہ نورِ شرع از وست — گرچہ بُورہ زظلم چون شبِ داج

(واقعات کشمیر ص ۱۴۱ پر زظلم کی جگہ زکُفر آیا ہے۔ اور یہی صحیح ہے....ڈاکٹر شمس الدین احمد) بہرِ تاریخ سالِ سلطنتش عقل گفتا: ''بشرح دادہ رواج''۔ امراء اور ارکان حکومت کو اپنا اطاعت گزار اور فرمان بردار بنایا۔ کشمیر کے تمام سلاطین میں شوکت و عظمت اور فوج کی کثرت میں ممتاز تھا۔ بہت ھیبت والا

تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں سے جو باج اور تمغا لیا جاتا تھا اُسے معاف کر دیا [**باج**۔ وہ مال واسباب جو بڑے بادشاہ ماتحت بادشاہوں سے حاصل کرتے تھے اور رعایا سے بھی۔ وہ رقم جو چنگی کے عاملین سوداگروں سے وصول کرتے تھے۔ محصول خراج۔ یہ سلطان شہاب الدّین شاہمیری کے زمانے میں رائج تھا۔ اور **تمغا** تجارتی مال پر محصول، جو کشمیر میں اُس وقت رائج ہوا جب ایران میں منگول سلاطین ایران برسر اقتدار تھے جنہیں ایلخان بھی کہتے ہیں۔ ایلخان سلاطین نے سال ۶۲۳ھ (۱۲۶۴) سے سال ۵۶ ۷ھ (۱۳۵۵ء) تک ایران پر حکومت کی۔ غالباً یہ محصول جو ریشمی کپڑوں اور دیگر درآمدی پر بھی لگایا جاتا تھا شہمیری حکومت کے آغاز سے ہی رائج ہوا]۔ **شاہ محمد** جو سلطان کا بہنوئی تھا، در پردہ مخالفت کیا کرتا تھا۔ یہ خبر سن کر سلطان کی والدہ نے اپنی بیٹی اور داماد کو ہٹا کر قید میں ڈال دیا اور **رائے مادری** نے جو وزیر اعظم تھا سلطان کے بھائی **ہیبت خان** کو زہر دے کر ہلاک کر دیا [جیسا کہ حاشیہ ۳۳۸ میں کہا گیا ہے پروفیسر محبّ الحسن نے رائے ماگرے کو سلطان کا وزیر اعظم کہا ہے۔ جون راج نے لکھا ہے کہ اُدک نے ساہ کے بیٹے محمد اور خود اپنی بیٹی اور داماد کو بادشاہ (سلطان سکندر) کے حکم سے جلا کر مار ڈالا۔ تاریخ حسن کا شاہ محمد، غالباً جون راج کا ساہ یعنی شاہ ہوگا] اور سلطان اس وزیر کے طور طریقوں سے بیزار ہو کر اس کو ہٹانے کی فکر کرنے لگا لیکن انتظام مملکت میں خلل پڑ جانے کے خوف سے فرصت کی تلاش میں رہا۔ وزیر حقیقتِ حال سے واقف ہوا اور اس نے کدورت خاطر کو دور کرنے کے لئے سلطان نے درخواست کی کہ چونکہ **تبت کوچک** کے زمیندار باغی ہو چکے ہیں اگر فرمان ہو تو بندہ وہاں جا کر اُن سرکشوں کو سزا دے گا۔ [تاریخ حسن جلد اول ص ۲۱۸ میں آیا ہے تبت کوچک یا تبت خورد کو اسکردو کہتے ہیں جسے کشمیری میں

ژیرہ بوٹن کہا جاتا ہے]۔ سلطان کو یہ بات پسند آئی اور اجازت دے دی۔ وزیر کثیر لشکر کو ساتھ لے کر **اسکردو** کی طرف روانہ ہوا اور اس ملک پر قبضہ کرلیا۔ اور مشرق وشمال میں واقع تمام تبتّوں کو مسخر کرلیا۔ ان علاقوں میں اس نے ایک جماعت تیار کرلی اور بغاوت کا علم بلند کیا۔ سلطان اسکی مدافعت کے لئے فوراً نکل پڑا اور تبت (لداخ) کی سرحد پر جنگ ہوئی۔ رائے مادری کو شکست ہوئی اور گرفتار ہوا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے قید خانہ میں زہر کھا کر جان دے دی۔ [سلطان کے خود لداخ کی سرحد پر جا کر رائے ماگرے کے خلاف لڑنے اور اُسے گرفتار کرنے کا ذکر مقامی مورخین نے نہیں کیا ہے بلکہ یہی لکھا گیا ہے کہ رائے ماگرے فتحمند ہو کر لوٹا اور بعد میں ایک اور جنگ کے نتیجے میں الجھا کر اسے قید کرلیا گیا جہاں اس نے زہر کھا کر اپنی جان دے دی۔ تاریخ حسن کی یہ اطلاع تازگی کی حامل ہے] سلطان نے تبت (لداخ) کے اطراف کے علاقوں پر قبضہ کرلیا اور شجاعت وسخاوت میں شہرت پائی۔ سلطان کے جود وسخاوت، بذل واحسان کا شہرہ سن کر **عراق خراسان** اور **ماوراء النہر** کے دانشمند لوگ اس کی ملازمت میں آگئے اور علم وفضل اور دین اسلام کا مکمل طور پر مملکتِ کشمیر میں رواج ہوا اور یہ ملک عراق وخراسان کا نمونہ بن گیا۔

سال ۷۹۶ہجری میں (۱۳۹۳ء) **جناب امیر کبیر میر سید علی ہمدانی** قدس سرہما کے خلف الصدق حضرت میر محمد ہمدانیؒ بائیس سال کی عمر میں تین سو رفیقوں کی ہمراہی میں اس ملک میں تشریف لے آئے اور ۲۲ رسال تک رہے۔ سلطان نے آپؒ کی خدمات بجالانے میں دل وجان سے کوشش کی اور ارادت وعقیدت کے ساتھ آپؒ کے مریدوں کے حلقے میں شامل ہوا اور محلّہ **نوہٹہ** میں آپؒ کی اقامت کے لئے ایک بلند وسیع

قصر بنوایا۔ نیز آپؒ کے حکم کے بموجب شہر کے بیچ میں **خانقاہ معلیٰ**، وچی گاؤں میں **خانقاہِ والا**، ترال میں **خانقاہ اعلیٰ** اور مٹن گاؤں میں **خانقاہ کبرویہ** تعمیر کروائے اور مطبخ کے اخراجات اور خانقاہِ معلیٰ کے مصرف کی خاطر تین گاؤں جاگیر میں بخش دئے جو سکھوں کے دور حکومت تک جاری تھے۔ ملک سہہ بھٹ کو جو سلطان کا مُشیر اور وزیر تھا، حضرت سید (میر محمد ہمدانیؒ) نے اُس کے تمام توابع و متعلقین کے سمیت مسلمان بنایا اور اس کی بیٹی **بی بی بارِعہ** کو اپنے عقدِ نکاح میں لے آئے اور سُہہ بھٹ کا نام **ملک سیف الدین** رکھا۔ آپؒ نے علم تصوف میں ایک **رسالہ** لکھ کر سلطان کو پیش کیا۔ حضرت میرؒ کی برکت سے بہت سے سادات کبار اور علماء عظام اس ملک میں آگئے جن میں سے سلطان نے ہر کسی کے حق میں جاگیر اور منصب عطا کئے اور اُن کی خدمت کی بجا آوری میں کوئی کمی نہیں کی [جس رسالۂ تصوّف کا ذکر تاریخ حسن کے مولف نے اوپر کیا ہے اس کا نام ہے جامع العلوم وقامع المظنّون... دیکھئے میری تصنیف ''شاہِ ہمدان ....حیات اور کارنامے''، نیز حضرت میر محمد ہمدانیؒ پر مزید اطلاعات کے لئے یہی کتاب دیکھیں]۔

اس ملک میں راجاؤں کی بود وباش کے آغاز سے ہی زمانے کی کاری گری کے ہاتھوں بنائے ہوئے عجائب قسم کے بُت خانے یادگار تھے جن کی بدیع کاریگری اور اختراعی تعمیر کو دیکھ کر عقلمندوں کی عقل حیران ہو جاتی تھی۔ سلطان سکندر نے سختی سے کام لے کر مذکورہ بت خانوں کی بیخ کنی کر کے اُن کو خاک میں ملا دیا اور بعض بُت خانوں کے پتھروں سے مسجدیں تعمیر کیں اور مقبرے بنوائے۔ [یہ عجیب بات ہے کہ مقامی مسلمانوں مورخین جون راج کے بیان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں۔ جون راج نے جن چند ہی مندروں

کے منہدم کیئے جانے کا ذکر کیا ہے اُن کا ذمہ دار اُس نے خالص وزیر سُہہ بھٹ یعنی نو مسلم ملک سیف الدّین کو ٹھہرایا ہے جس نے سلطان سکندر کو اس عمل پر اُکسایا تھا۔ جہاں تک ان مندروں کے پتھروں سے مسجدیں اور مقبرے بنوانے کی بات کا تعلق ہے شرعاً ایسا کرنا ممنوع ہے اور اس عہد میں بھی خاص کر جب کہ دین اسلام کے شرعی قوانین پر زور وشور کے ساتھ عمل ہو رہا تھا مقام شریک کے عمارتی مصالے سے خدائے وحدہ لاشریک کے گھر کی تعمیر کرنا خلاف دین اور خلاف شرع عمل تھا۔ جس کا ارتکاب نہ فقط بعید از عقل ہے بلکہ امکان ناپذیر بھی ہے۔ مولف تاریخ حسن کا یہ قول مستند نہیں ہے۔ جون راج کی تاریخ سے مقامی مسلمان مورخین کی بے توجہی غالباً شعوری نہیں تھی اس لئے کہ سنسکرت میں لکھی گئی یہ منظوم تاریخ کشمیر نہ دستیاب تھی اور نہ ہی چھپ چکی تھی ...ڈاکٹر شمس الدین احمد] اول **مارتانڈیشور** بُت خانے کے انہدام کے لئے، جو مٹن کے کریوہ پر راجہ رام دیو کے تعمیرات کی یادگار ہے ایک سال تک کارخانہ جاری رہا لیکن وہ خراب نہ ہوا۔ آخر کار چند پتھروں کو نکال کر بُت خانے کے اندرونی حصے میں کافی لکڑی جمع کر کے آگ لگا دی گئی اور دیواروں پر لگی ہوئی شکلوں اور تصویروں کو جو سونے سے ملمع کی گئی تھیں، تباہ کر دیا گیا اور اس کے احاطے کی فصیل کی بیچ کئی کر کے گرا دیا گیا جس کے آثار ابھی حیرت افزا ہیں۔ اسی طرح **بیج بہارہ** کے بُت خانوں کو، جن کی تعداد تین سو سے زیادہ تھی، خاک کے برابر کر دیا خاص کر **وجیشوری** بُت خانے کو، جو سب سے زیادہ نامی گرامی تھا، بنیاد سے ہی منہدم کر دیا۔ کہتے ہیں توڑتے وقت اس میں سے آگ کے عظیم شعلے پیدا ہوئے جس کا سلطان اور حکومت کے امراء نے مشاہدہ کیا اور ہندوؤں نے اسے اپنے معبودوں کی کرامات جانا اور وہ اس بارے میں باتیں کرتے رہے۔ سلطان نے اسے

جادو سمجھ لیا اور اس کے خراب کرنے سے باز نہیں رہا یہاں تک اس کی بنیاد سے ایک پتھر نمودار ہوا جس پر سنسکرت خط میں نقش تھا ''بسم اللہ منتر ینہ نشنست وجیشوری''، یعنی بسم اللہ ایک ایسا افسون ہے جو وجیشوری بُت خانے کو تباہ کر دے گا۔ سلطان نے اس بُت خانے کے پتھروں سے بیج بہارہ کی جامع مسجد تعمیر کی اور وجیشور بُت خانے کو، جسے سلطان شہاب الدین نے پہلے تھوڑا ہی خراب کر دیا تھا، سلطان سکندر نے اُس کی بیخ کنی کی اور سید محمد قریشی کے خدام کی خاطر ایک خانقاہ بنوائی اور عوام اسے **وِجاشر خانقاہ** کہتے تھے۔

[اُوپر کی عبارت میں جو **مارتانڈیشور بُت خانہ، وجیشوری مندر** اور **سید محمد قریشی** کا ذکر آیا ہے ان کے بارے میں مختصر سی جان پہچان یوں ہے کہ مارتانڈیشور مندر، عام طور پر مارتنڈ کے نام سے مشہور ہے جو مٹن سے ۶ رکلومیٹر کی دوری پر ہے۔ یہ مندر ۲۲۰ رفٹ لمبے اور ۱۴۲ رفٹ کھلے قطعۂ زمین پر ہے۔ پنڈت کلہن کے بقول اسے راجہ رام دیو نے بنایا اور تاریخ حسن کے بقول (ج ۲ ر ص ۱۷) بھی یہی راجہ (کل یگ ۹۵) مارتنڈ مندر کا بنانے والا تھا۔ پنڈت کلہن کے بیان کے بعد اس مندر کو راجہ للتادتیہ (۷۲۴ء۔ ۷۶۱ء) کے تعمیری کاموں کے ساتھ منسوب کرنا ایک تاریخی اشتباہ ہے۔ اس مندر کے کھنڈرات ابھی بھی اس کی عظمت کے گواہ ہیں۔ وجیشور مندر کا ذکر کلہن نے کئی بار راج ترنگنی میں کیا ہے۔ یہ مندر آج بھی خستہ حالت میں بیج بہارہ قصبے کی شاہراہ پر واقع ہے۔ سید محمد قریشیؒ صاحب حالات و مقامات تھے اور آپؒ نے حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی شاہ ہمدانؒ کے حکم پر بیج بہارہ قصبے میں سکونت اختیار کی۔ مقامی تذکروں میں آیا ہے۔ (تاریخ حسن ۲ ر تاریخ کبیر جلد ۱) کہ لوگ آپؒ کی خدمت میں آ کر مستفیض ہوئے۔ آپؒ نے بُت خانوں کو مسمار کیا اور ان کے مصالحہ سے جامع

مسجد بنائی۔ رحلت کے بعد آپؒ بیج بہارہ میں مدفون ہوئے۔ راجہ گلاب سنگھ نے مذکورہ خانقاہ (سید محمد قریشیؒ) کو منہدم کر کے اس کی جگہ پر ایک جدید بُت خانہ بنایا۔ [راجہ گلاب سنگھ سال ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء) میں تخت نشین ہوا۔ تاریخ حسن (ج ۲/ص ۸۳۳) میں آیا ہے کہ پنڈتوں کی خوش نصیبی کے دن لوٹ آئے اور وہ مناسب اعلیٰ عہدوں پر بیٹھ گئے۔ مسلمانوں کی ملکی امور سے بے دخل کر دیا گیا اور وہ فرمان برداری ومتابعت کی انکساری کو اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے۔ راجہ مذکور عدالت کے مقدمات کا ذاتی طور پر فیصلہ کرتا تھا۔ راجہ نے ملک میں امن وامان قائم کیا۔ گلاب سنگھ دس سال اور دس ماہ تک حکومت کرنے کے بعد ۱۱/ذی الحجہ سال ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۶ء) میں فوت ہوا.... ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ اسی طرح **پری هاسه کیشو بُت** خانے اور **مکتا کیشو مندر** کو جو پرس پور میں للتادتیہ کے تعمیرات میں سے تھے سلطان نے ان دونوں پوجا گھروں کو مسمار کر کے ان کے پتھروں کو سد بندی کرانے میں صرف کیا اور پتھر کے ستون کو جو وہاں پر پچاس ہاتھ لمبا اور (بعضوں کے بقول پچاس گز) نصب تھا، توڑ ڈالا۔ اس کی بنیاد کے نیچے سے ایک صندوق نکلا جس کے اندر ایک ورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی پائی گئی کہ "اتنی مدت گزر جانے کے بعد اس مندر کو مٹانے والا **سکندر** نام کا ایک بادشاہ ہوگا اور بُدھ اوتار کی صورت اُسی کے ہاتھ سے توڑ دی جائے گی"۔ **اسکندر پورہ** میں قصر بادشاہی کے متصل دو عالی تبخانے تھے ایک **مهاشری** جو پرورسین کے تعمیرات میں سے تھا اور دوسرا **تارا پیٹ** جسے راجہ تارا پیڈ نے بنایا تھا۔ سلطان نے ان دونوں بُت خانوں کو مسمار کر دیا اور اس کے مصالحہ سے شہر کے بیچ میں جامع مسجد آباد کی اور سلطان قطب الدین نے جو **کالی ایشوری** بُت خانے کو اس سے پہلے مسمار کر دیا تھا، اس کی

جگہ پر سلطان سکندر نے خانقاہِ معلیٰ معمور کی [مقامی مورخین میں سے کبھی بھی ایک مورخ نے سلطان قطب الدین سے بُت شکنی یا مندر شکنی کے فعل کو منسوب نہیں کیا ہے سوائے اس مورخ کے جس کا بیان ہم سلطان سکندر سے متعلق اس کی تاریخ حسن (جلد دوم) سے نقل کرر ہے ہیں.... ڈاکٹر شمس الدین احمد] اور دینِ محمدیؐ کی ترویج کے لئے ہندوؤں کو بڑی تکلیف دے کر شہر میں مشتہر کیا کہ ہر وہ شخص جو دینِ محمدیؐ کو قبول نہیں کرے گا وہ اس ملک سے بھاگ جائے یا ہاتھ سے جان کو دھو بیٹھے۔ اس وجہ سے بعض ہندو فرار کر گئے اور اطراف میں نقل مکان کیا اور بعضوں نے اسلام کا طوق گردن میں ڈال کر آسودگی پائی اور بعض برھمن اپنے قتل پر راضی ہو کر جان سے گذر گئے۔ کہتے ہیں سلطان سکندر نے تین خروار وزن کے جینو آگ میں جلا دئے۔

بالآخر **میر محمد ہمدانی** قدس سرہ کی تجویز پر برہمنوں کے قتل سے باز رہ کر اُن کے لئے جزیہ مقرر کر دیا اور ہندوؤں کی ساری کتابوں کو جمع کر کے انہیں **جھیل ڈل** میں ڈبو دیا اور ان کے اوپر مٹی اور پتھر ڈال کر وقالن مرگ کا پُشتہ (سَد ... انگریزی میں Bund) بنایا۔ آج کل اسے **سدِ ایشہ براری** کہتے ہیں۔ اور **ایشہ براری** میں جو **ایشی ایشور** کا بُت خانہ معمور تھا اسے مسمار کر کے اس کے پتھروں کو مذکورہ سد میں صرف کیا۔

سلطان کے زمانے میں غیر شرعی بدعتوں اور ممنوع افعال کو، جیسے شراب خوری اور جُوا بازی وغیرہ سراسر طور پر ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ کہیں سے بھی بجائے جانے والے آلات، جیسے بربط، چنگ، عُود، رُود، ساز اور مزماز کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی سوائے کوس وکرنا بجانے کی آوازوں کے، جنہیں جنگ وحرب اور لڑائی کے موقعوں پر بجانے کی اجازت تھی۔ سلطان کی کامل

توجہ دینِ متین کی ترویج کی طرف مرکوز تھی۔ اطراف مملکت میں ربط وضبط اور امور سلطنت میں نظم وبندوبست قائم کرنے میں سلطان نے سبقت پائی۔ جس طرح بھی عزم وارادے کا علم لہرایا فتح وظفر کا ڈنکا بجایا۔

سعادتوں سے معمور اسی زمانے میں **صاجقران ثانی امیر تیمور گور کافی** نے **ترکستان** اور **خراسان** کو فتح اور **ھندوستان** کی جانب رُخ کر کے اس پُر برکت ملک کو مسخر کرلیا...اور سال ۸۰۱ھ مطابق ۱۳۹۸ء میں **دریائے نیلاب**، جسے اب **اٹک** کہتے ہیں کے ساحل پر اقبالمندی کے خیمے نصب کئے۔ وہاں پر شہرِ یار کشمیر سلطان سکندر کی طرف سے سکہ وخُطبہ کو امر تیموری کی پیروی میں کشمیر میں رائج کرنے کی خبر صاحبقران کی نظر سے گذار دی گئی۔ سلطان سکندر کے پسندیدہ وشایستہ کردار سے جمشید مرتبہ تیمور خوش ہوا اور اس نے **بوقیا** اور **فولاد** کی ہمراہی میں ایک ہاتھی اور ایک شاہی نشان بھیج کر خوشی ومسرت اور محبت کا اظہار کیا۔ شکریہ کی ادائیگی میں سلطان سکندر نے **مولانا نورالدین** کی وساطت سے کثیر تحایف روانہ کر کے پابوسی کا شرف پانے کی درخواست کی۔ صاحبقران نے اپنے سفیروں کے توسط سے پیغام بھیجا کہ ”جب امیر تیمور ہندوستان سے پنجاب میں واپسی کا عزم فرمائیں گے تو سکندر شاہ وہاں پر ملازمت سے مشرّف ہو جائیں“۔ اس کے بعد صاحبقران نے نیلاب سے پنجاب کا رُخ کیا اور اطراف اور شہروں کو فتح کرنے میں کامیاب ہوکر دہلی پہنچ گیا۔ **سلطان محمود تغلق** نے اپنی فوج اور سپاہیوں کی جماعت کو مقابلے میں لاکر شدید حرب وضرب کا مظاہرہ کیا لیکن مغلوب ہوکر شکست کھائی اور تیمور شاہ نے دہلی کے تخت پر جلوس کر کے سکہ وخطبہ جاری کیا۔ آٹھ روز کے بعد غلہ وخراج کی وصولی کے لئے چند ہزار سواروں کو اطراف کے پرگنوں میں

مامور کردیا گیا۔ جنگجو دلاوروں نے رعایا کے مال میں دستبرد کیا اور فساد کو ہوا دی۔ عوام نے اژدہام کی صورت میں بغاوت کا جھنڈا لہرایا اور جنگ پر اُتر آئے شاہی فوج جوش میں آگئی اور انہوں نے سرکشوں کا قتل عام کر کے تین دنوں تک دہلی میں خون کی نہریں روان کیں اور لوٹ مار کے باز و دراز کرتے ہوئے جو بھی پایا لے گئے۔ غرض تیمور شاہ نے پندرہ دنوں تک دہلی میں قیام کر کے دریائے گنگا کے ساحل تک کے علاقوں اور قصبوں کا تاخت و تاراج اور قتل عام کیا۔ اس کے بعد **دکن** کی جانب یلغار کی۔ جب **کوہ سوالک** کے دامن میں پہنچا تو وہاں کے مغرور راجاؤں نے صف آرائی کر کے جنگ آزمائی کی جسارت کی اور سولہ دنوں تک باہمی مقابلے کی آگ بھڑکتی رہی۔ بالآخر شاہی دلاوروں نے مرہٹوں کو غارت کر کے اُن کا قتل عام کیا۔

اس کے بعد تیمور شاہ نے **سمرقند** کا رُخ کیا اور جب **وزیر آباد** میں اقبال مندی کے خیمے نصب کئے تو وہاں کے والی نے سفید رنگ کے دو طوطے، جو شیرین کلامی میں معروف تھے، تحفے کے طور پر خدمت میں پیش کئے۔ والی مذکور شاہانہ الطاف و مہربانی اور عطیات کا مستحق قرار پایا۔ وہاں سے فتح یاب لشکر کو **جموں** کی طرف روانہ کیا۔ جان نثارانِ درگاہِ تیموری نے وہاں کے راجا کو گرفتار کر کے حضور میں پیش کردیا۔ وفورِ رحمت سے بادشاہ نے اُس کا ملک اُسے لوٹا کر اپنا باجگذار بنادیا۔ وہاں سے **بوقیا**، **فولاد** اور **زین العابدین**، جو رسالت کے طور پر **کشمیر** گئے ہوئے تھے اور اپنے ساتھ واجب تعمیل شاہانہ فرمان وہاں کے حکمران سکندر شاہ کے نام لے کر گئے تھے اُس کے ایلچیوں کے ہمراہ اُردوئِ اعلیٰ میں پہنچ گئے اور عرض کیا گیا کہ:

"**سلطان سکندر** نے بندگی کا احرام باندھ کر قبلۂ اقبال کی طرف نیاز کا رُخ کیا تھا اور **چھتیاں** تک پہنچا تھا۔ وہاں پر

مولانا نورالدین جو سفیر بن کر آیا تھا، اُس سے آ کر ملا اور اُسے کہا کہ ''دربارِ اعلیٰ کے امراء نے مقرر کیا کہ کشمیر کا حکمران تیس ہزار گھوڑے اور ایک لاکھ اشرفیاں، جن میں سے ہر اشرفی ڈھائی مثقال وزن کی ہو، بھیجدے اور اس سلطانی امر کی تعمیل کرنے کے لئے وہ واپس چلا گیا تا کہ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے بعد وہ حضور کی پابوسی کے لئے حاضر ہو جائے''۔

جب یہ بات امیر تیمور کے سمعِ اعلیٰ میں پہنچی تو اس نے اسے پسند نہیں کیا اور فرمایا: ''شاہ سکندر کو اُس کی طاقت سے باہر تکلیف دی گئی ہے اور اس کے ملک کی وسعت سے زیادہ اندازے میں اُس سے طلب کیا گیا ہے۔ عقل کی روشنی سے، جو ایک روشن اور واضح چراغ ہے، ہر ملک سے اتنا ہی مطالبہ کیا جانا چاہئے جتنا اُس کی وسعت سے مطابقت رکھتا ہو تا کہ عدل وانصاف کی رعایت ہو پائے''۔ سفیروں نے شاہ سکندر کی خدمتگاری کی صدق نیت پیشگاہ میں عرض کر دی۔ بادشاہ نے زین الدین کو حکم دیا کہ ''سلطان سکندر سے کہا جائے کہ وہ ہرگز فکر مند نہ ہو اور ۱۳ر رجب ۸۰۱ھ کو خود کو **دریائے سندھ** کے ساحل پر پہنچادے''۔

اس کے بعد بادشاہ نے **دریائے چناب** کے ساحل پر ہندوستان کے اکثر حکمرانوں کو جو فتحیاب سواری کے ہمراہ تھے، رخصت کیا اور وہ اپنی جگہوں پر چلے گئے۔ اس کے بعد دریائے چناب کو پار کیا جس میں شاہی لشکر کے بہت سے سپاہی غرقاب ہو گئے۔ وہاں سے اٹک کی طرف عزم کا علم لہرایا۔

شاہ سکندر نے خبر ملتے ہی ملازمت کا احرام باندھ لیا اور **بارہ مولہ** پہنچ گیا۔ وہاں پر سنا کہ صاحبقران عجلت کے پروں پر سوار ہو کر دریائے سندھ کو

عبور کر کے **سمر قند** لوٹ گیا ہے۔ پس تجربہ کار سفیروں کو اپنے فرزند **شاہی خان** کے ہمراہ تحالیف وہدایا ساتھ دے کر امیر تیمور کی خدمتِ اشرف میں بھیجا اور خود خیر وسعادت کے ساتھ واپس چلا آیا۔ شاہی خان سمر قند میں ملازمت میں حاضر ہوا اور پیشگاہ عالی سے سات سال تک واپس جانے کی اجازت نہ ملی۔

سال ۸۰۷ھ (۱۴۰۴ء) میں موسم سرما کی سخت ٹھنڈی ہواؤں میں شاہِ والا (امیرِ تیمور) نے **چین** اور **خطا** کی طرف جہانگیری کے علم لہرائے اور راہ میں حرم محترمہ کو سمر قند لوٹ جانے کی اجازت بخشی۔ چند دنوں تک متواتر شراب خوری سے اس کی بھوک مٹ گئی اور مزاج میں تغیر پیدا ہوا اور تپ محرّق میں مبتلا ہو گیا۔ موت حملہ آور ہوئی اور ادھورے کام ادھورے ہی رہ گئے بلکہ مکمل ہوئے کام بھی نامکمل رہ گئے۔ اقبال کا چتر اُس کے سر سے اتر گیا اور اس کی سلطنت ومملکت اُس کے ہاتھ سے نکل گئی۔

سلطان تمر آنکہ چرخ را دل خون کرد
وز خونِ عدُو رویِ زمین گلگون کرد
در ہفدہ شعبان بہ جنت آمد
فی الحال ز رضوان سروپا بیرون کرد

صاحبقران کے انتقال کے بعد **شاہی خان** سال ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء) میں ثمر قند سے لوٹ کر اپنے والد بزرگوار کی قدم بوسی سے فائز ہوا۔

غرض سلطان (سکندر) عدل ورافت، جود واحسان، سخاوت وامتنان، اور بتوں کو کم کرنے اور بدعتوں کو مٹانے اور دین اسلام کی ترقی دینے میں ۲۴ر سال ۹ر ماہ اور چھ دن گزار کر تپ محرق کی بیماری میں مبتلا ہوا اور اپنے بیٹوں **میر خان**، **شاہی خان** اور **محمد خان** کو اپنے حضور میں بلوا

کر انہیں باہمی محبت اور اتحاد سے رہنے کی وصیت کی۔ اپنے بڑے فرزند میر خان کو **علی شاہ** کا خطاب دے کر بادشاہی عطا کی اور خود ۲۲ رمحرم ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) کو اس فانی دنیا سے عالم باقی کا رُخ کیا اور **لوکیشوری مندر** کے احاطے میں (ذیلی یادداشت۔ جواب ڈمٹ بڈشاہ کے نام سے مشہور ہے) مدفون ہوا۔ تاریخ وفات ہے ''فوتِ سکندر'' (۸۲۰ھ)۔ شعرا وفصحاء نے مرثیہ اور تاریخیں کہنے میں دادِ سخنوری دی ہے۔ بہارستان شاہی کے مولف نے سلطان کا سال وفات ۸۱۶ھ لکھا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے''۔

واقعاتِ کشمیر میں آیا ہے: ''سلطان قطب الدین کا خلفُ الصّدق حامی الاسلام والمسلمین **سلطان سکندر بُت شکن** باپ کی وفات کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا اور دین مبین کو تقویت دی اور اسلام کو رواج دینے والا بن گیا۔ اس کی تخت نشینی کی تاریخ یوں کہی گئی ہے۔

شاہِ عادل سکندرِ ثانی	کہ از و یافت سرفرازی تاج
ملک روشن بنورِ شرع از وست	گرچہ بودہ زکفر چون شبِ داج
بہرِ تاریخ سالِ سلطنتس	عقل گفت 'بشرع دادہ رواج'

(۷۹۶ھ)

چونکہ اس زمانے میں کفار اور بُت خانے بہت تھے، سلطان زمان نے اکثر بُت خانوں کو ویران کر ڈالا اور بھاری تعداد کو اسلام میں داخل کر دیا۔ جس نے قبول اسلام کا شرف نہیں پایا اُسے جزیہ دینے کی ذلت میں گرفتار کیا۔ اہل اسلام کو کرم واحسان سے نوازا۔

اس عہد میں بہت علماء اور سادات کشمیر میں آگئے اور سب کی نسبت اس نے مناسب خدمت اور عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کیا اور ان کی سیادت وفضیلت کا خاص خیال رکھا۔ چنانچہ ان میں سے اکثر حضرات کے نام جو اس

شہر میں معروف ہیں اور جن کے مقبرے مشہور ہیں، اس رسالہ میں آگے درج کئے جائیں گے۔

ان سادات کے آنے کی وجہ **امیرِ تیمور** کا تسلط تھا جو ایران وتوران کو مسخر کرنے کے بعد **ہندوستان** کی طرف متوجہ ہوا۔ **سلطان سکندر** نے کمال دانشمندی اور تائید عقلی سے اپنے فرزند رشید شاہی خان معروف بہ زین العابدین کے ہاتھ تحایف وہدایا کے ساتھ امیر (تیمور) کی بارگاہ میں ایک عریضہ بھیج دیا جس میں سکہ وخطبہ کے قبول کرنے اور حاضر خدمت ہونے کی جگہ مقرر فرمانے کی گذارش کی تھی۔ امیر تیمور کو یہ اقدام پسند آیا اور کشمیر کو سلطان سکندر کے حال پر چھوڑ دیا اور ہاتھی اور خلعت بھیجا۔ اکثر تواریخ میں ایسا ہی لکھا ہے لیکن بعض تواریخ خاص کر **ظفر نامہ** میں جس میں امیرِ تیمور کے حالات درج ہیں، نظر آیا کہ سلطان سکندر کا بیٹا شاہی خان، جو زین العابدین کے نام سے مشہور ہے، **امیر تیمور** کی ملازمت میں **سمر قند** گیا ہوا تھا۔ سمر قند میں اُسے شہر بند کر دیا گیا اور امیر تیمور کی وفات کے بعد ہی خلاصی پائی اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

غرض سلطان سکندر کی حکمرانی کی مدت ۲۵/سال ۹/ماہ اور ۶/دن تھی۔ آخر **یا ایتها النّفسُ المطمّنة اِرجِعِی** کی آواز سن آشیانہ عرش کی طرف پرواز کی اور اُس مزار میں جو اب زین العابدین سے منسوب ہے خوابگاہ پائی بلکہ یہ مزار ہی سلطانِ مذکور کی قبر کی وجہ سے وجود میں آ گیا۔ سال ۸۲۰ھ میں وفات پائی۔ اہل شہر کے خاص وعام نے ماتم کیا اور فصحا وشعراء نے مرثیہ وتاریخ گوئی میں دُعا گوئی کی داد دی....''

مجموع التواریخ نے بھی سلطان سکندر کے حالات کی نگارش میں واقعات کشمیر کی پیروی کی ہے۔ **تاریخ جدولی** میں بھی مندرجہ بالا

اطلاعات کی بہت ہی مختصر تکرار ہے اور سلطان سکندر کی مدت حکومت ۲۴ر سال ۹ر ماہ اور ۶ر روز لکھی ہے۔

کشمیر کے سلاطین کے عہد میں نامی کتاب میں مرقوم ہے کہ ''سلطان قطب الدین کا بڑھاپے میں ایک بیٹا ہوا جسکا نام سکندر رکھا گیا۔ اس موقع پر جشن منایا گیا۔ درباریوں کو تحفے اور جاگیریں عطا ہوئیں اور قیدی رہا کئے گئے (ذیلی یادداشت۔ یون راج ص ۵۳، میونخ قلمی نسخہ ورق ۵۹ ب۔ مصنف نے اس کا نام سنکر بتایا ہے جو شاید سکندر کا مخفف ہے)۔ [لیکن جون راج کے جوگیش چندردت کے انگریزی ترجمے میں، جس کا میں نے یہ اُردو ترجمہ کیا ہے، مجھے کہیں بھی سکندر کے نام کے عوض سنکر کا نام نظر نہیں آیا بلکہ شرنگار (دیکھئے حاشیہ ۳۳۵) شکندھر اور شیکندرد یکھنے میں آئے ...ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ کچھ دن کے بعد اس کی ملکہ کا ایک اور بیٹا ہوا جس کا نام ہیبت پڑا۔ (ذیلی یادداشت۔ یون راج ص ۵۳)۔ ۱۳۸۹ء میں قطب الدین کے انتقال پر اس کا بڑا لڑکا سکندر تخت نشین ہوا لیکن چونکہ وہ نابالغ تھا اس لئے اس کی ماں ملکہ سورا [اسی حاشیہ ۳۳۹ کے ابتدائی سطور ملاحظہ ہوں] اس کی قائمقام بن کر کام کرتی رہی (میونخ قلمی نسخہ ورق ۵ ب، ۶۰ الف، فرشتہ ص ۵۶۲)۔ تاریخوں میں اس کی قایم مقامی کے دور کے حالات کی تفصیل درج نہیں ہے لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لائق اور مضبوط کردار کی خاتون تھی۔ اس نے سختی کے ساتھ حکومت کی اور سکندر کے خلاف سازش کرنے کے جرم میں (ذیلی یادداشت۔ یون راج بمبئی اڈیشن، نمبر ۶۸۔ رت کا ترجمہ گنجلک ہے) اس نے اپنی بیٹی اور داماد کو قتل کرنے میں بھی دریغ نہ کیا۔ [دتّ کے انگریزی ترجمہ میں آیا ہے کہ ''نئے بادشاہ (یعنی سلطان سکندر) کے فرمان سے ادک نے ساہ کے بیٹے محمد اور خود اپنی بیٹی اور

داماد کو جلا کر مار ڈالا''۔ گویا کہ کام ملکہ نے نہیں کیا بلکہ اس کے وزیر نے کیا اور وہ بھی سلطان سکندر کے حکم سے ...ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ اسی دوران میں اُس کے وزیر اعظم رائے ماگرے کی طاقت بڑھتی جارہی تھی۔ (رائے ماگرے کے بارے میں دیکھئے حاشیہ ۳۳۸) اور ساتھ ہی اس کے حوصلے بھی بلند ہوتے جارہے تھے۔ اس نے سکندر کے چھوٹے بھائی شہزادہ ہیبت خان کو اپنا حریف ہونے کے شبہ میں زہر دلوایا۔ (ذیلی یادداشت۔ یون راج ص ۵۵/ پر رائے ماگرے کا نام اُدک لکھا ہے)۔ اس طرح اُس نے سا ہک نام کے وزیر کو دھوکے سے قتل کرا دیا۔ (ذیلی یادداشت۔ ایضاً)۔ تاریخوں میں یہ درج نہیں ہے کہ ملکہ سورا نے رائے ماگرے کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لئے کیا کیا لیکن جب سکندر نے عنان حکومت سنبھالی تو اس نے رائے ماگرے کو اپنے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اس کو لداخ پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ وہاں مارا جائے لیکن رائے ماگرے لداخ فتح کر کے سری نگر واپس آیا اور جب سلطان سے اس کے تعلقات خراب ہوتے گئے تو اس نے یکم بغاوت بلند کیا۔ پہلے سکندر نے اس سے اس حرکت سے باز رہنے کو کہا لیکن اس میں نا کام رہا تو اس نے لدراج کو آگے سے حملہ کرنے کے بھیجا اور خود پیچھے سے فوج لے کر آگے بڑھا اور وہ بھاگ کھڑا ہوا لیکن بانہال کے سردار نے اس کو گرفتار کر کے سکندر کے پاس بھیج دیا۔[یہ جملہ دت کے جون راج کے انگریزی ترجمے میں دکھائی نہیں دیا ...ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ سلطان نے اس کی گذشتہ خدمات کا خیال کر کے اس کی جان بخش دی لیکن اس کو نظر بند کر دیا جہاں اس نے خودکشی کر لی۔ (ذیلی یادداشت۔ یون راج ص ۵۶۔۵۵)۔

۱۳۹۸ء میں **ہندوستان** پر **تیمور** کے حملے کا طوفان امنڈ پڑا۔

تیمور اپریل ۱۳۹۸ء میں **سمر قند** سے روانہ ہوا اور ۲۰/ستمبر کو **دریائے سندھ** کے کنارے اسی مقام پر ٹھہرا جہاں جلال الدین خوازرمشاہ، چنگیز خان سے بھاگ کر دریا پار کر کے خیمہ زن ہوا تھا۔ یہاں پر مختلف ممالک کے سفیروں نے آکر تیمور کی اطاعت گزاری کی۔ سلطان سکندر نے بھی اپنی مملکت کو حملہ سے بچانے کی غرض سے ایک سفیر تیمور کے پاس اظہار اطاعت کے لئے بھیجا۔ تیمور اس سے مطمئن ہوا اور سفیر کو ایک فرمان دے کر واپس کیا۔ سکندر کو **دیبال پور** میں اپنی فوج کے ساتھ ملنے کے لئے بلایا۔ (ذیلی یادداشت۔ شرف الدین علی یزدی ظفر نامہ ص ۴۶۔ ۴۷۔ ملفوظات ورق ۲۸۳ الف۔ دیکھو میونخ قلمی نسخہ ورق ۶۰ ب، ۶۱ ب جس میں سکندر اور تیمور کے تعلقات کا تفصیلی احوال درج ہے)۔ [مقامی فارسی مورخین نے دیبال پور کا نام نہیں لیا ہے۔ غالباً یہ نام صحیح ہے۔ دیبال پور کا شہر ملتان میں شامل تھا ....ڈاکٹر شمس الدین احمد] چنانچہ سکندر، سری نگر سے روانہ ہوا لیکن موضع جھبن، پہنچ کر اس کو خبر ملی کہ تیمور کے آدمی اس سے تیس ہزار گھوڑے اور ایک لاکھ درست (اشرفیاں) مانگتے ہیں جس میں ہر درست (اشرفی) کا وزن ڈھائی مشقال ہونا چاہئے۔ وہ اس رقم کو جمع کرنے کے لئے کشمیر لوٹ گیا (ذیلی یادداشت۔ ظفر نامہ ص ۱۶۴۔ ملفوظات ورق ۳۱۹/الف)| جھبین سے مراد ہے بھمبر ....ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ آخری تغلق حکمران محمود [مراد ہے ناصر الدین محمود تغلق] کی فوج کو تاراج کر کے جب تیمور نے دہلی پر قبضہ کیا تو اس نے الجای تیمور، نفقدار، فولاد بہادر اور زین الدّین کو سکندر کے پاس یہ جواب طلب کرنے کے لئے بھیجا کہ وہ کیوں نذرانہ دینے کو حاضر نہ ہوا۔ (ذیلی یادداشت۔ ان ہی سفیروں کے ساتھ تیمور نے سکندر کو دونوں ہاتھی تحفہ میں بھیجے ہوں گے جس کا ذکر بہارستان شاہی، حیدر ملک کی تاریخ اور دوسری

تاریخوں میں ملتا ہے)۔[اس بارے میں تاریخ حسن کا بیان بھی ملاحظہ ہو جسے اوپر کی سطور میں درج کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تیمور نے سلطان سکندر سے خوش ہوکر بوقیا اور فولاد کے ہاتھ ایک عدد ہاتھی اور شاہی تمغا ارفعان کے طور پر بھیج کر اپنی مسرت وخوشنودی کا اظہار کیا....ڈاکٹر شمس الدین احمد] یہ تینوں سفیر سرینگر پہنچے[مولف نے چار سفیروں کے نام لکھے ہیں جب کہ مولف تاریخ حسن نے صرف دو سفیروں بوقیا اور فولاد کے نام لکھے ہیں ...ڈاکٹر شمس الدین احمد] اور سلطان سے ملنے کے بعد اس کے نمایندوں کے ساتھ واپس لوٹے۔ ان نمایندوں کی سربراہی مولانا نورالدین نے کی۔ اس اثنا میں تیمور، دلی سے روانہ ہو چکا تھا اور وہ قافلہ اس کو جموں کے پاس ملا۔ ۲۴رفروری ۱۳۹۹ء میں نورالدین نے سکندر کا خط پیش کیا جو بڑے ادب واحترام سے لکھا گیا تھا اور اس میں تیمور کے حضور میں شرفیابی پانے کی خواہش ظاہر کی گئی تھی۔ اس سوال کے جواب میں کہ سکندر حکم کے مطابق دیبال پور میں اس سے کیوں نہ ملا، نورالدین نے بتایا[نورالدین کشمیری سفیروں کا سربراہ تھا...ڈاکٹر شمس الدین احمد] کہ سلطان جھبن تک آ گیا تھا لیکن وہ روپیہ اور گھوڑے فراہم کرنے کے لئے واپس چلا گیا تھا کیونکہ یہ چیزیں مانگی جانے والی تھیں۔ یہ سن کر تیمور نے اپنے وزیروں کی سرزنش کی اور کہا کہ اتنا بڑا اخراج سلطان کے بس کا نہ تھا اور اُس سے اتنا ہی خراج مانگنا چاہیئے تھا جس کا وہ اہل تھا۔ اس کے بعد سلطان نے سفیروں کو معتمد زین الدین کی معیت میں واپس کردیا اور ساتھ ہی یہ پیغام بھیجا کہ سکندر اس کے افسروں کی مانگ پوری کرنے پر خود کو مجبور نہ سمجھے اور اس کو فوراً روانہ ہوکر دریائے سندھ کے کنارے ۲۸ردن بعد اس سے ملنا چاہیئے[تیمور نے ۱۴رمارچ ۱۳۹۹ء (۸۰۲ھ) کو دریائے سندھ کو پار کرلیا تھا اور دو دن بعد بنوں سے سمرقند کی طرف روانہ ہوا

...ڈاکٹر شمس الدین احمد] اطلاع ملنے پر سکندر دوسری مرتبہ روانہ ہوا لیکن بارہ مولہ پہنچنے پر اس کو معلوم ہوا کہ تیمور دریائے سندھ پار کر کے سمرقند کی طرف روانہ ہو گیا، اس لئے وہ سری نگر لوٹ آیا (ذیلی یادداشت۔ میونخ قلمی نسخہ ۶۱/ب۔ فرشتہ ص ۶۵۳۔ یہ کہنا غلط ہے کہ تیمور اپنے ساتھ **شاہی خان** کو لے گیا جو آگے چل کر **زین العابدین** کے نام سے مشہور ہوا۔ تیمور نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تھا تو اُس وقت شاہی خان پیدا نہیں ہوا تھا) [تاریخ نگاری کا تقاضا تھا کہ اس دعویٰ کی دلیل وصحت میں پروفیسر محبّ الحسن سلطان زین العابدین کی دقیق وصحیح تاریخ پیدائش سے تفصیل کے ساتھ قارئین کو واقف کراتا۔ یہ بات مشکوک سی لگتی ہے کہ سلطان زین العابدین تیمور کے ہندوستان پر حملے کے سال یعنی ۱۳۹۸ء میں ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا جب کہ وہ سال ۱۴۲۰ء میں صرف ۲۲/سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ مقامی معتبر فارسی تواریخ واقعات کشمیر (ص ۴۸) اور تاریخ حسن (ج ۲/ص ۱۸۸) میں تخت نشینی کا سال ۸۲۷ھ (۱۴۲۳ء) اور سالِ وفات ۸۷۹ھ (۱۴۷۴ء) درج ہے اور دیگر تواریخ میں ان سالوں کی دو تین برس کی تفاوت غیر اہم ہے۔ معتبر فارسی تواریخ میں یہ بھی درج ہے اور دیگر تواریخ میں ان سالوں کی دو تین برس کی تفاوت غیر اہم ہے۔ معتبر فارسی تواریخ میں یہ درج ہے کہ سلطان موصوف نے ۶۹/سال کی عمر میں وفات پائی اور ۵۱/سال ۲/ماہ اور تین روز تک حکومت کی (تاریخ حسن ج ۲/ص ۲۰۶۔ مجموع التواریخ میں مدت حکومت ۵۲/سال لکھی ہے اور یہی مدت اوسطاً صحیح تسلیم کی گئی ہے)۔ گویا یہ بات قرین بہ یقین ہے کہ سال ۸۷۹ھ میں ۶۹/کی عمر میں جب سلطان فوت ہوا تو اس کا سال تولد ۸۱۰ھ تھا (۱۴۰۷ء) زین راج ترنگی کے مصنف پنڈت شری ور نے سلطان زین العابدین کا سال وفات ۴۶ کولک لکھا ہے جو انگریزی سال

۱۴۷۰ء یعنی ۸۷۵ھ کے برابر ہے اور اس کی عمر ۹۶/سال لکھی ہے۔ اس حساب سے سلطان موصوف کا سال تولد ۸۰۶ھ (۱۴۰۳ء) ہے۔ گویا فارسی مورخین کے مطابق سلطان کا تولد ۱۴۰۷ء اور سنسکرت مورخ پنڈت شری ور کے مطابق ۱۴۰۳ء ہے اور دونوں صورتوں میں سلطان سال ۱۳۹۸ء (۸۰۱ھ) میں جب کہ تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا، پیدا ہو چکا تھا اور تین یا چار سال سے دس گیارہ تک کی عمر کا تھا۔ اس لئے پروفیسر محبّ الحسن کا یہ کہنا کہ امیر تیمور کے حملۂ ہندوستان کے وقت (سال ۱۳۹۸ء۔ ۸۰۱ھ) وہ پیدا نہیں ہوا تھا تاریخی اشتباہ ہے۔ مقامی فارسی مورخین نے لکھا ہے کہ سلطان سکندر نے ایلچیوں کے ہمراہ اپنے بیٹے شاہی خان (زین العابدین) کو تیمور کے دربار میں سمرقند بھیجا تھا نہ کہ امیر تیمور اُس کو اپنے ہمراہ لے گیا تھا جیسا کہ محبّ الحسن نے بیان کیا ہے اور اگر زین العابدین کی عمر اس وقت گیارہ سال کی رہی ہوگی تو یہ اقدام خلاف عقل نہیں کیونکہ ہندوستان کی تاریخ میں سات سال کے شہزادوں کو بھی کونسل شاہی کی حفاظت میں تخت نشین ہوتے دیکھا گیا ہے ...ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔

سکندر نے کئی نئی فتوحات نہیں کیں اور صرف اپنے باپ کی چھوڑی ہوئی مملکت کو سنبھالنے رکھا۔ اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں اس نے **اوهند** کے حکمران فیروز کے خلاف چڑھائی کی تھی [اوھند کے بارے میں دیکھئے حاشیہ نمبر ۲۷۰] کیونکہ اس نے سلطان کا اقتدار تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سلطان نے فیروز کو اپنا اقتدار تسلیم کرنے اور اپنی بیٹی **میرا** کی اس سے شادی کرنے پر مجبور کر دیا (ذیلی یادداشت۔ یون راج ۵۹-۵۸۔ میونخ قلمی نسخہ ورق ۶۲/الف)۔ فیروز کو مغلوب کرنے کے سکندر نے **سُهه بهٹؔ** اور **لدّراج** کے زیر کمان ایک فوج **جموں** کے **راجه پال دیو** کو زیر کرنے

کے لئے بھیجی جس نے خراج ادا نہیں کیا تھا۔ راجہ نے مقابلہ کرنا بیکار سمجھا اور اطاعت گذاری کے لئے تیار ہو گیا اور اپنی بیٹی کو سکندر کے پاس تحفہ میں بھیج دیا لیکن جلد ہی اس نے دوبارہ اپنی مطلق العیانی کا اعلان کر دیا۔ سکندر نے اپنے حلیف سُہہ بھٹ اور جسرت کھوکہ (ذیلی یادداشت۔ وہ نصرت کھوکر کے بھائی شیخا کھوکر کا بیٹا تھا۔ اُس کو تیمور قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گیا لیکن تیمور کی موت کے بعد وہ پنجاب واپس آیا۔ خاندانِ کھوکر کی مزید تفصیل کے لئے دیکھو: ''گلاسری آف دی پنجاب ٹرائیبس اینڈ کاسٹس'' جلد ۲ ؍ص ۵۸۔۵۹ مصنفہ روز اور انڈین انٹی کواری جلد ۴۶ ؍ص ۱۔۸) کو ایک لشکر جرار دے کر راجہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ انہوں نے راجہ کو شکست اور جموں کو تباہ کر دیا [ہندوستانی تواریخ میں نظر آیا کہ شیخ (جسرت) کھوکر کو تیمور کے سامنے پیش کیا گیا جس نے اُسے قتل کر دیا... ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔

سلطان کی ذاتی زندگی کے حالات تاریخوں میں بہت کم ملتے ہیں۔ ان میں صرف اتنا لکھا ہے کہ شراب اور دوسری خمر بات سے احتراز کرتا تھا اور مذہبی ممانعت کی وجہ سے راگ راگنی بھی نہیں سنتا تھا۔ مذہبی اور اخلاقی معاملات میں وہ طبعاً سخت محتاط اور راسخ العقیدہ تھا اور اس نے تمام رنگ رلیاں ممنوع قرار دیں جو سلطان زین العابدین اور دوسرے سلاطین کے دور حکومت میں خاص طور پر رائج ہو گئی تھیں۔ [سلطان زین العابدین کی جگہ سلطان شمس الدین وغیرہ ہونا چاہیے۔ زین العابدین میرے خیال میں چھاپی غلطی ہے ...ڈاکٹر شمس الدین احمد] اس کو کثرت ازدواج کا کبھی شوق نہ ہوا اور ہمیشہ حدود شریعت میں رہا۔ سکندر نے پہلے **اوھند** کے حکمران کی لڑکی **میرا** سے شادی کی جس سے اس کے تین بیٹے **میر خان**، **شادی خان** اور **محمود خان** پیدا ہوئے [شادی خان کی جگہ شاہی خان اور محمود خان کی

جگہ محمد خان صحیح ہے] پھر اس نے **شو بھادیوی** سے شادی کی [میرا قیاس ہے کہ سلطان سکندر نے اول شو بھادیوی سے شادی کی ہوگی اور اولاد نہ ہونے پر اُس نے محمود اور فیروز کو متبنیٰ بیٹوں کے طور پر اپنالیا ہوگا۔ پھر اس کے بعد میرا سے نکاح کیا ہوگا جس سے اُس کے تین فرزند ہوئے چنانچہ متبنیٰ بیٹوں کے ساتھ اپنی اولاد ہونے کے بعد اُسے محبت نہ رہی...واللہ اعلم! ڈاکٹر شمس الدین احمد] جس کے بطن سے دو بیٹے **محمود** اور **فیروز** اور بیٹیاں ہوئیں جن کی شادیاں اوھند اور سندھ کے حکمرانوں سے ہوئیں (ذیلی یادداشت۔ میونخ قلمی نسخہ ورق ۶۳۔ الف) لیکن سکندر کو اپنی پہلی بیوی کی اولاد سے جتنی محبت رہی دوسری بیویوں کی اولاد سے نہ تھی (ذیلی یادداشت۔ یون راج (بمبئی اڈیشن نمبر ۴۳۷) چنانچہ جب فیروز جوان ہوا تو سکندر نے اس کو کشمیر سے جلاوطن کردیا تاکہ سوتیلے بھائیوں مین جانشینی کی جنگ نہ ہو (ذیلی یادداشت۔ ایضا نمبر ۸۵۶ میونخ قلمی نسخہ ورق ۶۳ / الف)۔ وہ مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو اپنے حضور میں طلب کیا اور ان کو آپس میں لڑنے سے منع کیا اور متحد رہنے کی تلقین کی۔ پھر اس نے سب سے بڑے بیٹے **میر خان** کو اپنا جانشین نامزد کیا اور اس کو **علی شاہ** کا لقب دیا ۱۴۱۳ء میں اس کا انتقال ہوا (ذیلی یادداشت۔ یون راج ص ۶۔ طبقات اکبری ج ۳ / ص ۴۳۵۔ فرشتہ ص ۶۵۵) [سال ۱۴۱۳ ہجری سال ۸۱۶ھ کے برابر ہے۔ فارسی تواریخ میں سلطان سکندر کا ہجری سال وفات ۸۲۰ھ آیا ہے جو انگریزی سال ۱۴۱۷ء کے برابر ہے اور اس کے مطابق چار سال کا فرق ہے ....ڈاکٹر شمس الدین احمد]

سکندر لایق، سخی اور بہادر حکمران اور اپنی رعایا کی خوشی کا خاص خیال رکھتا تھا۔ اس نے بہت سے بیرحمانہ ٹیکسوں مثلاً باج اور تمغا معاف کردئے جواب

تک عوام سے وصول کئے جاتے تھے (ذیلی یادداشت۔ طبقات اکبری ج ۳ر ص ۴۳۳۔ تاریخ حسن ورق ۸۹ر ب۔ باج شہاب الدین کے عہد میں لیا جاتا تھا (بہارستان شاہی ورق ۱۹ر الف) تمغا، لگان کے علاوہ وصول کیا جاتا تھا لیکن باج محض ایک محصول یا Toll تھا۔ تمغا، کشمیر میں ایران یا ترکستان سے آیا تھا۔ باج اور تمغا گھوڑوں، گایوں، بکریوں اور ریشمی کپڑوں وغیرہ پر لگائے جاتے تھے (وِلسن گلاسری ص ۵)۔ [اسی حاشیہ ۳۳۹ کی ابتدائی عبارت میں باج اور تمغا پر میری یادداشت دیکھئے]۔ اس نے بچوں کی تعلیم کے لئے مدرسے کھولے اور اسپتال بنوائے جہاں دوا اور کھانا مفت دیا جاتا تھا۔ اس نے مسافروں، علما، سادات اور غیر مستطیع اشخاص کے فائدہ کے لئے کئی گاؤں وقف کر دئے تھے۔ ان اوقات کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری شیخ الاسلام پر ہوتی تھی (ذیلی یادداشت۔ بہارستان شاہی ورق ۳ر ب)

سکندر علما اور صوفیہ کی بڑی سرپرستی کرتا تھا اور اس کے عہد حکومت میں **ایران** اور **وسط ایشیا** سے بہت سے علماء اور صوفیا کشمیر آئے۔ سلطان ان سے عزت واحترام سے پیش آتا تھا اور ان کو جاگیر میں عطا کرتا جن کے وارث بعد میں ان کے خاندان والے بھی ہو سکتے تھے۔ اس کے عہد میں وادی میں جو لوگ آئے ان میں سے بعض مشہور شخصیتیں یہ تھیں۔

۱۔ **سید حسن شیرازی**: شیراز کے قاضی تھے۔ وہ یہاں آئے تو سکندر نے ان کو کشمیر کے قضا کے عہدے پر مامور کیا [تاریخ حسن ج ۳ر ص ۲۶ پر آپ کا نام قاضی حسین شیرازی آیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ فلسفہ اور روایتی علوم میں فاضل، اور طریقت ومعرفت میں مرد کامل تھے۔ کچھ مدت تک شیراز کے قاضی مقرر ہو کر دیانت داری سے مقدموں کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ آخر کار حضرت میر محمد ہمدانیؒ کے ساتھ خطۂ دلپذیر کشمیر کو رونق بخشی اور

یہاں ہی سکونت اختیار کی۔ سلطان سکندر ان کی بڑی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ بہت سے گاؤں بطور جاگیر عطا کئے۔ حضرت سید نے احکام شریعت کی ترویج اور برائیوں کو دور کرنے کی بہت کوشش کی۔ رتنیہ احادیث کو جمع کر کے ایک رسالہ مرتب کیا اور حضرت میر محمد ہمدانیؒ کی نظر میں لے آئے۔ لیکن بعض محدث ان کے حدیثوں کو معتبر خیال نہیں کرتے۔ انتقال کے بعد **محلہ زیرستان** میں مدفون ہوئے اور آج تک قاضی ولی کے نام سے مشہور ہیں۔ **تاریخ کبیر** جلد اول ص ۳۰ / پر آپ کا نام سید محمد حسین قاضی شیرازی آیا ہے اور مذکورہ تاریخ حسن کی عبارت کا اعادہ کیا ہے۔ البتہ لکھا ہے کہ حضرت میر محمد ہمدانیؒ نے آپ کو رسینہ احادیث کا رسالہ لکھنے سے منع کیا۔ مزید اضافہ کیا ہے کہ آپ فتح کدل میں حضرت شاہ قاسم حقانیؒ کے آستانے کے قریب دریائے بہت کے ساحل پر مدفون ہوئے....ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔

۲۔ **سید احمد اصفہانی**: جو کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

۳۔ **سید محمد خوارزمی**: جو اچھے شاعر تھے [تاریخ کبیر مذکور (ص ۴۰) میں آیا ہے کہ آپ سید حرم سے معروف تھے۔ وطن سے نکل کر اطراف کی سیر کی۔ جب اس ملک میں آئے تو آپ پرگنۂ بانگل کے شیورہ گاؤں میں گوشہ نشین ہوئے اور ریاضت وعبادت میں مشغول رہے۔ ۷/ ربیع الاول کو (سالِ وفات نہیں لکھا ہے) ارجعی کی آواز سنی اور اسی گاؤں میں خواب آخرت میں آرام کیا.....ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔

۴۔ **سید جلال الدین**: بخارا کے درویش تھے جو اپنے پیروں کے ہمراہ آئے [**تاریخ حسن** ج ۳/ ص ۲۷/ پر آپ کے بارے میں آیا ہے کہ آپ سید محمد ہمدانیؒ کے رفقاء میں سے تھے۔ اُن کے حکم پر سلطان سکندر کی تربیت کے لئے یہیں سکونت پذیر ہوئے۔ بے شمار لوگوں نے ان سے ظاہری

اور باطنی فیض پایا۔ جب اجل آئی تو مزار سلاطین میں جگہ پائی۔ **تاریخ کبیر** مذکور میں یہی عبارت درج ہے...ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔

۵۔ **بابا حاجی ادھم** اور اُن کے مُرید [**تاریخ حسن** ج۳/ ص۱۵۰/ پر (تاریخ حسن کے اِس اڈیشن میں جسے تذکرہ اولیائے کشمیر موسوم بہ اسرار الاخیار کے عنوان سے غلام محمد نور محمد تاجران کتب مہاراج گنج بازار سری نگر نے سال ۱۹۶۰ء کے جنوری مہینے میں چھاپا ہے صفحوں کا شمار غلط چھپا ہے) بابا حاجی ادہمؒ کا نام حاجی ابراہیم ادہمؒ آیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ سلطان ابراہیم ادہمؒ کے خاندان کے ساتھ نسبت رکھتے تھے۔ شہرِ بلخ کے بہت بڑے امیروں میں سے تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم کے بحرِ ذخار تھے۔ عشق الٰہی اور جذبۂ خدا شناسی نے ترک دنیا کرا کے ملک ملک اور شہر شہر کی سیر کی اور جاہ و حشم کو خیر باد کہا۔ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد ملکوں کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے سلطان سکندر کے زمانے میں کشمیر آئے اور تقریباً پچاس برس گزار کر سال ۸۴۱ھ میں عالم باقی کا رُخ کیا۔ شاعرواری میں جو شاہی قلعہ کے باہر واقع ہے، مدفون ہوئے۔ آپ کو شیخ بہاء الدین گنج بخشؒ، شیخ سلطان کشمیریؒ اور شیخ نور الدین نورانیؒ کے ساتھ میل جول تھا اور دوستی تھی۔ فرمایا کہ ''میں نے ان تین بزرگواروں کے جیسے صاحبان حال وقال نہیں دیکھئے''۔ **کتاب مقامات** اور **حالات اولیاء** نامی کتاب آپ کی تصنیف ہیں۔ غرض نہایت بلند مرتبہ خدادوست تھے اور بیشمار لوگ آپ کے باطنی وظاہری فیض سے مستفید ہوئے....ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔

۶۔ **بابا حسن منطقی**: جو بلخ سے آئے [محبّ الحسن نے اس کا جو یہ حوالہ بہارستان شاہی سے دے کر لکھا ہے کہ بابا حسن منطقی بلخ سے آئے تھے، وہ ہمیں بہارستانِ شاہی میں نظر نہیں آئی۔ بہارستان شاہی ص ۲۷۵، پر

جو انجمن شرعی شیعیان جموں وکشمیر کے زیر اہتمام رجب سال ۱۴۰۲ھ (مئی ۱۹۸۲ء) چھپی ہے، آیا ہے کہ: ''وبابا حسن منطقی کہ پدر میر ویس بود در مزارِ سلاطین مدفون است۔ از جملہ مردان بابا حاجی ادہم است'' (یعنی بابا حسن منطقی جو میر ویس کے والد تھے مزار سلاطین میں مدفون ہیں۔ آپ بابا حاجی ادہم کے مریدوں میں سے ہیں)۔ بابا کا لقب اگر چہ پہلے زمانے میں عرفاء وحکماء کے لئے مخصوص تھا لیکن جناب حسن منطقی کو صرف بہارستان شاہی کے نامعلوم مصنف نے بابا کے عنوان سے مخاطب کیا ہے جو نادرست ہے اور آپ کو بابا حاجی ادہم کے مریدوں میں شمار کر کے محبّ الحسن صاحب کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ آپ بلخ سے آئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ سید تھے اور حضرت سید حسین منطقیؒ کے اولین فرزند۔ حضرت سید حسین منطقیؒ کشمیر میں بیہق سے تشریف لائے تھے اسی لئے آپ بیہقی کہلاتے ہیں۔ بلخ سے آپ کا اور آپ کے خاندان کا مطلق کوئی واسطہ نہیں تھا۔ حضرت سید حسن منطقیؒ کے بارے میں **تاریخ حسن** مذکور (ص ۳۳۔۳۴) میں آیا ہے کہ سید حسن منطقیؒ، سید حسین منطقیؒ کے اولین فرزند تھے۔ مظہر فیض تھے اور مصدر کمالات! **اونتی پورہ** میں ہدایت وتبلیغ کا علم بلند کیا۔ ہمعصروں پر سبقت حاصل کی اور آپ کا مقبرہ وہیں پر مشہور ہے۔ **تاریخ کبیر** (ص ۲۸) میں آیا ہے کہ سید حسن منطقیؒ، سید حسین منطقیؒ کے جلیل القدر فرزند نے **ونتی پورہ** گاؤں میں جو اُن دنوں آباد علاقہ تھا، ارشاد وہدایت کا جھنڈا لہرایا۔ آپؒ اپنے زمانے میں سب سے برتر تھے۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو مذکورہ گاؤں میں رہگذر اور عبور و مرور کی راہ پر دریائے بہت کے قریب مدفون ہوئے اور اس جگہ کی فیوض وبرکات کا ذکر لوگوں کی زبانوں پر رہتا ہے۔ گویا حضرت سید حسن نہ بابا تھے اور نہ ہی بلخی۔ آپ صحیح النسب سید تھے اور بیہقی تھے۔ اولین شاہمیری سلاطین

کے دورِ حکومت میں کشمیر کی حکومتی سیاست میں بیہقی سادات کا اہم حصہ رہا ہے جس کا ذکر مقامی تواریخ میں موجود ہے۔ پس سید حسن منطقی بیہقیؒ کے بارے میں بہارستان شاہی کے نامعلوم مولف کا بیان نادرست ہے... ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔

۷۔ اسی زمانے میں امیر کبیر سید علی ہمدانی کے بیٹے **سید محمد ہمدانی** بھی آئے۔ وہ ۱۵۷۲ء میں بمقام ختلان پیدا ہوئے۔ [یہ سن لکھنے میں اشتباہ واقع ہوا ہے۔ یہ سن تو سولہویں صدی تھی جبکہ حضرت میر ہمدانیؒ چودھویں صدی میں تھے جو آٹھویں صدی ھجری تھی۔ تاریخ حسن مذکورہ میں (ص ۲۳) آیا ہے کہ "جناب امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کے انتقال کے روز حضرت میر محمد ہمدانیؒ کی عمر شریف بارہ برس تھی"۔ حضرت امیر کبیرؒ نے سال ۷۸۶ھ (۱۳۸۴ء) میں انتقال فرمایا۔ اس سال میں سے بارہ کو کم کرکے ۷۷۴ھ رہ جاتا ہے۔ (۱۳۷۲ء) اور یہی حضرت میر محمد ہمدانیؒ کا سال ولادت ہے نہ کہ ۱۵۷۲ء جو صریح اشتباہ ہے۔ تاریخ کبیر مذکور (ص ۲۳) میں صریحاً مذکور ہے کہ "در شہور سنہ ہنفصد و ہفتاد و چہار متولد شدہ اند" یعنی حضرت سید محمد ہمدانیؒ سال ۷۷۴ھ کے مہینوں میں پیدا ہوئے ہیں" اور یہ ہجری سال ۱۳۷۲ء انگریزی سال کے برابر ہے لیکن اس کا بھی امکان ہے کہ ۱۵۷۲ء میں ۱۳ر کے ہندسے کی بجائے ۱۵ر کا ہندسہ ایک چھاپی غلطی ہو..... ڈاکٹر شمس الدین احمد] اور ان کی عمر اُن کے والد کی وفات کے وقت آٹھ سال کی تھی [تاریخ حسن مذکور میں لکھا ہے کہ بارہ برس کی تھی۔ تاریخ کبیر میں ۷۷۴ھ آیا ہے جو آپ کے والدؒ کی سال وفات کی تاریخ ۷۸۶ھ سے بارہ برس کم کرکے ہی ہاتھ آتی ہے نہ کہ آٹھ سال کم کرکے۔ آٹھ سال کی عمر ہوتی تو خود محب الحسن کے بقول سال ۱۵۷۲ء جسے ہم چھاپی غلطی جان کر ۱۳۷۲ھ مانتے ہیں ۱۳۷۲ھ

نہیں بلکہ ۷۷۶ھ (۷۶۷ھ ۱۳۷۶ء) ہوتی۔ پس صحیح یہی ہے کہ حضرت میر محمد ہمدانیؒ کی عمر اُن کے والد کی وفات کے وقت بارہ سال ہی تھی] سید علیؒ نے مولانا سرائی کے پاس اپنے بیٹے کے لئے ایک وصیت نامہ چھوڑا تھا جس کے بموجب ان کے بیٹے کو ان کے ممتاز مریدوں خواجہ اسحٰق ختلانی اور مولانا نورالدین بدخشی کی خدمت میں حاضر ہونا تھا۔ اس وصیت نامہ میں سید علی نے اپنے بیٹے کو جوان ہوکر دور دراز مقامات پر سفر کرنے کی ہدایت بھی کی تھی کیونکہ اس سے کردار کی تعمیر ہوتی ہے، دماغ وسیع ہوتا ہے اور شخصیت میں پختگی آتی ہے (ذیلی یادداشت۔ فتحات کبرویہ ورق ۱۵۵/الف) [تاریخ حسن مذکور میں آیا ہے کہ ''حضرت امیرؒ نے دنیا سے رحلت کے وقت دو دستاویزیں ایک وصیت نامہ اور دوسرا خلافت نامہ لکھ کر مولانا سرائی کے حوالے کی تھیں اور فرمایا تھا کہ یہ دونوں کاغذ خواجہ اسحٰق ختلانی اور مولانا نورالدین بدخشی کے پاس پہنچادی جائیں۔ جب خواجہ اسحٰق ختلانی اور مولانا نورالدّین بدخشی، میر محمد ہمدانی قدس سرّہ کی خدمت میں مشرف ہوئے اور اُن سے کاغذ مانگے تو حضرت خواجہ نے صرف وصیت نامہ اُن کے حوالے کیا اور کہا ''دوسرا کاغذ اس شخص کے ہاتھ میں دینا جائز ہے جو حق سبحانہ وتعالیٰ کی طلب میں مطلوبیت کے مقام پر اور خود کو خادمیت کے درجے سے مخدومیت کے درجے تک پہنچائے۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے۔ کچھ مدت گزر جانے کے بعد حوالہ کردیا جائے گا''۔ یہ کلام سن کر جناب میر کے حال میں تغیر پیدا ہوا۔ آپ نے سجادہ نشینی چھوڑ دی اور خواجہ اسحٰق کی خدمت میں تین برس پانچ مہینے رہے۔ اس مدت کے شروع میں استنجا کے لئے مٹی کے کلوخ اُن کے لئے تیار کیا کرتے تھے۔ پھر پانی لانے کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی۔ اس کے بعد مولانا نورالدین سے آداب طریقت حاصل کئے اور سولہ سال کی عمر میں خلافت نامہ

آپ کے حوالے کر دیا گیا۔ تاریخ کبیر مذکور میں بھی اسی عبارت کی تکرار ہے .....ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ محمد ہمدانی نے خواجہ اسحٰق اور مولانا نورالدین سے تعلیم حاصل کی اور جب ان کی عمر ۱۶ رسال کی ہوئی تو اُن کو اُن کے والد کا وصیت نامہ دے دیا گیا۔ محمد ہمدانی نے کئی مقامات کا سفر کیا اور ۱۳۹۳ء میں ۲۲ رسال کی عمر میں تین سو سادات اور علماء کے ساتھ کشمیر میں وارد ہوئے۔ انہوں نے سلطان سکندر کے لئے فارسی میں ایک کتاب رسالہ سکندری لکھی۔ (ذیلی یادداشت۔ فتحاتِ کبرویہ ورق ۱۵۶ر الف۔ بہارستان شاہی ورق ۲۵ رب۔ تاریخ کشمیر از سید علی ص ۱۸)۔ [بہارستان شاہی میں جیسا کہ محبّ الحسن نے کہا ہے، رسالہ کا نام نہیں آیا ہے اور نہ ہی لکھا ہے کہ فارسی میں کوئی رسالہ لکھا تھا۔ بہارستان مذکور میں آیا ہے کہ آپ کمال علوم ظاہری و باطنی سے پیراستہ تھے اور شرحِ شمہ در علم منطق یا منطق کے علم میں شرح شمہ (شمیہہ صحیح ہے) آپ کی تصنیف ہے اور آپ نے سلطان سکندر کے لئے علم تصوف میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں آپ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر ۲۲ رسال تھی ....ڈاکٹر شمس الدین احمد] منطق پر بھی ایک کتاب عربی زبان میں لکھی تھی (ذیلی یادداشت۔ حیدر ملک ورق ۱۱۲ر ب) [تاریخ حسن مذکور میں آیا ہے کہ ''کتاب شمہ (صحیح ہے شمیتہ) منطق کی شرح لکھی ....اس کے بعد حضرت میر سید محمد ہمدانی نے علم تصوف کے ۴۵ رسالے تصنیف کئے''۔ لیکن مولف نے ان رسالوں کے نام نہیں لکھے ہیں۔ تاریخ کبیر مذکور میں لکھا ہے ''اور کتاب شمہ منطق کی شرح لکھی'' حضرت میر محمد ہمدانیؒ نے دراصل شرحِ شمیہہ در منطق، سید محمد حصاریؒ کے ساتھ علمی مباحث کے بعد لکھی۔ تصوف سے متعلق جو کتاب آپ نے لکھی اس کا نام ہے جامع العلوم وقامعِ الظنون۔ مقامی تواریخ میں اس کتاب کا نام درج نہیں۔ تاشقند میں

نے اس کتاب کا وہاں کے علوم شرقی کے انسٹی ٹیوٹ میں دیکھا ہے مختلف علوم کے علاوہ اس میں بارہ جگہوں پر تصوف سے بحث کی ہے اور اس کی اہمیت اور مختلف نکات کی وضاحت فرمائی ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جسے آپ نے سلطان سکندر کے ظاہری اور باطنی تہذیب کی خاطر لکھا تا کہ سلطانِ موصوف باطنی علم سے بھی بہرہ ور ہو جائے۔ یہ کتاب اس انسٹی ٹیوٹ میں زیر شماہ XLVI0۔ ۴۸۰ موجود ہے اور اس نسخے کی جسے میں نے دیکھا سال ۱۲۴۵ھ میں کتابت ہوئی ہے۔ حضرت میر محمد ہمدانیؒ نے شرحِ شمیہہ در منطق سلطان سکندر کے لئے نہیں لکھی شمیہہ اصل میں منطق پر ایک کتاب ہے جو کا بتی قزوینی (وفات ۶۷۵ھ) کی تصنیف ہے۔ کاتبی (علی ابن عمر ابن علی شافعی ملقب بہ نجم الدین کنیت ابوالحسن اور ابوالمعالی معروف بہ کاتبی قزوینی) ایک حکیم اور دانشمند تھے اور آپ کو ریاضی، ہندسہ، منطق اور فنون حکمت میں تبحر حاصل تھا اور رصدی آلات میں آپ ماہر تھے۔ آپ نصیر الدین کے شاگرد تھے اور علامہ حلی اور قطب الدین محمود شیرازی کے استاد تھے اور قزوین میں پڑھاتے تھے اور آپ کے پڑھنے والوں کا دایرہ فضلاء کا تھا۔ آپ نے عین القواعد (منطق وحکمت)، بحر الفوائد فی شرح عین القواعد (عین القواعد مذکور کی شرح) جامع الدقائق فی کشف الحقایق (منطق) حکمت العین اور الشمیہہ (منطق) جو آپ نے شمس الدین صاحب دیوان جوینی کے لئے لکھی اور اس کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں جیسے قطب الدین رازی اور تفتازانی نے۔ اسی کتاب کی شرح سری نگر میں بیٹھ کر جناب میر محمد ہمدانیؒ نے لکھی جس کی طرف اُوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت میر محمد ہمدانیؒ کے لئے دیکھئے میری تصنیف ''شاہ ہمدانؒ... حیات اور کارنامے''.... ڈاکٹر شمس الدین احمد] سلطان ان کی بڑی تعظیم وتکریم کرتا تھا اور ان کو اپنا استاد اور مرشد سمجھتا تھا۔ انہوں نے بہت سے ہندوؤں کو مشرف بہ

اسلام کیا۔ اس میں ب سے اہم اسکندر کے وزیر اعلیٰ اور سپہ سالار **سُهه بهٹ** کا نام ہے جس کا اسلامی نام اُنھوں نے **سیف الدین** رکھا۔ ان کی پہلی بیوی **بی بی تاج خاتون** سید حسن بیہقی کی بیٹی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد اُنھوں نے سیف الدین کی بیٹی سے نکاح کر لیا [مقامی تذکروں میں اُن کا نام **بی بی بارعه** آیا ہے.... ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ محمد ہمدانی نے کشمیر میں ۱۲ر سال قیام کیا (ذیلی یادداشت۔ تاریخ کبیر مصنفہ مسکین ص ۲۵ر پر لکھا ہے کہ محمد ہمدانی نے کشمیر میں ۲۲ر سال قیام کیا) [تاریخ حسن مذکور میں بھی آیا ہے کہ ''حضرت سید میر محمد ہمدانی نے ۲۲ر برس اسلام کی رسوم کی اشاعت، شریعت کے احکام کے اجرا اور بدعتوں کے دُور کرنے میں گزارے'' ... ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ سید محمد خصاری سے اختلاف کی بنا پر انہوں نے کشمیر کو خیر باد کہہ دیا اور حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظّمہ روانہ ہو گئے۔ وہاں سے ختلان واپس ہوئے جہاں ۳۰ر اپریل ۱۴۵۰ء کو وفات پائی۔ [تاریخ حسن مذکور میں دقیق اسلامی تاریخ وفات ہے منگلوار ۷ار ربیع الاول سال ۸۵۴ھ اور یہ سال انگریزی سال ۱۴۵۰ء سے مطابقت رکھتا ہے۔ صاحب تاریخ کبیر نے بھی اسی تاریخ کی تصدیق کی ہے۔ حضرت میر محمد ہمدانیؒ کولاب نامی گاؤں میں اپنے عالی مرتبت والد بزرگوار جناب حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی شاہ ہمدانؒ کے قریب مدفون ہیں۔ مجھے ان دونوں حضرات عالی کے روضۂ شریف کی زیارت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے ... ڈاکٹر شمس الدین احمد] اور اپنے والد کی قبر کے پاس مدفون ہوئے۔ (ذیلی یادداشت۔ بہارستان شاہی ورق ۳۶ر ب۔ داؤد مشکواتی اسرار الابرار ورق ۴۵ر الف۔ مزید دیکھو تاریخ کشمیر از سید علی ص ۱۸۔ برائے محمد ہمدانی کی زندگی کشمیر میں۔ سید صاحب کا سنہ انتقال واقعاتِ کشمیر میں ورق ۲۰ر ب پر سال

۸۰۹ھ دیا ہے یہ غلط ہے)[واقعات کشمیر کے مولف محمد اعظم ردّمری نے حضرت میر محمد ہمدانیؒ کا سالِ وفات نہیں لکھا ہے۔ دیکھئے واقعاتِ کشمیر چھاپ غلام محمد نور محمد تاجران کتب ص ۴۲-۴۳....ڈاکٹر شمس الدین احمد]

سکندر کو تعمیرات کا بڑا شوق تھا۔ اس نے سکندر پور کے قصبہ کو آباد کیا (ذیلی یادداشت۔ یہ کوہِ ماران کے دامن میں واقع تھا۔ اب اس کو نوہٹہ کہتے ہیں اور سری نگر کا ایک حصہ ہے)[لیکن اس شہر کے مطلق کوئی آثار موجود نہیں اور نہ ہی سکندر پور کے نام کی کوئی بگڑی صورت باقی ہے...ڈاکٹر شمس الدین احمد]اور اس میں ایک عظیم الشان محل اور ایک شاندار جامع مسجد بنوائی۔ مسجد کا معمار **صدرالدین خراسانی** تھا۔ اس میں ۳۷۲/ چوبی کھمبے تھے۔ ہر کھمبے کی لمبائی ۴۰/ گز اور قُطر ۶/ گز تھا۔ اس میں ۴/ محراب تھے اور ہر محراب میں ۳۲/ چوبی کھمبے تھے (ذیلی یادداشت۔ بہارستان شاہی ۳۵/ الف، حیدر ملک ۱۱۴/ الف)[واقعات کشمیر میں آیا ہے "سکندر پورہ میں (سلطان سکندر نے) جامع مسجد بنانے کی توفیق پائی تھی اور اس کے بنانے میں ذوق وشوق اور اہتمام سے کام لیا اور ۳۷۲/ بڑے ستون نصب کئے جن میں سے ۳۲/ ستون چار طاقوں میں نصب کئے۔ یہ شرعی ۴۰/ گز کی بلندی اور ۶/ گز کی ضخامت رکھتے تھے۔ جناب خواجہ صدرالدین خراسانی اور **سید محمد لورستانی** نے، جو دونوں بزرگوار معماری میں مہارت رکھتے تھے معماروں کے ساتھ کارکن بن کر اسے تین سالوں کی مدت میں مکمل کیا۔ اس کی تاریخ تعمیر "مسجد جامع کشمیری" ہے (۸۰۱ھ...ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ سکندر نے قصبہ بیج بہارہ میں بھی ایک مسجد تعمیر کرائی اور سری نگر میں ایک عیدگاہ کا سنگ بنیاد رکھا جس کو اُس کے بیٹے سلطان علی شاہ نے پائیہ تکمیل کو پہنچایا (ذیلی یادداشت۔ بہارستان شاہی ورق ۳۵/ ب۔ حسن ورق ۱۱۳/ ب، حیدر

ملک ورق ۱۱۴ر الف، مزید دیکھو تاریخ حسن از پیر حسن شاہ جلد ۱ر ورق ۱۴۰ر ب وغیرہ) [عیدگاہ کے بارے میں تاریخ حسن ج اوّل ص ۳۴۱ میں عیدگاہ سری نگر میں موجودہ **عالی مسجد** کے بیان میں آیا ہے کہ ''سلطان سکندر بُت شکن کے عہد میں حضرت میر ہمدانیؒ نے **عیدگاہ** زمین کا ٹکڑا اس کے مالکوں سے خرید کرانسے عیدین کی نمازوں کے لئے وقف عام کردیا۔ چند سالوں تک آپ خود لوگوں کے ہجوم کے ساتھ وہاں عیدین کی نماز ادا کرتے تھے۔ سال ۸۰۱ھ (۱۳۹۸ء) میں سلطان سکندر کے فرزند علی شاہ نے عیدگاہ کے وسط میں عیدین کی نماز کے لئے ایک وسیع مصلا (مقام نماز) مستحکم ستونوں اور منقش محراب کے ساتھ تعمیر کیا جو **مسجد عالی** کے نام سے مشہور ہوا''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیدگاہ سری نگر کی زمین کے ٹکڑے کو حضرت میر محمد ہمدانیؒ نے اس کے مالکوں سے خرید لیا تھا اور سلطان سکندر نے اس کی سنگ بنیاد نہیں ڈالی تھی ...ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ مسجدوں کے علاوہ اس نے وچی اور ترال کے گاؤں (ذیلی یادداشت۔ موضع وچی، زین پور اُوڈر کے مشرقی دامن میں واقع ہے۔ ترال چھوٹا سا قصبہ ہے جو عرض البلد ۵۶/۳۳ر اور طول البلد ۱۰/ ۷۵ میں نشیبی سطح مرتفع پرڈولر پرگنہ کے مشرق میں پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے اور اس تحصیل کا صدر مقام ہے۔ تاریخ حسن از پیر حسن شاہ جلد اول ورق ۱۰۴ر ب وغیرہ) اور قصبۂ سوپور میں خانقاہیں تعمیر کرائیں (ذیلی یادداشت۔ بہارستان شاہی ورق ۳۵ر ب۔ تاریخ حسن از پیر حسن شاہ ج ۱ر ورق ۱۱۳ر ب، ۱۱۴ر الف۔ ایک روایت کے مطابق محمد ہمدانی نے سکندر کو ان مواضعات کے عوض ایک لعلِ بدخشان دیا تھا۔ لیکن یہ بات ناقابل قیاس ہے کیونکہ سلطان نے وقف کی قیمت میں ہرگز لعل کو نہ لیا ہوگا۔ فتوحات کبرویہ میں لکھا ہے (صحیح ہے فتحاتِ کبرویہ نہ کہ فتوحاتِ کبرویہ) کہ

سید صاحب نے سکندر کو لعل تحفہ میں دیا تھا) [تاریخ حسن جلد اول ص ۳۳۷ ر میں آیا ہے کہ **خانقاہ والا** موضع وچی میں سال ۸۰۱ھ (۱۳۹۸ء) میں حضرت میر محمد ہمدانی نے بنائی۔ **خانقاہ اعلیٰ** کو موضع ترال پرگنہ اُولر میں سال ۸۰۰ھ (۱۳۹۷ء) میں میر محمد ہمدانی نے دو طبقوں کا بنایا۔ **خانقاہ سوپور** کو میر محمد ہمدانی کی تجویز پر سلطان سکندر نے بنایا تھا....'' ....ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ سید علی ہمدانی نے علاء الدین پور میں نماز باجماعت کے لئے ایک چبوترہ بنوایا تھا۔ اس مقام پر سکندر نے ۷۹۶ھ مطابق ۹۷۔۱۳۹۶ء میں ایک خانقاہ کی تعمیر کرائی جس کا نام **خانقاہِ معلیٰ** ہے [خانقاہِ معلیٰ کی پوری تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''شاہ ہمدانؒ ... حیات اور کارنامے'' ....ڈاکٹر شمس الدین احمد] اس کے لئے وچی، شورا اور نہنوائی گاؤں وقف کئے [صحیح ہے: شاورہ پرگنہ کا وچی گاؤں، مارتنڈ پرگنہ کا نونہ ونی گاؤں اور اُلر پرگنہ کا ترال قصبہ...ڈاکٹر شمس الدین احمد] اور مولانا محمد سعید کو متولی مقرر کیا۔ سکندر نے بون کے چشمہ کے قریب ایک اور مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ یہ مسجد دو منزلہ تھی۔ اس کے چاروں طرف ایک خوبصورت باغ تھا جس میں ہر طرح کے پھولوں اور پھلوں کے درخت تھے۔ یہ مقام اتنا خوشنما اور دلکش تھا کہ سکندر موسم بہار میں اپنا زیادہ وقت یہیں گزارتا تھا۔ اس کے بعد کے حکمران محمد شاہ کے عہد تک اس کے نقش قدم پر چلتے رہے (ذیلی یادداشت۔ بہارستان شاہی ۳۴ رب۔ حسن ورق ۱۱۴ رالف، ب۔ حیدر ملک ورق ۱۱۴ رب) [تاریخ حسن ج ۱، ص ۳۳۷ میں آیا ہے: ''**خانقاہ کُبروی** کو موضع مٹن میں **چشمہ مچھ بون** پر سلطان سکندر نے میر محمد ہمدانی کی تجویز پر تعمیر کیا۔ اس کے صحن میں اس نے باغ اور گلزار کو کمال حسن کے ساتھ آراستہ کیا تھا۔ اس خانقاہ کے خدام کے لئے اس نے موضع مٹن کے

محصول کو وقف کر دیا۔ مغل بادشاہوں نے مذکورہ خانقاہ کو دوسری جگہ پر منتقل کیا اور چشمۂ مذکور پر آصف جاہ خان کے اہتمام سے ایک باغ شاہی اور عمارات عالیہ کی تعمیر کی گئی''...ڈاکٹر شمس الدین احمد]

سکندر کشمیر کا پہلا سلطان تھا جس نے ملک میں شرعی احکام کو بہت سختی کے ساتھ نافذ کیا۔ اُس نے شراب اور دوسری خمریات کے استعمال کو ممنوع قرار دیا اور قمار بازی، عورتوں کا ناچنا اور موسیقی کے ساز مثلاً بانسری، ستار، ربط کو بجانا بند کر دیا اور صرف طبل اور فوجی باجا بجانے کی اجازت تھی (ذیلی یادداشت۔ بہارستانِ شاہی ۳۴/ب۔ حسن ورق ۱۱۴/الف۔ حیدر ملک ورق ۱۱۴/ب) [تاریخ حسن جلد ۲/ص ۱۸۰ میں بھی آیا ہے کہ ''سلطان کے عہد میں شرعاً ممنوعات اور بدعتوں کا جیسے شرابخوری اور قمار بازی وغیرہ سراسر ممنوع تھے اور آلاتِ سرود جیسے ربط، جنگ عود، مزمار اور ساز اور رُود کی آواز کہیں سے ظاہر نہیں ہوتی تھیں اور جنگ وحرب کے موقعوں کے سوا کوس وکونا کی آوازیں سنائی نہیں دیتی تھیں]۔ اس نے **شیخ الاسلام** کا عہدہ قائم کیا تاکہ اسلامی قوانین کا نفاذ مناسب طور پر ہوتا رہے۔ یہ سارے اقدام سکندر نے سید محمد ہمدانی کے زیر اثر کیے تھے۔ اُن ہی کے مشورہ پر سلطان نے غیر مسلموں پر دُو پل چاندی فی کس جزیہ لگایا [پُل۔ پُول (روپیہ پیسہ) کا مخفف ہے اور پیسہ وفلوس کے معنی میں آتا ہے۔ فارسی لفظ ہے....ڈاکٹر شمس الدین احمد] اور **ستی** بند کرادی اور قشقہ اور تلک لگانا بند کر دیا۔ (ذیلی یادداشت۔ یون راج ص ۶۰، یون راج بمبئی اڈیشن، نمبر ۷۷-۱۰۷۔ میونخ قلمی نسخہ ورق ۲۴/ب، بہارستان شاہی ورق ۲۶/الف)۔ [یون راج یعنی جون راج کی تاریخ راج ترنگنی کے جوگیش چندر دت کے انگریزی ترجمہ میں، جوگیان پبلشنگ ہاؤس دہلی سے سال ۱۹۸۶ء میں چھپا ہے اور جس کا میں نے یہ اُردو ترجمہ کیا ہے،

مجھے کہیں پر بھی یہ عبارت نظر نہیں آئی کہ سلطان سکندر نے قشقہ اور تلک لگانا ممنوع کیا تھا۔ جہاں تک بہارستان شاہی کے حوالہ کا تعلق ہے یہ تاریخ چونکہ ایک خاص فرقے کے مسلک سے ربط رکھنے والے نامعلوم مصنف کی متعصّبانہ ذہن کی تخلیق ہے اس لئے مقامی مورخین اور علماء جانب داری اور تعصب سے خالی نہیں جانتے اور اس کے حوالے دینے سے عام طور پر گریز کرتے ہیں۔ البتہ پروفیسر محب الحسن اس کتاب کی طرف اس لئے بھی متوجہ رہا ہے کہ وہ خود اسی مسلک کا تھا جس مسلک کا بہارستان شاہی کا نام نامعلوم مولف تھا ......ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ بہر حال غیر مسلموں کے ساتھ غیر رواداری کا سلوک اختیار کرنے میں سیف الدین کا خاص ہاتھ تھا جسے ایک لحاظ سے خراب قسم کا مشیر کہا جا سکتا ہے۔ سلطان نے ابتدا میں اس رویہ سے پرہیز کرنا چاہا لیکن بعد میں مان گیا اور پھر اپنے وزیر کے مذہبی جنون کی وجہ سے سب کچھ کرنے لگا۔ سیف الدین نے نومسلمی کے جوش میں برہمنوں سے اسلام قبول کرنے کو کہا۔ انجام کار کچھ برہمن مشرف بہ اسلام ہوتے۔ جنہوں نے انکار کیا ان کو جزیہ دینا پڑا۔ (ذیلی یادداشت۔ حیدر ملک ورق ۱۱۳/ب۔ یون راج ص ۶۰/ پر رقمطراز ہے کہ ہندوؤں کو اپنے مذہب پر اڑے رہنے پر بھاری جرمانے ادا کرنے ہوتے تھے۔ یہ جرمانہ جزیہ کے علاوہ کچھ اور نہ تھا)۔ بقیہ وہ جو جزیہ دینا نہیں چاہتے تھے یا دینے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے کشمیر چھوڑ کر ہندوستان میں پناہ لینے کے لئے چلے گئے۔ جب سیف الدین کو یہ خبر ملی تو اس نے سرحدی محافظوں کو حکم دیا کہ وادی کے باہر اس کی اجازت کے بغیر کسی کو نہ جانے دیا جائے لیکن ان پابندیوں کے باوجود بہت سے برھمن ملک سے بھاگنے میں کامیاب ہو گئے (ذیلی یادداشت۔ یون راج ص ۶۵۔۶۷)۔

اپنے عقائد میں غلط قسم کا جوش رکھنے کی وجہ سے **سکندر** اور **سیف الدین** کچھ بُت اور مندر توڑنے کے بھی مرتکب ہوئے لیکن یون راج کا یہ بیان سراسر غلط ہے کہ ہر موضع اور ہر قصبہ کے مندر زمین کے برابر کر دئے گئے تھے (ذیلی یادداشت۔ یون راج ص ۶۰) اتنا یاد رہے کہ سیف الدین برھمن تھا اس کا اسلام قبول کرنا یون راج کو ایک آنکھ نہ بھایا۔ چنانچہ اس نے سیف الدین کی بت شکنی کے واقعات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔ مسلمان مورخوں نے بھی بڑے پیمانے پر مندروں کے انہدام کا ذکر کیا ہے لیکن سکندر اور اسکے وزیر کو اسلام کا حامی بنا کر پیش کرنے میں انہوں نے حقائق کو مسخ کر دیا ہے۔ ان کی غلط بیانی اسی سے عیاں ہو جاتی ہے کہ اگر ہم ان کے حساب سے سکندر کے ہاتھوں مسمار کئے ہوئے مندروں کو شمار کریں تو پھر ایک بھی مندر صحیح سالم نہیں بچتا۔ اس کے برخلاف حقیقت یہ ہے کہ سکندر کے سو برس بعد بھی وادی کشمیر میں مندروں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ **مرزا حیدر دو غلت** نے جس نے کشمیر پر دس سال حکمرانی کی، ۱۵۴۶ء میں لکھا:

> "کشمیر کی سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز اس کے مندر ہیں۔ کشمیر اور اس کے آس پاس ۱۵۰ / سے زیادہ مندر ہیں اور ان کی جیسی عمارت کی نظیر ساری دنیا میں نہیں مل سکتی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ یہاں ۱۵۰ / مندر ہیں"

(ذیلی یادداشت۔ تاریخ رشیدی ص ۴۲۶)۔ ابوالفضل نے بھی لکھا کہ "کچھ مندر تو بالکل اچھی حالت میں ہیں" (ذیلی یادداشت۔ آئین اکبری جلد ۲ ص ۱۲۴)۔ اسی طرح جہانگیر بھی رقمطراز ہے کہ "اونچے اونچے مندر جو ظہور اسلام سے پہلے کے تعمیر کردہ ہیں، ابھی تک موجودہ ہیں" (ذیلی یادداشت۔ ترکِ جہانگیری جلد دوم ص ۱۵۰)۔

سکندر کی بُت شکنی کو بہت مبالغہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے بعض موقعوں پر سکندر نے مندروں کو منہدم نہیں کیا بلکہ جب کبھی کسی مقام پر باشندے اسلام قبول کرتے تھے تو وہ مندر کو مسجد میں تبدیل کر دیا کرتے تھے۔ ان مندروں کی دیکھ بال نہ ہونے کی وجہ سے یہ کھنڈر بن گئے۔ کچھ مندر زلزلوں کے بھی نذر ہو گئے لیکن ان باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا اور تمام منہدم مندروں کی ذمہ داری سکندر کے سر پر ڈال دی گئی۔ کچھ مصنفین نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ سکندر نے مندروں کے مسمار کرنے میں بارود کا بھی استعمال کیا۔ اسٹین راقمطراز ہے:

"کشمیر میں اتنے ابتدائی زمانے میں بارود کے استعمال پر بہت سے لوگوں نے شُبہ کیا ہے مجھے شُبہ نہیں یقین ہے۔ میرے خیال میں مندروں کے انہدام کی وجہ یہ تھی کہ ان میں بھاری بھاری پتھر لگائے گئے تھے جن کی ناقص بنیادیں زلزلہ میں ہل جاتی تھیں اور یہ خصوصیت کشمیر کے تمام مندروں میں پائی جاتی ہے"

(ذیلی یادداشت۔ اپنی کتاب ویلی (ص ۹۰) میں لارنس نے نقل کیا۔ مزید دیکھو جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد ۱۴/ص ۲۴۔ میک لیگن (Maclagon) اپنے مقالہ آن ارلی ایشیاٹک ویپنس (On Early Asiatic Weapons) میں لکھتا ہے کہ سکندر کے عہد تک بارود کی دریافت نہ ہوئی تھی اور مندر زلزلے اور امتداد زمانہ سے برباد ہوئے۔ وہ اپنی رائے کی وضاحت پانچ اور مارتنڈ کے مندروں کا حوالہ دے کر کرتا ہے کہ مندروں کے گرنے کا سبب زمانہ اور زمین کی حرکت ہے۔ یہ خیال کنگھم (Cunningham) نے رُبع صدی پہلے ظاہر کیا تھا۔ جون جولائی ۱۸۲۸ء کے زلزلہ نے مکانوں کو کافی نقصان پہنچایا تھا اور بڑی بڑی چٹانیں پہاڑ سے

ٹوٹ کر نیچے آ گئی تھیں)۔ نا قابل قیاس ہے کہ ان مندروں کو انسان یا امتداد زمانہ نے برباد کیا ہے۔ یہ مندر مصر کی بڑی بڑی عمارتوں کے ہم پلہ تھے۔ ان کی بربادی کا سبب زلزلہ ہی ہو سکتا ہے (مُور کرافٹ ج ۲ ص ۱۵۰، ذیلی یادداشت) اونتی پور کے مندر کی بربادی اس کا ثبوت ہے۔

کنگڈم آف کشمیر کے مؤلف ایم ایل کپور نے سکندر (۱۳۸۹ء تا ۱۴۱۳ء) کی تخت نشینی، اُس کی فتوحات اور امیر تیمور کے ساتھ اُس کے روابط کے بیان میں وہی کچھ لکھا ہے جسے ہم نے پچھلے اوراق میں دیگر مقامی مورخین کی تواریخ سے (بعض جگہوں پر اپنے تاثرات وتوضیحات کے ہمراہ) نقل کیا ہے اور مولف مذکور نے ان کے بیان میں کسی قسم کا کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ اس لئے اس کے ان مذکورہ عنوانات سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم ''سکندر کی مذہبی پالیسی'' کے عنوان کے تحت اُس کے بیان کو نقل کریں گے تاکہ عیاں ہو جائے کہ محض تعصب کی آنکھ سے دیکھنے والا اور دیگر متعصبین کی بعض وحسد آمیز بے تحقیق بیانات کا ناقل اور فرقہ واریت کے زہر کو پھیلانے کی شعوری کوشش کرنے والا، نیز بے طرفانہ رائے وتنقید سے کام نہ لینے والا مورخ کس حد تک تاریخ کو مسخ کر کے غیر ذمہ دارانہ طریقے پر لوگوں کے دلوں کو مجروح کر کے اپنی تسکین کر پاتا ہے۔ افسوس ہے کہ اس مذکورہ عنوان کے تحت ایم ایل کپور نے سلطان سکندر سے انصاف نہیں کیا۔ اور نہ ہی دیگر مورخین کی اس کیچڑ کو صاف کرنے کی سعی ہے جو سلطان موصوف پر اُنہوں نے اچھالی ہے بس فرقہ وارانہ روایت کی پیروی کی ہے جو کشمیر کی تاریخ میں ایک خاص فرقے نے ایک ہزار سال سے ایک اور نسبتاً کم عمر فرقے کے لوگوں کے خلاف اس حد تک اپنی تواریخ میں قائم کی ہے کہ اس فرقے کو اپنی تواریخ میں بدذہنی سے یاد کرتے ہیں اور پھر اُن کا دعویٰ ہے کہ وہ مورخ ہیں۔

سکندر کی کی مذہبی پالیسی کے عنوان کے تحت کنگڈم آف کشمیر کے مولف نے لکھا ہے ''تقدیر نے کشمیر کو ایک عظیم آفت سے بچا تو لیا [مولف کا اشارہ امیر تیمور کی طرف ہے کہ وہ کشمیر پر حملہ آور نہ ہوا اور اس طرح سے کشمیر اس آفت سے محفوظ رہا۔ لیکن مولف نے ایک مورخ کی حیثیت سے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا ہے کہ امیر تیمور کی ''آفت'' سے کشمیر کو بچانے والا صرف سلطان سکندر، اُس کی دور اندیشی، مصلحت بینی اور حب الوطنی کا شدید جذبہ واحساس تھا جس کے تحت وہ خود امیر تیمور کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا اور اس کے امراء کے طاقت سے برتر تقاضا پورا کرنے کے لئے لوٹ آیا جس سے تیمور متاثر ہو کر اور کشمیر سے صرف نظر کر کے واپس سمرقند چلا گیا۔ متعصب مورخین نے کشمیر کی اس تاریخ ساز حقیقت سے مُنہ چھپا لیا ہے اور اس کے جذبۂ حُب الوطنی کو نمایاں نہیں کیا۔ افسوس! کسی بھی مقامی مورخ نے اس امر میں سلطان سکندر کو ایک محبّ وطن کشمیری سلطان کی حیثیت سے پیش نہیں کیا...ڈاکٹر شمس الدین احمد] لیکن اس کے باشندوں کی تقدیر میں خود اس کے اپنے حکمران کے ہاتھوں مصائب اٹھانا لکھا تھا۔ گو کہ بہادر تھا اور مہذب بھی تھا، لین سکندر ایک متعصب تھا۔ بُت شکن سے معروف اس بادشاہ کا مقابلہ اورنگ زیب کے ساتھ کیا جاتا ہے [مولف نے یہ نہیں لکھا ہے کہ کون یا کس ملک کے مورخ سلطان سکندر بُت شکن کا مقابلہ اورنگ زیب عالمگیرؒ سے کرتے ہیں لیکن اگر مولف مذکور کا اشارہ کشمیر کے نامسلمان مورخین خصوصاً برہمن مورخین کی طرف ہے تو اس میں حیرانگی کی بات نہیں ....ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ اول میں تو وہ رواداری سے کام لیتا تھا چنانچہ اپنی بیوی **شوبھادیوی** کے **شو مندر** بنانے پر اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ لیکن بعد میں اُسے اپنی ہندو رعایا کے ساتھ غیر رواداری برتنے پر اس کے

اپنے دین کے لوگوں نے اُکسایا جو بیرونی ممالک ممالک سے اس کے دربار میں جمع ہوئے [یہ سراسر ایک بہتان ہے اور دروغ بیانی۔ بیرونی ممالک اسلامی خصوصاً ایران اور مرکزی ایشیا سے جو دینی بزرگوار کشمیر میں آئے اور مدتوں تک آتے رہے وہ خالص امن پسند دین اسلام کے امن پسند مبلغین تھے اور دین اسلام کو کشمیر میں وسعت دینے میں انہوں نے اہالی کشمیر کے ساتھ وہی اخوت ومحبت رویّہ اختیار کیا جو اُن کے پیشرو حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ نے اپنے سینکڑوں ہمراہ سادات مبلغین کی جماعت کے ہمراہ اختیار کیا تھا۔ اگر سلاطین کشمیر کے درباروں یا کسی خاص سلطان کے دربار سے وابستہ دینی بزرگوار مبلغ یا مبلغین سختی سے دین اسلام کو عام کرنے کے اقدامات کرتے تو نا مسلمانوں کی اکثریت والے اس ملک میں یہ دین کبھی بھی ہر گھر کو روشن نہ کرتا بلکہ کچھ مدت گزر جانے پر وہ اس طوق کو اپنی گردنوں سے اتار کر پھر اپنے طریق کار میں لوٹ آتے۔ لیکن ان دینی بزرگواروں کا دینِ اسلام کو اس ملک میں وسعت دینے کی روش اور طور طریقہ نا مسلمانوں کے حق میں ایسا محبوب ومنظور طریق عمل رہا کہ چھ صدیاں گزر جانے پر بھی کشمیر کے موجودہ ہندو اُن دینی بزرگواروں کے روضوں کے پاس سے گزرتے وقت تعظیماً اپنے سروں کو جھکاتے ہیں۔ کشمیر کے کسی بھی مورخ نے یہ ہرگز نہیں لکھا کہ ان دینی بزرگواروں نے ہندو رعایا کے خلاف سلطانِ کشمیر کو غیر رواداری برتنے پر اُکسایا اس غیر ذمہ دارانہ اور بے بنیاد اور اسشنائی مسموم ذہنی اختراع کو کیا کہیں]۔ ان لوگوں کو، جن کی اکثریت بیہقی سیدوں پر مشتمل تھی، سکندر کے ایک وسیع القلب سلطانِ سخاوت مند ہونے کی شہرت نے کشمیر کی طرف کھینچ لیا۔'' اُن کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ایک مسلمان مملکت میں دین اسلام کو غلبہ حاصل نہیں ہے بلکہ کافروں کے مسلک کے پہلو بہ پہلو موجود ہے''۔ [معلوم

نہیں کہ مولف نے یہ کس کا بیان نقل کیا ہے لیکن جس کسی کا بھی ہو...اور میرا قیاس ہے کہ خود مولف نے اسے اپنے قول سے بنایا ہے... یہ سراسر ایک بے حقیقت قول ہے کیونکہ اس پر قول وعمل کے کوئی شواہد اور اسناد مطلق موجود نہیں۔ محض اپنی بات کو دوسروں کے سرتھوپ دینے سے دروغ بیانی اور کذب وبہتان کو ڈھانپا نہیں جا سکتا۔ مولف اُن بزرگوار حضرات کو مورد الزام قرار دیتا ہے جن کی متصوفانہ امن وصلح پسندی کی عام روش کی تحسین وآفرین کی صدائیں آج بھی کشمیر کے غیر مسلموں کے قلم ودہن سے بلند ہوتی ہیں۔ افسوس کہ ہمارا یہ اشتسائی ''مورخ'' اس سے بے خبر ہے]۔ سیدوں میں سب سے زیادہ اہم سید جو کشمیر میں سلطان سکندر کے عہد میں وارد ہوئے میر محمد ہمدانی تھے۔ وہ ایک علوی سید تھے [علوی سیّد کی اصطلاح عموماً شیعہ سید سے بہ غلط منسوب کی جاتی ہے جب کہ تمام سید خاندان رسولؐ کے ساتھ براہ راست وابستہ ہیں خواہ وہ شیعہ ہوں یا سُنی ۔ حضرت شاہ ہمدانؒ کا خاندان (حضرت میر محمد ہمدانیؒ اُن کے فرزند گرامی تھے) صحیح النسب اولادِ رسول کا خاندان تھا اس لے ایک محترم ترین خاندان مانا جاتا تھا] سال ۱۳۹۳ء میں وارد ہو کر آپ نے ''بادشاہ کے جوشِ شدید والی آگ میں جلتی کا کام کیا''۔ شراب کے استعمال اور دیگر نشہ آور اشیاء پر قدغن لگایا گیا۔ جوا کھیلنا، عورتوں کا ناچنا اور تفریح کی خاطر ساز وسرود کے آلات کو بجانا ممنوع قرار دیا گیا۔ ہندو عورتوں میں رائج **ستی** کی رسم اور ہندوؤں کے پیشانیوں پر **تلک** لگانے کے رواج کو بند کر دیا گیا [یہ بُری رسمیں جن کا مولّف نے نام لیا ہے سلطان سکندر کے عہد میں کشمیر کے ہندوؤں میں رائج تھیں جن کی وجہ سے ہندو معاشرہ زوال پذیر ہوا تھا۔ ان کو اگر حضرت میر محمد ہمدانیؒ کے وعظ ونصائح سے مٹانے کی کوشش کی گئی تو یہ محض اس سڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کے لئے تھا۔ کیا یہ آپؒ کی ہندو معاشرہ کو مہذب

بنانے کی دین نہیں تھی؟ کیا یہ آپؒ کے مساویانہ سلوک و برابری کا عملی اقدام نہیں تھا؟ اگر اُن بُری رسموں کو جو ہندو معاشرہ میں ہزار ہا سال سے جگہ پا چکی تھیں حضرت میر محمد ہمدانیؒ نے سلطان سکندر کے تعاون سے ختم کرنے کی کوشش کی تو اس میں ''جلتی آگ میں تیل ڈالنے'' کی بات کہاں سے آگئی؟ اس کے کوئی شواہد موجود نہیں کہ ستی اور تلک کو ممنوع قرار دیا گیا اور کسی غیر جانبدار مقامی مورخ نے اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے لیکن کیا ستی کی رسم کو جو ہندو دھرم میں کوئی فرضیہ رسم یعنی مذہب کی طرف سے کوئی لازمی طور پر فرض کی گئی رسم نہیں ایک وحشی رسم جان کر سلطان سکندر نے بند کر کے ہندو معاشرہ میں انسانی برتری کے احساس کا احیاء نہیں کیا؟ فعل بادشاہ جلال الدین اکبر (۱۵۵۶ء۔۱۶۰۵ء) ستی کے انسان سوز رسم کو بند کرنے کے حکم پر انگلی بھی نہیں اٹھائی جاتی لیکن سلطان سکندر کو بُت شکن کا خطاب دے کر متعصبین اور مقامی جانب دار تاریخ نویس اُس سے خوش نہیں۔

ناطقہ سر بہ گریبان ہے اسے کیا کہیے] اس کے علاوہ ان پر دو پل یا آٹھ تولہ چاندی کے حساب سے **جزیہ** عائد کیا گیا اور یہ دیکھنے کے لئے کہ اسلامی شریعت ملک میں صحیح طریقے پر نافذ ہے۔ **شیخ الاسلام** کا عہدہ وجود میں لایا گیا[پُل کی قیمت آٹھ تولہ چاندی کے برابر کر کے مولف کپور نے اپنی لاعلمی کو ظاہر کیا ہے۔ پُل اصل میں فارسی لفظ پول کا مخفف ہے جس کے معنی ہیں پیسہ یا نقدی۔ جزیہ اُن غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا جو فوج میں شامل نہیں ہو جاتے تھے تا کہ ملک وقوم کی حفاظت کے لئے وقت آنے پر دشمنوں سے لڑیں۔ یہ جزیہ گویا اُن کی نگہبانی وحفاظت جان کے معاوضہ کے طور پر اُن سے لیا جاتا تھا اور اس کی شرح سالانہ تین روپے تک ہوتی تھی، نہ کہ بقول مولف کپور آٹھ تولہ چاندی جو رقم اُن کے اپنے ذہن کی ساخت ہے، اور پھر

جزیہ کی ادائیگی میں بچے، عورتیں، بوڑھے، کمزور، ضعیف، اپاہج اور مذہبی رہنما مثتنیٰ تھے اور جو غیر مسلم فوج میں شامل ہو جاتے اُن سے بھی نہیں لیا جاتا تھا۔ شیخ الاسلام کا عہدہ ہر اسلامی ملک میں ہمیشہ سے موجود ہے اور موجود رہے گا اور محترم عہدہ کا ربط خالص اسلامی قوانین سے ہے جن کا کسی بھی طرح سے کوئی تعلق ہندوؤں یا دیگر غیر مسلم قوموں سے مطلق نہیں۔ شرعی قوانین کو مسلمانوں میں نافذ یا رائج کرنے میں اگر مسلمانوں کے ساتھ سختی سے پیش آیا جائے تو اس کے لئے شیخ الاسلام پر کوئی حرف نہیں آتا وہ اس بارے میں مجاز ہے]صرف اس پر بس نہیں ہوا بلکہ جب میر محمد ہمدانی نے تبدیلی مذہب کی مہم شروع کی تو آپ نے سلطان سکندر کے وزیر اعظم **سُہہ بھٹ** کو اپنی طرف کر کے اُسے ملک سیف الدین نام رکھا۔ اس تازہ نو مسلم وزیر نے سلطان کو ہندوؤں کے خلاف زیادہ سخت پالیسی اختیار کرنے پر اُکسایا۔ سکندر کچھ مدت تک اپنے رویہ پر قائم رہا لیکن بعد میں تسلیم ہوا اور ہندوؤں کو دہشت زدہ کیا گیا۔ اُن تمام ہندو کتابوں کو جو سلطان سکندر کو ہاتھ آئیں، جھیل ڈل میں ڈبو دیا گیا[یہ محض اختراعی باتیں ہیں جو ایک خاص مقصد اور سازش کے نکتۂ نظر سے بدنام کرنے کی خاطر بنائی جاتی ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سبھی شہمیری سلاطین نے تمام علوم کو ترقی دی۔ اگر ہندوؤں کی کتابوں کو بقول کسے جھیل ڈل میں غرق کر کے نابود کر دیا گیا تو سلطان سکندر کی وفات کے بعد ہندوؤں کی کتابوں پر مسلمان سلاطین کشمیر کے زمانے میں جو کام ہوا اور دار التراجم قائم ہوئے وہ کتابیں کہاں سے آگئیں، یہ محض برہمن ہندو علماء کے حربے ہیں جن سے وہ ایک غیر دین کے کشمیر پر رائج ہو جانے سے دل آزردہ ہو کر اس نئے دین کے پیروؤں کو بدنام کرنے سے کسی بھی طرح سے پیچھے نہ رہے۔ حد یہ ہے کہ جو برہمن علما مسلمان سلاطین کشمیر کے دربار میں ملازم تھے وہ بھی اپنے

اس فرض کو وفاداری کے ساتھ نبھاتے رہے اور اپنے آقاؤں کے خلاف، جن کے وہ نمک خوار تھے، زہر اگلتے رہے۔ جھیل ڈل میں ہندوؤں کی کتابوں کو ڈبو دینے کی بات کو دو ایک مسلمان تاریخ نگاروں نے بھی لکھا ہے خصوصاً فارسی تاریخ نویسوں نے۔ لیکن علمی تحقیق کی معدومیت فقدان اور بیشتر ضعیف روایات کی پیروی سے ہماری قدیم فارسی مقامی تواریخ داغ دار ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایسے موقعوں پر ان معدودے چند فارسی نگار مقامی مورخین میں فقط جوش وجذبات کی جلوہ گری نظر آتی ہے]۔ لوگوں کے سامنے تین شرائط رکھے گئے، موت، جلاوطنی یا تبدیلی مذہب۔ اس کے نتیجے میں بقول ایک مورخ کے "بہت سے بھاگ گئے، بہت سے لوگوں نے مذہب کو بدل ڈالا۔ بہت سے مارے گئے اور کہا جاتا ہے کہ اس کٹر حکمران نے مقتول برھمنوں کے ساتھ من وزن کے جنیو جلا ڈالے"۔ جب سیف الدین نے سنا کہ بہت سے برہمن کشمیر سے جا رہے ہیں تو اس نے سرحدی محافظوں کو پروانۂ راہداری کے بغیر اُن کو چھوڑنے سے منع کیا۔

ہندو مندروں اور ان کے بتوں کو تباہ کرنے میں ہر طرح کی کوشش کی گئی۔ جون راج کے بیان کے مطابق "(ہندو) رعایا کی قسمت نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور بادشاہ اپنے شاہانہ فرائض کو بھول گیا اور دن رات بتوں کو توڑنے میں خوشی محسوس کرنے لگا.... کوئی بھی شہر، کوئی قصبہ، کوئی گاؤں اور کوئی جنگل ایسا نہ تھا جہاں پر سُہہ بھٹ تُرشک (مسلمان) نے دیوتاؤں کے مندروں کو توڑ نہ ڈالا ہو" [جون راج کا یہ دعویٰ محض کذب وافرا ہے اور اُس دل آزردگی کے زخم کی ٹیس ہے جو اس برہمن متعصب کشمیری عالم کے قلب وجان سے اٹھتی ہے جو اُسے ایک نئے دین کے برہمنی کشمیر پر چھا جانے کے صدمے کی وجہ سے لگا ہے۔ ان ہی غیر قابل تحمل صدموں کا

مداوا کرنے کی خاطر برہمنانِ کشمیر نے بعض مندروں کو تباد ت گاہ کے لُبادے میں سازشی اڈوں میں تبدیل کیا تھا جن کا ڈھایا جانا کشمیر کے سیاسی استحکام اور ایک پایدار حکومت کو استوار کو بنانے کے خاطر ناگزیر تھا۔ میں محض چند مندروں کے انہدام کئے جانے کے عمل سے آنکھیں چرانے کا قائل نہیں۔ یہ کام کرنے کی ذمہ داری شاید اور بظاہر سُہہ بھٹ پر عائد کی جاتی ہے جو ملک سیف الدین کے نام سے ایک جوشیلے نو مسلم مگر ایک واقف کار وزیر یا وزیر اعظم کے ان مندروں کی حقیقی کارکردگی سے واقف اور آگاہ تھا ورنہ ہزار ہا مندروں میں سے محض چند مندروں کو ہی منہدم کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ مندروں کے باقی رہنے اور اُن کی آبادی کی تصدیق پچھلے سطور میں میرزا حیدر دوغلت اور ابوالفضل جیسے معتبر تاریخ نگاروں کی زبان سے ہم سُن چکے ہیں جو دونوں مندروں کی آبادی و موجودگی کے چشم دید گواہ تھے۔ بقول جون راج کشمیر کے کسی شہر قصبے گاؤں اور جنگل میں کوئی مندر ہی نہ رہا اور اُنہیں توڑ دیا گیا تو پھر وادی میں سینکڑوں مندر کہاں سے آگئے جن میں برہمنان کشمیر بیٹھ کر پوجا کیا کرتے تھے؟ جون راج کی دروغ بیانی محض مسلمان بادشاہوں یا خاص کر سلطان سکندر کے خلاف زہر اگلنے کی ایک شعوری کوشش ہے جس کے نتیجے میں جون راج کے بعد کے آنے والے مورخین نے اُسے بُت شکن کہا ہے۔ سخت حیرانگی اور تعجب کا مقام ہے کہ ان جانبدار اور متعصب مقامی برھمن علماء اور تاریخ نگاروں نے راجہ ہرش جیسے نافرمان ہندو بُت شکن کو (۱۰۸۹ء سنہ ۱۱۰۱ء۔ ۴۸۲ھ۔ ۴۹۵ھ) بُت شکنی اور بتوں کی اہانت کرنے کے بُرے اور زشت عمل سے شعوری طور پر نظرانداز کر دیا ہے۔ پنڈت کلہن نے راج ترنگنی میں اس کے بُت شکن اور مندروں کے ہادم ہونے کی تفصیل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے

کہ ''راجہ ہرش نے **شو کلشیشور مندر** کو گرا کر اس کا سونا اور اس کے پتھروں تک کو غارت کرنے کا حکم دیا کہ اس کے عوض میں وہ دریائے جہلم پر ایک پل بنائے گا۔ **بھیم شاھی مندر** (زیارت بابا بام الدینؒ کے نزدیک بُم زُو گاؤں میں) کو لوٹ کر گرا دیا۔ **لول دھر مندر** (لولاب) کو لوٹ لیا گیا۔ اس کے بعد حریص راجہ نے تمام مندروں کی دولت کو چھین لیا اور دوسرے امیر مندروں کو غارت کرنے کے لئے **اُودیے راج** کو دیوتاؤں کی مورتیوں کو منہدم کرنے پر مقرر کیا۔ دیوتاؤں کی مورتیوں کی اہانت کرکے اُن پر پیشاب پھیر دیا گیا اور اُن کے مُنہ اور ان کی ناکیں اور ٹانگیں توڑ ڈالی گئیں۔ مقدس بتوں کی مورتیاں جو سونے اور چاندی اور دیگر دھاتوں کی بنی تھیں، سڑکوں پر نجاست وگندگی میں ڈھکی ہوئی پڑی تھیں جیسے کہ وہ لکڑی کے مٹھ تھے جن پر پھولوں کی جگہ گندگی پڑی تھی۔ ان مورتیوں پر تھوکا جاتا تھا''۔ کلہن پنڈت نے مزید لکھا ہے کہ ''قصبے اور گاؤں میں کوئی ایسا مندر باقی نہ رہا جس کی مورتیوں کو **تُرشک راجہ ھرش** نے خراب نہ کیا''۔ بُت شکنی، بتوں کی اہانت اور توہین کرنے کے باوجود بھی مقامی برھمن تاریخ نگاروں نے ''ترشک'' (مسلمان) راجہ ہرش کے اس کردار پر کوئی انگلی نہیں اٹھائی اور اس کی پردہ پوشی کرتے ہوئے کشمیر کی تاریخ میں اُسے مسلمان سلطان سکندر شاہمیری کی طرح نہ بدنام کیا ہے اور نہ ہی بُت شکن کا لقب دے کر اُسے ہندو دشمن قرار دیا ہے... ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ ایک عالم کے بقول ''عظیم مارتنڈ کے مندروں کو منہدم کرنے کے لئے ایک سال تک کا کارخانہ لگا رہا۔ لیکن جب ان کی معماری کا کام سخت ثابت ہوا تو آگ کا استعمال کیا گیا جس سے عمارتیں مسخ ہوگئیں''۔ حال ہی میں سلطان سکندر اور سیف الدین کی

ہندو دشمن پالیسی اور مندروں کو خراب کرنے سے متعلق ذمہ داری پر ایک بڑا اختلاف اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ عالموں کی ایک جماعت جب کہ پوری طرح سیف الدین کو مورد الزام قرار دیتی ہے تو دوسری جماعت ہندوؤں کی ایذا رسانی پر سلطان سکندر کو ذمہ دار ٹھہراتی ہے۔ اسی طرح جب کہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ محض چند ہی مندر خراب ہوئے تو بعضوں کا کہنا ہے صرف چند ہی خرابی سے بچ گئے۔ ہم نے تفصیل کے ساتھ اس اختلاف کے بارے میں اپنی پہلی تصنیفات میں بحث کی ہے (ذیلی یادداشت۔ A History of Medieval Kashmir pp38-43 اور Studies in History and Culture of Kashmir سال ۱۹۷۶ء صفحہ ۹۹۔۱۰۳، مجھے یہ کتابیں دستیاب نہ ہوئیں اس لئے میری نظر سے نہیں گذریں....ڈاکٹر شمس الدین احمد) اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دونوں کو "یعنی سلطان، جو جنم سے مسلمان تھا اور اُس کا وزیر اعظم جو ہندو دھرم سے تبدیل مذہب کر کے مسلمان ہوگیا تھا، ہندوؤں کی اذیت کرنے کا ذمہ دار قرار دینا ہوگا اور ان ہی سے اگرچہ سارے نہیں اکثر مندر منہدم ہوئے۔ سیف الدین محض سکندر کا ایک ذریعہ تھا جو حکومت کا مختار تھا۔ اس لئے اول الذکر، موخر الذکر کی منظوری کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ اپنے آقا کی پالیسی کو عملی بنانے میں بلا شک سیف الدین حد سے زیادہ گذر گیا تا کہ اسلام کا سچا وفادار بن جائے"۔[اسلام کا سچا وفادار بن جانے کے لئے بُت شکنی کوئی شرط نہیں۔ اسلام میں ایک مسلمان کے لئے مسلمانی کا صحیح مظاہرہ کرنے کی بابت اور بزرگوار تر بننے کی شرط صرف یہ ہے کہ مسلمان متقی بن جائے۔ اگرچہ بظاہر ملک سیف الدین کو سلطان سکندر کے وزیر اعظم کی حیثیت سے چند مندروں کا ہادم قرار دیا جاتا ہے

اس پر غور وفکر اور تعمق کرنے کی ضرورت ہے۔ خود سلطان سکندر ایسا کام نہیں کرسکتا تھا اس لئے ملک کی مجموعی سیاسی مضبوطی اور استحکام کے حق میں ایسا کرنا ایک دانشمندانہ اقدام ہوسکتا تھا اور نہ ہی بے مصلحت اندیشانہ عمل۔ بالخصوص جب کہ ابھی کشمیر میں مسلمان سلاطین کی حکومت کی عمر سلطان موصوف کے عہد تک جو سلطان شاہمیر نے زمانے سے شروع ہو چکی تھی، صرف چالیس اکتالیس سال سے زیادہ نہیں تھی اور خود سلطان سکندر حضرت میر محمد ہمدانیؒ کے براہ راست زیر تربیت واثر رہنے کے نتیجے میں لکُم دینکم ولی الدین کے خدائی فرمان پر کاربند رہ کر دینی تعصب سے بالاتر تھا اور اس کے ثبوت میں یہ حقیقت پیش کی جاسکتی ہے کہ سلطان کی دونوں بیویاں غالباً ہندو تھیں یا کم از کم ایک ہندو تھی۔ بلکہ خود سلطان سکندر بھی ہندو ماں سورا کے بطن سے تھا۔ اس کی ماں سلطان شہاب الدین کی بیوی لکھشمی بھی ہندو ہی تھی اور خود سلطان سکندر کے بعض صاحب احترام درباری وزراء بھی ہندو ہی تھے۔ جیسا کہ کشمیر کی تواریخ میں بیان ہوا ہے۔ گویا سلطان سکندر ہندو دشمنی کے جذبے سے بالکل پاک تھا اور یہی حکومتی مساوات جس کا وہ بلاشک ایک وارث تھا، اُس نے اپنی وراثت میں باقی چھوڑی اور اُس کے قابل افتخار فرزند سلطان زین العابدین نے باپ کے نقش قدم پر چل کر اور مساوات کی بے نظیر مثال قائم کرکے کشمیر کی تاریخ] میں بلکہ دنیا کی سیاسی تاریخ میں، ایک راہنما سلطان کی حیثیت میں اپنا نام قیامت تک باقی اور یادگار رکھا چنانچہ یہ کہنا ایک بے تردید حقیقت ہے کہ کشمیر کے سلاطین شاہ میری میں کوئی بھی سلطان نہ متعصب تھا اور نہ ہی ہندو دشمن، بلکہ بعد کے آنے والے بادشاہوں نے بھی حکومت کرنے کے عمل میں ان ہی سلاطین کو اپنا نمونہ کار بنایا۔ اب جہاں تک

نومسلم ملک سیف الدین وزیر اعظم کے چند مندروں کا ہادم قرار دئے جانے کا تعلق ہے میرا خیال قریب بہ یقین خیال ہے کہ یہ فعل اُس کا خالص ذاتی عمل تھا جو اُسکی ہندوانہ زندگی سے منسلک تھا اور کسی دشمنانہ کارگردگی یا ذاتی مسلکی اذیتوں، یا برہمنانہ بالادستی کے وحشتناک نتائج سے مربوط تھا، جس کے عکس العمل کا اظہار اس مسلک سے الگ ہو جانے پر ہی اُس نے کر رکھایا اور بعض چند ہی چیدہ مندروں کو سلطان کو بے خبر رکھتے ہوئے، منہدم کرانے کے عمل سے پورا کر دیا۔ جون راج نے تمام مندروں کا ہادم قرار دے کر وزیر اعظم ملک سیف الدین کی ملامت کی ہے لیکن جون راج کے ظالمانہ تعصب کو نظر انداز کرتے ہوئے قیاساً یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ چند مندر غیر آباد اور خستہ حالت کے مندر رہے ہوں گے۔ ملک سیف الدین کو بظاہر اس عمل کا عامل قرار دئے جانے کے لئے محققین کو سخت اور دقیق کاوش و جستجو کے ساتھ اس بات کی تحقیق کرنا ہوگی کہ اس متعلقہ زمانے میں ہندو معاشرہ کی بنیادی اور اصلی کیفیت کیا تھی اور برہمنانہ بالادستی اور برہمنی مظالم نے کس حد تک مظلوم اور گونگے بہرے مالیات زدہ بے بس عام ہندوؤں کی زندگی اور اُن کی آزادی سلب کر لیا تھا جس کا ایک فرد سُہہ بھٹ بھی تھا جو بعد میں مسلمان بن گیا وراس نے اس انفرادی عمل سے اپنے انتقام کی آگ کو بجھانے کی کوشش کی ☆ ....ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔

(حواشی ☆ مقامی محققین کو برہمنی معاشرہ پر تحقیق کرتے وقت للہ عارفہؒ یا حضرت شیخ العالمؒ سے منسوب یہ کشمیری مصرعہ بھی زیر نظر رکھنا ہوگا جو کشمیری برہمنوں سے اُنہوں نے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

شِو چھُی تھَلِہ تھَلِہ رَوژان

زان ہیوند تہٕ مُسلمان

یعنی شو تجھے اوپر سے نیچے تک تاک رہا ہے۔ ہندو اور مسلمان میں فرق نہ کر! ڈاکٹر شمس الدین احمد]

اس عبارت کے بعد کنگڈم آف کشمیر کے مولف نے جان بوجھ کر دورغ بیانی سے کام لے کر لکھا ہے کہ کشمیر میں جبراً ہندوؤں کو مسلمان بنایا گیا [اور یہ ایک ایسا لاالزام ہے جو خود فاضل مولف ایم ایل کپور کی کشمیر کے اس عہد کی تاریخ شناسی سے بے دخل کر کے اسے ایک خالص رودرغ گو اور متعصب ہندو مورخ کی سطح پر لے آتا ہے۔ تمام مورخوں نے بالا اتفاق لکھا ہے کہ کشمیر میں اسلام امن پسندی کی راہ سے داخل ہوا اور مقامی ہندوؤں نے دلی خواہش ورغبت کے ساتھ مساوات اور عدل وانصاف کے اس سچے اور بے نظیر امن پسند خدائی دین کو قبول کر لیا]۔

اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کنگڈم آف کشمیر کے مولف نے لکھا ہے ''سکندر کے حق میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اپنے دین کے پیروؤں کے حق میں وہ بہت فیاض تھا۔ [پچھلے سطور میں ہم اپنے بے لاگ میں کہہ چکے کہ سلطان سکندر کا سلوک تمام رعایا کے ساتھ اسلامی احکام کے عین مطابق مساویانہ تھا اور اس میں ہندو مسلمان کی کوئی تفریق نہ تھی۔ اس سچائی کا ادراک کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ متعصبین اپنے چشم ودل سے تعصب کی گرد کو دھو ڈالیں... ڈاکٹر شمس الدین احمد] اور اس نے بہبودی کے اقدامات کئے۔ اس نے مالیات کو ترک کیا جیسے **باج** اور **تمغا** وغیرہ جو گھوڑوں، گایوں، بکریوں اور ریشمی کپڑے پر لگائے جاتے تھے۔ مریضوں کے مفت علاج کے لئے ہسپتال بنوائے۔ مسافروں اور مستحق افراد کی خاطر کئی دیہات کو وقف کر دیا گیا۔ وہ کچھ ہندو بھی جو ابھی اس ملک میں رہتے تھے ان اقدامات سے مستفید ہو چکے ہوں گے۔

اگر چہ ذاتی طور پر سکندر نے وسیع طور پر تعلیم نہیں پائی تھی، وہ ادب کا بڑا مربی تھا اور بچوں کی تعلیم کے لئے اس نے بہت سکول کھولے۔ **ایران** اور **وسط ایشیا** سے کئی علما اور صوفیا اُس کے دربار میں آ گئے۔ ان میں عظیم بزرگ افراد جیسے **سید احمد** جو **اصفہان** کے ایک بار آور ادیب تھے۔ **خوارزم** کے شاعر **سید محمد شیراز** کے قاضی **سید حسن شیرازی**، **بخارا** کے بزرگ صوفی **سید جلال الدین** بلخ کے **بابا حسن** جو ایک منطقی تھے اور **سید ہمدانی** کے فرزند **سید محمد علی ہمدانی** تھے۔

سکندر فنِ تعمیر کا زبردست مربی تھا اور اس نے کئی مسجدیں، خانقاہیں اور مدرسے تعمیر کئے۔ بھون چشمے کے پاس اور بیج بہارہ میں اس نے کئی مسجدیں بنوائیں۔ سری نگر میں بھی اس نے ایک اور مسجد کی بنیاد ڈالی لیکن اسے اس کے فرزند **سلطان علی شاہ** نے مکمل کیا۔ **سوپور** اور **وچی** اور **ترال** کے دیہات میں خانقاہیں تعمیر کیں۔ **علاء الدین پور** میں، جہاں پر سید علی ہمدانی نے نماز باجماعت کے لئے یک صُفہ بنوایا تھا ایک خانقاہ تعمیر کروائی۔ یہ **خانقاہ معلیٰ** کے نام سے مشہور ہے۔ سکندر نے **سکندر پور** شہر بھی بسایا جسے ایک شاندار شاہی محل اور **جامع مسجد** سے آراستہ کیا۔

ایک آدمی کی حیثیت میں سکندر خاصا محتاط تھا۔ وہ شراب اور دیگر نشہ آور مُسکرات سے پرہیز کرتا تھا اور اسلامی احکام پر عمل کرتے ہوئے گانا نہیں سنتا تھا۔

۳۴۰: مقامی مورخین نے یہ الزام سلطان کو سکندر کی ماں **سُورا** پر لگاتے ہوئے لکھا ہے کہ سورا ایک قابل اور باہمت لیکن بہت خودغرض عورت تھی۔ اس

نے قوت بازو سے حکومت کی اور تمام مخالفتوں کو پامال کر دیا۔ کہا جاتا ہے، کہ اس نے خود اپنی بیٹی اور داماد کو سلطان سکندر کے خلاف سازش کرنے پر قتل کر دیا۔

۳۴۱: **شوبھا**: پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ سلطان سکندر کو کثرتِ ازداج کا کبھی شوق نہ ہوا اور ہمیشہ حدود شریعت میں رہا۔ سکندر نے پہلے **اُوھند** کے حکمران کی لڑکی **میرا** سے شادی کی جس سے اُس کے تین بیٹے میر خان، شادی خان (صحیح ہے شاہی خان) اور محمود خان (صحیح ہے محمد خان) پیدا ہوئے۔ پھر اس نے **شوبھادیوی** سے شادی کی (ذیلی یادداشت۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر نے جموں کے راجہ کی لڑکی سے شادی کی تھی (یون راج بمبئی اڈیشن نمبر ۷۲۹) شاید اسی کا نام **شوبھادیوی** تھا (لیکن اگر یہ کوئی دوسری خاتون تھیں تو پھر اس کا مطلب ہوا کہ سکندر کی تین بیویاں تھیں) جس کے بطن سے دو بیٹے محمود اور فیروز اور دو بیٹیاں ہوئیں جن کی شادیاں اوہند اور سندھ کے حکمرانوں سے ہوئیں۔

۳۴۲: **لِنگ**: ہندوؤں کے دیوتا **شِو** کا آلۂ تناسل یا **شِو** کے آلۂ تناسُل کی مورت کی صورت جس کی ہندو مرد اور ہندو عورتیں پوجا کرتی ہیں۔ شوبھا دیوی ملکہ نے شو کے آلۂ تناسل یا لِنگ کا مندر بنایا اور اس کے خاوند سلطان سکندر نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ پس سلطان سکندر کو مقامی متعصب برھمن مورخوں کی طرف سے بُت شکن کہنا دروغ بیانی ہے اور سراسر تعصب کا اظہار۔

۳۴۳: **یعنی ھیبت خان**

۳۴۴: غالباً سکندر کو یہ خدشہ اُدا یعنی **اُدک** سے تھا۔

۳۴۵: **یعنی ولر پرگنہ میں**

۳۴۶ھ:

ان پانچ آگوں کو **پنج آگنی** (پنج + اگنی) کہتے ہیں۔ پانچ آگوں کا مجموعہ جن میں کچھ ہندو عقیدت مند گرمیوں کے موسم میں ریاضت کرتے ہیں۔ ایک آگ مشرق، ایک مغرب، ایک شمال اور ایک جنوب کی طرف میں رکھ دیتے ہیں اور پانچویں آگ سر کے اوپر سورج کی ہوتی ہے۔ اُن پانچ آگوں کو بھی کہتے ہیں جو اسرار آمیز طور پر آدمی کے جسم میں موجود ہیں۔

۳۴۸: **اگستیه**: ایک ستارے کا نام (Canopus) جس کا قائم مقام بھی اسی نام سے جانا جاتا ہے۔ ہندو داستان کا ایک سادھو جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس نے سمندر کا سارا پانی لیا تھا۔

۳۴۷: اس واقعہ کا ذکر کشمیر سے مربوط تواریخ میں نظر نہیں آیا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ امیر تیمور نے سلطان سکندر کے لئے دو ہاتھی بھیج دئے لیکن اس بادشاہ کے بارے میں جون راج کی یہ عبارت کہ اس نے کشمیر کی سرحد کی نشان دہی کی کسی اور بادشاہ کی طرف اشارہ ہے۔

۳۴۹: **وِندھیه پہاڑ**: پہاڑی سلسلے کا نام جو مشرقی اور مغربی گھاٹوں کے انتہائی کناروں کو ملاتا اور ہندوستان کو دکن سے علیحدہ کرتا ہے۔ (یہ ہندوستان کی جنوبی سرحد کی بھی نشان دہی کرتا ہے)۔

۳۵۰: غالباً غیر ملکی مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے جو سلطان سکندر کے عہد میں کشمیر آئے۔

۳۵۱: **میر**: یعنی سید۔ (امیر کا مخفف) سردار۔ بزرگ۔ شہزادہ۔ پادشاہ۔ اس معنی میں غالباً اسماء کی آغاز میں آتا ہے۔

۳۵۲: یہ اشارہ ہے حضرت میر سید ہمدانیؒ کی طرف جنہوں نے سلطان سکندر کی دینی تعلیم و تربیت کی۔

۳۵۳: **ملیچھ**: جون راج نے یہ لفظ غیر کشمیری مسلمانوں اور مقامی مسلمانوں، جن کے ساتھ وہ مل جل کر رہتا تھا بلکہ خود مقامی مسلمان بادشاہوں کے دربار کا ایک خدمت گزار بھی تھا۔ دونوں کے لئے اپنی تاریخ میں استعمال کیا ہے۔ اور ملیچھ (یہ سنسکرت لفظ ہے) کے معنی ہیں: ایک غیر ملکی بیگانہ واجبنی۔ وحشی، جو آریائی قوم کا نہ ہو۔ مردود نسل کا آدمی۔ سنسکرت میں بات نہ کر سکنے والا یا کسی ایسی زبان میں بات نہ کر سکنے والا آدمی جو سنسکرت سے نکلی ہو۔ وہ جو ہندو روایات پر نہ چلے۔ بُرا آدمی۔ بدمعاش۔ فسادی۔ گناہگار۔ ایک کافر آدمی۔ ایک ناپاک آدمی یا قوم۔ وہ جو پاک اور ناپاک غذا میں فرق نہ کرتا ہو یا نہ کرتے ہوں۔ پیٹو آدمی۔ یہ عبارت جون راج پنڈت کی برہمنی تعصب کی آئینہ دار ہے۔

۳۵۴: **اُدَبھاندَ پُورَ**: دیکھئے حاشیہ ۲۷۰۔

۳۵۵: **شاھی خاندان**: ہندوستان کی تاریخ میں یہ **ھندوشاھی خاندان** کے نام سے معروف ہے۔ ہندوشاہی سلطنت دریائے چناب سے ہندوکش پہاڑوں تک وسیع تھی۔ اس میں **کابل** بھی شامل تھا۔ عربوں کے دباؤں سے یہ سلطنت کابُل سمیت افغانستان کے ایک حصے سے دستبردار ہوگئی اور ہندو شاہیوں نے اُدبھاند پور یا وَی ہند میں اپنا دارالسلطنت منتقل کر دیا۔

۳۵۶: **جینُ العابھدین**: یعنی بادشاہِ کشمیر سلطان زین العابدین (۱۴۲۰ء-۱۴۷۰ء، ۸۲۳ھ-۸۷۵ھ) (فارسی مقامی تواریخ کے حساب سے ۸۲۷ھ-۸۷۹ھ، ۱۴۲۳ء-۱۴۷۴ء)۔ سلطان زین العابدین کے لئے ملاحظہ حاشیہ ۹۔ •

۳۵۷: **کَل یُگ**: دیکھئے حاشیہ ۵۔

۳۵۸: **کیمیا**: قُدماء کے پانچ مخفی علوم میں سے ایک علم اور یہ علم ایک حرفت تھا جس کے بارے میں قُدماء کا عقیدہ تھا کہ اس کے وسیلے سے وہ ناقص اجساد کو مرتبۂ کمال تک پہنچا سکتے ہیں مثلاً قلعی اور سیسہ کو چاندی اور سونا بنا سکتے ہیں۔ اسے اکسیر بھی کہتے ہیں۔

۳۵۹: **میرُد**: دیکھئے حاشیہ ۳۲۷۔

۳۶۰: یعنی **کامِ دیو** کی طرح۔ کام دیو کے لئے دیکھئے حاشیہ ۱۶۹۔

۳۶۱: **ملکہ شووا**: مُراد ہے **ملکہ شوبھا**۔ اس کا ذکر پچھلے سطور میں آچکا ہے۔ سلطان سکندر کی ایک ملکہ تھی جس نے شولنگ کی مورت سونے کی بنائی اور اس کے لئے مندر بھی تعمیر کیا تھا۔ پس جون راج نے اُسے ایک قابل تعریف خوش اقبال ملکہ کہا ہے۔

۳۶۲: پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ ''فیروز سکندر کا بیٹا تھا جو شوبھا دیوی کے بطن سے تھا اور متبنیٰ نہیں تھا۔ یون راج نے غلط لکھا ہے کہ شوبھا دیوی کے دونوں بیٹے متبنیٰ تھے''۔ لیکن پروفیسر موصوف نے یون راج کے دعویٰ کو غلط ثابت کرنے کے لئے کوئی سند پیش نہیں کی ہے۔

۳۶۳: **پیرُوج**: یعنی فیروز۔ محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ ''شوبھا دیوی کے بطن سے دو بیٹے فیروز اور محمود اور دو بیٹیاں ہوئیں جن کی شادیاں اوہند اور سندھ کے حکمرانوں سے ہوئی۔ لیکن سکندر کو اپنی پہلی بیوی کی اولاد سے (غالباً ملکہ میرا سے مراد ہے جو اُدبھاند پور کے حکمران کی بیٹی تھی) جتنی محبت رہی دوسری بیوی کی اولاد سے نہ تھی۔ چنانچہ جب فیروز جوان ہوا تو سکندر نے اس کو کشمیر سے جلاوطن کر دیا تا کہ سوتیلے بھائیوں میں جانشینی کی جنگ نہ ہو (ذیلی یادداشت۔ یون راج بمبئی اڈیشن نمبر ۸۵۶، میونخ قلمی نسخہ ورق ۶۳/الف)۔ مقامی مورخوں نے

بھی جون راج کے لکھنے کے باوجود کہ فیروز کو بادشاہ نے جلاوطن نہیں کیا۔ بیان کیا ہے کہ فیروز کو سلطان نے ملک بدر کیا۔

۳۶۴: **پرَد یُومَن پہاڑی**: ویسے پرَ دِیمن کی صورت میں بھی آیا ہے اور پردمن کی صورت میں بھی۔ اس کے معنی ہیں: بہت ممتاز صاحب قوت۔ طاقتور اور بہت بھاری۔ عظیم الشان۔ محبت کے دیوتا کام دیو کا لقب۔ (کام دیو کرشن کا بیٹا اور رتی کا خاوند تھا)۔ جون راج نے اس شہر کا نام نہیں لکھا ہے۔ پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ ''سکندر کو تعمیرات کا بڑا شوق تھا۔ اس نے سکندر پور کے قصبے کو آباد کیا'' لیکن تاریخ حسن (جلد ۲ رص ۱۸۰) میں آیا ہے کہ ''سکندر پور کے محلّہ میں شاہی محل کے متصل دو بڑے بُت خانے تھے...'' اس کا مطلب ہے کہ سکندر پور پہلے ہی بن چکا تھا اور سکندر نے اسے نہیں بنایا تھا۔

۳۶۵: **الکا شھر**: ہندوؤں کے عقیدے کے بموجب یہ شہر اُن کے ایک دیوتا کُویرکا ہے چنانچہ کویر کو **الکاپات** بھی کہتے ہیں۔ (آٹھ سے دس سال کی عمر والی لڑکی کو بھی اَلکا کہتے ہیں) کوَیر ہندو دھرم کے بموجب مال و دولت کا دیوتا ہے۔ جہاں پر اس کے خزانے ہیں اُسے کوَیر لوگ کہتے ہیں۔

۳۶۶: **مانَس جھیل**: تاریخ کشمیر میں **مان سر** اور اب **مانس بل**۔ سری نگر سے ۱۵رمیل دور مغرب کی طرف گاندربل جاتے ہوئے قریب ۱۰۲۸ مربع میل محیط کی پرسکون اور خوشنما جھیل۔ اس کے شمالی کنارے پر صفا پور کا گاؤں آباد ہے۔ نیز باغِ صفا میں ملکہ نور جہاں کے محل کے آثار بھی نظر آتے ہیں۔ آب صفا والی اس مشہور جھیل کا محل وقوع بے حد دلکش ہے۔

۳۶۷: **سُھه بھٹؒ**: سلطان سکندر کا وزیر اعظم تھا جو حضرت میر محمد

ہمدانیؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے مسلمان بن کر ملک سیف الدین ہو گیا۔ جون راج نے چند بُتوں کو توڑنے کی ذمہ داری اسی پر عائد کی ہے۔

۳۶۸ء: **ہرش دیو**: اس راجہ نے سال ۱۰۸۹ء (۴۸۲ھ) سے ۱۱۰۱ء (۴۹۵ھ) تک حکومت کی۔ یہ کئی زبانوں کا عالم تھا۔ نظمیں لکھتا تھا اور انہیں خود اپنی میٹھی آواز میں گاتا تھا۔ فن حرب میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اس کی خوبصورتی وقار اور مضبوط جسم کو دیکھ کر بڑے بڑے لوگ بدحواس ہو جاتے تھے۔ اس کا روبار علماء سے مزین تھا۔ رقاصاؤں اور فن کار درباری عورتوں کے رقص وسرود سے بھی لذت یاب ہوتا تھا۔ برہمن بھی اس کی بخششوں سے فیض پاتے تھے اور گداگر بھی۔ اس کے دربار میں کوئی بھی درباری نفیس لباس پہنے بغیر نظر نہیں آتا تھا اس نے عورتوں کے لباس اور آرائش کو تبدیل کر کے اُنہیں جدید تر بنا دیا۔ کہتے ہیں کہ یہ تبدیلیاں مسلمانوں کے اثر میں رہ کر کیں۔ ہرش نے حکومت کے عمل میں بھی اصلاح کی۔ عام آدمی سے ملاقات اور محل کی گھنٹیاں کی بجا کر اس کے پاس پہنچتا تھا۔ اندرونی امن وامان کی بحالی کے لئے اپنوں کو اہم عہدے دئے۔ لیکن یہ بادشاہ بالآخر حرص کا غلام بن کر رہ گیا اور اس نے ان تمام مندروں کو لوٹ لیا جن میں پچھلے راجاؤں نے دولت سمیٹ کر رکھی تھی اور قیمتی بتوں کو توڑ ڈالا چنانہ اس نے بُت شکنی کا ایک علیحٰدہ ادارہ قائم کیا۔ اُسے بُت پرستی سے نفرت ہوگئی اور بتوں کو توڑنے کے بعد ان کو باہر سڑکوں پر نجاست وگندگی سے ڈھک دیا اور ان پر پیشاب پھیروایا۔ بقول کلہن کسی بھی گاؤں، قصبہ یا شہر میں کوئی بھی مندر ایسا باقی نہ رہا جہاں ''تُرشک'' نے بتوں کو نہ توڑا ہو۔ ہرش کو کلہن نے مسلمان کا خطاب دیا جو گویا برہمنی مذہب میں سخت اہانت کرنے کے برابر ہے۔ ہرش نے اپنی فوج میں مسلمان افسروں کو عہدے دئے۔ ہرش کشمیر کا پہلا ہندو بُت شکن راجا تھا۔

۳۶۹: **دَلچَه**: مُراد ہے ذُوالچو۔ حاشیہ ۹۶ دیکھیں۔

۳۷۰: **مائنڈ**: اسے مارتنڈ اور مارتنڈ یشور بھی کہا گیا ہے۔ صاحب تاریخ حسن نے لکھا ہے (جلد اول ص ۳۸۹۔۳۹۲) ''مارتانڈ یشور بُت خانہ کو راجہ رام دیو (۳۰۰۵سنہ۔ ۲۹۴۶ق م) نے سال ۹۵ کلِ یگ میں **مٹن کریوه** پر بسایا تھا [ذیلی یادداشت۔ ڈاکٹر سٹاین نے اس بُت خانے کے بارے میں لکھا ہے کہ ''بُمہ زُو سے قریب ایک میل کی دوری پر ہم مارتنڈ کے بڑے پوجا گھر میں پہنچتے ہیں جو قدیم زمانے سے آج تک متبرک جانا جاتا ہے۔ ایک عالیشان چشمے کی وجہ سے جو قدیم روایات کی بنا پر **بملا** اور **کملا** نامی دو حصوں میں منقسم ہے اس مندر کی بڑی خصوصیت ہے۔ ہندوؤں کی ایک مذہبی روایت نے ان دونوں کو سوریہ دیوتا (سورج دیوتا) کی پیدائش سے منسوب کیا ہے۔ مذکورہ بُت خانہ وقتاً فوقتاً زیارت کرنے والوں کے ہجوم کا بھی مقام بن جاتا ہے اور سارے ہندوستان مہشور رہے۔ مارتنڈ کشمیر کے جنوبی حصے کے اسلام آباد کے علاقے میں واقع ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خاص اہمیت کی بنا پر مقام مذکور کا انتخاب ہوا ہے''۔ **کلهن** نے ان الفاظ میں اس کی تعریف کی ہے ''عجایب روزگار مارتنڈ اس کی کشادہ وسیع دیواروں سمیت ایک عظیم احاطے میں ہے''۔ اس مندر کے آثار وکھنڈرات اگر چہ بھونچالوں اور طول زمانہ سے تباہ ہو چکے ہیں پھر بھی قدیم کشمیر کی فن تعمیر کا یہ ایک عمدہ نمونہ ہے۔ یورپ کے اکثر سیاحوں نے مارتنڈ کی تعریف وتوصیف کی ہے۔ مارتنڈ کی اہمیت اس سے معلوم ہوتی ہے کہ **راجه کلشن** نے اس مندر کی دیواروں کے تلے اپنی وفات (سال ۱۰۸۹ء) پانے خوشی پائی۔ اس کا بیٹا **راجه هرش** (۱۰۸۹ء۔۱۱۰۱ء) اس مندر کی بہت تعظیم کرتا تھا۔ کلہن کے زمانے میں

مارتنڈ کی فراخ اور عالیشان دیواروں کو فصیلوں کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ **للتادتیہ** (۷۲۴ء۔۷۶۱ء) نے مارتنڈ کے نزدیک ایک نہر جاری کروائی اور سلطان زین العابدین (۱۴۲۰ء۔۱۴۷۰ء) نے اس مندر کی بقول پنڈت زون راج ایک نہر جاری کروائی اور سلطان زین العابدین (۱۴۲۰ء۔۱۴۷۰ء) نے اس مندر کی بقول پنڈت زون راج مرمت کی۔ ماتنڈ قصبہ کا نام سال ۱۸۹۹ء سے **مٹن** ہو گیا ہے۔ جون راج اسے **مارتنڈیش** کے نام سے یاد کرتا ہے۔ **ابوالفضل** نے آئین اکبری میں مٹن کے اس مندر سمیت ایک کنوئیں کا بھی ذکر کیا ہے جو مسلمانوں میں **چاہ ہاروت وماروت** کی شہرت رکھتا ہے“...اینشنٹ جیواگرافی آف کشمیر ص ۱۷۶ تا ۱۷۸۔ پنڈت رام چندر کاک اس مندر کی قدامت کے بارے میں یوں کہتا ہے ”**مارتنڈیشور** کے ذکر میں کلہن کے شُبہ سے اس کی تاریخ میں غیر یقینی آگئی ہے۔ غالب رائے یہی ہے کہ راجہ للتادتیہ نے آٹھویں صدی کے وسط میں اس کی بنیاد ڈالی تھی“....اینشنٹ مانومنٹس آف کشمیر ص ۱۳۵۔ یہی رائے تقریباً جنرل کنگھم نے بھی اس مندر کے بارے میں ظاہر کی ہے۔ وہ کہتا ہے ”مارتنڈ کی بنیاد **راجہ رانا دتیہ** نے رکھی لیکن اس احاطے کی تکمیل للتادتیہ کے ہاتھوں ہوئی“...حاشیہ این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۱۷۷]۔ اس کی تعمیر سخت حیرت افزا ہے۔ **میرزا حیدر** نے اپنی تاریخ میں اس بُت خانے کی توصیف کی عبارت میں لکھا ہے کہ ”اس کی عمارت میں اوپر اور نیچے چھلے ہوئے پتھر رکھے ہیں کہ اُن کے بیچ میں کوئی رخنہ نہیں اور نہ چونے کا استعمال ہے اور نہ ہی سُرخی کا۔ پتھروں کو ایک دوسرے کے اوپر ایسے تنگ رخنہ طور پر رکھ دیا گیا ہے کہ درمیان میں سے کاغذ بھی نہیں گزر پاتا۔ ہر پتھر کی لمبائی تین

سے آٹھ گز تک اور حجم ایک گز اور چوڑائی ایک سے پانچ گز تک ہے کہ عقل کی ان کو لانے اور استعمال تعمیر پر، سوچ رُک جاتی ہے۔ ان میں سے اکثر ایک ہی طرح کی ہیں مخطوط اور مربع مخطوط۔ مربع میں سے بعضوں کی اونچائی بعض جگہوں پر تیس گز تک ہے اور ہر ضلع کم وبیش سو گز کا۔ اندر کی طرف ستون نصب کئے گئے ہیں۔ ستونوں کے اوپر مرصع ہموار چوٹیاں، جن کے اوپر نعلچے بنائے گئے ہیں۔ اکثر ستون اور نعلچے ایک ہی پتھر کے ٹکڑے سے بنے ہیں۔ طاقوں کا مدار ستونوں پر رکھا گیا ہے اور ہر طاق کا عرض تین سے چار گز تک کا ہے اور وہاں پر دروازہ دار ایک پیش طاق نصب ہے اور طاق کے باہر ستون نصب ہیں جو چالیس اور پچاس گز کی بلندری کے ہیں۔ بغلچے اور چوٹیاں ایک ہی ٹکڑے کے بنے ہیں جن پر پتھر کے ایک ہی قطعہ کے چار ستون ڈالے گئے ہیں۔ اس غرض کے لئے کہ پیش طاق اندر اور باہر کے دو ایوان والی صورتوں کے دکھائی دیں، ان کو ایک ہی یا دو پتھروں سے ڈھک دیا گیا ہے۔ ایک ایوان کی لمبائی بیس گز اور چوڑائی سات آٹھ گز ہے اور ایوان کی چوٹی ایک ہی قطعہ کی بنی ہے۔ مخروطی بناوٹیں، اُبھرتیں، کُنگرے، دندان نما، پس پوش اور پیش پوش، سب نقوش وتصاویر سے الگ کر دئے گئے ہیں۔ جن کی صحیح تفصیل پیش نہیں ہو سکتی۔ بعض صورتیں ہنستی ہوئیں اور بعض روتی ہوئی بنائی گئی ہیں جنہیں دیکھ کر آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ درمیان میں ایک عالی شان کرسی پتھر سے چھلی ہوئی بنی ہے جس کے اوپر سراسر پتھر کا ایک گنبد بنا ہے جس کی تفصیل میں کلام عاجز اور بیان قاصر ہے۔ ساری دنیا میں ایسی تعمیر نہ سنی گئی ہے اور نہ ہی دیکھی گئی ہے۔ اُن ایک سو پچاس مندروں کا کیا بیان جو ملک میں دوسری جگہوں میں موجود ہیں''۔

راجه للتا دت نے اپنی راجگی کے ایام میں اس بُت خانے کی کثیر رقوم کے خرچ کرنے سے مرمت کی اور سونے سے اس کی ملمع کاری کی۔ سلطان سکندر (۱۳۹۲ء تا ۱۴۱۶ء) نے اسے منہدم کرنے کی خاطر ایک سال تک کارخانہ جاری رکھا اور اس کی دیواریں گر گئیں لیکن اندر کے اصل بُت خانے کو منہدم کرنے میں عاجز ہوا۔ بالآخر اس کے اندرون کو لکڑی سے پُر کر دیا گیا اور آگ لگا دی گئی اور اس کی تصویروں کو بھی درہم برہم کر دیا گیا۔ عبرت کے اس مکان کو اس کتاب کا مصنف نے دیکھا۔ ابھی بعض ستونوں پر سونے کی ملمع کاری موجود ہے۔

۳۷۱: **وشیه**: غالباً **درگجن** میں ویشوسورما کا مندر تھا۔

۳۷۲: یہ تینوں مندر نشاط باغ جاتے ہوئے **ایشبر** کے علاقے میں تھے۔ ترپریشور کا مندر ایشر کی پہاڑی پر تھا۔ اشان یا ایشان، راجا سندھی مت آریہ راج کے گورو کا نام تھا جس کے اعزاز میں اس نے اشان مندر بنایا جو ایشیشور کے نام سے مشہور ہوا اور یہی مندر اب ایشر کہلاتا ہے اور جس گاؤں میں یہ مندر واقع ہے اس کا نام ہی ایشر پڑ گیا ہے۔ راجہ آری راج بقولِ صاحبِ تاریخ حسن (ج دوم ص ۵۷) راجہ سندیمان معروف بہ آری راج سال ۳۰۳۱ کل یگ میں تخت نشین ہوا تھا۔

۳۷۳: **شیش**: اس سے مراد ایشیشور کا مندر ہے جس کا ذکر اوپر حاشیہ ۳۷۲ میں ہوا۔ جون راج نے یہاں پر اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا نام لیا ہے۔

۳۷۴: **سُریشوری**: یہ مندر ایشبر سے اُوپر کی پہاڑی پر واقع تھا۔ کلہن نے اس غیر معمولی مقدس مقام قرار دیا ہے۔ عابد ہندوؤں کی خواہش اسی مندر میں مرنے کی ہوتی تھی۔

۳۷۵: **وراھہ**: سور کی صورت میں وِشنو کی مورت۔ اس مورت میں ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق وشنو نے اپنے نوکیلئے دانتوں سے زمین کو سمندر کی تہ سے اُوپر نکالا تھا۔

۳۷۶: **شری نِر مل آچاریہ**: قیاساً سلطان سکندر کے دربار میں تمام کشمیری برہمنوں کا ایک وظیفہ خوار درباری گورو تھا۔

۳۷۷: **بادشاہ شیکندر**: سلطان سکندر

۳۷۸: یعنی سال ۱۴۱۳ء (۸۱۶ھ)۔

۳۷۹: **عالی شاہ**: مُراد ہے **سلطان علی شاہ**، خواجہ محمد اعظم دِدمری نے اپنی تالیف **واقعات کشمیر** میں لکھا ہے کہ "سلطان سکندر کے فرزندِ ارجمند سلطان علی نے اپنے عالی گہر باپ کی وفات کے بعد اربابِ حل وعقد کے اتفاق کے ساتھ سلطنت کا تاج سر پر رکھا۔ چھ سال نو ماہ تک حکمرانی کی۔ جب عنایت ازلی نے ہدایت کی تو ترک سلطنت کا خیال آیا اور مناسک حج کی ادائیگی کا قصد کر کے سال ۸۲۷ھ میں اپنے برادر زین العابدین کو امور سلطنت سپرد کر کے اہلِ دل کے قبلہ بیت اللہ کو روانہ ہوا"۔

مجموع التواریخ میں آیا ہے کہ "سلطان سکندر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان علی شاہ کشمیر کے تختِ سلطنت پر بیٹھا اور کار پردازان وقت کے اتفاق سے چھ سال اور نو ماہ تک مسندِ حکومت پر برقرار رہا۔ اس کے بعد اپنے بھائی **زین العابدین** کو جانشین بنا کر زیارت حج کا ارادہ کر کے یہاں سے روانہ ہو گیا۔ جب جموں پہنچا تو وہاں کے راجہ نے چونکہ اُس کی بیٹی علی شاہ کے عقد میں تھی، سلطنت کو چھوڑ کر چلے جانے پر اُس کی مذمت کی اور اپنی لشکر اُس کو ہمراہ دے کر اُسے پکھلی کی راہ سے واپس روانہ کر دیا۔ یہ خبر سن کر سلطان زین العابدین اپنی فوج لے کر مقابلہ کے لئے بارہمولہ کے راستے سے چل

پڑا۔ پکھلی کے علاقے میں فریقین کا مقابلہ ہوا۔ کافی حرب وضرب کے بعد سلطان علی شاہ، سلطان زین العابدین کے غازیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور اُسے پکھلی میں قید کر دیا گیا جہاں کچھ مدت بعد اس کی وفات ہوگئی''۔ **تاریخ حسن** (ج ۲ ص ۱۸۵۔۱۸۸) میں آیا ہے کہ ''سلطان علی شاہ سال ۸۲۰ھ مطابق ۱۴۷۳بکرمی میں جہانبانی کے تخت پر حکمرانی کے لئے بیٹھا۔ اس نے ملک سیف الدین کو وزارت کا رتبہ بخشا اور اُسی کے مشورے سے ہندو فرقے کے خلاف تعصب کا علم لہرا کر ایک کثیر جماعت کو جبراً مسلمان بنایا۔ کچھ لوگ فرار کر گئے۔ بعضوں نے جزیہ منظور کر کے جور و جفا کو برداشت کر لیا اور بعضوں نے خودکشی کا اقدام کیا۔ اسی زمانے میں ایک بھاری فوج کے ساتھ والی کاشغر نے حملہ کر کے دونوں تبت (لداخ اور اسکردو) مسخر کر لئے اور سلطان نے خود میں مقابلے کی طاقت نہ پا کر اس واقعہ کو تغافل میں گذار دیا۔ پانچ سال کے بعد سیف الدین کی وفات ہوگئی......علی شاہ نے چھ سال اور نو ماہ تک حکومت کی اور حرمین الشریفین کا طواف کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے بھائی شاہی خان لقب بہ زین العابدین کو، جس کی پیشانی پر آغاز جوانی سے ہی شجاعت وسعادت اور فطانت وبلاغت کے آثار ہویدا تھے، حکمرانی کے تخت پر بٹھا دیا اور خود جموں کے راستے سے جاہ وحشم اور خیل وخدم کے ہمراہ حجاز کی طرف روانہ ہوگیا اور محمد خان کو اُس کو اطاعت وفرمانبرداری کرنے کی نصیحتیں کیں۔ جب جموں پہنچا تو وہاں کے راجہ نے، جو اس کی بیوی کا باپ تھا، سلطنت کو چھوڑ دینے پر اُس کی مذمت کی اور حج کی خواہش سے باز رکھا اور اپنی ایک لشکر اُس کو ساتھ دے کر پکھلی کی راہ سے واپس بھیج دیا۔ اس خبر کو سن کر زین العابدین کینہ ور ہوا اور اس نے فوج کا سامان ترتیب دے کر اور اسے تیغ وتلوار سے آراستہ کر کے اُس کا مقابلہ کیا۔ اُوڑی کے مقام پر دونوں پُرطیش

فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور کتنے ہی افسروں کے سر جدال وقتل میں کاٹ کر رکھ دئے۔ بالآخر زین العابدین کو شکست ہوئی اور سیالکوٹ چلا گیا اور علی شاہ پھر سے تخت پر بیٹھ گیا۔ چونکہ ان ایام میں جسرت خان گھکر، جس نے سمرقند صاحبقران (تیمور) کی قید سے بھاگ کر پنجاب میں مکمل تسلط حاصل کر لیا تھا کے پاس زین العابدین نے پناہ لی، تو اس کی مدد سے ایک کثیر لشکر فراہم کر کے اس نے کشمیر کا رُخ کیا۔ علی شاہ بے شمار سپاہیوں کے ساتھ کشمیر سے حملہ آور ہوا اور جنگ میں علی شاہ مغلوب ہو کر جسرت خان کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا اور زین العابدین فتح یاب ہو کر کشمیر میں لوٹ آیا۔ شہر کے لوگ جو امن کے خواہاں تھے خوش ہو گئے''۔

کشمیر سلاطین کے عہد میں نامی کتاب میں آیا ہے کہ سکندر کا سب سے بڑا بیٹا **میر خان** علی شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا، نا اہل حکمران ثابت ہوا۔ وہ کمزور اور متلون مزاج تھا۔ اُس پر اُس کا وزیر اعلیٰ سیف الدین حاوی رہا۔ (ذیلی یادداشت۔ یون راج ص ۶۱۔ میونخ قلمی نسخہ ورق ۲۶/الف) دوسرے وزراء جن پر علی شاہ کو اعتماد تھا۔ لدی ماگرے اور حکیم شنکر تھے لیکن اس سے سیف الدین کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے ان دونوں وزراء کو ختم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے اپنے حریفوں پر اس وقت حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جب وہ اور لدی ماگرے اور اس کے تمام لڑکے، اور خاص طور سے اس کا بڑا لڑکا محمد ماگرے والی بانگل (ذیلی یادداشت۔ یہ کمراج میں ایک پرگنہ ہے۔ اس کا پرانا نام بھینگل تھا لیکن حیدر ملک کے عہد کے شروع ہونیسے پہلے اس کا نام بدل کر بانگل رکھ دیا گیا... اس کا پرانا نام بھانگیلا تھا۔ (ڈاکٹر شمس الدین احمد) سمیت راجبھانی میں موجود ہوں ان کو اپنی محبت

وشفقت کا جھوٹا احساس دلا کر اس نے لدی ماگرے کے دوسرے لڑکے
تاجی ماگرے پر نوازش کرنی شروع کی اور اس سے اہم امور میں مشورہ
طلب کرنے لگا۔ پھر مشورہ کرنے کے بہانہ سے محمد ماگرے کو سری نگر بلایا
لیکن بعد میں وہ اس چال کو سمجھ گیا اور بھاگ گیا۔ جب سیف الدین کو یہ
معلوم ہوا تو اس نے بیچارے لدی ماگرے اس کے بقیہ لڑکوں اور شنکر کو
چال بازی سے گرفتار کر کے قید خانے میں بند کر دیا۔ محمد ماگرے نے
بھاگ کر قبیلہ کھش کے سردار گووند کے یہاں پناہ لی جو اوہند کے قرب
وجوار میں رہتا تھا وہ اس کو اپنا دوست سمجھتا تھا لیکن گووند نے اس کو سیف
الدین کے آدمیوں کے حوالہ کر دیا۔ محمد ماگرے کو زنجیروں میں جکڑ کر بیرو
(ذیلی یادداشت۔ بیرو کو جون راج نے بہوروپ کہا ہے۔ یہ وادی کے
جنوب مغرب میں ایک پرگنہ ہے) کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ محمد ماگرے
اپنے رضاعی بھائیوں کی مدد سے وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا۔
اس خبر کو سن کر سیف الدین کو بڑی تشویش ہوئی اور اس نے لدی ماگرے کو
پھانسی دے دی۔ لدی ماگرے عوام میں مقبول تھا اس لئے اس کی پھانسی
سے لوگوں کو کافی رنج ہوا۔ (ذیلی یادداشت۔ یون راج ص ۶۱۔ میونخ
قلمی نسخہ ورق ۶۵/الف ب)۔ پہلے ذکر آچکا ہے کہ سکندر نے اپنے بیٹے
فیروز کو جلاوطن کر دیا تھا لیکن سلطان کے انتقال پر وہ ہندوستان کے حکمران
(ذیلی یادداشت۔ تاریخوں میں اس حکمران کا نام درج نہیں ہے شاید وہ
خضر خان تھا جو سید خاندان کا بانی تھا اس وقت دلی پر حکومت کرتا تھا) کی
دی ہوئی فوج کے بل بوتے پر تخت وتاج کا دعویٰ کرنے کے لئے کشمیر لوٹ
آیا۔ سیف الدین نے لدراج کو میر بخشی اور گور بھٹ کو کمراج کا والی بنا دیا
(ذیلی یادداشت۔ یون راج ص ۶۵، میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۶۶/الف)۔

پھر کچھ عرصہ بعد سیف الدین، کدراج سے ناراض ہو گیا تو اس نے ملک سے بھاگ جانے کی کوشش کی لیکن سیف الدین کے بھائی ہنس بھٹ نے اس کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔ اسی اثنا میں سیف الدین نے دق کے عارضہ میں مبتلا ہو کر انتقال کیا اور اس کے انتقال کے بعد ہنس بھٹ اور گور بھٹ کے درمیان حکومت پر قبضہ کرنے کی کشمکش شروع ہو گئی۔ سیف الدین نے اپنی موت سے پہلے ان ہی دونوں کو اپنی حکومت سونپی تھی۔ اپنے حریفوں کے مقابلہ میں اپنے کو طاقتور بنانے کے خیال سے لدراج کو رہا کر دیا اور اس کی مدد سے گور بھٹ کو شکست دی اور اس کو قتل کر دیا ساتھ ہی لدراج کو آئندہ خطرناک حریف ثابت ہونے کے خیال سے قتل کر دیا اس طرح وہ مملکت میں سب سے طاقتور ہو گیا ذیلی یادداشت۔ یون راج ص ۶۵، میونخ قلمی نسخہ ۶۶ ب)۔ بہرحال ابھی ایک شخص باقی تھا جو اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ یہ علی شاہ کا چھوٹا بھائی شاہی خان تھا جو اس کا اقتدار تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ ہنس بھٹ نے اس کو برباد کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن شاہی خان کو اس کا پتہ چل گیا اور علی شاہ کے ایما اور ٹھاکروں (ذیلی یادداشت۔ ٹھاکر لقب تھا راجپوت سرداروں کا، جو کشمیر کے جنوب کے پہاڑی علاقہ میں رہتے تھے۔ اسٹین جلد ۷ نمبر ۲۹، ن۔ لارنس ویلی ص ۳۰۲) کی مدد سے اس نے عیدالضحیٰ کے دن عیدگاہ میں ہنس بھٹ کو قتل کرا دیا۔ علی شاہ جو ہنس بھٹ کے جوئے میں پڑ کر پیچ و تاب کھا رہا تھا اس کے خاتمہ سے خوش ہوا اور اس کی جگہ شاہی خان کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ عوام نے اس تقرر کا خیر مقدم کیا کیونکہ نوجوان شہزادے نے عوام کے دل میں اپنی جرأت ذہانت اور ہوشیاری سے گھر کر لیا تھا (ذیلی یادداشت۔ جون راج ص ۶۹۔ میونخ قلمی نسخہ ورق ۶۷/الف)۔ ان

واقعات کے کچھ دن بعد علی شاہ نے اپنے مذہبی رجحانات کی وجہ سے تخت وتاج سے سبکدوش ہونے اور حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظّمہ جانے اور اپنی بقیہ زندگی وہیں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ شاہی خان نے اس کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی، سمجھایا اور بتایا کہ خدمت خلق ہی سب سے بہتر عبادت ہے لیکن علی شاہ نے اس کی بات نہیں مانی اور سلطنت کی ذمہ داری اس کو سونپ کر روانہ ہوگیا۔ علی شاہ نے اس کو زین العابدین کا لقب دیا (ذیلی یادداشت۔ یون راج نے یہ نہیں لکھا ہے کہ مکہ معظّمہ اس کی منزل تھی لیکن فارسی تاریخوں میں ہی لکھا ہے)۔ سری نگر سے علی شاہ اپنے خُسر راجہ جموں سے رخصت ہونے جموں گیا۔ راستہ میں اہل غرض نے اس کو سفرِ مکہ کی مشکلوں اور پریشانیوں سے آگاہ کیا اور جموں پہنچنے پر اس کے خُسر نے اس کے ارادے کو ناپسند کیا۔ (ذیلی یادداشت۔ جون راج ص ۷۱۔ حسن ورق ۱۱۵/الف۔ حیدر ملک ورق ۱۱۵/الف۔ب) علی شاہ کے پاس قوت ارادی تو نہیں تھی اس لئے اس کی باتوں میں آگیا۔ اس نے حج کا ارادہ ترک کیا ار براہ راجوری کشمیر واپس آگیا۔ اس کے ساتھ جموں اور راجوری کے حکمرانوں کی فوجیں اس کے تخت وتاج کی بازیافت کی مدد کے لئے تھیں۔ (ذیلی یادداشت۔ میونخ قلمی نسخہ ورق ۶۸/الف۔ طبقات اکبری ج ۳/ص ۴۳۴)۔ یون راج کا بیان ہے کہ زین العابدین، بیرونی فوج لانے کی وجہ سے علی شاہ پر خفا تھا لیکن بھائی کی محبت میں تخت وتاج کو خیر باد کہہ کر کشمیر سے باہر چلا گیا (ذیلی یادداشت۔ یون راج ص ۷۲)۔ ایک دوسرے مورخ نے لکھا ہے کہ زین العابدین تو سلطنت کا ولی تھا علی شاہ کے آنے پر وہ اس سے سبکدوش ہوکر وادی سے باہر چلا گیا (ذیلی یادداشت۔ میونخ قلمی نسخہ) لیکن حقیقت یہ ہے کہ زین العابدین کے پاس

مقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی اس لئے علی شاہ سے جنگ کئے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ وہ وہاں سے سیالکوٹ پہونچا اور جسرت کھوکر (ذیلی یادداشت۔ ایضاً ورق ۸۶/ب۔ طبقات اکبری ج ۳/ص ۴۳۴) سے مدد مانگی۔ اس نے اس کو مدد دینے کا وعدہ کیا لیکن اس سے علی شاہ خفا ہو گیا اور کھوکر سردار کی سرزنش کے لئے چل پڑا۔ جموں کے حکمران نے اس کو پہاڑوں سے نیچے اترنے کو اس وقت تک منع کیا تھا جب تک وہ فوج لے کر وہاں نہ آجائے کیونکہ کھوکر بڑے چالاک سپاہی ہوتے تھے۔ (ذیلی یادداشت۔ یون راج ص ۵-۴۷۔ میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۲۹/الف) لیکن علی شاہ نے اس کا کہا نہیں مانا اور آگے بڑھتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جسرت کے ہاتھوں اس کو تھنہ میں (ذیلی یادداشت۔ یحیی السرھندی تاریخ مبارک شاہی ص ۱۹۴۔ طبقات اکبری ج ۱/ص ۲۷۱) شکست ہوئی۔ فتح کے بعد زین العابدین سری نگر کی طرف بڑھا جہاں عوام نے اس کا استقبال کیا لیکن اس سے خانہ جنگی ختم نہیں ہوئی۔ یون راج آگے کے واقعات کے متعلق خاموش ہے لیکن فارسی تاریخوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ علی شاہ نے اپنی فوج کو از سر نو منظّم کیا اور جموں کی فوج کی مدد سے وادی پر اپنا تخت وتاج دوبارہ حاصل کرنے کے لئے حملہ کردیا۔ (فارسی تواریخ میں درج بیان کا ہم اسی حاشیہ ذکر کر چکے ہیں۔ اُن کا بیان مختلف ہے ...ڈاکٹر شمس الدین احمد)۔ اس کے حملہ کی خبر سن کر زین العابدین بارہمولہ کے راستے سے آگے بڑھا اور اُوڑی کے مقام پر اپنے بھائی کو شکست دی۔ حیدر ملک کے قول کے مطابق علی شاہ گرفتار ہوا اور پکھلی کے قلعہ میں نظر ہوا جہاں کچھ سال بعد اس کا انتقال ہو گیا [حیدر ملک کے علاوہ یہ بات کئی اور مقامی فارسی مورخین نے بھی لکھی ہے اور اس کا ذکر اسی حاشیہ میں ہم نے پچھلی

سطور میں کیا ہے....ڈاکٹر شمس الدین احمد) لیکن شری ور، جو معاصر مورخ ہے، لکھتا ہے کہ اس کو جسرت نے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔[یہی بات تاریخ حسن کے مولف نے بھی لکھی ہے جس کا ہم نے اسی حاشیہ میں ذکر کیا ہے ....ڈاکٹر شمس الدین احمد] وہ یہ نہیں لکھتا کہ ایسا زین العابدین کے حکم سے ہوا لیکن یہ غیر ممکن ہے کہ جسرت نے اپنے دوست اور سرپرست سلطان کی مرضی کے بغیر اس کو قتل کیا ہوگا''۔

آئین اکبری میں آیا ہے کہ ''علی شاہ نے زین العابدین کو اپنا جانشین بنا کر حجاز کا سفر اختیار کیا۔ ناعاقبت اندیش فضول گویوں کی ہم زبانی اور کمزور مشورہ کی وجہ سے کشمیر لوٹ آیا اور جموں کے والی کی مدد سے اس ملک پر غلبہ حاصل کرلیا۔ زین العابدین پنجاب چلا آیا اور جسرت کھوکھر سے مل گیا۔ بھاری لشکر فراہم کر کے علی شاہ نے پنجاب کا رُخ کیا اور عظیم جنگ ہوئی آخر شکست کھائی۔ گوشہ نشین ہوگیا اور حکومت زین العابدین کے پاس لوٹ آئی'' [ابوالفضل نے کشمیر کی تاریخ کے بارے میں محض خانہ پُری کی ہے۔ گھر میں بیٹھ کر اس شان و شوکت والے امیر درباری نے اپنے کرائے کے تیز رفتار جاسوس ''کبوتروں'' کی زبانی کشمیر کے بارے میں جو اناپ شناپ سن لیا اُسے لکھ دیا...ڈاکٹر شمس الدین احمد] **کنگڈم آف کشمیر** کے مولف نے لکھا ہے: ''سال ۱۴۱۳ء میں سکندر کی وفات کے بعد اس کا بڑا فرزند میر خان، **علی شاہ** کے نام سے تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی سیف الدین کو اپنا وزیر اعظم رکھا اور اُسے امور سلطنت کو اس کی مرضی کے مطابق انجام دینے کی اجازت دی۔ سیف الدین سابقہ حکومت کے کئی درباریوں سے جلتا تھا۔ جواب علی شاہ کے تحت بھی بدستور عہدوں پر فائض رہے۔ ان میں لدا ماگرے اور شنکر نمایاں تھے۔ سیف الدین نے

چالبازی کے ساتھ ان کی تباہی کا ارادہ کیا اور بالآخر نہ صرف ان کو بلکہ ان کے بیٹوں کو بھی گرفتار کرنے میں کامیاب ہوا۔ کچھ عرصہ بعد بہر حال لدا ماگرے کے ایک بیٹے محمد ماگرے نے سیف الدین کی آنکھوں میں دُھول ڈال کر فرار کیا اور سکندر کے جلاوطن فرزند **فیروز** کی صف میں شامل ہوگیا۔ دہلی کے حکمران کی طرف سے ترکی فوجوں کی مدد پہنچائے جانے پر وہ علی شاہ پر تخت حاصل کرنے کے لئے حملہ آور ہوا لیکن شکست کھائی۔ اپنے حریفوں سے نجات پانے کے بعد سیف الدین نے پہلے سے بھی زیادہ زور و شور کے ساتھ ہندوؤں کو ستانا شروع کیا۔ ان کی مذہبی قربانیوں اور ناگ میلوں کو بند کر دیا گیا۔ جون راج کا کہنا ہے جب اسلام قبول کرنے کے لئے سخت دباؤ ڈالا گیا'' تو کچھ برہمنوں نے زہر کھا کر خود کو مار ڈالا، کچھ نے اس سے، کچھ نے خود کو پانی میں ڈبو کر، کچھ نے بلندیوں سے گرا کر اور کچھ نے خود کو جلا کر خود کشی کر لی''۔ بعض ہندوستان کی طرف فرار کر گیئے'' بیٹے نے اپنے باپ، اور باپ نے اپنے بیٹے کو موت کی مانند سُہہ بھٹ کے لئے پیچھے چھوڑ دیا جو برہمنوں کے فرار پر پیچ و تاب کھا رہا تھا''۔ سیف الدین کی ہندو دشمن پالیسی تب ہی ختم ہوئی جب سال ۱۴۱۷ء میں (۸۲۰ھ) سِل کی بیماری سے اس کی وفات ہوگئی۔ [سیف الدین کی برہمن دشمنی کے بارے میں ہم پچھلے سطور میں کہہ چکے کہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے، کہ جون راج کے '' کچھ برہمن '' کے الفاظ سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ دشمنی چند خاص برہمنوں یا خالص اُس برہمنی فرقے کے ساتھ تھی جو اس زمانے کے ماحول میں گرو بن کر عام ہندوؤں کے طبقے کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا کرتے تھے اور اس طرح سُہہ بھٹ کے دل میں دشمنی کے جرثومہ نے جگہ بنا لی تھی جس نے مناسب موقعہ پر اُن چند یا کچھ برہمنوں یا برہمن

فرقہ سے اپنے دل کی بھڑاس اس وقت نکالی جب وہ وزیر اعظم کی حیثیت میں ایسا کرنے کے اہل تھا۔ گویا ایسا کرنا اس کا خالص ذاتی اقدام تھا۔ لیکن ضرورت ہے کہ محقق مقامی مورخین اس عہد کے برہمنوں کے مجموعی کردار پر غیر جانبدارانہ تحقیق کر کے اس زمانے کو ہمارے لئے ایک آئینہ بنا دیں اور اس فرضی مناقشہ کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔ میرا خیال ہے کہ ایک کٹر متعصب برہمن ہونے کی وجہ سے پنڈت جون راج نے کچھ خاص برہمنوں کی خودکشی اور کچھ کے فرار کرنے پر سیف الدین کی برہمن دشمنی کے بیان میں عام ہندو دشمنی کی بات کو بیچ میں لا کر مبالغہ سے کام لیا ہے .....ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ لیکن اس کی موت نے علی شاہ کے دو طاقتور درباریوں کے درمیان اقتدار کی کشمکش پیدا کر دی اور وہ تھے گور بھٹ اور ہمسہ بھٹ۔ مؤخرالذکر سیف الدین کا ایک بھائی تھا اور اس نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ آخر کار اس نے گور بھٹ کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ ہمسہ بھٹ اب اعلیٰ ترین اقتدار کے ساتھ حکومت کر سکتا تھا لیکن سلطان کے چھوٹے بھائی شاہی خان کی مخالفت کی وجہ سے نہ کر سکا۔ مؤخرالذکر نے ایک لڑائی میں اُسے اہلِ کشمیر کی خواہش کے عین مطابق، جو ایک مدت سے بدعہد ہندو حاکموں کے تحت کراہ رہے تھے کاٹ کر رکھ دیا۔ تب علی شاہ نے شاہی خان کو اپنا وزیر اعظم بنا لیا۔ اس کے بعد سلطان اپنے بھائی کے ہاتھوں تخت سے اتارے جانے کے خوف میں رہا اور مقابلہ کرنے کی نا اہلیت میں وہ خود تخت سے اتر گیا اور شاہی خان کو تخت پر بٹھا کر غالباً مکہ کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ لیکن جب وہ **مدرا** (جموں) کے علاقے میں پہنچا وہاں کے حکمران، نے جو کہا جاتا ہے کہ اس کا خُسر تھا، اُس کے طریق کار کو ناپسند کیا اور تخت کی بازیابی کے شرط پر اُسے مدد دینے کا وعدہ

کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علی شاہ، جموں کی فوجوں کے ہمراہ، کشمیر واپس چلا آیا۔ اپنی حیثیت کو کمزور پا کر شاہی خان نے بغیر کسی مقابلہ کے تخت خالی کر دیا اور سیالکوٹ میں سال ۱۴۱۹ء میں (۸۲۲ھ) کھوکھر سردار جسرت کے پاس جا کر پناہ لی۔

علی شاہ ابھی پانچ یا چھ مہینوں سے ہی تخت پر تھا جب کہ شاہی خان نے جسرت اور اس کی لشکر کے ہمراہ بھمبر راجوری کے راستے سے آ کر کشمیر پر حملہ کر دیا۔ علی شاہ نے بھی حملہ آوروں کے خلاف روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن خود اس کی اپنی فوج میں غیر اطمینانی کی آوازیں سنائی دیں جن کو اس نے نظر انداز کر دیا۔ اس نے اپنے حلیف جموں کے حکمران کی یہ تجویز بھی ٹھکرا دی کہ اُسے وادی سے اپنی روانگی میں توقف کرنا چاہئے۔ جب تک کہ وہ خود، جو کہ کھوکھروں کے جنگ کے طریق کار میں ماہر تھا، پہنچ نہ جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھنہ میں دشمنوں نے اُسے شکست دی۔

اس کے بعد شاہی خان فاتحانہ انداز میں سری نگر میں داخل ہوا۔ لیکن خانہ جنگی اس سے ختم نہیں ہوئی۔ جموں کی فوج کے مدد سے علی شاہ نے اپنی سلطنت کو پھر سے پانے کی ایک اور کوشش کی۔ لیکن اس کی پھر سے شکست ہوئی اور جسرت نے اُسے قتل کر دیا"۔

۳۸۰: **مارگ پتی**: ملک کی سرحدی اور اندرونی راہوں کا محافظ جو ایک اہم حکومتی عہدہ تھا۔ پوری تحصیل (وِشایا) کا افسر جو وہاں کے دیہات اور ان کے حساب کتاب کا ذمہ دار تھا اور مقدمات کا فیصلہ بھی کیا کرتا تھا۔ اینشنٹ کشمیر میں مارگ پتی کے معنی تحصیلدار کے آئے ہیں۔

۳۸۱: **بھانگیلا**: یعنی بانگل کا علاقہ۔

۳۸۲: **گووِند**: ایک مقتدر کھش سردار تھا جو غالباً موجودہ گُوریس

سے تعلق رکھتا تھا۔

۳۸۳: **بھو رُوپ**: اسی نام کے چشمے کی وجہ سے اس جگہ کا نام بُھوروپ تھا جو آج کل بیرو کے نام سے مشہور ہے۔

۳۸۴: **زُحَل**: اسے کیوان اور سنیچر بھی کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں Saturn کہلاتا ہے۔ ساڑھے اُنتیس سال میں سورج کے گرد اپنی گردش پوری کر لیتا ہے اور سورج سے اس کا اوسط فاصلہ ۸۸ر کروڑ میل سے کچھ زیادہ ہے۔ یہ سیارہ زمین سے سات سو گنا بڑا ہے اور اس میں آٹھ چاند ہیں اور اس کا قطر ۴۲۷۰۰ رمیل ہے۔ اسے ہندوی فلک بھی کہتے ہیں اور نحسِ اکبر (بڑا ہی منحوس) جانا جاتا ہے۔

۳۸۵: **بُرجِ حَمل**: آسمان کے بارہ برجوں سے پہلا بُرج۔ اس کی صورت مینڈھے کی سی نظر آتی ہے۔ جس روز سورج اس بُرج کے پہلے درجہ میں داخل ہوتا ہے تو اسے مشرف آفتاب کہتے ہیں اس روز دن رات برابر ہوتے ہیں۔ مارچ کی اس روز ۲۱ر یا ۲۲ر تاریخ ہوتی ہے اور چیت مہینے کی قریباً ۷ر یا ۸ر تاریخ۔ بُرجوں کی تعداد بارہ ہے: حَمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، توس، جدی، دلو، حوت۔

۳۸۶: **پیروج**: فیروز جو سلطان سکندر کا فرزند تھا۔

۳۸۷: **سِکندھر**: یعنی سلطان سکندر۔

۳۸۸: جون راج نے اس سے پہلے لکھا ہے کہ سکندر نے فیروز کو جلاوطن نہیں کر دیا تھا۔ دیکھئے حاشیہ ۳۶۳۔

۳۸۹: **وَجر**: ایک قیمتی پتھر۔ ہیرے کی مانند۔

۳۹۰: یعنی ہندو، جو جنموں پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

۳۹۱: ہم کہہ چکے ہیں کہ سُہہ بھٹ نے یعنی وزیر اعظم ملک سیف

الدین نے خالص برہمن فرقہ کو جون راج کے بقول اپنی نفرت کا نشانہ بنایا نہ کہ عام ہندوؤں کو۔ ایسا کرنا یقیناً سہہ بھٹ کی ہندوانہ زندگی سے مربوط تھا جس میں غالباً اس نے برہمنوں کے ہاتھوں خود ستم برداشت کئے ہوں گے کہ برہمنی طبقہ ہندوؤں میں مقتدر ترین طبقہ تھا اور مناسب موقعہ ہاتھ آنے پر سیف الدین نے ان کے اقتدار کو پاش پاش کر دیا۔ برہمنی طبقے کے اقتدار اور عام ہندوؤں کے معاشرہ کا ذوی الاقتدار برہمنی گروہ کے ہاتھوں ناجائز منافع کا ہدف بن جانے کے نتائج پر مقامی محقق مورخین کو تحقیق کرنا چاہیے۔

۳۹۲: **همس**: ہمس بھٹ، سُہہ بھٹ کا بھائی تھا اور وہ بھی مسلمان ہو چکا تھا۔

۳۹۳: **کُند پھول**: یاسمین پھول کی ایک قسم (Jasminum Multiflorum یا Jasminum Hirstom یا Jasminum Pubescens) وشنو دیوتا کا ایک نام۔ ایک پہاڑ کا نام۔

۳۹۴: **مانس جهیل**: حاشیہ ۳۶۶ دیکھئے۔

۳۹۵: **اننت ناگ**:

۳۹۶: **ناراین**: وشنو دیوتا کی سواری۔ وشنو دیوتا کا ایک نام۔ [اس عبارت کے الفاظ جون راج کے اپنے الفاظ ہیں]۔

۳۹۷: یہ آخری جملہ پنڈت جون راج کا اپنا بنایا ہوا ہے۔ بھلا سلطان علی شاہ بھرے شاہی دربار میں ہندوؤں کے دیوتاؤں سے خود کو کیوں مشابہ کرتا خاص کر جب کہ وہ حج کو جانے کی تیاری کر رہا تھا؟ تاریخ جون راج کے مجموعی متن کی زبان خالص ہندو دھرم کے ایک عالم اور سنسکرت دان کی زبان ہے جس کے استعمال کے بہاؤ میں اُس نے اُن تمام سلاطین کے مُنہ میں ہندو

برہمن عالم کی زبان رکھ کر اُن سے اپنی زبان بُلوائی ہے، جن کا اس نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ ہندو اساطیری داستانوں اور ہندو دھرم سے گہری واقفیت اس حد تک جس کا بیان جون راج نے مسلمان سلاطین سے وقتاً فوقتاً اپنی تاریخ میں کیا ہے، ایک مبالغہ ہے سوائے ان چند بیانات کے جن کی واقفیت سنی سنائی باتوں سے ہو جاتی ہے۔

۳۹۸ **مندر پہاڑی**: ہندوؤں کے نزدیک ایک مقدس پہاڑی کا نام جس سے دیوتاؤں اور آسوروں (دیوتاؤں کے دشمن۔ دیو۔ بدرُوحیں) نے امرت کو اور طوفان میں دیگر تیرہ چیزوں کو پانے کی خاطر سمندر کے پانی کو زیر وزبر کیا تھا۔ [مندر۔ ایک سورگ کا نام۔ سورک کے ایک درخت کا نام یا اِندر دیوتا کے سورگ میں پانچ درختوں میں سے ایک درخت کا نام]۔

۳۹۹ **جین العابھدین**: گویا سلطان علی شاہ نے حج کی روانگی کی رُخصت لینے کے آخری دن میں ہی شہزادہ شاہی خان کو زین العابدین کا لقب دیا۔

۴۰۰ **مدر**: یعنی جموں، نیز دیکھئے حاشیہ ۴۰۷۔

۴۰۱ **ھار کی زیارت گاہ**:

۴۰۲ **بادشاہ عالی شاہ**: یعنی سلطان علی شاہ۔

۴۰۳ **یاون میر کَمسار**: یاون اور میر کے خطاب سے ظاہر ہے کہ کمسار مسلمان تھا۔ پنڈت زون راج نے یاون کا لفظ، جیسے کہ قاری کی فہم میں آجاتا ہے، غیر کشمیری مسلمان کے لئے استعمال کیا ہے۔ یاون، ہندی میں جامنی اور سنسکرت میں یاونی، جس کے معنی ہیں یاونوں کے مُلک میں پیدا ہوا یا یاونوں کے ملک کا۔ یونانی، مسلمان، غیر ملکی، وحشی نیز دیکھئے حاشیہ ۲۲۔

۴۰۴ **شری شِکندھر**: یعنی سلطان سکندر۔

۴۰۵: **راج پوری**: یعنی موجودہ راجوری۔

۴۰۶: **مُد گروِیال**: تاریخ بڈشاہی مصنفہ محمد الدین فوق میں آیا ہے (ذیلی یادداشت ص ۵۶۔ چھاپ گلشن پبلشرز سری نگر) کہ اس نام کا کوئی گاؤں اب کشمیر میں نہیں ہے اور نہ جموں کی تحصیل راجوری میں اس کا کہیں وجود ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضع راجوری یا شوپیان کے علاقہ میں کہیں ہوگا کیونکہ بادشاہ غصہ کی حالت میں جب راجوری کو تباہ کرتا ہے تو یقیناً انہی اطراف میں ہوگا اور مُد گروِیال بھی اسی طرف کسی بلندی پر واقع ہوگا جہاں بادشاہ مقیم تھا۔

۴۰۷: **مَدر**: یعنی جموں۔ محمد الدین فوق نے تاریخ بڈشاہی مذکور کے ضمیمہ ۳ میں کئی تحقیقی حوالوں کے مباحث کے بعد آخر میں لکھا ہے کہ سنسکرت زبان کے مورخین کشمیر نے جس مدر دیش کا ذکر کیا ہے وہ شمالی پنجاب اور کوہستانِ جموں ہی کا علاقہ ہے اور جس جموں کا ذکر اردو فارسی کے مورخوں نے علی شاہ اور بڈشاہ کے زمانہ میں کیا ہے وہ مدر ہی کا علاقہ ہے [ذیلی یادداشت ضمیمہ ۳ ص ۴۸۸۔ پروفیسر گلشن رائے (لاہور) اپنے ایک مضمون "سیاسیاتِ کشمیر میں آئینی اصلاحات" میں لکھتے ہیں کہ "پرانے زمانے میں علاقہ جموں کا نام اُتر مدرا تھا اور لاہور کو دکھن مدرا کہتے تھے"۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ جموں، مدر دیش ہی کے ایک حصے کا نام تھا۔ یہ مضمون ۱۴/اگست ۱۹۳۸ء کے اخبار ہمدرد کشمیر میں شایع ہوا ہے]۔

۴۰۸: **واسکی**: ایک سانپ کا نام جو سانپوں کا حکمران ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ یہ کائنات کو سہارا دیتا ہے اور امرت اور دیگر اشیاء کو پانے کی خاطر سمندر کے پانی کو تہ وبالا کرنے کے لئے اسی سانپ سے پہاڑوں کو ایک رسی کے طور پر باندھ لیا گیا تھا۔

۴۰۹: **برھما**: دیکھئے حاشیہ ۲۲۰۔

۴۱۰: **کل یُگ**: دیکھئے حاشیہ ۵۔

۴۱۱: **ستیہ یُگ**: ست جگ۔ ستیہ جُگ بھی کہتے ہیں۔ ہندوؤں کے چار اساطیری دوروں میں پہلا دور جسے سنہری دور کا نام دیا گیا ہے اور جو عام نیکی کا اور صفائی کا دور ہے یہ دور سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار سال کا ہے۔

۴۱۲: **شِری مھت مدخان**: یعنی محمد خان شہزادہ۔

۴۱۳: مُراد ہے اندرونی خواہشات۔

۴۱۴: **جسرتھ**: یعنی **جسرت گکھڑ** یا کھوکھر۔ تاریخ بڈشاہی مذکور میں جسرت مذکورہ کے بارے میں آیا ہے (ص ۸۶۔۸۹) کہ "سلطان شہاب الدین (کشمیری ۱۳۵۴ء۔۱۳۷۳ء) کے بعد جو بادشاہ ہوئے اُن کی توجہ آباء واجداد کے مفتوحہ امما لک کی طرف کم ہوتی گئی اور تعلق بادشاہوں اور تیموری حملہ آور اور اس کے بعد خضر خان کے جانشینوں کی کمزوری وغفلت سے دہلی کے کئی صوبے خود مختار ہو گئے۔ پنجاب میں ہر چند کسی نے باقاعدہ سلطنت قائم نہ کی تاہم گکھڑوں نے، جن کے سرگروہ شیخا گکھڑ اور جسرت گکھڑ دو بھائی تھے ہمیشہ اس کو فتنہ وفساد اور بدامنی و بے چینی کا گھر بنائے رکھا یہاں تک کہ شمالی پنجاب سلاطین دہلی کے ہاتھ سے بالکل نکل گیا۔ بلکہ ایک وقت ایسا آیا کہ بڈشاہ کو شہزادگی کے زمانے میں بھائی کی مراجعت پر **جسرت گکھڑ** کے پاس پناہ لینی پڑی اور اپنی منتشر فوج کے ساتھ جب تک **جسرت** کی امداد اس نے شامل نہ کی، وہ تخت پر قابض نہ ہو سکا۔ جسرت کا بھائی شیخا گکھڑ، تیمور کا مقابلہ کرتے ہوئے تیمور کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا۔ اب جسرت کو بادشاہ بننے کی بڑی تمنا تھی لیکن لوٹ مار اور حرب وضرب کے سوا چونکہ آئین مُلک داری سے وہ

بالکل نابلد تھا اور کچھ تقدیر بھی ساتھ نہ دیتی تھی، اس لئے کئی مرتبہ کامیاب ہونے کے باوجود بھی اسے استقلال واطمینان حاصل نہ ہوسکا۔ آخر اس نے اپنے قدیم رفیق شاہی خان سے جواب سلطان زین العابدین کے نام سے کشمیر میں جاہ وجلال کے ساتھ داد حکمرانی دے رہا تھا اپنے احسانات کے بھروسہ پر امداد طلب کی۔ اس امداد کا ذکر چند دیگر مورخوں کے علاوہ صاحب طبقات اور صاحب تاریخ فرشتہ دونوں نے کیا ہے۔ صاحب طبقات لکھتے ہیں ''جسرت کھوکھر (گکھڑ) بہ قوت سلطان اگر چہ نہ توانست تسخیر دہلی نمود اما تمام پنجاب را در تصرف آورد''۔ فرشتہ لکھتا ہے ''سلطان نے دہلی و پنجاب کی تسخیر کے لئے افواج کثیر جسرت کے ہمراہ کی۔ اگر چہ جسرت بادشاہ دہلی کی برابری نہ کرسکتا تھا لیکن (کشمیری لشکر) کی قوت واعانت سے اس نے پنجاب وملحقات پر قبضہ کرلیا''۔ اس کے بعد تاریخ ہند جلد چہارم مولفہ مولوی ذکاء اللہ مرحوم میں بھی ان الفاظ کی تائید کی گئی ہے۔ لکھتے ہیں ''جس زمانہ میں جسرت نے کشمیری افواج کی مدد سے پنجاب پر قبضہ کیا ہے اس زمانہ میں دہلی کا بادشاہ پہلولودھی تھا''۔ صاحب سیر المتاخرین بھی جلد اول میں لکھتے ہیں ''سلطان زین العابدین نے جسرت کو ایک لشکر جرار فتح پنجاب کے لئے دیا جہاں اس نے کشمیری فوج کی مدد سے خوب دستبرد کی اور گو دہلی کے بادشاہ پر فتح نہ پا سکا مگر پنجاب پر اس نے قبضہ کرلیا''۔ ان تاریخوں کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جسرت کشمیری فوج کی مدد سے صرف تسخیر پنجاب ہی کا ارادہ نہ رکھتا تھا بلکہ وہ دہلی پر بھی قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ یہ واقعہ کب پیش آیا، اس کے متعلق سب تاریخیں خاموش ہیں لیکن جسرت کے حالات وواقعات پر غائر نظر ڈالنے سے یہ معمہ بھی حل ہوسکتا ہے۔ ۸۲۶ھ یا ۸۲۷ھ میں جسرت،

والی جموں رائے بھیم شکست دیتا ہے۔اس کے بعد ۸۳۱ھ میں پھر جسرت کے حملہ لاہور و جالندھر کی خبر ملتی ہے۔ ۸۳۵ھ میں وہ پھر کہیں سے سر نکال کر جہلم، راوی اور بیاس کو عبور کر کے جالندھر جاتا اور ملک سکندر تحفہ، حاکم لاہور کے گھوڑے کو گرفتار کر کے اور بیشمار مال واسباب لوٹ کر لاہور آتا ہے۔لیکن دو چار مہینوں کے بعد ہی بادشاہ مبارک شاہ بن خضر خان کے خوف سے وہ پھر کوہستان میں بھاگ جاتا ہے۔ ۸۳۶ھ میں پھر اس کے حملہ لاہور کی خبر ملتی ہے۔اس زمانہ میں ملک الہٰ داد لودھی یہاں کا ناظم اس کو شکست دے کر لاہور و جالندھر پر قابض ہو جاتا ہے۔ ۹/رجب ۸۳۷ھ کو مبارک شاہ کے قتل ہو جانے پر سلطان محمد شاہ اس کا جانشین ہوتا ہے جو کئی سال کی خاموشی کے بعد ۸۴۰ھ میں جسرت کو لاہور سے باہر نکالتا ہے اور ۸۴۵ھ میں ملک بہلول لودھی کو خان خانان کا خطاب دے کر لاہور و دیپال پور کا حاکم بنا دیتا ہے اور تاکید کرتا ہے کہ جسرت کا قلع قمع کر دیا جائے۔اس کے بعد صفحۂ تاریخ میں جسرت اور لاہور کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔متذکرہ واقعات سے پایا جاتا ہے کہ ۸۳۶ھ (۱۴۳۳ء) سے ۸۴۰ھ (۱۴۳۶ء) تک جسرت لاہور پر امن وامان سے قابض رہا۔اس کے تمام حملوں میں صرف یہی تین چار سال اس کو اطمینان کے ساتھ لاہور میں رہنا نصیب ہوا ورنہ کبھی دو ماہ، کبھی چار ماہ، وہ لاہور پر قابض رہا اور کئی دفعہ تو اسے ناکام ہی جانا پڑا۔اس لئے یہ بات قرین قیاس ہی معلوم ہوتی ہے کہ ۸۳۶ھ میں ہی بڈشاہ نے اس کو فوج، خزانہ اور جملہ لوازمات سے جنگ میں مدد دی۔

زون راج بھی زینہ ترنگنی میں **بڈشاہ** اور **جسرت گکھڑ** کے دوستانہ تعلقات کو تسلیم کرتا ہے۔وہ لکھتا ہے: ”بادشاہ کا گکھڑوں کے سردار

کے ساتھ کافی اتحاد تھا۔ ایک مرتبہ جب **جسرت** نے بادشاہ دہلی کے حملوں سے تنگ آ کر کشمیر میں پناہ لی تو بادشاہ کے ساتھ ایک شفیق دوست کی طرح پیش آیا"۔

۱۵؎: **جیا پیڈ پورہ**: یعنی جے پور، موجودہ اندرکوٹ۔

۱۶؎: **مدد راجیہ**: یعنی موجودہ مراز کا علاقہ۔

۱۷؎: **مرشامیہ یاون**: میر شاہ (یاون۔ اجنبی مسلمان بقول جون راج)۔

۱۸؎: یعنی عزت۔ آبرو

یعنی دُکھ۔ مصیبت۔

۲۰؎: **راھُو**: ہندو خُرافات میں ایک دیو پادیتیہ (وِپرچِتی اور سنہکا کا بیٹا) کا نام جس کے بارے خیال کیا جاتا ہے کہ وہ سورج اور چاند کو پکڑ کر گرہن کا باعث بن جاتا ہے۔

۲۱؎: اصل انگریزی ترجمے میں ایسے ہی آیا ہے۔

۲۱؎: **الف**: یعنی ہندو لوگ جو دو جنم لینے پر اپنے عقیدے کے مطابق یقین رکھتے ہیں۔

۲۲؎: **دانو**: دیوؤں کی ایک جماعت

۲۳؎: **الف۔** اصل انگریزی ترجمے میں ایسے ہی آیا ہے۔

۲۳؎: اصل انگریزی ترجمے میں ایسے ہی آیا ہے۔

۲۴؎: اصل انگریزی ترجمے میں ایسے ہی آیا ہے۔

۲۵؎: کنگڈم آف کشمیر کے مولف نے ان دونوں مقامات کو بلتستان میں واقع ہونا لکھا ہے (یعنی گوگا اور شیہ)

۲۶؎: اصل انگریزی ترجمے میں ایسا ہی آیا ہے۔

۴۲۷: **سعدوله**: مراد ہے سعد الدولہ۔

۴۲۷/الف۔ اصل انگریزی ترجمے میں ایسا ہی آیا ہے۔

۴۲۸: یہ عمل جوشری جون راج کے بقول جوگی نے اپنی نجات پانے کی خاطر کیا (یا شہرت پانے کی نیت سے) چونکہ شہزادہ کے پیدا ہونے کے واقعہ کے قریب تھا، اُس نے سلطان کو خوش کرنے کے لئے بھی کیا ہوگا۔

۴۲۸: **الف**: یہ خالص ہندو عقیدہ ہے

۴۲۹: **دشرتھ**: دس رکھوں والا۔ اجودھیا کے ایک قدیم حکمران کا نام اور رام کا باپ۔

۴۳۰: **مَدر**: دیکھئے حاشیہ ۴۰۷۔

۴۳۱: اس کا مطلب ہے کہ سلطان زین العابدین کی پہلی بیوی کی وفات کے بعد اُس نے مرحومہ کی بہن سے شادی کی تھی اور دونوں بیویاں مدر (جموں) کے حکمران کی بیٹیاں تھیں۔

۴۳۲: **حجیه خان**: یعنی حاجی خان۔

۴۳۲: **مندَر**: دیکھئے حاشیہ ۳۹۸۔

۴۳۴: **اُتپل پوره**: یعنی موجودہ کاکاپورہ تحصیل پلوامہ۔

۴۳۵: **نند شیل**: تاریخ حسن کے مولف نے اسے (ج ا، ص ۸۸) مرغزارِ نندن سر اور مؤلف جموں و کشمیر سٹیٹ نے نندہ مرگ لکھا ہے۔ تاریخ حسن مذکور میں آیا ہے کہ مرغزار نندن سر، پیر پنچال پہاڑ کے متصل روپڑی کے مقام پر جنوب کی طرف ہے۔ گلزاروں اور علف زاروں کی کثرت میں مرغوب اور دل کشا جگہ ہے اور اس کے وسط میں نندسر جھیل بہت اچھی ہے۔

۴۳۶: **چکر دھر**: حاشیہ ۱۹۶ دیکھیں۔

۴۳۷: **کرال**: موجودہ آڈون جو بیج بہارہ کے جنوب مغرب میں تین

میل کے فاصلہ پر دریائے وِشو کے بائیں کنارے پر آباد ہے۔ کلہن نے اسے اردھون کہا ہے لیکن قدیم نام کرال ہی تھا۔

۴۳۸: **جبن پوری**: یعنی زین پور۔ (آڑون مذکور کے شمال میں)۔

۴۳۹: **مانس جھیل**: موجودہ مانس بل۔ حاشیہ ۳۶۶ دیکھیں۔

۴۴۰: **سُیا پورہ**: موجودہ سوپور۔

۴۴۱: **جین نگری**: موجودہ زین گیر جس کے مغرب میں پُہر ونالہ بہتا ہے اور جنوب میں جھیل وُلر واقع ہے۔

۴۴۲: **اَمرِیش پورہ**: ۴۴۳: **رن سوامی**:

۴۴۴: **جین گزگا**: ۴۴۵: **سنانگری**:

۴۴۶: **کیلا سش پہاڑی**: اسے کیلاس بھی کہا گیا ہے۔ ہندو اسے ہمالیہ سلسلہ میں قرار دیتے ہیں اور اسے سب سے اونچی چوٹی کہتے ہیں جو ان کے عقیدے کے مطابق کُویَر کی رہائش گاہ اور شِو کا مقام ہے۔

۴۴۷: قصر شاہی موجودہ نوشہرہ کے علاقے میں تھا۔

۴۴۸: یعنی ان زمینوں پر لگان معاف تھا۔

۴۴۹: **براھکشیتر**: ۴۵۰: **وِجیکشیتر**:

۴۵۱: **اشانک**:

۴۵۲: **بادشاہ جیا پیڈ**: سال ۷۵۱ء سے ۷۸۲ء تک حکومت کی۔ اسے وِنیادتیہ بھی کہتے تھے۔ بُدھ مذہب کا پیرو تھا۔ جے پور (اندرکوٹ) دواروتی اور ملہن پور نامی قصبے بنوائے۔ جے پور میں ایک قلعہ اور تین بُدھ مندر بنوائے اور ایک وِہار بھی تعمیر کیا۔

۴۵۳: مطلب ہے عُمدہ یاقوت (یاقوت ایک بیش قیمت اور مشہور

جواہر کا نام ہے)۔

۴۵۴: یعنی سلطان زین العابدین کے نام سے زین ہیرا یا زین ہیرے کہلاتے تھے۔ منی ہندی لفظ ہے جس کے معنی ہیں ایک بیش قیمت پتھر۔ موتی، ہیرا، آرائشی تسبیح دانہ۔

۴۵۵: **کروش**: دو انگریزی میلوں کے برابر کا فاصلہ۔

۴۵۶: **شِوبھٹ**: برہمن پنڈت تھا اور سلطان زین العابدین کا معتمد۔ سلطان اہم معاملات میں اُسے اپنے مشوروں میں شریک رکھتا تھا۔

۴۵۷: یعنی سلطان زین العابدین۔

۴۵۷: /**الف۔** ظاہر ہے کہ اس طرح کی باتیں جو سلطان زین العابدین سے منسوب کی گئی ہیں جون راج برہمن کی خود ساختہ ہیں جو بے حقیقت ہیں۔

۴۵۸: **نِیل پُوران**: یعنی نیل مت پوران جو کشمیر کے تیرتھوں، رسموں اور روایتوں پر سنسکرت میں ایک قدیم متن ہے۔ یہ قدیم کشمیر کے معاشرتی حالات پر بھی ایک اہم کتاب ہے۔

۴۵۹: **شاستَر**: ہدایت دینے یا سکھانے کا ذریعہ۔ فرمان۔ حکم۔ قانون۔ طریقہ۔ قوانین کا مجموعہ۔ مذہب کے قوانین۔ ہندوؤں کی مقدس تحریر۔ عمومی تعلیم۔ ایک مذہبی یا علمی مقالہ۔ ایک فلسفہ یا علم یا ادب اور قانون وغیرہ۔

۴۶۰: **مہاپدم جھیل**: یعنی جھیل وُلر جیسے کہ بعد کی عبارت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ تاریخ حسن (ج ا رص ۱۳۰) میں آیا ہے کہ "موضع ترال کے پرگنہ اُولر میں واقع ہے۔ کہتے ہیں قدیم زمانے میں اس کا پانی کثرت کے ساتھ بہتا تھا۔ اب ایک کائی زار ہے جس کے نیچے پانی بہتا ہے۔ ہندو تاریخ

نویس مبالغہ لکھتے ہیں کہ پہلے زمانے میں مہاپدم ناگ چھپ گیا اور سندمت نگر شہر میں پھوٹ نکلا اور سارے شہر کو غرق کر دیا۔ اب اسے ولرناگ کہتے ہیں اور پرگنہ اولر کے نام سے جانا جاتا ہے''۔ حاشیہ ۶۴ دیکھیں۔

۶۱: اصل انگریزی ترجمے میں ایسا ہی آیا ہے۔

۶۲: اصل انگریزی ترجمے میں ایسا ہی آیا ہے۔

۶۳: اصل انگریزی ترجمے میں ایسا ہی آیا ہے۔

۶۴: کروش یا کوس جیسے کہ حاشیہ ۲۵۵ میں ہم نے لکھا دو میل (تقریباً بارہ سو کلومیٹر) کے برابر ہے۔ جون راج نے لکھا ہے کہ اس کا پانی اٹھائیس کروشوں کے فاصلے پر پھیلا ہوا تھا یعنی ۵۶ رمیلوں کی وسعت پر۔ تاریخ حسن (جلد ا، ص ۱۵۲۔۱۵۵) میں آیا ہے کہ **تالاب اُولر** ایک عمیق، وسیع مثلث شکل اور مختلف الاضلاع والی جھیل ہے جو سری نگر سے شمال کی جانب ۲۵ رمیل کی دوری پر واقع ہے۔ مشرقی ساحل سے سوپور قصبے تک اندازاً ۱۲ رمیل ہے۔ جنوب سے شمال تک ۸ رمیل۔ (ذیلی یادداشت۔ ناردرن بیریر آف انڈیا مصنفہ مسٹر ڈریو نے پانی کے کثیر حصے میں اس کی گہرائی انگریزی ۱۴ رفٹ اور بعض جگہوں پر اس سے کم بتایا ہے۔ سٹائن کے خیال میں اس کی گہرائی ۱۵ رانگریزی فٹ ہے لیکن فرڈرک ڈریو نے مذکورہ کتاب میں اس کی لمبائی دس میل اور اس کی چوڑائی چھ میل کے اندازہ کی لکھی ہے اور سٹاین کا قول ہے کہ اس کی لمبائی ۱۲ رمیل اور چوڑائی چھ میل ہے جو سیلاب کے دنوں میں لمبائی میں ۱۳ رمیل اور چوڑائی میں آٹھ میل ہو جاتی ہے) اور اس کے اعتدال پر اس کا محیط اندازاً چالیس میل۔ اس کے مشرقی ساحل اور شمالی کنارے پر پرگنہ کو یہامہ اور زینہ گیر، اور جنوب میں سایرالمواضع پائین کے گاؤں میں۔ اس کے عین وسط میں **چشمۂ اولرناگ** ہے۔ (کشمیری زبان میں اولر سوراخ کو کہتے ہیں جس میں سے پانی پھوٹ نکلتا ہو) جس کے سوراخ سے اس

چشمے کا پانی باہر پھوٹ پڑا تھا اس لئے اس چشمے کو **اولرناگ** کہا گیا ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ قدیم زمانے میں پرگنۂ لار کے پہاڑ سے ستھ سر کی جھیل کا پانی راسہ بل پہاڑ کے پانی کے ساتھ مل کر کرشنہ گنگا میں چلا جاتا تھا۔ ایک وقت برف کے انبار سے وگنی پہاڑ مع برف کے ندی کے پانی کی رکاوٹ بن کر ایک جھیل بنانے کا باعث ہوا جسے ستھ سر کہتے تھے اور اس زمانے میں جوگنیاں یعنی پریاں کشتی میں سوار ہو کر اس میں سیر کیا کرتی تھیں چنانچہ وگنی پہاڑ پر ناو باندھنے کی جگہیں ابھی تک موجود ہیں۔ کافی وقت گزر جانے کے وقت سندمت نگر شہر کے لوگ بُرے اعمال اور بدکرداری کے نتیجے میں بھلائی و نیکی کی راہ سے انحراف کر کے خدائے قہار کے قہر میں مبتلا ہوئے اور رات کے اندھیرے میں ایک عظیم بھونچال سے شہر کے بیچ میں زمین پھٹ پڑی جس سے ایک سوراخ بن گیا اور اس سوراخ میں سے جھیل ستی سر کا پانی فوارے کی طرح اُبل کر طوفان بن گیا اور اس شہر اور شہریوں کو فنا کے گرداب میں پھینک دیا (ذیلی یادداشت۔ تاریخ کشمیر نارائن کول عاجز ص ۴۷)۔ تب سے جھیل ستی سر کی ندی وگنی پہاڑ کے دامن کے ایک غار میں داخل ہو کر چشمۂ اولرناگ سے پھوٹ نکل آتا ہے۔ چنانچہ قدیم راجاؤں میں سے ایک راجا نے راسہ بل کی ندی میں شالی کا بھوسہ ڈال دیا جو چشمۂ اُولر سے ظاہر ہوا۔ مذکورہ شہر کے غرقِ ہو جانے کا قصہ تفصیل کے ساتھ راجہ سُندر سین کے ذکر میں بیان ہوگا (ذیلی یادداشت۔ تاریخ حسن جلد دوم دیکھئے)۔ اس شہر کے بعض عمارات کی نشانیاں ابھی بھی لوگوں کو صاف نظر آتی ہیں۔ چنانچہ ایک محقق نے مشرقی ساحل کے پاس پانی کی گہرائی میں پتھروں کے بنے ایک پُل کے پائے دیکھے۔ جھیل کے بعض ہانجیوں (یعنی کشتی بانوں) کا کہنا ہے کہ شیرہ کوٹ پہاڑ کے نزدیک پانی کی گہرائی میں ایک مکان کی کھڑکیاں دکھائی دیتی ہیں اور اس کے متصل کشتی بانوں کو ایک

ایک عظیم درخت بھی دکھائی دیتا ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں ایک بُت خانہ کی چوٹی بھی موسمِ سرما میں نظر آیا کرتی تھی۔ سلطان زین العابدین نے اس بڑے بُت خانہ کے اوپر ایک بڑی کشتی نصب کردی جس کے اوپر سنگ وخاک ڈال کر ایک وسیع جزیرہ بنایا جو شمال سے جنوب تک ایک سو گز لمبا اور ۷۵ گز چوڑا تھا اور اسے ایک دل کُشا باغ اور مسرت افزا پھولوں سے آراستہ کیا۔ اس کے شمالی گوشے میں ایک تین طبقہ بلند سنگین عمارت اور ایک رنگین مسجد تعمیر کی جو ابھی بھی موجود ہے۔ سونے کے دو بُت جنہیں مذکورہ بُت خانے سے غوطہ خوروں نے نکالا تھا جشن شاہی پر خرچ کیے گئے اور کافی داد و دہش کیا۔ لنگ کی تاریخ (ذیلی یادداشت: لنگ کشمیری لفظ ہے جس کے معنی ہیں جزیرہ)۔

این بُقعہ چوں بنیادِ فلک محکم باد
مشہور بہ زین ڈب در عالم باد
شہ زین عباد تا کہ درو جشن کند
پیوستہ چو تاریخ خودش خرّم باد

[ذیلی یادداشت]

۸۴۷ھ مطابق ۱۴۴۳ء۔ بقول خواجہ محمد اعظم دِدّمری مولفِ واقعاتِ کشمیر مذکورہ تاریخ اس کے زمانے میں ایک پتھر پر کندہ تھی ص: ۵۰) عمر رسیدہ بزرگوں کا کہنا ہے کہ پہلے **چشمۂ اُولر** کے پانی کی سطح سے ایک گز اونچا فوارہ پھوٹ کر نکلتا تھا اب اس وقت وہاں پر صرف بلبلے دکھائی دیتے ہیں۔ **اُولر ناگ** کے متصل ایک اور چشمہ ہے جسے **پدم ناگ** کہتے ہیں اس کے بلبلے کم تعداد میں ہیں۔ اس کے علاوہ **جھیل اُولر** میں بہت سے چشمے موجود ہیں۔ جھیل کے درمیان میں پانی صاف ہے اور لہروں والا ہے

اس کے کناروں پر ہر طرف کثرت کے ساتھ سنگارے پیدا ہوتے ہیں۔اس کے شمالی اور مشرقی ساحلوں پر جو سنگارے اُگتے ہیں وہ بڈشاہ کے زمانے سے آج تک وقف عام ہیں اور انہیں دھرم ننبل کہتے ہیں اور جو مغرب اور جنوب کے نواحی میں اگتے ہیں وہ پرانے زمانے سے سرکار کے حق میں ضبط ہیں۔اس جھیل کے درمیان میں مچھلیوں، مرغابیوں اور راج ہنسوں کا خاصا شکار کیا جاتا ہے۔ شکاری لوگ ہزاروں چھوٹی کشتیوں میں نکل کر پرندوں اور مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں اگلے زمانے میں **جھیل اُولر** بہت گہری تھی جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ روز بہ روز اونچی ہوتی گئی۔اب شیرہ کوٹ پہاڑ کی جانب گہری ہے اور دوسرے اطراف میں کم گہری۔ ہوا کے طوفان میں اس کے پانی میں سخت تلاطم ہوتا ہے اور اس وقت کشتیوں کا عبور کرنا ممکن نہیں۔ گرمیوں کے موسم میں دن میں دوپہر کو کوئی اس پر سے گزر نہیں سکتا۔بڈشاہ کے زمانے تک **جھیل اولر** اشم کے گاؤں تک متلاطم رہتی تھی چنانچہ بڈشاہ نے جھیل کے وسط میں لنک کی تعمیر کی تھی۔تب سے جھیل کی پستی بلند ہوگئی اور دریا کی گذرگاہ ہر لحہ پست تر ہوتی گئی یہاں تک کہ ہاجن اور نایدکھے کے گاؤں وجود میں آگئے۔اب اگر دریائے ؟ بہت کی طغیانی سے **جھیل اولر** پانی سے بھر جائے تو اشم کے گاؤں تک سیلاب آجاتا ہے۔

۴۶۵ اصل انگریزی ترجمہ میں ایسے ہی آیا ہے

۴۶۶ اصل انگریزی ترجمہ میں ایسے ہی آیا ہے۔

۴۶۷ مراد ہے سلطان زین العابدین۔

۴۶۸ **سُدَرشَن چَکَر**: وِشنو یا کرشن کا پہیہ۔

۴۶۹ **دُوارکا**: کئی دروازوں والا شہر۔ ہندوؤں کی ایک مقدس جگہ کا بھی نام ہے جو کچھ کی خلیج کے دہانے کے پاس واقع ہے، ہندوستان کے مغربی

ساحل پر (کہا جاتا ہے کہ یہ کرشن کا دارالخلافہ تھا جو سمندر میں غرق ہوا)۔

۴۷۰ اصل انگریزی ترجمے میں ایسے ہی آیا ہے۔

۴۷۱ اصل انگریزی ترجمے میں ایسے ہی آیا ہے۔

۴۷۲ مراد ہے ہندو لوگ جو چار ذاتوں کے ہیں یعنی برہمن، کھشتری، ویش اور شودر۔ اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ، جیسے جون راج نے کہا ہے کشمیر کے ہندو سارے کے سارے خالص برہمن ذات والے نہیں بلکہ کھشتری بھی ہیں، ویش بھی ہیں اور شودر ذات کے بھی۔

۴۷۳ اصل انگریزی ترجمے میں ایسے ہیں آیا ہے۔

۴۷۴ اصل انگریزی ترجمے میں ایسے ہیں آیا ہے۔

۴۷۵ مراد ہے **شیش ناگ** ۔یعنی شیش سانپ جو ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق سانپوں کی نسل کا بادشاہ ہے اور پاتال کا رہنے والا ہے جو شانپوں کا وطن ہے۔ اس کے بارے میں اُن کا عقیدہ ہے کہ اس کے سروں کی تعداد ایک ہزار ہے اور تخلیق کے عمل میں وقفے کے دوران نیند کی خاطر وشنو کے لیے یہ ایک سائبان اور سواری کا کام دیتا ہے اور کسی وقت اپنے ایک سر پر پوری دنیا کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ اسے انت بھی کہتے ہیں یعنی بے انتہا اور اس حیثیت میں ہندو دھرم میں دوام کی علامت ہے۔

۴۷۶ **کالیا**: نارائن کی مناسبت سے یہاں شیش ناگ سے مراد ہے (دیکھئے حاشیہ ۴۷۵) نارائن وشنو کا ایک نام ہے اور کالیا ایک ناگ یا سانپ کا نام ہے جو جمنا میں رہتا تھا۔ اس کے ایک سو دس سر تھے اور اسے کرشن نے مارا تھا ورنہ بظاہر کالیا ناگ کا وشنو نارائن کے ساتھ براہ راست کوئی رابطہ نہیں۔

۴۷۷ **مَہا پَدُم**: گو کہ یہاں پر جھیل وُلر سے مراد ہے (جھیل وُلر

کے لیے دیکھئے حاشیہ ۴۶۰ اور ۴۶۴) لیکن مہاپدم، گُوبَیر کے نوخزانوں میں سے ایک خزانے کا نام بھی ہے اور اس کے خادموں میں سے ایک خادم کا نام بھی۔ایک ناگ کا بھی نام ہے۔ایک لاکھ ارب کو بھی مہاپدم کہتے ہیں۔

۴۷۸ مراد ہے جھیلِ وُلر۔

۴۷۹ اصل انگریزی ترجمے میں ایسے ہیں آیا ہے۔

۴۸۰ اصل انگریزی ترجمے میں ایسے ہیں آیا ہے۔

۴۸۱ حاشیہ ۴۵۲ دیکھیں۔

۴۸۲ **کِوک پودے**: خودبخود اُگ آنے والی کھمبی یا پودے۔غالباً یہاں پر سنگاروں کی روئیدگی سے مراد ہے۔

۴۸۳ کلہن نے بھی راج ترنگنی میں راجہ جیاپیڈ کے حالات کے ذکر مین اس کوٹ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ: ''راجا جیاپیڈ (۷۵۱ء۔۷۸۲ء) نے لنکا کے راجا سے اپنے سفیر کو بھیج کر پانچ راکھشس منگوائے تھے جن کی مدد سے اس نے ایک گہری جھیل پُر کروادی اور جیہ پور کا کوٹ (قلعہ) بنوایا جو خوبصورتی میں جنت کے مشابہ تھا''۔جون راج نے ''ایک گہری جھیل'' کی جگہ جھیل وُلر کہا ہے لیکن جھیل کے نیچے جو شہر غرقاب ہوگیا تھا وہ بقول تاریخ حسن (ج ۱) سندمت نگر تھا اور یہ شہر **راجہ سندیمان** (۴۷۱ کلِ یُگ) نے بنایا تھا جو شمالی ہندوستان کے دامن میں ایک وسیع شہر تھا جس کے بیچ میں سے دریائے جہلم گذرتا تھا اور اس کے ساحل پر اس نے اونچی عمارتیں اور اکیس بُت خانے تعمیر کروائے جن میں مہادیو کا بُت خانہ بڑا سنگین اور بلند تھا اور اس میں سونے اور چاندی کے تین سو بُت رکھے تھے جن میں دو مرصع بُت عجایب روزگار تھے۔اسی راجا نے کوہ سلیمان پر واقع زیشٹیشور مندر بھی بنایا تھا۔شری جیہ پیڈ کوٹ (قلعہ) کا جھیل وُلر کے پانیوں میں غرقاب ہوکر

دکھائی دینا ناقابلِ فہم ہے۔

۴۸۴ **جَین لنکا:** یعنی زین لَنک۔ اب اس کا وجود باقی نہیں رہا ہے۔ بڈشاہ نے اپنے نام زین العابدین کی مناسبت سے جھیل وُلر کے وسط میں اسے تعمیر کیا (سال ۸۴۷ھ = ۱۴۴۳ء)۔ یہ جیسا کہ جون راج نے لکھا ہے شہر نہیں تھا بلکہ ایک شہر کی مانند آباد جگہ تھی جو تین طبقوں پر مشتمل شاہی قصر اور ایک مسجد پر مشتمل تھی۔ تاریخ بڈشاہی میں محمد الدین فوق نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ حاشیہ ۴۶۴ بھی دیکھ لیں۔

۴۸۶ **رُوپیہ بھانڈ:** سلطان زین العابدین کا میرِ تعمیرات (آج کی اصطلاح میں چیف انجینئر) تھا۔ گویا زین لنک اسی کی نگرانی میں بنی تھی اور اسی کی ہدایات پر اس کی عمارات کی آرائش ہوئی تھی۔

۴۸۵ اصل انگریزی ترجمے میں ایسے ہیں آیا ہے۔

۴۸۷ اصل انگریزی ترجمے میں ایسے ہیں آیا ہے۔

۴۸۸ یعنی موجودہ کامراج یا کمراز۔

۴۸۹ **سُورتُران پُورہ:** یعنی سلطان پورہ۔ معلوم نہیں سلطان کو جون راج نے سُورتُران میں کیوں مسخ کر دیا؟

۴۹۰ **جَین کُوٹ:** یعنی موجودہ زین کُوٹ۔ محمد الدّین فوق نے لکھا ہے کہ یہ اندرکوٹ سنبل کے پاس ہے، جو غلط ہے۔

۴۹۱ **جَین:** یعنی زین۔ زین کے معنی ہیں نیکوئی۔ بہتری۔ بھلائی۔ زیب و زینت۔ آرائش۔

۴۹۲ **ڈُومب:** تاریخ حسن (ج ا رص ۴۱۹، ۴۲۰) میں اقوام طایفہ داران کے عنوان کے تحت اس قوم (ڈوم یا ڈومُب) کو لوگوں کی رذیل اور بدکردار قوم میں شامل کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ: ''ڈوم قوم (ذیلی یادداشت =

بعضوں کا کہنا ہے کہ ڈوم، چک قوم کی قدیم اولادوں سے ہیں۔ حاشیہ ویلی آف کشمیر ص ۳۱۱) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ راجہ پرورسین (۱۳۵ بکرمی) نے ہندوستان پر تسلط پا کر ڈوم، چنڈال، ملیچھ، ساسی اور میغ قوموں کے آدمیوں کو، جو سب کے سب مُردہ خور ہیں، سڑکوں کو صاف کرنے اور بار برداری کے لیے اپنے سفر میں ملازم رکھا۔ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد مذکورہ آدمیوں میں سے، اُس نے لوگوں اور اُن کے مال و جائداد کی حفاظت نیز حیوانوں کی نگہبانی کے لیے ایک ایک آدمی کو گاؤں گاؤں میں مقرر کیا ار ہر گھر کے ذمہ اُن کا کھانا پینا متعین کر دیا جیسے کہ آج تک معمول ہے اور سکھوں کے عہد تک جس کسی کا بھی مال چوری ہو جاتا تھا اسے گاؤں کے ڈوم سے تاوان میں لے لیتے تھے۔ ان کی ذریّت اس ملک میں بڑھتی گئی اور تسلط پایا۔ سلطانِ کشمیر کے عہد میں (سلاطینِ کشمیر کے عہد میں ہونا چاہیے) مسلمان ہو کر مردہ خوری چھوڑ دی اور مسلمانوں کی قوم میں کھانے پینے میں گھل مل گئے۔ ان کے چہروں کی کالی رنگت اور خصلت کی سیاہ کاری فطری ہے۔ ہر کام میں چالاک اور مستعد ہیں۔ اس وقت گاؤں میں گائے بیلوں کی پرورش، حکام کے احکام کی تعمیل کروانا، شقداری، سزاولی، چوکیدار، سائیسی، خرمنوں کی نگہبانی، توشہ خانہ میں قسط لے کر جانا، مکتوب الیہ کے پاس حکام کے خطوط پہنچانا ان کے ذمہ ہے۔ یہ لوگ چوری اور حرام خوری اور بے حیائی میں ممتاز ہیں اور حرام کاری اور بدکاری میں اپنا شریک نہیں رکھتے۔ اب اس وقت شرافت اختیار کرنے کی بڑی کوشش کرتے ہیں اور شیخ اور گنائی اور خان اور ملہ وغیرہ کے القاب استعمال کرنے لگے ہیں۔

۴۹۳ اصل انگریزی ترجمہ میں ایسے ہی آیا ہے۔

۴۹۴ **گنناپتی گورک**: غالباً قانون گو تھا۔ آج کی اصطلاح

میں۔قانون گو کے پاس پرگنہ کی زمینداری کا رجسٹر رہتا ہے۔یا قانون گو محکمہ مال کا وہ اہلکار ہے جو اپنے حلقہ کے سبھی مالیات اور زمین کی پیمائش کا حساب رکھتا ہو۔یہ پٹواریوں کا نگران بھی ہے۔یہ میرا ذاتی قیاس ہے ورنہ گننا لفظ کا تعلق حساب کتاب سے یا گننے سے ہے۔اور اس معنی میں جدید اصطلاح میں غالباً اکاؤنٹنٹ جنرل ہے لیکن چونکہ جون راج نے اس کے فرائض میں، لوگوں کو معاف کرنا، معاملہ فہمی اور لوگوں کو انصاف کے ساتھ سزائیں دینے کو شامل کر دیا ہے، اسلیے قرینِ قیاس ہے کہ اس کا تعلق اراضی کے مسائل سے تھا۔واللہ اعلم!

۴۹۵۔ **ملوان ملانا ساک**: مولوی مولانا ساک یا مولانا مولوی ساک۔غالباً قاضی تھا۔

۴۹۶۔ **پرتیهار**: انگریزی میں CHAMBERLAIN (حاجب)۔دربانِ شاہی۔بادشاہ کے اُمورِ خانہ داری کا منتظم۔

۴۹۷۔ **ونا**: وِنا ٹھاکر کا ذکر متن میں آچکا ہے جس نے اپنے بھائی مسعود ٹھاکر کے قاتل شورہ کو بقول جون راج سلطان زین العابدین کی اجازت سے قتل کر دیا۔کنگڈم آف کشمیر کے مؤلف نے لکھا ہے کہ شورہ، سلطان کا رضاعی بھائی تھا۔وِنّ ٹھاکر، اپنے بھائی مسعود ٹھاکر کی طرح سلطان کے مقربین اور معتمدین میں سے تھا جس کے بارے میں جون راج نے لکھا ہے کہ اس نے بہت سے متبرک مقامات (روضوں) کی زیارت کی تھی اور آخر لوٹ کر سُونامی جگہ پر، جہاں سندھو سے درآمد ہونے والے نمک پر چنگی لی جاتی تھی، اس کا انتقال ہو گیا۔

۴۹۸۔ قیاساً شیش ناگ سے مراد ہے جو وِشنو کی سواری ہے۔

۴۹۹۔ **جیه بھٹ**: سلطان کے دربار میں ایک معتمد ہندو

درباری۔ جون راج نے سلطان زین العابدین کے دربار کے برہمن ہندو ملازموں کو بیشتر بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے اور مسلمان وزراء کا دبی دبی آواز میں نام لیا ہے۔ اور یوں کہ جیسے مسلمان مذکورہ دربار میں تھے ہی نہیں اور اگر تھے بھی تو بس چند ہی جو غیر اہم تھے۔ واہ رے جون راج!

۵۰۰ یہ علاقہ زین گیر میں تھا اور یہیں سلطان نے نیشکر بونے کا تجربہ کروایا تھا۔

۵۰۱ مراد ہے سخت ریاضت وعبادت کی راہ سے۔

۵۰۲ اصل انگریز ترجمہ میں ایسے ہی آیا ہے۔

۵۰۳ یعنی بُرے بھلے میں فرق کرتے ہیں۔

۵۰۴ یعنی فوت ہوا۔

۵۰۵ یعنی راج ترنگنی۔

۵۰۶ **ہَوم**: چڑھاوا صاف مکھن کے ساتھ۔ قربانی۔ آگ میں مکھن ڈالنا منتر اور دعا پڑھتے ہوئے۔

۵۰۷ یعنی جون راج

۵۰۸ یعنی سلطان علی شاہ (۲۰-۱۴۱۳ء)

۵۰۹ انگریزی میں PASTE۔ یعنی خمیر یا لئی۔

۵۱۰ **یَم**: موت۔ اجل۔

۵۱۱ **بُدھ**: حاشیہ ۲۲۱ ملاحظہ کریں۔

۵۱۲ **وِرھسپتی**: ایک دیوتا کا نام۔ مشتری سیارے کا قائمقام۔

۵۱۳ **کُمد**: گلِ نیلوفر (Water Lily) یا سفید کمل پھول قابلِ خوردنی۔ ROTTLERA TINCTORIA جو رات کو اپنی پتیوں کو پھیلا دیتا ہے اور صبح کو بند کرتا ہے۔

۵۱۴ **پارتھ**: ارجن دیوتا یا بھیشم یا یُدھشٹر کا لقب۔

۵۱۵ **وِشنو کرما**: دیوتاؤں کے فن کار اور معمار کا نام جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ برہما کا بیٹا ہے۔ سورج کا لقب۔ کوئی بھی عظیم بزرگ۔ (بِسوکرما بھی کہتے ہیں)۔

۵۱۶ **گورکش**: گایوں کا محافظ یا پالنے والا۔

۵۱۷ **ناگ ارجن**: بُدھ مذہب کے ایک قدیم استاد کا نام جس کے بارے میں مشہور ہے کہ موجودہ ہارون سرینگر میں رہتا تھا لیکن یہ کسی اور ناگ ارجن کی طرف اشارہ ہے جو طبیب اور دواساز تھا اور غالباً کشمیری تھا۔

۵۱۸ **بربط**: ایک تکونی قسم کا ساز جو گویا سلاطینِ کشمیر کے عہد میں بہت ہی رائج اور اہم ساز تھا۔ اس ساز کے بنانے میں لکڑی اور تاروں کے انتخاب میں خاصی دقّت کرنا پڑتی تھی۔ یہ ساز طنبور کی مانند بڑے برتن اور چھوٹے دستہ کا حامل تھا۔

۵۱۹، الف: یہ اس بات کی طرف صریح اشارہ ہے کہ شاستر خوان برہمن لوگ گمراہ اور بے انصاف بن چکے تھے۔

۵۱۹: **چنڈال**: چنڈ ال بھی کہتے ہیں۔ مخلوط قبیلوں کی پست ترین قوم۔ اس قوم میں کبھی باپ شودر ہوتا ہے اور ماں برہمن ہوتی ہے۔ مردود۔ فسادی۔ ایک بدذات نیچ۔ ایک خبیث شیطانی وجود والا شخص۔

۵۲۰: **مسولا**: جون راج نے مسلمان کے لیے ملیچھ، یاون اور مسولا کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

۵۲۱: **مانکیہ دیوتا**: کسی مانک شاہ ولی کا مزار۔

۵۲۲: یعنی لداخ۔

۵۲۳: اسلامی تصوف میں ولی اللہ کا درجہ پانے کے لیے ہندو یوگ کی

طرح شری ور کے عقیدہ کے مطابق جسم کو بدلنا نہیں پڑتا۔ ریاضت وعبادت کی راہ سے دین اسلام میں ہر کوئی مسلمان متقی بن کر اللہ کی نظر میں اکرم و بزرگوار بن سکتا ہے۔ شری ور نے ان سطروں میں خالص اپنے ہندو نظریہ کے مطابق سلطان زین العابدین بڈشاہ کو بڑا روحانی درجہ پانے کی بات کی ہے۔ ویسے تاریخ حسن میں آیا ہے (ج ۲ رص ۲۰۰) کہ بعض مورخین اس کے قائل ہیں کہ سلطان علمِ سیمیا اور ریمیا میں بخوبی ماہر تھا۔

۵۲۴ : یعنی حاجی خان

۵۲۵ : یعنی بہرام خان۔ **کشمیر سلاطین کے عہد میں** نامی کتاب مین آیا ہے کہ سلطان کے نکاح میں سب سے پہلے سیّد محمد بیہقی کی بیٹی **تاج خاتون** آئی۔ اس سے دو لڑکیاں ہوئیں۔ اس کی دو اور بیویاں جموں کی شہزادیاں تھیں (ظاہر ہے کہ یہ شہزادیاں یکے بعد دیگرے اُس کے نکاح میں رہی ہونگی)۔ ان شہزادیوں سے سلطان کے چار لڑکے ہوئے جن کے نام **ادھم** ، **حاجی** ، **بھرام اور جسرت** تھے۔ شاید جسرت کم عمری میں انتقال کر گیا کیونکہ اس کا ذکر شری ور اور مسلمان مورخوں نے نہیں کیا ہے۔

۵۲۶ : دو بھائیوں مسعود ٹھاکر اور وِنَّ ٹھاکر کی طرف اشارہ ہے۔ ملک مسعود ٹھاکر سلطان کے عہد حکومت میں شہہ سالاری اور وزارت کے عہدوں پر رہا۔ سلطان ہمیشہ اس کا مدّاح رہا۔ ملک مسعود ٹھاکر کو حضرت بابا اسمٰعیل زاہد کُبر ویؒ، جو وقت کے عظیم المرتبت اولیاء اللہ تھے، سے بیعت تھی۔ مسلمان مورخین نے لکھا ہے کہ ملک مسعود مذکور بادشاہ کی وفات کے ۳۱ رسال بعد ۹۱۰ھ میں فوت ہوا اور اپنے باغ فتحکدل کے قرب و جوار میں دفن ہوا لیکن شری جون راج نے لکھا ہے کہ بادشاہ کی زندگی میں ہی ملک مسعود ٹھاکر کو

بادشاہ کے رضاعی بھائیوں نے حسد و عداوت کی وجہ سے قتل کر دیا تھا۔ ملک وِنّ ٹھاکر بھی اپنے بھائی ملک مسعود ٹھاکر کی طرح سلطان کے معتمدین میں سے تھا۔ اس نے اپنے بھائی ملک مسعود ٹھاکر کے قتل کا انتقام لینے کے لیے اُس کے قاتل شُورہ کو، جو خود سلطان کا رضاعی بھائی تھا، سلطان کے حکم سے قتل کر دیا۔ جون راج نے لکھا ہے کہ وِنّ ٹھاکر نے کئی زیارت گاہوں کی زیارت کرنے کی سعادت پائی تھی جس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان میں کشمیر سے باہر مقامات کے روضہ جات بھی شامل تھے۔ دراصل یہ ٹھاکر خاندان، غوری خاندان سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ اسرار الابرار کے مؤلف حضرت بابا داؤد مشکوانیؒ بھی اسی خاندان کے ہیں (کشمیری ٹھوکر کا ملاً ایک الگ خاندانی نام ہے جو مقامی ذات سے مربوط ہے۔ ٹھاکر اور ٹُھوکر میں خالص آواز ہی کا فرق نہیں بلکہ دونوں کی اساس بھی مختلف ہے۔ ٹھاکر کو ٹھکور بھی لکھا گیا ہے۔ چنانچہ زوج راج نے سلطان زین العابدین کے بھائی شہزادہ محمد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ایک ٹھکور تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غالباً سنسکرت کا قدیم لفظ ہوگا۔ محمد الدین فوق نے تاریخ بڈشاہی کے ص ۳۷۵ کے ذیلی یادداشت میں لکھا ہے کہ ''جموں و کشمیر کے موجودہ فرمان روا مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر نے بھی دو مسلمان رؤسا کو جاگیروں کے علاوہ ٹھاکور کا لفظ عطا کیا ہے حالانکہ ان میں سے ایک سیّد ہے اور ایک افغان۔ ٹھاکُور اور ٹھاکر ایک ہی لفظ ہے اور اس زمانہ میں اس کو عموماً راجپوت ہی استعمال کیا کرتے ہیں''۔ پس کشمیری ٹھوکر کو ٹھاکر یا ٹھاکُور کے ساتھ خلط ملط کرنا تاریخ کو مسخ کرنا ہے)۔ ملک مسعود ٹھاکر کے خاندان کا ایک نامور بزرگ ملک حسن غوری حوادث روزگار کی وجہ سے ایک جماعت کے ہمراہ کشمیر آ گیا۔ پادشاہانِ کشمیر نے اس کی شرافت و نجابت سے آگاہ ہو کر اُسے عمدۃُ الملک کا خطاب دیا لیکن وہ

ملک کے نام سے ہی مشہور رہا۔ چنانچہ ملک حسن، ملک قاضی ٹھکور، ملک فیروز ٹھکور، ملک مسعود ٹھکور اور اس کا بیٹا ملک جلال ٹھکور سب اسی نام سے مشہور ہیں۔ ملک جلال ٹھاکور ملک سیف الدین کا داماد اور حضرت میر محمد ہمدانیؒ کا ہم زلف تھا۔ اس کی بیوی کا نام لکھشمی تھا جو تاریخ کشمیر میں لکھشمی خاتون یا لچھمہ خاتون کے نام سے مشہور تھی جو جامع مسجد تک پانی پہنچانے کی نیت سے اپنے نام کی جاری کردہ لچھمہ کول کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ نہر نوشہرہ کے شاہی محل کی نہر سے نکالی گئی تھی اور اس پر اس نے ایک مضبوط بند بھی بنوایا تھا۔ جس روز اس نہر کا افتتاح ہوا اور پانی جامع مسجد تک پہنچ گیا لچھمہ خاتون نے اسی ہزار آدمیوں کو کھانے کی دعوت دی۔ ملک جلال ٹھاکور کے اور بھی کئی بھائی تھے جن کو سلطان زین العابدین نے اُن کی خاندانی بزرگواری اور ذاتی خدمات کے پیش نظر پرگنہ شاورہ میں کئی گاؤں جاگیر میں دیئے۔ سلطانِ موصوف کے فوت ہو جانے کے بعد تمام ٹھاکور برادروں نے سرکاری ملازمتیں ترک کر کے زہد و ریاضت کی زندگی اختیار کی۔ ملک جلال ٹھاکور نے گوجوارہ سرینگر میں خانقاہ بنوائی اور عبادت گذاری میں زندگی گزار کر وہیں دفن ہوئے۔ آپ کی صحبت حضرت بہاء الدین گنج بخشؒ اور حضرت نور الدین نورانیؒ کے ساتھ تھی۔ ایسے بزرگووار ٹھاگر برادروں کی ہدایت و تربیت کے لیے زین العابدین بڈشاہ کا اپنے فرزندوں شہزادہ حاجی خان اور شہزادہ بہرام کو حوالے کر دینا بھی اُن کی علمی فضیلتوں پر ایک بڑی دلیل ہے۔ شری ور کا ان نجابت و شرافت مآب ٹھاکور بھائیوں کو کنیز زادگان کہنا محض ایک بہتان ہے جس سے اُن کے خلاف اُس کی ذاتی دشمنی، نیز حسد اور تعصب کی بُو آتی ہے۔ اس خاندانی عظمت و احتشام کے پس منظر میں جس کی طرف ہم نے اوپر کی سطور میں مختصر سا اشارہ کیا سخت دشوار اور ناقابل یقین ہے شری ور کا یہ بیان کہ یہ دونوں ٹھاکور

برادران جو سلطان زین العابدین کے دو شہزادوں کے استاد اور مربّی تھے، کنیز زادے تھے۔ یہ سراسر کذب اور دروغ بیانی ہے۔ ٹھکر لکھنے کے بعد یہ دونوں بھائی کنیز زادے کیسے ہو سکتے تھے۔

۵۱۷: **پَرنوتُس** : یعنی پُونچھ۔ **قدیم ترین جغرافیہ جموں و کشمیر** مترجم ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ نے لکھا ہے (ص ۱۸۳، ۱۸۴) کہ ''معلوم ہوتا ہے اس زمانہ میں **لوھر** کے اندر قصبہ و ضلع **پَرنوتُس** بھی داخل ہوا کرتا تھا جس کا موجودہ نام **پُونچھ** یا **پرُنتس** ہے اور جو دریائے توہی (یا توشی) کی نچلی وادی میں واقع ہے۔ ہیون سانگ کے زمانہ میں پرنوتس کا نام اس تمام پہاڑی ریاست کے لیے مشہور ہو گیا جو اس زمانہ میں معاون کشمیر تھی۔ اس جگہ ضمناً یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پَرنوتس کا نام للتا دتیہ کے زمانے سے بہت پہلے کا ہے گو کلہن نے اس کی بنیاد اس سے منسوب کی ہے۔ پرنتس مسلمان فرمان روا جو وادی وتستہ کے کھکھوں سے قریبی تعلق رکھتے تھے اس وقت تک کم و بیش آزاد رہے حتیٰ کہ انہیں مہاراجہ گلاب سنگھ نے مغلوب کر لیا۔ اب ان کا علاقہ خاندان جموں کی ایک شاخ کے ماتحت ایک جداگانہ مقبوضہ کی حیثیت سے ہے۔ پرنوتس کی آبادی میں چونکہ کشمیری عنصر غالب ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس علاقہ کا کشمیر کے ساتھ دیرینہ اور گہرا تعلق قائم رہا ہے''۔ ہیون سانگ چینی سیاح نے جو کشمیر سے راجپوری (راجوری) جاتا ہوا غالباً توش میدان کے راستے سے یہاں پہنچا تھا، اس کا ذکر پُن نُوتسو کے نام سے کیا ہے۔ کشمیری زبان میں اسے پُرونژھ کہتے ہیں۔

۵۲۸ : **بھوٹ**: مطلب ہے لداخ

۵۲۹: **مُوسلا زبان**: کشمیر میں سلاطین کے عہد میں فارسی زبان رائج

تھی۔ شری ور نے اسے مسلمانوں کی زبان کہا ہے جب کہ یہ ادبی زبان تھی اور کشمیر کے ہندو برہمن بھی اسی زبان کو مسلمانوں کی طرح سیکھ کر بڑے بڑے عہدے پاتے تھے۔

۵۳۰: **ستی سر**: دیکھئے حاشیہ ۲۲۹۔

۵۳۱: یہ سارے نام بڑے عہدہ داروں اور بااثر ورسوخ والے سرکاری افسروں کے ہیں جن کی صحیح شناخت نہ ہوسکی۔ راوت ہندی لفظ ہے جس کے معنی ہیں سردار، جنگجو، شجاع، گاؤں سے کرایہ وصول کرنے والا سپاہی۔

۵۳۲: **نِروان**: فنا۔ نجات، بدھ اور جین مذہب والوں کے نزدیک مطلق فنا ہوجانا۔ شری ور نے اپنی مذاق طبیعت کے مطابق وزراء سے ہندو دھرم کی اصطلاحیں بیان کی ہیں۔ دین اسلام کی مربوط اصطلاحات کا ذکر کرنے سے گریز کیا ہے۔

۵۳۳: **جَین**: یعنی سلطان زین العابدینؒ۔

۵۳۴: **گرُڈ**: ہندو عقیدے کے مطابق ایک پُراسرار پرندہ، جو پروں والی نسل کا سردار، سانپوں کی نسل کا دشمن اور وشنو دیوتا کی سواری ہے [گرُڈ گامی، وشنو دیوتا کا لقب ہے]۔

۵۳۵: **سپُرشَمَن**:؟

۵۳۶: **پَلّ شیل**: شوپیان کے نزدیک ایک مقام کا نام تھا۔

۵۳۷: باپ بیٹے کے اس جنگ میں گویا مورّخ شری ور عینی گواہ تھا۔

۵۳۸: **شِری**: مطلب ہے پھل جسے Aegle Marmelos کہتے ہیں۔ اس درخت کے پھل کو بھی شری ہی کہتے ہیں۔

۵۳۹: **یَجن**: یگہ۔ قربانی۔ چڑھاوا۔ ایک مذہبی رسم ہندوؤں کی جس میں آگ میں چڑھاوے ڈال کر منتر پڑھے جاتے ہیں۔

۵۴۰ف: **کُورو:** کورُ واور پانڈ ودو قدیم خاندان جو کورُ و سے اُن کے اپنے باپ دِھر تراشٹر اور پانڈ و سے ہیں۔

۵۴۱ف: **چتر:** ؟

۵۴۲ف: **سِمُھہَ:** یعنی سِنہہ۔شیر (سنگھ کے معنی بھی شیر، شجاع، نمایاں شخص، یہ ہندوؤں کا لقب تھا جو شاہی خاندان یا فوجی نسل کے اہم لوگوں کو دیا جاتا تھا اور راجپوت اور سکھ فوجیوں کو بھی)

۵۴۳ف: **کنُدَرپَ:** عشق کے دیوتا کام دیو کا ایک نام۔

۵۴۴ف: **پانچ آگ:**

۵۴۵ف: یعنی یُدہشتھِر، بھیم سین، اَرجُن، نَکل اور سہہ دیو۔

۵۴۶ف: **پانچ آسمانی درخت:** ؟

۵۴۷ف: گویا اپنی دولت کے ایک حصے کو حاجی خان حیدر شاہ ابن سلطان زین العابدین نے محفوظ کرنے کی نیت سے مندروں میں رکھا تھا۔

۵۴۸ف: **مَہابَھارَت:** بھر توں یا بھرت کے اخلاف کی بڑی جنگ۔ بھرتوں کی عظیم جنگ کا بیان۔ [بڑی جنگی یا رزمیہ نظم کا نام، جو ویاس سے منسوب ہے جس میں بھرت کے خاندان کی دو یک جدی شاخوں یعنی کوروں اور پانڈوں کی دشمنیوں، اُن کے اعمال اور جھگڑوں کا بیان ہے]

۵۴۹ف: **یادَو:** دیہات میں پست ذات والے لوگ جنہیں پست کاموں میں لگاتے ہیں۔ کمین۔شودر۔ (ہندی لفظ ہے [جادَو = یادَو کی اولاد۔کرشن کا ایک نام (جو یادو کی اولاد سے ہے اسی لیے کرشن کا ایک لقب جادو پتی ہے یعنی یادووں کا سردار]۔

۵۵۰ف: **اگرھاین:** قمری سال میں ہندوؤں کا آٹھواں مہینہ (نومبر، دسمبر) سال کا شروع۔

۵۵۱: **بَنڈھو جیوَ:** ایک قسم کا پودا اور پھول جسے Pentapetes Phoenicea کہتے ہیں۔

۵۵۲: **آکَنڈ:** دُودھیل پودا جس کو دبانے سے دودھ جیسا سفید رس نکلتا ہے۔ انگریزی زبان میں اس پودے کو Milk Weed کہتے ہیں۔

۵۵۳: **کَھار:** ساڑھے نَو مَن کے قریب وزن۔ اسے خروار بھی کہتے ہیں (کہ گدھا اسے اٹھا سکتا ہے اس لیے اس کو خر بار کہا گیا ہے جو خروار ہو گیا ہے۔ یہ فارسی لفظ ہے۔ (کشمیری زبان میں ہم اسے کھار کہتے ہیں)

۵۵۴: **بِرُھی:** چاولوں کی کسی خوشبودار قسم اور اعلیٰ نوع جیسے مشکہ بدُج وغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔

۵۵۵: غالباً مطلب یہ ہے کہ سمندر نے سارا پانی اپنے اندر جذب کر کے رکھا اور اپنی سطح پر سے بادل بن کر بارش برسانے کے لیے بھاپ کو اٹھنے نہ دیا۔

۵۵۶: یعنی اپنے ذخیرہ کیے ہوئے چاول رعایا کو قحط کے دنوں میں کھلا کر انسانی ہمدردی کا مظاہرہ کیا۔

۵۵۶، الف: سال ۳۶ سنہ = سال ۱۴۶۰ سنہ عیسوی یعنی ۸۶۵۷ھ۔

۵۵۷: **کِشپُتکا:** موجودہ کِٹہٕ کول۔

۵۵۷، الف: سال ۳۸ سنہ = سال ۱۴۶۲ سنہ عیسوی یعنی ۸۶۷ھ۔

۵۵۸: شری ورکا مطلب ہے مسلمانوں کا ہجوم مجموعی طور پر، جس میں ظاہر ہے وہ سلاطین و شہزادگان بھی شامل ہیں جن کی چوکھٹ پر سر جھکاتے ہوئے وہ اپنی روزی پاتا تھا۔ کشمیری مسلمان سلاطین کی، جنہوں نے عالمِ برہمن مورخین کی سرپرستی کی، نرم روی کو، سختی و شدت سے تعبیر کرنا، احسان فراموشی ہے۔ ایک عالِم کو غیر جانبداری کے ساتھ بلا کسی تعصب کے اپنے

احساسات کا اظہار کرنا چاہیے ورنہ یہ داگ اس کے کردار وعمل پر ہمیشہ کے لیے ثبت رہے گا۔ جیسے جون راج اور شری ور پر رہا ہے۔ اس جملے میں بھی شری ور نے مسلمانوں کے بدلے ملیچھوں کے لفظ کے استعمال کو ترجیح دی ہے اپنے استاد جون راج پنڈت کی پیروی میں۔ تعصب کی سختی وشدت میں مالیخولیائی فضولیات خود مریض کے مرض کی دلیل ہیں جس کا کوئی علاج نہیں۔ جس درخت کی جڑ ہی تلخ ہو اُس کا پھل قیامت تک میٹھا نہیں ہوسکتا!

۵۵۹ؔ: **وِشوکا** : یعنی وِشو دریا جس کا منبع کونسر ناگ کا پہاڑ ہے اور سنگم کے پاس دریائے جہلم میں آکر ملتا ہے۔

۵۶۰ؔ: **مَدوَراَجیہ**: موجودہ مراز یعنی سرینگر سے اوپر کے علاقے۔

۵۶۱ؔ: **وِجَیَیشوَر**: موجودہ بجبہاڑہ (کشمیری میں وِیجہ بیور)

۵۶۲ؔ: **پُوران** : ہندوؤں کی چند خاص مقدس کتابوں کا نام جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں شاعر ویاس نے لکھا۔ ان میں جدید ہندو اساطیر اور مذہبیات کا پورا مجموعہ شامل ہے۔ مقبول پورانوں کی تعداد اٹھارہ ہے۔

۵۶۳ؔ: **دَرد** : یا دردستان۔ اس علاقے کی موجودہ گُریز اور تلیل علاقوں سے شناخت کی گئی ہے۔

۵۶۴ؔ: **کُرمَراجیہ**: موجودہ کمراز یعنی سرینگر سے نیچے کے علاقے۔

۵۶۵ؔ: **مَھانَپ جھیل** : غالباً پماسر سے مراد ہے جو پٹن قصبے کے متصل واقع ہے۔

۵۶۶ؔ : **دُرگاپورہ**:

۵۶۷ؔ: **پَدُم ناگ** : جھیل وُلر۔ ویسے بھی پماسر، نایدکھے کے گاؤں سے گذر کر وُلر جھیل میں مل جاتی ہے۔

۵۶۸ھ: **جَیا پیڈ پُورَہ** : یعنی اَندر کوٹ، (سنبل)

۵۶۹ھ: **اِلک** : ہندو عقیدہ کے مطابق کُبیر کے دار الخلافہ کا نام جو ہمالیہ کی ایک چوٹی پر ہے اور جہاں شِو بھی رہتا ہے۔

۵۷۰ھ: **کیَلاش** : کیلاس بھی کہتے ہیں۔ایک پہاڑ کا نام جسے ہندو ہمالیہ پہاڑوں کے سلسلہ میں قرار دیتے ہیں۔یہ مانس جھیل کے شمال میں ایک سب سے اونچی چوٹی خیال کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ کُویرَ کی رہائش گاہ یہی ہے اور شِو کی پسندیدہ جگہ بھی۔ (مانس جھیل سے مراد ہے مانسرو ور جھیل ، جو کیلاش پربت پر ہندوؤں کی زیارت گاہ ہے)۔

۵۷۱ھ: **مایا شہر** : خیالی دنیا۔

۵۷۲ھ: **اسُور** : رُوحانی۔مقدس۔نامعلوم۔جہاں دھوپ کا وجود نہ ہو۔

۵۷۳ھ: **دوارکا** : حاشیہ ۶۹ھ دیکھئے۔

۵۷۴ھ: **کاشِیہ** : کاشی،شہر بنارس جو تمام شہروں میں ہندوؤں کے نزدیک زیارت گاہوں میں اہم ترین شہر ہے۔

۵۷۵ھ: کشمیری پنڈتوں کا عقیدہ ہے کہ وِتستا (دریائے جہلم یا وِیتھ) اُن کی ایک بھگوتی کا جس کا نام پاروتی ہے اور جو شِو کی بیوی ہے، روپ (صورت) ہے۔اس لیے وہ اس دریا کو مقدس جانتے ہیں۔

۵۷۶ھ: **گندَھربُ** : نیم دیوتاؤں کی جماعت (یا جماعت میں سے ایک) جو اِندر دیوتا کے سورگ میں رہتی ہے اور تمام خاص خاص دیوتاؤں کے جشنوں میں سازندوں اور گویّوں کے طور پر گاتے بجاتے ہیں۔

۵۷۷ھ: **گڈر** : دیکھئے حاشیہ ۵۳۴ھ۔

۵۷۸ھ: **منطقة البروج** : وہ آسمانی بڑا دائرہ جس میں آسمان کے

بارہ بُرج واقع ہیں۔ انگریزی میں اسے Zodiac یا The Celes Tial Girdle کہتے ہیں۔

۵۷۹ھ: **یَم** : موت۔ قضا۔ اجل۔

۵۸۰ھ: **شَنی** : سنیچر سیارہ۔ سنیچر کی اساطیری صورت۔ اس کے اثرات سخت منحوس خیال کئے جاتے ہیں۔ اسے زُحل بھی کہتے ہیں اور زمین سے دور ترین ہے۔ نجومیوں کے خیال میں جو بچہ اس کے سائے میں پیدا ہوتا ہے وہ تاریک ذہن کا ہوتا ہے اور سست و کاہل بھی۔

۵۸۱ھ: بعض مقامی مورخین نے اس کا نام ادہم خان لکھا ہے لیکن شری ور چونکہ معاصر مورخ تھا اس لیے آدم خان ہی صحیح ہے۔

۵۸۲ھ: جاگیرداروں کا ایک مقتدر طائفہ تھا۔ کہتے ہیں کہ یہی لفظ اب سُکڑ کر لَون بن گیا ہے جو کشمیر کے دیہات میں کسان بن کر زندگی گذار رہے ہیں۔ ڈامروں کے ایک وقت کے بادشاہ گر صاحب اقتدار جاگیردار، طائفہ والوں کی طرح جو کہا جاتا ہے اب ڈار کے نام سے کشمیر کے دیہات میں کسانوں کا پیشہ اختیار کر کے بسر کر رہے ہیں۔

۵۸۳ھ: **قُدَّ دِینَ پُورَہ** : یعنی قطب الدین پورہ۔ جیسا ہم کہہ چکے ہیں شری ور ناموں کو مسخ کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

۵۸۴ھ: **جَینَ نگر** : یعنی نوشہر سرینگر جو دارالخلافہ تھا۔

۵۸۵ھ: **سُویا پُورہ** : یعنی سوپور

۵۸۶ھ: **شِکہَ جادَہ** : گویا مراد ہے شیخ زادہ جو ایک غدار تھا۔

۵۹۷ھ: **سَدوَرُن** : پونچھ تحصیل کے مینڈھر میں ایک ٹھنڈی جگہ کا نام

۵۸۸ھ: **وَراہَ مُولَ** : یعنی بارہ مُولہ (کشمیری زبان میں وَرمُل)

۵۸۹ھ: **وَھرَامَ خَانَ** : بہرام خانَ ابنِ سلطان زین العابدین۔

۵۹۰ف: **سال ۳۲ لوکک** : ۱۴۵۷ء = ۸۶۲ھ

۵۹۱ف: **جنک** : متھلا کے ایک راجہ کا نام جو رام کی بیوی سیتا کا باپ تھا[متھلا = موجودہ ترہٹ کا نام تھا جو بنگال کے شمال مشرق میں ہے۔ کہتے ہیں اس کی بنیاد بھی متھی یا متھلا نے ڈالی تھی۔ متھلا، ودیہا کا دارالخلافہ تھا اور راجہ جنک؟ کی رہائش گاہ بھی اسی شہر میں تھی] برہمن کشمیری مورخ شری ور کی تمام تشبیہات ہندو اساطیر سے متعلق ہیں اور سلطان زین العابدین کی حکومت کو کسی ہندو راجا کی حکومت سے مشابہ کرنے سے نہیں ہچکچاتا جب کہ سلطانِ موصوف ایک عظیم اسلامی بادشاہ تھا۔

۵۹۲ف: **کرشن** : وشنو دیوتا کا ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق مقدس دس اوتاروں میں سے آٹھواں اوتار۔

۵۹۳ف: **کوستوا** : اسے گوستبھ بھی کہتے ہیں۔ ایک ہیرے کا نام جسے کرشن دیوتا اپنے سینے پر پہنتا تھا۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق سمندر کے پانی کو زیروزبر کرتے وقت یہ ہیرا بھی اُن تیرہ چیزوں میں سے تھا جو اس عمل سے حاصل ہوئی تھیں۔

۵۹۴ف، الف: شری ور نے یہاں پر سلطان زین العابدین کو اپنے بڑے دیوتا مہادیو سے مشابہ کیا ہے۔

۵۹۴ف: **وجیش** : موجودہ بجبہارہ۔

۵۹۵ف: مراد ہے سٹیج (Stage)۔ چبوترا۔

۵۹۶ف: **ورن** : ہندو عقیدے کے مطابق پانیوں کا دیوتا۔

۵۹۷ف: **ناگ دنیا** : ناگ لوک سے مراد ہے۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق سانپ دیوتاؤں کی دنیا یا رہائش گاہ، جو زمین کے نیچے ہے اور اسے پاتال کہتے ہیں جو سانپوں اور سو سروں والے سانپوں کا وطن

ہے۔سورج کی روشنی چونکہ وہاں نہیں پہنچتی اس لیے ہندوؤں کا خیال ہے کہ یہ بہت چمکدار ہیروں سے روشن ہے۔

۵۹۸: **اَپسَرا** : اِندر دیوتا کے دربار میں رقاصہ۔حُور۔پری پیکر۔ پری وَش۔

۵۹۹: **گندھَرو** : گند ھَرب بھی کہتے ہیں۔ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق ایک فضائی گویّا۔آسمانی گویّا۔ایک جماعت (یا جماعت میں سے ایک) نیم دیوتاؤں کی جو اِندر دیوتا کے سورگ میں رہتی ہے اور یہ تمام خاص دیوتاؤں کے گانے بجانے والوں کی جماعت ہے۔

۶۶۰: **مچان** : یعنی چبوترا۔انگریزی زبان میں سٹیج Stage کہتے ہیں۔

۶۰۱: **زُھرہ** : اسے ناہید؟ (فارسی میں)۔شُکر (ہندی میں) اور (انگریزی میں) وِی نَس (VENUS) کہتے ہیں۔شمسی نظام میں دوسرا سیارہ ہے اور عطارد کے بعد اور زمین سے پہلے ہے۔اسے زمین کی جڑواں بہن کہہ سکتے ہیں کیونکہ اندازاً زمین کے نزدیک ہے۔جس وقت زمین اور زہرہ سورج کے ایک ہی طرف میں ہوں تو ان دونوں کے درمیان فقط تین کروڑ میل کا فاصلہ رہتا ہے جب کہ ایک دوسرے کے مقابل میں رہتے ہیں ان کا فاصلہ سولہ کروڑ نوے لاکھ میل ہے۔صرف اسی وقت اس کے پورے جسم کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے جب یہ ہم سے دور ہوگا کیونکہ اس وقت سورج سے اس کا پورا جسم روشن ہوتا ہے۔سورج کے گرد یہ ۲۲۵ ردنوں میں اپنا دورہ پورا کرتا ہے۔پس اس سیارے میں سال صرف ساڑھے سات مہینوں کا ہے اور اس کے دن اور رات کی لمبائی کے بارے میں ابھی کوئی اطلاع نہیں۔[زُہرہ کے معنی حسن اور سفید رنگ کے بھی ہیں۔یہ قریش کے ایک قبیلے کا بھی نام

ہے]۔

۶۰۲: **مُشتری** : اسے عربی میں بَرجیس، ہندی مین برھسپت اور انگریزی میں جُوپِٹر (Jupiter) کہتے ہیں۔ یہ سعدِ اکبر ہے اور قاضیِ فلک بھی کہلاتا ہے۔ نظام شمسی میں اُن بڑے سیاروں میں سے ایک سیارہ ہے جو زُہرہ کے بعد ہمیں روشن تر نظر آتا ہے۔ سورج سے یہ ۷۷۸ ملین کلومیٹر دور ہے اور گیارہ سال اور ۳۱۵ دنوں میں اپنی گردش کو پورا کرتا ہے۔ اس کا قطر ایک لاکھ بیالیس ہزار اور ساٹھ کلومیٹر ہے اور زمین کے مقابلے میں اس کا حجم ۱۲۹۵ بار بڑا ہے۔ اس کا اوسط فاصلہ زمین سے ۶۲۶ ملین کلومیٹر ہے۔ اس میں ۱۲ چاند ہیں جن میں سے اولین چاند کو گلیلیو اور ماری لیس نے سال ۱۶۱۰ء میں دریافت کرلیا تھا جس کا نام انہوں نے اِئی یو (Io) رکھا۔ دوسرے، تیسرے اور چوتھے چاند کے نام بالترتیب یورپ (Europe) ، گنی میڈ (Ganymede) اور کلسٹو (Callisto) رکھے گئے ہیں اور ان کو بھی گلیلیو اور ماریس نے ہی دریافت کرلیا تھا (سال ۱۶۱۰ء میں)۔ باقی چاندوں کے کوئی نام نہیں البتہ اُن کو اُن کے شمار کے مطابق یاد کیا جاتا ہے۔ بارھویں چاند کو ۱۹۵۱ء میں دریافت کیا گیا جس کے مطابق یہ چاند جدید ترین مشتری چاند ہے۔ مشتری کے چاندوں میں سے سب سے بڑا چاند تیسرا چاند گنی میڈ ہے جس کا قطر تقریباً ۴۸۵۵ کلومیٹر ہے اور سب سے چھوٹا چاند بارھواں چاند ہے جس کا قطر فقط ۲۲ کلومیٹر ہے۔ مشتری کی سطح کی حرارت کا بیس سے دو سو ستر درجہ سِن ٹی گریڈ تک کا اندازہ کرتے ہیں۔ بعض علماء کے خیال کے بموجب مشتری کی سطح یخ سے ڈھکی ہوئی ہے۔ فارسی میں اسے اُرمُزد بھی کہتے ہیں۔

۶۰۳: مراد ہے حبیب جو غالباً مشہور درباری آتش باز تھا۔

۶۰۴: اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ آتش باز ایران سے آیا تھا۔

۶۰۵: یعنی عبدالقادر جو گویا دربار میں موسیقی کا استاد اعظم تھا۔

۶۰۶: غالباً فارسی زبان مراد ہے کہ سلاطینِ کشمیر کی درباری نیز علماء اور تعلیم یافتہ اور روشن ذہن کشمیریوں کی زبان بس فارسی زبان ہی تھی جس میں فنی اور ادبی کمالات کا رواج پاکر کشمیر کو کشمیریوں نے ایران صغیر میں بدل دیا۔ اسی زبان کو جس کی راہ سے خود کشمیری برہمن اپنی روزی کماتے تھے شری ور نے ملیچھ زبان کہا ہے۔

۶۰۷: **نارد** : ہندوؤں کے عقیدہ میں ایک دِوارشی یارِشی کا نام جو ایک دیوتا ہے۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ برہما دیوتا کے چار بیٹوں میں سے ایک ہے۔ اور دس خاص منیوں یارشیوں میں سے ہے۔ یہ کرشن کا دوست ہے، ایک مقدس قانون ساز ہے اور وِینا یا بانسری کا مخترع ہے۔ اس کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دیوتاؤں میں اکثر بار غیبت کی باتیں سنا سنا کران کے درمیان جھگڑے اٹھائے تھے۔ پس نارد کا نام جھگڑا پیدا کرنے والے کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی وہ جو جھگڑا اٹھانے کا شوق رکھتا ہو۔ عورتوں کی زبان میں ایک شریر لڑکے کو بھی نارد کہتے ہیں۔ نارد کو نارد منی بھی کہتے ہیں ۔سیر المتاخرین کے مؤلف کا کہنا ہے کہ ملا جمیل بادشاہِ خراسان کے درباری زینت تھا اور اس نے اسے سلطان زین العابدین کے دربار میں بطور تحفہ بھیج دیا تھا۔

۶۰۸: مطلب ہے کھوکھلا کیا ہوا کدُو بڑے اندازے کا جو عام طور پر ایک بڑے ستار کا حصہ ہوتا ہے۔

۶۰۹: غالباً کشمیری موسیقی دان تھا اور جعفر یا زعفران نام سے مشہور تھا چونکہ شری ور نے اس کا نام لے کر اپنے ہمراہ گانے کا ذکر کیا ہے اس لیے

معلوم ہوتا ہے کہ زعفران نامی یہ گویا ان مشہور فن کاروں میں سے تھا جو سلطان زین العابدین کے دربار سے وابستہ تھے۔ خود شری ور بھی درباری موسیقار تھا۔

۶۱۰: مطلب ہے فارسی بحروں میں جو اُس زمانے میں کشمیر میں رائج تھیں۔ تعجب ہے کہ ایک درباری گوّیے کی حیثیت سے پنڈت شری ور مشکل فارسی بحروں یا مقامات سے باخبر ہو کر گا تا تھا اور اس راہ سے شاہی دربار کے ایک پیشہ ور فن کار کی صورت میں اس کی روزی روٹی میّسر رہتی تھی اور لوٹ کے گھر میں بیٹھ کر شاہی دربار کے مسلمان درباریوں اور اُن کی زبان کو ملیچھ کہتا تھا۔ جس میں وہ سلطان بھی شامل ہے جس کے دروازے پر قربان ہو ہو کر پلتا تھا۔

ناطقہ سر بگریبان ہے اسے کیا کہئے
خامہ ہے انگشت بد ندان کہ اسے کیا کہئے

۶۱۱: پنڈت شری ور نے ان عبارتوں میں جو سلطان زین العابدین کے جشن آتش بازی کی ایک زندہ کیفیت بیان کی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شری ور خود اس شاہی جلوس میں شامل تھا اور جو دلچسپ اور حیرت افزا بیان ہمارے اس مورخ نے تحریر میں لایا ہے وہ ہمیں کئی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس سماں اور اس کے نظاروں میں شامل کر دیتا ہے۔

۶۱۲: یعنی سلطان زین العابدین، گو شری ور نے اس زندگی نامہ کا نام نہیں رکھا ہے لیکن کنگڈم آف کشمیر کے مؤلف نے اس کا نام جین چرت لکھا ہے اور پنڈت اُتھ سوم کی جگہ ناتھ سوم پنڈت لکھا ہے۔ یہی نام پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے۔ ناموں کی اس تبدیلی کے بارے میں پنڈت شری ور نے جو نام لکھا ہے وہی صحیح ہے۔

۶۱۳: پروفیسر محبّ الحسن نے یودھ بھٹ کی جگہ بودھ بھٹ لکھا ہے جو

شری ور کے اصل نام لکھنے کے مقابلے میں صحیح نہیں معلوم ہتا۔ پروفیسر موصوف نے اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فردوسی کا شاہنامہ اس کو زبانی یاد تھا۔ لیکن پنڈت شری ور نے ایسا نہیں لکھا ہے ورنہ ایک غیر ملکی زبان میں اتنے ضخیم رزمیہ کے زبانی یاد کرنے کے کارنامے کو وہ ضرور لکھتا۔

۶۱۴: **بھٹّ اوتار** : کے بارے میں محمد الدین فوق نے لکھا ہے کہ اسے شاہنامۂ فردوسی از بر تھا۔ نیز لکھا ہے کہ اس کی تصنیف زین پرکاش میں بادشاہ کے فرامین، ارشادات اور بعض احکام سنسکرت زبان میں درج تھے۔ لیکن یہ دونوں باتیں شری ور نے نہیں لکھی ہیں۔ اس نے صرف لکھا ہے کہ بھٹّ اوتار (بقولِ فوق اوتار بھٹّ) نے ''سمندر کی مانند وسیع شاہنامہ کا غور سے مطالعہ کیا تھا اور اس نے بادشاہ کی کتاب ہدایات کے جوابات میں جَین وِلاس لکھی''، بلکہ فوق نے اوتار بٹ سے ایشور شاتک (منظوم) نامی کتاب بھی منسوب کی ہے۔ جس کا ذکر شری ور نے نہیں کیا ہے۔

۶۱۵: **شاهنامه** : مطلب ہے شاہنامۂ فردوسی۔ فردوسی طوسی نے اسے سال ۱۰۷۰-۳۷۱ھ میں لکھا۔ اس کے آخذ شاہنامۂ منثور ابو منصوری (جس کی تدوین طوس کے حاکم ابو منصور محمد بن عبدالرزاق کے حکم سے سال ۳۴۶ھ میں ہوئی اور یہ نثر میں لکھا گیا) اور بعض زبانی روایات اور بعض لکھے ہوئے آثار تھے۔ سال ۳۸۴ھ میں فردوسی نے اس کی تکمیل کی۔ ظاہراً اپنی وفات کے نزدیک سالوں میں بھی وہ اس پر تجدید نظر کرتا رہا اور شاید ابیات کا اضافہ بھی کیا ہوگا۔ شاہنامہ کے ابیات کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچتی ہے لیکن معمول کے نسخوں میں کبھیکم اور غیر اصلی ابیات کو اس میں شامل کئے جانے کے سبب کبھی زیادہ ہوجاتی ہے۔ شاہنامہ کا موضوع ہے قدیم ایران کی تاریخ و حکایات، ایرانی نسل کے تمدّن کی ابتداء سے عربوں کے ہاتھوں ایرانی

حکومت کے زوال تک۔ یہ ساری داستان تین مختلف ادوار پر مشتمل ہے۔۱: خُرافاتی دور: کیومرث کے زمانے سے فریدون کے ظہور تک۔۲: پہلوانی دور۔ کاوہ کی بغاوت سے لے کر رستم کے قتل ہو جانے تک اور۳: تاریخی دور، کیا بادشاہوں کے عہد سے بعد تک (البتہ یہ دور افسانوں اور رزمیہ حکایتوں سے مخلوط ہے)۔ شاہنامہ میں چار سلسلوں کے بارے میں بحث ہوئی ہے۔ (الف) پیشدادی (ب) کیانی، (ج) اشکانی (اختصار کے ساتھ) اور (د) ساسانی۔ اپنے منابع سے روایتوں کو نقل کرنے میں فردوسی نے نہایت امانت داری سے کام لیا ہے اور فطری مناظر، جنگ کے میدانوں اور پہلوانوں کی خصوصیات بیان کرنے میں کمال مہارت دکھائی ہے۔ شاہنامہ کی عشقیہ داستانیں، باوجود اس کے کہ رزمیہ عناصر سے آمیختہ ہیں، بڑی دلکش اور جذّاب ہیں۔ شاہنامہ کے مقدمہ اور داستانوں کے آغاز وانجام میں فردوسی حکمت وموعظت سے کام لیتا ہے۔ مجموعی طور پر فردوسی افکار کو بیان کرنے، معانی کی توصیف، زبان کی سادگی، کلام کی روشنی، صفائی فکر و ذہن اور کلام کے اختصار واستحکام میں فصاحت وبلاغت کی امکانی رفعتوں تک پہنچا ہے۔

۶۱۶: **ھدایات** : انگریزی ترجمہ جوگیش چندر دت میں اس کتاب کا عنوان انگریزی میں Instructions آیا ہے گویا انگریزی مترجم نے اصلی عنوان ہدایات نہیں لکھا بلکہ ہدایات کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ محمد الدین فوق نے تاریخ بڈشاہی میں بادشاہ ایک مصنف کی حیثیت سے نامی عنوان کے تحت لکھا ہے کہ ''شری ور کی راج ترنگنی سے بادشاہ کی دو تصنیفوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک کتاب کا نام ہے سوال و جواب جو آتش بازی بنانے اور شورہ وغیرہ پیدا کرنے کے متعلق ہے۔ شری ور لکھتا ہے کہ بادشاہ نے حبیب میرِ آتش کو فارسی میں آتش بازی کے متعلق جو ہدایات بطور سوال وجواب

لکھوائیں ان کی ایک مختصر سی کتاب بن گئی۔ یہ پہلی کتاب تھی جو بادشاہ کے نام سے لکھی گئی۔ پھر بادشاہ کی تقلید میں کئی اور مصنفوں نے اسی طریق پر اپنی کتابیں تصنیف کیں۔ طبقاتِ اکبری کا مصنف بھی اس آتش باز کا ذکر کرتا ہوا کتاب سوال و جواب کے متعلق لکھتا ہے کہ "متضمنِ فوائد بسیار است۔ سلطان بہ اتفاقِ او تصنیف کردہ" لیکن یہ کتاب آج بالکل نابود و معدوم ہے۔ بادشاہ کی دوسری کتاب (تصنیف) کا نام شکایت ہے (بعض تصانیف میں شکایات آیا ہے۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد)۔ اس کتاب میں اس نے اپنے روحانی صدمات کا ذکر کیا ہے۔ بقولِ شری ور یہ بھی فارسی زبان میں تھی۔ اس میں دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری کا ذکر کیا گیا ہے اور نالائق و ناخلف اولاد کے ہاتھوں تنگ رہنے اور رنج اٹھانے پر لاولد رہنے کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہ کتاب بھی آج عنقا کا حکم رکھتی ہے"۔ شری ور نے سلطان زین العابدین بڈشاہ کے عہد کے اور اُس کے دربار کے اُن صاحبان علم و فضل کا تفصیل کے ساتھ کوئی ذکر نہیں کیا ہے جنہوں نے اپنی تخلیقات سے اس عہد کو ایک علمی و ادبی عہد زرّین قرار دیا تھا خواہ یہ علماء مقامی برہمن و مسلمان ادیب و مورخ تھے یا خواہ غیر مقامی فضلاء تھے۔ عہد بڈشاہی میں جو علوم کی فراوانی تھی اور مختلف فنون کی گہما گہمی تھی شری ور نے اُسے سخت اختصار کے ساتھ سکڑ کو بہت محدود کر دیا ہے اور شاہی دربار سے وابستہ بس چند ہی ہندو علماء و فضلاء کے زود گذر جملوں میں ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اس بارے میں مشہور تاریخ نگار محمد الدین فوق کی تصنیف تاریخ بڈشاہی ایک گراں قدر کوشش ہے جس میں سلطان زین العابدّین؟ کی علمی سرگرمیوں، اُس کے علم و علماء کی سرپرستی، ہندوؤں کے علوم کی اشاعت، علوم و فنون کی کثرت و فراوانی، دار العلوم نوشہرہ اور بعض سنسکرت، فارسی اور کشمیری تصنیفات سے متعلق کار آمد تحقیق بنیاد اطلاعات کا ایک خزانہ

پیش کیا گیا ہے۔

۶۱۷: **بربط** : ایران اور عرب کی گذشتہ تاریخ کے ادوار میں ایک رائج ترین اور اہم ترین ساز کا نام۔ اس ساز کے بنانے میں، اس کی لکڑی کے جنس، اور تاروں کے انتخاب میں بڑی دقت کے ساتھ کام لیا جاتا تھا یہ طنبور کی مانند ہے جس کا برتن بڑا اور دستہ چھوٹا ہوتا ہے اسے عُود بھی کہتے ہیں۔

۶۱۸: **سِتار**: اسے سِتار اور سیتار بھی کہا گیا ہے۔ ایک ساز کا نام ہے جو قدیم زمانے میں تین تاروں کا ہوتا تھا اور اس لیے اسے سہ تار (تین تاروں والا) کہتے تھے۔ طنبور کی قسم کا ایک ساز ہے جس کا برتن تار سے چھوٹا ہوتا ہے اور انگشت شہادت کے ناخن سے بجاتے ہیں پہلے ستار تین تاروں والا ہوتا تھا لیکن اب چار تاروں کا ہوتا ہے۔

۶۱۹: **رَواو** : یعنی رباب۔ تاروں والا موسیقی کا ایک آلہ ہے جسے قدیم وقتوں میں ناخن سے یا مضراب سے بجاتے تھے۔ یہ طنبور مانند تھا اور اس میں دستہ بھی ہوتا تھا۔ کشمیر میں سیتار اور رباب مقبول آلاتِ موسیقی ہیں۔

۶۲۰: سلطان زین العابدین کے موسیقی کا زبردست مربی ہونے اور ایک فیاض وسخی حوصلہ افزا بادشاہ ہونے کی وجہ سے ہندوستان، ایران اور بغداد سے موسیقی کے ارباب کمال کشمیر میں کھچے چلے آتے تھے۔ بادشاہ خود علم موسیقی کا عالم تھا اور کئی سازوں کا موجد بھی۔ صاحب طبقات اکبری نے لکھا ہے کہ ''سلطان زین العابدین ہر قسم کے علوم وفنون کا سرپرست تھا۔ علم موسیقی کا بڑا ماہر تھا۔ اس کی سخاوتوں کے قصے سن سن کر اطراف واکناف سے کئی قسم کے باکمال لوگ کشمیر میں جمع ہو گئے تھے'' صاحب وجیز التواریخ نے بھی لکھا ہے کہ ''سلطان کو ساز وسرور سے بہت رغبت تھی۔ وہ اس فن کو خوب جانتا تھا اور راگ کی ماہیت کو خوب سمجھتا تھا۔ ملا عود اور ملا جمیل کو جو علم موسیقی میں

صاحب تصانیف اور کئی راگ راگنیوں کے بانی تھے اس نے خرا!سان سے بلوایا اور انعامات سے سرفراز کیا''۔ بادشاہ نے خود بھی کئی آلات ایجاد کیے۔ ایک آلہ جس کا ذکر صاحب طبقات نے کیا ہے ایسا تھا کہ ''یک نقش را بہ دو از دہ مقام ادامی نمود''۔ یہ ساز اب عنقا ہے۔ سلطان کے حکم سے رباب، بین اور دیگر آلاتِ سرود مرصع بہ زرّ کیے جاتے تھے۔ ابوالفضل کے بقول ایران اور توران کے گویّے بھی بادشاہ زین العابدین کے دربار میں موجود تھے جنھوں نے موسیقی کے مدرسے قائم کیے اور سلطان ان کا سرپرست تھا۔ یہ مدرسے نوشہرہ کے گرد و نواح میں تھے۔ ایرانی مقامات بھی مقامی گویّوں نے اختیار کر لیے جن میں سا گا راست عراق، نوا، ریحان، شاہ نواز نوروز، نے ریز اور زنگولہ، مشہور تھے۔ ملا عود خراسانی، عود (بربط) بجانے میں بے مثال تھا اسی لیے ملاّ عُود کہلاتا تھا۔ جب عود بجاتا تھا تو سننے والے بے حس ہو جاتے تھے۔ ملاّ جمیل بھی خراسان؟ کا تھا۔ خوش الحان تھا، خوش نوا تھا اور خوش خوان۔ اس کے لحن داؤدی سے بڈشاہ کا دربار جھوم جاتا تھا۔ تاریخ حسن میں آیا ہے ''در بخندانی و خوش خوانی لاثانی بود و خوانندگی ہای خوب در مجلس سلطان می کرد و سلطان را رقتی تمام دست داد و در صلہ آن چندان زرّ بہ ملاّ جمیل می بخشید کہ شرح آن مقدور نیست۔ نقشہای ملاّ جمیل در کشمیر مشہور است''۔ سوم پنڈت جو سلطان کے عالم درباریوں میں سے تھا اور سنسکرت زبان و ادب کے حصے میں دارالترجمہ کا ایک اہم رکن تھا۔ موسیقی میں بھی ماہر تھا۔ طبقات اکبری میں آیا ہے کہ اس نے موسیقی پر **مانک** نام کی کتاب لکھی۔ غرض بڈشاہ نے موسیقی کی شاہانہ حوصلہ افزائی کر کے کشمیر میں اس فن لطیف کو جاندار اور زرخیز بنا دیا۔

۶۲۱: یعنی سنسکرت زبان میں ترِلوک۔ آسمان، فضا اور زمین کے تین عالم۔ یا آسمانی دنیا، زمینی دنیا اور نچلی دنیا۔ (ہندو، اِندر نامی دیوتا کو ترِلوک

ناتھ بھی کہتے ہیں یعنی تین دنیاؤں کا مالک)۔

۶۲۲: یعنی بچپن، شباب اور پختہ پن۔ ہندو دیوتا، ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق بوڑھاپے سے مستثنیٰ ہیں۔

۶۲۳: **اُمرت**: ہندو دیوتاؤں کی شراب، یا وہ چیز جو ہندوؤں کے دیوتا پیتے ہیں۔خوش ذائقہ پینے کی چیز۔وہ شراب (پینے کی چیز) جو ہمیشہ کی زندگی بخشنے اور اسے فارسی ترکیب واصطلاح میں آبِ حیات کہہ سکتے ہیں۔

۶۲۴: **گھوس**: موجودہ گھوش گاؤں جو کپوارہ تحصیل میں کامراج کے انتہائی شمال مغرب میں واقع ہے۔

۶۲۵: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں پہلے کشمیر کی گل بہار و گل پوش شرزمین کے خوش سلیقہ لوگ پھولوں کا جشن منایا کرتے تھے جواب ہماری عظیم تاریخ کے عظیم یادگاروں اور روایات کی طرح مٹ چکا ہے افسوس! صد افسوس!

۶۲۶: مقامی تاریخوں میں اُن نہروں کے نام، جنہیں سلطان زین العابدین نے جاری کیا ان میں سے چند ایک یوں ہیں: (۱) لچھمہ کول سے سندھ کا پانی دارالخلافہ نوشہرہ تک لایا گیا جہاں سے یہ نہر جامع مسجد سرینگر کے درمیان میں سے گذر کر نالۂ مار کے ساتھ مل جاتی تھی۔ لچھمہ کول کو زین گنگا بھی کہا جاتا تھا۔

(۲) کاکہ پور کی نہر، کاکہ پور گاؤں کے تمام اطراف کو سیراب کرتی تھی۔(۳) کرلا نہر، شوپیان اور رامُو کے درمیان کی زمینوں کو سیراب کرتی تھی۔اسی نہر کے کنارے پر سلطان زین العابدین نے زین پورہ بنایا۔(۴) چکدر نہر، کونَند مرَغ سے پیر پنچال کے حصے میں لایا گیا اور اس سے چکدر کی سطح مرتفع کی آبپاشی ہوتی تھی۔(۵) اونتی پورہ نہر، جو اونتی پور کے ارد گرد کے

اراضی کو پانی پہنچاتی تھی۔ اس نہر کا ایک حصہ اب بھی مدپور اور راج پور کے دیہات کے پاس موجود ہے۔

(٦) صفاپور نہر، جو شاہ کول بھی کہلاتی ہے۔ اس کے پانی کا منبع سندھ دریا تھا اور یہاں سے یہ نہر لار کو سیراب کرتی ہوئی مانس بل جھیل کے اردگرد کے سطح مرتفع کو سیراب کرتی تھی۔

(٧) لال کول جو پُہرُو نہر بھی کہلاتی ہے۔ اس میں پُہرُو کے دریا سے پانی لایا گیا۔ جس پر ایک باندھ کے ذریعے سے اس نہر کی طرف پانی آتا تھا۔ یہ نہر زین گیر کے علاقے کو سیراب کرتی تھی جسے سلطان نے بسایا تھا۔

(٨) مارتنڈ کول، جو شاہ کول بھی کہلاتی تھی۔ اس کا منبع لیدر دریا تھا اور مٹن کے سطح مرتفع کو سیراب کرتی تھی سلطان زین العابدین نے اس نہر کے پانی سے گنے کی کاشت کا تجربہ کیا تھا جو آب و ہوا کی ناسازگاری کی وجہ سے ناکام رہا۔

(٩) نالۂ مار۔ اس نہر کو بنائے جانے سے پہلے جھیل ڈل کا فالتو پانی دریائے جہلم میں حبہ کدل کے پاس آکر مل جاتا تھا۔ سلطان نے اس سنگم کو بند کروا کر جھیل ڈل کے فالتو پانی کو اسی نالۂ مار سے گذار دیا جو شادی پور تک چلا جاتا تھا اور وہاں پر دریائے جہلم اور دریائے سندھ کے سنگم کے ساتھ مل جاتا تھا۔ نالۂ مار کے اوپر سات خوبصورت چھوٹے چھوٹے پُل بھی تعمیر کئے گئے جو کشمیر کی فن معماری کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ نالۂ مار شہر کے اندرون میں کشتیوں کے نقل و حمل کا ایک آسان اور دلکش ذریعہ تھا جس سے شہر کے اندرونی حصوں میں رہنے والے اہلِ کشمیر کی خانگی ضروریات پوری ہو جاتی تھیں۔ اس پورے نالۂ مار کو خروار ہا مٹی کے وزن کے نیچے دبا کر ایک سڑک کے ذریعے چھپا دیا گیا ہے۔ نالۂ مار کی سسکتی آہوں سے مجھے یقین ہے ایک دن ضرور ایسا لوٹ

آئے گا جب کہ یہ "غیر ضروری سڑک" پھٹ جائے گی اور شہر کا اندرونی حسن پھر سے اس کے قدیم نظاروں میں لوٹ کر اہلِ کشمیر کے حق میں راحت و آسائش کا سامان مہیا کرے گا۔ شری ورنالہ مارکومہاسرت ندی کہتا ہے۔

۶۲۷: اِندردیوتا کا شہر۔ غیر فانیوں کی رہائش گاہ۔

۶۲۸: منشی محمد الدین فوق نے تاریخ بڈشاہی میں بڈشاہی تعمیرات کی جو مختصر سی فہرست تحریر کی ہے وہ یوں ہے: زین لنک، زین کدل، زین تراگ، زین بازار، زین ستھو، زین ڈب، زین گیر، زین مرغ، زین گوٹ، زین نگر (دارالخلافہ نوشہرہ)، زین پٹن (برلب وُلر)، زین کنڈل (کامراج میں)، زین تِلک (زین تھک، جو مانس بل کی طرف میں ہے)، زین پور (پرگنہ آڈون) باغ بڈشاہی (اونتی پورہ)، سونہ لانک (جھیل ڈل میں) سوپور پُل، سلطان پور (کامراج)، جامع مسجد شوپیان، جامع مسجد بارہ مولہ، مسجد گاڑیار (زین کدل)، مزار سلاطین، مسجد جامع نوشہر، خانقاہ سید مدنی، خانقاہ چرارِ شریف، خانقاہِ سید ہلال (موضع اشم)، خانقاہِ سید برخوردار (سرینگر)، مندر زِشٹیشور (تختِ سلیمان پہاڑی)، ہلال پور (متصل زین تِلک) بڈگوٹ، بڈسر، بڈ مقام، سندرکوٹ، روپہ لانک، زین ڈب (راجدھانی یا رازِ دائنی)۔

۶۲۹: یہ ساری جگہیں موجودہ سَدرِ گوٹ (حضرت بل کے پاس) سے جھیل ڈل کے کناروں تک تعمیر کی گئی تھیں اور ہر بستی زین کے نام سے شروع ہوتی تھی۔

۶۳۰: **ترِپُریشور**: موجودہ اشبر گاؤں کا مندر جسے اونتی ورمن راجہ (۸۵۵ء۔۸۸۳ء) نے بنایا تھا۔ حاشیہ ۶۴۲ دیکھیں۔

۶۳۱: **گنیش** شِو اور پاروتی کے بیٹے کا نام جو ہندوؤں کے عقیدے میں دانائی کا دیوتا اور رکاوٹوں کو دور کرنے والا ہے اس لیے اسے وہ

ہر کام کی ابتداء کرتے وقت یاد کرتے ہیں اور کوئی ادبی کام کرنے کے آغاز میں بھی اسی کا نام لیتے ہیں۔ اکثر ہندو کتابیں جو ادبیات سے مربوط ہیں ''شری گنشیا یہ نامہ'' کے جملے سے شروع ہوتی ہیں۔ گنیش دیوتا کی پہچان یہ ہے کہ ناک کی جگہ پر ہاتھی کی سونڈ لٹکتی ہے۔

۶۳۲: **وَراھکَ شیتر**: ؟

۶۳۳: **اَنُنتَ** : ہندو عقیدہ کے مطابق ایک سانپ کا نام جو زمین کو سہارا دیتا ہے یعنی جو ساری زمین کا بوجھ اپنے سر پر لیے ہوئے ہے۔ وِشنُو دیوتا کا لقب۔ چودہ گانٹھوں کا دھاگا جسے اننت چودس کے تہوار کے دن ہندو اپنے دائیں بازو پر باندھتے ہیں۔ یہ تہوار جو سنسکرت زبان میں اننت چتُر دسی کہلاتا ہے، اننت یعنی وشنُو دیوتا کے لیے چودھویں چاندرات کو منایا جاتا ہے ۔اننت یعنی بے پایاں۔ بے حد۔ دوامی۔

۶۳۴: مطلب ہے شادی پور۔

۶۳۵: **شِری شنکر پورہ**: مُراد ہے موجودہ پٹن جو بارہ مولہ جانے والی سڑک پر مشہور گاؤں ہے۔ اسے کشمیر کے راجا شنکر ورمن (۸۸۳ء-۹۰۲ء) نے اپنے دارالخلافہ کے طور پر بسایا۔ یہ گاؤں سرینگر سے ۲۳ رکلومیٹر کی دوری پر واقع ہے اور راجا شنکر ورمن مذکور نے اسے بنانے میں راجہ للتادتیہ (۲۰ ۷ء-۷۶۰ء) کے بنائے ہوئے شہر پر ہاسپور کا مصالہ استعمال کیا جو یہاں سے صرف سات میل دور تھا۔ پٹن کے اس مقام پر دو مندروں کے پرانے نشانات ابھی بھی باقی ہیں۔ ان میں سے ایک مندر راجہ موصوف نے شو دیوتا کی یاد میں تعمیر کیا اور شنکر گوریش کے نام سے مشہور تھا اور دوسرا اُس کی بیوی رانی سُوگندھا نے بنایا جو سُوگندھیش کہلاتا تھا۔ بعد کی صدیوں میں یہ مقام اونی کپڑوں اور مال مویشیوں کی خرید وفروخت میں بڑا مشہور تھا۔

۶۳۶: اَشُرما:؟

۶۳۷: وِجَییشور: موجودہ بجبہاڑہ گاؤں جسے کشمیری زبان میں ویجہ بیور کہتے ہیں جو وجیشور کی تخفیف (یا بگڑی ہوئی صورت) ہے (شِو کا مندر)۔ کہا گیا ہے اس گاؤں کو راجا وِجے (۶۹ ءعہ۔۶۱ ء) نے بسایا۔ راجہ اشوک کے ساتھ اس جگہ کے رابطہ ہونے کی راہ سے اس کی قدامت یقینی ہو جاتی ہے۔ اشوک کے بارے میں کہا گیا ہے کہ پہلے وہ شِو مسلک کا تھا اور اس نے یہاں پر اَشوکیشور نام کے دو بُت خانے بنوائے جن کے گرد پتھروں کی ایک محکم فصیل بھی تعمیر کی اور بُھوتیشور دیوتا کو خوش کرنے کی خاطر ان مندروں میں فاقہ بھی کیا۔ یہ دونوں مندر دریائے جہلم کے کنارے پر سوم یا سوم تھونگ نامی جگہ پر بنائے گئے تھے۔ روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ مندر کے گنبد سے ایک گائے کی مورت آویزاں تھی۔ راجہ مہر گُل (جو گپت خاندان کے زوال کے بعد بیشتر شمالی ہندوستان کے علاقوں کا ایک قوی ہُن قوم کا راجہ تھا اور جس کے کشمیر پر قابض ہونے کی شہادت مشہور چینی سیاح ہیون سانگ نے بھی دی ہے۔ اس راجہ کی حکومت کا دارالخلافہ سَکالَ (سیالکوٹ) تھا اور اس نے گندھارا سے ایک ہزار برہمنوں کو لا کر یہاں بسایا۔ گیارھویں صدی عیسوی میں یہاں پر راجہ سُسَّل (۲۰ ۱۱۱۱ء اور ۲۸ ۱۱۲۱ء) نے کئی لڑائیاں لڑیں جس کے نتیجے میں یہ قصبہ مع وجیشور مندر کے تباہ ہو گیا۔ سال ۱۸۶۱ء میں راجہ رنبیر سنگھ نے اس مندر کے ملبے سے موجودہ پُل کے پاس ایک نیا مندر بنایا۔ سال ۱۶۳۱ء میں (۱۰۴۱ھ) میں شہزادہ دارا شکوہ نے یہاں سے گزرنے والے دریائے جہلم پر ایک پل تعمیر کیا جو اب کھنڈر بن چکا ہے۔ یہاں کا بادشاہی باغ بھی اسی کا بنایا ہوا ہے جو اس نے ''شاہجہان بادشاہ غازی کے عہد میں ۲۲ ر رمضان سال ۱۰۶۰ھ میں داروغہ محمد زاہد ابوالحسن سمرقندی کی نظارت میں تعمیر کیا''۔

بچھباڑہ میں مشہور ولی اللہ حضرت ابوالفقراء بابا نصیب الدین غازیؒ کا روضہ شریف بھی واقع ہے جو حضرت بابا داؤد خاکیؒ کے مُرید تھے۔ حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کا تولد ۹۹۷ھ میں اور وصال ۱۰۴۷ھ ہوا تھا۔ آپ نے حضرت نورالدین شیخ العالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات زندگی پر نور نامہ نامی کتاب فارسی میں تحریر کی ہے۔ آپ بچھباڑہ میں ہی مدفون ہیں۔ حاشیہ ۴۷ بھی دیکھیں۔

۶۳۸: **جاھنومُنی**: گنگا کو جاہنومُنی کی بیٹی کہتے ہیں۔

۶۳۸، الف: **سمیہ**: یعنی ٹھیک اور صحیح وقت پر۔

۶۳۹: حاشیہ ۶۲۶ دیکھیں۔

۶۴۰: حاشیہ ۶۲۸ دیکھیں۔

۶۴۱: اشبر گاؤں میں جھیل ڈل کے کنارے پر واقع سریشوری مندر کی مناسبت سے جھیل ڈل کو سریشوری جھیل کہا ہے۔ شٹاین نے لکھا ہے کہ ڈل کی لمبائی ۴ رمیل کے قریب اور وسیع رین مقام پر اس کی چوڑائی ۲۱/۲ رمیل کے قریب ہے۔ اس کی گہرائی کہیں بھی ۳۰ رفٹ سے زیادہ نہیں اور بہت سی جگہوں میں تو اس سے نہایت کم ہے۔ اس کے جنوبی سرے پر جابہ جا جزیرہ نماؤں کے اندر چھوٹی چھوٹی جھیلیں بن گئی ہیں اور اس کے بہت بڑے حصے پر تیرنے والے باغ ہیں جو بڑے مشہور ہیں۔ ہر چند کہ اس میں جابہ جا آبی پودے اور نباتات بکثرت ہیں تاہم اس کا پانی قابلِ تعریف طریقہ پر شفاف اور تازہ ہے جس کا باعث بلاشبہ وہ چشمے ہیں جو جابہ جا اس جھیل کے اندر سے پھوٹے ہیں۔ ہر چند کہ راج ترنگنی میں براہ راست اس جھیل کا کہیں ذکر نہیں آیا اور نہ اسے کسی قسم کی تقدیس کا درجہ حاصل ہے تاہم اس کے گرد کناروں پر کہیں کہیں جا قدیم اور مقدس مقامات موجود ہیں..... ڈل کے مشرقی سواحل

پر گوپادری، جیشٹھیشور، ٹھیڈا، سریشوری وغیرہ کے مندر اور ان کے چشمے واقع ہیں۔ یہیں پر جو مشہور و معروف شالار باغ، نشاط باغ اور نسیم باغ واقع ہیں وہ شاہانِ مغلیہ کے وقت کے بنے ہوئے ہیں جنہوں نے اس جھیل کی قدرتی خوبصورتی کو دوبالا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔ اس جھیل کو چشموں کے علاوہ ایک ندی سے بھی پانی حاصل ہوتا ہے جو جھیل مارسر کی طرف سے جو کہ مشرقی پہاڑوں میں واقع ہے آتی ہے۔

تاریخ حسن (ج ۲ رص ۱۵۵۔ ۵۷) میں آیا ہے کہ شہر کے متصل مشرق کی طرف جھیل ڈل واقع ہے جس کی لمبائی گگری بل سے تیل بل تک اندازاً تین میل اور اس کی چوڑائی خواجہ یار بل سے نشاط باغ تک قریب دو میل ہے اور اس کا محیط اندازاً دس میل ہوگا [ذیلی یادداشت = لیکن مسٹر ڈریو (.Mr DREW) نے اس کی لمبائی پانچ میل اور چوڑائی دو میل لکھی ہے۔ ص ۱۴۱]۔ مورخوں کے بقول قدیم زمانے میں یہ وتالنی مرغ نامی ایک صحرا تھا۔ راجہ پرورسین نے ناوہ پورہ سے دریائے بہت کو مسدود کر کے اسے کوہ ماران کے دامن کے نیچے سے جاری کیا۔ اس کے بعد راجہ دُرلب وردن کے زمانے میں (۶۲۵ء ۔ ۶۶۱ء) دریائے بہت میں طوفان آ گیا جو مذکورہ میدان میں طغیانی لایا اور وہاں پر ایک جھیل بن گئی۔ وقت کے حکّام نے اس کو مسدود نہیں کیا۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں گہرائی پیدا ہوتی رہی۔ سلطان سکندر بُت شکن (۷۹۸ء ۔ ۸۲۰ء) نے نایدیار سے نشاط باغ تک اہل ہنود کے کتاب خانوں کا جو انبار جمع کر رکھا تھا اسے پانی کی گہرائیوں میں ڈال کر ایک مضبوط بندھ بنوایا اور اس پر چھ سنگین پُل تعمیر کئے۔ اسکے بعد سیف خان نے خواجہ یار بل سے عیش آباد تک باغوں میں آمد و رفت کے لیے ایک بندھ بنایا جس کے سبب مذکورہ جھیل کے تین حصے ہو جاتے ہیں۔ اول بڑا ڈل جو حضرت

بل کے سامنے ہے۔ دوسرا چھوٹا ڈل جو کوہ سلیمان سے نشاط باغ تک ہے۔
تیسرا اسُد رکھونٹ جو کوہ ماران کے سامنے بہت گہرا ہے اور ان حصوں کے
درمیان نندہ پورہ کے کثیر آبادی والے جزیرے موجود ہیں جن میں سے بعض
جزیرے زمین کے ساتھ ہموار کردئے گئے ہیں۔ بعض تو پانی کی سطح کے برابر
کردئے ہیں اور انہیں جہاں کہیں بھی چاہیں لے جاسکتے ہیں۔ ان مذکورہ
جزیروں میں پالیزے اور سبزیوں کی اقسام جو شہر کے لوگوں کے لیے کافی
ہیں، کی کاشت کی جاتی ہے۔ نیلوفر کی جڑ اور اس کے بیجوں کی پیداوار کے علاوہ
جھیل کے کناروں پر گھاس اور چٹائیوں کی گھاس اُگتی ہے جو حیوانوں کو کھلا
نے اور چٹائیاں بُننے کے کام آتی ہے۔ جھیل کا پانی لطیف اور خوشگوار ہے۔
وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ گندہ نہیں ہوتا۔ پانی کی صفائی سے اسکی گہرائیوں
تک کی مچھلیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اس کے وسط میں چار جگہوں پر چار چشمے
اُبلتے ہیں جنہیں ملاّح لوگ دیکھ لیتے ہیں۔ بڑے ڈل میں حضرت بل کے
سامنے سونہ لنک کا جزیرہ ہے جسے سلطان زین العابدین نے بنایا اور اس پر
تین طبقے والا قصر تعمیر کردیا جو بھونچال کے ایک حادثے سے ٹوٹ گیا۔ پھر مغل
بادشاہوں نے اس پر منظر بنایا۔ امیر خان (ذیلی یادداشت = مطلب ہے امیر
خان جوان شیر جو احمد شاہ اور اس کے بیٹے تیمور شاہ افغانی کے عہد میں ۱۷۷۱ء
سے ۱۷۷۲ء تک کشمیر کا حاکم تھا) نے اس کی ترمیم کی اور رہٹ سے چناروں
تک پانی لے آیا، وہ عمارت کے صحن میں روح افزا فوارے جاری کرکے ان کو
دیکھنے میں وقت صرف کرتا تھا۔ اس وقت عمارت ویران ہے۔ چھوٹے ڈل
کے بیچ میں روپہ لنک ہے جسے سلطان حسن شاہ (۸۸۰ھ مطابق
۸۹۳ھ = ۱۴۷۵ء۔ ۱۴۸۷ء) نے بنایا (تاریخ بڈشاہی میں اس لنک کی تعمیر
بھی محمد الدین فوق نے سلطان زین العابدین سے ہی منسوب کی ہے۔ دیکھیے

حاشیہ ۶۲۸) ۔ یہ عمارت سکول کے عہد میں ویران ہوئی۔ قدیم زمانے میں جھیل کا پانی حبہ کدل کے پاس دریائے بہت کے ساتھ مل جاتا تھا۔ بڈشاہ نے اس جگہ کو مسدود کر دیا اور شہر کے بیچ میں سے نالہ مار کھدوا کر جھیل ڈل کے پانی کو پرگنہ اچھن کے کھیتوں میں جاری کر دیا جو ابھی بھی گرما کے موسم میں نالہ مار کی راہ سے جاری ہے اور سرما کے موسم میں چونٹی کول کی راہ سے بہت میں جا ملتا ہے۔

۶۴۲: **ترِ پریشور**: سٹاین کے بقول جو ندی جھیل مارسر سے نکل کر آتی ہے اس کی وادی میں آگے بڑھتے ہوئے ہم ڈل سے کوئی ۳ میل کے فاصلے پر موضع ترپھر میں پہنچتے ہیں اسی کا قدیم نام ترِیشور ہوا کرتا تھا۔ نہ صرف کلہن نے اسے ایک قابل ذکر مقدس مقام بیان کیا ہے بلکہ نیل مت پوران اور بعض قدیم مہاتموں میں بھی اس کے متعلق ذکر آیا ہے لیکن اب ایک مدت سے وہ جداگانہ تیرتھ نہیں رہا۔ ترپھر کے قریب ایک چھوٹی سی ندی ترپور گنگا کے نام سے بہتی ہے جہاں مہادیو یاترا کے موقعہ پر اب بھی لوگ جاتے ہیں۔ کشمیندر نے اپنی کتاب دَش اوتار چرت کے آخر میں جو عبارت ختم کی ہے اس میں ترپریش سے اوپر کی طرف والی پہاڑی کے بارہ میں لکھا ہے کہ میں اس جگہ آرام اور اپنی کتاب تیار کیا کرتا تھا۔ شری ور نے لکھا ہے کہ سلطان زین العابدین کے عہد میں اکثر گداگر ترپریشور کے تیرتھ پر جمع ہوا کرتے تھے۔ ترپریشور میں جیشٹیشور کا مندر بھی واقع تھا۔

۶۴۳: یہ ندی تِلپ پرستھ نام کی ندی ترپریشور سے بہہ کر جھیل ڈل میں ملتی ہے جو کشمیری نام آرہ (یعنی نالہ) کے نام سے تھوڑا فاصلہ طے کر کے اور شالی مار سے جدا کر کے مغرب کی طرف بہہ کر نالہ تیل بل کے نام سے جھیل ڈل میں ملتا ہے۔

۶۴۴: مراد ہے لنک (جزیرہ) جسے سلطان زین العابدین نے بنایا۔

۶۴۵: مراد ہے دوسری لنک یعنی روپہ لنک۔

۶۴۶: **وارانسی**: یعنی بنارس۔ ہندو اس شہر کو مقدس مانتے ہیں۔

۶۴۷: **وِھار**: جین۔ یا بودھ مندر یا خانقاہ یا عیسائی خانقاہ۔ سالکین کے رہنے کے لیے جگہ۔ تفریح کے لیے سیر سپاٹا۔ چلنا۔ کھیل تفریح۔ صوبہ بہار کو بھی وِہار کہتے تھے۔

۶۴۸: **صَومعَہ** : مجازاً مسجد۔ ہر عبادت گاہ۔ گرجا۔ عیسائیوں کا عبادتخانہ۔ شری ور نے یہاں چھوٹی چھوٹی عبادت گاہوں کے معنی میں استعمال کیا ہے جنہیں برہمن عام ہندوؤں کی ضروریات اور دعا منتر کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔

۶۴۹: **سِدھ** : کامل طور پر علم یا جادوئی فنون میں مہارت حامل۔ غیر فطری قوّتوں کا حامل۔ ریاضتوں کی راہ سے کمال پانے والا۔ ایک نیم مقدس دیوتا مانند آدمی جو بہت ہی صفا کا حامل ہو اور اس میں آٹھ سِدھیاں یا غیر فطری یعنی مافوق الفطرت خاصیتیں ہوں (سِدھ لوگ، وِدیادھروں اور مُنیوں کے ساتھ بھُوَدرگ یا زمین اور سورج کے درمیانی منطقہ میں رہائش پذیر ہیں ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق)۔ ایک صاحب نظر آدمی۔ ایک مقدس شخصیت۔ ایک عظیم درویش۔ اپنے ارادہ کو آٹھ سِدھیوں کے ماتحت کرنے والا۔ ایک درویش جس نے پُر اسرار یا شدید عملیات سے پانچ یا پانچ میں سے ایک مقصد کو پالیا ہو یعنی ۱۔ دیوتس کا اثر و رسوخ یا اُن کی دولت [لیکن دولت پا کر اور وہ بھی دیوتاؤں جیسی، ایک درویش ہندو سِدھ، درویش کیسے کہلایا جائے گا؟ یہ میرے لیے ناقابلِ فہم ہے ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد] ۔۲۔ دیوتاؤں کی سی ہیئت ۔۳۔ دیوتاؤں کی صحبت ۔۴۔ دیوتا سے مشابہت ۔۵۔

مقدس لوک میں رہائش، پُراسرار یا جادوئی فنون میں سخت ماہر۔ایک جادوگر۔ وہ جس نے چند خاص منتروں کی راہ سے یا رسوم کے ذریعے سے کچھ مافوق الانسانی قوّتیں حاصل کیں ہوں۔

۶۵۰: شری ور نے جھیل ڈل کے کنارے پر سلطان زین العابدین کے ایک اور شاہی قصر کا ذکر کیا ہے۔ مستقل شاہی محل دار الخلافہ نوشہرہ سرینگر میں راجدھانی کے نام سے بنایا تھا۔

۶۵۱: تیرتے ہوئے ان جزیروں کی یا نفع بخش سبزی پیدا کرنے والے ان سیّار کھیتوں کی یہ بڈشاہی روایت آج بھی قائم ہے۔

۶۵۲: یعنی یوگیوں کی طرح بل کھاتے ہوئے جھیل ڈل میں منعکس ہوتا تھا۔

۶۵۳: **ملکہ شِری**: سلطان زین العابدین کی تین بیویاں تھیں۔ اولین تاج خاتون تھی جو سید محمد بیہقیؔ کی صاجزادی تھی اس سے سلطان دو لڑکیوں کا باپ بن گیا جن میں سے ایک کی شادی اپنے بھانجے سید حسن بیہقی سے کردی اور دوسری کی پکھلی ؟ کے فرمانروا سے کی۔سلطان موصوف کی دو اور بیویاں جموں کے راجا کی بیٹیاں تھیں۔ان ہی میں سے ایک بیوی شِری دیوی تھی جس کی طرف شری ور نے اشارہ کیا ہے۔جموں کے راجا کی دوسری بیٹی کے ساتھ سلطان نے اس راجا کی پہلی بیٹی کے فوت ہوجانے کے بعد شادی کی تھی کیونکہ مسلمان بیک وقت اُن دو عورتوں کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا جو آپس میں بہنیں ہوں۔

۶۵۴: **ماری**: یعنی نالۂ مار — اس کا اتصال موجودہ بسنت باغ کے پاس ہوتا تھا اس سنگھم کا نام مقامی ہندو مورخوں نے مہاسرور وتشتہ سنگھمہ لکھا ہے جسے شری ور کے زمانے میں لوگ بقول شری ور، ماری سنگھم کہتے تھے۔سری نگر میں یہ نالۂ مار خالص سلطان زین العابدین کی دَین ہے اور قدیم

زمانے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مسلمان مورخین نے اس کی تائید کی ہے۔ شیخ عبدالوہاب نوریؒ نے اپنی تصنیف فتحاتِ کبرؔویہ میں یہ اطلاع بہم پہنچائی ہے کہ سابقہ زمانے میں جھیل ڈلؔ کا پانی برارِ نمبلؔ کی راہ سے محلّہ علاء الدین پورہ سے ہوکر گذرتا تھا۔ بادشاہ نے غور کرنے کے بعد اس کے پانی سے فائدہ اٹھانے کی دو تجویزیں سوچیں۔ ایک یہ کہ اس سے پرگنہ اچھنؔ (سرینگر کے مغربی حصے میں قریب تین میل کے فاصلے پر واقع ہے اور عیدگاہ تک پھیلا ہوا ہے) کو سرسبز و آباد کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ عیدگاہ تک یہ پانی کسی نہ کسی طرح پہنچا دیا جائے تاکہ وضو کے لیے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ بادشاہ کو ان کی عملی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ آخر اس نے ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک سانپ ظاہر ہوا جو دوڑتا چلا جا رہا ہے۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور وہ بھاگا جا رہا ہے اور کسی کے قابو میں نہیں آرہا یہاں تک کہ وہ عیدگاہ میں جا پہنچا جہاں پر وہ غائب ہوا۔ بادشاہ کو صفائی باطن حاصل تھا اس نے اسے پانی کے نالہ کی راہ سمجھا چنانچہ سانپ کی لکیر پر ہی سلطانؔ نے کھدائی شروع کروائی۔ سانپ یعنی مار کے نام پر ہی اس نالہ کا نام نالۂ مارؔ رکھا گیا۔ قدیم نام مہاسرت ندی سے اس نالہ کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ نام اس نالہ سے متعلق ہے جو مارسرؔ کی پہاڑی جھیل سے خارج ہوتا ہے اور آکر جھیل ڈل میں مل جاتا ہے۔ چونکہ نالۂ مار کا پانی جھیل ڈلؔ کے پانی سے لیا گیا ہے اس لیے اس نالہ کو مارسر کی ندی سے ملا کر مہاسرت ندی کہا گیا ہے جو صحیح نہیں۔ مہاسرت ندی یا نالہ، ڈل میں ضم ہوکر اپنی انفرادیت کھو دیتا ہے اور ڈل کا پانی خارج ہو جانے کے بعد نالۂ مارؔ کے بڈشاہی نام سے جاری ہو جاتا ہے۔ نالۂ مار کے لیے جھیل ڈلؔ کا پانی مغرب کی جانب سے نکل کر دو حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ ایک حصہ موجودہ ژونٹھی کولؔ کے نام سے بہتے ہوئے مائسمہؔ کے قریب ڈبجی گھاٹ پر دریائے

جہلم میں مل جاتا ہے اور دوسرا حصہ ناوپور پُل کے نیچے سے نکل کر خواجہ یار بل کے پاس برارِ نمبل میں داخل ہو جاتا ہے۔ برارِ نمبل کا پانی چودھویں صدی عیسوی تک بڈی یار، گانکھن اور ڈلحسن یار نامی تین جگہوں پر دریائے جہلم کے ساتھ مل جاتا تھا۔ سلطان زین العابدین کے عہد میں یہ تینوں دہانے بند کردئے گئے اور بابا ڈیمب سے آنچار تک ایک نئی شاخ کھودی گئی۔ بڈشاہ زین العابدین بادشاہ کے بعد اس نالہ سے کئی سلاطین نے الگ شاخیں نکالی ہیں جن میں خانیار کول، دولت کول، کاوڈارہ کول اور تاربل کول قابلِ ذکر ہیں اور یہی حصہ آج کل نالۂ مار کہلاتا ہے۔ قریب ۵۷ میل لمبی یہ ندی یا نالہ مع اسکی شاخوں کے دو بڑی جھیلوں اور پانچ دلدل نما آبی ذخائر (نمبلوں) میں سے گذرتا تھا۔ آنچار جھیل میں سے گذر کر نالۂ مار کی اکثر شاخیں اچھن اور شال بوگ کے دلدل نما پانی کے آبی ذخیروں (نمبلوں) میں سے چلتے ہوئے شادی پور میں دریا کے ساتھ مل جاتی ہیں۔ نالۂ مار کے کنارے چند محلے آباد ہیں جن میں جوگی لنگر، رینہ واری، بیشا صاحب، شہلی ٹینگ، باغ دلاور خان، صراف کدل، کاوڈارہ، بلبل لنگر، چھتہ بل وغیرہ مشہور محلے ہیں اور اس کے اوپر رفت و آمد کو آسان بنانے کی خاطر کئی پل تعمیر کئے گئے ہیں جن میں گاؤکدل، بربرشاہ، رام منشی باغ، سعد کدل، بہوری کدل، صراف کدل، راجوری کدل، قاضی کدل اور کاوڈارہ کدل کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان پلوں میں سے اکثر پُل سلطان زین العابدین کے بنائے ہوئے ہیں۔ افسوس یہ نالۂ مار اب ایک داستانِ پارینہ بن گیا ہے اور شہر سرینگر کیا اس قابلِ افتخار زینت کو، جو لوگوں کے ایک خاص طبقہ کے حق میں راہِ معاش تھا۔ سال ۱۹۷۰ء (۱۳۹۰ھ) میں مٹی اور پتھروں سے بھر کر ایک سڑک کی صورت میں بدل دیا گیا ہے۔ حسنِ کشمیر کو خود اپنی خود غرض حکومتوں نے وقتاً فوقتاً لوٹا بیگانوں کا کیا گلہ۔

۶۵۵: یہ شمشان ڈوگرہ راج میں بڑا شمشان تھا۔

۶۵۶: یعنی چنگی کا عامل (افسر)

۶۵۷: یعنی کارندوں کو۔

۶۵۸: بقول شری ورمردوں کو جلانے کا ٹیکس گویا سلطان زین العابدین نے اسی کی درخواست پر معاف کردیا۔ ہندوؤں کی نسبت مسلمان سلاطین کا رویّہ ویسا ہی مشفقانہ تھا جیسا کہ مسلمانوں کی نسبت تھا۔ یہ مثال اس کی عینی شاہد ہے لیکن اس کے باوجود بھی شری ور کشمیری برہمن عالم، مسلمانوں کو ملیچھ کہتا ہے ع

سیاہی از حبشی کی رود کہ خود رنگ است

۶۵۹: شمشان کا چھپر بنانے اور مُردوں کو جلانے والوں نے

۶۶۰: یہاں پر انگریزی مترجم جوگیش چندر دتّ نے لکھا ہے کہ "یہاں پر معلوم ہوتا ہے متن میں ایک سطر کی کمی ہے"۔

۶۶۱: یعنی سلطان سکندر شمیری (۱۳۸۹ء - ۱۴۱۳ء = ۷۹۲ھ - ۸۱۶ھ)۔

۶۶۲: شری ور کشمیری برہمن سنسکرت عالم نے یہ لفظ غیر کشمیری مسلمانوں کے لیے استعمال کیا ہے۔

۶۶۳: کشمیری برہمن سنسکرت عالم شری ور نے اپنے ہموطن کشمیری مسلمانوں کو حقارت سے یاد کرتے ہوئے انہیں اس اپنی تصنیف میں ملیچھ اور موسلا کہہ کر پکارا ہے اور کہیں بھی اُن کو مسلمان کے نام سے مخاطب نہیں کیا ہے اس میں اس نے سلاطین میں بھی تفریق نہیں کی ہے کیونکہ وہ سب مسلمان تھے اور "ملیچھ" اور "موسلوں" میں ان کو بھی شامل کیا ہے لیکن اپنی ملازمت اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کو، بادشاہ کے حضور میں ستار بجانے، گانا سنانے، قصے کہانیاں

بیان کرنے اور قصیدہ خوانی کی راہ سے برقرار رکھتے ہوئے اسے کبھی مہادیو اور کبھی وشنو کا اوتار کہا ہے۔

ناطقہ سر بگر بیان ہے کہ اسے کیا کہئے
خامہ ہے انگشت بدندان کہ اسے کیا لکھئے

۶۶۴: شری ور برہمن نژاد کشمیری پنڈت کی مسلمان دشمنی اور اُن کی نسبت کذب بیانی ملاحظ ہو کہ ابھی کہتا ہے " بادشاہ شِکندر (یعنی سلطان سکندر) نے یاونوں (یعنی غیر کشمیری اہل اسلام) سے متاثر ہو کر علم سے متعلق تمام کتابوں کو نذر آتش کر دیا تھا جس طرح سے آگ گھاس کو جلا دیتی ہے " (اس جملے میں " تمام کتابوں کو " کے الفاظ پر غور کیجئے) پھر ایک ہی سانس میں اس کے بعد کہتا ہے کہ " موسلوں (یعنی کشمیری مسلمانوں) کے مظالم سے سارے علماء (مطلب ہے ہندو مقامی علماء) اندھا دھند طریقے پر دور ممالک میں فرار کر گئے تھے اور کتابوں کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ ملک میں برہمن موجود تھے لیکن اُن کی عمدہ کتابوں کے فقط نام ہی معلوم تھے جیسے کہ بہار کے آغاز پر کمل پھول۔ لیکن بادشاہ، جو اس وقت زمین پر زینت بخش ہے اور علماء اس کو دوست رکھتے ہیں، کتابوں کو واپس لے آیا جس طرح سے بہار، شہد کی مکھیوں کی احیاء کرتا ہے "۔ اس بیان کے بعد پنڈت شری ور کشمیری برہمن کی کس بات کا اعتماد کیا جائے؟ اس بیان کو پڑھنے کے بعد ہمارے مقامی کشمیری پنڈتوں کو پنڈت شری ور کے کشمیری مسلمانوں کو خواہ مخواہ بدنام کرنے، ان کی نسبت دشمنی و عداوت رکھنے اور خود اس کی اپنی دروغ بیانی پر واویلا کرنا چاہیے ع

دروغ گو را حافظہ نہ باشد

۶۶۵: چند خاص ہندو مقدس آثار کا نام جنکی تحریر و یاس شاعر سے منسوب

ہے۔اس میں جدید ہندو قوانین اور دیو مالا کا مجموعی بیان موجود ہے۔پُرانوں کی تعداد، جو تسلیم شدہ ہیں، اٹھارہ کہی جاتی ہیں۔[شاعر ویاس یا بیاس نے ویدوں کو بھی ترتیب دیا ہے اور یہ ویدانیت فلسفے کا بانی بھی ہے]۔

۶۶۶: **ممامسا** : یا مِمانسا: ویدوں کے متن کا مطالعہ و ملاحظہ۔تین راسخ العقیدہ ہندو فلسفہ کے بڑے حصوں سے ایک حصے کا نام جو دو نظاموں میں منقسم ہے یعنی پُورو مِمانسا جسے جیمنی نی تحریر کیا ہے جو خاص طور پر وید روایات و منتر اور ویدوں کے صحیح متن کی تعبیر سے مربوط ہے اور اسے معمولاً ممانسا کہا جاتا ہے اور اُتّر مَمانسا یا برہم ممانسا یا سارِیرَک ممانسا جسے بادرَیَن نے لکھا اور ویدانُت اور بُرھماَ کی سرشت و فطرت سے تعلق رکھتا ہے۔

۶۶۷: **والمیکی** : بھر گونسل کا ایک عالِم جو سنسکرت میں منظوم رامایَن کا مصنف تھا۔والمیکی بعضوں کے بقول اُسے اس لیے کہا جاتا تھا کہ جب وہ غور و فکر میں اُتر جاتا تھا تو وہ چیونٹیوں کو ایک ڈھیر کی طرح اپنے اوپر آنے دیتا تھا[وَالمِیکَ = چیونٹی کے گھروں کے اوپر مٹی کا مخروطی شکل کا ڈھیر۔دمکوڑا] وہ پیدائشی برہمن تھا اور اجودھیا کے راجاؤں کے ساتھ اُس کے قریبی روابط تھے۔اس نے راچندر کے متعلق مختلف گیت اور افسانے جمع کر لیے اور ان کو ایک مسلسل نظم میں بدل دیا جس میں بعد میں اضافے بھی کیے گئے ہونگے۔اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شلوک کی بحر اسی نے ایجاد کی اور شاید ہندوستانی رزمیہ شاعری کی زبان اور اس کا طرز اُسی کی دین ہے۔ایک روایت ہے کہ اس نے ایک ڈاکو کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا لیکن توبہ کر کے اُس نے بندیل کھنڈ میں باندا ضلع میں واقع ایک پہاڑی پر گوشۂ تنہائی اختیار کیا جہاں پر اس نے رام کی بیوی سیتا کا استقبال کیا جب اسے خاوند نے

جلاوطن کیا تھا۔

۶۶۸: **کَلپ** : ہندوؤں کی ایک مقدس کتاب کا نام یا شاستر کا نام۔ مقدس وعظ۔ قانون۔ ظاہر ہے کہ اجنبی زبان میں کوئی بھی تحریر تب تک سمجھ میں آہی نہیں سکتی جب تک نہ اسے سیکھ لیا جائے یا اس کا ایسی زبان میں ترجمہ نہ کیا جائے جس سے قاری واقف ہو۔ معلوم نہیں کشمیری برہمن مورخ شری ور نے اس اصول میں اجنبی مسلمانوں کو ہی کیوں الگ کرلیا؟ خود پنڈت شری ور بھی مثلاً عربی زبان سے جاہل تھا اور جب تک سنسکرت میں اس زبان کے ترجمے نہ پڑھتا کیسے سمجھ پاتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اندھے تعصب کی لہر میں بہہ کر شری ور غیر کشمیری علماء شہیر کو بھی جو اس عہد میں معروف تھے اور کشمیر میں نقل مکان کر کے علوم اسلامی کی تبلیغ میں سرگرم تھے، اپنے اور چند مقامی ہندو برہمن سنسکرت علماء کے مقابلے میں، ناسمجھ جانتا تھا۔ جواب جاہلان باشد خموشی۔

۶۶۹: **دَھرم شَاستر** : ہندو قوانین کا ایک مجموعہ۔ فلسفۂ قانون۔ علم قانون۔ اصولِ قانون

۶۷۰: **آدِپُران** : قدیم پُرانَ۔ برہماپُران کا نام۔ ایک جین مذہبی کتاب کا نام۔

۶۷۱: **نَوبَندھَن** : سٹائن نے لکھا ہے کہ بانہال سے مغرب کیطرف بڑھتے ہوئے ہم تین برفانی چوٹیوں کے ایک مجموعہ کے قریب پہنچتے ہیں جو پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر واقعہ ہیں۔...... اہل کشمیر (ہندوؤں) میں مشہور ہے کہ وشنو، شِو اور برھما ان ہی چوٹیوں پر جمع ہوئے تھے اور یہیں سے انہوں نے جلد و بھو سے لڑائی کی اور ستی سرس کو خشک کیا تھا۔ ان چوٹیوں میں جو سب سے جنوب میں اور سب سے اونچی ۱۵۵۲۳ رفٹ ہے مشہور و معروف نو بندھن

تیرتھ کا مقام ہے...... وِشنو نے مچھ اوتار کی صورت میں اس ناؤ کو اس چوٹی سے باندھ دیا تھا جس کی صورت دُرگاہ نے تمام موجودات کے تخم کو بچانے کے لیے اختیار کر لی تھی۔[غالباً اسی ناؤ یا کشتی کو اس چوٹی سے باندھے جانے کی مناسبت سے اس کا نام نوبندھن یا ناؤ بندھن رکھا گیا ہوگا ـــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔

۶۷۲: **عقدِ ثُریّا** : انگریزی میں Pleiades۔ سبعہ ستارہ۔ سات سہیلیوں کا جھمکا۔ سپت رِشی۔ خوشۂ پروین۔

۶۷۳: **دَر مارگ** : غالباً دَرہال جس کے قریب نندن سَر واقع ہے۔

۶۷۴: **کُرَم جھیل** : نوبندھن تیرتھ کی (دیکھیے حاشیہ ۶۷۱) چوٹی کے دامن میں اور اس کے شمال مغرب کی طرف ایک دو میل لمبی پہاڑی جھیل ہے جس کا نام کوثر ناگ یا کونسر ناگ یا کرم سرس یا کرم سار ہے سنسکرت میں کرم پاؤں یعنی قدم کے نشان کو کہتے ہیں۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اس جگہ پر وشنو دیوتا کے قدم کے نشان کی صورت میں جہاں پر اس کا پاؤں پڑا تھا، کرم سر یا کونسر جھیل وجود میں آئی۔ تاریخ حسن (جلد ۲ ص ۱۱۵۔۱۱۶) میں اس جھیل کا نام کوثر ناگ آیا ہے۔ (کشمیری زبان میں چشمے کو ناگ کہتے ہیں اور چونکہ قدیم اساطیری یا خرافاتی عقائد کی بنیاد پر کشمیر کے لوگ ہر چشمے کا مالک ایک سانپ کو سمجھتے ہیں جو سنسکرت میں ناگ کہلاتا ہے اس لیے کشمیر میں چشمے کو اس مناسبت سے ناگ ہی کہتے ہیں) اور لکھا ہے کہ یہ کوثر پہاڑ پر ایک معروف چشمہ ہے جو محیط میں تقریباً تین میل اور قدم (پاؤں) کی شکل میں نظر آتا ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ یہ مقدس چشمہ بشن جی کے پاؤں کے نیچے سے اُبل پڑا ہے اس لیے شاستر کی کتابوں میں اسے وِشنہ یاد کا نام دیا گیا ہے[ذیلی یادداشت = جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ میں ص ۳ پر کشمیر کے دریاؤں کے ذکر میں آنند کول کے

بقول اہرہ بَل کی آبشار کا منبع یہی چشمہ ہے]۔ اس کا پانی ہمیشہ نیلے رنگ کا رہتا ہے جس میں یخ کے ٹکڑے تیرتے رہتے ہیں۔ زینہ ترنگنی کا مصنف [ذیلی یادداشت = پنڈت زون راج = مذکورہ زینہ ترنگنی کشمیر کے ہندوؤں کے آخری عہد کی تاریخ سے سلطان زین العابدین کے زمانے تک کے واقعات پر مشتمل تھا۔ نگارستانِ کشمیر کے مصنف کے بقول مذکورہ کتاب آج نایاب ہے۔ سٹاین نے صرف اس کے حوالوں پر اکتفا کیا ہے] لکھتا ہے کہ سلطان زین العابدین گرمیوں کے موسم میں سیر و شکار کی تفریح کے لیے کوثر پہاڑ پر فرصت کا وقت گذارتا تھا اور بیشتر اوقات خاص کوثر ناگ میں کشتی میں سوار ہو کر اُس عہد کی ایک بزرگوار شخصیت کے ہمراہ، جو اس کا مربی تھا، تصوف کی کتابوں پر بحث و مباحث اور تصوف کے نکات و دقائق پر تفصیل کے ساتھ چشمۂ مذکورہ میں سیر کرتے کرتے مناظرات و گفتگو میں وقت گذارتا تھا۔'' میں بھی (یعنی تاریخ حسن کا مصنف) ایک درویش کے ہمراہ چند دوستوں کی رفاقت میں کوثر ناگ چشمے پر پہنچا۔ [تاریخ حسن کا مصنف پیر غلام حسن ۱۲۴۹ھ میں بانڈی پورہ سے ڈیڑھ میل دور گامر نامی گاؤں میں پیدا ہوا اور ۶۸ ر سال کی عمر میں سال ۱۳۱۶ھ میں وفات پائی]۔ ہمارا ایک ساتھی نہانے کے لیے چشمۂ مذکورہ میں اترا اور تیرنے کے سہارے ذرا سا آگے نکلا۔ اچانک اُس کی دونوں ٹانگیں تیرنے سے رُک گئیں اور وہ چلانے لگا۔ ہم نے ایک چٹان کے ساتھ اس کی پگڑی کو باندھ کر اس کی طرف پھینک دیا اور اس کی مدد سے اسے کنارے کی طرف کھینچ کر لے آئے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک جانور اس کی دونوں ٹانگوں کو منہ میں پکڑ کر نگل رہا ہے۔ ہر چند ہم نے اس جانور کو پتھروں لکڑیوں اور کلہاڑی سے زخمی کیا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ ہمارے ساتھی کو گھٹنے تک نگل چکا۔ تب ہم نے اس کے سر کے پاس لکڑی ڈال کر آگ جلائی۔ آگ

کے بھڑک اُٹھنے کے بعد اس بلا کے شکم سے بندوق کی سی آواز سنائی دی اور فوراً ہوا میں اچھل کر اس نے جھیل میں چھلانگ لگائی اور اس ہمارے اجل رسیدہ ساتھی کو اپنی غذا بنا کر کھالیا۔ یہ جانور جونک کی صورت کا تھا۔ دو گز لمبا تھا اور نیچے کی طرف اس کی چوڑائی ایک گز اور سر کی طرف آٹھ گرہ تھی۔ اس کی کھال سخت اور دانہ دار تھی جس پر کلہاڑی کے ضرب بھی کارگر نہ ہوئے''۔ اس چشمے کا پانی اپنے منبع سے نکل کر دو حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ ایک حصہ جنوب کی طرف جاری ہو کر دریائے چندر باگا سے مل جاتا ہے اور دوسرا حصہ ویشو دریا کا منبع بن کر کشمیر کی طرف بہہ نکلتا ہے [ذیلی یادداشت = اس کا منبع کوہ کونسر ہے اور سنگم کے پاس دریائے جہلم کے ساتھ مل جاتا ہے ___ جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ ص ۳، ابوالفضل نے تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے ___ آئین اکبری جلد ۲/ ترجمہ جیرٹ ص ۳۶۲]۔

۶۷۴: **سِمهہ بَھٹ** : غالباً نجومی تھا۔ سلطان زین العابدین کے اس سیر کی کیفیت تاریخ حسن کے مصنف نے بھی بیان کی ہے البتہ ایک دوسرے انداز میں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۶۷۳۔

۶۷۵: **گووِند** : گائے بھینس کو پانا یا حاصل کرنا۔ گایوں کو پالنے والا۔ کرشن دیوتا کی ایک عام توصیف یا اس کا عام لقب۔ گیت گووند یعنی ہندوؤں کے کرشن دیوتا کی توصیف میں گیت۔

۶۷۶: **سکمار** : حسین جوان یا پُر شباب۔ بہت ملائم اور نازک۔ ایک خوبصورت جوان۔ نرم۔ شاندار (شری ور نے کوثر ناگ کو ایک حسین یا جوان حسینہ سے مشابہ کیا ہے)

۶۷۷: **پدم پورہ**: موجودہ پانپور، جو عفران کے لیے مشہور ہے۔ اس کی بنیاد ۹ ویں صدی کی ابتداء میں راجہ چیت جیا پیڈ کے چچا پدم نے ڈالی تھی۔

سٹاین نے اس قصبے کے بارے میں توضیحی یادداشت میں لکھا ہے کہ وہی پرگنہ کا صدر مقام اب موضع پامپر ہے 'پانپور کو کشمیری زمیں پامپر کہتے ہیں ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد) جس کا قدیم نام پدم پور ہوا کرتا تھا اور جو کھونہ مُوہ کے جنوب مغرب میں ۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس جگہ کا نام سری نگر کے پنڈتوں میں بہت مشہور ہے۔ اس شہر کی بناء ۹/ ویں صدی میں کٹھ پتلی راجہ چیپت جیاپیڈ کے طاقت ور چچا پدم نے ڈالی تھی۔ راج ترنگنی میں مذکور ہے کہ پدم نے ہی وشنو مہا پدم سوامن کا مندر بنوایا تھا۔...... قریب ہی میر محمد ہمدانیؒ کی زیارت واقع ہے جس کے بعض قدیم طرز کے ستون اور زیبائشی سلیں اسی مندر سے لی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ (یہ بالکل نادرست بیان ہے اور غلط اطلاع۔ حضرت میر محمد ہمدانیؒ کی زیارت پانپور میں ہے ہی نہیں۔ وہ کولاب نامی گاؤں واقع اسلامی جمہوریہ تاجکستان میں اپنے گرامی والد بزرگوار حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کے پہلو میں دفن ہیں۔ میں نے اس روضہ مقدس کی کولاب میں جاکر زیارت کی سعادت پائی ہے ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد)۔

۶۷۸: **یمُنا** : دریائے جمنا۔ ہندو اساطیر میں یم کی جڑواں بہن اور سُوریہ کی بیٹی۔

۶۷۹: **جَینَ جھیل** : محمد الدین فوق نے تاریخ بڈشاہی (ص ۲۳۹) میں لکھا ہے کہ: "بادشاہ (زین العابدین) کو کوثر ناگ کی جھیل بہت پسند تھی۔ اس زمانے میں دشوار گزار سفر ہونے کے باوجود وہ وہاں جاتا اور گھنٹوں وہاں کی سیر کرتا۔ بادشاہ نے اس لمبے سفر اور لمبی چڑھائی سے بچنے کے لیے ایک ایسی ہی جھیل دارالحکومت کے نزدیک بنائے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ مصنوعی جھیل کوثر ناگ کے ہی نمونہ پر پدم پور (پانپور) میں بنائی گئی اور اس کا نام زینہ تراگ رکھا گیا۔ (چھوٹی سی جھیل کو کشمیری زبان میں تراگ کہتے ہیں ــــ

ڈاکٹر شمس الدین احمد)۔ شری ور لکھتا ہے کہ اس جھیل کی بنیاد ان ایام میں رکھی گئی جب زعفران کے پھول اپنی بہار پر تھے۔ بقولِ شری ور بادشاہ نے اس جھیل کے کنارے ایک خوبصورت محل تعمیر کرایا جس کا نام اس نے کلودھرن ناگ رکھا لیکن اب نہ وہ جھیل ہے نہ وہ خوبصورت محل۔ البتہ ایک نشیبی مقام اب تک زینہ تراگ کے نام سے پانپور میں مشہور چلا آتا ہے"۔ تحصیل اونتی پورہ میں بھی ایک موضع زین تراگ بادشاہ کے نام پر ہے۔

۶۸۰: فارسی زبان و ادب کے اس عہد عروج میں جب کہ بادشاہ خود شاعرانہ مزاج رکھتا تھا اور خود کشمیر کے اکثر ہندو اور مسلمان ادب نواز اور شعر شناس تھے۔ شاہی محلّات کا ہندوانہ نام رکھنا گو ناقابلِ یقین نہیں لیکن تعجب انگیز ضرور ہے واللہ اعلم! افسوس کہ ہمارے مقامی مسلمان مورخین نے اس طرح کے دعوؤں پر آج تک کوئی تحقیق نہیں کی۔

۶۸۱: **پنج ند** : محمد الدین فوق نے تاریخ بڈشاہی (ص ۱۶۸) میں لکھا ہے کہ: "کہا جاتا ہے پنج ند سے مراد پنجاب کا ملک ہے کیونکہ یہ پانچ دریاؤں کی سرزمین ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ پنج ند کا لفظ آج بھی موجود ہے اور گو وہ پنجاب میں ہی ہے لیکن اس سے پنجاب مراد نہیں۔ اس کی کچھ کیفیت سطورِ ذیل سے معلوم ہوگی۔ جب دریائے سندھ (اٹک) جو جھیل مانسرور سے نکلتا اور گلگت اور لداخ اور کشمیر کے دیگر بلند ترین مقامات کو طے کرتا ہوا اٹک کے مقام پر پہنچتا اور وہاں سے دریائے کابل کو اپنی آغوش میں لے کر مٹھن کوٹ (ضلع مظفر گڈھ) پنجاب کے مقام پر آتا ہے تو پنجاب کے پانچوں دریا اس مقام پر اس کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ دریائے سندھ؟ ان سب کو اپنے ہمراہ لیتا ہوا کراچی (سندھ) کے قریب بحیرۂ عرب میں گر جاتا ہے۔ مٹھن کوٹ ہی وہ مقام ہے جہاں پنجاب کے دریا باہم مل کر پنج ند کے نام سے

موسوم ہو جاتے ہیں اور یہ نام عرصہ دراز سے چلا آتا ہے۔ دریائے پنج ند سے ہی وہ عظیم الشان نہر نکالی گئی ہے جو ریاست بہاولپور کے وسیع علاقے کو سیراب کرتی ہے۔ چونکہ سندھ کے ملک میں بھی بڈشاہ کا اقتدار تھا اور سندھ کے قریب ہی پنج ند واقع ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں پنج ند کے علاقے کا کائی علیحدہ حکمران تھا جو سندھ کی طرح بڈشاہ کے زیر اقتدار تھا یا بڈشاہ کو تحفہ تحائف بھیج کر اس سے اپنے تعلقات قائم کرنا چاہتا تھا۔ زینہ راج ترنگنی کے مصنف نے نہ پنج ند کا جائے وقوع بتایا ہے اور نہ راجہ پنج ند کا نام لکھا ہے شاید اس معمہ کا حل آنے والے مصنفین پر چھوڑ دیا ہو۔

۶۸۲: **خَلَشِیہ** : تاریخ بڈشاہی کے مؤلف محمد الدین فوق نے لکھا ہے (ص ۱۷۲-۱۷۳) کہ "مالوہ میں جو راجہ بکرماجیت اور راجہ بھوج کا ملک ہے بڈشاہ کے زمانۂ اول میں ہوشنگ اور ۸۳۸ھ میں اس کا بیٹا محمد شاہ تھا۔ سال ۸۳۹ھ میں محمود خلجی نے اس خاندان کو تباہ کر کے اپنی حکومت قائم کی۔ شری ور نے زینہ راج ترنگنی میں محمود خلجی کو مانڈو کا راجہ خلشیہ (خل شاہ) لکھا ہے چونکہ مانڈو بھی مالوہ ہی کے ماتحت تھا اور اپنے مشہور قلعہ اور دارالحکومت ہونے کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اس کو شری ور نے اپنی تاریخ میں مانڈو کا ہی فرمان روا ظاہر کیا ہے اور خل شاہ یا خلشیہ کا لفظ صاف معلوم ہوتا ہے کہ خلجی کا بگڑا ہوا ہے۔ بلکہ شری ور نے ایک جگہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ میرا بادشاہ مالوہ تک بھی شہرت رکھتا ہے.......... محمود خلجی نے سال ۸۷۳ھ میں یعنی بڈشاہ سے ایک سال قبل انتقال کیا"۔ کنگڈم آف کشمیر کے مصنف نے فتوحات اور خارجی روابط کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ ہندوستان میں مالوہ کے محمود اول کے ساتھ اُس کے دوستانہ تعلقات تھے۔ مصنف مذکور نے محمود خلجی نہیں لکھا ہے۔ پروفیسر محب الحسن نے بھی سلطان محمود اول ہی لکھا ہے۔

۶۸۳: **یُدھشتِھر** : یایُدِھشتِر یایُدھشٹر۔ پانڈو کے پانچ بیٹوں میں سب سے بڑا بیٹا جو اصل میں دھرم یا یم دیوتا سے پانڈو کی بیوی پرُتھا یا کُنتی کا بیٹا تھا جس کی وجہ سے اسے اکثر دھرم پُتر یا دھرم راجہ کہا جاتا ہے۔ آخر میں وہ پانڈو کا جانشین بادشاہ بن گیا اور اول اس نے اِندر پرستھ میں اور بعد میں جب کہ کورو شہزادوں کی شکست ہوئی، ہستِناپور پر حکومت کی۔

۶۸۴: **کُمبھَ** : یا کُنبھَ۔ یہ جگہ بمبئ (ہندوستان کے ملک) میں کھمبایت یا کمبایت کے نام سے جانی جاتی ہے۔

۶۸۵: گوپال پورہ: محمد الدین فوق نے تاریخ بڈشاہی (ص ۱۶۹۔۱۷۱) میں لکھا ہے کہ: ''گوالیار کو اکبر کے زمانے تک علم موسیقی میں خاص شہرت رہی ہے۔ تان سین، جس نے اکبر کے دربار میں آ کر ہندوستان میں بقاء دوام کی شہرت حاصل کی، گوالیار ہی کا رہنے والا تھا۔ یہاں کے فرمانروا بھی اس فن سے خاص نسبت رکھتے تھے بقول طبقاتِ اکبری راجہ گوالیار کا نام ڈونگر سین تھا۔ جب اس نے بادشاہِ کشمیر کی فیاضیوں اور علم نوازیوں کی شہرت سنی اور بالخصوص جب اسے یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ کو علم موسیقی سے بہت رغبت ہے اور وہ موسیقی دانوں کی بہت قدر کرتا اور خود بھی اس علم میں مہارت تامہ رکھتا ہے، تو اس نے موسیقی اور سنگیت کی دو تین کتابوں کے نسخے اپنے معتبروں کے ہاتھ کشمیر بھیجے بلکہ صاحب طبقات یہ بھی لکھتے ہیں کہ راجہ گوالیار نے کتابوں کے علاوہ بادشاہ کے پاس اور بھی کئی تحفے بھیجے اور سلسلۂ اخلاص و اتحاد قائم کیا۔ دیگر تاریخوں کے علاوہ بیربر کاچرو بھی مختصر التواریخ میں ان ہی کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''راجہ گوالیار چون اطلاع یافت کہ سلطان را بہ علم موسیقی رغبت است، دو سہ کتاب این فن مرسل داشتہ سلسلۂ اخلاص و اتحاد مرعی داشت''۔ خود شری ور نے بھی ایک جگہ اس قسم کا ذکر کیا ہے لیکن وہ گوالیار کی جگہ

گوپال پور اور ڈونگر سین کی جگہ راجہ کا نام نگر سین لکھتا ہے [شری ور نے راجہ کا نام تگر سِہہ لکھا ہے نگر سین نہیں ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد] اور چند کتابوں کی بجائے صرف ایک کتاب کا ذکر کرتا ہے جس کا نام سنگیت چُو دامنی تھا۔ اس کتاب میں گانے کی بہت سی ترکیبوں کے علاوہ علم موسیقی کے قواعد وضوابط اور کئی قسم کے گیت درج تھے۔ شری ور لکھتا ہے نگر سین کے مرنے کے بعد جب اس کا فرزند تخت نشین ہوا تو وہ بھی بادشاہ کو برابر تحفہ تحائف ارسال کرتا رہا۔ راجہ ڈونگر سین کا سالِ وفات ۸۷۲ھ ہے اور بڈشاہ کا سالِ وفات ۸۷۴ھ ہے گویا راجہ، بادشاہ کی زندگی میں ہی انتقال کر گیا تھا۔ یہاں تک تو شری ور کی تائید ہے اور گوالیار و کشمیر یا گوپال پور و کشمیر کے تعلقات و مراسم جو قائم تھے ان پر سرسری نظر ڈالنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بڈشاہ نے نگر سین یا ڈونگر سین کی تعزیت اور جدید راجہ کی مسند نشینی پر مبارک باد کے لیے ضرور اپنے معتبر گوالیار میں بھیجے ہونگے۔ کرنل ہیگ نے اپنی ہسٹری آف انڈیا جلد سوم کے صفحہ ۲۸۲ پر لکھا ہے کہ راجہ گوالیار کے ساتھ بادشاہ کا رشتۂ محبت موسیقی کی وجہ سے استوار تھا'' کنگڈم آف کشمیر کے مؤلف نے گوالیار کے راجہ کا نام تنُور لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

۶۸۶: **منڈلیک** : محمد الدین فوق نے تاریخ بڈشاہی میں (ص ۱۷۳) لکھا ہے کہ منڈلیک کے جائے وقوع کا کوئی علم نہیں ہوسکا۔ [غالباً یہ مندلک ہے جو کرنال کے پاس ایک چھوٹی سی ریاست تھی جس پر سلطان محمود گجراتی نے حملہ کر کے اسے اپنے علاقے میں شامل کر لیا تھا اور وہاں کا راجہ مسلمان ہوا ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد بحوالہ تاریخ فرشتہ] تاریخ ہندوستانِ وسطیٰ (انگریزی) مؤلفہ وی ڈی مہاجن (ص ۲۲۹) میں آیا ہے کہ احمد شاہ (۱۴۱۱ء۔ ۱۴۴۱ء) نے سال ۱۴۱۴ء میں اس نے گرنار کے ہندوؤں پر حملہ کیا

اور رائے منڈلیک کو شکست دے کر جونا گڈھ قلعہ فتح کیا۔[میں نے یہ جملہ منڈلیک نام کی مناسبت سے نقل کیا ہے ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔

۶۸۷: **مُچُکُند** : ایک خوبصورت پرندے کا نام۔ایک پودا جسے Pterospermumsuberifolium کہتے ہیں اس کے پھول کی پتیاں سر درد کو مٹانے کے کام آتی ہیں۔ایک قدیم راجہ یا منی کا نام۔ایک مندھاتری کے بیٹے کا نام جس نے دیوؤں کو رام کرنے کے عمل میں دیوتاؤں کی مدد کرنے کے انعام میں اُن سے ایک لمبی اور نہ ٹوٹنے والی نیند کا تقاضا کیا تھا۔دیوتاؤں نے اُس کی درخواست کو مان لیا اور تجویز کیا کہ جو کوئی اُس میں خلل ڈالے گا وہ اس کے جسم کی اُٹھنے والی آگ سے جل کر بھسم ہو جائے گا۔ کرشن نے کال یا وَن کو مٹانے کی غرض سے اُسے اُس غار میں داخل ہونے کی طرف راغب کیا جس میں مچکند سویا ہوا تھا۔مچکند کو جگانے کی پاداش میں اُس نے کال یا وَن پر قہر کی نظر ڈالی جس سے وہ خاکستر ہو گیا۔ایک یادو کے بیٹے کا نام۔ چندر بھاگ کے باپ کا نام۔ کشمیر کے ایک شاعر کا نام۔ ایک دیو کا نام۔کرشن کو مچکند پرشادک کا لقب دیا گیا ہے کہ اسی کی وجہ سے مچکند نے کال یا وَن کو مار ڈالا۔

۶۸۸: **وَلُوکَ** : تاریخ بڈشاہی میں محمد الدین فوق نے لکھا ہے (ص ۱۶۳) کہ ''بڈشاہ کے پچاس سالہ عہدِ حکومت میں دہلی نے چار بادشاہ دیکھے۔ ابو الفتح مبارک شاہ (تخت نشینی ۸۳۳ھ)، سلطان محمود شاہ (تخت نشینی ۸۳۷ھ)، سلطان علاء الدین (تخت نشینی ۸۴۹ھ)۔ یہ تینوں سیّد خضر خان (صوبہ دار لاہور تھا۔امیر تیمور ہندوستان کو تباہ کر کے ۸۰۱ھ میں سمرقند واپس جاتے ہوئے اس کو دہلی کا بادشاہ بنا گیا) بانی خاندان سادات کی اولاد سے تھے۔ان تینوں کی مسلسل کمزوریوں کی وجہ سے ہر صوبہ تخت دہلی سے خودسر

ہورہا تھا بلکہ ان ہی ایام میں جسرت گکھڑ نے اپنی اور بڈشاہ کی فوجیں سرحدِ دہلی تک پہنچائیں لیکن جب سلطان بہلول لودی نے خاندان سادات کی بجائے افغان حکومت کی ۸۵۵ھ میں بنیاد رکھی تو اس نے بڈشاہ بادشاہِ کشمیر کے پاس جو اس کا ایک طاقتور ہمسایہ تھا تحائف ونفائس بھیج کر رابطۂ موّدت محکم کیا۔ بہلول ۸۹۳ھ تک دہلی کا بادشاہ رہا ہے۔ شری ور نے بھی اس بادشاہ کے ساتھ بڈشاہ کے دوستانہ تعلقات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ دہلی کا بادشاہ ہمارے بادشاہ کی شہرت وعظمت کی وجہ سے اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے پر مجبور تھا۔ کرنل سر ہیگ نے بھی بہلول لودی اور بڈشاہ کے دوستانہ تعلقات کا ذکر کیا ہے''۔ کنگڈم آف کشمیر کے مؤلف نے بھی لکھا ہے (ص ۱۳۸) کہ دہلی کا سلطان بہلول لودی، بڈشاہ کے دوستوں میں سے تھا۔ ہندوستانی تواریخ میں بڈشاہ اور بہلول لودی کے باہمی دوستانہ روابط کا کوئی ذکر میری نظر سے نہیں گذرا جس کی وجہ میرے خیال میں ہندوستانی مورخین کی کشمیر کے تفصیلی سیاسی حالات سے بے خبری ہے خصوصاً سلاطینِ کشمیر کے عہد کے بارے میں۔

۶۸۹: تاریخ حسن (جلد۲رص ۲۲۰-۲۰۱) کے مصنف نے لکھا ہے کہ ''لاسہ (تبت کا دارالخلافہ) کے والی نے دو عجیب اور خوش رنگ جانور جنہیں راج ہنس کہتے ہیں مان سر کے پہاڑوں سے حاصل کر کے خدمت میں ارسال کئے۔ کہتے ہیں کہ ان دونوں جانوروں کے آگے دودھ اور پانی کو ملا کر رکھ دیا جاتا تھا اور یہ دودھ کے اجزاء کو چونچ سے پانی سے الگ کر کے پی لیتے تھے اور خالص پانی کو باقی چھوڑ دیتے تھے۔

۶۹۰: **خراسان** : قدیم خراسان آج کے سارے خراسان اور ماوراء النہر تک مشرقی اور شمالی حصوں کے سمیت علاقوں پر مشتمل تھا۔ آج کا خراسان

(ایران کا نواں صوبہ) شمال سے روس، مشرق سے افغانستان، جنوب سے کرمان وستیان اور مغرب سے اصفہان وگرگان تک محدود ہے۔ اسکی وسعت تقریباً تین لاکھ بیس ہزار کلومیٹر مربع ہے اور آبادی غالباً ۳۲ رلاکھ تک ہوگی۔ اس کا مرکزی شہر مشہد ہے اور گناباد، بیرجند، کاشمر، قوچان، سبزدار، تربت حیدریہ، نیشاپور، درّہ گز، فردوس، بجنورد اس کے شہر ہیں۔ خراسان، ایران کے صوبوں میں وسیع ترین صوبہ ہے۔ سمبار، اترک، گرگان، کشف رود اور ہری رود یہاں کے اہم دریا ہیں۔ تانبا، چاندی، لوہا، فیروزہ، سیسہ، تیل، روئی اور سونا یہاں کے معدنی پیداوار ہیں۔ کئی کارخانے بھی ہیں۔ یہاں کی دستی حرفت قالین بافی ہے جس کی شہرت عالمی ہے۔

۶۹۱: **مَندار**: مونگے یا مرجان کا درخت جو ERITHRINA INDICA کہلاتا ہے۔ ہندو عقیدے کے مطابق اِندَر دیوتا کے سورگ کے پانچ درختوں میں سے ایک درخت۔ دودھیل پودا ASCLEPIAS GIGANTEA یا GIGATEA CALOTROPIS کی ایک سفید قسم۔

۶۹۲: **مرجا بُھوسعید**: یعنی سلطان ابوسعید میرزا جو سلطان محمد میرزا ابن میران شاہ ابن تیمور کا بیٹا تھا (۸۵۵ھ - ۸۷۳ھ = ۱۴۵۱ء - ۱۴۶۸ء)۔ مقامی غیر فارسی تواریخ میں سلطان زین العابدین بڈشاہ کی تخت نشینی کا سال ۱۴۲۰ء = ۸۲۳ھ آیا ہے جب کہ فارسی مقامی تاریخوں میں سال ۸۲۷ھ = ۱۴۲۳ء درج ہے۔ اس طرح سے دونوں تاریخوں میں چار سال کا فرق ہے لیکن اگر غیر فارسی تاریخ کو ہی صحیح مان لیا جائے تو سلطان زین العابدین کے سلطان ابوسعید میرزا کے ساتھ سیاسی روابط اس وقت قائم ہوئے جب ابوسعید مذکور کی تخت نشینی سے سلطان زین العابدین ۳۲ رسال پہلے کشمیر

کے تخت شاہی پر جلوس کر چکا تھا۔ سلطان میرزا ابو سعید سال ۸۷۳ھ میں قتل ہوا (سال ۱۴۶۸ء) اور سلطان زین العابدین (بڈشاہ) نے سال ۸۷۵ھ (۱۴۷۰ء۔ بقولِ غیر فارسی مقامی مورخین اور بقول فارسی مقامی مورخین سال ۸۷۹ھ = ۱۴۷۴ء) میں وفات پائی۔ پس دونوں سلاطین کے روابط صرف اٹھارہ سال تک قائم رہے یعنی سال ۸۵۵ھ سے سال ۸۷۳ھ تک (۱۴۵۱ء۔ ۱۴۶۸ء)۔ میرزا سلطان ابو سعید (۸۵۵ھ (۱۴۵۱ء۔ ۸۷۳ھ کے بارے میں ایرانی تاریخوں میں آیا ہے کہ ابوالخیر خان اوزبک کی مدد سے میرزا عبداللہ کو قتل کر کے وہ سال ۸۵۵ھ (۱۴۵۱ء) میں ماوراءالنہر میں (جو اس زمانے میں خراسان کا ایک صوبہ تھا) تخت نشین ہوا۔ شاہ رُخ (ابن تیمور = سال جلوس ۸۰۷ھ، سال وفات ۸۵۰ھ) کے بعد یہ تنہا سلطان تھا جس نے تیموری ممالک کے ایک اہم حصے کو ایک ہی ادارے کے تحت کسی خاص مدت تک لے آنے اور اس سے منظم کرنے نیز بعض درخشان فتوحات کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ شاہ رُخ ابن تیمور کے پوتوں پر غلبہ پانے کے بعد میرزا سلطان ابو سعید نے ہرات، غزنی اور کابل اور سیستان اور کچھ عرصہ بعد خوارزم پر قبضہ کر لیا اور جب سال ۸۷۲ھ میں اُوزون حسن آق قویونلو، جہان شاہ قراقویونلو کے ہاتھوں قتل ہوا اور اس کے ملکی حالات ابتر ہو گئے تو عراق و کرمان اور آذربائجان کے امراء نے ابو سعید میرزا کو سلطنت سنبھالنے کے لیے مدعو کیا اور اُس نے میانج میں آ کر آذربائجان پر تصرف کرنے کا ارادہ کیا۔ اُوزون نے صُلح کی درخواست کی لیکن کمالِ غرور کے ساتھ ابو سعید میرزا نے اس کی یہ التماس ٹھکرا دی اور اردبیل کے راستے سے ارّان پر چڑھائی کی۔ حسن بیگ اُوزون نے ابو سعید میرزا کی فوج پر خوراک پہنچانے کی راہ بند کر دی چنانچہ ابو سعید میرزا کے خیمے میں قحط پڑا اور اس کے بعد حسن بیگ اُوزون نے ایک

جنگ میں ابوسعید میرزا پر غلبہ پالیا اور اس جنگ میں فرار کرتے ہوئے ابوسعید میرزا گرفتار ہوا اور ۲۵ رجب کو سال ۸۷۳ھ میں اٹھارہ سال کی حکومت کے بعد قتل ہوا۔

۶۹۳: **گرجر** : یعنی گجرات جو ہندوستان کے ملک میں ایک صوبہ کا نام ہے اس کا طول ۳۰۲ میل اور عرض ۲۷۰ میل تھا۔ اس کے مشہور شہر تھے کنبایہ (جسے اب کھمبایت کہتے ہیں) سُورت، راندیر (اسے رانیر بھی کہتے ہیں) نوسَاری، بھڑوچ سومنات، جونا گڑھ، بڑودہ، احمد آباد، جانپانیر، نہروالہ اور ڈیو۔

۶۹۴: **محمد سُورت ران** : سلطان محمد شاہ، شری ور نے سلطان کو سُورت ران لکھا ہے۔ پچاس سال کی بادشاہت کے عہدِ طویل میں سلطان زین العابدین نے گجرات کے پانچ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ سلطان احمد شاہ (احمد آباد کا بنیاد گذار) سال ۸۴۶ھ، اس کا بیٹا سلطان محمد شاہ اور اس کی معزولی کے بعد سلطان قطب الدین احمد آباد میں تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد سال ۸۷۳ھ میں سلطان احمد شاہ کا دوسرا فرزند سلطان داؤد شاہ نے تخت پر جلوس کیا لیکن اس کی تخت نشینی کے ایک ہفتہ بعد سلطان قطب الدین کے چھوٹے بھائی محمود شاہ نے تختِ گجرات پر جلوس کیا۔ مقامی فارسی مورخوں نے شری ور کے محمد شاہ (سورت ران) کے نام کے برعکس محمود شاہ لکھا ہے جو صحیح ہے۔ کرنل سرولزلی ہیگ نے بھی محمود شاہ ہی لکھا ہے اور آخر میں اس نام کے ساتھ بیگرہ کا اضافہ کیا ہے جو شاہانِ گجرات کا لقب تھا۔ محمود شاہ بیگرہ نے سال ۱۴۵۸ء سے سال ۱۵۱۱ء (۸۶۳ھ۔ ۹۱۷ھ) تک حکومت کی۔ ایک عالی مرتبہ سلطان ہونے کے باوجود اس کی بھوک بھی بہت شدید درجے کی تھی۔ دن بھر اس کے کھانے کی مقدار ایک من وزن (گجراتی وزن) کا کھانا ہوتا تھا۔ وہ پکے

ہوئے چاولوں کے پانچ سیر علیحدہ رکھ لیتا تھا اور نیند سے پہلے اس کے دو حصے کر لیتا تھا۔ نصف حصے کے چارپائی کے دائیں طرف میں اور دوسرے نصف کو چارپائی کے بائیں طرف رکھ لیتا تھا تاکی جس طرف سے بیدار ہو جائے وہاں سے کھا کر پھر سے نیند کو جاری رکھے۔ صبح کو نماز پڑھ لینے کے بعد وہ شہد سے بھری ایک پیالی، مکھن کا ایک پیالہ ایک سو یا ڈیڑھ سو کیلوں کے ہمراہ کھاتا تھا۔ اکثر کہا کرتا تھا: ''اللہ تعالیٰ نے اگر محمود کو گجرات کا بادشاہ نہ بنایا ہوتا تو اس کی بھوک کو کون پورا کرتا؟'' محمود بیگرہ نے کسی وزیر یا حرم کے اثر ورسوخ کے بغیر ۵۳؍ سال تک حکومت کی۔ وہ ایک دلیر جنگجو تھا اور تمام جنگوں میں ایک کامیاب سلطان۔ مرآۃ سکندری میں آیا ہے کہ: ''محمود بیگرہ گجراتی نے سلطنتِ گجرات کی رونق اور اس کے وقار میں اضافہ کیا اور قدیم سلاطین نیز اپنے تمام جانشین بادشاہوں کے سمیت سارے گجراتی بادشاہوں میں بہترین بادشاہ تھا اور انصاف وسخاوت، مذہبی جنگوں اور اسلامی قوانین کے پھیلانے میں، عدل ومساوات کے فیصلے کرنے میں، جرأت ودلیری کا مظاہرہ کرنے اور فتح یاب ہونے میں وہ عمدگی کا ایک نمونہ تھا''۔

۶۹۵: **گیلان** : بحرِ خزر (Caspian Sea) کے جنوب مغرب میں ایک علاقہ جو گیل قوم کا مسکن ہے۔ قدیم عہد میں گیلان کے پہاڑی علاقے کو دیلم اور لوگوں کو دیلمی یا دیلمان کہتے تھے۔ آج یہ ایک صوبہ ہے ایران کا جس میں رشت، بندر پہلوی، لاھیجان، رودسر، طوالش، (کشمیر میں شعیہ مذہب کا بانی شمس الدین عراقی اسی گاوں کا رہنے والا تھا) قومن، لنگرود، رُودبار، صومعہ سرا اور آستارا نامی جگہیں شامل ہیں۔ سید الاولیاء حضرت شیخ سید عبدالقادر غوث الاعظمؒ اسی صوبے کے رہنے والے تھے اور اسی مناسبت سے آپ گیلانی یا جیلانی (جیلانی عربی لفظ ہے) کہلاتے ہیں۔

گیلان کی پیداوار میں گندم، جو، چائے، چاول، ریشم، تمباکو، میوے، انگور، کپاس، چقندر، قندر، مرکبات، زیتون، بادام وغیرہ شامل تھیں۔ تانبے، کوئلے، لوہے اور سیسے کی کانیں بھی گیلان میں پائی جاتی ہیں۔ جوراب بنانے، تیل نکالنے، لکڑی کاٹنے اور چائے سازی کے کئی کارخانے بھی ہیں۔ گیلان کی وسعت ۱۴۸۶۲۱ مربع کلومیٹر ہے اور اس کی آبادی تقریباً بیس لاکھ افراد کے قریب ہوگی۔

۶۹۶: **مصر** : مصر کا ملک شمال مشرقی افریقہ کے نیل کی نشیبی زمینوں پر نیز بحر احمر کے شمال میں واقع جزیرۂ سینا پر مشتمل ہے۔ شمال میں یہ ملک بحیرۂ روم مشرق میں بحرِ سُرخ، مغرب میں لیبیا اور جنوب میں سوڈان کی حدود تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی وسعت ۱۰۴۱۱۱۵ مربع کلومیٹر ہے اور اس کی آبادی دو کروڑ سے زائد ہے۔ خاکِ مصر کی زرخیزی اور آبادی کا وجود دریائے نیل گی پُر برکت وجود کی وجہ سے ہے جس نے اس ملک کو غنی اور حاصل خیر بنایا ہے اور جس کے باعث یہاں کے لوگوں کی زندگی متمدن زندگی ہے جو دریائے نیل کی مرہونِ منت ہے۔ اس کے شہروں میں اسکندریہ، پورٹ (بندر) سعید، اہم شہر ہیں۔ محلّہ الکبریٰ اور منصورہ یہاں کے صنعتی مراکز ہیں۔ کپاس۔ چاول، نیشکر، غلات اور میوہ جات یہاں کی پیداوار ہیں۔ مصر کی کپاس دنیا کی کپاس میں اعلیٰ ترین نوع ہے۔ اس ملک کا دارالخلافہ قاہرہ ہے اور یہاں کی حکومت جمہوری ہے اور اس وقت (سال ۲۰۰۲ء = ۱۴۲۳ھ) یہاں کا صدر حسنی مبارک ہے۔

۶۹۷: **مکہ** : سعودی عرب کا قدیم اور معروف شہر جو حجاز میں بحرِ احمر کے نزدیک ہے یہ شہر دنیا کے تمام مسلمانوں کی زیارت گاہ اور قبلہ ہے اور ہر سال اطراف عالم سے مسلمان خضوع وخشوع اور ذوق وشوق کے ساتھ خانۂ

کعبہ کی زیارت کرنے اور حج کا فریضہ ادا کرنے کے لیے اس شہر میں حاضر ہوتے ہیں دین اسلام سے پہلے بھی یہ شہر تجارت وثروت کا مشہور شہر تھا جہاں عکاظ نامی بازار بڑی شہرت کا حامل تھا۔ مسلمانوں نے سال ۸ھ میں اسے فتح کیا (۶۲۹ء)۔

۶۹۸: **سُہ**: غالباً شال کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

۶۹۹: **کوشِیک** : ایک مضبوط قلعہ۔

۷۰۰: **چاتک**: [رنگ برنگی کوئل Caculus Melanoleucus)۔ پپیا جو جیسا کہ معروف ہے، خالص بارش کے قطروں پر زندہ رہتا ہے۔

۷۰۱: **اُتّر پَتھہ**: شمال کے راستے سے۔ شمالی علاقہ سے۔

۷۰۲: ایک کمان دو گز کے برابر ہوتی ہے۔

۷۰۳: اس سطر کے بعد انگریزی ترجمہ میں یہ سطر آئی ہے: ''ہاتھی، جو رجو پورہ میں تھے، مغموم حالت میں تھے جیسے کہ وہ اس آفت سے ہراسان تھے جو اُن کے محبوب بادشاہ پر آنے والی تھی''۔ اس سطر کے ذیلی یادداشت میں انگریزی مترجم جوگیش چندر دت نے لکھا ہے کہ: ''یہ سطر یہاں پر متن میں چھاپ کی غلطی نظر آتی ہے جو غالباً دوسری عبارت کے حصے سے تعلق رکھتی ہے''۔ اچانک اس سطر کا داخل ہونا غیر مربوط امر ہے (ڈاکٹر شمس الدین احمد)۔

۷۰۴: **جرم سماوی**: آسمانی جسم۔ یہاں پر چاند سے مراد ہے۔

۷۰۵: **دُریودھن**: کورو شہزادوں میں سب سے بڑے شہزادے کا نام جو پانڈوؤں اور کرشن کے خلاف جنگ کا سردار تھا۔

۷۰۶: یعنی موجودہ سوپور۔ شری ور کے بیان کے مطابق کامراج کا محافظ خانہ یعنی حکومتی رکارڈ دفتر سوپور میں ہی تھا۔ سارا رکارڈ (Record) صندوقوں میں محفوظ تھا اور آتش زدگی کے نتیجے میں سارا سوپور مع محافظ خانہ

مذکور کے خاکستر ہو گیا۔

۷۰۷۔الف: **جَینَ گَری**: زین گیر۔

۷۰۷: **جینُ الآودین**: زین العابدین۔

۷۰۸: **وَراهَ مُولَ**: یہی لفظ اب ورمُل میں تبدیل ہو گیا ہے۔

۷۰۸،الف: یعنی سوپور میں۔

۷۰۹: **وُدھا خاتون** : بظاہر اس نام کی بڈشاہ کی کوئی ملکہ نہیں تھی لیکن بقولِ شری ور ''یہ خاتون سیّدوں کے خاندان میں ویسی ہی تھی جیسے کہ سمندر میں چاندنی'' اس لیے ظاہر ہے کہ یہ ملکہ سیّد تاج الدین کی صاجزادی تھی جو تاج خاتون یا مخدومہ خاتون یا بیہقی بیگم کہلاتی تھی۔ یہ ملکہ اولادِ نرینہ نہیں رکھتی تھی لیکن اس نے سید حسن منطقی کے فرزند سیّد محمد امین اویس کو متبنیٰ بنا لیا تھا لیکن اویس فطرتاً تصوف کی طرف اوائل عمر سے ہی مائل تھے اس لیے سلطنتی اُمور کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ بیہقی بیگم یا مخدومہ خاتون مزار حضرت بہاء الدین گنج بخش میں مدفون ہے۔ اس نے سال ۸۷۰ھ (۱۴۶۵ء) میں وفات پائی۔

۷۱۰: **اِوَراھیم**: یعنی ابراھیم۔

۷۱۰،الف: **درپاوخان** : چھاپی اشتباہ ہے۔ دریا خان صحیح ہے جو بڈشاہی دربار کا معتمد تھا۔

۷۱۱: **میرَ خَوِشاَہَ مَدَ** : میر خوش آمد

۷۱۲: **حاجیه خانَ** : یعنی حاجی خان

۷۱۳،الف: **میر یا شراب**: غالباً شراب کی کوئی قسم جو پست درجہ کی اقسام میں سے تھی۔

۷۱۳: یعنی بادشاہ، وزیر، معاون، خزانہ، سلطنت، قلعہ اور فوج۔

۱۴ے: **آدم خَان** : سلطان زین العابدین کے چار بیٹے تھے اور چاروں مدو دیش (جموں) کے راجہ کی دو بیٹیوں کے بطن سے تھے۔ سب سے بڑے بیٹے کا نام آدم خان تھا۔ اس سے چھوٹے کا نام حاجی خان تھا جو بادشاہ ہو کر سلطان حیدر شاہ کہلایا۔ تیسرے بیٹے کا نام جسرت خان اور چوتھے کا نام بہرام خان تھا۔ بعض مورخوں نے آدم خان کو ادہم خان لکھا ہے لیکن آدم خان ہی صحیح ہے کیونکہ بڈشاہی دربار سے وابستہ برہمن مورخ پنڈت شری ورنے بھی آدم خان ہی لکھا ہے۔ تاریخ حسن (جلد دوم) میں بھی آدم خان ہی آیا ہے۔

۱۵ے: **پَرنُوتَس** : پنوچھ یا پونچھ

۱۶ے: **راج پُوری** : راجوری

۱۷ے: **حَسَن خَان** : سلطان زین العابدین کے پوتے کا نام جو اس کے فرزند حاجی خان کا بیٹا تھا اور جو بعد میں سلطان حسن شاہ کے نام سے کشمیر کا بادشاہ بن گیا (۱۴۷۲ء-۱۴۸۴ء)۔

۱۸ے: شری ورنے بھی جون راج کشمیری برہمن مورخ کی پیروی مین کشمیر کے ہم وطن مسلمانوں کو، جو یہاں کے باشندے تھے یا ہجرت کر کے دوسرے اسلامی ممالک سے کشمیر میں بس چکے تھے، ملیچھ، موسلے اور یاون کے تین ناموں سے یاد کیا ہے اور کہیں بھی اپنی تاریخ میں انہیں اپنے حقیقی خطاب مسلمان سے مخاطب نہیں کیا ہے چنانچہ مسلمانوں کے خدا کو بھی الگ خدا کہا ہے۔ یہ ہے ہمارا کشمیری برہمن مورخ جس کے سینے میں کشمیری مسلمانوں سے بے مثالی عداوت رکھنے کی وجہ سے اس کا دل سیاہ ہو چکا تھا۔ ایک مورخ کو تعصب سے بالاتر ہونا چاہیے کہ لیکن کیا کیجئے کہ

سیاہی از حبشی کی رود کہ خود رنگ است

۱۹ ے: **وَھرام خَان** : بہرام خان ابن زین العابدین

۲۰ ے: **ڈُرش** : ایک تر کی سکّہ جو اڑھائی آنے کے برابر ہوتا ہے۔ دوسواسی سونے کے برادوں کا وزن۔

۲۱ ے: یعنی شری ور

۲۲ ے: **سَمہت** : یا سنہتا۔ ویدوں میں سے کسی ایک وید کے منتروں یا ترانوں کا مکمل مجموعہ۔

۲۳ ے: اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ شری ور سُریلی آواز میں گاگا کر یہ منتر اور ترانے سلطان زین العابدین کو سناتا تھا۔

۲۴ ے: رگھوُ : اودھ کے ایک قدیم راجہ کا نام جو رامچندر کا پردادا تھا۔ اس بادشاہ کی نسل کا نام۔ رگھوونش، رگھوپتی، رگھوراج، رگھوراجہ، رگھورائے، رگھوناتھ اور رگھوکُل نام کی تخفیف۔ رگھو اصل میں رام کا لقب ہے اور اُسے رگھونندن، رگھوورا اور رگھوویر بھی کہتے ہیں۔

۲۵ ے: **شلوک** : یا اشلوک = دوبیتی۔ ترانہ، منظوم قطعہ، قصیدہ۔

۲۶ ے: **مُنی** : ایک روحانی شخصیت۔ مقدس بزرگوار جو روحانی طاقت کا مالک ہو۔ رشیوں کا لقب۔

۲۷ ے: **شِکایَت** : سلطان زین العابدین نے اپنے بیٹوں کے طرز زندگی اور اُن کی اپنے اس عظیم شہنشاہ باپ کے ساتھ بے وفائی کرنے سے دل شکستہ ہوکر یہ کتاب لکھی جس میں ان کے ہاتھوں تنگدل اور رنجیدہ وگریان رہنے کی شکایت کرتے ہوئے لاولد رہنے کو ترجیح دی ہے۔

۲۸ ے: مراد ہے سلطان زین العابدین کو بچپن میں دودھ پلانے والی دایہ کے بیٹے یعنی سلطان کے رضاعی بھائی۔ زینہ، راج ترنگنی میں زون راج نے دو کے نام مسعود اور شیر لکھے ہیں اور شری ور نے دو اور نام حسن اور حسین لکھے

ہیں۔ گویا سلطانؔ کے رضاعی بھائیوں کی تعداد چار تھی۔

۷۲۹: **کَرَن** : ایک مخلوط طبقے کا آدمی۔ ذات سے باہر کھشتری آدمی یا ویشیا عورت کا کھشتری مرد سے بیٹا یا شودر عورت کا بیٹا ویشیا سے یا

۷۳۰: **قُدمَدینَ پوری**: قطب الدین پورہ۔ جو موجودہ عالی کدلؔ سے ملحق سارے علاقوں پر شامل ہے۔

۷۳۱: **شِوبَھٹؔ** : سلطان زین العابدینؔ کا ذاتی طبیب تھا۔ محمد الدین فوقؔ نے تاریخ بڈشاہی نام کی اپنی تصنیف میں لکھا ہے (ص ۳۷۰۔۳۷۲) کہ سلطانؔ کے نامی طبیبوں ندیموں اور مقربوں میں شِوبُھٹؔ کا بہت بڑا درجہ تھا اور سلطانؔ اس پر انواع واقسام کی نوازشیں کرتا تھا۔ یہ حکیم شِوبھٹؔ ہی تھی جس کی تحریر وسفارش سے بادشاہ نے حکم دے دیا کہ سلطان سکندرؔ کے زمانے سے جو لوگ جلاوطن ہو کر غیر ممالک میں چلے گئے ہیں وہ وطن میں واپس آ سکتے ہیں اور جہاں جہاں ان کی جائداد ہے وہ اس پر قابض ہو سکتے ہیں اور جہاں جہاں ان کے معابد ہیں وہ ان میں عبادت کر سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی رعایتیں دیں (جن کا ذکر اپنے موقعہ پر ہو چکا ہے)۔ شِوبھٹؔ کے مکانات راجدھانی نوشہرہ میں تھے اور یہ جو شری بھٹ کے نام سے مغالطہ ہوا ہے وہ دراصل شوبھٹؔ محلّہ ہے نہ کہ شری بھٹؔ محلّہ کیونکہ شری بھٹؔ حکیم یا طبیب نہیں تھا بلکہ بادشاہ کا چیف جسٹس تھا۔ شوبھٹؔ کے بارے میں زون راج نے لکھا ہے کہ بادشاہ کا درباری طبیب اور جراح (Surgeon) تھا۔ بادشاہ کی عنایات نے اسے امیر کبیر بنا دیا تھا اور رفاہ عامؔ کے کاموں میں اپنے محبوب بادشاہ کی طرح پوری دلچسپی لیتا تھا صاحب طبقات اکبریؔ نے اسے فنِ طبابت میں منتخب روزگار کہا ہے۔

۷۳۲: **جَینَ نگری**: یعنی راجدھانی یا دارالخلافہ زین نگر جو موجودہ

نوشہرہ تھا۔

۷۳۳: **کلپ** : قانون داری۔حکومت کی عملداری۔تقریب۔وقت کی ایک افسانوی مدت۔ برہما کا ایک دن یا ایک ہزار یگ چار ارب بتیس کروڑ سالوں کی مدت (دنیا کے دوران کا عرصہ)۔اندر کی جنت میں ایک درخت کا نام جو سب مرادیں پوری کرتا ہے۔

۷۳۴: **بادشاہِ شری جین** : سلطان زین العابدین۔سنسکرت زبان میں شری کے معنی ہیں خوشحالی۔مسرت۔خوشی۔کامرانی۔دولت۔جایداد۔حسن۔روشنی۔رونق۔شوکت۔فتح وکامیابی۔آرائش۔ذہن۔گویا شری ور نے اپنے محسن بادشاہ زین العابدین کو ان تمام صفتوں کا حامل قرار دیا ہے۔

۷۳۵: پروفیسر محب الحسن نے سلطان زین العابدین کی وفات کے بارے میں لکھا ہے کہ ۱۲رمئی ۱۴۷۰ء کو بروز جمعہ دوپہر کے وقت اس کا انتقال ہوا۔وفات کے وقت اس کی عمر ۶۹رسال کی تھی۔کنگڈم آف کشمیر کے مؤلف نے بھی یہی تاریخ لکھی ہے۔شری ور نے سلطانِ موصوف کا سالِ وفات ۴۶رلوکک لکھا ہے جو انگریزی سال ۱۴۷۰ء (ہجری سال ۸۷۵ھ) کے برابر ہے۔تاریخ حسن (ج ۲رص ۲۰۶) میں سلطان کا سال وفات ۸۷۹ھ آیا ہے جو انگریزی سال ۱۴۷۴ء کے برابر ہے۔واقعاتِ کشمیر کے مؤلف نے سال تاریخ وفات ۸۷۸ھ لکھا ہے جو سال ۱۴۷۳ء کے برابر ہے اس طرح سے غیر فارسی تاریخوں کے مقابلے میں تین چار سال کا فرق موجود ہے۔

۷۳۶: سال ۹۶،لوکک سال = ۱۴۲۰ء (۸۲۳ھ)۔

۷۳۷: بادشاہ، وزیر، معاون، خزانہ، سلطنت، قلعہ اور فوج۔

۷۳۸: یعنی مرجانے کے بعد کے رسوم مثلاً مجالسِ دعا و فاتحہ و مناجات وغیرہ۔

۳۹ے: یعنی غالباً رات کی دعوت جسے موجودہ اصطلاح میں ختم شریف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۴۰ے: یہ سالور گاؤں گاندربل میں واقع ہے۔

۴۱ے: تاریخ حسن (جلد ۲ ص ۲۰۶) میں سلطان زین العابدین کی وفات پر یہ تاریخی منظومات مرقوم ہیں۔ امکان ہے کہ یہ تاریخین بھی سلطانِ موصوف کی قبر پر کندہ کی ہوئی ہونگی کہ اس کی توصیفات کی بھی ترجمان ہیں۔

سلطان زین العابدین ز دخیمہ در خُلدِ برین
بی نور شد تاج و نگین بی ہور شد ارض و سما
از بہرِ تاریخش عیاں بی سر شدہ اندر جہان
عدل و کرم، علم و عَلم، جاہ و حشم، صُلح و صفا (۸۷۹ھ)

❁❁❁

دریغا بادشاہِ مسلمین رفت

امامِ وقت زین العابدین رفت
جہانِ تاریک شُد از ماتمِ اُو
کہ خورشیدِ زمان، زیرِ زمین رفت
کشید از آسمان سر ہاتفِ غیب
ندا در داد: ''ماہِ مُلکِ دین رفت'' (۸۷۹ھ)

۴۲ے: طوطی کی ایک قسم جس کی منقار کی خوبصورتی مشہور ہے۔ کشمیری زبان میں طوطے کو شوگ بھی کہتے ہیں۔

۴۳ے: **مریخ** : انگریزی میں MARS۔ زمین کے مقابلے میں چھوٹا سیارہ ہے اور سورج کی نسبت اس کا فاصلہ زمین سے زیادہ ہے اور اس لحاظ سے عُطارِد، زُہرہ اور زمین کے بعد آتا ہے۔ اس کی روشنی عطارد کے

تقریباً دو گنا اور زہرہ کے نصف کے برابر ہے۔ مریخ ایک کرہ کی شکل کا ہے جس کا قطر تقریباً کرۂ زمین کی نصف کے برابر اور چاند کے دو برابر قطر کا ہے (کرۂ زمین کا قطر خطِ استوا میں ۱۲۷۵۵ر کلومیٹر ہے) چونکہ اس کا فاصلہ سورج تک زمین سے سورج تک کے فاصلے سے زیادہ ہے اس لیے زمین کی گرمی کے مقابلے میں اس کا درجۂ حرارت کم ہے۔ اس کی ظاہری سطح کا درجۂ حرارت دن میں ۱۵ر درجہ سینٹی گریڈ اور رات کو صفر سے چالیس درجہ نیچے چلا جاتا ہے۔ اس کی سطح کا ایک اچھا خاصا حصہ سُرخ ریگ زار یعنی صحرائی ہے اور باقی حصہ سبز رنگ ہے جس سے یہ احتمال ہے کہ اس حصے میں نباتات اُگتی ہے۔ کرۂ مریخ میں پانی کے وجود کا بھی تشخیص کیا جاتا ہے اور جاڑے کے موسم میں برف اور یخ کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو بھی ٹیلسکوب سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اس میں زمین ہی کی طرح چار موسم ہوتے ہیں۔ اس میں دو چاند ہیں ایک کا نام ڈِی موس (DEIMOS) ہے جس کا قطر ۱۵ر کلومیٹر ہے اور دوسرے کا نام ہے فوبوس (PHOBOS) جس کا قطر تقریباً دس کلومیٹر ہے۔ (یہ دو چاند سال ۱۸۷۷ء میں اسف ہال نامی ایک امریکی ستارہ شناس نے دریافت کئے تھے) اس سیارے کی سطح پر زمین کی جُتی ہوئی شگافیں نظر آتی ہیں جن کے بارے میں دانشمندوں کا خیال ہے کہ یہ نہریں ہیں جنہیں آبپاشی کے لیے کھودا گیا ہے لیکن اس عقیدے کو ابھی تک ثابت نہیں کیا گیا ہے اور یہ بھی مسلّم نہیں کہ آیا مریخ پر انسانی زندگی کا وجود ہے بھی یا نہیں اور کیا کوئی نباتات اُگتی ہے یا نہیں۔ مریخ کی ہوا میں آکسیجن کی مقدار کم ہے تقریباً اُسی قدر ہے جس قدر ایورسٹ پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔ قدیم جغرافیہ دانوں کے علم کے مطابق مریخ پانچویں آسمان پر ہے اور اس کے اثرات کو سخت ناخوشگوار مانا ہے۔

۷۴۴: **پوش** : دسمبر، جنوری کا مہینہ۔ اسے پوہ بھی کہتے ہیں اور پوس بھی۔

۷۴۵: یعنی سلطان زین العابدین۔

۷۴۶: **حیدر شاہ**: خواجہ محمد اعظم دِدّمری نے اپنی تالیف **واقعات کشمیر** (ص ٦٧) میں لکھا ہے کہ: ''سلطان زین العابدین کے بیٹے حیدر شاہ نے باپ کے واقعہ وفات کے بعد تخت و تاج پایا۔ ایک سال دو ماہ تک حکومت کی اور باپ کے اوضاع کو بدل ڈالا اور اُس کے قوانین کو برباد کر کے رکھ دیا جس کی شامت میں حالت مستی میں بلند منظر پر سے نیچے گر گیا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور دنیا سے چلا گیا۔ (سال ۸۸۰ھ)''۔
تاریخ حسن (جلد ۲ ص ۲۰۷۔۲۹۸) میں آیا ہے: ''سلطان حیدر شاہ نے اوائل سال ۸۷۹ھ (۱۴۷۴ء) مطابق ۱۵۳۱ بکرمی میں سکندر پورہ کے قصر شاہی میں کمالِ تجمّل کے ساتھ مسند نشینی کا دربار آراستہ کر کے بادشاہت کا تاج سر پر رکھ دیا اور اطراف کی ریاستوں سے تقریب و تہنیت کے لیے آئے ہوئے راجاؤں کو گران قیمت خلعتوں سے نوازنے کے بعد ان کو رخصت کر دیا۔ **بھرام خان** کو وزارت کا رُتبہ بخش دیا اور ناگام پرگنہ اُس کی جاگیر مقرر کر دیا اور **حسن خان** کو کامراج جاگیر میں دے دیا اور اُسے اپنا ولی عہد بنایا۔ اس سے ارکان دولت تذبذب میں پڑ گئے۔ حسن خان پنجاب کے مفتوحہ ممالک میں گیا اور چھ ماہ تک وہاں رہ کر کافی مال و متاع کے ساتھ لوٹ آیا۔ سلطان رات دن لہو و لعب میں مخمور و مسرور رہ کر اپنے اجداد کے اوضاع کو تباہ و برباد کرتا رہا۔ اس نے ہندو فرقے کو تعصب اور زور زبردستی سے بہت ستایا۔ انہوں نے غیرت و جوش میں آ کر بعض جدید مسجدوں اور مقبروں کو، جنہیں سلطان سکندر نے مندروں کے مصالہ سے تعمیر کیا تھا نذر آتش کر کے گرا ڈالا۔ اس حرکت سے سلطان اور زیادہ قہر میں آ گیا اور

ہندوؤں کے بعض رہنماؤں کو قتل کر دیا، بعضوں کو دریا میں غرق کر ڈالا اور بعضوں کے کان اور ناک کاٹ ڈالے۔ امراء نے بھی مظالم ڈھائے اور رعایا میں تباہی لائی۔ **لُولی حجام** نامی ایک شخص سلطان کے مقربین میں سے تھا جو وہ کہتا تھا سلطان اس پر عمل کرتا تھا۔ وہ لوگوں سے رشوتیں لیتا اور جس پر ناراض ہو جاتا سلطان کو اس سے بدظن کر دیتا تھا چنانچہ حسن خان کچھی، جس نے اُس کی بیعت میں پہل کی تھی لولی حجام کی دشمنی سے قتل ہوا۔ **آدم خان** نے جو ایک بھاری لشکر کے ساتھ جموں کو تباہ کرنے گیا تھا جب حسن خان کے قتل ہو جانے کی خبر سُنی تو وہ اپنے ارادے کو ترک کر کے راجہ جموں ملک دیو کی ہمراہی میں، مغلوں کے خلاف، جو اس علاقے میں آچکے تھے جنگ کرنے گیا۔ وہاں اُس کے منہ میں ایک تیر آکے لگا اور مر گیا۔ حیدر شاہ نے اس کی میت کو جموں سے منگوا کر اُسے نوکدل کے متصل محلہ سہہ یار میں دفن کر دیا۔ ان ہی ایام میں ہمیشہ شراب پیتے رہنے کے نتیجے میں بادشاہ پر شدید بیماریوں نے غلبہ کیا اور اُمراء نے چوری چھپے بہرام خان کے ساتھ متفق ہو کر چاہا کہ اُسے تخت سلطنت پر بٹھا دیں گے۔ آدم خان کے بیٹے فتح خان نے جو سلطان کے حکم سے سرہند گیا تھا جہاں اس نے بہت سے قلعوں کو فتح کیا تھا، یہ خبر سنتے ہی لشکر جرار کے ساتھ خود کو کشمیر میں پہنچا دیا اور بہت سا مال غنیمت پیش کیا لیکن چونکہ بلا اجازت آ گیا تھا خود غرض لوگوں نے وحشتِ ناک باتیں بنا کر سلطان کے مزاج کو بدل ڈالا اور اس کی خدمات کو نظر انداز کر دیا گیا۔ بہر حال ایک روز بادشاہ گچ کیئے ہوئے ایوان پر آ کر شراب خوری میں مشغول ہوا۔ مستی کی حالت میں اس کا پاؤں پھسل گیا اور زمین پر گر کر فوت ہوا۔ اس نے کُل ایک سال دو ماہ حکومت کی"۔ **ابوالفضل** نے حیدر شاہ کی اس مدتِ حکومت کی تائید کی ہے اور اس کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھا۔ **مجموعٔ**

التواریخ میں آیا ہے کہ: ''اس (سلطان زین العابدین) کے بعد اس کا بیٹا سلطان حیدر شاہ سال ۸۷۸ھ (۱۴۷۳ء) میں اُمورِ مملکت کو جاری رکھنے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے اپنے والد کے برعکس شراب اور مینا کی عادت ڈالی اور ایک سال اور چند مہینوں کے عرصے میں ایک رات حالت مستی میں قصر شاہی کے چھت سے نیچے گر گیا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور اس کا ناموس درہم برہم ہو گیا۔ (سال ۸۸۰ھ)''۔ **کشمیر سلاطین کے عہد میں** آیا ہے کہ: ''زین العابدین کا عہدِ خاندان شاہ میر کے عروج کا دور تھا لیکن اس کی موت کے بعد اس کے کمزور جانشینوں کی حکومت رو بہ زوال ہو گئی اور آخر کار چکوں کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔ حاجی خان، سلطان حیدر شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔ اس موقعہ پر سکندر پورہ میں بڑا جشن منایا گیا۔ امراء اور باجگذاروں کو تحفے عطا کئے گئے۔ حاجی خان کے چھوٹے بھائی بہرام کو ناگام کا علاقہ جاگیر میں ملا اور اس کے لڑکے حسن خان کو کمراج کی جاگیر ملی اور اس کی ولی عہدی کا بھی اعلان کیا گیا۔ اسی درمیان میں ادہم خان [محبّ الحسن اور کنگڈم آف کشمیر کے مولف نے آدم خان کی جگہ ادہم خان لکھا ہے جب کہ تمام مقامی فارسی مورخین نے ادہم خان نہیں بلکہ آدم خان لکھا ہے ۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد] جو جموں میں تھا پونچھ کی طرف بڑھا اور کشمیر پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ سلطان کے ایک مقرّب **پُورن حجام** [ذیلی یادداشت = شری ورص ۱۸۶/ پر اس کا نام **رکتِ تَر** بتاتا ہے لیکن بعد میں اس کا نام **پُورن** درج ہے ۔ دیکھو مزید شری ور بمبئی ایڈیشن نمبر ۳۰۔ ۵۲ ۔ جہاں اس کا نام بالترتیب رکتِ تَر اور پورن پتی درج ہے۔ میوسح قلمی نسخہ میں اس کا نام پونی آیا ہے لیکن نظام الدین اور فرشتہ اس کا نام لولی بتاتے ہیں۔ عربی رسم الخط میں پونی، آسانی سے لولی پڑھا جا سکتا ہے] اور دوسرے مشیروں نے سلطان کو بتایا

کہ ادہم، حسن شاہ کچھی خزانچی کے مشورہ سے وادی پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔
حیدر شاہ نے حسن اور اس کے ساتھ ساتھیوں کو بلوا کر قتل کر دیا۔ سلطان زین
العابدین کے ان سارے وزیروں کو بھی پھانسی دی گئی جو حیدر شاہ کی تخت نشینی
کے خلاف تھے۔ ادہم نے حسن کے قتل کی خبر سنی تو اس کے خوف کی انتہاء نہ رہی
اور وہ جموں واپس چلا آیا۔ بہرام خان بھی ڈر کر بھاگنا چاہتا تھا لیکن سلطان کی
یقین دہانی کی وجہ سے اس کو اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ سلطان اس کو اپنے قریب
رکھنا چاہتا تھا کیونکہ ادہم کی سازشوں کو روکنے میں اس سے مدد مل سکتی تھی۔ اس
کے فوراً بعد حیدر شاہ کو یہ خبر ملی کہ ادہم خان اپنے ماموں مانک دیو راجہ جموں
کے ساتھ ترکوں کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا، [ذیلی یادداشت = میونخ قلمی نسخہ
ورق ۷۸/الف۔ ادہم خان نے جموں کی شہزادی سے شادی کی تھی۔ اس کی
موت کے بعد اس کے لڑکے فتح خان کو راجہ جموں نے پالا پوسا (شری ورص
۲۰۹)] سلطان کو یہ سن کر رنج ہوا۔ اس نے اس کی لاش جموں سے منگوا کر
سلطان زین العابدین کے پہلو میں دفن کرا دی۔ اپنے باپ کی طرح حیدر شاہ
نے ہندوؤں سے نرمی کا برتاؤ کیا لیکن پُورن حجام کے ورغلانے سے بعض
برہمنوں نے خانقاہِ معلّی [ذیلی یادداشت = شری ور بمبئی ایڈیشن جلد ۲ ر نمبر ۱۲۷
ر پر سعید خان آقاہ نے لکھا ہے جو خانقاہِ معلّی ہی ہے] کو نقصان پہنچایا اور
سرینگر کے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کیا۔ جب سلطان کو اس کی خبر ہوئی تو
اس نے شر انگیزوں کو سخت سزا دی۔ ان کے بازو اور پاؤں کاٹ دئے گئے۔
ان کی جائداد ضبط کر لی گئی جس میں وہ کھیت بھی شامل تھے جو زین العابدین
نے ان کو دئے تھے۔ سلطان نے سلطنت کے انتظامی اُمور کی طرف توجہ کم
کر دی تھی۔ اس لیے بیرونی پہاڑیوں کی ریاستوں نے خود مختاری کا اعلان
کر دیا۔ یہ ریاستیں شہاب الدین کے زمانہ سے کشمیر کی باجگذار تھیں۔ شہزادہ

حسن کو فوج دے کر اُن کو مغلوب کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ راجوری کے راجہ جے سنگھ نے جنگ کے بغیر شکست تسلیم کر لی اور حسن کو بیش قیمت تحائف دیے اور اپنی لڑکی کی شادی بھی اس سے کر دی لیکن جن سرداروں نے سلطان کی اطاعت گذاری سے انکار کیا ان پر حملہ کر کے ان کو شکست دی گئی اور ان کی ریاستوں کے صدر مقام کو تباہ کر دیا گیا۔ چھ مہینے تک جنگ کرنے کے بعد حسن نے کشمیر واپس جانے کا ارادہ کیا کیونکہ سرینگر سے ایک بڑی خطرناک خبر اس کو ملی تھی۔ حسن کی غیر موجودگی میں بہرام خان نے سلطان کا اعتماد حاصل کر کے اس کو اپنے زیر اثر کر دیا تھا۔ اس طرح اس کی حیثیت کافی مستحکم ہو گئی تھی۔ کثرت مے نوشی سے حیدر شاہ کی صحت گرتی اور دماغی طاقت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ بہرام خان نے اس سے فائدہ اٹھایا اور امراء سے ساز باز کر کے تختِ شاہی کو غصب کرنا چاہا۔ اس کی اطلاع پا کر حسن کو سرینگر کی طرف مراجعت کرنی پڑی۔ چونکہ وہ سلطان کی اجازت کے بغیر لوٹا تھا بہرام اور دوسرے غرض مند لوگوں نے سلطان کو اس کے خلاف یہ کہہ کر ابھارا کہ وہ تخت حاصل کرنے کی غرض سے آیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان نے اُسے شرف باریابی بخشنے سے انکار کر دیا اور آخر کار فوجی سرداروں کی درخواست پر اس کو اجازت ملی۔ اس نے باغی سرداروں کو مغلوب کرنے میں جو کچھ خدمات انجام دی تھیں اس کا کوئی خیال نہیں کیا گیا اور اس کو معمولی خلعت عطا کیا گیا۔ اسکے بعد ایک دن حیدر شاہ اپنے محل کے سب سے اوپر کی چھت پر شراب پی کر بدمست ہو کر گر پڑا اور اس کی ناک سے خون بہنے لگا۔ اس کے منہ سے خون آتا تھا اور اس کو گٹھیا کی بیماری بھی تھی۔ کمزوری کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کو اٹھا کر بستر تک لے جایا گیا۔ اس کی حالت زیادہ خراب ہوئی اور جان بری کی امید نہ رہی تو اس کے وزراء **احمد یتو** کی سربراہی میں بہرام خان کے پاس گئے

اور اس سے سلطان ہونے کا اعلان کرنے اور حسن کو اپنا ولی عہد بنانے کی درخواست کی [ذیلی یادداشت : یہ بات غلط ہے کہ بہرام نے سلطان کو زہر دیا اور اس کا معقول علاج نہ ہونے دیا۔ دیکھو شری ور ص ۲۰۳) لیکن اس نے دوسری شرط ماننے سے انکار کیا۔ احمد نے امراء کے مشورہ سے حسن کے سلطان ہونے کا اعلان کیا اور بہرام پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ بہرام ڈر کر بھاگ کھڑا ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ بہرام نے بڑی بزدلی کا ثبوت دیا۔ اگر اس کے اندر پامردی اور جرأت ہوتی اور اس نے عین موقع پر خزانہ، اصطبل اور محل پر قبضہ کرلیا ہوتا تو اس کو تخت شاہی یقیناً مل جاتا۔ حیدر شاہ کا انتقال ۱۳/اپریل ۱۴۷۳ء کو ہوا۔ اس نے کل ایک سال دس مہینے حکومت کی اور اپنے باپ کی قبر کے پاس دفن ہوا۔ [نوادر الاخبار ورق ۴۹، ب] وہ فیاض اور مہذب تھا اور علم وفن کی سرپرستی کرتا تھا اور خود بھی شاعر تھا اور فارسی میں نظموں کی ایک کتاب بھی لکھی تھی ۔ وہ ملّا داؤد کی صحبت کو بہت پسند کرتا تھا۔ ملّا داؤد بہت بڑے گوّیے تھے۔ ان کے شاگرد خواجہ عبدالقادر نے سلطان کو ستار بجانا سکھایا تھا۔ شری ور کا بیان ہے کہ سلطان نے ستار بجانے کے فن میں اتنی مہارت پیدا کرلی تھی کہ وہ موسیقی کے اساتذہ تک کو سبق پڑھاتا تھا۔ دربار سے متعلق دوسرے لوگوں سے سلطان نے دوسرے قسم کے ساز بھی اچھی طرح بجانا سیکھا تھا۔ اپنے باپ اور چچا کی طرح حیدر شاہ نے بھی سرینگر میں جہلم پر ایک پُل تعمیر کرایا اور اس کا نام نَوکدل رکھا (نوادر الاخبار ورق ۴۵ ب ☆ لیکن تاریخ حسن جلد اول ص ۳۱۲ / میں آیا ہے کہ نَوکدل کو نورالدین خان نے بنایا جس کی لمبائی ۵۷/گز، چوڑائی ۶/گز اور اس کے نیچے کی فیلپایوں کی تعداد ۳/تھی اور گہرائی ۱۶/فٹ تھی ___ نورالدین خان کشمیر کا افغان گورنر تھا جس نے ۱۱۷۹ھ تک حکومت کی (سال ۱۱۷۵ھ سے۔ البتہ بیچ میں کابل چلا گیا تھا اور تین

سال وہاں رہ کر ۸۷۷ھ میں لوٹ آیا۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد)۔ وہ متحمل مزاج تھا اور قابل پنڈتوں کی صحبت سے لطف اندوز ہوتا تھا جو اس کو پُران، دھرم شاستر اور سمستا پڑھ کر سناتے تھے۔ غریبوں سے فیاضی کا برتاؤ کرتا تھا اور درباریوں کو تحفے اور جاگیر دینے میں بڑا کشادہ دل تھا لیکن معمولی سے معمولی جرم پر بڑی سخت سزائیں بھی دیتا تھا۔ (میونخ قلمی نسخہ ورق ۷۷/الف) اس کے ساتھ وہ کمزور فطرت انسان بھی تھا اور اس پر مضبوط ارادے کے لوگ حاوی ہوجاتے تھے خاص طور سے اس پر پُورن حجام کا بڑا اثر تھا جو لالچی، بے ایمان اور بڑا سازشی تھا۔ سلطان کا وقت مے نوشی، عورتوں اور گویوں کی صحبت میں گذرتا تھا اور حکومت کا سارا انصرام و انتظام رشوت خور اور نا اہل لوگوں پر چھوڑ دیا تھا جن کی وجہ سے ملک میں بڑی بد انتظامی رہی" **کنگڈم آف کشمیر** میں آیا ہے کہ "زین العابدین کے فوری جانشین، حاجی خان نے حیدر شاہ کے لقب سے تخت سنبھالا۔ اس کا پہلا کام اپنے دارالسلطنت کو نوشہرہ سے سکندر پورہ میں منتقل کرنا تھا۔ خاندانی عمل کی پیروی میں سلطان کے چھوٹے بھائی بہرام خان کو وزیر اعظم اور فرزند حسن خان کے ولی عہد ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ شاہمیر کی تخت نشینی کے بعد منگولوں کے قتل و غارت کے نتیجے میں وسط ایشیا اور ایران سے سادات کا ایک دریا کشمیر میں اتر آیا۔ اسلامی دنیا میں معزز ہونے کے باعث اُن کی کشمیر میں بھی خاص کر سکندر اور زین العابدین کے ہاتھوں عزت افزائی ہوئی۔ سلطان حیدر شاہ کے زمانے میں ان سادات کا اہم ترین رہنما میرزا حسن بیہقی تھا۔ سلطان نے خیال کیا کہ اس کے ساتھ ازدواجی روابط پیدا کرنے سے اس کے خاندان کی حیثیت میں استحکام کا اور زیادہ اضافہ ہوگا۔ چنانچہ اس نے شہزادہ حسن خان کی شادی میرزا حسن بیہقی کی بیٹی سے کر دی۔ سلطان نے اس کے بعد نظم و بندوبست کی طرف توجہ دی۔ سلطان

زین العابدینؔ کے آخری ایام میں ادارتی نظم وضبط ٹوٹ پھوٹ گیا تھا اور ملک مظالم، رشوت خوری اور عدم تحفظ کا شکار تھا۔ حیدر شاہؔ نے رشوت خوروں اور قانون شکنوں کو سخت سزائیں دیں اور ملک کو چوروں اور معاشرہ میں فساد برپا کرنے والوں سے آزاد کردیا۔ کمزوروں کی فوراً دادرسی کی اور جو طاقتور تھے ابتدامیں ان سے دوستی کی اور جب وہ مست ہونے لگے تو اُن پر ٹوٹ پڑا۔ ان اقدامات سے سلطانؔ کی عمدہ حکومت کے اشارے ملے لیکن توقع سے زیادہ جلدی کے ساتھ اس نے عیش وعشرت کی زندگی اختیار کی اور نیکوئی کی ساری امیدیں منقطع ہوگئیں۔ وہ پہلے سے ہی کثرتِ شراب نوشی میں مبتلا تھا۔ اب اس عادت میں وہ حد سے بڑھ گیا اور اس کا مشیر ''شراب نوشی کی دعوتوں اور عورتوں کی صحبت میں گذرنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نا اہلوں اور شریر لوگوں کے ہاتھوں میں آگئی۔ ان میں سے ایک **رِکُ تِتِرا** تھا جو **پُورن** اور **لُولی** ناموں سے بھی جانا جاتا تھا۔ اساساً وہ ایک حجام تھا لیکن تھا بڑا ظالمؔ، شریر اور رشوت خوار۔ جب سلطانؔ شراب کے نشے میں ہوتا تھا تو رک تِترا اپنے دشمنوں کے خلاف سزا کے حکمنامے اس سے حاصل کرتا تھا۔ کئی لوگوں نے، جن میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے، اپنی زبانیں، ناکیں اور بازو بلکہ زندگیاں بھی گنواڈالیں۔ ایک بار تو رک تِترا نے چند برہمنوں کو خانقاہِ معلّی کو نقصان پہنچانے اور سرینگر کے ایک محلے کے مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے پر اکسایا۔ اس وقعہ کو سلطانؔ کی توجہ میں لانے کے نتیجے میں سلطانؔ قہر آلود ہوا اس نے مجرموں کی ٹانگیں اور اُن کے بازو کاٹ ڈالنے اور اُن کی جائداد ضبط کئے جانے کا حکم دیا۔ لیکن اس پر بھی اس کی پیاس نہ بجھی اور اس نے ان کے مندروں کو گرادیا اور اُن کے خداوؤں کی بے حرمتی کی۔ برہمنوں کے حلقے میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی انہوں نے اپنا لباس بدل دیا اور کہا کہ ''میں بھٹّ نہیں

ہوں! میں بھٹ نہیں ہوں!'' اندرونی خلفشار کے دوران کشمیر کو ایک حملے سے دُچار ہونا پڑا۔ حیدر شاہ کی تخت نشینی سے پہلے ادہم خان (مقامی فارسی تواریخ میں یہ نام آدم خان کی صورت میں آیا ہے ـــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد) فرار کر کے جموں میں پناہ لے چکا تھا۔ اب اس نے کشمیر پر حملہ آور ہونے کے مقصد سے پونچھ کا رُخ کیا لیکن لوگوں سے کسی قسم کی مدد نہ پا کر وہ جموں لوٹ آیا اور اس کے فوراً بعد وفات پائی۔ لیکن پونچھ کے حکمران پر اس کا مددگار بن جانے کے نتیجے میں سلطان حیدر شاہ کا قہر ٹوٹ پڑا۔ شہزادہ حسن نے اس کے ملک پر حملہ آور ہو کر اُسے سزا دی۔ اس حملے میں راجوری کو بھی زیر کر لیا گیا۔ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ جموں کا حکمران اور گکھروں کا سردار بھی تسلیم ہو گئے۔ حسن کی غیر حاضری میں بہرام خان نے تخت کو حاصل کرنے کی تدبیریں کیں۔ سلطان کی سیاسی مصلحتوں کے نتیجے میں اُس (سلطان) کے کئی دشمن پیدا ہو گئے تھے۔ سخت مے نوشی کی وجہ سے اب اس کی صحب بھی بگڑ گئی تھی۔ اس کے بعض شریر وزراء نے بہرام کی تدبیروں کا ساتھ دیا لیکن بہرام کے سازشی تدابیر کی کامیابی سے پہلے ہی شہزادہ حسن دارالخلافہ میں تمام عملیات اور کارناموں سے آگاہ ہوا اور تیزی کے ساتھ لوٹ آیا۔ لیکن چونکہ اس کی واپسی بلا اجازت تھی سلطان نے بہرام کے اکسانے پر اُسے باغی قرار دیا اور اُسے بار دینے سے انکار کیا۔ پس بہرام کی تدبیریں کامیاب ہوتی دکھائی دیں لیکن بعد میں جب فوجی سرداروں کی سفارش پر سلطان نے شہزادہ حسن کو معاف کر دیا بہرام کی سازشیں سراسر ناکام ہوئیں۔ حیدر شاہ ۱۳ / اپریل ۱۴۷۲ء کو فوت ہوا۔ اس کی ناکامیوں کے باوجود وہ ایک مہذب آدمی تھی۔ موسیقی کے کئی ساز بجانے میں ماہر تھا اور نئے بجانے میں استاد تھا۔ وہ ایک قابل اور عمدہ شاعر بھی تھا اور فارسی میں گیتوں کی ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ سرینگر کے

دریائے جہلم پر نوا کدل نامی پُل بھی اُس کے تعمیری کاموں میں شامل ہے"۔

تاریخ جدولی موسوم بہ موجز التواریخ میں درج ہے کہ "سلطان حیدر شاہ کی مدتِ حکومت ۹۷۸ھ (۱۴۷۴ء مطابق ۱۵۳۱ بکرمی) ایک سال دو ماہ تک تھی۔ حاجی خان کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ عیاش تھا۔ اونتی پورہ کا پُل بھی اس نے بنوایا ہے۔ شراب کے نشے میں چُور ہو کر ایک روز گر کر مر گیا۔

۴۷ ے: **میر و پہاڑ**: دیکھئے حاشیہ ۳۲۷۔

۴۸ ے: **حسن خزانہ دار**: محبّ الحسن اور واقعات کشمیر نے اس کا نام حسن شاہ کچھے خزنچی لکھا ہے۔ دیکھئے حاشیہ ۴۶ ے۔

۴۹ ے: **حاجیہ حیدھر**: یعنی حاجی خان سلطان حیدر شاہ ابن سلطان زین العابدین۔

۵۰ ے: **ناگ رام**: موجودہ ناگام۔

۵۱ ے: **سُکشِتی**: غالباً جاگیر کے معنی میں آیا ہے۔

۵۲ ے: **بھرُوپ**: موجودہ بیروہ۔

۵۳ ے: **مرجاحسن**: یعنی مرزا حسن بیہقی

۵۴ ے: **وانگیل**: یعنی موجودہ بھانگل

۵۵ ے: **کُوِیر**: ہندوؤں کے عقیدہ میں دولت و ثروتمندی کا دیوتا۔

۵۶ ے: معلوم ہوتا ہے کہ امرت نامی یہ سبزہ زار یا باغ عوام کی سیر و گردش کے لیے مخصوص تھا جس کے خوبصورت درخت کاٹنے کے شاہی فرمان کو لوگوں نے پسند نہیں کیا۔

۵۷ ے: **سُواوَن**: قربانی (جانوروں کی) کی ایک رسم۔

۵۸ ے: یعنی شیخ زادہ

۵۹ ے: **آچاریہ**: اَچاریہ بھی کہتے ہیں۔ مذہبی معاملات میں رہنمائی

کرنے والا یا ہدایات دینے والا خاص کر وہ جو ایک طالب علم کو جنیئو پہنائے اور اسے ویدوں کی تعلیم دے۔ ایک عالمِ و فاضل پنڈت۔ کسی سلسلے کا بانی یا رہنما۔ عالموں کے نام کے ساتھ ایک لقب۔

۶۰ ے: **راب** : شیرہ۔ پتلا گڑ جو اکثر تمبا کو میں پڑتا ہے۔ گنّے کا رس۔

۶۱ ے: **خوجیہ** : یعنی خواجہ۔ [ضمناً خواجہ کے معنی ہیں: بزرگ صاحب، سرور، مالک، مال دار، دولتمند، سوداگر، تاجر، وزیر، وہ شخص جس کے خصیے نکال دیے گئے ہوں، آختہ کیا گیا آدمی]

۶۲ ے: **رواو** : یعنی رباب۔ تاروں والا موسیقی کا ایک آلہ جسے قدیم زمانے میں ناخن یا مضراب سے بجاتے تھے اور طنبور کی مانند دستہ دار تھا۔ آج کل سارنگی کی صورت رکھتا ہے۔ کہتے ہیں رباب موجودہ افغانستان کی ساخت ہے۔ فارسی میں رُباب بھی کہتے ہیں اور رَباب بھی۔ رباب کو قدیم زمانے میں کمانی سے بھی بجاتے تھے اور اس کے دو تار ہوتے تھے۔

۶۳ ے: **مَدُرَ** : یعنی جموں،

۶۴ ے: **پَرنَوتُسَ** : یعنی پونچھ۔

۶۵ ے: یہ بات شری ور نے اس لیے لکھی ہے کہ اس کے بعد ویش راون بھٹ کا ذکر کیا ہے جس نے خود کو ہندو رسم کے مطابق جلا دیے جانے سے انکار کر کے اپنے لیے ایک مقبرہ بنوایا تھا اور مسلمانوں کو مرنے کے بعد زمین کے سپرد کرتے کے عمل پر اپنے عکس العمل کا اظہار کرتے ہوئے شری ور نے مقبرہ بنانے کے طریق کار کو اپنے لیے ترجیحاً پسند کیا تھا۔ اس اہم ہندو شخصیت کے اپنے لیے مسلمانوں کی مانند مقبرہ تعمیر کرنے کے عمل پر اپنے عکس العمل کا اظہار کرتے ہوئے شری ور نے مقبرہ بنانے کے طریقہ کار کو ایک احمقانہ فعل کہا ہے اس اطلاع سے بے خبر کہ اہلِ کتاب تمام دنیا میں ایسا ہی کرتے ہیں اور وہ

زندگی اور موت کی دونوں حالتوں میں اہلِ نار نہیں بننا چاہتا ہے بلکہ اہل کتاب ہی رہنا چاہتے ہیں۔

٦٦ ے: شری ورکا مطلب یہاں پر مسلمانوں کی دینی کتابوں سے ہے [شاستر = ہدایات دینے یا سکھانے کا ذریعہ، حکم، فرمان، قانون، دستور، قوانین کا مجموعہ۔ مذہب کے ادارے۔ ہندوؤں کی مقدس تحریر یا عام طور پر علم۔ ایک مقدس کتاب۔ کوئی مذہبی یا علمی رسالہ۔ فلسفہ۔ علم۔ ادبیات۔ قانون وغیرہ]

٦٧ ے: یہاں شری ورکا مطلب ہے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے۔

٦٨ ے: شری ور برہمن کشمیری مورخ نے بھی مسلمانوں کو اپنے استاد زون راج کی پیروی میں ملیچھ، تُرشک، یاوَن اور موسلے کہا ہے اور ہرگز مسلمان کے نام سے یاد نہیں کیا ہے کیونکہ لفظ مسلمان کے معنی سے وہ واقف تھا اور اسی واقفیت کے زیر اثر وہ نفسیاتی اضطراب مرض میں مبتلا ہو کر مسلمانوں کو ناشائستہ القاب سے مخاطب ہوتا تھا۔

٦٩ ے: یہ الفاظ ایک شاعر کے نہیں بلکہ فطری حسد اور بُغض کے ہاتھوں مجبور و مغلوب آدمی کے ہیں۔ افسوس ہے ایسے آدمی کی بد ذہنی پر۔ خود اپنے غیر شرافت مندانہ الفاظ کو ناجائز الزامات کہہ کر بھی شری ور کی اسلام دشمنی ظاہر ہو جاتی ہے۔

٧٠ ے: **پَرشُو رَام**: (پَرشُو کے معنی ہیں: کلہاڑی۔ ایک لکڑ ہارے کی کلہاڑی، تیر) رام کلہاڑی کے ساتھ تین راموں میں سے ایک رام کا نام، جمد اگنی کا بیٹا اور وشنو کا چھٹا اوتار جو ایک مطلق برہمن تھا اور اس کی داستان برہمنوں اور کھشتریوں کے درمیان مقابلوں کی داستانِ زندگی ہے۔

٧١ ے: **جَیبه** : یعنی حبیب۔

٧٢ ے: **مَدوَ رَاجیہ** : یعنی مراز کا علاقہ۔

۳۷۷: **سدا نندی درخت** : ایک درخت کا نام جو ہر سال پھل دیتا ہے جیسے ناریل کا درخت۔ اسے سدا پھل بھی کہتے ہیں۔ گچھے دار انجیر کا درخت۔ میٹھے لیموں کا درخت۔

۳۷۷: **سعید خان آقاہ**: مبارک خانقاہ، مراد ہے خانقاہِ معلیٰ۔ ممکن ہے ان ایام میں خانقاہِ معلیٰ سرینگر کو خانقاہِ سعید کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہوگا جب ہی شری ور نے اسے خانقاہِ سعید کہا ہے۔ پورن حجام کے اکسانے پر کشمیر کے برہمنوں کی طرف سے مسلمانوں کی مقدس خانقاہِ معلیٰ کو نقصان پہنچانے کا اقدام کرنا ہمارے اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ کشمیری برہمن، مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں شریک ہوکر فساد اٹھاتے تھے۔ جس سے ان کا مقصد مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنا تھا۔ ایسے ناقابل تحمل اقدامات کا عکس العمل ہونا لازمی تھا اور جب ایسے شریر ہندوؤں کے خلاف سختی سے کام لیا جاتا جس میں بلاشک اُن کی جان بھی چلی جاتی، یا اُن کی جائداد ضائع ہوجاتی، تو الٹے وہ مسلمانوں کو بدنام کر کے انہیں ظالم اور قاتل قرار دیتے۔ مسلمانوں کے خلاف یہ سازشیں چند مخصوص مندروں میں کی جاتی تھیں اور یہی چند مندر تھے جو شہر یا دیگر جگہوں پر فسادات کی زد میں آجاتے تھے۔ اصل میں برہمن رہنماؤں کے اکسانے پر ہی عام کشمیری ہندو کشمیر کے شرافت مآب اور امن پسند مسلمانوں کو چین و راحت کی زندگی میں خلل ڈالنے میں کوشاں رہتے تھے جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ کشمیری برہمنوں نے کشمیر میں اسلام اور مسلمانوں کے وجود کو ہرگز قبول نہیں کیا اور وہ دل سے اُن کے دشمن تھے اور جب اور جہاں ممکن ہوتا اس کا عملی اظہار بھی کرتے تھے۔ برہمن علماء و فضلاء کا اپنی تحریروں میں کشمیری مسلمانوں کو ملیچھ اور موسلے (یعنی ناپاک اور احمق) کہنا اسی فطری اسلام دشمنی اور مسلمانوں کے خلاف حسد،

نفرت اور بغض وعداوت کا اظہار ہے۔

۷۷۵: **سَما ھِسَپھَر** : مقدس ماہِ رمضان سے مراد ہے۔

۷۷۶: یعنی بدنام کرنے کی خاطر۔

۷۷۷: یہ شہر یا بستی سلطان شہاب الدین (۱۳۵۴ء - ۱۳۷۳ء) نے اپنی کشمیری ہندو ملکہ لکھشمی کے نام پر کوہِ ماران کے دامن میں بسائی تھی۔

۷۷۸: **بلادِھیہ مَٹھہ** : یعنی بلدیمر۔ موجودہ عالی کدل کی طرف میں مشرق میں واقع علاقہ جو مہاراج گنج اور وازہ پورہ تک پھیلا ہوا تھا۔ یعنی راجہ کی بہن نے شہزادہ کے ساتھ بیاہ کر کے اس کی خوشی حاصل کر لی۔

۷۷۹: **دیوی منگلا** : شِو کی بیوی اُوما کا لقب جو دراصل پاروتی ہے۔

۷۸۰: مراد ہے پنڈت شری ور مورخ۔

۷۸۱: **وِرھت کتھا** : یا برِہَت کتھا یعنی ایک عظیم داستان۔ کہانیوں کے ایک مجموعے کا نام جو گُنا ڈِھیا سے منسوب ہے جس سے سوم دیو کی کتھا سرت ساگر کی تلخیص کی گئی ہے۔

۷۸۲: مطلب ہے شہزادہ بہرام خان۔

۷۸۳: غالباً کسی گکھڑ سردار کا نام ہے جو سلطان حیدر شاہ کا دشمن تھا۔

۷۸۴: **شَمی درخت** : ACACIA SUMA درخت۔ کھانے کی ترکاری کو بھی شمی کہتے ہیں اور ایک جھاڑی کو بھی جسے SERRATULA ANTHELMINTICA کہتے ہیں۔ ایک نازک پودا جسے MIMOSA PUDICA کہا جاتا ہے۔

۷۸۵: شری ور معاصر اور معتبر اور درباری مورخ کے بیان کے مطابق معتمد طبیبوں کو نظر انداز کئے جانے اور ایک جوگی کی وساطت سے بادشاہ حیدر شاہ کو قوی مسموم دوائی کھلانے سے واضح ہو جاتا ہے کہ سلطان حیدر شاہ کو ایک سازش کے

تحت مار ڈالا گیا۔ واللہ اعلم! پس دیگر مقامی مورخین کا یہ بیان کہ بادشاہ مذکور قصر شاہی کے بام سے گر کر مر گیا، بظاہر مشکوک ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم!

۷۸۶: مراد ہے ملک احمد یتو جن کا روضہ صفا کدل میں ملک صاحبؒ کے نام سے مشہور ہے۔

۷۸۷، الف: ایک دین دار مسلمان بادشاہ کا اپنے افکار کو خالص ہندو مذہب کے مثالوں سے مشابہ کرنے کی وجہ شری ور ہی جانتا ہے۔ [جگہ جگہ ایسا محسوس کراتا ہے گویا برہمن علماء ہی کشمیر کے تخت پر بیٹھے تھے]

۷۸۷: اصل انگریزی ترجمہ میں ایسے ہی آیا ہے۔

۷۸۸: **کُرَم راجیہ** : یعنی کمراز کا علاقہ۔

۷۸۹: **دُھوَار** : یاذ وار۔ یعنی پہاڑی درّے کی چوکی۔

۷۹۰: سال ۴۸ کو لک انگریزی سال ۱۴۷۲ء کے برابر ہے (ہجری سال = ۸۷۷ھ۔ لیکن مقامی فارسی تاریخوں میں سلطان حیدر شاہ کا سال وفات ۸۸۰ھ آیا ہے جو انگریزی سال ۱۴۷۵ء کے برابر ہے اور تخت نشینی کا سال ۸۷۹ھ بیان کیا گیا ہے جو انگریزی سال ۱۴۷۴ء کے برابر ہے)۔

۷۹۱: مقامی فارسی مورخین نے لکھا ہے کہ سلطان حیدر شاہ نے ایک سال دو ماہ تک حکومت کی لیکن اس بارے میں معاصر مورخ پنڈت شری ور کا بیان معتبر ہے کیونکہ وہ معاصر مورخ تھا۔

۷۹۲: مطلب ہے کہ بادشاہ نے مسلمانوں کی کسی دینی کتاب پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی جو ہندوؤں کے وید کی طرح اہم تھی۔

۷۹۳: مراد ہے کفن۔

۷۹۴: گویا سلطان حیدر شاہ شاعر بھی تھا اور اس نے اپنے پیچھے فارسی زبان میں ایک دیوانِ شعر چھوڑا اور ہندوستانی زبان میں بھی جس سے شری ور

کا مقصد ہندی زبان سے ہے۔ لیکن یہ دونوں دیوان روزگار کے موسم خزان کی نذر ہو چکے ہیں۔ ان کی موجودگی کشمیر کے فارسی ادب میں ایک گران بہا اضافہ ہوتا اور آج سے کئی صدیاں پہلے کے ہندی ادب کے خزانے میں کشمیر کے مقام کا بھی تعین ہوتا۔

۷۹۵: **سَنتِھا** : یا وَسَمہتا۔ ویدوں میں سے کسی ایک وید کی مکمل مناجات اور دعاؤں کا مجموعہ۔ ویدوں کے متن کی چھوٹے چھوٹے جملوں میں ترتیب۔

۷۹۶: یعنی میر افتخار۔

۷۹۷: یعنی سلطان حاجی خان حیدر شاہ پادشاہ کشمیر۔

۷۹۸: مراد ہے پنڈت زون راج جو شری ور کا استاد تھا اور جس نے شری ور سے پہلے راج ترنگنی نامی تاریخ تصنیف کی۔

۷۹۹: **یوگی** : یا جوگی۔ مذہبی عملیات یعنی جوگ کا عامل۔ ایک مفکر درویش۔ ایک مافوق الفطرت قوّتوں کا پانے والا۔ زاہد۔ معتقد۔

۸۰۰: **کالیستھ** : یا کائستھ۔ لکھنے والوں یا ادیبوں کی قوم۔ لکھنے والا۔ کاتب۔ مخلوط قبیلے کا نام یا ہندوؤں کی قوم جو ایک کھشتری باپ اور شودر ماں سے بنی ہو۔ اعلیٰ روح یا اعلیٰ وجود۔

۸۰۱: **بادشاہ حسن** : پروفیسر محبّ الحسن نے سلطان حسن شاہ (۱۴۷۲ء-۱۴۸۴ء) کے بارے میں لکھا ہے کہ ''حسن شاہ نے اپنی تخت نشینی کا اعلان کیا اور اپنے باپ کی راجدھانی سکندر پورہ کو خیر باد کہہ دیا اور نوشہر [ذیلی یادداشت = شری ور ص ۲۰۲ پر نوشہر کو زین نگر بتاتا ہے] میں قیام کیا پذیر ہونے کے خیال سے چلا آیا۔ وہ احمد یتو کی کوشش سے سلطان ہوا تھا اس لیے اس کو ملک کا خطاب دیا۔ [پروفیسر محبّ الحسن ان کے روحانی مرتبہ و مقام سے بے خبر ہے اس لیے آپ کا نام بے خبری میں احمد یتو لکھا ہے۔ یہ اصل میں حضرت ملک

احمد یتوؒ ہیں جن کا روضۂ مقدس صفا کدل سرینگر میں دریائے جہلم کے مشرقی کنارے پر ایک مشہور زیارت گاہ ہے۔تاریخ حسن کی تیسری جلد میں ۱۵۶/ر پر بیان ہوا ہے کہ سلطان حسن شاہ کے عہد میں آپ سلطنت (کشمیر) کے وزیر اعظم تھے۔توفیق ازلی کی یاوری سے بابا اسمٰعیل زاہد کے دامن کو پکڑ لیا تھا اور سلوک کی منزلیں طے کیں۔باوجود دنیوی مصروفیات کے یاد الٰہی کے بغیر ایک سانس بھی نہیں لیتے تھے۔صاحب حال وقال تھے۔آخر میں تازی بٹ کے ساتھ آپ کے اختلافات ہوگئے اور اس سے سلطنت کے کاروبار میں رخنہ پیدا ہوا۔سلطان نے دونوں کو قید کردیا اور حضرت ملک احمد یتوؒ نے قید خانہ میں ہی وفات پائی اور چھتہ بل میں اس مزار میں مدفون ہوئے جو آپ نے خود تیار کروایا تھا]۔ناگام کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا اور اس کو اپنا وزیر بھی بنایا۔[ذیلی یادداشت=بہارستانِ شاہی ورق ۵۸۔ب میں ان کا نام ملک احمد ایتو درج ہے لیکن تاریخ حسن ج ۲/ ورق ۱۰۷۔الف میں ان کا نام ملک احمد یتو لکھا ہے ۔نظام الدین اور فرشتہ آپ کا نام ملک احمد اسود بتاتے ہیں۔فارسی میں اسود کے معنی سیاہ یا طاقتور ہے[اسود کے معنی ہیں: سیاہ۔ کالا۔ بڑا کالا سانپ ☆اس کے معنی طاقتور کے نہیں ہیں جیسے کہ پروفیسر محب الحسن نے لکھا ہے۔ہاں البتہ عربی میں اُسْوَد کے معنی ہیں: پیشوا۔مقدم۔سرگروہ۔پیروی۔متابعت۔اقتداء۔سردار قوم۔اچھا نمونہ☆غالباً محب الحسن نے اَسْوَد کی جگہ اُسْوَد کے معنی میں طاقتور لکھا ہے حالانکہ اُسْوَد کے معنی بھی طاقتور کے نہیں ہیں ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد☆ گوہر عالم ورق ۱۳۵/ب میں لکھا ہے کہ اس کو قطب الدولہ کا خطاب ملا تھا]۔اس کا لڑکا نوروز، امیرِ داد ہوا اور اُس کو بہادر ملک کا خطاب ملا۔[ذیلی یادداشت=شری ور، دوارپال کا لفظ استعمال کرتا ہے اور فارسی مورخین نے امیر دار یا حاجب دار کے الفاظ استعمال کئے

ہیں]۔ علاقہ اکشیکا جاگیر میں ملا[ذیلی یاد داشت = اکشیکا پرگنہ اچھ کا سنسکرت نام ہے جو پرگنہ ناگام کے جنوب میں واقع ہے۔ سٹاین ج ۲رص ۴۷۵ ☆ یہ علاقہ سرینگر کے نواحی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں موجودہ دامُودر کریوہ بھی شامل ہے ـــ ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ جہانگیر ماگرے کو فوج کا سپہ سالار بنایا گیا اور اس کو شوکت جنگ کا خطاب ملا۔ خواجہ نورالدین کا تقرر شیخ الاسلام اور خواجہ محمد عالم کا صدر کی حیثیت سے ہوا[ذیلی یاد داشت = گوہرِ عالم ورق ۱۳۵رب]۔ حسن شاہ کے سالطان ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد بہرام نے جو ہندوستان بھاگ گیا تھا، بعض اُمراء کے ورغلانے پر کشمیر پر حملہ کر دیا اور صوبہ کمراج تک بڑھ آیا۔ حملہ کی خبر سن کر حسن شاہ، جو اونتی پور میں تھا ،فوراً سوپور کے لیے روانہ ہوا لیکن سلطان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کیونکہ اس کے فوجی کیمپ میں فریب اور دغا بازی کی فضا پیدا ہو رہی تھی اور وزراء اسے مختلف مشورے دے رہے تھے۔ ان میں سے کچھ کہہ رہے تھے کہ مقابلہ بے کار ہے اور سلطان کو پنجاب کی طرف چلے جانا چاہیے لیکن ملک احمد نے شکست خوردگی کی باتوں کی مخالفت کی اور اس کو دشمن سے مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا۔ سلطان نے آخر کار اس کی بات مان لی اور تازی بھٹ کو بہرام کے مقابلہ کے لیے بھیجا[ذیلی یاد داشت = شری ور ص ۲۱۱ رطبقات اکبری ج ۳رص ۴۴۸] جو تازی بھٹ پر حملہ کرنے کے خیال سے دولی پور پہنچا[ذیلی یاد داشت = شری ور ص ۲۱۱۔ دولی پور جنگل کے کنارے ایک گاؤں ہے جو سوپور جانے والی سڑک پر شلوار سے دو میل جنوب مشرق میں ہے]۔ اس کو توقع تھی کہ امراء وعدے کے مطابق اس کی مدد کو آئیں گے لیکن دولی پور پہنچ کر اس کو بڑی مایوسی ہوئی۔ کوئی بھی اس کی مدد کو وہاں نہیں پہنچا اس لیے بے یار و مددگار لڑتا رہا۔ اس کی فوج کو شکست ہوئی اور وہ زین گیر بھاگ گیا جہاں اس کا

تعاقب کیا گیا۔ وہاں سے بھی وہ بھاگ کھڑا ہوا اور تیر کھا کر اپنے لڑکے سمیت گرفتار ہوا۔ دونوں سلطان کے سامنے پیش ہوئے۔ سلطان نے ان کو بہرام کے محل میں قید کر دیا لیکن بعد میں یہ خیال کر کے کہ کہیں غیر مطمئن امراء بہرام کے گرد پھر سے جمع نہ ہو جائیں۔ حسن شاہ نے اس کو زنجیر میں بندھوا دیا اور اس کی آنکھیں نکلوا دیں (ذیلی یادداشت = شری ور ص ۲۱۷۔۲۱۸) تین سال کے بعد بہرام مر گیا۔[ذیلی یادداشت = ایضاً ص ۲۱۹۔ تاریخ حسن ج ۲ رورق ۱۰۷ ارب۔ طبقات اکبری ج ۳ رص ۴۴۹۔ فرشتہ کا یہ بیان کہ بہرام تین دن کے بعد مرا غلط ہے۔ کیمبرج ہسٹی آف انڈیا ج ۳ رص ۲۸۵ ر میں فرشتہ کا ہی بیان درج ہے]۔ وہ ایک کمینہ، احسان فراموش، ابن الوقت اور سازشی تھا۔ زین العابدین نے اس پر نظر عنایت کی لیکن اس نے اس کی مخالفت کی اور اس کی بیماری میں اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اپنی غرض پوری کرنے کے لیے اس کے دونوں بھائیوں کو آپس میں لڑایا۔ پھر سلطان حیدر شاہ کا تختہ الٹنے اور اس کے بھتیجے حسن شاہ سے تخت چھیننے کی کوشش کی۔ اسی اثنا میں ابھیمنیو اور ملک زادہ، سلطان کے مقرب بارگاہ ہو گئے تھے۔ ابھیمنیو، حاجی خان کا حامی تھا اور اس نے زین العابدین کے خلاف بغاوت میں حاجی کی حمایت کی تھی (ذیلی یادداشت = شری ور ص ۱۱۰) پھر حیدر شاہ کی ملازمت میں رہا اور اب حسن شاہ کو اس پر پورا اعتماد تھا اور اس کو دیوہ سر پرگنہ کا نگران بنا دیا تھا۔ ابھیمنیو بڑا حوصلہ مند انسان تھا اس کو ملک احمد سے حسد تھا اور اس کو اس نے ہٹانے کی سازش کی۔ ملک احمد نے اس کی سازش کا الٹا جواب دیا۔ سلطان کے حکم سے اس کی آنکھیں نکلوا دیں گئیں اور اس کو قید کر دیا گیا جہاں وہ بڑی مصیبتوں میں دو سال کے بعد انتقال کر گیا۔[شری ور ص ۲۲۰۔ تاریخ حسن جلد ۲ رورق ۱۰۷ ارب میں اس کا نام زین پدر درج ہے (صحیح ہے زین پڈر ــــ ڈاکٹر شمس

الدین احمد] اور اس کو زین العابدین کا وزیر بتایا گیا ہے۔ دیکھو طبقات اکبری ج ۳ رص ۴۴۹]۔ ابھیمنیو کی طرح ملک زادہ کا بھی بُرا انجام ہوا۔ وہ بے ایمان تھا اور غریبوں کو لوٹ کر متموّل بن گیا تھا۔ اس کی پُورن حجام سے گہری دوستی تھی اور اس کی مدد سے اس نے سلطان کا تختہ الٹنے کی سازش کی لیکن سازش کا پتہ چل گیا جس کی وجہ سے ملک زادہ اور حجام دونوں قید کر دئے گئے اور قید خانے میں مر گئے۔ ان کی ناجائز دولت کو سلطان نے ضبط کر لیا۔ [ذیلی یادداشت = شری ور ص ۲۲۱، شری ور کے خیال میں ملک زادہ پر دھوکہ بازی کا الزام بے بنیاد ہے]۔ اپنے حریفوں کو راستہ سے ہٹانے کے بعد ملک احمد نے اپنی حیثیت مستحکم کرنے کی غرض سے اہم خاندانوں میں رشتے کیے۔ اس نے تازی بھٹ [ذیلی یادداشت = ایضاً ص ۲۲۳۔ ۲۴۰۔ تازی بھٹ نے کشمیر سے باہر کی لڑائیوں میں حسن شاہ کی خدمت کی تھی اس لیے اس پر وہ مہربان تھا (ایضاً ص ۲۰۸) اور ملکہ کو بھی اس پر اعتماد تھا (ایضاً ص ۲۳۸)] کو، جو معمولی گھرانے کا فرد تھا اپنا متبنیٰ بنالیا اور اس کی شادی سپہ سالار جہانگیر ماگرے کی لڑکی سے کرادی اور اس کو شہزادہ محمد کا ولی مقرر کر دیا [ذیلی یادداشت = شری ور ج ۳ رنمبر ۲۲۷۔ ۲۲۶۔ طبقات اکبری ج ۳ رص ۴۵۰۔ ایک دوسری جگہ شری ور لکھتا ہے کہ تازی بھٹ، شہزادہ حسین کا ولی تھا۔ یہ غلط ہے۔ اصل میں نوروز، شہزادہ حسین کا ولی تھا دیکھو طبقات اکبری ج ۳ رص ۴۵۰۔ سب سے چھوٹے شہزادے کا ولی ملک احمد تھا۔ شری ور بمبئی ایڈیشن ص ۳/۲۷۳] یہ بات ملک احمد کے لڑکوں اور خاص طور سے نوروز کو بری لگی اور وہ تازی بھٹ سے جلنے لگا۔ انہوں نے تازی بٹ پر خودسری، اقربا پروری اور حرص کا الزام لگایا اور اپنے باپ کو بتایا کہ تازی بھٹ کی ترقی ان کے خاندان کے لیے تباہ کُن ہوگی۔ (ذیلی یادداشت = شری ور ص ۲۲۸)۔ ان کے بار بار اشتعال دلانے

کا اثر خاطر خواہ ہوا۔ ملک احمد، تازی بھٹ کے خلاف ہو گیا۔ اس نے تازی بٹ کو بیرونی پہاڑیوں کے باج گذار سرداروں کے خلاف ایک مہم پر بھیج دیا۔ ان سرداروں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور سلطان کو خراج نہیں ادا کیا تھا اس طرح وہ تازی بٹ کو سری نگر سے دور رکھنا چاہتا تھا اور اس کی غیر موجودگی میں اس کو اس کی جگہ سے ہٹا دینا چاہتا تھا (ذیلی یادداشت = شری ورص ۲۳۹)۔ تازی بٹ، ملک احمد کی چال کو نہ سمجھا اور فوج لے کر چل پڑا۔ اس نے جموں، راجوری اور دوسری آس پاس کی ریاستوں کو زیر کیا اور اس کے بعد جموں کی فوج کی مدد سے سیالکوٹ کی طرف بڑھا جو سلطان بہلول لودی کی مملکت میں تھا۔ سیالکوٹ شہر کا کوئی دفاعی انتظام نہ تھا اس لیے تازی بٹ نے اس کو لوٹا[1]۔ جب بہلول لودی کے والیِ پنجاب، تاتار خان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے فوج لے کر چل پڑا۔ اس نے پہاڑ کے زیرین حصہ میں کچھ گاؤں پر قبضہ کر لیا لیکن اونچے پہاڑوں کی وجہ سے جو راستہ میں حائل تھے آگے نہ بڑھ سکا۔ اس کے علاوہ کشمیر کے حکمرانوں کا کافی رعب اور دبدبہ تھا۔ اس کو آگے سخت مقابلہ اور اپنی ناکامی کا خطرہ تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ کشمیر کسی زمانے میں بہت طاقتور تھا لیکن اب اس کی حالت مقیم تھی اور اگر کوئی حوصلہ مند سپہ سالار اس پر حملہ کرتا تو وہ ضرور فتحیاب ہو جاتا (ذیلی یادداشت = بہارستانِ شاہی ورق ۵۹/الف۔ حسن ورق ۱۲۳/الف، حیدر ملک ورق ۱۲۳/ب ۱۲۴/الف)۔ اسی اثنا میں ملک احمد، حسن شاہ کے کان تازی بٹ کے خلاف بھر چکا تھا۔ اس نے شہزادہ محمد کا ولی اپنے لڑکے نوروز کو بنوا دیا[ذیلی یادداشت = اس سلسلہ میں شری ور کا بیان گنجلک ہے۔ ایک جگہ وہ لکھتا ہے کہ

---

[1]: بہارستانِ شاہی ورق ۵۹/الف۔ حیدر ملک ورق ۱۲۳/ب، ۱۲۴/الف۔ طبقات اکبری ج ۳/ص ۴۴۹ کا بیان کہ تاتار اور تازی میں جنگ ہوئی۔ کشمیر کی تاریخوں سے ثابت نہیں ہوتا۔

تازی، شہزادہ محمد کا ولی تھا اور دوسری جگہ اس کو شہزادہ حسین کا ولی بتاتا ہے حالانکہ تازی، شہزادہ محمد کا اور نوروز، شہزادہ حسین کا والی تھا[2]]اور اگرچہ تازی بٹ جنگ سے کامیاب اور کافی مال غنیمت لے کر لوٹا تھا اس نے سلطان کو اسے کوئی خطاب دینے سے منع کر دیا۔ اس سے بھی اس کی تشفی نہ ہوئی۔ وہ اب بھی تازی بٹ کو اپنا حریف سمجھتا تھا اور اس کو تباہ کرنے کی فکر میں تھا اور اپنی مقصد برآری کے لیے اس نے ہندوستان سے بیہقی سادات کو بلایا حالانکہ امراء نے اس کی مخالفت کی کیونکہ وہ تمام بیرونی لوگوں کو مشکوک نظر سے دیکھتے تھے اور ان سے ساز باز کیا۔ آخر کار اس نے سلطان سے وہ فرمان لکھوا دیا جس کی رو سے تازی بٹ کی ملکیت ضبط ہوگئی، اس کو اپنے ہی گھر میں نظر بند کیا گیا اور اس کو گذارہ کے لیے معمولی رقم ملا کرتی تھی۔ تازی بٹ کو نیچا دکھانے کے لیے ملک احمد نے دوسرے وزراء کی طرف توجہ کی جو اس کے حریف ہو سکتے تھے۔ اس نے ان کو برخاست کرا کے ان کی جگہ اپنے آدمیوں کو رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی طاقت انتہا سے زیادہ بڑھ گئی اور ہر آدمی اس سے ڈرنے لگا یہاں تک کہ سپہ سالار جہانگیر ماگرے بھی اس سے خوفزدہ رہنے لگا[ذیلی یادداشت = شری ور ص ۲۴۱ـ۲۴۴]۔ حسن شاہ ان تمام باتوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کو احمد کا رویّہ پسند نہ تھا۔ وہ اس کے خلاف ہو گیا۔ سلطان کے برتاؤ میں تبدیلی دیکھ کر احمد کے دشمنوں کو موقع ملا اور انہوں نے سلطان کو مشورہ دیا کہ وہ احمد کو شہزادہ یوسف کے ولی کے عہدے سے ہٹا دے۔ [ذیلی یادداشت = شری ور بمبئی ایڈیشن ج ۳ ر ص ۳۷۳]۔ سلطان نے ان کے مشورہ پر عمل کیا لیکن بغاوت کے ڈر سے اس نے بیہقی سادات کو اپنے ساتھ ملا لیا اور جہانگیر ماگرے کی مدد

۲: جب ملک احمد، تازی سے خفا ہوا اس نے شہزادہ حسین کی ولایت تبدیل کرا کے اپنے لڑکے کو دلا دیا۔ وہ خود اپنے زوال تک شہزادہ یوسف کی تعلیم کا ذمہ دار تھا۔

لے کر احمدؔ کو ختم کرنا چاہا۔ یہ سن کر احمدؔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ محل کی طرف چل پڑا اور اس میں داخل ہو گیا۔ اس درمیان میں جہانگیرؔ اپنے علاقہ سے لوٹ آیا اور تازی بٹؔ کو آزاد کرایا۔ تازی بٹؔ کے ہمنواؤں نے محل کے پھاٹک میں آگ لگا دی اور قرب و جوار کے مکانوں کو کافی نقصان پہنچایا۔ احمد ہر طرف سے گھر گیا تھا۔ اس نے یہ سوچ کر کہ اُس میں جہانگیر ماگرے سے مقابلہ کرنے کی تاب نہیں ہے کیونکہ اُس کی فوج اس کو چھوڑ کر بھاگ رہی تھی۔ اپنے آپ کو حسن شاہؔ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ حسن شاہؔ نے اس کی پرانی خدمات کا خیال کر کے اس کو امان دی ورنہ اس کے دشمن اس کو مار ڈالتے۔ جہانگیرؔ اور دوسرے درباریوں کے مشورہ سے ملک احمدؔ اس کے لڑکوں اور اس کے اہم ساتھیوں کو قید کر دیا گیا اور ان کی جائداد ضبط کر لی گئی۔ [ذیلی یاد داشت = ایضاً ص ۱۴۸۱۴۲] ملک احمدؔ کی جگہ حسن شاہؔ کے خسر سید حسن بیہقیؔ کو وزیر مقرر کیا گیا اور ناگامؔ کی جاگیر اُن کو دی گئی۔ ملک احمدؔ دس سال وزیر رہا۔ وہ حسن شاہؔ کا وفادار تھا حسن شاہؔ کو اس پر پورا اعتماد تھا اور اس کے مشورہ کو مانتا تھا۔ وہ فیاض اور متحمل مزاج تھا۔ اس نے برہمنوں کو کئی گاؤں دئے تھے اور مسلمانوں کے لیے خانقاہیں تعمیر کرائیں اور ان پر جائداد وقف کی۔ [ذیلی یاد داشت = ایضاً ص ۱۰۹] شروع میں اس نے حکومت ٹھیک طور پر چلائی لیکن بعد میں طاقت کے لالچ میں آ کر وہ ظالم ہو گیا۔ حکومت کے انتظام کو نظر انداز کر کے سازش اور اقربا پروری میں لگ گیا۔ بلتستان اور لداخ پھر خود مختار ہو گئے۔ ۱۴۸۳ء میں حسن شاہ نے جہانگیر ماگرے اور سید حسنؔ کو انہیں دوبارہ تسخیر کرنے کے لیے بھیجا۔ جہانگیرؔ نے سیّد حسنؔ کو ایک ساتھ کوچ کرنے اور باہمی تعاون کا مشورہ دیا لیکن سید حسنؔ نے اس بات کو پسند نہ کیا اور اکیلے ہی فوج لے کر چل پڑا۔ اس نے بلتستانؔ پر حملہ کیا اور بلتی سردار کو اطاعت گذاری

پر مجبور کر کے سرینگر فتحیاب ہو کر لوٹا لیکن جب جہانگیر نے لداخ پر فوج کشی کی تو اس کو وہاں کے حکمران لاچن بھگن (۱۴۷۰ء۔۱۵۰۰ء) نے شکست دی۔ خود جہانگیر بڑی مشکلوں سے جان بچا کر سری نگر پہنچا۔ یہ شکست کشمیری سپہ سالاروں کی باہمی پھوٹ کی وجہ سے ہوئی تھی اگر وہ مل کر حملہ کرتے تو جہانگیر کی فوج کو ناکامی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔[ذیلی یادداشت = انڈین اینٹی کواری جلد۲/ (۱۹۰۸ء) ص ۹/مزید دیکھو شری ور ص ۲۵۳۔ لیکن شری ور نے سیّد حسن کا نام سید ناصر بتایا ہے یہ غلط ہے۔ سید ناصر تو اس وقت مر چکا تھا]۔ جہانگیر کی شکست سے فائدہ اٹھا کر سادات نے سلطان کو جہانگیر کے خلاف ورغلایا کیونکہ وہ اس کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ جہانگیر دربار کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر اور اپنی زندگی کو خطرہ میں محسوس کر کے لوہر کوٹ چلا گیا۔[ذیلی یادداشت = شری ور ص ۲۵۳]۔ اپنے باپ کی طرح حسن شاہ بھی بلانوش تھا۔ اس کا آگے چل کر اس کی صحت پر برا اثر پڑا اور اس کو شدید قسم کا مرض اسہال ہو گیا[ذیلی یادداشت = ایضاً ص ۲۶۲۔ طبقات اکبر جلد ۳/ص ۴۵۰]۔ اپنی بیماری سے مایوس ہو کر اس نے اپنے خسر اور وزیر سید حسن کو ملایا اور ادہم کے لڑکے (مراد ہے آدم خان کے بیٹے ـــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد) فتح خان کو جو پنجاب میں جلاوطنی کی زندگی گذار رہا تھا بلانے اور اس کو جانشین مقرر کرنے کو کہا کیونکہ اس کے لڑکے محمد، حسین اور یوسف ابھی نابالغ تھے لیکن اسی کے ساتھ اس نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ اگر ملکہ اس بات کو پسند نہ کرے تو وہ خود کسی اور کو جانشین کر سکتی ہے۔ پہلے تو ملکہ کو سلطان کے مشورہ پر اعتراض نہ ہوا

لیکن بعد میں اپنے باپ کی وجہ سے اس کو اپنا خیال بدلنا پڑا اور جب ۱۹/اپریل ۱۴۸۴ء کو سلطان کا انتقال ہوا تو اس نے فوراً ہی اپنے لڑکے محمد کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا حالانکہ محمد کی عمر ابھی سات سال کی تھی[ذیلی یادداشت =

طبقاتِ اکبریؔ ص، ۴۵ تا ۵۱۔ شریؔ ورص ۲۶۳ وغیرہ]۔ حسن شاؔہ نے شہزادگی کے زمانے میں سرگرمی اور ہمت ضرور دکھائی تھی لیکن حکمران ہونے کے بعد اس نے عوام کے معاملات میں کوئی دلچسپی نہ لی اور نہ کبھی فوج کی سربراہی کی بلکہ اس نے عیش ونشاط کی زندگی بسر کرنی شروُع کی۔ شروع میں اس کے وزیر ملک احمؔد نے ملک کا انتظام معقول طریقہ سے کیا لیکن بعد میں وہ بھی اپنے فرائض میں کوتاہی کرنے لگا اور اس نے ذمہ داری پر اپنے آدمیوں کو رکھنا شروع کیا جو سب سے بڑے نااہل اور بُرے لوگ تھے۔ احمؔد کے اس فعل سے امراء کے اندر غصہ اور حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور بالآخر آپس میں جنگ ہونے لگی۔ اس سے حکومت کے نظم ونسق میں کمزوری آگئی اور ملک کے امن و امان میں خلل پڑ گیا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر مملکت کے سرحدی صوبے آزاد ہوگئے اور صرف وادی کشمیر حسن شاؔہ کی مملکت میں رہ گئی۔ لداخؔ کو مغلوبؔ کرنے کی کوشش شورشِ بے مدعا بن کر رہ گئی البتہ بلتستاؔن، جموؔں اور راجوریؔ پر از سرِ نو قبضہ ہوگیا لیکن جلد انہوں نے مرکزی حکومت سے فائدہ اٹھا کر اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ یوں تو سیاسی حیثیت سے حسن شاؔہ کا دورِ حکومت ناکام تھا لیکن تہذیبی سرگرمیوں میں اس کی کافی اہمیت تھی۔ حسن شاؔہ، زین العابدیؔن کے بعد خاندان شاہ میر میں سب سے زیادہ علم نواز حکمران تھا۔ اس نے اہل علم کی سرپرستی کی اور اس کی ہدایت سے فارسی کی کچھ کتابیں سنسکرت میں ترجمہ ہوئیں۔ اس کو تعلیم کی ترویج سے دلچسپی تھی۔ اس نے مدرسے بنوائے جن پر کافی جائداد وقف کی۔ وہ موسیقی کا سرپرست ہی نہ تھا بلکہ اس فن کا ماہر بھی تھا۔ اس کی آواز سریلی تھی۔ وہ فارسی کشمیری اور سنسکرت میں گانے گاتا تھا۔ موسیقی سے سلطان کے شغف کی خبر پا کر بہت سے ماہرین موسیقی آکر اس کے دربار کی زینت بن گئے تھے۔ اس کے دربار میں کل ملا کر بارہ سو ارباب فن تھے

[ذیلی یادداشت = شری ورص ۱۰۲-۱۰۳۔ بہارستانِ شاہی ورق ۵۸۔ب۔ حیدر ملک ورق ۱۲۳/ب]۔ حسن کے عہد میں تعمیرات کا بھی کافی کام ہوا۔ اس نے دِیدِمر (ذیلی یادداشت = دیدمر کے محل ۷ء۱۴۷ میں تعمیر ہوئے (شری ور دیدمر کو دِڈّامٹھ بتاتا ہے) یہ اب سرینگر کا ایک محلّہ ہے اور دریا کے داہنے کنارے پر ساتویں پل کے نیچے واقع ہے۔ اسٹاین ج ۶ /نمبر ۴۰ /حاشیہ پر غلط درج ہے کہ یہ چھٹے اور ساتویں پل کے بیچ میں ہے) اور سوپور میں محل بنوائے اور ان محلوں کی مرمت کرائی جو اس کے پیشروؤں نے مختلف مقامات پر بنوائے تھے ۔ سرینگر میں اس نے اپنے باپ کے نام سے ایک خانقاہ بنوائی (ذیلی یاد داشت = سری ورص ۲۲۵-۲۲۴) اور جب اس کی ماں **گل خاتون** کا انتقال ہوا تو اس نے اس کی یادگار کے طور پر شہاب الدین پورہ کے قریب کشتیوں کا ایک پل بنوایا۔ اس نے خانقاہ معلّی اور جامع مسجد کی اہم عمارتوں کو پھر سے بنوایا۔ ان عمارتوں کو سکندر نے بنوایا تھا لیکن ۱۴۷۹ء میں آگ لگ جانے سے برباد ہوگئی تھیں۔ ذیلی یاد داشت = تاریخ کشمیر از سیّد علی ص ۳۹/ ۴۰۔ واقعاتِ کشمیر از محمد اعظم ۳۶، ب ۔ تاریخ حسن ج ۱/ ورق ۱۳۹/الف ۔ ب ۔ شری ورص ۳۳۵)۔ سلطان کے امراء بھی اس کے نقش قدم پر چلے۔ وزیر ملک احمد نے دیدمر (صحیح تلفظ ہے دِدَّمَر ـــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد) میں بہت سی عمارتیں تعمیر کرائیں جن یں ایک خانقاہ بھی شامل تھی جس کے لیے ستی پوش کا گاؤں وقف تھا (ذیلی یادداشت = اس مقام کا کچھ پتہ نہیں یا تو اس کا نام بدل گیا ہے یا اب یہ وجود میں نہیں ہے)۔ اس خانقاہ میں باہر سے آنے والوں کے لیے قیام وطعام کا انتظام تھا۔ اس کی بیوی **شاہ بیگم** نے بھی کھیری کی سڑک پر ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی (ذیلی یادداشت = کھیری، کھر کا دوسرا نام ہے جسے کلہن اور شری ور نے استعمال کیا ہے۔ کھر کا

گاؤں وِشوکا سے دو میل پر ۳۷۔۳۳ عرض البلد اور ۴۵/۵۶/۴۷ طول البلد میں واقع ہے ___ اسٹائن ج ۲/ص ۴۷۰)۔ اس کے لڑکوں، امراء اور شہزادوں نے ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر خانقاہیں بنوائیں۔ ہندوؤں اور بودھوں نے بھی کئی مذہبی عمارتیں تعمیر کرائیں۔ سیا بھان ڈپٹی نے ہج بہر میں ایک وہار بنوایا اور اس کے بھائیوں نے پتھر کا گنیش مندر بنوایا۔ اس طرح کی کئی اور عمارتیں ہندوؤں نے تعمیر کرائیں (ذیلی یادداشت = یہ شہر راجہ وِجیہ نے بسایا تھا اور اس کا قدیمی نام وجیشور تھا۔ سرینگر سے جنوب مشرق میں ۲۵/میل پر ۴۸/۳۳/عرض البلد اور ۹۰/۵/طول البلد میں واقع ہے ☆ شری ور ص ۲۲۷)"۔ **کنگڈم آف کشمیر** میں آیا ہے کہ: "جب حیدر شاہ بستر مرگ پر دراز تھا درباری امراء نے بہرام کو شاہی تاج پیش کیا بشرطیکہ وہ شہزادہ حسن کو ولی عہد بنائے۔ لیکن بہرام نے اس مشروط پیشکش کو نامنظور کیا۔ اس پر امراء نے حسن کے نیا سلطان ہونے کا اعلان کیا اور بہرام پنجاب کی طرف فرار کر گیا۔ حسن شاہ نے اپنی حکومت کا اچھی طرح سے آغاز کیا۔ سلطان زین العابدین کے عہد زرّین کی روایات اور عملیات کی تجدید کی کوشش کرتے ہوئے اس نے سب کے لیے مکمل مذہبی آزادی کا اعلان کیا اور فارسی کے علاوہ سنسکرت کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ دارالخلافہ کو بھی سکندر پور سے نوشہر میں منتقل کر دیا لیکن حسن شاہ کے بعض امراء اس کی آزادانہ مصلحتوں کے خلاف تھے۔ انہوں نے بہرام کو واپس آکر ان کی مدد سے تاج حاصل کرنے کے لیے پیغام بھیج دیا لیکن ڈولی پور میں، جہاں جنگ ہوئی، ایک آدمی بھی اس کی مدد کو نہ آیا۔ آسانی کے ساتھ اس کو شکست ہوئی اور دربدری کی حالت میں اس پر قابو پا کر اسے قید کر لیا گیا۔ بعد میں اسے اندھا کر دیا گیا اور جلد ہی وفات پائی۔ اس کے بعد کچھ عرصے تک ملک کے امراء میں باہمی اختلافات کی وجہ سے

افراتفری کی حالت میں رہا۔ ابھیمنیو اور ملک زادہ نے جو سلطان کی نظر میں بہت معزز تھے وزیر اعظم ملک احمد کو ہٹانے کے لیے اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کیا لیکن ملک احمد نے ان کی چالاکیوں کو پسپا کردیا۔ بالآخر ابھیمنیو کو سلطان کے حکم سے قید کر کے اندھا کردیا گیا۔ دو سال بعد اس کی موت واقع ہوگئی۔ ملک زادہ کے حق میں بھی ایسی ہی قسمت انتظار میں تھی۔ رِک ترا، بدنام حجام، اس کا نزدیکی دوست تھا۔ دونوں نے حسن شاہ کے خلاف سازش کی لیکن یہ سازش کھل گئی اور انہیں گرفتار کیا گیا۔ بعد میں ملک زادہ قید میں فوت ہوا۔ اس کے بعد ملک احمد بہت طاقتور بن گیا۔ اس نے ازدواجی رشتوں کی راہ اور دیگر ذرایع سے اپنی طاقت میں مزید استحکام پیدا کیا۔ اس سے قبل اس نے سلطان کے ایک معتمد سردار تازی بٹ کو اپنا متبنیٰ بنالیا تھا۔ اب اس نے سپہ سالار جہانگیر ماگرے کی بڑی بہن سے [محب الحسن نے ''لڑکی'' سے لکھا ہے دیکھیے یہی حاشیہ ـــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد] اس کی شادی کی۔ سلطان کے دو بیٹے تھے حسین اور محمد [محب الحسن نے تین لڑکے لکھا ہے یعنی حسین، محمد اور یوسف ـــــ دیکھیے یہی حاشیہ] ملک احمد کا بیٹا نوروز پہلے ہی اول الذکر شہزادے کا ولی تھا۔ تازی بٹ محمد کا محافظ بن گیا۔ تازی بٹ جو ایک معمولی سے گھرانے کا آدمی تھا سلطان زین العابدین کے ابتدائی عہدِ سلطنت میں پیدا ہوا تھا۔ چونکہ مدرسے کی تعلیم نہیں پائی تھی اس نے چند ماہر سپاہیوں سے تیر اندازی اور جنگ کے گُر سیکھ لیے اور ان میں مہارت حاصل کی۔ خوش قسمتی سے ایک روز سلطان زین العابدین نے تیر اندازی کا ایک آزمائشی مقابلہ کروایا۔ جو آدمی ایک خاص فاصلہ سے ہدف پر نشانہ لگاتا اس کے لیے گران بہا انعام اور سرکاری حکومت میں اعلیٰ عہدے پر تقرری مقرر تھی۔ کئی لوگوں نے دست آزمائی کی لیکن کامیاب نہ

ہوئے۔ چیتھڑوں میں لپٹا ہوا تازی بٹ تماشا بینوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اکھاڑے میں آیا اور تیر زنی کی اجازت چاہی۔ سلطان نے دعا دی اور اس نے اپنی کمان اٹھالی کئی درباریوں اور سپاہیوں نے اس کا مذاق اُڑایا لیکن اس کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے نشانہ باندھا اور تیر چلایا جو ٹھیک ہدف پر بیٹھ گیا۔ مرحبا و آفرین کی صداؤں کی گونج میں اسے اٹھا کر سلطان کے سامنے لایا گیا اور اس سے معہود انعام اور فوج میں فرمانداری کی ملازمت پائی۔ اس کے بعد تقدیر اس کے حق میں سازگار رہی اور وہ لوگوں اور بادشاہ کا منظورِ نظر بن گیا۔ ملک احمد نے اسے اپنا متبنیٰ بنالیا اور بعد میں جیسا کہ بیان ہو چکا، اس کی شادی کردی۔ اب تک سیّدوں نے ملک میں ایک آمرانہ حیثیت قائم کرلی تھی۔ انہوں نے کافی دولت جمع کرلی، مقامی امراء اور شاہی خاندان کے ساتھ ازدواجی رشتے قائم کئے اور اعتماد والی جگہوں اور عہدوں کو پُر کرلیا۔ لیکن اُن کی ترقی نے لوگوں کے حق میں پریشانیاں اور مصائب پیدا کئے۔ شری ور کے الفاظ میں: ''یہ بیگانے لوگ جو پہلے غلہ کے فضلہ میں زندگی گذارا کرتے تھے اس ملک میں آکر دولتمند بن گئے اور اپنی پہلی حالت کو بھول ڈالا جس سے لوگ شکم سے باہر آکر پہلی حالت کو بھول جاتے ہیں۔ انہو ننے لوگوں پر مظالم ڈھائے، ان کے راہنما جمال نے لوگوں کو اس حد تک تنگ کیا کہ انہوں نے کشمیر سے تمام سیّدوں کو خارج کردئے جانے کی خواہش کا اظہار کیا اور اس ضدِ سادات تحریک کا قائد تازی بٹ بنا۔ ایک کھلی بغاوت کے خوف سے حسن شاہ تسلیم ہوا اور اس نے سیّدوں کی ایک بڑی تعداد کی جائداد کو ضبط کر کے ان کو ملک سے نکال دیا۔ سیّدوں کے اخراج سے تازی بٹ کی مقبولیت میں اور زیادہ اضافہ ہوا لیکن اس سے بھی اس کے سوتیلے بھائی نوروز کے دل میں سخت رشک پیدا ہوا اور اس نے اپنے والد سے کہا کہ تازی بٹ مغرور ہو گیا ہے اور

اس کی ترقی ہمارے اپنے خاندان کے لیے باعث خطرہ ہے۔ ان باتوں سے ملک احمد اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اب اپنے متبنیٰ بیٹے کو تباہ کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ اس نے تازی بٹ کو راجوری اور پونچھ کے باجگذار راجاؤں کے ملکوں پر حملہ کرنے کے لیے بھیجدیا جنہوں نے آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ اول وزیر اعظم نے چاہا کہ سپہ سالار کو سخت مہم میں الجھا دیا جائے اور پھر اُس کے دارالسلطنت سے دور ہو جانے کے عرصے میں وہ موثر انداز میں اُس کے خلاف بادشاہ کے کان بھر دیگا لیکن باجگذار راجاؤں کے تسلیم ہو جانے پر تازی بٹ کامیاب ہو کر لوٹ آیا بلکہ جموں کے حکمران خاندان کی معیّت میں اس نے شمالی پنجاب (سیالکوٹ) پر بھی حملہ کیا (۱۴۸۰ء)۔ ان کامیابیوں سے حوصلہ پاکر حسن شاہ نے بلتستان اور لداخ کو پھر سے زیر کرنے کے لیے فوج روانہ کر دی لیکن جب کہ سیّد حسن کی سرداری میں پہلی مہم کامیاب رہی تو دوسری مہم جو جہانگیر ماگرے کے تحت تھی ناکام رہی۔ اب تازی بٹ اور ملک احمد کے درمیان جھگڑے میں اضافہ ہوا۔ ملک احمد نے تازی بٹ سے شہزادہ محمد کی محافظت کرنے کے عہدہ سے الگ اور اسے نوروز کی طرف منتقل کروادیا۔ بہر حال تازی بٹ کی اصلی طاقت لوگوں میں اس کی مقبولیت تھی۔ اس لیے ملک احمد نے ایک اور تدبیر سے اس کا پانسہ پلٹ دینے کی کوشش کی۔ اس نے سیّدوں کو واپس بلا لینے کا فیصلہ کر لیا جو تازی بٹ کے گہرے دشمن تھے لیکن اس کے اس خیال کے ساتھ اس کے کئی معاونین متفق نہیں تھے بلکہ ایک نے تو اسے آگاہ کیا: ''تم ایک آدمی کو تباہ کرنے کی خاطر اُن کو واپس بلا رہے ہو لیکن جب وہ آجائیں گے تو ہم سب برباد ہو جائیں گے۔ تم خود کو عقلمند سمجھتے ہو اور میرے الفاظ پر غور نہیں کرتے لیکن میری باتین تجھے اس وقت یاد آجائیں گی جب تم مشکلوں میں گرفتار ہو جاؤ گے'' لیکن ملک احمد نے اپنا کام کیا اور سلطان

سے سفارش کردی۔ سلطان اس وقت اپنی ملکہ کے زیر اثر تھا جو سیّد میرزا حسن بیہقی کی بیٹی تھی۔ ملکہ نے بھی اسے وزیر اعظم کے مشورہ پر کار بند رہنے پر زور دیا اور سادات کو ہندوستان میں جلاوطنی سے واپس بلا لیا گیا۔ اُن کا پہلا اہم شکار تازی بٹ تھا۔ ملک احمد کے ساتھ مل کر انہوں نے سلطان سے تازی بٹ کو گرفتار اور اسکی جائداد کو ضبط کر لینے کا فرمان حاصل کر لیا۔ تازی بٹ کے زوال کے بعد ملک احمد نے اپنے کئی حریفوں کی علیحدگی کے منصوبے کو عملی بنا دیا لیکن وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ سادات خود اس کے خلاف ہو گئے اور حسن شاہ کو بھی اس کا مخالف بنا دیا۔ کچھ زیادہ دیر نہین گذری کہ ملک احمد کے بیٹے کو شہزادہ حسین کی محافظت کرنے کے عہدہ سے الگ کر دیا گیا۔ اس کے بعد خود وزیر اعظم کے ساتھ دست اندازی کرنے پر جہانگیر ماگرے کو اکسایا گیا اور جب خاص قصر شاہی کے حدود میں دونوں کے درمیان لڑائی ہوئی تو سارے شہر میں کہرام مچا۔ غصے میں آئے ہوئے لوگوں نے تازی بٹ کو قید سے چھڑا دیا [پروفیسر محب الحسن نے لکھا ہے کہ جہانگیر نے تازی بٹ کو قید سے چھڑا دیا ___ دیکھئے یہی حاشیہ] اور اسی کی رہنمائی میں ملک احمد اور اس کے پیروؤں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے وہ قصر شاہی میں پہنچ گئے۔ ملک تسلیم ہوا اور اس کو وہی پر قتل کر دیا گیا اگر نہ حسن شاہ درمیان میں آجاتا۔ سلطان نے اسے قید کر دینے کا حکم دیا جہاں یا تو سیّدوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور یا اسکی قدرتی موت واقع ہوئی۔ خواہ اس کا کوئی بھی قصور تھا لیکن ملک احمد نے اپنے آقا کی وفاداری کے ساتھ خدمت کی۔ وہ سخی تھا اور اپنے نظریات میں فراخ دل تھا۔ اس نے خانقاہیں تعمیر کین اور خیرات خانے بنوائے اور برہمنوں کو بھی زمینیں عطا کیں۔

اب سیّد میرزا حسن بیہقی وزیر اعظم کے فرائض ادا کرنے لگا اور اس کے

عہد میں ملک کی حالت بد سے بدتر ہوگئی۔ شری ور کے الفاظ میں: ''افسروں نے رشوت خوری کو ایک نیک عمل جانا'' لوگوں پر ظلم ڈھانے کو ہی عقلمندی کا فعل قرار دیا گیا اور زن بازی کو باعث خوشی''۔ لوگوں کی ابلتی ہوئی بے اطمینانی آخر ایک روز ایک کھلی بغاوت کی صورت میں پھوٹ پڑی لیکن مقتدر سادات نے اسے اپنے بھاری بازوؤں کی طاقت سے کچل دیا۔ ''ان کی فوج نے خود کو وادی کے طول وعرض میں پھیلا دیا اور لوگوں پر نا قابل بیان ظلم وستم کئے''۔ اس دوران سلطان حسن شاہ پر اسہال کی بیماری نے سخت حملہ کیا۔ یہ محسوس کر کے کہ اب اس کی زندگی کے گنتی کے چند روز رہ گئے ہیں اس نے جانشینی کے سوال کو حل کرنا چاہا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ محمد، حسین اور یوسف۔ لیکن یہ سب ابھی نابالغ تھے پس اس کی نظر انتخاب ادہم خان (مقامی فارسی تواریخ میں یہ نام آدم خان آیا ہے ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد) کے بیٹے، یعنی اس کے بھتیجے فتح خان پر پڑی۔ اس لیے اس نے وزیر اعظم سے کہا کہ وہ پنجاب کی جلاوطنی سے فتح خان کو بلا کر اسے تخت پر بٹھا دے لیکن ایسا ہونے سے پہلے حسن شاہ نے جنت کی راہ لی۔ (۱۹/ اپریل ۱۴۸۴ء)۔ تب میرزا حسن بیہقی نے اپنی بیٹی کے بطن سے سات سالہ فرزندِ حسن شاہ، محمد کے سلطانِ کشمیر ہونے کا اعلان کر دیا۔

اگر چہ سلطان حسن شاہ ایک اچھا حکمران ثابت نہ ہوا لیکن فن اور تعمیرات نے اس کی ہدایت میں بڑی ترقی پائی۔ وہ خود موسیقی کا استاد تھا۔ کشمیری سنسکرت اور فارسی میں گیت گاتا تھا اور کئی صاحب طرز گوّیے ''اس کے قدموں پر، جب اس سے فن کارانہ خوش کُن گانا سنتے تھے، اپنا سر رکھ دیتے تھے''۔ موسیقی کے ساتھ اس کی دلچسپی اور لگاؤ کو دیکھ کر دور ونزدیک جگہوں سے صاحب فن موسیقار اور رقّاص اس کے دربار میں کھچے چلے آئے۔ ایک مستند مآخذ کے مطابق ان کی تعداد بارہ سو تھی۔ رتن مالا، دیپ مالا اور نرپا مالا اس کے بعض

رقاصاؤں میں سے تھیں جو خاصی معروف تھیں۔ صاحب علم و فضل بھی اس کے ہاتھوں ترقی پاتے تھے۔ اس کی ہدایات پر کئی مدرسے کھولے گئے اور سنسکرت اور فارسی کتابوں کے ترجمے کئے گئے۔ وہ خود مسلمانوں اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ ہندوؤں کے چھ مکاتیب فلسفہ میں اس نے اتنا عظیم استعداد حاصل کرلیا تھا۔ کہ ان مکتبوں کے مختلف آثار اس میں اکٹھے ہوکر ایک ہو چکے تھے۔ اس کا زمانہ تعمیراتی کاموں کا بھی زمانہ تھا۔ اس نے کئی قدیم تعمیرات کی مرمت کی اور سرینگر میں کچھ نئے تعمیرات بھی کئے اور سوپور میں بھی۔ سرینگر شہر میں اس نے اپنے والد ااور والدہ کی یاد میں بالترتیب ایک خانقاہ اور کشتیوں کا ایک پل بنوادیا۔ سال ۱۴۷۹ء میں سرینگر میں خانقاہ معلّی اور جامع مسجد مین آگ لگ گئی۔ ان کی تعمیر حسن شاہ نے ہی کی [تاریخ حسن ج اول ص ۱۷۷ میں سال ۸۸۵ھ آیا ہے جو سال ۱۴۸۰ء کے برابر ہے۔ لکھا ہے کہ سلطان حسن شاہ کے عہد میں سال ۸۸۵ھ میں (۱۴۸۰ء) اسکندر پورہ محلّہ سے علاء الدین پورہ تک آگ لگ گئی اور قریب دس ہزار گھر جل گئے۔ جامع مسجد اور خانقاہ معلّی دونوں آگ کی نذر ہوگئے اور حسن شاہ نے پھر ان کو تعمیر کیا۔۔۔۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ اس کی مثال پر عمل کرتے ہوئے شاہی خاندان کے افراد اور ہندو اور مسلمان درباری امراء نے ذاتی اور لوگوں کے استعمال کی خاطر کئی تعمیرات کی بنیاد ڈالی''۔ پنڈت بیربل کاچرو وارستہ نے اپنی تاریخ **مجموعُ التواریخ** میں لکھا ہے کہ: ''اس کے بعد (یعنی سلطان حیدر شاہ کے بعد) اس کا بیٹا سلطان حسن شاہ، حکومت کی بزم آرائی پر مسند نشین ہوا۔ باپ کی اوقات گذاری کے برعکس تن پروری کی وجہ سے امورِ سلطنت کی طرف مائل نہ رہا اور رات دن علم موسیقی کی طرف متوجہ رہا۔ دوسو ہندوستانی قوالوں کو ملازمت میں رکھ کر ہرزہ گردی اور خود پسندی

میں وقت گذار نے لگا۔ چونکہ راستی کی راہ سے منحرف ہو کر کجروی کی طرف توجہ کی اس لیے ملکی اُمور سے غافل رہا۔ اس لیے ہر کوئی اس کی مخالفت پر آمادہ ہوا اور سازشیں کرنے لگا چنانچہ بہلول پور کے حاکم تاتار خان نے، جو کشمیر کے بادشاہ کا باج گذار تھا، شورش میں آکر باج وخراج بھیجنے سے روگردانی کی۔ بادشاہ نے تازی بٹ نامی ایک سردارِ فوج کو اس کی تنبیہہ کرنے کے لیے وہاں بھیج دیا اور اس نے مقابلہ کر کے تازی بٹ کو بازی دے کر اسے شکست دی اور وہ لوٹ آیا۔ چنانچہ تاتار خان نے کاجی دارہ تک اس کا تعاقب کیا اور یہاں کے اطراف کے بے شمار سپاہیوں کی تہ تیغ کر دیا اور وہاں سے دشوار پہاڑی راستوں کی صعوبت سے گھبرا کر اپنے ملک میں لوٹ جانے کو غنیمت جان لیا اور بہلول پور کے تصرف پر ہی اکتفا کیا۔ [پروفیسر محب الحسن اور کنگڈم آف کشمیر کے مولّف دونوں نے لکھا ہے کہ تازی بٹ نے شکست کا سامنا نہیں کیا]۔ سلطان حسن شاہ کے ایام حکومت میں آگ لگنے کی واردات ہوئی جس سے بہت سے محلے خاکستر ہو گئے۔ جامع مسجد اور خانقاہِ معلّی بھی اس کی زد میں آکر جل گئے۔ اپنی ہمت سے دونوں جگہوں کو تعمیر کیا او بارہ سال اور پانچ دنوں تک حکومت کر کے قضایِ فطری سے وفات پائی۔ اس زمانے میں خراسان کے حکمران سلطان میرزا حسین کی طرف سے سفارت پر **میر شمس عراقی** پوستین اور دیگر تحائف وہدایا لے کر سلطان حسن کے دربار میں آیا۔ کچھ عرصہ یہاں گذارا اور **چک قبیلہ** کے اکثر افراد کو اپنی متابعت میں لاکر شیعہ مذہب کو قبول کرنے کی طرف مائل کیا اور لوٹ کر چلا گیا۔ حسن شاہ کی وفات کے بعد وقت کے سرداروں نے سرکشی وانحراف سے کام لے کر مخالفت ومنافقت کی راہ اختیار کی۔ ایک جماعت سلطان زین العابدین کے پوتے سلطان فتح شاہ کی حامی ہوگئی اور بعض نے سلطان حسن شاہ کے بیٹے

محمد شاہ کی طرف رجوع کیا۔ ان ایام میں اہل سنت اسلام کے مقتدیٰ قطب العارفین، اور مسلمانوں کے مخدوم و مطاع شیخ حمزہ مخدوم تھے جن کی جائے تولد پرگنہ زینہ گیر کا تجر گاؤں اور جن کی ریاضت و اعتکاف کا مقام اول کلاشپورہ محلہ میں واقع مخدوم منڈ و اور اس کے بعد کوہِ ماران کی کمر پر، جو قدیم ایام سے ہندوؤں کی ایک مقدس عبادتگاہ رہی ہے، تعمیر شدہ جو جگہ اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے عنایت اللہ خان نے بنائی اور اس کی دیوار ابھی بھی برپا اور کھڑی ہے۔ یہی جگہ مسلمانوں کے اس پیشوا کی پیشوائی اور ارشاد کی جگہ تھی۔ ایک دوسرے طریقت کے وجود میں آنے کے سبب شہر میں سخت شور و شر اٹھا۔ یہ حیران کن معاملہ مذہب کی مخالفت کا سبب بن گیا اور وقت کے اکابرین کے درمیان فساد اور جھگڑے ہونے لگے اور ہر کسی نے فتنہ انگیزی اور سرکشی کی راہ اختیار کی......"۔ **واقعاتِ کشمیر** کے مصنف نے لکھا ہے کہ: "سال ۸۸۰ھ میں حیدر شاہ کا بیٹا حسن شاہ باپ کے بھائی کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا۔ تن پروری اور نزاکت کی وجہ سے سلطنت کے اہم امور کی طرف متوجہ نہ رہتے ہوئے عیش و عشرت اور علم موسیقی کی طرف مائل رہا اور اپنی حکومت کو تباہ کر ڈالا۔ کہتے ہین بارہ سو ہندوستانی قوال اس کی ملازمت میں تھے اور رعایا و لشکر اور اطراف کی محافظت کا کوئی خیال نہ کیا۔ گویا اس شعر کے مصداق حال تھا۔

چو شہ شد خراب از آب انگور   ولایت کی تو اند داشت معمور

(یعنی بادشاہ جب خود انگور کے پانی سے خراب ہو جائے تو پھر وہ اپنے ملک کو کیسے آباد رکھ سکتا ہے) آہستہ آہستہ حالت یہاں تک پہنچی کہ بہلول پور وغیرہ کے لوگوں نے، جو کشمیر کے بادشاہ کو خراج دیا کرتے تھے، روگردانی سے کام لیا۔ تازی بٹ سپہ سالار ایک عظیم فوج لے کر بہلول پور پہنچا اور وہاں

لاہور کا حاکم تاتارخاںؔ اس کے مقابلے کو نکلا۔ آخر تازی بٹ نے شال کوٹ (سیالکوٹ) پر حملہ کر کے تاتارخاںؔ کو، جس نے کشمیر پر حملہ آور ہونے کا قصد کیا تھا، خوف و ہراس سے مغلوب کر دیا[بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ تاتارخاںؔ دشوار گزار پہاڑی راستوں کی صعوبتوں سے ڈر کر لوٹ گیا۔ــــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد] اور کاجی دار سے لوٹ گیا اور بہلول پورہ وغیرہ کو اپنے تصرف میں برقرار رکھا۔ حسن شاہ کے زمانے میں سخت آگ لگ جانے کا حادثہ ہوا جس میں جامع مسجد جل گئی۔ پادشاہ اس کی تجدید تعمیر کی طرف متوجہ ہوا اور کامل آراستگی کے ساتھ پہلے سے بھی بہتر صورت میں تین سال اور دو مہینوں کی مدت میں تکمیل تک پہنچایا اور سلطان خانہ کو بہت سے نقش ونگار کے ساتھ نیز دیواروں پر خطوط وکتابت کی عبارتوں سے زینت دی۔ مسجد کی تکمیل کے بعد پھر سے محلّہ علاء الدین پورہ میں آگ کی واردات ہوئی جس میں خانقاہ معلایِ امیر کبیر نذرِ آتش ہوا۔ قاضی ابراہیم مورخ کے والد قاضی حمید الدین نے خانقاہ کی تولیت اور اس کے بُقعہ جاتِ خیر کے بارے میں تاریخ کہی ؎ "مَسْجِدٌ اُسِسَ عَلَی التَّقْوٰی" (۸۸۵ھ = ۱۴۸۰ء)۔ ملک احمد ایتو اور چندوں کی نسل سے سنجر رینہ اور ماگریوں میں سے احمد ماگری اس (حسن شاہ) کے زمانے میں سپہ سالار تھے۔ دیدہ مرمحلّہ (صحیح تلفظ ہے دِدّمر محلّہ) کے آخر میں ملک احمد ایتو نے ایک سنگین مسجد بنائی اور اس کے متصل اپنے لیے ایک سنگین مزار بھی تعمیر کیا جس میں خود مدفون ہے اور اب تک معمور وموجود ہے۔ سلطان حسن شاہ کے زمانے میں جو ایک عظیم واقعہ وجود میں آیا وہ یہ ہے کہ میر شمس عراقی سفارت کے طریقے پر خراسان کے بادشاہ سلطان حسین میرزا کی طرف سے کشمیر میں آیا اور سلطان کیطرف سے اس کے خاص لباس میں سے کیش کی بنی ہوئی پوستین ایک مکتوب کے ہمراہ سلطان حسن کے لیے لایا اور

بعض ہدایا کی فرمائش کی[کیش = ایران کے یزد میں ایک پارچہ بنتا تھا جو قیمتی کتان کے کپڑے کا ہوتا تھا۔ کیش ایک جانور کا بھی نام ہے جس کی پوست سے پوستینیں بنتی تھیں ـــــ یہاں پر اسی جانور کی جس کی کیفیت نامعلوم ہے، پوستین مراد ہے ـــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ چونکہ ان ہی ایام میں حسن شاہ کی وفات کا واقعہ ہوا تھا میر شمس عراقی کو تقریباً آٹھ سال کی طویل مدت تک کشمیر میں ٹھہرنا پڑا۔ ہر چند اس عرصے میں اس نے اپنے مذہب کو بڑھاوا دینے کی کوشش کی، کامیاب نہ ہوا اور خود کو بظاہر شیخ السالکین بابا اسمٰعیل کے مریدوں کے حلقہ کے ساتھ منسلک کر دیا اور بابا اسمٰعیل کے مریدوں میں سے بابا علی بخار نامی ایک مرید کے دل میں جو ایک بے علم آدمی تھا اپنے باطل عقائد بٹھا دئے اور عمدہ حیلے بہانوں کو کام میں لاتے ہوئے امراء کشمیر کے درمیان نفاق ڈال دیا اور آٹھ سال گذارنے کے بعد خراسان چلا گیا۔ سلطان حسین میرزا کو اسکے باطنی خلل اور خباثت کی خبر ہوگئی اور اسے نوکری سے برطرف کر دیا۔ اس لیے اُس نے پھر سے کشمیر آنے کا ارادہ کیا چنانچہ اس کا ذکر اپنی جگہ پر ہوگا۔

سلطان حسن شاہ کی حکومت کی مدت بارہ سال اور پانچ روز تھی۔ جامع مسجد کی تکمیل کے دوران حسن شاہ کی موت کا واقعہ پیش آیا۔ چھت اور دونوں اطراف کی دیواریں ناتمام رہ گئیں۔ ابراہیم ماگرے کو جو اس عہد کے سرداروں میں سے تھا، ان کو مکمل کرنے کی توفیق ہوئی۔ بادشاہ نے سال ۸۹۳ھ میں وفات پائی۔ یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ حسن شاہ کے اوخر عہد تک سلاطین کے اُمور مکمل ربط وضبط اور استحکام وانتظام کے ساتھ ترتیب کے ساتھ قائم رہے اور ان عیاش دو بادشاہوں (اگر چہ مولف واقعات کشمیر نے دو بادشاہوں کا نام نہیں لیا ہے لیکن ان سے مراد حیدر شاہ اور حسن شاہ ہی ہو سکتے ہیں ـــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد) کی لاپرواہی کے باوجود امراء میں سے کسی نے بھی اطاعت و

فرمانبرداری کے دائرے سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کی۔ جب حسن شاہ کی وفات ہوئی تو امراء اور سرداروں نے دل میں سرکشی و انحراف کو جگہ دی اور مخالفت و منافعت کو اختیار کیا۔ ایک جماعت سلطان فتح شاہ کی طرف مائل ہوگئی اور بعضوں نے محمد شاہ کو اکسایا۔ اس طرح سے ملک کشمیر میں رخنہ کلی پیدا ہوگیا''۔ **بھارستانِ شاھی** میں آیا ہے کہ: ''مذکورہ تاریخ (یعنی ۸۸۰ھ) کو اس کا (یعنی سلطان حیدر شاہ) کا بیٹا سلطان حسن شاہ سریرِ سلطنت پر بیٹھا۔ تمام ایام سلطنت مین عیش و نشاط کی طرف مائل رہا۔ ہندوستان کے بارہ سو قوال، مرد و زن، اس کی ملازمت میں تھے۔ علی ھٰذا القیاس کشمیر کے سازندے، مطرب اور دف بجانے والے اس کے گھر میں ملازم تھے۔ اپنے سارے عہد میں وہ کبھی بھی فوج کے ساتھ باہر نہیں نکلا بلکہ اپنے امراء سرداروں کو ہی فوج کے ساتھ بھیجا کرتا تھا۔ ملک احمد ایتو اس کا سپہ سالار تھا اور چندوں کی نسل سے سنجر رینہ اور ماگریوں میں سے احمد ماگرے اس کے امراء میں سے تھے۔ اس کے عہد سلطنت تک بہلول پور اور اس کے اطراف و نواحی کے لوگ کشمیر کے حق میں باج و خراج ادا کرتے اور کشمیر کے فرمان کے آگے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کی گردنیں جھکا لیتے تھے۔ بادشاہ کے امراء میں سے تازی بٹ نامی ایک امیر فوج کے ہمراہ باج و خراج کو وصول کرنے کی خاطر بہلول پور گیا ہوا تھا۔ اس وقت لاہور اور پنجاب کا حاکم تاتار خان تھا اور وہ اپنی فوج کو لے کر کسی جگہ گیا ہوا تھا۔ سیالکوٹ اور اس کے نواحی میں سپاہیوں کی جماعت بھی تاتار خان کے ہمراہ جا چکی تھی اور دیہاتیوں، اہل صنعت و حرفت اور اہل بازار کے سوا سیالکوٹ شہر میں اور کوئی نہ تھا۔ ہمراہ فوج کے ساتھ تازی بٹ نے شہر سیالکوٹ پر دھاوا بول دیا اور وہاں کے لوگوں کا تاخت، و تاراج کیا اور اس جگہ کے اکثر علاقوں کو ویران و برباد

کرڈالا۔ تاتارخان جب لاہور لوٹ آیا اور اپنے مقام پر پہنچا تو اپنے ملک کی تباہی کا حال سنا۔ اپنی فوج اور خدام و خشم کے ساتھ کشمیر کا رخ کیا۔ اگر اس زمانے میں کشمیر کو زیر کرنا آسانی کے ساتھ میسّر تھا کیونکہ سلاطین وملوک، امراء اور سپاہی سب ناز پرور ہو چکے تھے اور انواع و اقسام کی کیف آور چیزوں کو کھانے کے عادی ہو گئے تھے لیکن قدیم بادشاہوں کے نام و ناموس اور سابق سلاطین کی شہرت چونکہ ہندوستان مین بہت زیادہ تھی، اس لیے کوہِ کاجداری اور گھکروں کی سرحد کے اس پار کا علاقہ سلاطین کشمیر کے تصرف سے نکال کر ہندوستان کے تصرف میں لے آیا اور اس کے باوجود بھی کشمیر کا مال و متاع اور اس کا علاقہ کاجداری سے اس طرف کو رہا اور بادشاہ (یعنی بادشاہِ کشمیر) کے لیے دس کروڑ اور ایک ہزار گھوڑے سپاہیوں کے لیے لائے جاتے تھے۔ اس کے بعد مملکت کشمیر کے روسا میں باہمی جھگڑے اور دشمنیاں پیدا ہو گئیں اور امراء و حکام ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف قتل و غارت کرتے رہے اس لیے نواحی کشمیر کے علاقوں اور اطراف کو تصرف میں لانے کے لیے وہ کوئی اقدام نہ کر سکے اور نہ ہی ملک کی حفاظت کی طرف متوجہ ہوئے۔ لازمی طور پر ملک کے اطراف ونواحی والیانِ کشمیر کے تصرف سے نکل گئے اور خالص کشمیر کے بغیر حکام کشمیر کے تصرف میں اور کچھ نہ رہا۔ دوست جب ایک دوسرے کے خلاف منازعت ومخالفت میں سرگرم رہے تو دشمن اپنی دلی مراد کے مطابق عیش ونشاط میں منہمک ہو گئے۔ سلطان حسن شاہ کے زمانے میں حضرت قدوۃ المحققین امیر شمس الحق والدین نے [یہ القاب جو بہارستانِ شاہی کے مؤلف نے استعمال میں لائے ہیں کشمیر کے کسی اور مورخ نے شمس الدین عراقی کے لیے استعمال نہیں کئے ہیں۔ بہارستانِ شاہی کشمیر کی اولین اور آخرین تاریخ ہے جس میں ان القاب سے شمس عراقی کو یاد کیا گیا ہے اور اس سے روشن

ہو جاتا ہے بہارستانِ شاہی کا نام معلوم مصنف شیعہ تھا] اپنے قدوم شریف سے اس ملک کی حدود کو پہلی بار مشرف کیا اور سلطان حسین مرزا کی طرف سے سلطان حسن شاہ کے لیے مشفقانہ مکتوب پیشکش لے کر آئے جس میں سلطان حسن شاہ کو فرزندِ ارجمند کے الفاظ سے مخاطب کر کے اسے سرفراز کیا گیا تھا اور سلطان حسن شاہ کے لیے ایک کیشی پوستین جو سلطان حسین مرزا کے خاص لباس کی چیز تھی بھیجی گئی تھی۔ فرزند کہکر پکارنے اور تحفہ بھیجنے کا اقدام پادشاہِ خراسان کی طرف سے اس ملک کے بادشاہوں کے حق میں خاصی سربلندی کا موجب بن گیا۔ حسن شاہ کی وفات کے بعد امراء و حکّام کے باہمی خطرات و تنازعات کی وجہ سے امیر شمس الدین محمد عراقی کو اس ملک میں تقریباً آٹھ سال تک ٹھہرنا پڑا اور سلطان فتح شاہ کے عہد میں اُن کو تحائف و ہدایا کے ہمراہ لوٹا دیا گیا اور بارہ سال کے بعد سلطان محمد شاہ کے عہد میں دوسری بار آ گئے۔ نیز اسی سلطان حسن شاہ کے عہدِ سلطنت میں شیخ شہاب الدین ہندی اس ملک میں آئے تھے اور اپنے ہمراہ ایک لڑکی کو لے آئے تھے کہ ''مجھے مدینۂ طیبہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر خواب کی کیفیت میں حکم ہوا کہ یہ لڑکی سلطان حسن شاہ کشمیری کی اہلیہ ہوگی اور میں مدینۂ مبارک سے اٹھ کر چلا آیا تا کہ اسے سلطان حسن شاہ کے عقد میں دوں''۔ یہ شیخ شہاب الدین ہندی بڑے صاحب علم تھے اور اس ملک میں ان کو بڑا درجہ حاصل ہوا۔ راہ کی تھکاوٹ کے پیش نظر سلطان حسن شاہ نے ازدواج کے معاملے کو چند مہینوں تک کے لیے ملتوی کر دیا اور اول بہار میں نکاح و ازدواج کرنا چاہا لیکن قضایِ ربانی اور تقدیر سبحانی نے ازدواج ہونے سے پہلے اس کے گوشِ ہوش میں اس فانی دنیا سے رحلت کا پیغام پھونک دیا اور منزل موت میں عقدِ نکاح کو باقی رکھا۔ سلطان حسن شاہ کی حکومت کی مدت بارہ برس اور پانچ روز تھی۔ آخر سال ۸۹۳ھ میں

عجوزۂ دنیا نے اس کی زندگی کی پیالی میں موت کا زہر ہلال ڈال دیا اور اپنے آباء واجداد کے جوار میں منزل پائی''۔ [مولف بہارستانِ شاہی نے جو شیخ شہاب الدین ہندی کا قصہ درج کیا ہے وہ کسی بھی مقامی اور غیر مقامی تاریخ میں نظر نہیں آیا۔۔۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ **تاریخ حسن** (جلد ۲، ص ۲۰۸ تا ۲۱۲) میں بیان ہوا ہے کہ: ''سلطان حسن شاہ نے باپ کی وفات کے بعد بہرام خان کی مرضی کے خلاف ملک احمد یتو کی کوشش سے نوشہرہ کے قصر شاہی میں سال ۸۸۰ھ (مطابق ۱۵۳۲ بکرمی) میں جلوس کیا اور ملک احمد یتو کو جو چھچہ بل میں مدفون ہیں مسند وزارت پر بٹھایا۔ جہانگیر رینہ اور احمد ماگرے کو سپہ سالار اور رئیس الملک بنا دیا۔ دوسرے روز بعض اُن آدمیوں کو، جن کے عناد وفساد سے خوفزدہ تھا، قید میں ڈال دیا اور جمع کیے ہوئے خزانے لوگوں میں لٹا دیے۔ بہرام خان جان کے خوف سے اپنے بیٹے کے ساتھ ہندوستان چلا گیا اور راستے میں سپاہی اُس سے الگ ہو گئے۔ اس کے بعد حسن شاہ نے زین العابدین کے قواعد وضوابط کو، جو سلطان حیدر شاہ کے عہد میں معطل تھے، پھر سے رائج کر دیا۔ بعض مفسد لوگ بہرام خان کے پاس جا کر اسے جنگ کرنے پر اکسانے لگے اور بعضوں نے تحریریں بھیج کر اسے بلوا لیا۔ جب اس نے کامراج کے حدود میں جنگ وجدل کا علم لہرایا سلطان دینا نگر کی سیر کو گیا ہوا تھا۔ یہ خبر سنتے ہیں بے اختیار اپنے چچا کے خلاف سوپور پہنچ گیا اور تازی بٹ نے بھاری فوج کے ہمراہ بہرام خان سے لڑنے کے لیے پیش قدمی کی اور موضع تولہ پورہ میں شدید لڑائی ہوئی۔ اتفاق سے بہرام خان کے منہ پر ایک تیر آ کے لگا اور اس کی شکست ہوئی اور شاہی فوج اُس کے تعاقب میں دوڑ پڑی اور بیٹے کے ہمراہ اسے گرفتار کیا۔ اور اس کے مال ومتاع اور اسباب کو لوٹ لیا گیا اور تباہ حالی میں اسے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ اس کی آنکھوں

میں سلائی پھیر دی گئی اور تین دنوں کے بعد اس کی موت واقع ہوئی۔ **زین پڈر**[1] جو سلطان زین العابدین کا وزیر تھا، کا بہرام خان کی تدفین پر ملک احمد یتو کے ساتھ جھگڑا ہو گیا اور اس نے کافی جدوجہد کے بعد اُسے دفن کروا دیا۔ حسن شاہ نے اُسے گرفتار کرا کے اسی سلائی سے جس سے بہرام خان کی آنکھیں مکحول کرائی تھیں، اس کی بھی آنکھیں نکلوا دیں اور وہ تین سال کی مدت گزار کر قید خانے میں فوت ہوا۔ ملک احمد یتو کے اہم امور کا منتظم بن کر ان پر مسلط رہا اور ملک تازی بٹ میر لشکر تھا۔ ان ہی ایام میں بہلول پورہ وغیرہ کے حاکم نے بغاوت کر کے فساد برپا کر دیا۔ تازی بٹ نے لشکر کو آراستہ کر کے باغیوں پر حملہ کرنے کا رُخ کیا اور جموں کے راجا عجب دیو نے اپنی فوج کو تازی بٹ کی مدد کے لیے ساتھ کر دیا اور وہ پنجاب پر حملہ آور ہونے کے لیے بڑھا۔ تاتار خان نے، جو دہلی کے بادشاہ کی طرف سے پنجاب کا حاکم تھا، تازی بٹ کے مقابلے میں آ کر سیالکوٹ میں جنگ کی۔ دونوں جانب سے بہت خون بہا اور تاتار خان کی شکست ہوئی۔ تازی بٹ نے ملک کو لوٹ کر سیالکوٹ کو تباہ کر ڈالا۔ حسن شاہ کے، حیات خاتون کے بطن سے، جو سیّد حسن بن سید ناصر بیہقی کی بیٹی تھی دو بیٹے ہوئے ایک محمد خان اور دوسرا حسین خان (اس سے پہلے کے حوالوں میں تین بیٹے آیا ہے اور تیسرے کا نام یوسف بتایا گیا ہے۔ ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد)۔ محمد خان نے ملک تازی بٹ کی اہلیہ کی شیر خوری میں پرورش پائی اور حسین خان ملک احمد یتو کے گود میں پلا۔ اس زمانے میں ملک احمد یتو اور تازی بٹ کے درمیان رنجش خاطر ہو گئی اور دونوں ایک دوسرے کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ اس کی وجہ سے سلطنت کے امراء کے درمیان اختلافات اور جھگڑے پیدا ہوئے اور عظیم جنگیں ہوئیں۔ چنانچہ ایک رات

---

[1]: زین پڈر کو شری ور، پرتی ہارا بھیمنیو کے نام سے یاد کرتا ہے۔

اکٹھے ہوکر شاہی دیوان خانہ میں جنگ کی اور نشیمن شاہی میں آگ لگادی۔ اس بناء پر سلطان نے ملک احمد یتو کو اس کے رشتہ داروں سمیت قید میں ڈال دیا اور اس کے مال ومتاع کو غارت کر دیا اور اسے قید خانہ میں جان سے گذار دیا۔ سید ناصر بیہقی کو جو سلطان زین العابدین کا بڑا مقرب وزیر تھا، ملک سے نکال دیا۔ ان ہی ایام میں سیّد محمد امین ویسی، جو سلطان زین العابدین کے منہ بولے فرزند تھے، شہید ہوئے۔ اُن کی تاریخ شہادت شہید کشمیر (۸۸۹ھ) ہے۔ کچھ عرصہ بعد سلطان حسن شاہ نے سید ناصر بیہقی کو ہندوستان سے بلوایا۔ جب وہ پنچال کے نیچے پہنچا تو اس کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد سلطان نے سید ناصر کے بیٹے سید حسن کو، جو حیات خاتون کا باپ تھا دہلی سے بلوا کر ملک کے اختیار کی بھاگ دوڑ اس کے ہاتھوں میں سونپ دی۔ سید حسن نے سلطان کے مزاج کو کشمیری امراء سے منحرف کر دیا اور اعیانِ ملک کی ایک کثیر جماعت کو قتل کروادیا۔ ملک تازی بٹ کو قید کروادیا گیا اور باقی خوف و ہراس کی وجہ سے ہندوستان بھاگ گئے اور جہانگیر رینہ نے جو عظیم امراء میں سے تھا لُہر کوٹ کے قلعہ میں جا کر پناہ لی۔ اپنے باپ کی پیروی میں سلطان نائے ونوش اور نغمہ وساز میں لعبتان طناز کے ساتھ شریک رہتا تھا۔ دو سو ہندوستانی قوال اس کی ملازمت میں تھے۔ رات دن راگ ورنگ اور چنگ وساز کے سننے میں مصروف رہتا تھا اور فوج ورعایا اور انتظام مملکت کی طرف اس نے کوئی توجہ نہیں کی۔ اس وجہ سے سلطان کے تصرف میں خطۂ دلپذیر کے بغیر اور کوئی چیز نہیں رہی کہ سارے سرحدات خودسر ہو گئے لیکن اس کے باوجود سلطان کے پاس بارہ لاکھ روپے زرِ نقد اور ایک ہزار گھوڑے بیرونی ملکوں سے نذر و تحائف کے طور پر پہنچ جاتے تھے۔ سال ۸۸۵ھ میں قہرِ الٰہی کی آگ بھڑک اٹھی جس نے محلّہ اسکندر پورہ اور علاء الدین پورہ میں اکتیس محلوں کے

اندازاً دس ہزار گھروں کو مع جامع مسجد اور خانقاہِ معلّی دونوں کے مشعلِ نور بنا دیا۔ سلطان نے دونوں مقاماتِ محمود کی تجدید تعمیر میں ہمت سے کام لے کر پہلے سے بھی بہتر نقش ونگاراور دیواروں پر عبارات کی کتابت وخطوط کی رونق و زینت میں بہت اضافہ کیا۔ "مَسجِدٌ اُسِسَ عَلَی التَّقوٰی" اس کی تاریخ ہے اور یہ قصہ اس کتاب کے حصہ اول میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا۔ سال ۸۹۲ھ میں **میر شمس عراقی** خراسان کے بادشاہ سلطان حسین میرزا کی طرف سے سفیر کی حیثیت سے آیا اور ایک شاہی مکتوب کیشی پوستین کے ہمراہ، جو سلطان کا خاص لباس ہے ارمغان کے طور پر لایا اور سلطان کی دلّی خواہش کے مطابق چند کشمیری نفائس بھیجنے کا بھی اظہار کیا۔ ان ہی دنوں میں حسن شاہ پر کثرت جماع اور شراب نوشی کے نتیجے میں اسہال کی بیماری طاری ہوگئی اور سراپا کمزوری اس پر غالب آ گئی۔ اس نے وصیت کی کہ "میرے بیٹے چھوٹے ہیں۔ بہرام خان کے بیٹے یوسف خان یا آدم خان کے بیٹے فتح خان کو جو جسر وٹہ میں ہے تخت نشین کر دیا جائے اور محمد خان کو ولی عہد بنا دیا جائے" سید حسن بیہقی نے بظاہر قبول کیا اور سلطان اسی بیماری کی وجہ سے فوت ہوا۔ تاریخ ؎

افسوس! آن سلطان حسن ، خاقان علم قیصر حشم
بگذشت از بزم زمَن سوی شبستانِ عدم
از بہر سالش یک قلم بیدل شد از اندوہ و غم
رقص و نوا، ناز و ادا، نوش و دوا، باہ و صنم

بادشاہ کے انتقال کے بعد میر شمس عراقی نے یہاں پر آٹھ سال تک توّقف کیا۔ ظاہراً تو وہ بابا اسماعیل کے مریدوں کے حلقہ میں شامل ہوا لیکن باطن میں اس نے بابا علی نجار کو شیعہ مذہب کی طرف مائل کر دیا اور خود خراسان

روانہ ہو گیا۔ فتح شاہ کے عہد میں پھر کشمیر آ گیا اور شیعہ مذہب کو فروغ دیا۔ یہ قصہ اس کتاب کے حصہ اول میں بیان ہوا۔ سلطان (حسن شاہ) نے حکومت میں بارہ سال گزارے۔ **انتباہ:** سلطان حسن شاہ کی حکومت کے آخر تک سلطنت کا نظم ونسق کچھ آزادی کے ساتھ چلتا رہا۔ اگر چہ ان دونوں بادشاہوں کی بدوضعی کی وجہ سے اعیان وارکان مملکت تذبذب میں رہتے تھے لیکن ظاہر میں ملکی اُمور کے نفاذ میں انہوں نے کوئی انحراف نہیں کیا۔ البتہ حسن شاہ کے انتقال کے بعد تمام وزراء اور امراء نے مخالفت اور بے وفائی کے میدان میں قدم رکھا اور بعضوں نے حسن شاہ کے فرزند محمد شاہ کا ساتھ دینے پر استقامت دکھائی اور بعض فتح شاہ کی معاونت وامداد کرنے میں سرگرم ہو گئے۔ اس مدت میں انہوں نے دونوں شہزادوں کے درمیان فساد انگیزی کی اور جنگ وقتال کرا کے خون بہایا۔ خاص کر بعض چک امراء نے جو اس زمانے میں حاضر باش اور کوکلتاش (کوکلتاش = جن دو بچوں نے ایک دایہ کا دودھ پیا ہو) کے عہدوں پر ممتاز تھے۔ شمس عراقی کی جانب عقیدت پیدا کر کے شیعہ مذہب کو قبول کیا جس کی وجہ سے اعیان ملک میں بہت زیادہ مذہبی فساد وعناد اٹھا اور وہ ایک دوسرے کی تباہی وخرابی کرنے میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ ملک تباہ وبرباد ہو گیا''۔ **تاریخ جدولی کشمیر** میں آیا ہے: ''سلطان حسن شاہ ابن حیدر شاہ کی مدت حکومت ۱۲ رسال تھی ۸۸۰ھ، ۱۴۷۵ء، ۱۵۳۲ بکرمی (گویا مؤلف نے یہ تخت نشینی کا سال لکھا ہے)۔ عیاش تھا۔ لوکٹ ڈل (یعنی چھوٹی جھیل) میں روپہ لنک (جزیرہ) تعمیر کروایا [تمام مقامی تاریخوں میں روپہ لنک کی تعمیر سلطان زین العابدین سے منسوب ہے اور سلطان حسن شاہ سے اس کی تعمیر کی اطلاع نوادرات میں سے ہے ـــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد] ملک احمد یتو اس کا وزیر تھا۔ ۸۸۵ھ میں کھارہ بازار جل کر راکھ ہو گیا۔ خانقاہ معلی اور جامع

مسجد بھی جل گئے۔ سکندر پورہ سے علاء الدین پورہ تک تقریباً دس ہزار مکان جل گئے۔ سلطان نے ہمت کر کے جامع مسجد اور خانقاہِ معلّیٰ کو نئے سرے سے تعمیر کرایا۔ اگرچہ خانقاہِ معلّیٰ صرف ایک طبقہ کی بنائی۔ اس کے علاوہ کوہِ ماران (ہاری پربت) کے دامن میں شمال کی جانب احمد اکدل میں بابا اسماعیل زاہدؒ کی خانقاہ کو تعمیر کیا۔ بابا اسماعیلؒ کبروی سلسلہ کے مشائخ میں سے تھے [ذیلی یادداشت = کشمیر میں اہل سنت والجماعت کے جو چھ مسلّمہ سلسلے اب بھی موجود ہیں وہ یہ ہیں: قادریہ، سہروردیہ، کبرویہ، نقشبندیہ، رشی اور چشتیہ۔ البتہ چشتیہ کے اتنے پیروکار نہیں جتنے کہ دوسرے سلسلوں کے]۔ سلطان کے زمانے میں ۸۹۲ھ میں میر شمس الدین عراقی پہلی مرتبہ وارد کشمیر ہوئے جنہوں نے کشمیر میں آٹھ برس تک قیام کر کے یہاں شیعہ مذہب رائج کیا۔ اس نے محلّہ جڈی بل میں ایک دومنزلہ خانقاہ تعمیر کرائی جس میں قیام کر کے شیعہ مذہب کی مشہور کتاب احود (صحیح ہے احوط۔ غالباً احود چھاپی غلطی ہے) تصنیف کی اور سال ۹۰۳ھ میں رحلت کی۔

۸۰۲: **شِکندھَر پُوری** : سکندر پورہ۔

۸۰۳: **جین نگر** : زین نگر یعنی نوشہر جو سلطان زین العابدین کا دارالسلطنت تھا۔ تاریخ بڈشاہی کے مصنف محمد الدین فوق نے لکھا ہے کہ: ''زینہ ڈب یا راجدھانی نوشہرہ ــــ یہ مقام جو آج سرینگر کا ایک دور افتادہ محلّہ ہے (محمد الدین فوق نے تاریخ بڈشاہی کو ۱۹۲۸ء میں لکھنا شروع کیا تھا اور اس زمانے میں نقل وحمل کے ذرائع کی عدم دستیابی کے سبب نوشہرہ کا محلّہ جسے کشمیری میں نوشہرہ نہیں بلکہ نوشہر کہتے ہیں، بیشک ایک دور افتادہ محلّہ رہا ہوگا۔ آج سرینگر کے محلوں میں نوشہر تمام اطراف سے ایک بہت ہی آباد محلّہ ہے۔ یہ میں سال ۱۴۲۳ھ مطابق سال ۲۰۰۲ء کی بات لکھ رہا ہوں ــــ ڈاکٹر

شمس الدین احمد) دارالحکومت شیر گڑھی سرینگر سے ملہ شاہی باغ کو جاتے ہوئے قریباً پانچ میل کے فاصلہ پر راستے میں آتا ہے۔نوشہرہ نئے شہر کو کہتے ہیں۔ بڈشاہ (یعنی زین العابدین) نے بھی عالی شان عمارتوں کا ایک رفیع و وسیع سلسلہ قائم کر کے سرینگر کے شمالی گوشے میں ایک نیا شہر آباد کیا۔ چونکہ بادشاہ خود یہاں رہتا تھا اور یہیں دفاتر وغیرہ بھی تھے اس لیے نوشہرہ کو کشمیری زبان میں راجدھانی بھی کہتے تھے [راجدھانی کشمیری لفظ نہیں ہے۔ کشمیری زبان میں راجدھانی کے لیے راز دانی لفظ استعمال میں آتا ہے یعنی راجا کی رہائش گاہ ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد] دب یا دیب کے معنی محل یا منزل کے ہیں (محمد الدین فوق نے یہ نہیں لکھا ہے کہ دب یا دیب کس زبان کے لفظ ہیں۔ البتہ کشمیری زبان میں ان میں سے ایک لفظ ڈب کی صورت میں استعمال میں ہے جس کے محل یا منزل کے معنی اگر چہ نہیں لیکن اس معنی میں قابل قبول ہے کیونکہ مختلف ادوار میں حالات و ماحول کے مطابق الفاظ کے معنی بدلتے رہتے ہیں ورنہ حقیقت میں کشمیری زبان میں ڈب کے معنی ہیں: مکان کے اوپر کے طبقہ میں باہر کی طرف نکالا گیا مکان کی درازی یا کم فاصلے کا ایک اضافی مستطیل نما یا چھوٹا سا کمرہ ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد) اس لیے سرکاری کاغذات میں یہ محلات زینہ ڈب (عام کشمیری اسطلاح ہے زینہ ڈب ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد) کے نام سے موسوم تھے...... بادشاہ نے اس مقام کو جی کھول کر رونق دی۔ نالہ منڈی بل کے پاس ایک وسیع خوش نما باغ بنوایا۔ اسی باغ کے کھنڈروں پر شاہجہان کے زمانے میں نواب علی مردان خان گورنر کشمیر نے "حویلی ہائے سنگین، فوارہ و آبشارِ دل نشین برائِ بود و باشِ خود احداث کرد" نواب علی مردان خان نے اس کا نام باغ حیدر آباد رکھا [اس موجودہ دور میں اب اس مختصر سے باغ میں صنعت و حرفت کے چند کارخانے

ہیں ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ بادشاہ نے نوشہرہ میں بارہ منزلہ عمارت کا جو دربار عام تعمیر کرایا وہ صنعت و حرفت، نقش و نگار اور وسعت و سربلندی میں رشکِ زمانہ اور عجوبۂ روزگار تھا۔ ہر منزل میں پچاس حجرے تھے اور ہر حجرے میں پانچ سو آدمی سما سکتے تھے گویا اس مکان کی ہر منزل میں پچیس ہزار آدمیوں کی گنجائش تھی [اس حساب سے پورے بارہ منزلوں میں تین لاکھ آدمی سما سکتے تھے۔ پچیس ہزار آدمی صرف ایک منزل میں آسکتے تھے ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد] پھر لطف یہ کہ اس عمارت میں اینٹ پتھر اور چونا کہیں نام کو نہ تھا۔ تمام عمارت لکڑی کی تھی اور کشمیری صنعت کا بہترین نمونہ تھی۔ میرزا حیدر کاشغری تاریخ رشیدی میں اس عمارت کے متعلق لکھتے ہیں:

ہمان سلطان زین العابدین عمارتی در شہر برای خود ساختہ کہ بہ کشمیر (در کشمیر ہونا چاہیے ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد) آن را راجدہانی می گویند کہ دوازدہ آشیانہ است۔ بعضی آشیانہ مشتمل بر پنجاہ خانہ وحجرہ وایوان وغرفہ باشد وعمارتی بہ این رفعت و وسعت در عالم مثل کوشکِ ہشت بہشت سلطان یعقوب در تبریز وکوشکِ باغِ زاغان و باغِ سفید و باغِ شہر کہ در ہرات اند، و کوک سرائے و عاق سرائے و باغِ دلکشا و باغِ بواتی کہ در سمرقند است، دیدہ شد۔ اما طرح سیاق و لطافت کہ آنہا دارند، این نہ دارد و غرابتِ این عمارت بیشتر از آنست''۔ (ذیلی یادداشت = از تاریخ رشیدی ورق ۳۲۶ غیر مطبوعہ ریسرچ ڈیپارٹمنٹ کشمیر)۔

میرزا حیدر یہ تسلیم کرتا ہے کہ بلحاظ خوبصورتی و وضع، کشمیر کا زینہ ڈب گو سمرقند و ہرات اور تبریز کی تعمیرات کا مقابلہ نہیں کر سکا تاہم وہ دنیا کی عجیب تر عمارتوں میں سے ہے۔ راجدھانی کا نام سب سے پہلے زون راج نے شری جین نگر یعنی زینہ نگر لکھا ہے معلوم ہوتا ہے بادشاہ نے اس علاقہ کا نام زینہ نگر

رکھا اور چونکہ دارالحکومت بھی بعد میں یہیں مقرر ہوا اس لیے اس کو راجدھانی بھی کہتے تھے۔ بعد میں اسی نام نے نوشہرہ کی شکل اختیار کرلی۔ [چونکہ سلطان زین العابدین نے یہ ایک شہر تعمیر کروایا تھا اس لیے کشمیری میں نوٚ وشہر یعنی نیا شہر کے نام سے مشہور ہوا ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد] اب محلہ نوشہرہ تو موجود ہے مگر راجدھانی، جہاں شاہی محلات تھے کھنڈروں کا ایک عبرتناک ڈھیر ہے۔ زون راج لکھتا ہے بادشاہ نے اس نئی بستی میں بازار تعمیر کرائے اور اجناس کی خرید و فروخت کے لیے تجارتی منڈیاں قائم کیں۔ اسی بستی کی وسعت پردیُمن پہاڑی سے لے کر امریش پور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں جو مکانات بڑے بڑے اور اونچے پتھروں کے بنے ہوئے تھے ان کے عکس زین گنگا ندی میں سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی لہروں کے ذریعہ ملتے اور لرزتے ہوئے ایک کیفیت پیدا کیا کرتے تھے۔ بڈشاہ نے یہاں کئی مٹھ تعمیر کرائے اور برہمنوں کو، جن پر وہ خاص طور پر مہربان تھا، نہ صرف اراضیات مفت مین دیں بلکہ ان کے مکانات بھی شاہی مصارف سے تعمیر کروائے۔ زون راج کے بعد اس کے شاگرد شری ور نے راجدہائی کا ذکر کرتے ہوئے زینہ ڈوب یعنی شاہی محلات کی کیفیت کچھ یوں بیان کی ہے وہ لکھتا ہے ۱۵ کولک کے بلند ترین شاہی محل دیوگاہ کے علاوہ ۴۰ کولک میں (ذیلی یادداشت = مطابق ۱۴۶۴ء موافق ۸۶۸ھ) بادشاہ نے اس محل کے نزدیک ایک اور لاجواب محل شری جینا نگری تعمیر کرایا جو اینٹوں اور لکڑیوں سے بنایا گیا تھا۔ محل کی چوٹی کے گول گنبد کا سنہری کلس سورج کی روشنی میں اپنی آب و تاب سے آنکھوں کو خیرہ کر دیتا تھا۔ زون راج لکھتا ہے کہ عمارت کے مہتمموں کو بادشاہ خود ہدایات دیا کرتا تھا جو اس کے فن تعمیر سے آگاہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔ بادشاہ نے قدیم دارالحکومت کو ترک کر کے زینہ نگر میں ہی سکونت اختیار کرلی اور مرتے دم تک

وہ اسی جگہ رہا۔ بادشاہ نے اس عالی شان سنہری کلس والے محل کے وسیع صحن میں ایک تالاب تعمیر کرایا اور اس میں پالتو راج ہنس چھوڑے جن سے تالاب کی خوبصورتی دوبالا ہوگئی۔ اس محل میں دربار کے لیے ایک بہت بڑا ہال تعمیر کیا گیا جس میں بادشاہ کے لیے ایک مثلث نما تخت رکھا گیا اور ہال کی دیواروں میں آئینہ بندی کی گئی''۔

۸۰۴: خاص مُلّا سے معلوم ہوتا ہے کہ وزیر احمد (یعنی ملک احمد یتو) سلطان حسن شاہ کے دربار میں محض ایک وزیر ہی نہ تھا بلکہ ایک دینی بزرگوار بھی تھا۔ آگے چل کر ایک جگہ پر شری ور نے ملک احمد یتو کو ملّاؤں کے رئیس کے لقب سے یاد کیا ہے جو شیخ الاسلام کے خطاب کے مترادف ہے۔ آپ کی یہ دینی بزرگواری اور روحانی حیثیت آپ کی وفات کے بعد بھی باقی رہی چنانچہ آپ کی قبر شریف واقع محلّہ ملک صاحب صفا کدل سرینگر پر ایک دلکش روضہ تعمیر کیا گیا ہے جہاں لوگ بڑی عقیدت کے ساتھ حاضر ہوتے رہتے ہیں۔

۸۰۵: یعنی نیاز دینے کی رسم جس میں اوراد و اذکار کی مجلس کے اختتام پر مدعویں کو کھانا کھلایا جاتا ہے اور اللہ کی راہ میں مسکینوں کو کھانا دینے کے علاوہ نقد رقم بھی بانٹی جاتی ہے۔

۸۰۶: **ناگرام**: یعنی ناگام (گاؤں)۔

۸۰۷: **نورُوج**: یعنی نوروز (وزیر ملک احمد یتو کا بیٹا)۔

۸۰۸: **دوارپال**: علاقے کا محافظ۔ آج کی انگریزی اصطلاح میں گورنر اور فارسی میں رائج اصطلاح میں حاکم۔ جدید فارسی میں استاندار (صوبہ کو جدید فارسی میں اُستان کہتے ہیں)۔

۸۰۹: **اِکشِکا**: ناگام کے ساتھ جنوب میں پرگنہ بیچ جو سرینگر کے

نواحی تک پھیلا ہوا ہے اسی میں دامودر کریوہ (کشمیری میں دامودرُوڈر) بھی شامل ہے۔

۸۱۰، الف:۔۔۔ ''ملاؤں کے رئیس'' سے معلوم ہوتا ہے گویا ملک احمد یتّووزیر کے رتبہ کے علاوہ دربار میں روحانی مرتبہ بھی رکھتے تھے۔

۸۱۰ب: یعنی لدا آخ۔

۸۱۱: یعنی سلطان زین العابدین (۱۴۲۰ء۔۱۴۷۰ء)۔

۸۱۲: **مارگ پتی** : ملک کے راستوں کا محافظ یا اندرونی امن و امان کا ناظر جسے آج کل کی انگریزی اصطلاح میں ہوم منسٹر (Home Minister) کہا جا سکتا ہے۔

۸۱۳: **ٹھکُر یا ٹھاکُر** : بُت۔ دیوتا۔ بڑا دیوتا۔ مالک۔ آقا۔ چند راجپوت قبائل کا سردار۔ راجپوتوں کے جاگیرداروں میں ایک اہم جاگیر دار۔ کسی قبیلے یا گاؤں کا سردار۔ زمیندار۔ عہدہ دار یا صاحب اقتدار۔ عزت و احترام کا مستحق۔ کسی صاحب امتیاز کے خطاب کو اختیار کرنا جیسے بنگال میں تاگور لکھتے ہیں۔ ایک معزز لقب، جناب، آقا، حضرت عالی، ایک حجام کے لیے عزت سے نام لینے کا خطاب جیسے خلیفہ وغیرہ۔ شری ور نے یہاں پرٹھا کُر کا نام نہیں لیا ہے گویا یہ شخص اسی خطاب سے معروف تھا۔

۸۱۴: مطلب یہ ہے کہ سلطان حسن شاہ خدائی اور آسمانی دینِ پاکِ اسلام کی تعلیم کے عین مطابق مساوات وعدل سے کام لے کر اہل اسلام ہی کی طرح مقامی برہمنوں کی ضروریات اور احساسات کا بھی خیال رکھتا تھا اور ایسا کرنے میں اس کے اجداد کی قائم کردہ زرخیز روایات کا بڑا عمل تھا اور خود ایک کشمیری برہمن سنسکرت دانِ مورخ، جو اسلامی رواداری اور مسلمان سلاطینِ کشمیر کا معاصر اور درباری ندیم تھا کا بیان معتبر گواہی ہے جو پکار پکار کر اقوامِ

عالم سے کہہ رہی ہے کہ حکومت کرنا مسلمان سلاطین سے سیکھ لو۔

۸۱۵: یعنی کامراج۔

۸۱۶: یعنی سوپور۔

۸۱۷: یعنی زینہ گیر۔

۸۱۸: یعنی بہرام خان۔

۸۱۹، الف: **ملک تاج**: غالباً ملک تازی بٹ سے مراد ہے۔

۸۱۹: **پرتی هار ابھیمنیو**: بقول پرفیسر محب الحسن ابھیمنیو کا نام تاریخ حسن (جلد دوم) میں زین پڈر آیا ہے۔ پرتی ہار سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی ہیں: حاجب (انگریزی میں چیمبرلین CHAMBERLAIN) یا میرِ حاجب۔ وزیرِ اُمورِ ملک (MINISTER OF STATE) بڑا دروازہ (Gate) دروازہ۔ دروازے کا نگہبان۔

۸۲۰: جین راج: مراد ہے سلطان زین العابدین

۸۲۱: یعنی بیج بہارہ۔

۸۲۲: مراد ہے ملک زادہ۔

۸۲۳: **سیّد ناصر**: تاریخ حسن (ج ۳ رص ۴۱، ۴۲) میں آیا ہے کہ: "سیّد ناصر بیہقیؒ، تمام بیہقی اور منطقی سادات کے جدِ بزرگوار سید تاج الدین بیہقی کے پوتے اور سید محمد کاندہ ہامی کے فرزند تھے (سید تاج الدین کا مزارِ شریف ملک بیہق میں مشہور ہے)۔ سید ناصر الدینؒ، سید حسین منطقی کے مریدوں میں صاحب حال وکمال تھے۔ ساری عمر مجاہدۂ نفس میں بسر کی۔ سلطان زین العابدینؒ ان کی بڑی عزت کرتے تھے اور باطنی فیض حاصل کرتے تھے۔ ان کے بیٹے سید حسنؒ کی بیٹی سلطان حسن شاہ کے نکاح میں تھی۔ جس وقت سلطان حسن شاہ کے امیروں نے آپس میں جھگڑا کر کے سید محمد امین ویسیؒ کو

شہید کیا تو سید ناصر الدین بال بچوں کو ساتھ لے کر ہندوستان چلے گئے۔ کچھ مدت کے بعد حسن شاہ کے چاہنے پر پھر کشمیر آتے ہوئے بھمبر کے مقام پر داعی اجل کو لبیک کہا اور وہیں پر دفنائے گئے۔ تاریخ کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۹ پر بھی سید ناصر الدین بیہقی کے بارے میں یہی عبارت درج ہے۔

۸۲۴: **پیغُمور** : یعنی پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۸۲۵: **سید جِیمال** : یعنی سیّد جمال

۸۲۶: **دِلی پُورہ** : یعنی دہلی۔ پور ہندی لفظ ہے جس کے معنی ہیں شہر۔ قصبہ۔ پس دل پورہ کے معنی ہوئے شہرِ دہلی۔

۸۲۷: یہ لوگ صحیح النسب سادات تھے جیسے کہ خود شری ور نے لکھا ہے اور کشمیر میں دین اسلام کی تبلیغ کے لیے آئے تھے جیسا کہ یہاں کے فارسی تذکروں اوران کے تراجم نیز اُن میں سے کثیر تعداد بزرگوں کے روضہ جات سے، جو وادی بھر میں فیض بخش ہیں، روشن ہے۔ شری ور نے یہ جو لکھا ہے کہ یہ لوگ پہلے یعنی یہاں آنے سے پہلے، ردّی خوراک کھا کھا کر زندگی گذارتے تھے محض اس کی لاعلمی، بے خبری اور ذاتی مذہبی تعصب پر مبنی ہے۔ ورنہ شری ور کو اُن کے کشمیر میں وارد ہونے سے پہلے کے حالات زندگی کی کیا خبر؟ یہ سارے سادات جو اُس زمانے میں محض تبلیغ دینِ اسلام کے لیے کشمیر میں آئے تھے مسلمانوں کے عالی ترین اور خوش گذران ترین خاندانوں کے افراد تھے جن کے آتے ہی یہاں کے بادشاہوں نے اپنی شہزادیاں ان کے نکاح میں دیں اور انہوں نے اپنی صاجزادیوں کا عقد نکاح ان کے شہزادوں سے کردیا۔ کیا یہ اقدام اُن کی جاہ و حشمت، خاندانی برتری اور خوشحال معاشی زندگی پر گواہِ صادق نہیں؟ شری ور کا یہ بیان باطل محض ہے جو مسلمانوں کے خلاف اس کے ذاتی بغض وحسد کا غمّاز ہے۔

۸۲۸: **مَلک** : یعنی ملک احمد یتو جو سلطان حسن شاہ کا وزیر اعظم تھا۔

۸۲۹: **جِیَھنگِیر** : یعنی جہانگیر ماگرے۔ یہ وہی جہانگیر ہے جسے سید حسن کے ساتھ سلطان حسن شاہ نے لداخ اور بلتستان کو جنہوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ پھر سے مسخر کرنے کے لیے ۱۴۸۳ء میں بھیج دیا تھا دیکھیے حاشیہ ۸۰۱۔

۸۳۰: یعنی جہانگیر ماگرے۔

۸۳۱: فرط بغض وحسد میں شری ور نے سادات کو ''کانٹے'' کہا ہے۔

۸۳۲: دِدَّ مٹھ : مَٹھ سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی ہیں: ایک زاہد اور اس کے پیروکاروں کے لیے ایک عمارت۔ ایک مذہبی ادارہ، ایک کالج (موجودہ اصطلاح میں) یا ایک بڑا سا پاٹھشالہ یا مدرسہ جس میں برہمن لڑکے اپنے مقدس مطالعات کو جاری رکھ سکیں۔ ایک تارکِ دنیا زاہد کی جھونپڑی۔ مَٹھ کا لفظ کشمیری زبان میں مَر میں بدل گیا ہے۔ دِدَّ مَٹھ جو سرینگر میں اب ایک محلّہ کے نام سے جانا جاتا ہے دراصل؛ ہندو دور میں یہاں ایک مشہور ہندو رانی دِدَّ نے بنوایا تھا اور اسی کے نام سے مشہور تھا۔ یہ رانی اپنے زمانے کی بڑی طاقتور حکمران تھی اور اپنے سیاسی تدبر سے سب کو لرزہ براندام کر دیا تھا۔ رانی مذکورہ نے باضابطہ طور پر سال ۹۸۰ء سے سال ۱۰۰۳ء تک کشمیر کے زبردست حکمران کی حیثیت سے حکومت کی لیکن بعض مقامی مورخین نے اسے ایک زناکار عورت بھی کہا ہے۔ بعد میں اس نے چند پرہیزگارانہ اقدامات بھی کیے جن میں اس نے کئی مندر، مَٹھ، وہار اور قصبے بھی بسائے۔ دِدَّ مٹھ کو دریائے جہلم کے دائیں کنارے پر بنایا جو اب جیسا کہ اوپر بیان ہوا، سرینگر میں دِدَّ مرہ محلّہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ دِدَّ پور میں (جس کی شناخت نامعلوم ہے) دِدَّ سوامن نامی وِشنو مندر بنایا اور کنگن پور (غالباً موجودہ کنگن) میں بھی۔ مجموعی طور پر

بتایا جاتا ہے کہ اس نے مختلف مقامات پر ۶۴ رتعمیرات بنائے اوران سب کو دیوار بند بھی کیا۔

۸۳۳: **گَـدّر** : ہندوؤں کے دیوتا وِشنُو کی سواری کا پرندہ جو اونچا اڑتا ہے یہاں پر عقاب سے مراد ہے۔

۸۳۴: **ملکه دِدّ** : دیکھئے حاشیہ ۸۳۲۔

۸۳۵: **خانگاه** : یعنی خانقاہ۔[لغوی معنی ہیں گھر، سرائے، وہ جگہ جہاں درویش و مشائخ رہتے ہوں اور تصوف کے رسوم وآداب کو جاری کرتے ہوں]۔ خانقاہ کی تفصیل کے لیے دیکھئے میری تصنیف ''شاہ ہمدانؒ حیات اور کارنامے'' صفحہ ۸۸۳۔

۸۳۶: **کُلدّھرَن ناگ** :؟

۸۳۷: یعنی بیج بہارہ۔

۸۳۸: یعنی سوپور۔

۸۳۹: یعنی مسجد۔

۸۴۰: یعنی دِدّمٹھ محلے میں۔

۸۴۱: **سَتی پُش گاؤں** : پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ اس مقام کا کچھ پتہ نہیں یا تو اس کا نام بدل گیا ہے یا اب وجود میں نہیں ہے دیکھئے کشمیر سلاطین کے عہد میں ص ۱۵۲ / حاشیہ ۲۔

۸۴۲: کشمیر سلاطین کے عہد میں (ص ۱۵۲ / حاشیہ ۲) آیا ہے کہ کھیرتی، کھر کا دوسرا نام ہے جس کو کلہن اور شری ور نے استعمال کیا ہے کھر کا گاؤں وشو کا سے دو میل پر ۳۳/۳۷ / عرضِ بلد اور ۷۴/۵۶/۴۵ / طولِ بلد میں واقع ہے (اسٹائن ج ۲ / صفحہ ۴۷۰)۔

کُشپ رِکا: یہ دریائے جہلم کی ایک شاخ کا قدیم نام ہے جو سرینگر میں

ایک اب کٹہٖ کول کے نام سے معروف ہے۔

۸۴۴: **کرمراجیہ** : کامراج یعنی موجودہ کمراز کا علاقہ۔

۸۴۵: **کرال** : موجودہ آڈوَن جو بیج بہارہ کے جنوب میں تین میل کی دوری پر دریائے وشوکا کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔اسی کے نچلے حصے میں دریائے وشوکا کے بائیں کنارے پر کیموہ واقع ہے۔

۸۴۶: **جَینَ پُورَی** : یعنی زین پور۔جو آڈوَن کے شمال میں واقع ہے۔

۸۴۷: **وُطمدین پورَی** : یعنی قطب الدین پور جسے سلطان قطب الدین (۱۳۷۳ء۔۱۳۸۹ء) نے بسایا۔ یہ علاقہ موجودہ عالی کدل اور اس کے نواحی محلوں پر مشتمل تھا۔ یہ نام ابھی بھی گاہ بگاہ گورگاڑی محلہ سے ملحق عالی کدل کے علاقے پر استعمال کیا جاتا ہے۔

۸۴۸: **بَلادیہ مَٹھُ**: موجودہ مہاراج گنج سے آگے عالی کدل کی طرف واقع محلے کو بلدیمر کہتے تھے جو بلادیہ مٹھ کی قدیم صورت ہے۔

۸۴۹: **مَسُداہَ** : یعنی مسجد۔

۸۵۰: **کوٹی** : یونی کوٹ بمعنی ایک سولاکھ۔ایک کروڑ۔

۸۵۱: **مرِگ وات**:

۸۵۲: **بُھمارخاتون**: سلطان حسن شاہ کی دوسری ملکہ کا نام۔(بقولِ شری ور)

۸۵۳: **جین نگر**: موجودہ نوشہر جو زین نگر کے نام سے سلطان زین العابدین کا دارالسلطنت تھا۔

۸۵۴: **وِھار**: مندر، خانقاہ، قصر، بودھ یا جین مندر یا خانقاہ۔

۸۵۵: **گنیش**: ہندوؤں کے خیال میں دانائی اور رکاوٹوں کو پیدا

کرنے والے دیوتا کا نام جو شو اور پاروتی کا بیٹا ہے یا ایک داستان کے مطابق صرف پاروتی کا بیٹا ہے۔ ہندوؤں کا گمان ہے کہ اگرچہ یہ دیوتا رکاوٹیں پیدا کرتا ہے وہ انہیں دور بھی کر دیتا ہے اور اسی لیے ہر کام کو اختیار کرتے یا بتداء کرتے وقت وہ اسے "نمو گنیشائیہ وِگنیش ورایہ" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ یہ ایک پست قد آدمی بتایا جاتا ہے جو موٹے بدن کا ہے اور جس کی توند آگے کو نکلی ہوئی ہے۔ چوہے پر سوار ہوتا ہے یا چوہا ساتھ رہتا ہے اور اپنی ذہانت کو دکھانے کے لیے اس کا سر ایک ہاتھی کے سر کا سا ہے جس میں ایک دانت ہے۔ دوسری ترکیبوں کے ساتھ گنیش کا ہونا اس کے مرتبے یا اس سے نچلے درجے کے دیوتاؤں پر اس کی فوقیت کا اظہار ہے جیسے یہاں پر بھیم سوامی گنیش کا استعمال کیا گیا ہے۔

۸۵۶: یہ جملہ کشمیری پنڈت برہمن شری ور جیسے سنسکرت عالم کی سیاہی طبع پر گواہ ہے۔ سیاہی از حبشی کی رود کہ خود رنگ است۔

۸۵۷: **شری تورمان** : محمد الدین فوق نے تاریخ بڈشاہی (ص ۲۷۴۔۲۷۶) میں لکھا ہے کہ بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ تورمان، راجہ ہرنیہ کے بھائی، نے سب سے پہلے سکّہ رائج کرنے کی ضرورت محسوس کی [راجہ ہرن (مورخ حسن نے یہی نام لکھا ہے) بقول حسن (جلد ۲ ر ص ۶۳) سال ۹۸ بکرمی میں باپ کے ملک کا وارث بنا اور تورمان نے وزارت کا علم لہرایا۔ آخر میں بھائی کی متابعت سے تورمان کا مزاج منحرف ہو گیا اور اپنا سکّہ جاری کیا۔ ہرن اس کی اس حرکت سے غصے میں آ گیا اور اسے قید کر دیا......" کلہن نے راج ترنگنی (اردو ترجمہ ج ۱ ر ص ۲۱۰) میں لکھا ہے کہ "اس کے بعد اس کے (یعنی راجہ سرِشٹ سین) دو بیٹوں میں سے ہرنیہ تخت نشین ہوا اور تورمان یوراج (ولی عہد) مقرر ہوا۔ تورمان نے پہلے کے مضروب شدہ کثیر التعداد

سکّوں کے چلن کو روک کر اپنے نام پر تیار کروائے ہوئے دینار مروج کروائے۔ اس کے بڑے بھائی یعنی راجہ نے غصہ میں آکر اور یہ سوچ کر کہ تورمانؔ کو یہ کیونکر جرأت ہوئی کہ میری پرواہ نہ کرتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو راجہ ظاہر کیا اسے اور اس کی بیوی انجنا کو، جو اکشوراکو کی نسل کے وجراندر کی لڑکی تھی، قید خانہ میں ڈلوادیا......''] چنانچہ ایک ٹکسال بنایا گیا جہاں سکّے مسکوک کئے گئے۔ تورمانؔ کس قیمت پر چلتا تھا اس کے متعلق کوئی صحیح واقفیت نہیں مل سکی۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ تورمانؔ کے بعد بھی تورمان سکہ عرصۂ دراز تک مختلف راجوں کے زمانے میں (راجاؤں کے زمانے میں) کشمیر میں رائج رہا۔ بلکہ سلطان زین العابدینؔ بڈشاہ کے زمانہ اور اس کے بعد اس کے پوتے سلطان حسن شاہ کے زمانہ (۱۴۷۲ء تا ۱۴۸۴ء) تک بھی اس سکہ کے کچھ نہ کچھ نشان ملتے رہے۔ اگر تورمانؔ سکّہ تانبے کا تھا تو اس کو تانبے کی کان کہاں سے ملی اس پر پنڈت کلہنؔ نے کوئی روشنی نہیں ڈالی البتہ راجہ جیاپیڈؔ (عہدِ حکومت ۷۶۴ء تا ۷۹۵ء) کے حالات میں لکھتا ہے کہ جھیل مہاپدم (وُلرؔ) کے ناگ پر اس کو تانبے کی جو کان ملی تھی وہ کرم راجیہ (کمرازؔ) کے پہاڑ میں تھی۔ اس سے جیاپیڈؔ کو اس قدر تانبا ملا جو ایک کروڑ دینار مسکوک بنانے کے لیے کافی تھا (ذیلی یادداشت = بقول ابوالفضلؔ ایک ہزار دینار ایک اساس یا ۱/۴ روپے یا دس دام کے برابر ہے۔ ایک کروڑ دینار کی قیمت ۲۱/۲ ہزار روپے، دس کروڑ کی پچیس ہزار اور سو کروڑ کی قیمت ۲۱/۲ لاکھ روپے کے برابر ہوتی ہے) اس تانبے کے سکّے کی موجودگی میں کوڑیوں کا سکّہ بھی جاری تھا......البتہ سوائے تورمانؔ سکہ کے جس کا وزن ایک سو دس گرین تھا باقی تمام راجگانِ کشمیر کے سکّوں کا وزن قریباً ۹۱ گرین تھا (Grain غلے کا ایک دانہ، ذرّہ ریت، نمک، سونے وغیرہ کا۔ نصف رتی کے برابر کا وزن۔ نہایت خفیف

مقدار)...... یہ تمام سکہ جات صرف دارالحکومت سرینگر میں ڈھالے جاتے تھے ۔ اس کے سوا کسی اور مقام پر ٹکسال نہ تھی۔ ہندوؤں کے عہد میں بھی اور مسلمانوں کے زمانے میں بھی کشمیر میں سب سے چھوٹا سکہ ۲۵ر دینار کا تھا اور تانبے کا تھا۔ اس سے کم وزن کا کوئی سکہ کشمیر میں (سوائے کوڑیوں کے) استعمال نہیں ہوا"۔

۸۵۸: یعنی ملک احمد یتو وزیر اعظم۔

۸۵۹: شہاب الدین پور جواب شہام پور کے نام سے جانا جاتا ہے اور نوہٹہ وملہ کھاہ وغیرہ علاقے پر مشتمل تھا۔

۸۶۰: **مالتی** : کلی، شگوفہ، دایہ، دوشیزہ، کنواری، جوان عورت، چاندنی، رات، کئی پودوں اور پھولوں کا نام ہے Bignonia Suaveolens ☆ Echetes Caryophyllata☆Jasminum Grandiflorum☆ Gaertnera Racemosa۔

۸۶۱: **شری جین** : سلطان زین العابدین بڈشاہ (۱۴۲۰ء تا ۱۴۷۰ء = ۸۲۳ھ تا ۸۷۴ھ☆[لیکن مقامی معتبر تواریخ فارسی کے مصنفین نے سلطانِ موصوف کی حکومت کے سال ۸۲۷ھ (۱۴۲۳ء) سے ۸۷۹ھ (۱۴۷۴ء) تک لکھے ہیں]۔

۸۶۲: یعنی شری ور نے۔ گویا شری ور فارسی زبان کا بھی خوب شناسا تھا۔

۸۶۳: مقامی زبان سے کشمیری زبان ہی مراد لی جاسکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس عہد کے کشمیری شاعروں کے کلام کی، جسے سلطان حسن شاہ موسیقی کی تال پر سننے کا شوقین اور عادی تھا، ہمیں کوئی واقفیت نہیں۔

۸۶۴: یعنی شری ور۔

۸۶۵: **وَھاوَ دِینَ** : یعنی وہابؔ الدینؔ۔

شلوک: سنسکرت لفظ ہے جو کشمیری زبان میں شُرکؔ کہلاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں مدح کا قطعہ۔ شہرت، کہاوت، شعر، چار یا اس سے زیادہ مصرعوں کا بند بالخصوص رزمیہ بند دو شعروں کا کہ ہر شعر سولہ حروف کا ہو۔

۸۶۶: **شِکشا کار**: یعنی تعلیم دینے وال۔ استاد۔ یہاںؔ پر موسیقاروں کے استاد سے مراد ہے اور استاد وہاب الدین سے جسے شری ور نے گویّوں کا سردار کہا ہے۔

۸۶۸: **کرناٹ** : یعنی کرنا ٹکؔ۔ ہندوستانؔ کے ملک کا ایک صوبہ۔ پرانے زمانے میں اس میں میسورؔ کا صوبہ بھی شامل تھا کرنا ٹکؔ کے بازیگروں یا مسخروں کو کرنا ٹکؔ کہتے ہیں (ایک راگنی کا نام کرناٹی ہے)۔

۸۶۹: **شَمسَ وِینَ** : یعنی شاہمیر سلطان شمس الدینؔ (۱۳۳۹ء سے ۱۳۴۲ء = ۷۴۰ھ سے ۷۴۳ھ ☆ لیکن مقامی فارسی مورخوں نے سلطان موصوف کی سلطنت کا زمانہ سال ۷۴۳ھ سے ۷۴۷ھ تک لکھا ہے یعنی انگریزی سال ۱۳۴۲ء سے ۱۳۴۶ء تک)۔

۸۷۰: **علابھدِینَ** : یعنی سلطان علاء الدینؔ (۱۳۴۳ء سے ۱۳۵۴ء تک = ۷۴۴ھ سے ۷۵۵ھ ☆ مقامی فارسی تاریخ دانوں نے سلطانِ موصوف کی سلطنت کا زمانہ سال ۷۴۸ھ سے ۷۶۱ھ تک لکھا ہے یعنی ۱۳۴۷ء سے ۱۳۵۹ء تک۔ شری ورؔ نے سلطان شمس الدین شاہمیر کے بعد سلطان جمشیدؔ کا ذکر نہیں کیا ہے جس نے مقامی فارسی مورخین کے بقول سال ۷۴۷ھ سے ۷۴۸ھ تک یعنی ۱۳۴۶ء سے ۱۳۴۷ء تک حکومت کی اور غیر مقامی و دیگر مورخین کے کہنے کے مطابق ۱۳۴۲ء (۷۴۳ھ) سے ۱۳۴۳ء (۷۴۴ھ) تک حکومت کی)۔

۸۷۱: **شاھا بھدین** : سلطان شہاب الدین (۱۳۵۴ء سے ۱۳۷۳ء = ۷۵۵ھ سے ۷۷۵ھ ☆ لیکن مقامی فارسی مورخین نے اس کا زمانۂ سلطنت سال ۷۶۱ھ (۱۳۵۹ء) سے ۷۸۰ھ (۱۳۷۸ء) لکھا ہے)۔

۸۷۲: **قُدُوَ دِیْنَ** : سلطان قطب الدین (۱۳۷۳ء۔۱۳۸۹ء = ۷۷۵ھ سے ۷۹۲ھ ☆ لیکن مقامی فارسی مورخین نے اس کا زمانۂ حکومت سال ۷۸۰ھ تا ۷۹۶ھ (۱۳۷۸ء۔۱۳۹۳ء) لکھا ہے)۔

۸۷۳: **شِری شِکَنْدَرَ** : سلطان سکندر (۱۳۸۹ء سے ۱۴۱۳ء = ۷۹۲ھ تا ۸۱۶ھ ☆ لیکن مقامی فارسی تاریخ نگاروں نے سلطانِ موصوف کا عہد سلطنت سال ۷۹۶ھ (۱۳۹۳ء) تا ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) تک لکھا ہے)۔

۸۷۴: **یاوَنَ** : مسلمان، بیگانہ، وحشی، یاوَنُوں کے ملک کا یا یاوَنُوں کے ملک میں پیدا ہوا آدمی۔ شری ور نے مسلمانوں کو تین ناموں سے خطاب کیا ہے اور یہ تینوں حقارت آمیز خطابات اس کی کشمیری مسلمانوں کی قوم کے ساتھ فطری برہمنی دشمنی اور ذاتی نفرت کرنے پر گواہ ہے یعنی مسلمانوں کو ملیچھ کہا ہے۔

جن میں وہ بادشاہ بھی شامل ہیں جن کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہوکر وہ دنیوی شان و شوکت کا حامل بن چکا تھا اور جس کا اس نے خود اپنی تاریخ میں اعتراف کیا ہے۔ گویا یہ برہمن کشمیری عالم، اپنی دنیا اور دولت کو سنوارنے کے لیے اُن مسلمان بادشاہوں کی خدمت کرتا تھا جنہیں وہ ملیچھ یعنی ناپاک کہتا تھا اور اُن کے ہاتھوں کی روزی روٹی کھا کر ہی زندہ تھا اور دنیوی شان وشوکت کو برابر قائم رکھے ہوئے تھا۔ یہ تھی ہمارے کشمیر کے ایک برہمن سنسکرت عالم کی متعصبانہ ذہنیت جس کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو دوسرے خطاب میں وہ انہیں یاوَنَ کہتا ہے جس کے معنی بیگانے اور غیر ملکی ہیں۔ اس خطاب میں یہ ہمارا سنسکرت زبان کا مورخ عالمِ تاریخ کی اس حقیقت کو نظر انداز کرتا

ہے کہ ہندوستان کے ملک میں جو آریہ قوم وسط ایشیا سے آکر ہندوستان کی اصیل دراوڑ قوم پر غالب آچکی تھی وہ آریہ قوم بھی تو بیگانی یعنی یاوَنَ قوم ہی تھی۔

گر نہ بیند بروز شپرّہ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

شری ور برہمن فرزندِ کشمیر اپنے ہم وطن مسلمانوں کو تیسرے خطاب میں موسُلا کہتا ہے جو غالباً احمق، جاہل اور نادان کے مترادف ہے۔ شری ور کا ایک عالِم کی حیثیت سے احترام کرتے ہوئے میں اس کے حق میں صرف یہی کہوں گا ع

سیاہی از حبشی کی رود کہ خود رنگ است

۸۷۵: **عالی شاہ**: سلطان علی شاہ (۱۴۱۳ء سے ۱۴۲۰ء تک یعنی ۸۱۶ھ سے ۸۲۳ھ تک۔ لیکن مقامی فارسی مورخین نے سلطانِ موصوف کا زمانۂ سلطنت سال ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) سے ۸۲۷ھ (۱۴۲۳ء) تک لکھا ہے۔

۸۷۶: **شِری جَینَ** :سلطان زین العابدین (۱۴۲۰ء سے ۱۴۷۰ء یعنی ۸۲۳ھ سے ۸۷۵ھ تک) لیکن مقامی فارسی مورخین نے سلطانِ مذکور کا زمانۂ حکومت سال ۸۲۷ھ (۱۴۲۳ء) سے ۸۷۹ھ (۱۴۷۴ء) تک لکھا ہے۔

۸۷۷: **حَیذھر شاہَ** : سلطان حیدر شاہ (۱۴۷۰ء۔۱۴۷۲ء = ۸۷۵ھ سے ۸۷۷ھ) لیکن مقامی فارسی تاریخ نویسوں نے سلطانِ موصوف کا عہدِ حکومت سال ۸۷۹ھ (۱۴۷۴ء) تا ۸۸۰ھ (۱۴۷۵ء) لکھا ہے۔

۸۷۸: یعنی **سلطان حسن شاہ ابنِ سلطان حیدر شاہ** (۱۴۷۲ء۔۱۴۸۴ء = ۸۷۷ھ سے ۸۸۹ھ) لیکن مقامی فارسی تواریخ میں سلطان حسن شاہ کا زمانۂ حکومت سال ۸۸۰ھ (۱۴۷۵ء) تا ۸۹۲ھ (۱۴۸۶ء) لکھا ہے۔

۸۷۹: **مارگیش** : آج کل کی اصطلاح میں غالباً وزیر داخلہ کے معنی میں (ویسے یہ حسن شاہ کا سپہ سالار تھا)۔

۸۸۰: **پُرورش پور**: غالباً شہر کے نچلے حصے کو کہا جاتا تھا۔

۸۸۱: **سنگرور** :؟

۸۸۲: نماز میں سجدہ میں اُترنے کی طرف اشارہ ہے۔

۸۸۳: **یاون** : حاشیہ ۸۷۴ دیکھئے۔ یہاں پر شری ور نے عام مسلمانوں کو یاوَن (غیر ملکی) کہا ہے۔

۸۸۴: ایک بد دہن اور کج زبان کشمیری متعصب برہمن عالم کی زبان ملاحظہ ہو۔

۸۸۵: یعنی سچائی، صفا، رحم اور احسان۔ اگرچہ نیکی کے یہی صفات مقرر اور آخری نہیں ہیں۔

۸۸۶: یعنی عیدوں (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کے موقع پر۔

۸۸۷: **پنچا واسا** : پانچ عمارتوں کا مجموعہ۔

۸۸۸: **وہرام خان** : بہرام خان۔

۸۸۹: سوپور قصبہ سے مراد ہے۔

۸۹۰: مراد ہے جھیل وُلر۔

۸۹۱: **مریخ سیّارہ**: حاشیہ ۴۷ دیکھئے۔

۸۹۲: غالباً دُرگا نامی دیوی سے مراد ہے [دُرگا= ''پہنچ سے باہر دیوی'' ہیم وَت کی بیٹی اور شِو کی بیوی کا نام ہے جسے اُما، بھوانی اور پاروتی وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ یہ کارتکیا اور گنیش کی ماں ہے۔ درگا کے کردار میں یہ ایک خوفناک ہیئت کی دیوی ہے اور تند مزاج]۔ شِو، جو کشمیری پنڈتوں کا خاص بھگوان ہے اور وہ خالص اُسی کی پوجا کرتے ہیں، کی بیوی ہونے کی وجہ سے شری ور نے

اسے صدر دیوی کہا ہے یعنی دیویوں کی سردار۔

۸۹۳: یعنی بادشاہ، وزیر، معاون، خزانہ، سلطنت، قلعہ اور فوج۔

۸۹۴: **للتا دِتیہ** : پُرتاپ دِتیہ دوم (۶۶۱ء۔۱۳ ۷ء) کا سب سے چھوٹا بیٹا للتا دِتیہ مُکتا پیڈ جس نے سال ۷۲۴ء سے (۱۰۵ھ) ۷۶۱ء (۱۴۴ھ) تک کشمیر پر حکومت کی۔ کشمیر کی سبھی تواریخ میں اس طاقتور بادشاہ کا کشمیر کے باہر کے بعض ممالک کو فتح کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ اس نے کشمیر کی مرکزی حکومت میں بعض اہم اصطلاحات کیں۔ تعمیرات کی طرف توجہ کی اور کئی نئے قصبے بسائے۔ خوبصورت مندر اور وِہار بنائے اور ان کے لیے گاؤں وقف کر دئے۔

۸۹۵: **ملا اِشا۔ قَدریہ خاں** : شری ور نے جو بھی نام اپنی تاریخ میں درج کئے ہیں خواہ وہ امراء کے ہیں، وزراء یا اہم درباریوں کے بھی، حتیٰ کہ بادشاہوں کے بھی، نیز جگہوں اور مقامات کے بھی، اُن کو سنسکرت کی زبان میں آمیختہ کر کے اس قدر مسخ کر دیا ہے کہ موجودہ زمانے میں اُن کی شناخت دشوار ہی نہیں بلکہ امکان ناپذیر حدود تک جا پہنچی ہے حتیٰ کہ مسلمان ناموں کو اس حد تک اپنی خواہشِ طبع کے مطابق ڈھال دیا ہے جیسے کہ مسلمان بادشاہوں کے دربار میں خالص ہندو ہی بڑھے تھے۔ بقول شاعر۔

خط بڑھا، زلفیں بڑھی، کاکُل بڑھے، گیسو بڑھے
حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے

اور کوئی مسلمان ہی موجود نہ تھا قیاساً ان مندرجہ دو وزراء کے ناموں کی صدا سے ملا عیسیٰ اور قدر خان ناموں کی طرف ذہن مبذول ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

۸۹۶: **مَلِک** : مراد ہے وزیر مَلِک احمد یتو۔

۸۹۷: **مَدَر** : یامَدُرَ۔ مقامی تواریخ میں اس سے جموں مراد لیا گیا ہے۔

۸۹۸: یعنی تاتار خان۔ پروفیسر محبّ الحسن نے اسے بہلول لودی کا والیِ پنجاب کہا ہے۔

۸۹۹: **شِرگاَل کوٹ** : یعنی سیالکوٹ۔

۹۰۰: یعنی ملک احمد یتو۔

۹۰۱: یعنی ملک احمد یتو۔

۹۰۱،الف: مراد ہے غالباً فیروز ڈامر۔

۹۰۲: **کھِوی آشرم**: کشمیری زبان میں کھویہِ ہوم گاؤں اور اردو میں کھُویہ ہامہَ، جو جھیل وُلر کے کنارے پر واقع ہے۔

۹۰۳: **فرِیہَ ڈامَر**: شری ور نے کبھی اسے فرِجَ ڈامر کہا ہے اور کبھی فرِیہَ ڈامر۔ غالباً اس سے فیروز ڈامر مراد ہے جو صاحب اقتدار ڈامر وزیرِ داخلہ اور درباری امیر تھا۔ ڈامر قدیم زمانے سے جاگیرداروں کا ایک مقتدر طبقہ تھا۔

۹۰۴: یعنی جہانگیر ماگرے جو سلطان حسن کا سپہ سالار تھا۔

۹۰۵: **یــادَو** : دیہات میں پست طبقہ کی قوم جو کمینے کام کرتی ہے۔ کمین قوم، ہندوؤں کی شُودر قوم۔

۹۰۶: **یُوسُبَہ خان**: یعنی شہزادہ یوسف خان۔ سلطان حسن شاہ کے تین فرزند تھے شہزادہ محمد، شہزادہ حسین (حسن کا نام شری ور کی تاریخ میں حسن آیا ہے جو نادرست ہے اور غالباً کاتب کا اشتباہ ہے) اور شہزادہ یوسف۔

۹۰۷: یعنی شہزادہ یوسف۔

۹۰۸: یعنی ملک احمد یتو وزیر اعظم۔

۹۰۹: یعنی سلطان۔

۹۱۰: یعنی سلطان حسن شاہ۔

۹۱۱: **کائیستھ** : ہندوؤں کی ایک مخلوط قوم یا ذات کا نام جو ایک کھشتر یہ باپ اور شُودر ماں سے وجود میں آئی ہے۔ لکھنے والوں (منشیوں) کی قوم۔ کاتب۔ منشی (Clerk)۔

۹۱۲: **کُسمبھ پھول** : کُسُم یا کسُم پھول یا کسُمبا، کسُمبھ یا کسُمبھا۔ پھول کی ایک قسم۔ کام دیو (محبت کا دیوتا) کی مدح جس کے پتر پھولوں سے لدے ہوتے ہیں یا جس کے تیروں کی نوک پر پھول ہوتے ہیں۔ عورت کی ماہواری کا جاری ہونا۔ آشوب چشم۔ نقلی زعفران۔ کسُم (عربی میں عصفرؓ اور سائنسی نام Carthamus Tinctorius) جس سے سُرخ رنگ بناتے ہیں۔ سنیاسی کے پانی پینے کا برتن۔

۹۱۳: **میاں** [میاں ہندی لفظ ہے جو عزت واحترام کا ایک خطاب ہے۔ جناب۔ جناب محترم۔ مالک۔ خاوند۔ آقا۔ باپ۔ ہیجڑوں کو بھی میاں سے خطاب کیا جاتا ہے۔ (پہاڑی علاقوں میں) راجپوت شہزادوں کو میاں کے خطاب سے پکارا جاتا ہے۔ بدرُوح۔[میاں آدمی ایک نیک سیرت آدمی کو کہتے ہیں۔ ایک معزز اور شریف آدمی۔ میاں جی مدرسے کے استاد کو کہتے ہیں۔ معزز استاد خاص کر مدرسہ کا استاد۔ دلاّل۔ بھڑوا]۔

۹۱۴: **مّلا** : یعنی مُلاّ، آخوند۔ روحانی آدمی۔ تعلیم یافتہ۔ باسواد۔ عالمِ حکیم۔ اُستاد۔ مدرسے کے استاد کو بھی کہتے ہیں (جو گاؤں میں مسجد کا وعظ خوان بھی ہو)۔ قاضی۔ فقیہہ۔ واعظ۔

۹۱۵: **پانچال دیو**: یعنی پیر پنچال۔

۹۱۶: یعنی وزیر اعظم ملک احمد یتو۔

۹۱۷: **میا حسَن**: یعنی سید حسن بیہقی جواب ملک احمد یتو کی جگہ وزیر

اعظم تھا۔ یہ سلطان حسن شاہ کا سُسر بھی تھا۔

۹۱۸: **راھو**: ہندوؤں کے اساطیری عقاید میں ایک دیو کا نام (جو وِپراچتّی اور سِنہکؔ کا بیٹا ہے) جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ سورج اور چاند کو پکڑ لیتا ہے اور اس طرح سے گرہن کا موجب بن جاتا ہے۔ علمِ فلکیات میں اژدہا کا سر۔ ایک سیارے کا عقدہ (راہو۔ کیتو = سیارے کے چڑھتے اور اترتے عقدے۔ عقدہ یعنی Node وہ دو نقطے جہاں چاند کے گردش کی جگہ اور دائرۃ البروج میں تقاطع واقع ہوتا ہے یعنی ایک دوسرے سے کٹ جاتے ہیں)۔

۹۱۹: یعنی تبت کلاں اور تبت خورد۔ مقامی فارسی مورخین لداخ اور اسکردو کو کہتے ہیں۔

۹۲۰: اکثر تواریخ کشمیر میں ناصر کی جگہ (جہانگیر ماگرے) اور سید حسن کے نام آئے ہیں۔

۹۲۱: تواریخ کشمیر میں اس فاتح سردار کا نام سید حسن آیا ہے۔

۹۲۲: یعنی مصنف شری ور۔

۹۲۳: مراد ہے سلطان حیدر شاہ۔

۹۲۴: یعنی محمد شاہ۔

۹۲۵: مارگیش یا مارگ پتی سے یہاں مراد ہے جہانگیر ماگرے جو حسن شاہ کی فوج کا سپہ سالار تھا۔

۹۲۶: **کارکوٹ درنگ**: یہ قدیم راستہ موجودہ موضع درنگ سے شروع ہوا کرتا تھا جو بیرو پرگنہ میں پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ ظاہر ہے یہاں پر درنگ قدیم معنی یعنی چوکی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی جگہ کا نام کارکوٹ درنگ تھا۔ غالباً کارکوٹ کا لفظ پہاڑ یا ٹلہ کے نام سے مطابقت رکھتا

ہے یعنی کاکودر سے جو سنسکرت لفظ کارکوٹ دھر ہوسکتا ہے۔ ضمناً ان اطراف میں ایک مقام کارکوٹ ناگ کا بھی ذکر آیا ہے۔

۹۲۷: **بھانگلا**: یعنی بھانگل کا علاقہ۔

۹۲۷،الف: **کوش گھاس**: گاس کی ایک قسم جو خاصی نرم ہوتی ہے اس کے نعلین بھی بنائے جاتے تھے۔

۹۲۸: **لوھر**: یہ علاقہ راجوری کے شمال مغرب کی طرف واقع تھا اور یہ ایک پہاڑی ریاست تھی۔

۹۲۹: **راوَن**: ''چیخنے چلانے والا'' سیلون یا لنکا کے راجہ کا نام اور راکھشسوں یا دیوؤں کا نامور سردار جس کی وِشنو کے ساتویں اوتار رامچندر کے ہاتھوں اطاعت اور تباہی رامائن نامی کتاب کا موضوع ہے۔ راون کیکسی سے وِسرَوس کا بیٹا اور کُوبیر کا سوتیلا بھائی تھا۔ اسی نے رامچندر کی بیوی سیتا کو اغوا کر کے ایک عرصے تک اپنے پاس رکھا جسے بعد میں رامچندر نے بندروں کے ہنومان نامی سردار کے تعاون سے ایک خوفناک جنگ کے بعد راون سے چھڑالیا۔ راون سے مشابہت یہاں شری ورکی ہے ایک مسلمان اس تشبیہہ کے استعمال سے گریز کرے گا۔

۹۳۰: **ٹاڈکا**: ایک یکشنی کا نام۔ جسے عبادت میں خلل ڈالنے کی وجہ سے اگستیا نے ایک راکھشس میں تبدیل کردیا تھا اور بعد میں رام کے ہاتھوں ماری گئی۔ یہ تشبیہہ بھی غیر اسلامی ہونے کی وجہ سے ایک مسلمان زبان سے نہیں نکل سکتی۔

۹۳۱: **نوشھار**: یعنی نوشہرہ۔]

۹۳۲: برہمن کے چھ فرائض۔

۸۳۲،الف: گویا ان برہمنوں کے گھروں میں شراب میسر تھی پرندوں

کے گوشت کی مانند۔

۹۳۳: **کشتری** : ہندوؤں کی دوسری ذات یعنی فوجی آدمی جن کا کام فقط لڑنا تھا۔

۹۳۴: **مہاپدم جھیل** : جھیل وُلر۔ اس جھیل کا قدیم نام مہا پدم سرس تھا جو ناگ مہا پدم سے لیا گیا ہے جو اس جھیل کا کشمیری ہندوؤں کے گمان کے مطابق مخصوص دیوتا ہے۔ سٹاین نے لکھا ہے کہ ''موجودہ نام وُلر، الولا سے اخذ ہوا ہے جس کے معنی ہیں طوفانی جھیل یا وہ جھیل جس میں اونچی لہریں اٹھتی ہوں''۔

۹۳۵: **جین وات وِہار** : یہ وہار گویا سلطان زین العابدین نے جھیل وُلر کے اطراف میں واقع سرج نامی قصبے میں بنایا تھا اور خاصا ہوادار تھا۔

۹۳۶: **میر مُخاط** : معلوم نہیں کہ میرِ مُخاطَ ملکہ کا نام تھا یا لقب۔ [میر یعنی امیر کا مخفف۔ امیر، سید، سید کا لفظ اس معنی میں نام کے آگے آتا ہے ☆مُخاط = پردہ، ستر، گویا یہ ملکہ کا خطاب ہوگا جس کے معنی ہیں ستر وحیا والی یا شاید عفت مآب (واللہ اعلم !)۔

۹۳۷: **یم** : سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی ہیں موت۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق یم بھینس پر سوار ہوتا ہے۔

۹۳۸: سال ۶۰ لوکک انگریزی سال ۱۴۸۴ء اور ۸۸۹ھ کے برابر ہے [لیکن مقامی فارسی تواریخ میں سلطان حسن شاہ کا سال وفات ۸۹۲ھ آیا ہے جو انگریزی سال ۱۴۸۶ء کے برابر ہے]۔

۹۳۹: یعنی سلطان زین العابدین۔ [شری سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی ہیں سعادت۔ خوش بخت۔ کامران۔ دولت۔ حُسن۔ روشنی۔ رونق۔

شان وشوکت والا۔ وِشنو کی بیوی لکھشمی جو دولت اور خوشحالی کی دیوی ہے۔ یہ سرسوتی کا بھی نام ہے۔ زندگی کے تین مجموعی صفات یعنی محبت، فرض، اور دولت کا نام]

۹۳۹، الف: مراد ہے قرانِ کریم جس کا نام زبان پر لانے سے برہمن کشمیری مورخ پنڈت شری ور کتراتا ہے۔ تعصب کی حد ہے یہ ایک عالم کو زیب نہیں دیتا ہے لیکن شری ور حسد کی آگ کی حرارت سے مجبور ہے۔

۹۴۰، الف: مورخ کی گستاخی ملاحظہ ہو کہ مسلمانوں کے شرعی قانون کے الفاظ کے عوض میں ملیچھ قانون کے حروف کو بنا کر استعمال کیا ہے۔

۹۴۰: **گونارد**:؟

۹۴۱ الف: **محمد شاہ، بار اول**: پروفیسر محب الحسن نے لکھا ہے کہ: ''محمد خان، محمد شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔ وہ بہت کم عمر تھا اس لیے امور سلطنت کی دیکھ بھال اس کے نانا سید حسن کرتے تھے (بہارستانِ شاہی ورق ۶۱/الف)۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سید حسن اور ان کے خاندان کے دوسرے افراد ملک میں ناپسند کئے جانے لگے۔ ایک تو وہ غیر ملکی تھے دوسرے کشمیری امراء (ایضاً ورق ۶۱/ب۔ شری ور ص ۲۵۲) کے ساتھ ان کا سلوک اچھا نہ تھا۔ وہ ذات پات کے مخالف تھے (ایضاً ص ۳۰۲) اور کشمیری اور سنسکرت زبان (ایضاً ص ۲۶۸) کی سرپرستی نہیں کرتے تھے (ایضاً ص ۲۶۸ تا ۲۷۰☆ بہارستانِ شاہی ورق ۶۱/ب)۔ اسی لیے کشمیری امراء نے راجۂ جموں پرسورام کی مدد سے جو تاتار خان کے حملہ کے ڈر سے سرینگر بھاگ آیا تھا، سید حسن اور ان کے خاندان والوں کے خلاف ایک سازش کی۔ رات کے وقت کوئی تین سو آدمی جن میں جموں کے سپاہی بھی شامل تھے محافظوں کو رشوت دے کر نوشہر کے قلعہ میں داخل ہوئے (شری ور ص

۲۷۰ تا ۲۷۱ ☆ فرشتہ ۶۶۸ ☆ بہارستانِ شاہی ۶۲ / الف ۔
۶۳ / الف ☆ لیکن اس میں جو حصہ راجۂ جموں نے لیا بہارستانِ شاہی میں
اس کا ذکر نہیں ہے) دوسرے دن صبح کو جب کہ سید حسن قلعہ کے اندر دربار
کررہا تھا وہ سب جہاں جہاں چھپے ہوئے تھے وہاں سے باہر نکل کر سید حسن
اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ سید حسن اور دوسرے ۱۳/ آدمیوں کو تہ تیغ
کر دیا۔ ان کا ایک ملازم جو بُری طرح زخمی ہوا تھا کسی طرح قلعہ کی نالی سے
جان بچا کر بھاگا اور سید حسن کے لڑکے سید محمد کو اس المناک حادثہ کی خبر
دی (بہارستانِ شاہی ورق ۶۲ / الف ، ۶۳ / الف ۔ مرنے والوں کی تعداد شری
ور نے ۳۰ / بتائی ہے ۔ شری ور نے مبالغہ سے کام لیا ہے) ۔ سید محمد نے اپنے
بھائی ہاشم کے ساتھ مل کر فوراً قلعہ پر حملہ کر دیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ قلعہ میں جو
خزانہ موجود تھا اس پر بھی قبضہ کر کے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا (بہارستانِ
شاہی ورق ۶۳ / ب وغیرہ) ۔ اسی درمیان عیدی رینہ نے بہرام خان کے
لڑکے یوسف خان کو آزاد اور اس کو تخت نشین کرانے کی کوشش کی لیکن امراء
سے سادات میں ایک شخص سید علی بیہقی کو اس سازش کا پتہ چل گیا۔ اس نے
یوسف خان کو فوراً قتل کر دیا (میونخ قلمی نسخہ ورق ۹ / الف ☆ طبقات اکبری
ج ۳ / ص ۴۵۲ ۔ دیکھو شری ور ص ۲۷۴ تا ۲۷۵ ۔ شری ور کا عیدَ راجا نک اور
فارسی تاریخوں کا عیدی رینہ ایک ہی آدمی کے نام ہیں) ۔ یوسف کی ماں سیتن دیوی
نے اپنے لڑکے کی لاش تین دن تک اپنے پاس رکھی پھر دفن کرا دی۔ اس کی قبر
کے پاس اس نے ایک حجرہ بنوایا اور زندگی کے بقیہ دن اسی میں
گذارے (میونخ قلمی نسخہ ورق ۷۹ / الف ☆ طبقات اکبری ج ۳ / ص
۴۵۲ ۔ شری ور نے ص ۲۷۶ / پر اس کا نام سوبان بتایا ہے) ۔ اسکی اطلاع پا کر
کشمیری امراء کی درخواست پر جہانگیر ماگرے سری نگر سے لوہر کوٹ لوٹا۔

سادات نے اس سے مصالحت کرنے کی پیش کش کی لیکن اس نے انکار کردیا اور اپنے لڑکے داؤد کو سیف دار کے ساتھ پل کے پار نوشہر میں سادات پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ داؤد کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ سادات نے مقتولوں کے سروں کا مینار بنا کر اپنی فتح کا جشن منایا۔ اس سے سادات کی ہمت بڑھ گئی اور انہوں نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کی خبر پا کر کشمیری آگے بڑھے اور پُل پر دشمن سے نبرد آزما ہوئے لیکن یکایک پل ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے طرفین کے بہت سے سپاہی دریا میں ڈوب گئے (ایضاً ص ۴۵۳۔ میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۰/الف)۔ کشمیری امراء کی بڑھتی ہوئی ہمت اور طاقت کو دیکھ کر سادات نے بہلول لودی کے والیِ پنجاب تاتارخان سے مدد مانگی۔ تاتارخان نے ان کی مدد کے لیے تھوڑی سی فوج روانہ کی لیکن جب یہ فوج پہنچی تو وہاں کے راجہ نے اس کی پیشقدمی روک کر ان کو واپس ہونے پر مجبور کردیا (ایضاً ورق ۸۰/الف ☆ طبقات اکبری ج ۳/ص ۴۵۳)۔ اس خبر سے کشمیریوں کی ہمت اور بڑھی اور سادات پر ان کے حملے جاری رہے لیکن یہ حملے فیصلہ کُن نہیں تھے۔ ان کی حیثیت جھڑپوں کی سی تھی۔ جیت کبھی کشمیریوں کی اور کبھی سادات کی ہوتی۔ دو مہینوں کے بعد کشمیری امراء نے ایک بڑی فوج کے ساتھ جہلم کو پار کر کے سادات پر حملہ کیا۔ سادات تعداد میں کم ہونے کی وجہ سے شکست کھا کر بھاگے۔ ان کا تعاقب کر کے ان کی بڑی تعداد کو تہ تیغ کردیا گیا۔ نوشہر کو آگ لگادی گئی (ایضاً میونخ قلمی نسخہ ص ۸۰/الف۔ ب)۔ کشمیری امراء قلعہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے محمد شاہ کو سلطان کی حیثیت سے سلامی دی۔ سادات کو ایک بار پھر ملک بدر کردیا گیا۔ ان کی جاگیریں ضبط کر کے ان امراء میں تقسیم کردی گئیں جنہوں نے ان کا تختہ الٹا تھا (ایضاً شری ور ص ۲۰۲، ۳۰۲ ☆ بہارستانِ شاہی ورق ۲۵/ب ۲۶/ب،

پر سادات کی طرف داری کی گئی ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ علماء کی مداخلت سے ایسا ہوا اور کشمیری امراء سید محمد کے باپ کے قتل میں حصہ لے کر پچھتائے)۔ پرسو رام نے سادات کے خلاف جنگ میں کافی اہم حصہ لیا تھا اس کو تحفے تحائف دے کر رخصت کیا گیا (شری ور ص ۳۰۲)۔ جہانگیر ماگرے وزیر اعظم مقرر ہوا۔

ملک میں اتحادِ سادات کے دم سے تھا لیکن جیسے ہی سادات کا خاتمہ ہوا۔ امراء نے پھر سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا۔ ان میں سے بعض نے ادہم خان کے لڑکے فتح خان کو جالندھر سے بلایا اور اس کی مدد کا وعدہ کیا (طبقاتِ اکبری ج ۳ ر ص ۴۵۴ ر پر لکھا ہے کہ تاتار خان کی موت کے بعد فتح خان پنجاب کا والی ہوا لیکن اس کی کوئی دوسری سند نہیں ملتی۔ شری ور نے ص ۳۰۹ ر پر صرف اتنا لکھا ہے کہ تاتار خان کی موت کے بعد اس کی ماں کے لڑکے نے فتح خان کو پناہ دی۔ فتح خان کچھ دنوں کے بعد جالندھر میں رہنے کے لیے چلا گیا۔ میونخ قلمی نسخہ ورق ۸ ر پر لکھا ہے کہ تاتار خان کو موت کے بعد فتح خان رجوری گیا۔ شاید وہ کشمیری سرداروں کی دعوت پر گیا تھا) دعوت نامہ پا کر فتح خان، رجوری کی طرف روانہ ہوا۔ جہانگیر ماگرے نے اس کو کشمیر میں داخل ہونے سے منع کیا لیکن وسط ۱۴۸۵ء میں فتح خان درون کے نگران مسعود نایک سے دوستی کر کے ہیرہ پورہ کے راستہ سے کشمیر میں داخل ہو گیا۔ اس کے حامی اس سے آملے (شری ور ۱۱۳ر وغیرہ)۔ جہانگیر ماگرے فوراً محمد شاہ کے ساتھ فوج لے کر چل پڑا اور گوس اُور میں خیمہ زن ہوا (یہ سری نگر کے جنوب میں ایک سطح مرتفع ہے جس سے ہو کر شوپیان کی سڑک گذرتی ہے۔ شری ور اس کا نام گسی گدّار بتاتا ہے (دیکھو اسٹاین ج ۲ ر ص ۴۷۴)۔ فتح خان کے کلم پور پہنچنے کی خبر پا کر جہانگیر، محمد شاہ کو گوس اُدر میں چھوڑ کر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوا۔ کلم

پور (شری ور اس کا نام کلیان پور بتاتا ہے۔ یہ ۴۸/۲۳/عرضِ البلد اور ۵۴/۴۷/ طول البلد میں واقع ہے۔ درّہ پیر پنچال سے سری نگر جانے والی اونچی سڑک پر ہونے کی وجہ سے یہاں پر بہت سی جنگیں ہوئیں)۔ میں سخت جنگ ہوئی۔ شاہی فوج کو شکست ہو جاتی لیکن جہانگیر نے فتح خان کی گرفتاری کی خبر پھیلا ر ان کو پھر سے اکٹھا کیا۔ اس سے فتح خان کے ساتھیوں کی ہمت پست ہو گئی۔ فتح سے مایوس ہو کر فتح خان بھی میدان جنگ سے چلا گیا اور آخر کار پنجاب میں جا کر پناہ لی (میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۱/الف) اس کے بعد حمایتیوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا گیا اور ان کے مکانوں کو لوٹ لیا گیا۔ کشمیر سے نکالے جانے کے بعد فتح خان نے بہرام گُلّ میں (یہ ۳۶/۳۳/عرضِ البلد اور ۲۷/ ۷۴/طول البلد میں بھمبر اور کشمیر کی سڑک پر چھوٹا سا گاؤں ہے جو درّہ رتن پیر کے نیچے گہری گھاٹی میں واقع ہے۔ اس کا قدیمی نام بھیرو گُلّ تھا) اپنی فوج کو اکٹھا کیا اور اگلے سال کشمیر پر حملہ کر دیا۔ جہانگیر ماگرے نے پرگنہ ناگام کے کریوہ پر اسکا مقابلہ کیا۔ اسی درمیان میں فتح خان کا ایک ساتھی زیرک بٹ چھوٹی سی جمعیت لے کر سرینگر میں داخل ہوا اور ملک سیف دار اور دوسرے آدمیوں کو جو فتح خان کی (شری ور ص ۳۲۲۔۳۲۳۔ میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۱/ الف۔ طبقاتِ اکبری ج ۳/ص ۴۵۵) حمایت کے الزام میں قید تھے آزاد کر دیا۔ جہانگیر ماگرے ان باتوں سے سراسیمہ ہو گیا اور رَجوری کے راجہ کی مداخلت سے اس نے فتح خان سے عارضی صلح کر لی (شری ور ص ۳۲۵) پھر اندرونی سازش کر کے اس نے راجہ اور فتح خان میں علیحدگی کرا لی اور فتح خان کو اس کے حمایتیوں سے الگ کرا کے اس پر حملہ کر دیا۔ فتح خان اپنے کو تنہا محسوس کر کے بھاگ کھڑا ہوا۔ جہانگیر ماگرے نے ہیرہ پورہ تک اس کا تعاقب کیا (ایضاً میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۱/ب۔ زیرک بٹ بھی محمد شاہ کو چھوڑ کر چلا

گیا تھا لیکن بعد میں جہانگیر ماگرے نے اس کو قتل کر دیا۔ شری ور ص ۳۲۷)۔ ہیرہ پورہ سے فتح خان جموں کی طرف بڑھا۔ اس نے جموں پر قبضہ کرلیا اور ایک بار پھر کشمیر کا تخت حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ جہانگیر ماگرے، سید محمد اور دوسرے سادات سرداروں کی مدد لے کر فتح خان سے مقابلہ کو بڑھا۔ سید محمد اور دوسرے سرداروں کو جہانگیر ماگرے نے ہندوستان سے واپس بلالیا تھا جہاں وہ جلا وطنی کی زندگی بسر کررہے تھے (ایضاً ص ۳۲۸ روغیرہ۔ میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۱ رب)۔ گوس اُدر میں شکست کھا کر فتح خان اپنے مشیر اور سپہ سالار سیف دار کے ساتھ رجوری واپس چلا گیا۔ اس نے ہمت نہیں ہاری۔ چند مہینوں کے بعد اس نے پھر فوج تیار کی اور وادی میں داخل ہوا۔ دامند راُڈر (سرینگر کے جنوب میں یہ ایک سطح مرتفع ہے۔ اس کا نام شری ور اور کلہن بالترتیب دامودر اُڈر اور دامودر سُود بتاتے ہیں☆ (یہ اُڈر یا کریوہ سرینگر کے مغرب میں اور بڈگام گاؤں میں واقع ہے اور دامُودر اُڈر ہی کہلاتا ہے ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد) میں شاہی فوج سے مقابلہ ہوا اور اس کو اس مرتبہ فتح نصیب ہوئی۔ جہانگیر ماگرے زخمی ہوکر بھاگا۔ سید محمد، فتح خان سے مل گیا۔ محمد شاہ نے بھاگ نکلنے کی کوشش کی لیکن فتح خان کے آدمیوں نے اس کو گرفتار کرلیا (۱۴ را کتوبر ۱۴۸۶ء) [شری ور ص ۳۲۸، ۳۳۸۔ مزید دیکھو میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۱ رب، ۸۲ رب] اس کو اسی کے محل میں قید کر دیا گیا لیکن اس کے تمام آرام و آسائش کا خیال رکھا گیا۔ فتح خان کے سلطان ہونے کا اعلان ہوا اور وہ سلطان فتح شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت پر بیٹھا۔ گھس قبیلہ کے لوگوں نے جو اس کے ساتھ آئے تھے، شہر کو لوٹا۔ یوں تو تین دن کے اندر شہر میں نظم و نسق بحال ہو گیا لیکن تقریباً چھ مہینے تک ملک ان کے رحم و کرم پر رہا (شری ور ص ۳۳۴، ۵۳۴)"۔

محمد شاہ (بارِ دوم ۱۴۹۳ء - ۱۵۰۵ء) کے بارے میں پروفیسر محب الحسن نے لکھا ہے کہ تخت نشین ہوتے ہی محمد شاہ اپنے وزیر اعظم سید محمد، ابراہیم ماگرے اور موسیٰ رینہ کے ساتھ شمس چک پر حملہ کرنے کے لیے چل پڑا۔ جب وہ ترہگام پہنچا تو شمس چک ، دراو (یہ آج کل شری سے کرناوتک وادی کشن گنگا کا نام ہے۔ اس کا قدیمی نام درانده تھا لیکن فارسی تاریخوں میں اس کو دارڈو کہا گیا ہے۔ اسٹاین ص ۱۶۰ نمبر ۲۷۰۹/حاشیہ۔ بہارستانِ شاہی ورق ۷۰/الف ب، حیدر ملک ورق ۱۲۷/الف ب) کی طرف ہٹ گیا۔ محمد شاہ ترہگام اور اسکے اطراف میں شمس چک اور اس کے حمایتیوں کے مکانات کو برباد کر کے سوپور کی طرف بڑھا اس کی خبر پا کر شمس چک ترہگام واپس آیا اس کی فوج مخالفین سے کم تھی اس لیے رات کے وقت حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس خیال سے وہ سوپور کی طرف چل پڑا اور صبح ہوتے ہوتے وہاں پہنچ گیا (بہارستانِ شاہی ۷۱/الف ، ب۔ حیدر ملک ورق ۱۲۷/ب وغیرہ۔ تاریخ کشمیر نارائن کول عاجز ورق ۱۳۰/الف ،ب) محمد شاہ کو بڑا تعجب ہوا اور اپنا کچھ سامان چھوڑ کر جو دشمن کے ہاتھ لگا پل کے پار فرار ہو گیا پھر اس نے پل کو تباہ کر دیا اور دریا کے دوسرے کنارے پر خیمہ زن ہوا۔ موسی رینہ اصل فوج سے ذرا فاصلہ پر تھا اس کو رات کے حملہ کی خبر پل کے تباہ ہونے کے بعد مل گئی، اس لیے وہ دوبارہ پار نہ کر سکا۔ اگر چہ اس کے ساتھ بہت تھوڑی فوج تھی لیکن اس نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا اور جب شمس چک نے اس پر حملہ کیا تو مقابلہ میں بہادری کے ساتھ ڈٹا رہا اور کاجی چک، عیدی رینہ اور سید محمد کی مدد سے شمس چک کو شکست دی۔ شمس چک، ترہگام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے نوشہرہ جا کر فتح شاہ سے جاملا۔ (حیدر ملک ورق ۱۲۲/الف) -محمد شاہ تزک و احتشام سے راجدھانی واپس آیا اور موسیٰ رینہ کو اس کی خدمات

کے صلہ میں (ایضاً) جاگیر عطا کی۔ موسیٰ اس سے خوش نہ ہوا کیونکہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ جتنی بڑی جاگیر کا وہ مستحق تھا اس کو نہ ملی (ایضاً) اس کے علاوہ اس زمانہ میں شمس الدین (گویا مراد ہے شمس الدین عراقی —— ڈاکٹر شمس الدین احمد) دوسری بار کشمیر آیا۔ موسیٰ رینہ اس کا اطاعت گذار پیرو ہو گیا لیکن سید محمد کو شمس الدین کے خیالات پسند نہ تھے اور سید محمد نے اس کو اسکردو جانے پر مجبور کیا۔ موسیٰ کو سید محمد پر سخت طیش آیا۔ اس نے ابراہیم ماگرے اور حاجی پڈر کو ملا کر فتح شاہ کو واپس آنے کی دعوت دی۔ فتح شاہ وادی میں داخل ہوا۔ ہیرہ پورہ پہنچنے پر اس سے موسیٰ، ابراہیم اور حاجی ملے (بہارستانِ شاہی ورق ۱۷۱/ب، ۱۷۲/الف۔ تحفۃ الاحباب ص ۶۸۹۔ مجموعہ در انساب مشائخ کشمیر ورق ۱۱۱/ب) اس کی اطلاع پا کر محمد شاہ نے سید محمد کی معیت میں ان کے خلاف فوج کشی کی اور ان کو زین کوٹ میں شکست دی۔ دوسرے دن اپنی فوج کو منظم کر کے فتح شاہ پھر مقابلہ کے لیے کھڑا ہوا۔ اس کی شکست قریب تھی کہ اچانک سید محمد مارا گیا۔ اس سے شاہی فوج میں انتشار پھیل گیا۔ وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ محمد شاہ گرفتار ہوتے ہوتے بچا اور جان بچا کر نوشہرہ بھاگا۔ اس کے بعد فتح شاہ کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ (بہارستانِ شاہی ورق ۱۷۷/الف وغیرہ۔ حیدر ملک ورق ۱۲۹/ب)۔

محمد شاہ (بار سوم ۱۵۱۷ء - ۱۵۱۷ء) کے بارے میں پروفیسر محب الحسن نے لکھا ہے کہ فتح شاہ کے بھاگ جانے پر محمد شاہ تیسری بار سلطان ہوا۔ اس نے ابراہیم ماگرے کو اپنا وزیر اعلیٰ بنایا کیونکہ اسکی کوششوں سے اس کو تخت ملا تھا۔ اسی درمیان میں فتح شاہ نے کشمیر پر پھر سے حملہ کرنے کا تہیہ کیا اور اپنی کامیابی کے امکانات معلوم کرنے کے لیے اپنے لڑکے حبیب خان کو بھیجا۔ حبیب خان سے جہانگیر پڈر ملا اور چک امراء کی حمایت کا وعدہ کیا

جواس کی ماں کے رشتہ دار ہوتے تھے (حیدر ملک ورق ۱۳۲/ب)۔ ان یقین دہانیوں کے ساتھ فتح شاہ وادی میں داخل ہوا۔ بہت سے امراء اس سے آ ملے جن میں چک سردار شامل تھے۔ ان کا سربراہ کاجی چک تھا اس سے آ ملے۔ ان غداریوں کی وجہ سے محمد شاہ اور ابراہیم ماگرے نے اس کا مقابلہ نہیں کیا اور کشمیر چھوڑ کر پنجاب چلے گئے (ایضاً ورق ۸۵/ب)۔ اس طرح نو مہینے کے بعد فتح شاہ نے پھر سے تخت حاصل کیا۔

محمد شاہ (بار چہارم ۱۵۱۷ء - ۱۵۱۸ء) کے ذکر میں پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ "اسی درمیان میں فتح شاہ کے اقتدار کے خاتمہ کی خبر سن کر اور اپنے حامیوں کی مدد پر یقین کر کے محمد شاہ نے غیر ملکی فوج کو واپس بھیجنے کا فیصلہ کیا کیونکہ وادی میں ان کی موجودگی کی مخالفت کا خطرہ تھا۔ اس کے علاوہ ملک پر اس کا غیر ضروری بوجھ بھی پڑتا۔ اس نے ہندوستانی فوج کو ڈلور ہی میں چھوڑ دیا اور اپنے دو ہزار ساتھیوں کو لے کر کشمیر کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر اس نے کاجی چک کو اپنا وزیر بنایا لیکن شنکر رینہ کی طرف سے غداری کا شبہ کر کے قید خانہ میں ڈال دیا (بعد میں شنکر رینہ کو قید خانے میں مار ڈالا گیا، (نوادر الاخبار ورق ۶۰/الف) لیکن شکؔ ص ۳۵۵/ پر لکھتا ہے کہ وہ فطری موت مرا تھا۔ سنسکرت کی تاریخوں میں راجن شرنگاری، شنکر رینہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہے)۔ اس کے بعد ہندوستانی فوج کو واپس کرنے کے لیے وہ ڈنور لوٹا اور نوشہرہ تک ان کے ساتھ گیا اور پھر ان کو خدا حافظ کہا لیکن موسم سرما شروع ہو جانے کی وجہ سے کشمیر جانے کا تمام راستے برف سے ڈھک گئے تھے اس لیے اس نے نوشہرہ ہی میں قیام کرنے کا فیصلہ کیا۔ (بہارستانِ شاہی ورق ۸۶/ب، ۸۷/الف۔ حیدر ملک ۱۳۳/الف ۔ب ۔ شکؔ ص ۵۳-۳۵)۔ محمد شاہ کی غیر موجودگی میں وادی میں خانہ جنگی

شروع ہوگئی۔ نصرت رینہ، شنکر کے قید کیے جانے اور کاجی چک کے وزیرِ اعلیٰ بنائے جانے پر برہم تھا اسی لیے اس نے لوہر ماگرے کی مدد سے علمِ بغاوت بلند کیا۔ دوسری طرف کاجی چک سے جہانگیر پڈر آ کر مل گیا جو اس کا ابھی تک حریف تھا۔ اس طرح ہر گروہ آمادۂ پیکار تھا۔ نصرت رینہ اپنی کمزوری محسوس کرکے اپنے آپ کاجی چک سے جم کر مقابلہ کرنے کا قابل نہیں سمجھتا تھا اس لیے اس نے شبخون مارنے کا ارادہ کیا لیکن اس کا منصوبہ غلط ثابت ہوا کیونکہ کاجی چک کو اس کی خبر لگ گئی اور وہ مقابلہ کے لیے تیار ہوگیا۔ مقابلہ ذیالدگر میں ہوا[صحیح ہے ذالڈگر جو سرینگر میں ایک محلے کا نام ہے۔ غالباً اس زمانے میں محلّہ نہیں رہا ہوگا بلکہ شاید ایک وسیع میدان رہا ہے جہاں پر کئی جنگیں لڑی گئیں ــــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ کاجی چک زخمی ہوا لیکن میدان جنگ میں نصرت رینہ کے مارے جانے سے اس کے حامی گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طرح چک فتحیاب ہوگئے۔ موسم بہار کے ابتدائی دنوں میں سید محمد بیہقی کے لڑکے سید ابرہیم کے ساتھ محمد شاہ، کشمیر میں داخل ہوا (بہارستانِ شاہی ورق ۸۷/الف، ب۔ حیدر ملک ورق ۱۳۴/الف۔ ۱۳۵/ب۔ شکّ ص ۵۲۔۳۵)۔ کاجی چک اور جہانگیر پڈر کی دوستی چند روز ثابت ہوئی۔ ۱۵۲۰ء کے ابتداء میں کاجی چک نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ اپنے لڑکے مسعود کو جہانگیر پڈر کو گرفتار کرنے کو بھیجا جو ان دنوں موضع پام پور (حیدر ملک ورق ۱۳۵/الف۔ تاریخ حسن جلد ۲/ورق ۱۱۹/الف۔ پام پور سرینگر سے ۸/میل جنوب مشرق میں جہلم کے داہنے کنارے پر واقع ہے۔ اس کا قدیم نام پدم پور تھا) میں تھا۔ جہانگیر پڈر کو اس کی خبر لگ چکی تھی۔ وہ دارڈو بھاگ کر گدائی ملک سے مل گیا۔ مسعود اس کا گھر لوٹ کر سرینگر واپس چلا آیا۔ (حیدر ملک ورق ۱۳۵/ب۔ نوادر الاخبار ورق ۶۰/ب۔ بہارستانِ

شاہی ورق ۸۹/ب پر لکھا ہے کہ جہانگیر بھاگ کر کمراج گیا تھا)۔ دوسرے سال مئی ۱۵۲۱ء میں ایک دوسری بغاوت ہوئی جس میں ابراہیم ماگرے کے لڑکے ملک ابدال، لوہر ماگرے اور عیدی رینہ کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے فتح شاہ کے لڑکے سکندر سے دوستی کی اور اُس کے حکمران ہونے کا اعلان کر کے ناگام کے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ جہانگیر پڈر اور گدائی ملک جو دارڈو میں تھے سکندر کی مدد کو ناگام کی طرف چل پڑے۔ کاجی چک نے دولت اور مسعود کو انہیں روکنے کے لیے بھیجا اور خود سکندر پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ اس نے لل پور [یہ ایک اہم مقام ہے۔ بڈگام تحصیل میں چرارِ شریف کے قریب سرینگر سے ۹ رمیل جنوب میں واقع ہے۔ یہ چشموں کے لیے مشہور ہے☆ غالباً یہ اب لولہ پور کہلاتا ہے ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد] کے مقام پر سکندر کو شکست دی اور جب شکست کھا کر سکندر ناگام کے قلعہ میں واپس آیا تو کاجی چک نے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اسی دوران دولت چک نے شادی پور کے قریب گدائی ملک پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا (بہارستانِ شاہی ورق ۸۹/ب۔ میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۴/الف، ب۔ شکّ ص ۳۵۵۔ ۵۷) لیکن جہانگیر پڈر کے خلاف مسعود چک کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کی آنکھ میں تیر لگا اور اپنے گھوڑے سے گر کر مرگیا (ایضاً۔ حیدر ملک ورق ۱۳۵/ب) لیکن اس عارضی پسپائی کے باوجود فتح چکوں کی ہوئی۔ گدائی ملک کے خاتمہ کے بعد دولت، شادی پور میں دریا کو پار کر کے سید ابراہیم اور تازی چک سے ملا۔ ملک جنہیں کاجی چک نے مسعود کی مدد کے لیے بھیجا تھا، انہوں نے مل کر جہانگیر پڈر کو دریا پار کرنے اور ناگام قلعہ میں سکندر سے ملنے سے روک دیا (بہارستانِ شاہی ورق ۹۰/ب)۔ اس درمیان میں سکندر نے کوئی مدد نہ ملنے کی وجہ سے اپنی حالت مخدوش دیکھ کر کاجی چک سے صلح کی بات چیت شروع کر دی اور پھر پنجاب بھاگ گیا۔ تھوڑے ہی

عرصہ کے بعد جہانگیر پڈّر بھی بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ (حیدر ملک ورق ۱۳۶/الف)۔ لوہر ماگرے اور عیدی رینہ نے معافی مانگ لی اور انہیں محمد شاہ نے معاف کردیا۔ کاجی چک کے بھانجے دولت چک کو جہانگیر پڈّر اور گدائی ملک کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کے صلہ میں مسعود چک کی جاگیر عطا ہوئی (ایضاً شکؔ ص ۳۵۸)۔ ۱۵۲۲ء میں ماگریوں نے پھر حملہ کیا اور اس مرتبہ وہ فتح شاہ کے دوسرے بیٹے حبیب خان کو تخت کا دعویٰ دار بنا کر لائے لیکن چونکہ ان کی فوج بہت کم تھی انہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ عیدی رینہ دشمن سے مل گیا تھا۔ اس سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ وادی سے واپس چلے گئے۔ راستہ میں حبیب کا انتقال ہوگیا۔ اس کی میّت سرینگر لاکر اس کے باپ کے بغل میں دفن کردی گئی۔ اس کے فوراً ہی بعد کاجی چک نے ماگرے سرداروں کو پھر سے ملا کر ان کے خاندانوں میں شادی بیاہ کے رشتے قائم کئے (ایضاً ص ۳۵۸۔ ۹۵۸)۔ اپنے دشمنوں کو اپنا حامی بنا کے کاجی چک بہت طاقتور ہوگیا۔ اس سے محمد شاہ ناراض ہوا کیونکہ وہ اپنے کو برائے نام حکمران محسوس کرتا تھا۔ اس نے کچھ اہم امراء مثلاً ملک ابدال، لوہر ماگرے، ملک علی چاڈورہ اور ریگی چک کو اپنی طرف ملا کر کاجی کا تختہ الٹنے کی سازش کی۔ اس نے شہر چھوڑ دیا اور کاجی کے چچازاد بھائی نوروز چک کے ساتھ حملہ کی مدافعت کی تیاری کرنے کے لیے لار چلا گیا لیکن جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی کیونکہ جب کاجی نے دیکھا کہ وہی امراء جن پر وہ بھروسہ کرتا تھا اس کو چھوڑ کر چلے گئے تو اس کو بہت دکھ ہوا اور وہ ۱۵۲۷ء میں نوشہر چلا گیا۔ ان واقعات کے فوراً بعد کشمیر کو کوچک بیگ اور شیخ علی بیگ کے ماتحت مغلوں کی جو فوج تھی اس کے خطرہ کا سامنا کرنا پڑا جن کو بابر نے سکندر کی مدد کے لیے بھیجا تھا (بابر نے تزک بابری میں اس بات کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن طبقات اکبری ج

۳/ص ۴۶۰/ پر درج ہے کہ سکندر مغلوں کی ایک جمعیت کے ساتھ لوٹا تھا اور فرشتہ (۲۷۳) رقمطراز ہے کہ مغل بابر ہی کے آدمی تھے۔ دیکھو مزید بہارستانِ شاہی ورق ۹۱/الف)۔ کاجی چک کو اس کی خبر ہوئی تو اس کا جذبۂ حب الوطنی ابھر آیا اور حالانکہ اس کو محمد شاہ کا کائی حکم نہیں ملا تھا اس نے حملہ آوروں کو پسپا کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ آس پاس سے ایک فوج اکٹھا کی اور تازی چک، حسین چک اور اس کے لڑکے غازی کو جس کی عمر ۱۸/سال کی قریب تھی اُن کے خلاف بھیجا۔ غازی اور تازی دونوں بہادری سے لڑے اور نوشہرہ کے قریب حملہ آوروں کی شکست دی۔ کاجی نے سکندر کو گرفتار کر لیا کیونکہ اسی نے مغلوں کو آنے کی دعوت دی تھی (بہارستانِ شاہی ورق ۹۱/الف، ب)۔ حیدر ملک ورق ۱۳۶/الف۔ مزید دیکھو نوادر الاخبار ورق ۶۱/ب ۲۲/الف۔ نصرت کھوکر ورق ۱۳۲/الف، ب)۔

محمد شاہ کو اس فتح کی خبر ہوئی تو وہ کاجی کا شکر گذار ہوا اور اس سے ماضی کو بھول جانے اور سرینگر واپس آنے کی درخواست کی چنانچہ کاجی ۱۵۲۷ء میں واپس آیا اور سکندر کو بھی ساتھ لایا اور اس کو محمد شاہ کے حوالہ کر دیا۔ سلطان کے حکم سے سکندر کو اندھا کر دیا گیا حالانکہ کاجی نے اتنی سخت سزا کی مخالفت کی تھی۔ کچھ دنوں بعد سکندر قید خانہ میں انتقال کر گیا (بہارستانِ شاہی ورق ۹۱/الف، ب۔ میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۵/الف۔ شکؔ ص ۳۶۱/ ۳۶۲)۔

محمد شاہ نے کاجی کو پھر اپنا وزیر بنایا لیکن اس سے جاگیرداروں میں رقابت کی دبی ہوئی آگ پھر سے بھڑک اٹھی۔ ماگریوں اور ملک علی چاڈورہ نے محمد شاہ کے خلاف کاجی پر عنایت کرنے کی وجہ سے علمِ بغاوت بلند کیا۔ انہوں نے موضع کچھامہ (یہ بارہ مولہ سے ۵/میل جنوب مغرب میں ہے اسی جگہ دریائے جہلم وادی سے باہر نکلتا ہے) میں اپنے آپ کو چند دنوں میں

دسمبر ۱۵۳۰ء میں ہو چکا تھا) چنانچہ ۱۵۳۱ء میں کامران، محرم بیگ اور شیخ علی بیگ کی معیت میں وادی کی طرف چل پڑا۔ نوشہرہ پہنچ کر کامران خود تو پیچھے رہا لیکن اپنے دو سپہ سالاروں کو ۳/ ہزار گھوڑ سواروں کے ساتھ حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا [بہارستانِ شاہی ورق ۹۲/الف۔ حیدر ملک ورق ۱۳۸/ب۔ بہارستانِ شاہی اور حیدر ملک کی دی ہوئی تاریخ ۱۵۳۰ء (۹۳۷ھ) غلط ہے کیونکہ اس حملہ کے وقت بابر حیات نہیں تھا (دیکھو طبقاتِ اکبری ج ۳/ص ۳۶۳) اس لیے حملہ ۱۵۳۱ء میں ہوا ہوگا]۔ وادی میں کوئی طاقتور حکومت نہ تھی اور درون کی مناسب حفاظت کا بھی کوئی انتظام نہ تھا اس لیے مغل آسانی سے ملک کے اندر داخل ہو گئے۔ کشمیریوں نے راجدھانی کی طرف پیش قدمی روکنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور مجبور اُپسپا ہو کر چیرہ اُڈر کے قلعہ میں چلے گئے [بہارستانِ شاہی ورق ۹۶/الف۔ چیرہ اُڈر ایک کریوہ ہے جو شوپیان جانے والی سڑک پر سرینگر سے جنوب مغرب میں واقع ہے]۔ مغل سرینگر کی طرف بڑھے اور اس پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے شہر میں لوٹ مار کی، آگ لگائی اور ان کشمیریوں کو قتل کر دیا جو پہاڑیوں سے ان سے مقابلہ کرنے کے لیے آئے تھے [شُکَّ ص ۳۷۰۔ طبقات اکبری ج ۳/ص ۴۶۳] اس کے بعد وہ چیرہ اُڈر کے قلعہ کی طرف بڑھے اور اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ کشمیری فوجیں لڑے بغیر اتھواجن (یہ جہلم کے داہنے کنارے پر تخت سلیمان کے جنوب میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے) کی طرف چلی گئیں۔ کامران نے جو ابھی تک نوشہرہ میں تھا ان فتوحات کی خبر سنی تو یہ یقین کر کے کہ کشمیر اب فتح ہو گیا ہے اور کوئی جنگ نہیں ہوگی، وہ لاہور چلا گیا (بہارستانِ شاہی ورق ۹۲/الف۔ حیدر ملک ورق ۱۳۹/الف)۔ پہلے تو کشمیری امراء نے سوچا تھا کہ کاجی چک مغلوں کا حامی ہے لیکن یہ جان کر کہ وہ غیر جانبدار ہے

دسمبر ۱۵۳۰ء میں ہو چکا تھا) چنانچہ ۱۵۳۱ء میں کامران، محرم بیگ اور شیخ علی بیگ کی معیت میں وادی کی طرف چل پڑا۔ نوشہرہ پہنچ کر کامران خود تو پیچھے رہا لیکن اپنے دو سپہ سالاروں کو ۳؍ ہزار گھوڑ سواروں کے ساتھ حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا [بہارستانِ شاہی ورق ۹۲؍الف۔ حیدر ملک ورق ۱۳۸؍ب۔ بہارستانِ شاہی اور حیدر ملک کی دی ہوئی تاریخ ۱۵۳۰ء (۹۷۳ھ) غلط ہے کیونکہ اس حملہ کے وقت بابر حیات نہیں تھا (دیکھو طبقاتِ اکبری ج ۳؍ص ۳۶۳) اس لیے حملہ ۱۵۳۱ء میں ہوا ہوگا]۔ وادی میں کوئی طاقتور حکومت نہ تھی اور درون کی مناسب حفاظت کا بھی کوئی انتظام نہ تھا اس لیے مغل آسانی سے ملک کے اندر داخل ہو گئے۔ کشمیریوں نے راجدھانی کی طرف پیش قدمی روکنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور مجبوراً پسپا ہو کر چیرہ اُڈر کے قلعہ میں چلے گئے [بہارستانِ شاہی ورق ۹۶؍الف۔ چیرہ اُڈر ایک کریوہ ہے جو شوپیان جانے والی سڑک پر سرینگر سے جنوب مغرب میں واقع ہے]۔ مغل سرینگر کی طرف بڑھے اور اس پر قبضہ کرلیا۔ انہوں نے شہر میں لوٹ مار کی، آگ لگائی اور ان کشمیریوں کو قتل کر دیا جو پہاڑیوں سے ان سے مقابلہ کرنے کے لیے آئے تھے [شُکؔ ص ۳۷۰۔ طبقات اکبری ج ۳؍ص ۴۶۳] اس کے بعد وہ چیرہ اُڈر کے قلعہ کی طرف بڑھے اور اس پر بھی قبضہ کرلیا۔ کشمیری فوجیں لڑے بغیر اتھواجن (یہ جہلم کے داہنے کنارے پر تخت سلیمان کے جنوب میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے) کی طرف چلی گئیں۔ کامران نے جو ابھی تک نوشہرہ میں تھا ان فتوحات کی خبر سنی تو یہ یقین کر کے کہ کشمیر اب فتح ہو گیا ہے اور کوئی جنگ نہیں ہوگی، وہ لاہور چلا گیا (بہارستانِ شاہی ورق ۹۲؍الف۔ حیدر ملک ورق ۱۳۹؍الف)۔ پہلے تو کشمیری امراء نے سوچا تھا کہ کاجی چک مغلوں کا حامی ہے لیکن یہ جان کر کہ وہ غیر جانبدار ہے

انہوں نے اس سے ملک کے مفاد اور اس کو بیرونی قبضہ سے بچانے کی خاطر نمک کے پہاڑ سے واپس آنے کی درخواست کی جہاں وہ ان دنوں مقیم تھا۔ اس درخواست پر کاجی فوراً ہی وادی کی طرف روانہ ہوا اور کشمیری فوجوں سے اتھواجن میں ملا (میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۷/الف۔ طبقاتِ اکبری جلد ۳/ص ۴۶۳۔ نوادرالاخبار ورق ۶۵/الف۔ب)۔ اس کی آمد سے ان کا جوش اور ولولہ بڑھا اور جب مغلوں نے اتھواجن میں ان پر حملہ کیا تو انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کو شکست دیدی۔ اس کامیابی سے کشمیریوں کی ہمت بڑھی اور انہوں نے تخت سلیمان پر اپنے قدم جمالئے اور وہاں سے شہر میں دشمن پر حملہ کرنا شروع کردیا۔ مغلوں نے کچھ عرصہ تو مقابلہ کیا لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کو صلح کی بات چیت کرنی پڑی (بہارستانِ شاہی ورق ۹۶/ب۔ حیدر ملک ورق ۱۳۹/الف)۔ دریائے جہلم پر ایک کشتی میں کاجی چک اور محرم بیگ کے درمیان ایک گھنٹہ تک گفتگو ہوئی۔ مغل کشمیر چھوڑنے پر رضا مند ہو گئے۔ ان کو تحفے تحائف ملے اور کچھ دنوں کے بعد وہ بارہ مولہ کے راستہ لاہور چلے گئے۔ دولت چک اور جہانگری ماگرے ان کو پکھلی تک چھوڑنے کو گئے (بہارستانِ شاہی ورق ۹۷/الف۔ شُکؔ نے حملہ کا بہت مختصر ذکر کیا ہے)۔ مغلوں کے چلے جانے کے بعد امراء نے وادی کو شاہی زمین اور سید ابراہیم کی جاگیر کو چھوڑ کر پانچ حصوں میں تقسیم کرلیا۔ ابدال ماگرے بدستور وزیر رہا۔ لوہر ماگرے، کاجی چک اور ملک علی چاڈورہ کو ایک ایک حصہ ملا (بہارستانِ شاہی ورق ۹۷/ب) لیکن مغلوں کے حملہ سے ابھی کشمیر نے مشکل سے نجات پائی تھی کہ ایک سال کے اندر ان پر دوسرا حملہ ہوگیا۔ اس بار یہ حملہ کاشغر سے شمال مشرق کی جانب سے ہوا تھا جس کا سربراہ میرزا حیدر دوغلت تھا"۔

تاریخ حسن (جلد دوم) نے سلطان محمد

شاہ (بار اوّل ۸۹۲ھ - ۸۹۵ھ) = ۱۴۸۶ء - ۱۴۸۹ء) کے بارے میں لکھا ہے (ص ۲۱۲ - ۲۱۶) کہ: "سلطان محمد شاہ نے سال ۸۹۲ھ مطابق ۲ ۱۵۴۲ء بکرمی میں سید حسن بیہقی کی مدد سے حکمرانی کا علم لہرایا۔ اس روز اس کی عمر سات سال تھی۔ بیہقی سادات سلطنت کے اُمور کے متکفل ہوئے اور انہوں نے امور مملکت میں کسی کو دخل انداز نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ سلطان سے ملاقات بھی کسی کو میسر نہ تھی۔ اس رویّہ سے کشمیر کے امراء تنگ آ گئے اور انہوں نے جموں کے راجہ سے مل کر، جو تاتار خان کے خوف سے کشمیر میں آ چکا تھا سید حسن کو سادات امراء کے تیس آدمیوں کے ہمراہ باغِ نوشہرہ میں قتل کر دیا اور دریائے بہت کے پلوں کو کاٹ کر اس طرف میں اکٹھے ہو کر مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ سید حسن بیہقی کا بیٹا سید محمد، جو سلطان کا خالو تھا، اپنی جماعت کے ساتھ سلطان کی حفاظت کرنے پر مستعد رہا۔ اس رات کو جب یہ عظیم فتنہ واقع ہوا ہر کوئی پریشان تھا۔ بہرام خان کا بیٹا یوسف خان اس روز بند تھا اور عیدی رینہ کوشش میں تھا کہ اسے سلطان بنا دے۔ اس ارادہ سے باخبر ہو کر سید علی خان بیہقی نے یوسف خان کو قید خانہ میں مار ڈالا اور نجی بٹ جو یوسف خان کے قتل ہو جانے پر ماتم کر رہا تھا کو بھی تلوار سے قتل کر دیا۔ یوسف خان کی ماں ستان دیوی، جو ایک عرصے سے بیوہ ہو چکی تھی اور افطار کے وقت جَو کی روٹی کے تین لقموں سے زیادہ نہیں کھاتی تھی، نے اپنے بیٹے کی لاش کو تین دن تک اپنے پاس رکھا اور جب اسے دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر کے پاس ایک حجرہ بنا کے مجاور کی حیثیت سے اس میں بیٹھ گئی اور وہیں پر دنیا سے اٹھ گئی۔

سید علی خان اور سید محمد وغیرہ نے مخالفین کے ساتھ جنگ میں استقامت کی اور طرفین کے بہت سے لوگ قتل ہوئے۔ چور آشکارا طور پر شہر میں داخل ہوئے اور غارتگری کی۔ سادات نے اپنے گھر کے ساتھ ایک خندق کھود کر

چوروں سے محفوظ کرلیا اور مخالفین کے گھروں کو، جو شہر اور گاؤں میں تھے آگ لگا کر خاکستر کردیا۔ اسی اثنا میں جہانگیر ماگرے نے جو لوہر کوٹ قلعہ میں وقت گذار رہا تھا کشمیری امراء کے مطالبہ پر کشمیر آکر سادات کے ساتھ متفق ہوجانے کو ہرگز منظور نہیں کیا۔ ایک روز جہانگیر ماگرے، داؤد ماگرے اور رفیق ماگرے نے پُل کو پار کرکے سادات کے ساتھ جنگ کی۔ جنگ میں داؤد ماگرے مارا گیا اور سادات نے فتح کے طبل بجا کر مقتولوں کے سروں کا ایک مینار بنالیا۔ دوسے روز انہوں نے چاہا کہ غالب آکر پُل کو پار کرلیں لیکن مخالفین نے آگے بڑھ کر پل کے بیچ میں بڑی لڑائی لڑی۔ اچانک پل ٹوٹ گیا اور طرفین کی ایک بڑی جماعت دریا میں ڈوب گئی۔ اس کے بعد سادات نے تاتارخان کی طرف رجوع کرکے مدد مانگی۔ تاتارخان نے سادات کی اعانت سے ایک لشکر آراستہ کی۔ جب وہ بھمبیر کے مقام پر پہنچے تو وہاں کے راجہ نے بہت سے لوگوں کو قتل کردیا۔ یہ سن کر مخالفین خوش ہوگئے۔ ڈھائی ماہ تک ان میں اور کشمیر میں جنگ ہوتی رہی بالآخر کشمیری امراء تین فوجوں میں بٹ گئے اور دریائے بہت سے عبور کرکے سادات کے گروہ کے ساتھ لڑائی کی اور اکثر سادات کو قتل کرڈالا اور باقی نے فرار کرکے شہر کا رُخ کیا۔ امراء نے اُن کا تعاقب کیا اور قتل وغارت کرکے شہر میں آگ لگادی اور یہ آگ خانقاہِ معلّی تک پہنچکر بجھ گئی اور خانقاہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس روز مرنے والوں کی تعداد دس ہزار تک پہنچی اور یہ واقعہ ۸۹۲ھ میں ہوا۔

سیّد حسن کا بیٹا سیّد محمد جو سترہ سال کی عمر کا تھا گدائی کے گھر میں روپوش ہوا۔ مخالفین شاہی دربار میں آگئے اور سلطان کی خدمت میں سلام عرض کرکے اس کو اپنا بنالیا اور دوسرے سادات کے ہمراہ سید علی خان کو ملک سے نکال دیا۔ چونکہ امراء عظیم میں سے ہر کوئی سرداری کا دعویٰ کرنے لگا تھا پس چند ہی روز

میں ان کے درمیان کینہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھی اور سلطنت کا چراغ بے نور ہو کر رہ گیا۔

اور آدم شاہ کے بیٹے فتح شاہ نے تاتار خان لودی کی وفات کے بعد اپنی موروثی مملکت کو پانے کے لیے جالندھر سے عزم کر کے راجوری میں قیام کیا اور کشمیری امراء جوق در جوق اس کے پاس پہنچنے لگے۔ فتح شاہ نے ہر کسی کو انعام دے کر اسے اپنا لیا۔ اس کے خیال میں تھا کہ جہانگیر ماگرے میری طرف متوجہ ہو جائے گا لیکن جہانگیر ماگرے نے اس خیال سے کہ اس کے مخالفین اول جا کر فتح شاہ کے ساتھ جا ملے تھے اس سے ملاقات کرنے کی جرأت نہیں کی۔ اپنی جماعت کو درست کرنے کے بعد فتح شاہ نے کشمیر کا رخ کیا۔ یہ خبر سن کر محمد شاہ نے جنگ کا میدان آراستہ کیا اور فتح شاہ ہیرہ پور کے راستہ سے پرگنۂ آڈون میں آ پہنچا اور پانی کے ایک چشمے کو درمیان میں رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے مقابل میں بیٹھ گئے اور دونوں طرف سے جنگ کی صفیں ترتیب دے کر جنگ کی آگ بھڑک اُٹھی۔ فتح شاہ نے غلبہ پایا اور محمد شاہ کی فوج کا کام پسپا ہونے لگا کہ جہانگیر ماگرے نے استقلال وثبات سے کام لے کر فتح شاہ کی فوج کے تقریباً پچاس سرداروں کو قتل کر کے شکست دی اور قریب تھا کہ فتح شاہ جہانگیر ماگرے کے چنگل میں گرفتار ہو جائے کہ منافقین میں سے کسی نے جھوٹی افواہ پھیلائی کہ محمد شاہ مخالفین کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا۔ جہانگیر ماگرے کی تشویشِ خاطر بڑھ گئی اور وہ فتح شاہ کا تعاقب کرنے سے باز رہا۔ فتح ونصرت کے ڈنکے بجاتے ہوئے محمد شاہ نے فتح شاہ کے ساتھ سازش کرنے کے الزام میں تازی بٹ کے خانمان کو غارت کروادیا لیکن فتح شاہ نے بہرام گلہ میں استقامت کر کے دوسری بار جماعت کو تیار کر لیا اور کشمیر کو فتح کرنے کے لیے حملہ کر دیا۔ جہانگیر ماگرے اس کے مقابلے میں نکل آیا اور

ناگام کریوہ پر جنگ ہوئی۔ فتح شاہ کے نوکروں میں سے وزیر بٹ نے ایک سوراخ کا راستہ پاکر ایک قلیل جماعت کے ساتھ شہر کی طرف یلغار کی اور ملک سیف ڈار کو جو امراء کی ایک جماعت کے ساتھ قید میں تھا، چھڑا کر اپنے ساتھ ملالیا۔ سیف ڈار کی رہائی سے جہانگیر ماگرے نے گھبرا کر راجوری کے راجہ کے پاس، جو فتح شاہ کی مدد کو آیا تھا، پوشیدہ طور پر پیغام بھیجا کہ وہ فتح شاہ کی مدد کرنے سے باز رہ کر ہمارے ساتھ مل جائے۔ اس وجہ سے راجوری کا راجہ جہانگیر ماگرے کے ساتھ مل گیا اور انہوں نے فتح شاہ کو شکست دے کر ہیرہ پورہ سے بھگا دیا۔ فتح شاہ نے جا کر جموں کے ملک پر قبضہ کرلیا اور ایک بڑی فوج تیار کر کے پھر ایک بار کشمیر کو فتح کرنے کے لیے بڑھا۔ جہانگیر ماگرے نے بیہقی سادات کے ساتھ، جنہیں پہلے ملک سے باہر نکال دیا گیا تھا، صلح کر کے ان کے ساتھ گٹھ جوڑ کرلیا اور بیہقی سادات نے جو شجاعت میں مردانہ لوگ تھے، جنگ وکُشت وخون میں دلیری و بہادری کا مظاہرہ کر کے، ایک کثیر جماعت شہید ہوگئی۔ ملک سیف ڈار وغیرہ نے فتح شاہ کی طرف سے نمایاں لڑائی لڑی بالآخر شکست کھا کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔

کچھ عرصہ بعد پھر سے فوج کو جمع کر کے جنگ کی اور خاصی لڑائی اور کشت وخون کے بعد حالت یہاں تک آ پہنچی کہ محمد شاہ کے ساتھ کوئی نہ رہا اور اس کے سارے خزانے ختم ہوگئے۔ جہانگیر ماگرے زخمی ہوکر کسی کونے میں بھاگ کر بیٹھ گیا۔ سید محمد فتح شاہ سے مل گیا اور محمد شاہ نے دو سال سات ماہ کا عرصہ پریشان حالی وفتنہ کی کیفیت میں گذار کر اپنے بعض معاونین کے ہمراہ پہاڑوں کی طرف راہِ فرار اختیار کی اور فتح شاہ بن آدم شاہ بن سلطان زین العابدین نے فتح مند ومنصور ہوکر تختِ شوکت پر جلوس کیا''۔

سلطان محمد شاہ (بارِ دوم) کے بارے میں تاریخ

حسن (جلد دوم) میں آیا ہے کہ: ''سلطان محمد شاہ نے دوسری بار سال ۸۹۸ھ مطابق ۱۵۴۹ بکرمی میں سید محمد بیہقی کی اعانت سے حکومت کشمیر کے مسند پر جلوس کیا۔ اس زمانے میں خراسان کے بادشاہ سلطان حسین میرزا نے شمس عراقی کے باطنی خلل سے واقف ہو کر اسے اپنے ملک سے نکال دیا اور اس نے سابقہ تعلق و میلان کی وجہ سے بارہ سال کی مدت کے بعد پھر کشمیر کا رُخ کیا اور یہاں پر امامیہ مذہب کو پھیلانے کی کوشش میں اس نے ملک موسیٰ رینہ، کاجی چک اور غازی چک کو اپنا مُرید اور شیعہ بنالیا۔ میر سید محمد اس کی ناپسندیدہ حرکتوں سے رنجیدۂ خاطر ہوا اور اسے جبراً زور و زبردستی کے ساتھ فوراً اسکردُو کی طرف نکال دیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے موسیٰ رینہ نے سید محمد کی ملازمت سے کبیدۂ خاطر ہو کر ابراہیم ماگرے اور حاجی پڈر کے ساتھ عہد و پیمان کو مضبوط کر لیا اور فتح شاہ اور شمس چک کو، جو پنجاب کے نوشہرہ میں خراب حال تھے، خط و کتابت کی راہ سے متفق کر کے اُن کو کشمیر آنے کی ترغیب دی۔ انہوں نے عہد و پیمان پر اعتماد کر کے کشمیر کا رُخ کیا اور ہیرہ پورہ پہنچے۔ ملک موسیٰ رینہ، حاجی پڈر اور ابراہیم ماگرے وغیرہ نے ایک بڑی جماعت کے ہمراہ ان کا استقبال کر کے باہمی اتفاق کے ساتھ دشمنی کا علم بلند کیا۔ ادھر سے محمد شاہ اور سید محمد نے اپنی جماعت کے ساتھ اُن کے مقابلے میں آ کر حملہ کر دیا اور خامپور کے ٹیلے پر کشت و خون ہوا۔ اگر چہ محمد شاہ کی فوج کی تعداد کم تھی لیکن سید محمد کی شجاعت و دلیری کی وجہ سے مخالفین میں پہلے ہی دن سے مقابلہ کرنے کی ہمت جواب دے گئی اور وہ پسپا ہو گئے۔ دوسرے روز پھر سے میدان جنگ میں اتر کر طرفین نے بہت خون بہایا۔ نزدیک تھا کہ فتح شاہ کی فوج مغلوب ہو جاتی لیکن مشیّت خداوندی کے بموجب سید محمد نے میدان کارزار میں جھاڑیوں کے بیچ میں سے اپنے تیز رفتار گھوڑے کو مہمیز لگائی اور اچانک

ایک گہرے گڑھے میں، جو وہاں پر پُرانی بستی والوں کا بنایا ہوا تھا، لڑھک گیا۔ ہمراہیوں نے اسے باہر نکالنے میں بڑی کوششیں کیں اور اس حال میں مخالفوں کی پُرشکوہ جماعت موقع پر آ پہنچی اور اُن کو ارد گرد کے محاصرہ میں لے لیا اور تیغ وسنان سے سب کو مار ڈالا۔ محمد شاہ بے دست وپا، سخت مصیبت وابتلاء میں گرفتار ہوکر نوشہرہ کی طرف چل نکلا۔ گیرودار کے اس معرکہ میں ایک ہزار سات سو جرار سوار محمد شاہ کی فوج کے قتل ہوئے۔ ان میں ایک ہزار دوسو آدمیوں کے پاؤں میں زعفرانی موزے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں رسم تھی کہ دلاور اور شجاع پہلوانوں کے بغیر کسی کو بھی زعفرانی موزہ پہننے کی اجازت نہیں تھی۔ [موزہ = ایک جوتا جو گھٹنے تک ہوتا ہے۔ اسے چکمہ بھی کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں بُوٹ ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ سید محمد کے اقربا نے اس کی میّت کو اٹھا لیا اور مزار سلاطین میں اسے ۹ رماہ آشت سال ۸۱ کشمیری کو دفن کردیا۔ سویہ بوگ گاؤں میں بہرام ڈار کے گھر میں اس کے تین فرزند باقی رہے ایک سید مرتضٰی جسے تبت کے علاقے میں پہاڑ سے لڑھکا کر قتل کردیا گیا۔ دوسرا سید ابراہیم جو ڈھائی سال تک تبت میں قید تھا اور بالآخر رہا ہوکر نوشہرہ میں محمد شاہ کے ساتھ مل گیا۔ تیسرا سید یعقوب جو بچپن سے دودھ پلانے والی رضاعی ماں کے گھر میں چھپا رہا اور مخالفین کے شر سے محفوظ رہا۔ اب کی بار کشمیر پر محمد شاہ کی حکومت نو سال تک رہی''۔

سلطان محمد شاہ (بارسوم) کے بارے میں **تاریخ حسن** (جلد دوّم) میں آیا ہے کہ ''سلطان محمد شاہ نے تیسری بار سال ۹۲۰ھ میں تخت پر جلوس کیا اور ملک ابراہیم کو وزارت کا خلعت پہنایا۔ چونکہ امراءِ کشمیر فتنہ وفساد کی جڑ اور دغابازی وعناد کا مرکز تھے اور ان کے عہد وپیمان اور قول وقسم پر اُن کو کوئی اعتماد نہ تھا اس لیے وہ محمد شاہ اور فتح شاہ کو شاہانِ شطرنج

جان کر اپنے اختیار سے جیسے چاہا مار دیا کرتے تھے۔

جہان راچہ شد کاندرین روزگار
ز صد یار نبود یکی یار یار
ز یارانِ عیّار ، اغیّار بہ
ازین بیوفا یارہا ، مار بہ

کچھ عرصہ بعد پنجاب سے فتح شاہ نے کشمیر کا رُخ کیا اور شوپیان میں آ کر ٹھہرا۔ جہانگیر پڈّر نے محمد شاہ سے رُخ پھیر لیا اور اس سے جاملا اور کاجی چک نے بھی اپنی جماعت کے ہمراہ استقبال کیا اور فتح شاہ کمالِ طمطراق کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور محمد شاہ اور سید ابراہیم اکیلے نوشہرہ کی طرف فرار کر گئے۔ اب کی بار محمد شاہ کی حکومت کُل پانچ ماہ کی تھی'' [ذیلی یادداشت = ملک حیدر اور نارائن کول عاجز نو ماہ لکھتے ہیں جب کہ ابوالفضل نے آئین اکبری جلد دوم میں اب کی بار کی مدت کو گیارہ سال گیارہ ماہ اور گیارہ دن لکھا ہے]۔

سلطان محمد شاہ (بار چہارم) کے بارے میں **تاریخ حسن** (جلد دوم) میں مرقوم ہے کہ ''سلطان محمد شاہ نے سال ۹۲۴ھ میں اس ملک پر چوتھی مرتبہ قبضہ کر لیا اور کاجی چک کو وزارت کا مرتبہ بخشا۔ چند دنوں تک اس ملک کے بندوبست میں رہا اور سلطان سکندر کے ہمرکاب نوشہرہ جانے کو ترجیح دی۔ سرکشی کرنے کے خیال سے شنکر رینہ کو قید کر دیا اور کاجی چک کو سلطنت کا قائمقام بنا کر نوشہرہ کا رخ کیا اور شاہی فوج کو مدارات و مراعات کے ساتھ لوٹ جانے کی اجازت دی۔

ان ایام میں کشمیر کے پہاڑوں پر سخت برفباری کی وجہ سے راستے بند ہو گئے اور محمد شاہ نے جاڑے کا موسم نوشہرہ میں گزار دیا۔ یہاں پر ملک نصرت رینہ اور لوہر ماگرے نے ایک جماعت کو تیار کر کے شدتِ سرما اور جاڑے

کے ایام میں بغاوت کا علم بلند کیا اور کاجی چک کے خلاف مخالفت اور لڑائی کرنے پر اتر آئے۔ ایک روز ملک جہانگیر کے ساتھ ناگام قلعہ سے شبخون کے ماراد ے سے حملہ کیا اور کاجی چک پہلے سے باخبر اور مسلح ہو کر پوری تیاری کے ساتھ اُن کے آنے کا منتظر تھا۔ جب اُن کا شور سنا تو گھر سے نکل کر زال ڈگر کے مقام پر جنگ وجدال کیا اور طرفین کی ایک خاصی کثرت تیر وسنان کی نذر ہوگئی اور بہت سے تیغ وتیر کی جراحتوں سے مجروح اور بدحال ہو گئے جن میں کاجی چک کے بدن پر بہت سے زخم آ کر لگے اور اس ک شہادت کی انگلی کٹ گئی۔ بالآخر ملک نصرت قتل کیا گیا اور اس کے معاونین مغلوب ہو گئے اور کاجی چک فتح یاب ومنصور ہوا۔

بہار کے اوائل میں محمد شاہ، سید ابراہیم خان کی ہمراہی میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اس خطۂ دلپذیر میں وارد ہو کر مسند حکومت پر بیٹھا اور کاجی چک نے بدستور وزارت کا علم بلند کیا۔ اسی سال ۹۲۵ھ میں سلطان فتح شاہ نے نوشہرہ کے پہاڑوں میں انتقال کیا اور حضرت امیر (**علی ثانی میر سید علی ہمدانیؒ**) کی کُلاہِ مبارک کو، جسے انہوں نے سلطان قطب الدین کو عطا کیا تھا، کفن میں لپیٹ کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کی تاریخ ہے "فتح شاہ فنا" (۹۲۵ھ)۔ محمد شاہ نے اس کی میّت کو منگوا کر اپنے والد آدم شاہ (سلطان زین العابدین کا فرزند جس کی وفات سال ۸۸۰ھ میں ہوئی) کے پاس دفن کرادی۔

سال ۹۲۶ھ میں کاجی چک نے اپنے بیٹے مسعود چک کو جہانگیر پڈر کو تباہ کرنے کے لیے پانپور قصبہ میں بھیج دیا۔ جہانگیر نے اپنے اندر مقابلے کی طاقت نہ پا کر گدائی ملک کے ہمراہ گریچ (گُریس یا گریز) اور داردُو کی طرف آوارگی کی راہ اختیار کی۔ سال ۹۲۷ھ میں فتح شاہ کے بیٹے سکندر شاہ نے ملک

ابدال، لوہر ماگرے اور عیدی ماگرے کے ہمراہ علم جنگ لہرتے ہوئے قلعہ ناگام میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور جہانگیر پڈر اور گدائی ملک نے گوریج (گریس یا گریز) سے آکر لار پرگنہ میں مخالفت کے طبل بجاتے ہوئے شورش اٹھائی۔ کاجی چک نے اپنے بیٹے مسعود چک اور دولت چک کو جہانگیر پڈر کے مقابلے کے لیے متعین کیا اور خود سکندر شاہ کے مقابلے کے لیے نکلا۔ ہر طرف سے جنگ و فساد کا شور اٹھا۔ مسعود چک کی شہاب الدین پورہ میں جہانگیر اور گدائی ملک کے ساتھ لڑائی ہوئی دولت چک کے ہاتھوں گدائی ملک قتل ہوا۔ ملک مسعود کو جہانگیر کی طرف سے آنکھ میں تیر آکر لگا اور اس کی موت ہوگئی۔ جنگ کے بعد سکندر شاہ نے کاجی چک سے امان مانگی اور وہ پنجاب کی طرف فرار کر گیا اور جہانگیر پڈر نے بھی یہاں رہنے میں کوئی بہودی نہ پاکر ہندوستان کی طرف فرار کیا۔ کاجی چک نے فتح و نصرت کا جھنڈا اوجِ عزت پر لہراتے ہوئے دولت چک کو انواعِ عنایات سے سرافراز کیا اور اسے مسعود چک کا منصب اور اسکی جاگیر عطا کی۔

ملک کاجی چک کی برتری جب حد سے بڑھ گئی تو وہ محمد شاہ کو خاطر میں نہیں لاتا تھا جس کے نتیجے میں محمد شاہ نے سال ۹۳۰ھ میں ملک علی، لوہر ماگرے، ابدال ملک اور ریگی چک جیسے امراء سلطنت کو اپنے ساتھ متحد اور وعدہ بند کر کے کاجی چک کے استقلال کی بنیاد کو منہدم کرنے کے اقدامات کئے۔ کاجی چک نے جب جان لیا کہ سبھی امراء رفاقت و مساعدت کا راستہ چھوڑ چکے ہیں تو اس نے تقدیر کے تقاضا اور اپنی مصلحت و رائے کے مطابق ہندوستان کی راہ اختیار کرتے ہوئے نوشہرہ میں رختِ اقامت ڈال دیا۔ اسی دوران **ظہیر الدین بابر شاہ** (۱۵۳۰ء-۱۴۸۳ء=۹۳۹ھ-۸۸۸ھ) نے ہند اور پنجاب کو فتح کرنے میں کامیابی پائی اور اس نے کو چک

بیگ اور شیخ علی بیگ ترک کو ایک لشکر جرار کے ساتھ نوشہرہ کی راہ سے کشمیر کو مسخر کرنے کے لیے بھیج دیا۔ جب نوشہرہ کے قریب پہنچے تو کاجی چک نے نوشہرہ کے اطراف کے لوگوں اور اردگرد کے پہاڑ والوں کے ساتھ متفق ہو کر کاجی ڈاری پہاڑ پر ثابت قدم رہ کر مخالفین کی آنے والی راہ کو مسدُود کر دیا اور اپنے بیٹوں غازی خان اور حسین خان کو، جن کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ تھی دشمن کی مدافعت اور اُن کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ جب دنوں بھائیوں نے مختصر سی جماعت کے ساتھ رات کے اواخر میں ترک سپاہ پر حملہ کیا حسین خان نے شیخ علی بیگ کے خیمہ میں گھس کر ضربِ شمشیر سے اس پر وار کیا۔ اس نے پہلے وار میں اپنے تکیہ کو سپر بنایا جو حملہ آور کی ضرب سے دو ٹکڑے ہو گیا۔ دوسری بار مِس کے مجمے کو سر پر رکھا اور وہ بھی کٹ گیا اور تیسری بار چار پائی کے نیچے آ کر جان کی امان طلب کی۔ اس معرکہ میں حسین خان کے جسم میں نو پیکان گھُس گئے تھے اور غازی خان نے بھی ایک جنگجو سے دچار ہو کر نیزہ کی ایک ہی ضرب سے اسے مار ڈالا اور اس کے گر جانے کے وقت نیزہ کا ضرب ایک اور مغل کو جو اسکے نیچے تھا لگا اور دونوں جان سے گذر گئے۔

اس واقعہ سے ترکوں نے خود میں مقابلے کی طاقت نہ پاتے ہوئے فوراً شکست پائی اور ہزیمت کے دوران بہت سے قتل اور اسیر ہو گئے۔ آٹھ ماہ کے بعد کاجی چک، کشمیر لوٹ آیا اور اگلے قصور و جرائم کی معافی لے کر محمد شاہ کے ساتھ قدیم محبت کی بنیاد کو استوار کر لیا اور کینہ و عداوت کو سینے سے نکال کر شرفِ ملازمت سے مشرف ہوا۔ سکندر شاہ جو حکومت کے خیال سے کاجی چک کے ہمراہ آیا تھا کو گرفتار کیا گیا اور کاسۂ چشم سے اس کی آنکھیں اکھیڑ دی گئیں اور چند دنوں کے بعد وفات پا کر اسے والہ گری محلّہ میں دفن کر دیا گیا۔ قدیم کینہ و دشمنی کی بنا پر علی رینہ اور ماگرے فرقہ، مخالفت اور لڑائی کا علم بلند کر کے کچھ مہ

گاؤں میں مقابلہ و جنگ کرنے کی خاطر ثابت قدم رہے۔سلطان محمد شاہ اور کاجی چک نے سید ابراہیم خان کو ایک لشکر جرار کے ساتھ ان کی مدافعت کے لیے بھیجا اور خاصی لڑائی اور کشت وکون کے بعد علی رینہ گرفتار ہوا اور ماگریوں کے فرقہ کو شکست ہوئی۔علی رینہ کئی مہینوں تک تازی چک کے گھر میں زنجیروں میں بند تھا بالآخر آسمانی مدد سے قید سے رہا ہو کر ہندوستان کی طرف بھاگ گیا۔ان حالات کے دوران کاجی چک نے محمد شاہ کو معزول کر کے چند خاص امراء کے ہمراہ لُد گاؤں میں جو پہاڑ کے درّہ میں ایک تنگ جگہ ہے قید کر دیا اور اس کے بیٹے، ابراہیم شاہ، جو اس کا بھانجا تھا کی تربیت کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔اب کی بار محمد شاہ کی حکومت دس سال تک رہی''۔(ذیلی یادداشت = آئین اکبری میں ابوالفضل کی روایت سے ۳۴/سال ۸/ماہ اور ۱۰/روز)۔

سلطان محمد شاہ (بار پنجم) کے بارے میں تاریخ حسن (جلد دوّم) میں آیا ہے کہ ''سال ۹۳۶ھ میں سلطان محمد شاہ ماگریوں کی مدد و استقامت سے تخت پر بیٹھا (کشمیر کے مورخین جیسے حیدر ملک چاڈورہ، نارائن کول عاجز اور ابوالفضل اور ہندوشاہ مصنف تاریخ فرشتہ نے بار پنجم کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے) اور ملک ابدال کے لیے وزارت کا منصب مسلّم ہو گیا اور شاہی اخراجات کو وضع کیے جانے کے بعد ملکِ کشمیر کے چار حصے کر دیے گئے جن میں ایک حصہ ملک ابدال کے لیے، ایک حصہ لوہر ماگرے کے لیے، ایک حصہ ریگی چک کے لیے اور ایک حصہ علی رینہ کے لیے مخصوص کر دیا گیا اور ان میں سے ہر ایک اپنے حصے پر قابض ہوا۔شیخ علی بیگ کو تحائف و نفائس پیش کیے گئے اور علی رینہ کو ساتھ دے کر چلے جانے کی اجازت دی گئی۔خطۂ کشمیر جب نظم و نسق قائم کرنے والے بادشاہ کے وجود

سے خالی رہاتو اطراف واکناف کے بادشاہوں نے حرص ولالچ کے دانتوں کو تیز کرتے ہوئے لشکر کشی کا آغاز کیا[ذیلی یادداشت = ملک حیدر کی روایت کے مطابق مرزا کامران اپنے بھائی ہمایوں سے سال ۹۳۷ھ میں اجازت لیکر کشمیر میں داخل ہوا۔ کامران مرزا، ہمایوں کا چھوٹا بھائی تھا۔ ہمایوں تخت نشین ہوا اور کابل، قندہار، غزنین اور پنجاب کو اس کی تفویض میں دے دئے لیکن اس پر قانع نہ رہ کر کامران مرزا نے اپنے علاقوں کو توسیع دینے کے لیے جنگ کی۔ آخر تنگ آکر ہمایوں نے اسے اندھا کر دیا۔ اس کے بعد کامران مرزا، مکہ معظمہ چلا گیا اور وہاں ۹۶۴ھ (۱۵۵۶ء) میں فوت ہوا]۔ چنانچہ سال ۹۳۸ھ میں [ذیلی یادداشت = ملک حیدر چاڈورہ نے سال ۹۳۷ھ لکھا ہے] بابر شاہ کے بیٹے مرزا کامران نے اپنے بھائی ہمایوں شاہ سے اجازت حاصل کر کے تیس ہزار جرار سواروں کے ہمراہ کشمیر کو فتح کرنے کے لیے نکل کر نوشہرہ میں رخت اقامت ڈال دیا اور محرم بیگ تاشلیقی [ذیلی یادداشت = ملک حیدر اور نارائن کول عاجز نے محرم بیگ لکھا ہے اور یہی نام قرین قیاس ہے] اور شیخ علی بیگ اوزبگ کی سرافرازی میں منصور گھوڑ سواروں کو کشمیر بھیجدیا اور یہ سردار عجلت کے پروں پر پرواز کرتے ہوئے یلغار کرنے کی غرض سے کشمیر میں اچانک داخل ہوئے اور جنگ کا علم بلند کیا۔ کشمیر کے امراء اس حال سے واقف ہوکر اور چیر اُڈر قلعہ میں جمع ہوکر جنگ کے لیے آمادہ ہوگئے اور کاجی چک بھی گکھروں کے پہاڑوں میں سے نکل کر اپنے بیٹوں اور معاونین کے ہمراہ کشمیر کی فوج کے ساتھ مل گیا۔ اس وقت مجرم بیگ نے یہ تاریخ لکھ کر میرزا کامران کے پاس روانہ کر دی۔

بحکم پادشاہی کز حریمش
بفہم آسان شود تفہیم فردوس

سفر کردم بہ سوی مُلکِ کشمیر
کہ از خوبی دہد تعلیم فردوس
چو کردم فتح نیم او بتاریخ
خرد گفتار کہ: ''فتحِ نیم فردوس''

جب یہ فتح نامہ میرزا کامران (بابر کا دوسرا بیٹا اور ہمایوں کا بھائی، وفات ۱۵۵۶ء = ۹۶۴ھ) کے پاس پہنچا تو کامل اطمینان خاطر کے ساتھ لاہور کا رخ کیا اور امراء کشمیر نے ایک مکمل جماعت تیار کرا کے اتھواجن کے مقام پر ایک بلند جگہ پر مقام کر کے مقابلہ کرنے کے لیے طبل بجائے اور محرم بیگ اپنی فوج کے ساتھ دریا کو عبور کر کے جنگ و جدل اور کشت و خون میں مصروف ہو گیا۔ طرفین میں خاصی لڑائی ہوئی اور آخر کار ترکوں کی لشکر مغلوب ہو گئی اور دریائے بہت کو پار کر کے اپنی جگہ پر لوٹ گئے اور امراء کی لشکر کوہ سلیمان سے اتر کر گوپہ کار میں ٹھہری اور کچھ عرصے تک مغلوں کی فوج جنگ و جدل میں حملے کرتی رہی۔ آخر کار محرم بیگ کی شجاعت کی آگ ٹھنڈی ہوگئی اور امراء کشمیر کے ساتھ صلح کر لی۔

خانقاہ معلّٰی کے گھاٹ پر عہد و پیمان کی توثیق ہو جانے کے بعد امراء نے کشتیوں میں اکٹھے ہو کر محرم بیگ اور علی بیگ سے ملاقات کی اور کاجی چک اپنی کشتی سے اٹھ کر محرم بیگ کی کشتی میں آیا اور دیر تک مصالحت کی بات چیت کو ختم کرنے کے بعد ایک دوسرے کو وداع کیا۔ کل دوسرے دن میرزا کامران کے لیے نفیس و نادر اشیاء کے تحفے تحائف مہیا کر کے بارہ مولہ کے راستے سے ترکی فوج کو رخصت اور دولت چک اور جہانگیر ماگرے کو پکھلی کی حدود تک ہمراہ کر دیا۔

اس کے بعد محمد شاہ کے اخراجات کو ترتیب دئے جانے اور سیّد ابراہیم

خان کی جاگیریں وضع کرنے کے بعد مُلکِ کشمیر کے پانچ حصے کر دئے گئے۔ ان میں سے ایک حصہ کاجی چک کو ملا اور زینہ پور اس کی قیام گاہ مقرر ہوئی۔ دوسرا حصہ ابدال ماگرے کو ملا اور اسکے رہنے کی جگہ کبھی شہر میں اور کبھی کاچھہامہ میں تھی۔ تیسرا حصہ لوہر ماگرے کو ملا اور اس کا مقامِ سکونت بانگل تھا۔ چوتھا حصہ ریگی چک کو ملا اور اس کی قرار گاہ کامراج تھی اور پانچواں حصہ علی رینہ کو ملا اور اسکی جائے رہائش وُلر میں یا ترش گاؤں میں تھی۔ ایک سال تک یہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بغیر کسی مخالفت کے رہے۔ سال ۹۳۹ھ میں کاشغر کے حکمران سلطان سعید خان نے کشمیر کو فتح کرنے کی غرض سے حملہ کر دیا اور خود تبت کلان (لداخ) میں رہا اور اپنے بیٹے سکندر خان کو اپنے بھتیجے میرزا حیدر کی افسری کے تحت، چودہ ہزار جرّار سواروں اور دیگر سات ہزار گھوڑوں کے ہمراہ [بقول حیدر ملک ۲۷ / ہزار گھوڑے ہمراہ تھے] جو سواری کے گھوڑوں کے علاوہ ان کے ساتھ تھے۔ کشمیر کی طرف متعین کیا۔ جب اوّلِ میزان کو (آبان ماہ یعنی اکتوبر، نومبر) لار کی راہ سے شہر میں یہ مشتعل فوج داخل ہوئی تو کاشغریوں کے رُعب و داب اور ہیبت کی وجہ سے شہر کے لوگوں نے شہر کو چھوڑ دیا اور پہاڑوں کے غاروں اور گوشوں و کناروں میں بھاگ کر چھپ گئے اور مُلکِ کشمیر افراتفری اور فتنہ و آشوب میں گھر گیا۔ شہر کے اکابرین، علماء اور فضلاء جھیل وُلر میں جزیرۂ لنک میں روپوش رہے اور کشمیر کے امراء ہانجک قلعہ میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ مرزا حیدر (ذیلی یادداشت = میرزا حیدر دوغلات مصنف تاریخ رشیدی جو کشمیر کے چشم ددی واقعات پر مشتمل ہے) نے نوشہرہ میں چند روز ٹھہر کر کامراج کی طرف چڑھائی کی جہاں پر پہنچا وہاں قتل و غارت گری کے ہاتھ بڑھاتے ہوئے قتل عام کیا اور عورتوں اور بچوں کو اسیر و غلام بنا دیا۔ غرض جاڑے کے چھ مہینوں میں قتل و سفا کی اور بے باکی

دکھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور کشمیر کے امراء ان کی وجہ سے منزل بہ منزل بھاگتے رہے۔ اس طرح سے جاڑا گذر گیا اور شہر کے لوگوں نے موسم سرما کے دن مصیبتوں، ذلت وخواری اور تکلیف و بےچینی میں بسر کیے۔

بہار کے اوائل میں کشمیر کے امراء کی فوج بابل کے صحرا میں اکٹھی ہوئی۔ چاڈورہ سے میرزا حیدر نے اٹھ کر امراء کے خلاف جنگ کرنے کے لیے صفیں آراستہ کیں۔

دو دریائے آتش علم بر کشید
زمانہ بصحت قلم در کشید
دو لشکر ہمہ اژدہا و پلنگ
بہم بر کشیدند بازوئے جنگ

چند دنوں تک ایک دوسرے کے ساتھ حرب وضرب میں الجھ کر خونِ بے دریغ بہایا اور امراء کشمیر نے مردانگی کی داد دیتے ہوئے تلواروں اور نیزوں کے ضرب سے کتنے ہی شجاع اور دلاور جنگجوؤں کے سر کاٹ کے رکھ دئے خاص کر علی رینہ، حسین رینہ چاڈورہ اور علی بٹ نے جنگ کی صفوں میں اس شریر جماعت کو خون بار کر دیا اور ان کے خون کی ندیاں بہادیں۔ علی رینہ نے اپنے بھائیوں کی پانچ سو سواروں کی جماعت کے ساتھ اشرف میرزا کے مقابلے میں آکر اسے مغلوب کر دیا۔ کاشغریوں نے جب کشمیریوں کو غالب ہوتے دیکھا تو علی بیگ نے میمنہ کی طرف سے اور میرزا حیدر نے میسرہ کی طرف سے اپنے دو ہزار جرار سواروں کے ساتھ خود کو اشرف میرزا کی مدد کرنے کے لیے پہنچادیا اور جنگ کی۔ علی رینہ کو اپنے امراء کی طرف سے کوئی مدد نہیں آئی اور دشمن کے غالب آجانے کی وجہ سے وہ میدان جنگ سے فرار کر گیا اور شریر دشمنوں نے چند نامور امراء کو سولہ سو پیادہ سوار کے ہمراہ قتل کر دیا اور جو سپاہی تلوار سے بچ

گئے وہ بھاگ گئے اور ان میں سے اکثر دریائے لیدر میں ڈوب گئے۔ اس حادثہ کے واقع ہو جانے سے کشمیر کے امراء پریشان اور مغموم ہو گئے اور پہاڑوں کی کھوہ میں جا کر چھپ گئے۔ میرزا حیدر نے بے درنگ سلطان سعید کے نام فتح نامہ بھیج دیا کہ "۴ رماہ شعبان کو صحرای بابل میں شدید مقابلہ ہوا۔ فتح و نصرت اولیاءِ سلطنت کے نصیب میں آئی"۔ سلطان سعید کے دربار میں کاشغر کے قاضی نے روز چہارم ماہ شعبان تاریخ پا کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ تاریخ۔

الحمد للہ کاں شاہِ عادل
سلطان سکندر خاقانِ دوران
کز مقدمش شد سرسبز و خورّم
صحرائے بابل، باغ سلیمان
بر کسر اعدا در روز ہیجا
قادر شد آن دم از فضلِ یزدان
از لطفِ ایزد فتح و ظفر یافت
بر شہر کشمیر تا ملک ایران
تاریخ فتحش الحق ہمین است
روزِ چہارم از ماہِ شعبان

میرزا نے اظہار افسوس کیا کہ میں نے یہ تاریخ بنا کر نہیں بنائی اور اس کا حساب نہیں کیا۔

اس کے بعد کاجی چک اور امراء مملکت، شکست کھانے کے باوجود پھر سے اکٹھے ہو کر ترکوں سے انتقام لینے کے لیے جنگ کرنے پر مستعد ہوئے اور بہت جنگیں لڑنے اور بیشمار شب خونوں سے ترکوں کو ہلاک کر کے رکھ دیا۔

جہاں پر مغل آئے تھے امراء کشمیران کا پیچھا کرتے تھے اور کسی دن کو حرب وضرب اور شبخون کئے بغیر خالی نہیں چھوڑتے تھے۔ بالآخر مغل جدال وقتال سے تنگ آگئے اور صلح کی خواہش کی۔ میرزا حیدر نے سلطان محمد شاہ کی بیٹی کا سکندر خان کے ساتھ عقد کیا اور سلطان سعید خان کے لیے بے پایان تحائف و ہدایا پانے کے بعد کشمیری سال کے ۱۰ رماہ ہار کولار کے راستے سے لوٹ گیا۔ جب کشمیر کے لوگوں نے ہار کے مہینے میں مغلوں کے خلاف جنگ و پیکار سے رہائی پائی تو زمیندار لوگ کھیتی باڑی کی طرف متوجہ ہوئے۔ چونکہ کھیتی باڑی کا وقت گذر چکا تھا تو بے وقت بیج بونے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا اور خریف کے موقع پر پیداوار خام اور نامکمل اور فاسد رہی اور سال ۹۴۱ھ میں قحط عظیم پڑا کہ فاقہ گی کی وجہ سے باپ اپنے بیٹوں کا گوشت کھاتے تھے۔ غلہ کی ایک خروار کی قیمت بارہ ہزار تک ہوگئی۔ لوگوں کے دو حصے تلف ہوگئیا ور صرف ایک حصہ باقی رہ گیا۔

مغل فوج کے جانے کے بعد کشمیر کے امراء آپس میں اتحاد و اتفاق کر کے سابقہ قسمت پر رضا مند رہے اور ہر کوئی اپنے اپنے حصے پر قابض رہا۔ اسی طرح تین سال بیت گئے۔ سال ۹۴۴ھ میں سلطان محمد شاہ اس جہان فانی سے جہان جاودانی کو چلا گیا۔ تاریخ ۔

ز آسمان سر کشیدہ ہاتف گفت
"رفت سلطان محمد از دنیا"

اب کی بار کل آٹھ سال تک حکومت کی" [ابوالفضل نے پانچویں بار کے حالات کو حذف کر دیا ہے]۔

واقعاتِ کشمیر میں سلطان محمد شاہ کے ذکر میں

مرقوم ہے کہ "محمد شاہ ابن حسن شاہ سال ۸۹۳ھ میں تخت نشینی پر منصوب ہوا۔

اس کی کم سنی کی وجہ سے، کہ سات سال کا تھا، ملک کے اختیار کی باگ، ڈور بیہقی سادات کے ہاتھوں میں آ گئی۔ وہ اپنی عالی نسبی اور بلندیِ مرتبہ کی وجہ سے کشمیر کے امراء کے ساتھ حقارت کا سلوک کرتے تھے۔ اس لیے وہ تعاقب میں رہے اور شورش برپا کر کے انہوں نے قصرِ سلطنت میں سادات کے چودہ افراد کو، جن میں سب سے بزرگ سید حسن تھا شہید کر دیا اور ایک بڑا فتنہ برپا رہا۔ مزاجوں میں اختلاف پیدا ہوا اور لوگ سلطنت میں رخنہ ڈالنے کی فکر میں پڑ گئے اور ہر طرف سے قابو پانے والوں نے فتنہ انگیزی کی۔ پس بعض امراء اور فوجیوں کے مشورے پر دو سال اور سات ماہ کی حکومت کے بعد محمد شاہ معزول ہوا اور بعض معتمدین کے ساتھ اس نے فرار کی راہ اختیار کی اور پہاڑوں کی طرف چلا گیا۔ فتح شاہ ابن ادہم خان ابن سلطان زین العابدین نے، جو پہاڑوں میں واقع نوشہرہ کا حکمران تھا کارکن لوگوں کے اشارے پر ملک سیف الدین کے اتفاق و اعانت سے اتوار کے روز جلوس کیا۔ چونکہ اس وقت ملکِ کشمیر کی ساری حکومت اسی سے تعلق رکھتی تھی، ملک شمسی چک نے ملک سرنک رینہ اور ملک موسیٰ رینہ کے ساتھ ملک سیف الدین کے خلاف طرح طرح کی مخالفتوں سے کام لیا اور رفتہ رفتہ نوبت جنگ و قتال تک پہنچی اور عین لڑائی میں ملک سیف الدین کام آیا۔ ملک موسیٰ پیادہ ہوا تو عوام کے ہجوم نے اسے خاکِ فنا میں اتار دیا اور کاری زخم کھا کر تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے دشمن کے ساتھ جا ملا۔ جب دونوں ملک مٹ گئے تو وزارت ملک شمس چک کو مل گئی لیکن ملک کے حالات ملک سیف الدین، جو عدل و احسان میں بے مثال تھا، کے عہد کے سے زیب و زینت والے نہ تھے اور بادشاہ کی لاپرواہی کی وجہ سے امراء کی خصوصاً میر سید محمد، ملک ابراہیم ماگرے، ملک کاجی چک اور ملک عیدی رینہ، جو مقربوں اور اربابِ اقتدار میں سے تھے، مخالفت کا سبب بن گئے۔ اس

جماعت اور شمسی چک کے درمیان ملک موسیٰ چاڈوری کی گمراہی کے سبب سخت لڑائیاں ہوئیں۔

میر شمس عراقی کے استقلال اور اُس کے گمراہ کرنے کے سبب کشمیر کے لوگوں میں مذہب سے انحراف کا ذکر: پوشیدہ نہ رہے کہ فتح شاہ اور ملک موسیٰ رینہ کے عہد میں عجیب و مشکل واقعات میں سے جو واقعہ کشمیر میں رونما ہوا وہ **میر شمس عراقی** کا آنا تھا، جو، جیسا کہ پہلے بیان ہوا، حسن شاہ کے زمانے میں سفیر کی حیثیت سے یہاں آ کر اقامت پذیر ہوا تھا۔ کچھ عرصہ تک بظاہر ولایت دستگاہ شیخ اسماعیل کُبروی قدس سرہٗ کے صوفیا ماور متوسلین کے دین اسلام کو رواج دینے والوں کے زمرے میں، جب کہ اس زمانے میں بُت شکنی کا شعار جاری تھا، داخل ہوا اور جناب شیخ سے عقیدت کا اظہار کیا اور بابا علی نجار سے، جو حضرت بابا اسماعیل کے مریدوں میں سے تھا، معنوی ربط پیدا کر کے اسے گمراہ کیا۔ چونکہ اس کی ظاہری آراستگی کی حالت کی ہمواری کو دیکھ کر کہ صاحب زبان و بیان تھا اور بعض عجیب علوم سے بھی واقف تھا شاید جناب بابا اسماعیل نے اپنے مریدوں سے کہا ہوگا کہ اس مغل کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہیں چاہیے، بابا علی، جو نادانِ محض تھا، سب سے زیادہ اسی کے ساتھ بیٹھنے لگا بلکہ ظاہر و باطن میں اسی کے ساتھ رہا اور اس بات سے غافل کہ

از رہ مرو بہ ظاہرِ ہموارِ مردمان
در خاکہائِ نرم بود دام بیشتر

[لوگوں کی ظاہری ہمواری سے گمراہ نہ ہو کہ نرم مٹی کے اندر ہی جال زیادہ ہوا کرتے ہیں] لیکن اس کے باوجود شمس عراقی تذبذب میں تھا اور یہاں نہ ٹھہرا بلکہ خراسان لوٹ گیا۔ جب سلطان حسین اس کے باطنی خلل سے آگاہ

ہوا تو اسے نوکری سے نکال دیا اور اس نے پھر کشمیر لوٹ آنے کا ارادہ کیا۔ آنے سے پہلے کسی کو کشمیر کے حالات کی تحقیق کرنے کے لیے بھیجا۔ معلوم کیا کہ جناب بابا اسماعیلؔ کافی لمبی عمر کو پہنچ چکے ہیں اور لوگوں کی صحبت سے دامن کھینچ لیا ہے۔ بابا علیؔ کا بازار گرم ہے۔ بابا علیؔ کے نام خط لکھا کی "میں دنیا کو ترک کر چکا ہوں۔ سید محمد نور بخش سے خلافت پا کر کشمیر آ رہا ہوں" اور یہ سید محمد نور بخش (میر شمس عراقیؔ اور حضرت بابا اسماعیلؔ زاہد کبرویؒ اور سید محمد نور بخشؒ کے لیے دیکھئے ڈاکٹر شمس الدین احمدؔ کا واقعاتِ کشمیر کا اردو ترجمہ مع حواشی وغیرہ صفحات ۷۲۰، ۷۳۱ اور ۷۳۲)۔ [حاشیہ میں = آپ کا نام مبارک سید محمد حسینی ہے۔ ابو القاسمؔ کے لقب سے مشہور ہیں اور قطب الدینؔ کا لقب پایا۔ خلافت کا خلعت خواجہ اسحاق ختلانی کے حضور سے پہنا اور سال ۸۶۹ھ میں جان بحق ہوئے۔ سید قاسمؔ معروف بہ فیض بخش آپ کے فرزند ہیں سلسلۃ الذہب جو حضراتِ کبرویہ کا دائرہ ہے آپ سے باقی رہا ہے] کئی واسطوں سے **حضرت امیر کبیر علی ثانیؒ** کے خلفاء میں سے ہیں اور عراقیؔ سے آپ کا انتساب محض کذب وافترا ہے۔ سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ جب خود اپنا بازار گرم کیا اور لوگوں سے رابط واختلاط رکھا تو آہستہ آہستہ چوری چھپے شیعہ مذہب کو جاری کیا۔ بابا علیؔ کی کوشش سے اکثر امراءِ کشمیر کا مرجع بنا اور جڈی بل میں دو منزلہ خانقاہ بنائی اور اسی میں رہنے لگا۔ خلوتیں کیں اور سخت ریاضت سے کام لیا۔ خوب کہا جس نے کہا۔

از ریاضت پیشگانِ بد درُون غافل مشو
سنگ می ریزد فلاخن بر شکم خون می خورد

[بد سیرت ریاضت پیشہ لوگوں سے غافل مت رہ۔ گوپیا سے پتھر مار کر یہ لوگ شکم کا خون کھاتے ہیں]۔ سلطان کے ملازموں سے رابطہ پیدا کیا اور

لوگوں کے ساتھ کرامات کرنے اور غیر معمولی واقعات کو وجود میں لانے کے وعدے کئے۔ چنانچہ اکثر سادہ دل اس کے فریب میں آ گئے۔

به وعده های تو دل بسته ام چه ساده دلم
که آبِ خضر طمع دارم از سراب غلط

[تیرے وعدوں پر یقین کرلیا میں بھی کیا سادہ دل ہوں کہ غلط سراب سے آب حیات کی طمع کرر ہا ہوں] لیکن محمد شاہ کی زندگی میں کسی میں اظہار و شایع کرنے کی مطلق جرأت نہ تھی اور پوشیدہ طور پر تشیع کے مسلک کا اظہار کیا کرتا تھا۔ بابا اسماعیل کے مخلصوں کے ساتھ شہر اور دیہات میں جہاں بھی جاتا تھا مذہب سے انحراف کی حتی المقدور سعی کرتا تھا اور خود جزیروں میں جا کر سادہ دلوں اور نادانوں کو تعلیم دیتا تھا۔ اسی اثنا میں ملک کاجی چک، جس کی بہن محمد شاہ کے نکاح میں تھی اور مملکت کا اختیار رکھتا تھا، غازی خان کے ساتھ شمس عراقی کے پاس آنے جانے لگا بلکہ اس کے مذہب میں داخل ہوا۔ شمس عراقی نے دونوں کو تحریک دی کہ خانقاہِ امیریہ کبرویہ کو، جو ایک ہی منزل کا ہے، گرا کر اسے دو منزلہ بنایا جائے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ گرادئے جانے کے بعد اس کی تعمیر کو ملتوی رکھا جائے تاکہ جڈی بل میں بنائی ہوئی اس کی خانقاہ کے ہوتے ہوئے وہ مرجع نہ بن جائے۔ چونکہ یہ دونوں سلطنت کے مدار المہام تھے محمد شاہ کو سمجھایا۔ بادشاہ نے اسی نیت سے کہ دو منزلہ بنائے خانقاہِ معلّی کو گرادیا۔ میر شمس عراقی اور کاجی چک اور غازی چک، جو میر شمس عراقی کے دائرہ ارادت میں آچکے، کی باطل خیالی سے ایک عرصہ تک خانقاہِ معلّی کی تعمیر التوا اور توقف میں پڑ گئی اور کسی نے مطلق اس کی تعمیر کی طرف توجہ نہ کی یہاں تک کہ کاجی چک کی بہن، جو محمد شاہ کی بیوی تھی اور صالحہ ماجی اس کا نام تھا، اور بابا اسماعیل کی مُرید تھی، توفیق و تائید الٰہی سے غیرت میں آ گئی اور اس نے اپنی قدیم اشیاء اور جہیز کو

اکٹھا کر کے اس کو نقدی میں بدل دیا اور کمر ہمت کو خانقاہِ معلّیٰ کی تعمیر پر باندھ دیا اور دین کے مخالفین کی کمر کو توڑ کے رکھ دیا۔ اس زمانے کے معمول رائج کے حساب سے تین ہزار روپے اور ساٹھ ہزار تنگے خانقاہِ معلّیٰ کی تعمیر پر صَرف کر کے اسے دو منزلہ بنایا اور خاصی تمنّا و اخلاص و خلوص کے ساتھ اس کی تزئین کاری کی۔ مکمل کر چکنے کے بعد اس نے زینہ گیری پٹو کے، جسے اس زمانے میں زینہ جامہ کہتے تھے، بارہ سو کرتے کاریگروں اور معماروں اور نجاروں اور پانچ ہزار کلہ پوش پٹو (یعنی پٹو کی پانچ ہزار ٹوپیاں) مزدوروں کو انعام میں دیں اور شہر کے لوگوں مین سے دس ہزار آدمیوں کے لیے کھانے کی ضیافت تیار کروائی۔ چھت پر کلس لگانے کے روز محمد شاہ کا مُہر کیا ہوا وقف نامہ بنوایا جسے سید محمد ابن سید علی جو اس زمانے کے بلند مرتبہ سادات میں سے تھا، کی تفویض میں متولی کی حیثیت میں سے دے دیا۔ اس کارِ تکمیل کی تاریخ ہے "ومن دخله کان اٰمناً"

چونکہ تقدیر سے چاڈورہ کے ملکوں کے جد مَلِک موسیٰ نے شمس عراقی کی پیروی کر کے اس کے مذہب کو قبول کیا، اس کا بازار گرم ہوا اور ملک موسیٰ کے حکم پر زڈی بل میں جگہ پائی اور وہیں پر اپنے مذہب کو رائج کرنے میں مشغول رہا۔ **احوط** نامی ایک کتاب شیعہ مذہب پر لکھی اور اسے شایع کیا۔ بابا علی نے حسن آباد محلہ میں لوگوں کے بہکانے کی دکان کو چمکا کر اسے زیادہ رائج کر کے غلبہ پایا۔ حسن آباد اور بابا پور وغیرہ کے بابا سب مذکورہ بابا علی کی اولاد میں سے ہیں۔ اس کے بعد اپنے عہد میں بابا خلیل (حاشیہ = بابا خلیل محلّہ نوکدل میں دریائے بہت کے کنارے پر رہتا تھا اور لوگوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کر کے استقلال پایا) اور بابا طالب اور شیخ حسن جڈی بلی نے تائید کر کے یہ مذہب زیادہ پھیلایا اور اسے تبت (لداخ) تک پہنچایا۔

اپنی اصل بات کی طرف رجوع کریں۔ فتح شاہ نے چاہا کہ ملکِ کشمیر زین العابدین کی مانند ایک ہی شخص کے لیے مسلّم رہے۔ اس نے ملک ابراہیم اور وقت کے بعض امراء کو متفق کر کے سال ۹۱۶ھ میں پلوں کو توڑ کر جنگ کی اور زمین کو مقتولین کے خون سے گلگون بنا دیا۔ بہت سی لڑائیوں اور جنگوں کے بعد سپہ سالاری کا منصب ملک عثمان کو دیا گیا۔ دو ماہ کے بعد ڈانگروں کے قبیلے کے سردار متحد ہو کر کاجی چک، جہانگیر پڈر اور گدائی ملک پر غالب آ گئے۔ ان کے بعض آدمیوں کو مار دیا اور ملک عثمان کو قید کر ڈالا۔ فتح شاہ فرار ہوا۔ ایک مہینے کے بعد ملک ابراہیم ماگرے فتح شاہ کو جو ہیرہ پور بھاگ گیا تھا اس کی ساری جماعت کے ساتھ پھر سے لے آیا اور اسے تخت سلطنت پر بٹھا دیا اور خطبہ وسکہ اس کے نام پر مزیّن ہوا۔ ایک سال تک بغیر آزادی کے حکومت کی۔

اس کے بعد محمد شاہ پھر سلطان سکندر لودی والی ہندوستان سے مدد لے کر آ گیا اور ملک کاجی چک، نصرت رینہ اور ملک لوہر ماگرے نے مقابلہ میں نکل کر دادِ شجاعت دی۔ فتح شاہ تاب نہ لا کر پہاڑوں کی طرف چلا گیا اور پہاڑوں میں وفات پائی اور حضرت امیر کبیرؒ کی کلاہِ مبارک، جسے انہوں نے سلطان قطب الدین کو عنایت کیا تھا، اور جسے اس زمانے تک سلاطین نسلاً بعد نسلاً تخت نشینی کے دن اپنے سر پر رکھتے تھے اور اب فتح شاہ کے پاس تھی، کے بارے میں وصیت کی کہ اسے اس کے کفن کے ساتھ رکھ دیا جائے۔ جب یہ بات حضرت بابا اسماعیلؒ کے فرزند اور خلیفہ شیخ المشائخ شیخ فتح اللہ نے سنی فرمایا کہ: ''اب سلطنت ان کے ہاتھ سے چلی گئی''۔ اور حق یہی ہے کہ اس کے بعد اگر دو تین آدمیوں نے بادشاہی کی بھی لیکن وہ آزاد نہ تھے یہاں تک کہ چک قبیلے میں منتقل ہوئی۔ چنانچہ اس کا ذکر اپنی جگہ پر ہوگا[حاشیہ = مولانا محمد آنی بھی جب اس واقعہ سے آگاہ ہوئے تو اظہار افسوس کرتے ہوئے

کہا: ''حکومت مسلمان سلاطین کے قبضے سے نکل چکی''۔ اور ایسا ہی ہوا]۔ غرض فتح شاہ کی لاش کشمیر لائی گئی اور اسے مقبرۂ سلاطین میں دفن کر دیا گیا اور کشمیر کی سلطنت کامل آزادی کے ساتھ دوسروں کی مداخلت کے بغیر محمد شاہ کے حصے میں آگئی۔

لیکن چکوں کے قبائل کے امراء جو دایہ گری اور چاکری کے مرتبہ سے قرابت و امارت کے پایہ تک پہنچے تھے ظاہری امور پر تسلط رکھتے تھے۔ سال ۹۲۶ھ میں ملک کاجی چک نے اپنے بیٹے ملک مسعود کو پوری جماعت کے ساتھ ملک جہانگیر کو، جو اس عہد کے امراء میں سے تھا اور ان کے ساتھ برتری کا سلوک کرتا تھا، گرفتار کرنے کے لیے بھیجا۔ ملک لوہر ماگرے اور ملک عیدی رینہ نے جوناگام قلعہ میں تھے، مخالفت کی۔ سال ۹۲۷ھ میں ملک علی اور لوہر ماگرے اور ملک ابدال نے چیرہ اُڈر قلعہ میں سپاہیوں کے ہجوم کے ہمراہ ان کے ساتھ جنگ کی۔ بالآخر کشمیر کے چار حصے کر دئے گئے۔ ایک حصہ ملک ابدال، جو منصب حکومت پر تھا، کو ملا۔ دوسرا حصہ اس کے بھائی ملک لوہر کو ملا۔ تیسرا حصہ ملک علی کو اور چوتھا حصہ ریگی چک کو ملا۔ اور شیخ علی نے جو سردارِ لشکر تھا اور اس کا ذکر آرہا ہے، کشمیر کے لوگوں کے ساتھ جنگ کی اور موسم خزان کے آخر میں ہندوستان چلا گیا۔ ملک علی نوشہرہ تک اس کے ہمراہ تھا۔ اس مختصر سے امر کی تفصیل اور اس بات کا بیان یوں ہے کہ سال ۹۳۸ھ (صحیح ہے سال ۹۳۷ھ جو ۱۵۳۰ء کے برابر ہے ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد) میں **ظہیر الدین محمد بابر** بادشاہ نے جس نے تازہ ہی ہندوستان کو فتح کر لیا تھا اس دنیا سے رحلت کی اور سکہ وخطبہ **نصیر الدین محمد ہمایون بادشاہ** کے نام پر جاری ہوگیا۔ میرزا کامران ولد ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ نے ہمایوں بادشاہ سے اجازت حاصل کر کے کشمیر کا رخ کیا اور

نوشہرہ میں آکر ٹھہرا اور محرم بیگ اور شیخ علی بیگ کو تین ہزار سوار سپاہیوں کے ساتھ کشمیر بھیج دیا۔ چونکہ کشمیر امراء مین بٹ چکا تھا اس لیے کسی نے مخالف لشکر کا مقابلہ نہیں کیا یہاں تک کہ وہ آتے آتے چیرہ اُڈر میں اُترے۔ فتح و نصرت کی صدائیں ہندوستان میں پہنچ گئیں اور لوگوں نے تاریخیں کہیں۔ چنانچہ خود محرم بیگ نے یہ تاریخ کہہ کر کامران میرزا کے پاس بھیج دی۔

بحکمِ پادشاہی کز حزیمش
بہ فہم آسان شود تفہیم فردوس
سفر کردم بسویِ شہرِ کشمیر
کہ از خوبی دہد تعلیم فردوس
چو کردم فتح نیم اوٗ بہ تاریخ
خرد گفتا کہ: ''فتح نیم فردوس''

بالآخر کشمیر کے امراء چیرہ اُڈر سے اتھ واجن گاؤں میں آ گئے۔ محرم بیگ ساری جماعت کے ساتھ اتھ واجن میں جنگ وجدل کے لیے آمادہ تھا۔ کشمیر کے امراء کوہ سلیمان پر چڑھ گئے۔ بڑی جنگ ہونے کے بعد جب محرم بیگ مغلوب ہوا تو صُلح کا اقدام کر کے ہندوستان جانے کا ارادہ کرلیا۔ اسکے لوٹ جانے بعد ابھی کشمیر کے سپاہیوں نے اپنی کمر کھولی بھی نہ تھی کہ اچانک سال ۹۳۹ھ میں سلطان سعید خان، کاشغر سے آ گیا۔ خود تبت (لداخ) میں ٹھہرا اور اپنے بیٹے اسکندر خان کو مقربین کی ایک جماعت کے ہمراہ جن کا سردار اس کا بھتیجا میرزا حیدر تھا چار ہزار سواروں کے ساتھ خزان کے موسم میں لار کے راستے سے بھیجا اور انہوں نے نوشہرہ کے محلات میں ڈیرہ ڈال دیا۔ کشمیر کے امراء نے چیرہ اُڈر میں نزول کیا۔ کاشغریوں نے جاڑے اور سردیوں کے موسم میں کامراج کا رخ کیا۔ ہر چند امراءِ کشمیران کا تعاقب کرتے تھے لیکن

کاشغریوں کے غلبہ پانے کی وجہ سے اہل شہر سب کے سب شہر چھوڑ کر پہاڑوں کی غاروں اور جھیلوں کے جزیروں میں چلے گئے۔ اکثر کسان لوگ، چھوٹے بڑے ترکوں کے ہاتھوں اسیر ہو گئے۔ کاشغریوں نے اپنے گمان میں فتح پائی۔ اس زمانے میں ایک شاعر نے سعید خان کے پاس یہ تاریخ کہہ کر بھیج دی۔

الحمد للہ کان شاہ عادل
سلطان سکندر خاقان دوران
بر گرد اعدا در روز ہیجا
قادر شد آن دم از لطفِ یزدان
تاریخ فتحش الحق کہ این است
روزِ چہارم از ماہِ شعبان

غرض اس واقعہ کے بعد کشمیر کے لوگوں نے سخت مشکل اور ذلت و سختی اور دشواری و بیقراری میں جاڑے کا موسم گذارا اور جب بہار کے موسم کے آثار نے روئِ زمین کو نزہت و خوشگواری کے جلوے بخش دیے تو کشمیر کے سپاہی ترکوں کی لشکر کے مقابلے میں آ گئے۔ ملک محمد علی، محمد ملک ناجی چاڈورہ ملک حسین رینہ اور ملک موسیٰ وغیرہ نے بھی جنگ کا رخ کیا۔ بڑی جنگ کرنے کے بعد وہ کاشغریوں پر غالب آ گئے جب میرزا حیدرر کا گھوڑا مر گیا تو اس کے سارے سپاہی بھاگ گئے۔ علی بیگ نے میرزا حیدر کے دائیں طرف تقریباً ہزار سوار اور بائیں طرف دو ہزار سوار لا کر اپنے جنگجوؤں کو تحریک و تہدید اور نرمی و ملائمت کے ساتھ پھر سے جنگ کی آگ بھڑکائی اور غلبہ پا لیا۔ چنانچہ کئی امراء کے ہمراہ کشمیر کے ایک ہزار چھ آدمیوں کو قتل کر دیا اور باقی آدمی بھاگ گئے۔ اس حال کے باوجود کشمیر کے امراء شجاعت و مردانگی کا مظاہرہ کر کے

میدان جنگ میں ثابت قدم رہے اور جنگ کرنے پر پاپڑ جا یہاں تک کہ کاشغریوں کو مغلوب کیا اور تعاقب کرتے رہے۔ موسم بہار کے اواخر میں صُلح ہوئی اور ترکوں نے لار کی راہ سے تبت (لداخ) کا رُخ کیا۔ چونکہ سال کا اکثر حصہ جنگ اور افراتفری میں گذرا اور آبادی و زراعت نہیں ہو پائی۔ اسلیے غلّہ گران ہو گیا اور قحط و تنگی اس حد تک ہوئی کہ باپ بیٹے کے منہ سے اور ماں بیٹی کے ہاتھ سے لقمہ چھین لیتی تھی اور لوگ بھوک سے ہلاک ہو گئے۔

قحط تا حدی کہ خلق از فرطِ جی قوتی چو شمع

جسم خود را سوختی بر آتش و بردی بہ کار

سلطان محمد شاہ نے سال ۹۴۴ھ میں وفات پائی''۔

مجموع التواریخ کے مصنف پنڈت بیربل کاچرو وارستہ نے **سلطان محمد شاہ** کے بارے میں لکھا ہے کہ: ''غرض سلطان محمد شاہ سال ۸۹۳ھ میں تخت نشینی پر منصوب ہوا۔ وہ سات سال کا تھا۔ اس کی کم عمری کی وجہ سے ملک کی زمامِ اختیار سادات کے ہاتھوں میں اگئی۔ وقت کے امراء کی نسبت وہ اپنے حسب ونسب کے افتخار کی وجہ سے سرد مہری سے پیش آتے تھے۔ اس وجہ سے اربابِ وقت نے تعاقب میں رہ کر مکمل فتنہ انگیزی کے ساتھ میر حسن نامی ایک بزرگوار کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ سے ایک عظیم فتنہ برپا ہوا اور محمد شاہ نے یہاں پر استقامت کرنے کی طاقت نہ لا کر راہِ فرار اختیار کی اور پہاڑوں کے اطراف کی طرف بھاگ نکلا۔ اس کی مدتِ حکومت دو سال شمار کی گئی ہے۔

اس کے فرار ہونے کے بعد سال ۸۹۵ھ میں وقت کے اکابرین کی سعی سے سلطان زین العابدین کا پوتا فتح شاہ، جو پہاڑوں میں واقع نوشہرہ کا حاکم تھا، کارگر لوگوں کے چاہنے پر اور ملک سیف ڈار کی اعانت سے، جس کے

ہاتھوں میں اس وقت یہاں کی حکومت تھی، بغیر کسی رنج وزحمت کے آکر یہاں تخت نشین ہوا۔ کچھ عرصہ بعد شمسی چک، شرنگ رینہ اور موسیٰ رینہ نے ملک سیف ڈار کے خلاف کمرِ عداوت باندھ کر ایک دوسرے کے خلاف لڑائی کی۔ سخت جنگ کے بعد موسیٰ رینہ اور ملک سیف ڈار تیرِ بلا کا ہدف بن گئے۔ وزارت کا مرتبہ شمسی چک سے مربوط ہوا۔ سلطان فتح شاہ کی لاپرواہی کے بموجب ملک کے امراء میں اختلافات پیدا ہوئے۔ اسی اثنا میں **میر شمس عراقی** دوسری بار اس ملک میں داخل ہوا۔ کاجی چک، نے جو زمانے کا صاحب کمال آدمی تھا، چند چک آدمیوں کے ساتھ جو اس وقت کے شان وشوکت والے آدمی تھے، اس کی اطاعت قبول کر لی اور اس کی قدر ومنزلت بڑھانے کی کوشش کرتے ہوئے جڈی بل میں اس کی جائے رہائش مقرر کی۔ اس سے سلطان فتح شاہ کو غیرت آگئی اور اس نے ملک ابراہیم ماگرے اور وقت کے بعض امراء کو اپنے ساتھ متفق کرتے ہوئے سال ۹۱۶ھ میں دریائے بہت کے پلوں کو تباہ کر کے فساد برپا کرنے والوں کے خلاف سخت جنگ کی۔ دو ماہ کی مدت گذر جانے کے بعد کاجی چک نے ڈانگروں کے ساتھ مل کر حملہ کر کے غلبہ پا کر اس کی فوج کے سالار عثمان ڈار کو زندہ گرفتار کر لیا اور فتح شاہ نے ہیرہ پور کی طرف فرار کیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد کاجی چک اسے وہاں سے لے آیا اور پھر سے تخت پر بٹھا دیا۔ سلطان محمد شاہ نے سلطان سکندر لودی اور ہندوستان کے اطراف کے بعض حکمرانوں سے کمک لے کر یہاں کا رُخ کیا۔ ادھر سے سلطان فتح شاہ بھی مقابلہ کرنے کے لیے نکلا۔ خاصی جنگ وجدل اور ردوبدل کے بعد اپنے اندر مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پا کر ہندوستان کی طرف بھاگ گیا اور وہاں پہاڑوں میں فوت ہوا۔ **سلطان محمد شاہ** دوسری بار تخت سلطنت پر بیٹھ گیا لیکن چک قبیلے کے اکابرین، جو نوکری چاکری کے

مقام سے گذر کر امارت کے مرتبہ پر پہنچ چکے تھے سب کے سب امور مملکت پر تصرف کر کے دخل اندازی کر رہے تھے۔ غرض سال ۹۲۶ھ میں کاجی چک نے جہانگیر چک کو، جو اس کے ساتھ برابری کی ڈینگیں مارتا تھا، گرفتار کرنے کے لیے اپنے بیٹے مسعود چک کو پوری جماعت کے ہمراہ روانہ کیا۔ جہانگیر چک چونکہ چکوں کی ایک جماعت کے ساتھ ناگام قلعہ میں کامل آزادی کے ساتھ بسر کر رہا تھا وہ قلعہ سے باہر آیا اور جنگ کی۔ جانبین چونکہ قوّت و تعداد میں مساوی تھے اس لیے سال ۹۲۷ھ میں صلح کر لی اور کشمیر کو چار حصوں میں بانٹ دیا۔ ایک حصہ ابدال چک کو ملا جس کے ساتھ حکومت کا منصب مربوط تھا دوسرا حصہ اس کے بھائی لوہر چک کو تیسرا حصہ علی چک کو اور چوتھا حصہ ریگی چک اور شیخ علی نامی ایک ترک سردار کو ملا [شیخ علی ترک سردار کی حصہ داری کا ذکر کسی بھی مقامی مورخ نے نہیں کیا ہے سوائے بیربل کاچرو مصنف مجموع التواریخ کے ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد] اور ایک عرصہ تک اسی طرح وقت بیت گیا۔

ان ایّام میں سال ۹۳۸ھ میں ہمایوں بادشاہ کے بھائی کامران میرزا نے بابر بادشاہ ہند کی وفات کے بعد جب کہ سکہ و خطبہ تازہ ہی اس کے نام پر جاری ہوا، اس سے (ہمایوں سے) اجازت حاصل کر کے ان اطراف میں آ کر نوشہرہ پہنچا اور خود وہاں ٹھہر کر محرم بیگ اور شیخ علی بیگ کو تیس ہزار کی جماعت کے ساتھ بھیج دیا۔ چونکہ کشمیر چکوں میں تقسیم ہوا تھا، کوئی بھی دشمن کے مقابلے میں نہیں نکلا اور وہ بغیر کسی رکاوٹ اور مخالفت کے شہر میں داخل ہو گئے اور چیرہ اُڈر کے مقام پر نزول کیا اور اپنے اُتر آنے کی خبر میرزا کامران کو بھیج دی۔ پس چکوں کے فوجی (سرداروں) نے اتھواجن میں دشمن کے بارے میں غور و اجلاس کیا۔ اور محرم بیگ پوری جماعت کے ساتھ چیرہ اُڈر سے کوچ کر کے مذکورہ گاؤں میں آ گیا اور جنگ کے لیے منتظر رہا۔ چکوں کے سپاہی کوہ سلیمان

پر آ گئے اور مقابلہ کے لیے ثابت قدم رہے۔ طرفین کے درمیان حرب وضرب کی آگ بھڑک اٹھی۔ آخر کار خاصی لڑائی اور جنگ وجدل کے بعد مجرم بیگ اپنے اندر مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پا کر مجبوراً صلح کر کے لوٹ کے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد خبر پہنچی کہ کشمیر کے ارادے سے کاشغر سے سلطان سعید خان چل کر تبت (لداخ) میں رک گیا ہے اور اس نے اپنے بیٹے سکندر خان اور برادر زادہ میرزا حیدر کو روانہ کر دیا اور اُن کے ساتھ چار ہزار سوار سپاہی ہیں جنہوں نے پرگنۂ لار کی راہ سے آکر نوشہرہ (موجودہ نوشہر۔سرینگر) میں پڑاؤ ڈال دیا ہے۔ شہر کے لوگ ان کے داخل ہونے سے سخت تشویش میں پڑ گئے اور فرار کی راہ پکڑ لی۔ یہ خبر سنتے ہی چک امراء سال ۹۳۹ھ میں چیرہ اُڈر سے دشمن کے مقابلے کے لیے آ گئے لیکن شدت کی سردی اور جاڑے کی نمی کے باعث ان کے ہاتھوں کچھ بھی انجام نہ پایا۔ کاشغریوں کو اپنے گمان سے سرسری فتح ہوئی اور دشمن سے فراغت پا کر وہ مراج کی طرف روانہ ہوئے۔ اہل شہر نے جاڑے کے دن سختی وبیقراری اور رنج وخواری میں گذارے۔ جب عرصۂ روزگار پر بہار کے موسم کے آثار نمودار ہوئے تو چک امراء نے کمر ہمت باندھ کر اور دلاوری کے بازوؤں کو کھول کر میدان کارزار میں حقیقی معنوں میں مردانگی کی داد دیتے ہوئے دشمنوں کو زیر وزبر کر کے پیچھے دھکیل دیا اور ایک عرصے تک طرفین میں مقابلہ جاری رہا۔ موسم بہار کے آخر میں کاشغریوں کی استقامت کی بنیاد میں رخنہ پیدا ہوا اور اپنی آبرو کا لحاظ کرتے ہوئے صُلح پر راضی ہونے کے بعد لار کے راستے سے تبت کی طرف بداقبالی کے میدان کی راہ لی۔

اوائل بہار میں افراتفری اور فتنہ وتباہی کے سبب زراعت اور کھیتی باڑی کے کام میں خلل اور رخنہ پیدا ہوا اور فضایِ روزگار میں قحط نمودار ہوا اور شہر کے

لوگ غلہ و خوراک کی نایابی کی وجہ سے رنج و بیقراری میں مبتلا ہو گئے اس حد تک کہ باپ بیٹے کو اور ماں بیٹی کو کھانے کو کچھ بھی نہ دے پائے۔ سبھی آدمی زیادہ تر بھوک سے ہلاک ہو گئے اور باقی لوگوں کی حالت ابتر تھی۔

قحط تا حدی کہ خلق از فرطِ بی قوّتی چو شمع
جسم خود را سوختی بر آتش و بُردی بہ کار

بہر حال **سلطان محمد شاہ** نے خالقِ کردگار کی مرضی پر شاہراہ موت کو سال ۹۴۴ھ میں اختیار کر لیا"۔

کنگڈم آف کشمیر کے مؤلف نے اگرچہ دیگر کشمیری سلاطین کے ذکر میں الگ الگ عنوانات کے تحت ان کے احوال کی تفصیل لکھی ہے لیکن **سلطان محمد شاہ** کا ذکر کسی الگ عنوان سے نہیں کیا ہے بلکہ اس کے عہد کے مجموعی حالات کو قلمبند کیا ہے اور ہر مورخ کی طرح، جن کے حوالے ہم نے ان ہی اوراق میں الگ الگ پیش کئے ہیں تا کہ قارئین ہر مورخ کے نظریّے اور بیان واقعات سے کامل طور پر واقف ہو جائے، کنگڈم آف کشمیر کے مؤلف کے نظریات اور سلطان محمد شاہ کے عہد کے حالات و واقعات سے بھی واقفیت پیدا کرنا لازمی ہے تا کہ سلطان موصوف کے عہد کا مجموعی سیاسی پہلو قارئین کے سامنے نمایاں ہو جائے اور اس کے ادراک کرنے میں آسانی ہو۔ "محمد شاہ اور فتح شاہ کے درمیان خانہ جنگی" کے عنوان کے تحت کنگڈم آف کشمیر☆ کے مصنف نے لکھا ہے کہ: "**سلطان محمد شاہ** کے تخت نشین ہوتے ہی کشمیر اپنی تاریخ کے اس مقام پر پہنچا جہاں پر اس نے ایک طرف کشمیری امراء اور سیّدوں کے درمیان اقتدار کی بڑی تلخ کشمکش کا مشاہدہ کیا تو دوسری طرف محمد شاہ اور فتح شاہ کے درمیان خانہ جنگی

☆ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ یہ کتاب شری ایم ایل کپور صاحب نے انگریزی میں لکھی ہے اور شاہ جیون ...ریٹ جموں سے سال ۱۹۸۳ء میں شائع کی ہے اردو ترجمہ میرا ہے۔ ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد۔

دیکھی۔ پس اس عہد کی تحریر، خوفناک سازشوں اور مقابل کی سازشوں، ساز باز کے منصوبوں اور مقابل کے ساز باز کے منصوبوں اور انقلابات اور مقابل کے انقلابات کے داستانوں کی یادگار ہے۔ ان قابل نفرت عملیات کے نتیجے میں جس بدنظمی اور انتشار نے چوتھی صدی کے عرصے تک ملک کو جکڑ لیا اس نے ناقابلِ بیان حد تک لوگوں کی زندگی کو افسوس ناک بنا دیا۔ سب سے پہلے جس چیز نے پریشانی و زحمت پیدا کی وہ سیّد میرزا حسن بیہقی کی اقتدار کی تسکین ناپذیر لالچ تھی۔ وہ کم سن سلطان کا قائم مقام بن گیا اور خود اپنے ہاتھوں میں سارا اقتدار سنبھال لیا۔ بہت پہلے کشمیری امراء نے اس کی ظالمانہ حکومت کے خلاف خود کو منظم کر لیا تھا اور سیّدوں کی برتری کو للکارا تھا۔ انہوں نے جموں کے حکمران کی مدد کو بھی اپنے حق میں کرا لیا تھا جو اس وقت کشمیر میں تھا۔ ایک دن ان کی اکٹھی کی گئی فوج نے، جس کی مجموعی تعداد تین سو افراد پر مشتمل تھی، سیّدوں کے مضبوط گڈھ نوشہر قلعہ پر حملہ کیا اور میرزا حسن بیہقی کے سمیت کئی سیّدوں کو قتل کر ڈالا [یہ بیان اس بیان سے مختلف ہے جو ان ہی اوراق میں اس سے پہلے کے مورخین کے حوالوں میں درج ہے ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد] نیز اُن کا ارادہ تھا کہ بہرام خان اور اس کے بیٹے یوسف خان کو قید سے رہا کر کے یوسف خان کو تخت پر بٹھائیں گے لیکن سیّدوں نے یوسف خان کو قید میں قتل کر دیا۔ کشمیری امراء نے اس کے بعد جہانگیر ماگرے سے لوہر کوٹ سے لوٹ آنے کی التجا کی جہاں وہ سیّدوں سے اختلافات پیدا ہونے کے بموجب بھاگ گیا تھا۔ اس کی واپسی سے جنگجو جماعتوں میں لڑائی تیز تر ہوئی۔ سیدوں نے پنجاب کے لودی حاکم تاتارخان سے مدد طلب کی۔ تاتارخان کے آدمیوں کو بھمبیر جاتے ہوئے بُری طرح سے مارا گیا۔ بعد میں ایک فیصلہ کن لڑائی میں سیّدوں کو کچلنے کی حد تک شکست ہوئی اور ایک بار پھر

ان کو کشمیر سے باہر نکال دیا گیا۔ سیّدوں کی شکست فاش ہونے چار کشمیری رہنماؤں کو بہت نمایاں بنادیا یعنی جہانگیر ماگرے، عیدی رینہ، سیف ڈار اور شمس چک۔ انہوں نے طفل سلطان کے اکٹھے قائم مقام بن کر حکومت کرنے پر اتفاق کرلیا لیکن ان جیسے بوالہوس، سازشی اور بے اصول لوگوں میں حقیقی عہد نامہٗ اتفاق کہاں ہوسکتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی وزیر اعظم کی تقرری پر ان میں اختلافات پیدا ہوگئے۔ بالآخر جہانگیر ماگرے نے یہ عہدہ، البتہ اپنے ساتھیوں کی کشیدگی کی قیمت پر، حاصل کرلیا اور اس نے فتح خان کو تخت حاصل کرنے کی دعوت دی۔ نتیجہ کے طور پر اس نے کشمیر پر تین یلغار کئے اور یکے بعد دیگرے کئے لیکن ہر بار اسے پسپا کردیا گیا۔ تیسری بار جہانگیر ماگرے نے اسے سید میرزا حسن بیہقی کے بیٹے سید حسن اور سید سرداروں کی مدد سے، جنہیں اس نے ہندوستان سے بلوایا تھا شکست دے دی لیکن فتح خان بھی ویسا آدمی نہ تھا جو دو یا تین بار کی شکستوں سے پست ہمت ہوجاتا۔ اس نے ایک اور کوشش کی جس مین قسمت نے اس کا ساتھ دیا۔ اس نے سرینگر کے پاس دامُودر اُڈر پر جہانگیر ماگرے کو شکست دی۔ اگرچہ جہانگیر ماگرے نے اپنی جان بچائی، محمد شاہ کو گرفتار کرلیا گیا اور اسے قید میں ڈالا دیا گیا۔ اس کے بعد فتح خان، سلطان فتح شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔ تخت وتاج کے لیے آخری کوشش میں چونکہ **کھسوں** نے فتح شاہ کی مدد کی تھی اس نے ان کو تین دنوں تک غارتگری کرنے کی اجازت انعام کے طور پر دے دی [یہ بات مقامی تواریخ میں نظر نہیں آتی ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد] لیکن اس کے بعد اس نے ملک میں امن و انتظام قائم کرنے اور دہشت زدہ شہریوں کی تشفی وتسکین کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔

گوکہ فتح شاہ خود اپنے عہد کی برائیوں سے خالی تھا وہ نہ شراب پیتا تھا اور نہ ہی جوا کھیلتا تھا اور نہ ہی داشتہ عورتیں رکھتا تھا لیکن وہ اس گندگی کو روک دینے

میں ناکام ہوا جو پھیل چکی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سازشوں کا قدیم ناٹک پھر سے کھیلا گیا۔ اس کا وزیر اعظم سیف ڈار آہستہ آہستہ اس قدر طاقتور بن گیا کہ سلطان کی شخصیت غیر اہم بن گئی۔ اس صورت حال کو برداشت نہ کرتے ہوئے سلطان نے شمس چک اور دیگر رنجیدہ امراء سے گٹھ جوڑ کیا اور انہوں نے سیف ڈار کو قتل کر دیا۔ اب اس کے بعد شمس چک کے وزیر اعظم بن جانے کی نوبت آئی۔ وہ بغیر کسی زحمت کے حکومت کرتا رہا لیکن صرف ڈھائی سال تک۔ سید محمد بیہقی اپنی بہن کے فرزند سلطان محمد شاہ کو پھر سے اقتدار میں لانے کے حق میں موقع کے انتظار میں تھا۔ وہ شمس چک پر عائد اس پرانے قرضے کو بھی اتار دینا چاہتا تھا جس کے مطابق شمس چک پہلے اس کی خدمت میں تھا لیکن بعد میں اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس نے اپنے دشمن کے پیروؤں میں نا اتفاقی کے بیج بونے سے انتہاء کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد شمس چک کے دو قریبی ساتھی جہانگیر ماگرے اور موسیٰ رینہ اس سے الگ ہو گئے۔ ان کی مدد سے اب سیّد نے اپنے حریفوں پر ہلّہ بول دیا۔ بالآخر جب شمس چک، کامراج کو بھاگ گیا، فتح شاہ نے نوشہرہ کی طرف فرار کیا۔ **محمد شاہ** کو تخت پر **دوسری بار** بٹھانے کے لے سال ۱۴۹۳ء میں قید سے رہا کر دیا گیا لیکن محمد شاہ کی بحالی درحقیقت سیّد محمد بیہقی کے تحت سیّدوں کی بحالی تھی جس نے پھر سے امراء کے طبقوں میں سیّد اور غیر سیّد کی خلیج پیدا کر دی۔ سیّدوں اور غیر سیّدوں کے طبقات میں یہ اختلافات کشمیر میں **میر شمس الدین عراقی** کی آمد کی وجہ سے سطح پر ابھر آئے۔ وہ پہلے ہرات کے حکمران سلطان حسین میرزا بایقرا (مؤلف نے بائیگرا لکھا ہے جو نادرست ہے صحیح ہے بایقرا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بائیگرا چھاپی اشتباہ ہو۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد) کے عہد میں سلطان حسن شاہ کے دربار میں سفیر کی حیثیت سے آیا لیکن اس نے اپنے عہدہ

کا ناجائز استعمال کیا اور نور بخشی نظریات کی تبلیغ کی جو شیعہ عقائد کے ساتھ ملتے تھے۔ اس لیے اسے کشمیر چھوڑ دینے کا حکم ہوا لیکن اب وہ محمد شاہ کی دوسری بار کی بادشاہت کے زمانے میں پھر سے آ گیا اور کئی چک امراء اور دوسروں کو، جن میں موسیٰ رینہ بھی شامل تھا، اپنے مسلک میں داخل کر دیا۔ ایک سنّی سیّد ہونے کہ وجہ سے سید محمد سے رہا نہ گیا اور اس نے اس کو کشمیر کو ترک کر دینے پر مجبور کر دیا۔ میر (شمس الدین عراقی) کو خارج کر دئے جانے سے موسیٰ رینہ اس قدر برافروختہ ہوا کہ اس نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ جہانگیر ماگرے کے بیٹے ابراہیم ماگرے نے بھی اس میں شمولیت کی اور انہوں نے فتح شاہ کو کشمیر میں آنے کی دعوت دی۔ اس کے بعد ہونے والی جنگ میں سید محمد بیہقی مارا گیا لیکن سلطان محمد شاہ، راجوری کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہوا۔ اس طرح سے فتح شاہ دوسری بار (سال: ۱۵۰۵ء) سلطان بن گیا۔ اب موسیٰ رینہ نے امید باندھی کہ حکومت کے نظم ونسق کی ذمہ داری اس کے سپرد ہوگی لیکن فتح شاہ نے اس کا حق نظر انداز کیا اور شمس چک کو اپنا وزیر اعظم بنا دیا۔ فطری طور پر موسیٰ رینہ کو سخت صدمہ ہوا اور اسے ذلالت کا احساس ہوا۔ اس کی خوش قسمتی سے شمس چک نے اپنے مخالفین کا انتقام لینا شروع کیا خاص کر سیّد محمد بیہقی اور سیف ڈار کے اہلِ خاندان سے۔ اس سے شمس چک کے حق میں دوستوں سے زیادہ دشمن پیدا ہو گئے۔ جلد ہی خود سلطان بھی اپنے وزیر اعظم کا مخالف ہو گیا کیونکہ وہ اکثر اسے مشورہ کئے بغیر ہی کام کیا کرتا تھا۔ پس اس کے خلاف سازش تیار کر لی گئی۔ اسے گرفتار کر کے قید میں ڈالا گیا اور بعد میں قتل کر دیا گیا۔ موسیٰ رینہ نے بھی جواب وزیر اعظم بن گیا، اپنے کردار میں کوئی اصلاح نہیں کی، میر شمس الدین عراقی کا پیرو ہونے کی وجہ سے اس نے اس کو بلوالیا۔ دونوں نے اس کے بعد ہندوؤں کے خلاف ایک جہاد شروع کیا اور کہا جاتا

ہے کہ ان میں سے ۲۴۰۰۰ ہزار آدمیوں کو دین اسلام میں داخل کر دیا گیا۔
اس سیاسی تدبیر کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے حزب مخالف کے چار رہنماؤں ابراہیم ماگرے، جہانگیر پڈر، ملک عثمان ڈار اور کاجی چک نے متفق ہو کر ایک مسلح لڑائی میں موسیٰ رینہ کو قتل کر دیا۔ موسیٰ رینہ کی موت کے ساتھ ملک اور زیادہ سیاسی عدم استحکام کا شکار ہوا۔ ایک سال اور چار ماہ کی مختصر مدت میں پانچ امرا نے یکے بعد دیگرے وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا۔ ان کے ساتھیوں کی سازشوں کے نتیجے میں وہ تیزی سے ایک دوسرے کے بعد آئے اور چلے گئے۔ سال ۱۵۱۴ء میں فتح شاہ کی دوسری بار کی بادشاہی کے اختتام پر ملک عثمان ڈار نظم و نسق کا ذمہ دار تھا۔ کاجی چک کی قیادت میں چکوں اور ابراہیم ماگرے کی باہمی وشمنانہ گٹھ جوڑ کا اسے سامنا کرنا پڑا۔ کاجی چک کی دعوت پر جلاوطن محمد شاہ نے کشمیر پر حملہ کر دیا اور فتح شاہ کو بھاگنے پر مجبور کیا لیکن

سلطان محمد شاہ کی **تیسری بار** کی حکومت صرف چند ماہ قائم رہی۔ فتح شاہ نے اپنے معاونین کی مدد سے پھر سے نکال دیا۔

امراء کی مدد سے جو اقتدار کی ہوس رکھتے تھے سلاطین کے تیزی کے ساتھ تخت سے اتار دئے جانے اور تخت نشین ہونے کا عمل شاہی حکومت کے حق میں موت ثابت ہوا۔ اپنے قیام کے لیے اسی بات پر انحصار کر کے سلطان محض ایک کٹھ پتلی بن کے رہ گیا۔ پس یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سلطان حسن شاہ کے بعد تقریباً سال ۱۵۸۶ء میں مغلوں کی فتح کے زمانے تک کشمیر کی تاریخ اس کے حکمرانوں کے مقابلے میں اس کے امراء کی تاریخ ہے۔ فتح شاہ اب

جہانگیر ماگرے، شنکر رینہ اور کاجی چک کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن گیا۔ انہوں نے اسے فقط شاہی زمینوں کی آمدنی دے دی اور باقی ملک کو اپنے درمیان بانٹ دیا اور اس میں جہانگیر پڈر کی وزارت عظمیٰ بھی شامل تھی۔ اس

اثنا میں وادی میں جو وبا پھیلی اس نے بہت سی جانیں لیں۔ **شکؔ** کے الفاظ میں: ''مردوں کی تعداد کو نہ ہی دیہات میں گنا جاسکا اور نہ ہی دارالخلافہ میں۔ آخری سانسوں میں آدمیوں کو پھٹا پرانا کپڑا تک مشکل سے ہاتھ آ سکتا تھا۔ دوست اپنے احباب پر روتے تک نہ تھے دوسروں کا غم کرنے کی تو بات ہی نہیں''۔ ملک کو ابتر حالت میں پا کر محمد شاہؔ نے دہلی کے سکندر لودیؔ کی مدد سے اس پر حملہ کیا۔ اب کی بار اسے اپنے ستاروں پر نازاں ہونا تھا۔ ابھی جب کہ وہ راستے ہی میں تھا فتح شاہؔ کے معاونین فتح شاہؔ سے لڑ پڑے اور اس کو پنجاب کی طرف بھگا دیا جہاں وہ ۱۵۱۷ء میں فوت ہوا۔ پس محمد شاہؔ کو گویا چلتے چلتے دارالخلافہ میں داخل ہو کر خالی ہو چکے تخت پر بیٹھ جانا تھا۔

اگرچہ فتح شاہؔ اور محمد شاہؔ کے درمیان خانہ جنگی اب ختم ہوئی، ملک میں امن کی بحالی ابھی دور کی بات تھی۔ سال ۱۵۱۷ء میں **سلطان محمد شاہؔ** کے **چوتھی بار** بادشاہ بن جانے پر اس نے کاجی چکؔ کو اپنا وزیر اعظم بنایا لیکن کاجی چک کے اقتدار کو یکے بعد دیگرے کئی امراء نے للکارا جن میں نصرت رینہ، لوہر ماگرےؔ او جہانگیر پڈر نمایاں تھے وزیر اعظم نے بہر حال ان کو نیچا دکھایا۔ برہم ہو چکے امراء نے اس کے بعد فتح شاہؔ کے بیٹوں، سکندر خانؔ، حبیب خانؔ اور نازک خانؔ کو کھلونا بنایا۔ انہوں نے سال ۱۵۲۱ء میں ناگام میں جلسہ بلا کر سکندر خانؔ کی بادشاہت کا اعلان کر دیا لیکن کاجی چکؔ نے پھر انہیں کچل دیا۔ ایک سال بعد اس کے دشمن اب حبیب خانؔ کے حق میں اٹھے لیکن اب کی بار بھی نتیجہ کچھ مختلف نہیں نکلا۔ فرار کرتے ہوئے حبیب خانؔ نے وفات پائی۔ کاجی چکؔ کی مکرر فتوحات نے بہر حال اس کو مغرور نہیں کیا بلکہ ایک تعمیر کار سیاسی مدبر کی طرح اس نے بغاوتوں کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا اور اسے یقین ہوا کہ یہ ماگرےؔ سردار ہی ہیں جو ان کی تہ

میں ہیں۔ اس نے فوراً ہی ان سے دوستی کرنے کا ارادہ کیا اور ان میں سے کئی ایک کے ساتھ ازدواجی رشتے قائم کر لئے۔ بدقسمتی کی وجہ سے اس کے آقا نے اس کو غلط سمجھ لیا اور سال ۱۵۲۷ء میں اس کی کامیابی کے حسد میں اسے کشمیر سے جبراً نکال کر نوشہرہ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ ان واقعات کے بعد جلد ہی سکندر خان نے کشمیر پر دوبارہ حملہ کر دیا۔ اب کی بار مغل فوجوں نے اس کی مدد کی جنہیں ہندوستان کے اولین مغل بادشاہ بابر نے مہیا کیا۔ جونہی جلاوطن ہوئے کاجی چک نے اس حملہ کی خبر سنی اس نے اپنی طاقت کو جمع کر کے اسے حملہ آوروں کے خلاف روانہ کر دیا۔ سکندر کی شکست ہوگئی۔ اسے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا اور اس کے بعد نابینا کر دیا گیا۔ چند دنوں کے بعد اس کی وفات ہوگئی۔ کاجی چک کی حب الوطنی اسے پھر سے سلطان کی خوشنودی میں لے آئی اور ایک بار پھر حکومت کی ذمہ داری اس کے ہاتھوں میں سونپ دی گئی لیکن بہت جلد ان کے درمیان سخت اختلافات پیدا ہو گئے۔ ایک روز کاجی چک نے **محمد شاہ** کو تخت سے اتار کر اسے قید میں ڈال دیا اور اس کے بیٹے ابراہیم کو تخت پر بٹھایا (۱۵۲۸ء)۔

فتح شاہ کے دو بیٹوں، سکندر اور حبیب نے تخت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس میں اپنی جان گنوا دی اب اس کے تیسرے اور باقی رہنے والے تنہا فرزند نازک خان کی باری تھی۔ البتہ وہ خوش بخت نکلا۔ چند مقامی امراء اور بابر کی طرف سے مہیا کئے جانے والے امدادی فوج کی مدد سے اس نے سال ۱۵۲۸ء میں کشمیر پر حملہ کیا اور کاجی چک کو شکست فاش دی۔ ابراہیم شاہ کو تخت سے اتار دیا گیا اور نازک خان سال ۱۵۲۹ء میں نازک شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا لیکن مشکل سے ہی نئے بادشاہ نے ابھی ایک سال تک عصائے شاہی کو ہاتھ میں لیا تھا کہ اس کے

وزیراعظم ابدال ماگرے نے نامعلوم وجوہات کی بناپر **محمد شاہ** کوقید سے رہاکر کے اسے سال ۱۵۳۰ء میں (**پانچویں بار**) تخت پر بٹھایا۔نئی حکومت کے تحت اپنے معاونین کواکٹھے رکھنے کے لیے ابدال ماگرے نے مملکت کو چار حصوں میں بانٹ دیا۔اس نے لوہر ماگرے، رگی چک (تقریباً تمام مقامی تواریخ میں یہ نام رگی چک آیا ہے اور یہی صحیح ہے) اور ملک علی چاڈورہ کوایک ایک حصہ دیا اور چوتھا حصہ اپنے لیے رکھ دیا۔ فتح شاہ کے تیسرے دورِحکومت کی روایت کی پیروی کرتے ہوئے محمد شاہ کو فقط شاہی زمینوں کی آمدنی دی گئی۔اس کے بعد جلد ہی کشمیر کامران کی سرکردگی میں اولین مغل حملہ سے دچار ہوا۔وہ بابر کا دوسرا بیٹا تھا۔سال ۱۵۲۹ء میں کشمیر پر نازک شاہ کوبٹھائے جانے کے بعد بہت سے مغل سپاہیوں نے کامران کووہاں کے ابتر حالات سے آگاہ کر کے اسے فتح کرنے پراکسایا لیکن سال ۱۵۳۰ء میں بابر کی موت نے اسے اس منصوبہ کوملتوی کردینے پر مجبور کردیا۔سال ۱۵۳۱ء میں جب ہمایوں، بابر کے بعد بادشاہ بن گیا اور کامران نے اپنے بڑے بھائی سے ہندوستان کی سلطنت سے کابل اور قندھار کواپنے لیے حصے کے طور پر حاصل کرلیا،تو کشمیر پرحملہ کرنے کے منصوبہ کی تجدید ہوئی۔نوشہرہ کوعملیات کی بنیاد بناکر کامران نے تین ہزار کالشکر جرّار وادی کی طرف روانہ کردیا۔ راستے میں عملی طور پرکسی قسم کا سامنانہ کرتے ہوئے یہ لشکر سری نگر میں داخل ہوااور اسے غارت کر کے اس میں آگ لگادی۔اس کی تسخیر سے پہلے یہ ملک اندرونی جھگڑوں کا شکار تھا لیکن اب مغل مظالم کے پیش نظر تمام جماعتوں نے اپنے اختلافات کودور کرلیا۔کاجی چک بھی جلاوطنی سے لوٹ آیااور سب نے سرینگر کے حملہ آوروں کے خلاف گوریلا جنگ کی جدوجہد کا

آغاز کر کے اپنی عملیات کے لیے شنکر آچاریہ پہاڑی یا تخت سلیمان کو بنیاد بنادیا۔ مغل فوج قریب ڈیڑھ ماہ تک مقابلہ کرتی رہی اور اس کے بعد صلح کی بات چیت کی اور صلح کی مقررہ شرائط کے مطابق انہوں نے پنجاب کی طرف حفاظت کے ساتھ چلے جانے کے وعدہ پر وادی کو خالی کردینے کی شرط قبول کرلی۔ اس حملے کے فوراً بعد ایک اور حملہ ہوا۔ میرزا حیدر دوغلت، کاشغر کے سلطان ابوسعید خان کا سپہ سالار تھا۔ سال ۱۵۳۲ء کے جولائی مہینے میں اسے لداخ کو فتح کرنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ اس کام کی تکمیل کے بعد اس نے کشمیر پر بھی قبضہ کرلیا لیکن اب کشمیریوں کے اس کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا سوال تھا۔ ابتداء میں انہوں نے کھلی اور جم کر لڑائیاں لڑیں اور کافی نقصان اٹھایا اس کے بعد انہوں نے گوریلا طرز جنگ کو اختیار کیا جس نے میرزا کے آدمیوں کو اس قدر پست ہمت کردیا کہ انہوں نے صلح کی درخواست کی اور سال ۱۵۳۳ء کے مئی کے مہینے میں کشمیر کو چھوڑ دیا۔

ان حملوں کی وجہ سے ملک کی معیشت مکمل طور پر درہم برہم ہوگئی۔ فصلیں تباہ ہوگئیں اور زراعت میں کمی آگئی۔ قحط ایک فطری نتیجہ تھا۔ ''عورتیں اور مرد'' **شُک** لکھتا ہے ''اپنی زندگیوں کو بچانے کی خاطر بھوک میں دربدر پھر رہے تھے اور خاوند اور بیٹے کی محبت اور والدین کی خدمت کو فراموش کردیا تھا''۔ امراء نے، جن کو بیرونی حملوں نے، وقتی طور پر ہی صحیح، عقلمند تر بنایا تھا، قحط زدگان کی بہت مدد کی۔ **محمد شاہ کی سال ۱۵۳۷ء میں وفات** کے بعد اس کا بیٹا شمس الدین دوم کے نام سے تخت نشین ہوا ....''۔

۹۴۲: **لوکا لوک پہاڑ**: غالباً آتش فشان پہاڑوں سے مراد ہے۔ واللہ اعلم!

۹۴۳: **ستی جھیل** : کشمیر (جو کشمیر کے ہندو مورخین کے کہنے پر ستی سر کہلاتا تھا اور جس پر دقیق اور مستند و معتبر علمی تحقیق ہونا ابھی باقی ہے)۔

۹۴۴: مراد ہے چہچہانے والے پرندے۔

۹۴۵: یعنی جموں کے لوگوں نے

۹۴۶: جموں کے راجہ کا نام تھا۔

۹۴۷: **میر حسن** : مراد ہے میر سیّد حسن بیہقی۔

۹۴۸: **تتار خان**: یعنی تاتار خان جو بہلول لودی کا والیِ پنجاب تھا۔

۹۴۹: یعنی بھاگو! بھاگو!

۹۵۰: ہیبت خان

۹۵۱: ملّا زادہ۔

۹۵۲: جلال ٹھاکر

۹۵۳: عیدی رینہ۔

۹۵۴: مقامی تواریخ نگاروں نے اس شہزادے کا نام یوسف خان لکھا ہے۔

۹۵۵: مقامی تواریخ نویسوں نے اس ملکہ کا نام ستین یا سیتان دیوی لکھا ہے۔

۹۵۶: پیر باز خان۔

۹۵۷: مطلب ہے جہانگیر ماگرے۔

۹۵۸: یعنی قطب الدین پورہ۔

۹۵۹: شیخ شہاب۔

۹۶۰: غالباً عربی میں یا شاید فارسی میں۔

۹۶۱: سیف ڈار یا ڈامر

۹۶۲: یعنی جہانگیر ماگرے

۹۶۳: یعنی جنت کی حوروں سے جا کر مل گیا۔ مقصد ہے کہ مر گیا۔

۹۶۴: یعنی خانقاہ۔

۹۶۵: **وِمش پُرسُتھ** : قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ موجودہ نوشہرہ سرینگر ہے جو سلطان زین العابدین کا دارالخلافہ تھی۔

۹۶۶: **دیوی شاردا**: دُرگا اور سرسوتی کا ایک نام۔ [شاردا ایک قسم کی بانسری کو بھی کہتے ہیں]۔ دُرگا یعنی ناقابلِ رسا دیوی۔ درگا، ہیمِ وَتْ کی بیٹی اور شِو کی بیوی کا نام ہے (اسے اُوما، بھوانی، پاروتی وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ یہ کارتکیا اور گنیش کی ماں ہے۔ درگا کی حیثیت میں یہ خوفناک صورت میں ہوتی ہے اور اس کا مزاج وحشتناک ہوتا ہے [بنگال کے لوگ خاص طور پر اس کی پوجا کرتے ہیں درگا پوجا کے موقع پر]۔ غالباً اسی صورت میں بقولِ پنڈت شری ور وِتستا (دریائے جہلم) نے دونوں فوجوں کو نگل لیا تھا نہ کہ شاردا کے روپ میں۔

۹۶۷: یعنی جھیل وُلر۔

۹۶۸: **پَرورَ پُور**: یعنی شہر سرینگر۔

۹۶۹: **دیوی کالی**: شِو کی بیوی درگا (دیکھئے حاشیہ ۹۶۶) لقب۔ اس روپ میں ہندو اس کو انسانی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ ہندوستان کے ملک میں دور دیہات میں انسانی قربانی کی یہ رسم ابھی بھی جاری ہے۔

۹۷۰: **جِیَلاَل مَلِک**: جَلال ملک۔

۹۷۱: **پیروجَ خان**: فیروز خان۔

۹۷۲: **میا بَھاقِر** : میاں باقر۔

۹۷۳: **پیر وَاجَ خان**: پیر باز خان:

۹۷۴: **رام**: تین معروف دیومالائی شخصیتوں کا نام جنہیں ہندو، وِشنو کا

روپ مانتے ہیں یعنی پرشو رام، رامچند ر اور بلرام لیکن عام طور یہ نام رام چندر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ رام چندر یا رام۔ وِشنو کا ساتواں اوتار اور راماین نامی رزمنالے کا مشہور پہلوان (Hero)۔ یہ سورج کے خاندان کے ایک راجہ دشرتھ کا بیٹا تھا اور کہتے ہیں کہ اس نے اودھ (ایودھیا) پر ۱۶۰۰ قبل مسیح میں حکومت کی۔ راون نے جب رام کی بیوی سیتا کو اغوا کرلیا تو رام نے بندروں کے راجہ ہنومان سے مدد حاصل کر کے راون کو مار ڈالا اور اس کے ملک لنکا میں آگ لگا دی۔

۹۷۵: **پرشُ رام**: پَرَشُ رَامَ، پَرَسُ رام اور۔ پَرَسُ رَامَ (یعنی کلہاڑی والا رام) جمد اگنی کا بیٹا، تین مشہور راموں میں سے پہلا اور وِشنو دیوتا کا چھٹا اوتار، جو ہندوؤں کے کہنے کے مطابق ظلم کو بھگانے اور کھشتریوں یعنی فوجیوں کی ذات کی دہشت گری کی سزا دینے کے لیے ظاہر ہوا۔ اسے برہمن قوم اور کھشتریوں کے ساتھ اس قوم کی مقابلہ آرائی کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ پَرَشُ رَامَ، راجی دشرتھ کے بیٹے رام چندر (دیکھئے حاشیہ ۹۷۴) کا ہم زمان تھا۔

۹۷۶: **علاو پورہ**: علاوالدین پورہ جو موجودہ خانقاہ معلّی کے محلے سے تقریباً موجود بھان محلّہ تک پھیلا ہوا تھا۔ غالباً نام میں تخفیف کی وجہ سے علاو پورہ کہلایا جاتا تھا یا خود شری ور نے ایسا لکھا ہے [صحیح ہے علاءالدین پورہ]۔

۹۷۷: یعنی سیّد حمدان خان۔

۹۷۸: سال ۱۴۸۴ء (۸۸۹ھ)۔

۹۷۹: **دریہ دھن**: ''ناقابلِ تسخیر'' کورو شہزادوں میں سے سب سے بڑے شہزادے کا نام اور اپنے عم زاد بھائیوں اور کرشن کے خلاف جنگ کا سردار، جو مہابھارت میں درج ہے۔ دُریودھن بھی کہا جاتا ہے۔

۹۸۰: **شَل**: شِو کے ایک خادم کا نام۔ برھما، سانپ صورت ایک دیو کا نام۔ دِھرِت راشٹر کے ایک بیٹے کا نام۔

۹۸۱: **یُدِھشتَھر**: یُدِ ھشٹھر بھی کہا گیا ہے۔[یُدھِ = جنگ، شتھر = ثابت = جنگ میں ثابت قدم] پانڈو کے مشہور پانچ بڑے بیٹوں میں سے سب سے بڑے بیٹے کا نام۔ یہ مہا بھارت میں درج اس جنگ کا سردار تھا جو کلِ یُگ کے شروع میں پانڈووَں اور کوروَں کے درمیان ہوئی تھی۔

۹۸۲: **کَرن**: اَنگ کے ایک راجہ کا نام[جو ماں کی طرف سے پانڈو شہزادوں کا بڑا بھائی تھا اور جو پانڈو سے شادی کرنے سے پہلے پرِتھا یا کنتی کے بطن سے دیوتا سوریا کا بیٹا تھا۔ اپنے رشتہ داروں کی ملامت سے خوفزدہ ہوکر کنتی نے بچے کو ترک کر کے اسے دریا میں چھوڑ دیا جہاں اسے ایک آدِی رَتھ نامی رَتھبان نے دیکھا اور اسے اس کی بیوی رادھا نے پالا۔ اس لیے کَرن کو کبھی سُوتَ پتر، کبھی سُوتَ جا اور کبھی رادھے یا کہتے ہیں گو کہ رضاعی والدین نے اس کا نام واشو سنا رکھا ہے]۔

۹۸۳: **دھرِت راشٹر**: وہ جس کی سلطنت مضبوط ہو یا جو صاحب سلطنت ہو۔ ایک راجہ کا نام۔ دریودھن کے باپ اور پانچ پانڈو شہزادوں کے چچا کا نام۔ یہ ساری تشبیہات مہا بھارت کے جنگ پہلوانوں (Heroes) سے مربوط ہیں جو گو غیر متعلق ہیں لیکن کشمیری برہمن مورخ کی پسندیدہ ہیں۔

۹۸۴: **پدم پورہ**: موجودہ پانپور (کشمیری میں اسے پامپر کہتے ہیں) قدیم نام پدم پور تھا۔ اس کی بنیاد نویں صدی کے آغاز میں راجہ چپت جیہ پیڈ کے چچا پدم نے ڈالی تھی۔

۹۸۵: **بھابھہ سید حما دام**: بابا سید حمدان، سیدوں میں

سے کوئی نمایاں سید تھے۔ بابا علماء اور عارفوں کا لقب تھا۔ صوفیوں میں پیرِ طریقت کو بھی بابا کہتے تھے۔ پیر کامل، سردار، [باپ، دادا، نانا، بوڑھا سفید داڑھی والا، آزاد، فقیر، کشمیر میں کسی روضۂ شریف کے مستقل سجادہ نشین کو بھی بابا کہتے ہیں]۔

۹۸۶: جموں کا راجہ۔

۹۸۷: یعنی سات سالہ سلطان محمد شاہ۔

۹۸۸: یعنی ناگام۔

۹۸۹: یعنی بھانگل۔

۹۹۰: **چَکرُوَاکَ** : گلابی رنگ والا ہنس جسے عرفِ عام میں برہمنی بطخ کہتے ہیں (ANAS CASARCA)۔

۹۹۱۔الف: یعنی عیدی رینہ

۹۹۱: یعنی سلطان زین العابدین (بڈشاہ)۔

۹۹۲: انگریزی ترجمہ میں SHRINE کا لفظ لکھا ہے جس کے معنی اردو میں روضہ، مزار، درگاہ، مقبرہ، مقدس یادگار، قربان گاہ ہے۔ شری ور نے اس لفظ کی یہاں پر وضاحت نہیں کی ہے۔

۹۹۳: **شُرِنگارسِھَہ** : غالباً سرہنگ رینہ سے مراد ہے۔ جو سلطان محمد شاہ؟ کے عہد کا ایک طاقتور امیر تھا۔

۹۹۴: **فتاحَ خَان**: یعنی فتح شاہ (بعد کا سلطان فتح شاہ جس نے ۱۴۸۶ء۔۱۴۹۳ء اور ۱۵۰۵ء۔۱۵۱۴ء اور ۱۵۱۵ء۔۱۵۱۷ء تک کشمیر پر حکومت کی)۔

۹۹۵: یعنی عیدی رینہ۔

۹۹۶: یعنی دولت رینہ۔

۹۹۷: یعنی فتح خاں کی پناہ میں (بعد کا سلطان فتح شاہ) دیکھئے حاشیہ ۹۹۴۔

۹۹۸: یعنی جہانگیر ماگرے۔

۹۹۸، الف: ایک دین دار مسلمان بادشاہ کی زبان سے اس کے اپنے ہی دین سے مربوط تشبیہات بیان ہوسکتی ہیں یہ تشبیہہ برہمن کشمیری مورخ پنڈت زون راج کی اپنی اختراع ہے۔

۹۹۹: یعنی مسعود نایک جو سلطان محمد شاہ کے عہد میں ایک پُرقوت امیر تھا۔

۱۰۰۰: یعنی بہرام نایک جو سلطان محمد شاہ کے عہد کا ایک طاقتور امیر تھا۔

۱۰۰۱: یعنی مراز کا علاقہ۔

۱۰۰۲، الف: یعنی دریائے لدر کا دائیں طرف کا علاقہ جسے دکشن پار کہتے تھے۔

۱۰۰۲: غالباً زیرک بٹ سے مراد ہے جس کے بارے میں شری ور نے لکھا ہے کہ سرہنگ رینہ کا ملازم تھا لیکن محب الحسن نے لکھا ہے کہ فتح خاں کا ایک ساتھی تھا۔

۱۰۰۳: **کرال**: آڈوَن کا علاقہ۔

۱۰۰۴: **گسکدّار**: یعنی گوس اُڈر جو شوپیاں جاتے ہوئے راہ میں آتی ہے۔ شاید اصل لفظ گوسکِ اُڈر ہو۔ اُڈر کو کشمیری میں وُڈر کہتے ہیں۔

۱۰۰۵: **کلیان پورہ**: پروفیسر محب الحسن نے اسے کلم پورہ گاؤں لکھا ہے جو ۴۸/۲۳/عرض البلد اور ۵۴/۴/۴ طول البلد میں واقع ہے۔ درّہ پیر پنچال سے سرینگر جانے والی اونچی سڑک پر ہونے کی وجہ سے یہاں پر سخت جنگیں ہوئیں۔

۱۰۰۶: انگریزی ترجمہ میں ایسے ہی آیا ہے۔

۱۰۰۷: **اِوَراھیم مارگیشَ**: ابراہیم ماگرے۔

۱۰۰۸: یعنی سال ۱۴۸۵ء (۸۹۰ھ)۔

۱۰۰۹: یعنی فتح خان۔

۱۰۱۰: **چھہ آفات**: بارش کی کثرت، خشک سالی، فصل کی تباہی چوہوں سے، ٹڈیوں سے اور پرندوں سے اور اجنبی بادشاہ کے آنے سے۔

۱۰۱۱: گویا عام طور پر برہمن آبادی مسلمانوں سے بیر رکھتی تھی اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے مسلمانوں سے اظہارِ محبت کریں۔

۱۰۱۲، الف: گویا ہندو تاجروں نے گوشتِ گاؤ کھالیا تھا اور گائے کو ذبح کیا تھا۔

۱۰۱۲: یہ اشارہ ہے قدیم ہندو راجگان کشمیر کے غیر ملکوں میں جا کر ظلم وستم اور غارتگری کرنے کی طرف، بے شک ایک حقیقت پسندانہ بیان ہے۔

۱۰۱۳، الف: یعنی سلطان فتح شاہ۔

۱۰۱۳: **بَیروگلہ**: یہ قدیم نام ہے اور اب بہرام گلہ کہلاتا ہے۔ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو بھمبیر اور کشمیر کی سڑک پر واقع ہے۔

۱۰۱۵: **کروش**: سنسکرت لفظ ہے جو ہندی میں کوس کہلاتا ہے۔ کوس ایک فاصلہ ہے جو تقریباً دو میل (انگریزی) کے برابر ہے (لیکن مختلف علاقوں میں متفرق ہے)۔

۱۰۱۴: **شورہ پور**: رنبی آرہ پر واقع ہے یہ سلسلہ کوہِ پیر پنچال کی کشمیر کی جانب انتہائی جگہ ہے اور سات میل اوپر کی طرف رنبی آرہ پر واقعہ ہے۔

۱۰۱۶: **سُگرِیو**: خوبصورت گردن والا۔ وہ جس کی گردن خوبصورت ہو، ہندو مذہب میں بندروں کے بادشاہ کا نام جس نے ہنومت کی سرکردگی میں بندروں کی ایک لشکر کے ساتھ رام کے راون پر غالب آنے میں مدد کی۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ سورج کا بیٹا تھا اور رام نے اسے پھر سے

کِشکِند ھا کے تخت پر، جو اس کے بھائی والن نے اس سے چھین لیا تھا[شری ور نے والن کی جگہ ولی لکھا ہے] بٹھا دیا۔ کرشن کے چار گھوڑوں میں سے ایک، باقی تین تھے بَلاحَکَ، میگھ پُشپ اور شیویَا۔ شِو یا اِندر کا نام۔ پاتال کا ایک سانپ۔ ایک اپسرا کا نام۔ دکش کی بیٹی اور کَشیَپ کی بیوی کا نام (جو گھوڑوں، اونٹوں اور گدھوں کی ماں ہے)۔

۱۰۱۷: یعنی سال ۱۴۸۶ء (۸۹۲ھ)۔

۱۰۱۸: **گسِکُدار**: یعنی کُسِک اُدَر (اُدَر = کشمیرُوڈَر) اُدَر (یا وُڈَر) کریوہ کو کہتے ہیں۔ حاشیہ ۱۰۰۴ دیکھئے۔

۱۰۱۹: **وَانِگل**: یعنی بھانگل۔

۱۰۲۰: **بھورُوپ**: یعنی بیروہ۔

۱۰۲۱، الف: **سکند خانقاہ**: غالباً موجودہ کھندَ بَھوَن (نواکدل سے ملحق محلّہ) سے مراد ہے۔

۱۰۲۱: **نصراجانک**: نصرت رینہ۔

۱۰۲۲: **آشُون**: چھٹا ہندو مہینہ۔

۱۰۲۳: **وَسُندھَر**: دولت کی حامل۔

۱۰۲۴: **راجہ سُشَلَ**: کشمیر کا راجہ جس نے سال ۱۱۱۱ء سے ۱۱۲۰ء تک اور پھر سال ۱۱۲۱ء سے سال ۱۱۲۸ء تک حکومت کی (بیچ میں ایک سال کی حکومت ۱۱۲۰ء سے ۱۱۲۱ء تک بھکشا چار نے کی)۔

۱۰۲۵: **سَیپہ مَلِک**: ملک سیف ڈار۔

۱۰۲۶: **بادشاہ فتَح**: سلطان فتح شاہ۔

۱۰۲۷: مصنف کا نام

۱۰۲۸: مصنف کے والد کا نام۔

۱۰۲۹: انگریزی ترجمہ میں کہلن آیا ہے جب کہ سبھی تواریخ میں کلہن درج ہے اور صحیح کلہن ہی ہے۔

۱۰۳۰: **بھاگوتی تیرتھ**: مقدس زیارت [تیرتھ = نہانے کی جگہ ۔ زیارتگاہ۔زیارت کرنے کی مقدس جگہ ۔ مقدس دریاؤں کی جگہیں ☆ بھاگوتی = بہت ہی مقدس]

۱۰۳۱: یعنی سال ۱۵۱۳ء (۹۱۹ھ)۔

۱۰۳۲: موجودہ مانس بل۔ اس جھیل کے بارے میں تاریخ حسن جلد ا/ص ۱۵۸۔۱۵۹/ پر آیا ہے کہ یہ "بیضوی شکل کی ایک بہت گہری جھیل ہے اور سرینگر سے شمال کی طرف ۱۵/میل کی دوری پر ہے اور اس کا محیط اندازاً پانچ میل ہوگا۔اس کے شمالی کنارے پر صفاپور گاؤں، اس کے جنوبی کنارے پر چُونہ بنانے والوں کی بھٹی اور مغرب کی طرف کائی زار ہے۔اس کا پانی فن نارہ کی راہ سے بہت میں چلا جاتا ہے۔ نیز اس کے شمالی کنارے پر باغِ صفا میں عمارات کی نشانیاں ہیں جو نور جہاں کے دولت خانہ کی ہیں اور حیرت افزا ہیں۔ مان سر کے اطراف وسواحل (یعنی مانس بل کے) سراسر دل کشا، خوشنما اور سیر وسیاحت وسرور ونشاط کی جگہیں ہیں۔ چونہ بنانے والوں کی بھٹی کے ساتھ ہی مان سر کا چشمہ ابلتا ہے جو یخ بندی کی حالت میں بھی بند نہیں ہوتا۔ ایک چشمہ اور ہے اس کے ساتھ جس کا پانی بہت گرم ہے۔ مان سر کے ارد گرد میں بہت سے چشمے ہیں جو یخ بندی کے وقت دکھائی دیتے ہیں"۔ مانس بل سیر وسیاحت کی جگہ ہے جہاں لوگ گرمیوں میں جایا کرتے ہیں۔ایک حکومتی مہمان خانہ بھی وہاں پر بنا ہے اور اب جھیل میں چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر سیر بھی کی جاتی ہے۔

۱۰۳۳: **بادشاہ فتاح**: یعنی سلطان فتح شاہ۔

۱۰۳۴: **جَین شَاہ**: یعنی زین العابدین

۱۰۳۵: **چندر بنسی**: یا چندر وَنشی: چاند کا خاندان۔ کھشتریوں کی ایک نسل یا خاندان جو چاند کے ساتھ اپنی نسبت کو جوڑتے ہیں۔ اس لحاظ سے ایک اعلیٰ خاندان مانا جاتا ہے۔ غالباً ہندوؤں میں اسی مناسبت سے شُکَ نے سلطان فتح شاہ کو ایک بلند مرتبہ خاندان کا فرد کہا ہے۔ مقامی مسلمان مورخین نے اس بارے میں خاموشی اختیار کی ہے۔

۱۰۳۶، الف: مطلب ہے ملک سیف ڈار۔

۱۰۳۶: یعنی ابراہیم ماگرے۔

۱۰۳۷: **میر سشِش**: شُکَ کا مطلب میر شمس عراقی سے ہے۔

۱۰۳۸: **شاہ قاسم**: آپ شاہ قاسم انوار سے معروف ہیں۔ (سید) علی بن نصر بن ہارُون بن ابو القاسم تبریزی ملقب بہ معین الدین (یا صفی الدین) متخلص بہ قاسم اور معروف بہ قاسمی اور شاہ قاسم، ایران کے نویں صدی ہجری کے ایک شاعر اور عارف تھے۔ سال ۸۳۷ھ (۱۴۳۳ء) میں جام کے خرجرد گاؤں میں وفات پائی۔ طریقت میں آپ شیخ صفی الدین اردبیلی کے بیٹے صدرالدین موسیٰ کے مرید تھے اور ان کی تربیت میں ریاضتیں کیں اور ان سے قاسم الانوار لقب پایا۔ اس کے بعد شیخ صدرالدین یمنی کے شاگرد بن گئے اور شاہ نعمت اللہ ولی کی صحبت بھی پائی۔ قزوین، گیلان، ہرات، سمرقند اور خراسان کے دیگر شہروں کی سیاحت کی اور ہرات میں لوگوں کے ارشاد میں مشغول رہے اور اسقدر رسوخ پیدا کرلیا کہ امیر تیمورؒ کے فرزند شاہ رُخ میرزا میں جیسا کہ کہا گیا ہے خوف پیدا ہوا چنانچہ سال ۸۳۰ھ میں جب ہرات کی جامع مسجد میں شاہ رُخ میرزا پر احمد لُر نے حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا تو قاسم انوار پر شک کیا گیا اور اسے احمد لُر کی حمایت کرنے کا ذمہ دار ٹھہر دیا گیا۔ ناچار قاسم

انوار نے ہرات کو ترک کیا اور ایک عرصے تک بلخ اور سمرقند میں گھومتے رہے بالآخر خراسان میں لوٹ آئے اور نیشاپور کے توابع میں جام کے خرجرد گاؤں (یا لنگر قصبہ) میں وہاں کی خوشگوار آب و ہوا کی مناسبت سے اقامت کی اور وہیں پر فوت ہوئے۔ نویں صدی ہجری کے اواخر میں علی شیر نوائی کے حکم پر آپ کی قبر پر ایک خوبصورت عمارت تعمیر کی گئی۔ آپ کی تصنیفات میں انیس العاشقین (فارسی مثنوی) تذکرۃ الاولیاء یا مقامات العارفین (فارسی مثنوی) اور دیوانِ شعر (جس میں غزلیات، قطعات، اور رُباعیات فارسی میں ہیں) شامل ہیں۔ یہاں پر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مقامی تواریخ کشمیر میں میر شمس عراقی کی پہلی آمد کا واقعہ سلطان حسن شاہ کا عہد لکھا ہے (سال ۸۸۰ھ = ۱۴۷۵ء تا سال ۸۹۲ھ = ۱۴۸۶ء مقامی فارسی مورخین کے مطابق اور دیگر غیر فارسی مقامی مورخین کے بقول ۱۴۷۲ء تا ۱۴۸۴ء = ۸۷۷ھ تا ۸۸۹ھ) اور مورخ حسن نے تاریخ حسن (جلد ۲ رص ۲۱۱) میں لکھا ہے کہ ''میر شمس عراقی سال ۸۹۲ھ (۱۴۸۶ء) میں کشمیر میں سلطان حسن شاہ کے زمانے میں آیا اور اس کے انتقال کے بعد (سال ۸۹۲ھ) آٹھ سال تک یہاں رہا [یعنی سال ۹۰۰ھ = سال ۱۴۹۴ء تک]۔ شاہ قاسم انوار کی وفات سال ۸۳۷ھ (۱۴۳۳ء) میں ہوئی اور جب شمس عراقی اول بار کشمیر میں آیا (۸۹۲ھ) تو شاہ قاسم قریب ساٹھ سال کے فوت ہو چکے تھے۔ دوسری بار شمس عراقی سلطان محمد شاہ (سال ۸۹۲ھ = ۱۴۸۶ء بقول فارسی مورخین کشمیر اور غیر فارسی مورخین ۱۴۸۴ء = ۸۸۹ھ) کے عہد میں آیا اور یہیں پر فوت ہوا (یعنی سال ۹۰۲ھ میں آیا اور شیعہ تذکروں کی اطلاع کے مطابق سال ۹۳۲ھ میں وفات پائی) اور گویا اپنی عمر کے مزید تیس سال کشمیر میں گذار دے۔ اس طرح سے میر شمس عراقی نے اس دنیا میں کافی لمبی عمر گذاری۔ تقریباً ایک سو بیس سال سے

بھی اوپر بشرطیکہ جب وہ پہلی بار یہاں آیا تو قریب ۲۵ر سال کا تھا لیکن اتنی لمبی عمر پانے کا ذکر کسی مقامی شیعہ تذکرہ میں نہیں۔ مورخ شُکؔ کا یہ بیان کہ شمس عراقیؔ شاہ قاسم (انوار) کا شاگرد تھا محض اس کی سنی سنائی باتوں پر منحصر ہے البتہ لایق تحقیق ہے۔[میر موصوفؔ (یعنی شمس عراقیؔ) کا ذکر ایرانی کتب و تواریخ میں بالخصوص ایرانی تذکروں میں یا کتبِ تصوف میں مطلق نہیں آیا ہے]۔

۱۰۳۹ئ: **عراق**: یہاں ایرانؔ کے ایک عراقؔ نامی صوبہ سے مراد ہے جو عراقِ عجم بھی کہلاتا ہے اور یہ ایران کے مرکز میں ایک علاقہ ہے جو اصفہان، ہمدان اور تہرانؔ کے مرکزی شہروں کے درمیان میں واقع ہے۔ عراقِ عجم میں کرمانِ شاہان، ہمدان، ملایر، اراک (سلطان آباد) گلپایگان اور اصفہان شامل ہیں۔

۱۰۴۰ئ: **کال**: وقت، موسم، عمر، صحیح یا خاص وقت، مناسب موسم، کھانا کھانے کا وقت (کشمیری میں رات کے وقت کے کھانے کو کالؔ کہتے ہیں نیز وقت اور مدتؔ کو بھی)۔ مجسم وقت، تقدیر، قسمت، موت، موت کا وقت، موت کا قاصد، یم یا جم کا ایک نام۔ بُرا یا نامبارک وقت، کمی، قحط، آفت۔

۱۰۴۱ئ: **ابدالک**: ابدال ماگرے

۱۰۴۲ئ: **مارگیش**: جہانگیر ماگرے

۱۰۴۳ئ: **وَلادِھیہ مَٹھہ**: بلدی مَرَ۔ قدیم عالی کدلؔ کے علاقے کا نام۔

۱۰۴۴ئ: **مُگد**: غالباً موجودہ ذال ڈگر

۱۰۴۴، الفئ: **گدائی میر**: تاریخ حسنؔ میں یہ نام گدا ملکؔ آیا ہے جس نے ملک کاجی چکؔ اور جہانگیر پڈر کے ساتھ مل کر غازی خان اور

دتی ملک کو قتل کر دیا۔

۱۰۴۵: **اُتس مَلِک**: گویا ملک عثمان وزیر سے مراد ہے۔

۱۰۴۶: **مَلِک دتّ**: مقامی تاریخوں میں یہ نام دَتی مَلِک آیا ہے۔

۱۰۴۷: **شاهاب دِین**: یعنی سلطان شہاب الدین شہمیری پادشاہِ کشمیر (۱۳۵۴ء تا ۱۳۷۳ء = ۷۵۵ھ تا ۷۷۵ھ البتہ بقولِ مقامی فارسی مورخین ۷۶۱ھ تا ۷۸۰ھ = ۱۳۵۹ء تا ۱۳۷۸ء ان تاریخوں میں ۵/سال کا فرق ہے)۔

۱۰۴۸: **حُس رَاجانک**:

۱۰۴۹: **گندھر وَس شہر**: گندھر و نیم دیوتاؤں کا طائفہ ہے یا ایک طائفہ ہے جو اِندر کی جنت میں رہتا ہے اور خاص خاص دیوتاؤں کی دعوت کی محفلوں میں ساز بجاتے ہیں اور اس کی پاداش میں دولت سمیٹتے ہیں۔

۱۰۵۰: یعنی ۱۵۱۳ء (۹۱۹ھ)۔

۱۰۵۱: یعنی سرہنگ رینہ۔

۱۰۵۱، الف: تاریخ حسن (جلد ۲/) میں آیا ہے کہ کشمیر کے چار حصے کر دئے گئے (ملک حیدر چاڈورہ اور نارائن کول عاجز نے اپنی تواریخ میں لکھا ہے کہ کشمیر کے چار حصے کر دئے گئے۔ ایک حصہ فتح شاہ کو ملا اور ایک حصہ جہانگیر پڈر کو تیسرا حصہ شنکر رینہ اور چوتھا حصہ کاجی چک کو دیا گیا۔

۱۰۵۲: **هُشک جُشک کنِشک**: کلہن کے بقول کُشن حکمرانوں میں، جن کا تسلط کشمیر تک پھیلا تھا، ہُشک، جُشک اور کنشک شامل تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے یہاں پر اپنے نام سے ایک شہر بسایا اور ان کا نام تھا ہُشک پور (موجودہ اُشکرُ)، جُشک پور (ذُکرُ) اور کنشک پور (کانس پور)۔ کنشک کی ہندوستان کے معروف کُشن حکمران کے ساتھ جو یہی نام رکھتا تھا

،شناخت کی گئی ہے جس نے ایک بدھ روایت کے مطابق کشمیر میں کندل وَن نامی مقام پر چوتھی بدھ مجلس بلائی تھی گو کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ مجلس پنجاب میں جالندھر کے مقام پر بلائی گئی تھی۔ **تاریخ حسن** (جلد دوم ص ۴۲) میں آیا ہے کہ سال "۱۸۱۸ء کلِ یگ میں **حضرت سلیمان** علیہ السلام کی مدد سے ہُشک، کنشک اور زشک، کشمیر کی حکمرانی پر متعین ہوئے اور عدل واحسان سے لوگوں کے دلوں کو خوش کر دیا۔ تینوں نے تین گاؤں بسائے چنانچہ ہُشک نے پرگنہ کروہن میں اشکورہ گاؤں اور پرگنہ وہو میں کنشک نے کانسپور اور زشک نے پھاک پرگنہ میں ذکرو گاؤں آباد کئے۔ اس کے عالوہ زشک نے ذکرو گاؤں کی آبادی کے لیے سندِ لار سے ایک نہر بھی جاری کی۔ اس کے بعد تینوں نے اکٹھے مل کر ۴۱ رسال تک حکومت کی اور بہت سے لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کر دیا"۔

۱۰۵۳ا: **چنتامنی**: ایک فرضی ہیرا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جس کے پاس یہ ہو اس کی ساری حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں۔

۱۰۵۴ا: **پدم ناگ**: جھیل وُلر کا مالک سانپ پدم ناگ (مقامی ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق)۔

۱۰۵۵ا: **سِھہ اِسکندر**: یعنی شاہ زادہ اسکندر ابن فتح شاہ،

۱۰۵۶ا: **کاچ چکر**: کاجی چک۔

۱۰۵۷ا: **کنچن**: کاجی چک۔ شُکّ بھی اپنے گورُ و مورخین جون راج اور شری ور کی پیروی میں مسلمانوں کے ناموں کو ہندوانہ بنانے کا شوق رکھتا ہے۔

۱۰۵۸، الف: مُردہ ہندوؤں کی ہڈیوں کو گنگا میں لے جانے سے روکنے کی بات کسی بھی مقامی مورخ نے خواہ ہندو یا مسلمان، نہیں لکھی ہے۔ یہ شُکّ

کی اپنی ذہنی اختراع ہے جس کی بنیاد محض کشمیری مسلمانوں کے خلاف الزام تراشی کے اس کے مذہبی فرض کو ادا کرنا ہے۔

۱۰۵۸: **تاریخ حسن**: (جلد۲ رص ۲۳۰، ۲۳۱) میں بھی اس سانحہ کا ذکر آیا ہے اور اس کی تاریخ وقوع "تباہی پنڈتان" سے نکالی ہے جو سال ۹۲۵ھ (۱۵۱۹ء) کے برابر ہے۔

۱۰۵۹: مراد ہے سکندر لودھی جو دہلی کا حکمران تھا۔ اس کا نام نظام خان تھا اور بہلول لودھی کا بیٹا تھا نظام خان نے سکندر شاہ کا لقب اختیار کیا اور سال ۱۴۸۹ء (۸۹۵ھ) سے سال ۱۵۱۷ء (۹۲۳ھ) تک حکومت کی۔ گنج سے شک کی مراد غالباً دہلی ہی ہوگی۔

۱۰۶۰: **کاچ چکریش**: کاجی چک

۱۰۶۱: مراد ہے سلطان محمد شاہ

۱۰۶۲: ابدال ماگرے۔

۱۰۶۳: کاجی چک۔ شک، کاجی چک کو اپنی برہمنانہ عادت کے مطابق مختلف سنسکرت آمیز ناموں سے یاد کرتا ہے۔

۱۰۶۴: لوہر ماگرے۔

۱۰۶۵: غالباً نصرت رینہ سے مراد ہے۔

۱۰۶۶: ناگام قلعہ

۱۰۶۷: ۱۵۱۸ء (۹۲۵ھ)۔

۱۰۶۸: انگریزی ترجمہ میں ایسے ہی آیا ہے۔

۱۰۶۹: **کرم**: عمل۔ اخلاقی کردار۔

۱۰۷۰: انگریزی ترجمہ میں ایسا ہی آیا ہے۔

۱۰۷۱: انگریزی ترجمہ میں ایسا ہی آیا ہے۔

۱۰۷۲: **موسل**: مورخ شُکؔ نے موسل کو مسلمان اور مسلم کے معنی میں بدل دیا ہے۔

۱۰۷۳: یعنی کاجی چک جسے شکؔ اپنی عادت کے مطابق مختلف سنسکرت آمیز ناموں سے یاد کرتا ہے جیسے کچن، چکریش، کاچ چکریش، چکریش کان چن، کاچ چکر، کان چن چکروزیر اور کاچ چکر وغیرہ ناموں سے۔

۱۰۷۴: پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ فتح شاہ، پنجاب بھاگ گیا (ذیلی یادداشت = حیدر ملک ورق ۳۳/الف۔ بہارستانِ شاہی ورق ۸۸/الف پر لکھا ہے کہ فتح شاہ کو تخت سے میر شمس الدین نے بٹھایا☆ بہارستانِ شاہی میں آیا ہے کہ: ''شمس الدین محمد عراقی اور فتح شاہ کے درمیان گفتگو اور مباحثہ واقع ہوا۔ اس مناقشہ کے چند روز بعد فتح شاہ کو سلطنت سے معزول کر کے ملک سے نکال دیا اور محمد شاہ کو واپس لا کر تخت سلطنت پر بٹھایا اور پھر فتح شاہ کو کشمیر آنا نصیب نہ ہوا'' ___ لیکن کشمیر کی کسی بھی تاریخ میں یہ بات درج نہیں ہے کہ شمس عراقی کا اقتدار فتح شاہ اور محمد شاہ کے ایام سلطنت میں ایک بادشاہ گر کا سا اقتدار تھا اس لیے بہارستانِ شاہی کے نامعلوم مؤلف کا یہ ناقابل اعتبار بیان محض خود ساختہ ہے___ پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد) جہاں اگست ۱۵۱۷ء (۹۲۳ھ) میں اس کا انتقال ہوا۔ **تاریخ حسن** (ج ۲/ص ۲۳۲) میں آیا ہے کہ: ''سلطان نے نوشہرہ کے پہاڑوں میں رحلت کی اور (حضرت امیر علی ثانی میر سید علی ہمدانیؒ) حضرت امیرؒ کی کلاہ مبارک، جو سلطان قطب الدین کو عطا ہوئی تھی کو کفن میں لپیٹ کر اپنے ساتھ لے گیا۔ ''فتح شاہ'' فنا تاریخ ہے (۹۲۵ھ)۔ محمد شاہ نے اس کی میت کو منگوا کر اس کے باپ آدم شاہ (فرزند سلطان زین العابدین) کے مقبرہ کے پاس محلہ سہہ یار میں دفن کروائی۔ (شکؔ نے فتح شاہ کا سال وفات

۹۵ رلوکک لکھا ہے جو سال ۱۵۱۹ء (۹۲۶ھ) کے برابر ہے)۔

۱۰۷۵: **واقعاتِ کشمیر** میں بھی آیا ہے کہ: "نعشِ فتح شاہ را بہ کشمیر آوردہ مقبرۂ سلاطین مدفون ساختند"۔ (فتح شاہ کی میت کو کشمیر لا کر مقبرۂ سلاطین میں دفن کر دیا گیا)۔ گویا تاریخ حسن (جلد ۲ ص ۲۳۲ دیکھئے حاشیہ ۱۰۷۴) میں فتح شاہ کے محلّہ سہہ یار میں دفن کئے جانے کی بات غیر صحیح ہے۔ واللہ اعلم!

۱۰۷۶: **بلور**: صاف و شفاف آبگینہ۔ آئینہ مانند پتھر۔ بہت صاف کیا گیا پتھر یا شیشہ۔ اعلیٰ درجہ کا کانچ۔

۱۰۷۷: **سِکندُھر**: دیکھئے حاشیہ ۱۰۵۹۔

۱۰۷۸: **لول پُوردار**: غالباً لول پور اُڈر (کشمیری میں لول پُور وُڈر)۔ لول پور کا گاؤں چرارِ شریف کے نزدیک سرینگر سے جنوب کی طرف نو دس میل کی دوری پر واقع ہے۔

۱۰۷۹: یعنی بہادر میر۔

۱۰۸۰: یعنی کاجی چک

۱۰۸۱: یعنی مسعود چک ابن کاجی چک

۱۰۸۲: یعنی تازی چک (یا تاجی چک)۔

۱۰۸۳: **قصبہ شہابدِین**: غالباً شادی پور قصبہ سے مراد ہے جسے سلطان شہاب الدّین (۱۳۵۴ء تا ۱۳۷۳ء = ۷۵۵ھ تا ۷۷۵ھ اور بقول مقامی فارسی مورخین ۷۶۱ھ تا ۷۸۰ھ) نے بسایا تھا۔

۱۰۸۴: پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ دولت چک نے شادی پور کے قریب گدائی ملک پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔

۱۰۸۵: **چکری**: یعنی کاجی چک۔ (**چکری** = رتھ میں گھومنے والا)۔

۱۰۸۵ا: **پُشپ سایَک** : غالباً کماندار کے معنی میں ہے۔

۱۰۸۶ا: شادی پور میں، اسی لڑائی میں جس میں گدائی ملک، دولت چک کے ہاتھوں قتل ہوا، مسعود چک، ابن کاجی چک، جسے شُکؔ، مسعود میر، پُشپ سایک اور کمانداروں کا خاص کماندار کے القاب سے یاد کرتا ہے جہانگیر پڈّر یا جہانگیر ماگرے کے خلاف جنگ کے دوران آنکھ میں تیر آکر لگ جانے سے گھوڑے سے نیچے گر کر مر جاتا ہے۔

۱۰۸۷ا: جہانگیر ماگرے سے مراد ہے۔

۱۰۸۸ا: یعنی دولت چک، جو کاجی چک یا بقولِ شُکؔ، چکریش کا بھتیجا تھا۔ محبّ الحسن نے دولت چک کو کاجی چک کا بھانجا لکھا ہے (چکریش کے معنی ہیں دنیا کا حکمران، پادشاہِ عالم، عالم پناہ)۔

۱۰۸۹ا: یعنی سال ۱۵۲۲ء (۹۲۹ھ)۔

۱۰۹۰ا: **حبیب خان**: سلطان فتح شاہ کا دوسرا فرزند تھا۔ اس کا اوّلین فرزند سکندر شاہ تھا، دوسرا حبیب شاہ اور تیسرا نازک شاہ تھا۔ شُکؔ کے بقول شہزادہ حبیب خان گویا اپنے والد سلطان فتح شاہ کے پہلو میں مزارِ سلاطین میں مدفون ہے۔

۱۰۹۱ا: **پرتی ہار**: دروازہ، بڑا دروازہ جسے انگریزی میں Gate کہتے ہیں۔ پھاٹک (عربی میں بابؔ)۔ دربان، پھاٹک کا محافظ، پاسبان، ڈیوڑھی بان، قید خانہ کا داروغہ۔ بادشاہ کا حاجب، مسخرہ، مسخرگی، چال۔

۱۰۹۲ا: **سچی**: اندر دیوتا کی بیوی کا نام۔

۱۰۹۳ا: **کَندرپ** : محبت کے دیوتا کام کا ایک نام (ہندو اساطیر کا Cupid کیوپڈ)۔

۱۰۹۴ا: **رتی**: جذبۂ شہوت جسے کام دیو کی بیوی کے ساتھ مجسم کیا گیا

ہے (ہندو عقیدے میں) [رتی = خوشی، مسرت، عیش، خواہش، محبت، لگاؤ، شوق، جذبۂ شہوت، جنسی ملاپ]۔

۱۰۹۵: **کنچن چکر**: یعنی کاجی چک [**کنچن** ہندی لفظ ہے جس کے معنی ہیں سونا۔ سونا۔ لوگوں کی ایک ذات (خانہ بدوشوں سے مشابہ) جن کی عورتیں بالعموم ناچتی ہیں]۔

۱۰۹۶: **ریگ چکر**: یعنی ریگی چک۔ دیگر مقتدر چک امراء میں یہ بھی ایک بادشاہ گر قسم کا چک امیر تھا۔

۱۰۹۷: **هستناپور**: ہستن نامی ایک بادشاہ نے اس شہر کو بسایا۔ یہ شہر موجودہ دہلی کے شمال مشرق میں ۵۷ میل دور دریائے گنگا کی ایک قدیم ندی کے کنارے پر واقع تھا اور چندر بنسی خاندان کے حکمرانوں کا دار الخلافہ تھا جیسے کہتے ہیں کہ ایودھیا سورج بنسی خاندان کے حکمرانوں کا دار الخلافہ تھا۔ ہستناپور سے عام طور پر دہلی ہی مراد لی جاتی ہے۔

۱۰۹۸: **ابراهیم**: یعنی ابراہیم لودھی پادشاہِ دہلی جس نے پانی پت میں سال ۱۵۲۶ء میں مغل بادشاہوں کے جدّ ظہیر الدین محمد بابر کے خلاف جنگ کی۔

۱۰۹۹: **کام بھوج**: یعنی افغانستان۔

۱۱۰۰: **وابھور**: یعنی ظہیر الدین محمد بابر، پادشاہِ ہندوستان سال ۱۵۲۶ء-۱۵۳۰ء (۹۳۳ھ-۹۳۷ھ)۔

۱۱۰۱: شُکؔ نے بھی غیر ملکی مسلمانوں کو یاون کہا ہے اور یہاں پر خاص کر مغلوں کو۔

۱۱۰۲: **گج کا مالک**: یعنی ابراہیم لودھی۔ (گج = دہلی)۔

۱۱۰۳: **چیره ڈار**: چیرہ اُڈر (کشمیری میں ژیرہ وُڈر)۔

۱۱۰۴: **جَالَدُرمُگَدَ** : موجودہ ذال ڈگر جو سرینگر کا ایک معروف محلّہ ہے۔

۱۱۰۵: **کج آشرم** : کِچھامہ، یہ گاؤں بارہ مولہ سے ۵؍میل دور جنوب مغرب میں واقع ہے۔ شکَ نے ہامہ یا کشمیری ہوم کی جگہ آشرم کا استعمال کیا ہے۔[آشرم (سنسکرت) یا آسرم (ہندی) کے معنی ہیں مکان۔ رہائش گاہ۔ زاہد کی جگہ یا کسی مذہبی طالب علم کا مکان۔ کالج۔ سکول۔ کشمیری میں ہوم۔ جیسے کچ آشرم یعنی کِچِ ہوم چھتر آشرم یعنی چھتر ہوم وغیرہ]

۱۱۰۶: **اِسکندر خان** : یعنی سکندر شاہ فرزند سلطان فتح شاہ۔ سبھی مورخین نے لکھا ہے کہ اس کی آنکھیں نکال دی گئیں اور چند دنوں کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ تاریخ حسن (جلد ۲؍ص ۲۳۴) میں مزید آیا ہے کہ اسے والہ گری محلّہ (سری نگر) میں دفنا دیا گیا۔

۱۱۰۷: **سارس** : سر یعنی جھیل یا تالاب کے ساتھ رہنے والا پرندہ جسے انگریزی میں Crane یا Ardea Antigone یا A.Sibirica کہتے ہیں۔ اسے لق لق، کونج، کلنگ اور سارس بھی کہتے ہیں۔ اس کی ٹانگیں پتلی اور خاصی اونچی اور اس کی منقار تیز نوکیلی اور لمبی ہوتی ہے۔

۱۱۰۸: **کرتِ آشُرَم** : غالباً کِچ آشُرم

۱۱۰۹: **عالی میر** : یعنی ملک علی چاڈورہ

۱۱۱۰: تاریخ حسن (جلد دوم ص ۲۳۵) میں آیا ہے کہ کاجی چک نے محمد شاہ کو سلطنت سے معزول کر کے اس کو چند خاص آدمیوں کے ہمراہ لدنامی گاؤں میں (یا مقام پر)، جو ایک پہاڑی درّے میں تنگ جگہ ہے قید کر دیا۔

۱۱۱۱: **رُدرَ** : دھاڑنے والا۔ چنگھاڑنے والا۔ (بعد کے اساطیر میں) طوفانوں کا دیوتا (ہندو مذہب میں)۔ شِو کا ایک لقب۔ شِو کے پست

درجے کے مظاہر کا لقب جیسے طوفانوں کی گرج کی تجسیم۔ (رُدْرَ کی بیوی کو رُدْرانی کہتے ہیں جو درگا ہے)۔

۱۱۱۲: **ابراھیم شاہ**: تاریخ حسن (جلد ۲ رص ۲۳۵۔۱۳۷) میں آیا ہے کہ سلطان ابراہیم ابن محمد شاہ نے سال ۹۳۸ھ میں [ذیلی یادداشت = صاحب تاریخ فرشتہ نے محمد شاہ کی پوری مدت سلطنت پچاس سال بتائی ہے اس کے بعد اس کے بیٹے شمس الدین ابراہیم کا تاریخ جلوس لکھا ہے جو اس کے مطابق ۹۴۱ھ (۱۵۳۴ء) تھا] کاجی چک کی اعانت سے بادشاہی تاج سر پر رکھا۔ سلطنت کا نظام بندوبست کاجی چک کے قبضۂ اقتدار میں رہا۔ علی رینہ قید سے رہا ہوا اور وہ نوشہرہ میں ریگی چک اور ماگرے فرقے کے ساتھ جاملا۔ ابرہیم ماگرے کومک اور مدد کی خواستگاری کے لیے بادشاہ بابر کے پاس چلا گیا اور خسروانہ نوازش پاکر وہاں سے شیخ علی بیگ کی سرکردگی میں بیس ہزار سواروں کی لشکر جرار [ذیلی یادداشت = نارائن کول عاجز کی روایت سے آٹھ ہزار سواروں سے اس کی مدد کی گئی] کے ہمراہ سال ۹۳۸ھ (۱۵۳۱ء) میں کشمیر میں داخل ہوا۔ ادھر سے کاجی چک نے کوہ شکوہ دلاوروں کی جماعت کے ساتھ مقابلے کا علم لہرایا اور بانگل پرگنہ میں فریقین میں جنگ ہوئی۔ ملک تازی چک، جو لشکر کی پشت پناہ تھا جنگ میں آگے بڑھا لیکن اچانک موت کے عقاب کے پنجے میں گرفتار ہوا۔ اس کے بعد ترکوں کے نامی بہادروں میں سے ایک ترک، جو رستم و اسفندیار کو بھی اپنی گرد نہیں سمجھتا تھا، کاجی چک کے مقابلے میں آیا۔ طرفین نے ایک دوسرے پر خوب حملے کئے، آخر کاجی چک کے ہاتھوں خاک ہلاکت کے ساتھ یکسان ہوا۔ اس جانفرسا معرکہ میں ہرچند کاجی چک کے فوج کے دلاوروں نے شجاعت و مردانگی کی داد دی اور بہادری و دلاوری کا مظاہرہ کرنے میں کسی بھی لمحے کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا لیکن

چونکہ تقدیر کا قلم ان کی شکست ہو جانے پر چل چکا تھا اچانک ان کی ہزیمت ہوئی اور دشتِ فلاکت میں بکھر گئے اور ان کے بہت سے نامی دلاور جیسے مسیچی چک، سرہنگ چک، تازی چک اور سہہ چک وغیرہ اپنے لواحقین اور پیروکاروں سمیت فنا ہو گئے۔ سید ابراہیم خان، دولت چک اور غازی چک، جو مردانِ کاری تھے، ترکوں کے ہاتھوں اسیر ہو گئے۔ ملک کاجی چک مخذول و مجروح اور نیم جان ہو کر گکھروں کے ملک کی طرف فرار کر گیا۔ سید ابراہیم خان اور دولت خان کو گرفتار کر کے شہر کی طرف بھیج دیا گیا۔ راستے میں شام کے وقت دولت چک کشتی میں سے چھلانگ لگا کر ساحل کی طرف بھاگ نکلا اور اس کے متصل واقع پانی کے ایک تالاب میں چھپ گیا۔ محافظین نے اطراف و جوانب سے چالیس پچاس کشتیوں کو جمع کر کے نصف رات تک تالاب میں اس کی تلاش کی۔ دولت چک پانی میں گلِ نیلوفر (کنول) کے ایک پتے کو سر پر رکھ کر چھپ گیا تھا اور منہ باہر رکھتے ہوئے سانس لے رہا تھا۔ کشتیاں جب چلی گئیں تو دولت چک پانی سے نکل آیا اور بھاگ گیا۔ سید ابراہیم خان اور غازی چک ان کی قید میں رہ گئے اور ماگرے فتح کے ڈھول بجاتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے۔ ابراہیم شاہ کی مدت حکومت کل دو سال تھی [ذیلی یادداشت = آئین اکبری جلد دوم ''دو ماہ تھی'']۔ **واقعات کشمیر** کے مؤلف نے سلطان محمد شاہ کے بیٹے سلطان ابراہیم شاہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے جو واقعی تعجب خیز ہے بلکہ سلطان محمد شاہ کے دوسرے بیٹے سلطان اسماعیل شاہ کے فرزند سلطان ابراہیم شاہ کا ذکر فقط نام لے کر ہی کیا ہے۔ **بہارستانِ شاہی** میں تاریخ حسن میں درج حالات و واقعات کی ہی تکرار ہے۔ **مجموع التواریخ** کے مؤلف نے بھی واقعات کشمیر کی پیروی میں سلطان محمد شاہ کے بیٹے سلطان ابراہیم شاہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ پروفیسر

محب الحسن کی کتاب میں (اردو ترجمہ) **کشمیر سلاطین کے عہد میں** (ص ۱۷۶) پر آیا ہے کہ ''سلطان ابراہیم شاہ [ذیلی یادداشت = ابراہیم شاہ اپنے باپ کے ساتھ ابراہیم لودی کے پاس گیا تھا محمد شاہ مدد ملنے پر واپس چلا آیا لیکن ابراہیم، لودی کے پاس رہا۔ پانی پت کی جنگ کے بعد جس میں وہ لودیوں کی طرف سے بابر کے خلاف لڑا تھا، ابراہیم کشمیر واپس ہوا (میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۵/الف۔ فرشتہ ورق ۶۷۴۔ شُکَّ ص ۳۶۳)] برائے نام حکمران تھا کیونکہ اصل حکومت تو کاجی چک کے ہاتھ میں تھی۔ فوراً ہی ملک علی چاڈورہ، ریگی چک اور ماگرے سردار، جو جلاوطنی کے دن گذار رہے تھے، نوشہرہ میں اکٹھا ہوئے اور انہوں نے ابدال ماگرے کو کاجی چک کے خلاف کمک حاصل کرنے کے لیے شہنشاہ بابر کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ ابدال، دہلی کے لیے روانہ ہوا اور شہنشاہ (بابر) نے اس کا خیر مقدم بڑی تعظیم کے ساتھ کیا اور اپنے دو سپہ سالاروں شیخ علی بیگ اور محمد خان کی سرکردگی میں ایک فوج بھی دی (ذیلی یاد داشت = بہارستانِ شاہی ورق ۱۹۲/الف، حیدر ملک ورق ۱۳۷/الف، میونخ قلمی نسخہ ورق ۱۸۵/الف، تاریخ حسن جلد ۲/ورق ۱۲۰/ب پر درج ہے کہ بابر نے ابدال کو بیس ہزار کا لشکر دیا لیکن یہ غلط ہے۔ شُکَّ ص ۳۶۴/ پر اس تعداد کو ایک ہزار بتاتا ہے۔ طبقات اکبری اور فرشتہ نے کوئی تعداد نہیں بتائی ہے)۔ اس مغل فوج کو لے کر کشمیری سردار کشمیر پر حملہ کرنے چلے لیکن یہ سوچ کر کہ کشمیر کے عوام مغلوں کی آمد کو ناپسند کریں گے، ابدال ماگرے نے فتح شاہ کے لڑکے نازک شاہ کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا (ذیلی یادداشت = میونخ قلمی نسخہ ورق ۸۵/الف، شُکَّ ص ۳۶۵۔ حیدر ملک اور بہارستانِ شاہی میں نازک شاہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ فرشتہ نے غلطی سے لکھا ہے کہ نازک شاہ، ابراہیم شاہ کا لڑکا تھا) اسکا نام نادر شاہ تھا۔

۱۵۲۸ء کے موسم بہار کے شروع میں باغی سردار، نازک شاہ اور مغل فوج کے ساتھ کشمیر میں داخل ہوئے۔ یہ خبر سن کر کاجی چک نے ان کے خلاف فوج کشی کی اور ان سے تاپر کے مقام پر نبرد آزما ہوا۔[ذیلی یاد داشت = برِگس (Briggs) ج ۴ ص ۴۹۰۔ تاپر ایک اہم گاؤں ہے جو بارہ مولہ سے سری نگر جانے والی سڑک پر عرض البلد ۳۴/۱۲ اور طول البلد ۳۴/۴۷ میں واقع ہے اس کا قدیم نام پرتاپ پور تھا۔ (اسٹائین ج ۲ ص ۴۸۲)] اگر چہ وہ اور اس کے ساتھی بڑی بہادری سے لڑے لیکن ہار گئے۔ اس میں بہت سے چک امراء تازی چک کے ساتھ کام آئے۔ کاجی چک بچ کر نمک کے پہاڑ کی طرف بھاگ گیا[کنگڈم آف کشمیر میں آیا ہے کہ کاجی چک کو میرزا حیدر دوغلات نے راجوری کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ تاریخ حسن میں آیا ہے کہ کاجی چک، گکھروں کے ملک کی طرف بھاگ گیا (دیکھئے یہی حاشیہ)۔ مجموع التواریخ میں آیا ہے کہ کاجی چک نے دردمند دل کے ساتھ ہندوستان کی طرف فرار کیا اور ٹھٹھ پہنچ کر فوت ہوا ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد] اور سید ابراہیم، غازی چک اور دولت چک گرفتار کر لئے گئے اور محافظ دستہ کی نگرانی میں شہر بھیج دئے گئے لیکن راستہ میں رات کی تاریکی شروع ہوتے ہی دولت چک ایک کشتی میں بھاگ نکلا اور قریب ہی پانی میں اپنے سر کو کنول کے پتوں سے ڈھانپ کر چھپا دیا۔ اس کے محافظوں نے بہت سی کشتیاں لے کر آدھی رات تک اس کی تلاش کی لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔ جب محافظ چلے گئے دولت چک نکل کر بھاگا۔ غازی چک اور سید ابراہیم حراست میں رہے اور ان کو لے کر ماگرے اور مغل فتح و نصرت کے شادیانے بجاتے ہوئے راجدھانی میں داخل ہوئے۔ ماگریوں کی فتح کے بعد ابراہیم شاہ کو جس کو کاجی چک نے سلطان بنادیا تھا اور جو اس کی بہن صالح حاجی (متن میں صالح موج لکھا ہے جو غلط

ہے ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد) کا لڑکا تھا، معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ نازک شاہ کو تخت پر بٹھایا گیا.........."۔

۱۱۱۳: **ناگرام**: یعنی ناگام گاؤں۔

۱۱۱۴: تمام مقامی مورخین نے لکھا ہے کہ ماگرے سرداروں نے ابدال ماگرے (بقولِ شُکَ، مارگیش ابدال) کو کاجی چک کے خلاف کمک حاصل کرنے کے لیے شہنشاہِ بابر کے پاس بھیج دیا۔ شُکَ نے یہ جو لکھا ہے "کہ مارگیش ابدال (ابدال ماگرے) خدمت گذاری کی تلاش (انگریزی ترجمہ میں In search of service آیا ہے اور میں نے اسی کا اردو میں ترجمہ کیا ہے) میں دلی کے بادشاہ اور مغلوں کے سردار وابھورمرجا (بابر مرزا) کے پاس گیا، نادرست ہے۔ ابدال ماگرے بے شک بابر کے پاس فوجی امداد حاصل کرنے کے لیے گیا نہ کہ خدمت گذاری کی تلاش میں۔ چنانچہ آگے چل کر خود شُکَ نے ابدال کی زبانی فوجی امداد اپنے ہمراہ لانے کا ذکر کیا اس خط میں ہے جو ابدال نے کاجی چک کو لکھا۔

۱۱۱۵: **چکرپتی**: یعنی کاجی چک۔

۱۱۱۶: **پنج مهاین** : قیاساً نوشہرہ سے مراد ہے۔

۱۱۱۷: یعنی شیخ علی بیگ

۱۱۱۸: پروفیسر محبّ الحسن نے محمد خان لکھا ہے۔ تاریخ حسن کے مؤلف نے (ج ۲ رصفحہ ۲۳۳) ان دو مغل سپہ سالاروں کا نام توچک بیگ اور شیخ علی بیگ تُرک لکھا ہے۔

۱۱۱۹: **ناجُک**: یعنی نازک شاہ ابن فتح شاہ۔

۱۱۲۰: **پرتاپ پوره**: موجودہ تاپر گاؤں جو سرینگر سے سوپور یا بارہ مولہ جانے والی سڑک پر پٹن سے چار میل آگے ایک معروف گاؤں ہے۔

قدیم زمانے میں یہ پرتاپ پورہ کہلاتا تھا۔ اسے راجہ پرتاپ پیڈ (۶۹۱ بکرمی تا ۱۴۱ے بکرمی) نے بسایا تھا اور اس نے اسی شہر کو اپنی راجدھانی بنالیا۔ اس نے اپنے شاہی محل کے پاس ایک بڑا مندر تعمیر کیا۔ اطراف واکناف کے ممالک سے صنعت کاروں اور حرفت شناس لوگوں کو بلوا کر پرتاپ پورہ میں بسایا۔ چنانچہ مالوہ کے نوُن نامی ایک سوداگر کی خوبصورت بیوی پر عاشق ہو کر اسے اپنے محل سرا میں داخل کرلیا۔ پچاس سال تک اس راجہ نے عدل واحسان کے ساتھ حکومت کی اور سال ۱۴۱ے بکرمی میں فوت ہوا۔ (حوالہ تاریخ حسن ج ۲/ص ۷۹)۔

۱۱۲۱: **نیل آشوَ**: پروفیسر محب الحسن نے ذیلی یادداشت ص ۱۷۸/ (کشمیر سلاطین کے عہد میں) پر لکھا ہے کہ ''اس جگہ کا پتہ نہ چل سکا لیکن بقول اسٹاین ج ۷/نمبر ۱۶۳۱/ حواشی میں آیا ہے کہ یہ مملکت کشمیر کا ایک جزء تھا۔ فرشتہ اور طبقاتِ اکبری میں اس کا نام سیلاہ لکھا ہے لیکن در حقیقت یہ نیلا ہے۔ بہارستانِ شاہی اور حیدر ملک نے صرف اتنا لکھا ہے کہ جنگ پرگنہ بانگل میں ہوئی تھی۔ نیلا یقیناً تاپر کے قریب واقع ہوگا''۔

۱۱۲۲: یعنی ملک ریگی چک

۱۱۲۳: **نازک شاہ**: **تاریخ حسن** (جلد ۲/ص ۲۴۹) میں آیا ہے کہ: ''فتح شاہ کا بیٹا سلطان نازک شاہ (ذیلی یادداشت = میرزا حیدر نے تاریخ رشیدی میں نازک شاہ کو نادر شاہ لکھا ہے۔ اس کی تصدیق ان سکوّں سے ہوتی ہے جو اس کے عہد سے متعلق ہیں لیکن کشمیر کے مورخین نے متفقہ طور پر اسے نازک شاہ لکھا ہے) سال ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ء) میں میرزا حیدر کی پشت پناہی سے تخت سلطنت پر بیٹھا اور میرزا حیدر نے امور سلطنت کے بندوبست اور وزارت کے اہم کاموں پر تسلط پا کر اہل سنت کی امداد و معاونت کی اور رعایا

کے ساتھ احسان والتفات سے پیش آیا اور ہندوؤں سے نرمی و مدارات اور بہبودی و آسودگی کا سلوک کیا۔ قلعہ اندر کوٹ میں اہل وعیال کے ساتھ جا کر رہا......'' اس کے بعد مؤلف تاریخ مذکور نے سلطان نازک شاہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے بلکہ صرف میرزا حیدر دوغلات (یا دوغلت) کے کارناموں کو بیان کیا ہے۔ **واقعاتِ کشمیر** کے مؤلف نے بھی نازک شاہ کے نام کا بس ذکر ہی کیا ہے اور خالص میرزا حیدر دوغلات کی حکومت کے دور کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''نازک شاہ ابن فتح شاہ، ملک عیدی رینہ کے اہتمام اور حسنِ سعی سے تخت پر بیٹھا۔ صرف بادشاہ کا نام اس کے ساتھ لگا تھا جب کہ حقیقت میں تسلط وتصرف میرزا حیدر دوغلات کا تھا......'' اس کے بعد میرزا حیدر کی حکمرانی کا بیان ہے۔ **مجموع التواریخ** کے مؤلف نے بھی سلطان نازک شاہ کا ذکر ایک مختصر سے جملے میں کر کے لکھا ہے کہ ''میرزا حیدر نے فتح وظفر پانے کے بعد خطبہ وسکّہ نازک شاہ کے نام جاری کیا......'' اور اس کے بعد میرزا حیدر کی حکومت کا ذکر کیا ہے۔ **کنگڈم آف کشمیر** میں بھی سلطان نازک شاہ کا مختصر سا ذکر آیا ہے۔ مؤلف نے لکھا ہے کہ ''فتح شاہ کے دو بیٹوں سکندر اور حبیب نے تخت سلطنت کو قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس میں انہوں نے اپنی جانیں گنوا دیں۔ اب اس کے تنہا اور باقی رہنے والے تیسرے فرزند ناک شاہ کی باری تھی۔ وہ بہر حال خوش قسمت تھا۔ چند امراء اور شہنشاہِ بابر کی طرف سے مہیا کی گئی طاقتور امدادی فوج کے ساتھ اس نے سال ۱۵۲۸ء (۹۳۵ھ) میں کشمیر پر حملہ کیا اور کاجی چک کو شکست فاش دی۔ ابراہیم شاہ کو تخت سے اتار دیا گیا اور نازک خان، نازک شاہ کے لقب سے سال ۱۵۲۹ء میں تخت نشین ہوا۔ لیکن نئے سلطان نے مشکل سے ہی شاہی تخت وتاج کا سال بھر تک استعمال کیا تھا کہ اس کے اپنے وزیر اعظم ابدال ماگرے نے نامعلوم وجوہات کی بنا پر

محمد شاہ کو قید سے رہا کر کے اسے تخت پر بٹھا دیا (۱۵۳۰ء)......" اس کے بعد مؤلف نے دیگر مقامی مورخین کی طرف سلطان نازک شاہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ افسوس ہے کہ گیرو دار اور تختوں کے الٹ پھیر کے اس عہد داغدار میں سلطان نازک شاہ مذکور کا تاریخ کشمیر میں دور تک کہیں نام ونشان نہیں ملتا۔

۱۱۲۴، الف: تاریخ حسن میں تین حصوں کی تقسیم کا ذکر ہے ایک حصہ میرزا حیدر، ایک ملک ابدال ماگرے اور ایک ملک ریگی چک کو ملا۔ البتہ محمد شاہ کے پانچویں بار سلطان بن جانے پر (۹۳۶ھ) کشمیر کے چار حصے کر دئے گئے تھے جن کا ذکر شکؔ نے کیا ہے۔

۱۱۲۴: شکؔ نے چک کے لیے چکریش، چک اور چلک کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

۱۱۲۵: شہنشاہ بابر کی موت سال ۹۳۷ھ کو ۵ر جمادی الاوّل میں واقع ہوئی (انگریزی سال ۱۵۳۰ء)۔

۱۱۲۶: یعنی نصیر الدین ہمایون۔

۱۱۲۶، الف: مراد ہے محرم بیگ تاشلیقی جو مغل فوج کا سردار تھا۔

۱۱۲۷: مراد ہے شیخ علی بیگ اوزبک جو محرم بیگ تاشلیقی کے ہمراہ تھا۔

۱۱۲۸: غالباً قطب الدین پور سے مراد ہے۔

۱۱۲۹: **اگرھاین مھینہ**: ہندوؤں میں قمری سال کا آٹھواں مہینہ (غالباً نومبر)۔

۱۱۳۰: **مرجا حیدر**: میرزا حیدر دوغلات (یادوغلت)، شاش، جس کا دارالخلافہ تاشقند تھا، کے حاکم محمد حسین دوغلات کا بیٹا تھا۔ وہ سال ۱۴۹۹ء۔ ۱۵۰۰ء میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں شہنشاہ بابر کی ماں کی چھوٹی بہن تھی۔ جب وہ نو سال کا تھا تو اُزبک حکمران محمد شیبانی خان (۹۰۶ھ تا ۹۱۶ھ) نے اس کے

والد کو جنگ میں قتل کردیا۔ مرزا حیدر کے رشتہ دار اسے بخارا لے گئے جہاں سے وہ بدخشان اوراس کے بعد کابل میں رہا جہاں وہ بابر کے ساتھ اُزبکوں کے خلاف جنگوں میں شریک ہوا۔ بابر کے ساتھ پانچ سال تک رہ کر سال ۱۵۱۴ء میں اسے اپنے چچا سلطان احمد، جو کاشغر اور مغلستان کا حکمران تھا، نے اسے اپنے پاس بلالیا اوراس کے انتقال کے بعد اسکے بیٹے سلطان سعید خان کی ملازمت میں ۱۹/سال گذارے۔ میرزا حیدر دوغلت کی کشمیر پر حکمرانی کرنے کی داستان کشمیر کے مقامی یا کشمیر پر لکھی گئی تمام تاریخوں میں درج ہے ۔ میرزا حیدر نے سال ۱۵۴۰ء سے سال ۱۵۵۱ء تک کشمیر پر حکومت کی (۹۴۷ھ تا ۹۵۷ھ) اور ۸/ماہِ ذی قعد کی رات کو سال ۹۵۷ھ میں شہادت پائی (۱۵۵۰ء) فارسی تواریخ میں یہی تاریخ درج ہے سوائے حیدر ملک اور نارائن کول عاجز کی تاریخوں کے، جنہوں نے سال ۹۵۹ھ لکھا ہے جو اشتباہ ہے۔ میرزا حیدر کشمیر کے مزارِ سلاطین، جو بڈشاہ مزار کے نام سے مشہور ہے، شمالی دیوار کے ساتھ ایک صفّہ پر مدفون ہے۔ اس کی قبر پر یہ فارسی قطعہ کندہ ہے۔

شہِ گُور کان میرزا حیدر ، آخر
بہ مُلک شہادت زدہ کوسِ شاہی
قضایِ الٰہی چنین بود ، تاریخ
شدہ بہرِ وصلش "قضایِ الٰهی" (۹۵۷ھ)

[میں نے کئی بار میرزا حیدر کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھا ہے۔ اللہ اس کی مغفرت فرمائے۔ میرزا حیدر مرحوم نے کشمیر کو ایک نئی صورت بخشی۔ جنگ کے دو جانبہ فطری کشت وخون کے نتائج کو نظر انداز کرتے ہوئے میرزا حیدر کی حکومت مجموعی طور پر تعمیری طرزِ حکومت تھی۔ تسخیرِ کشمیر کے بعد اس نے ملک کو استحکام

بخشا ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ **کنگڈم آف کشمیر** کے مؤلف نے لکھا ہے کہ "میرزا حیدر کی حکمرانی کشمیر میں گیارہ سال (۱۵۴۰ء سے ۱۵۵۱ء) تک رہی۔ اس عرصہ میں اس نے ملک میں نظم وضبط، امن اور عمدہ حکومت قائم کی۔ بیشک اس کی حکومت زین العابدین کے بعد اور شہنشاہ اکبر کے فتح کشمیر کے پہلے کی پُر آشوب تاریخ کشمیر میں ایک خوش آیند وقفہ تھا۔ زین العابدین نے کشمیر میں بہت سے صنایع اور حرفِ وفنون کو رواج دیا لیکن اس کی وفات کے بعد ان میں زوال آیا۔ میرزا حیدر نے ان کی احیاء کے لیے سخت کوششیں کیں۔ بڈشاہ کی طرح اس نے بھی غیر ممالک سے صنعت کاروں اور استادانِ فن کو کشمیر میں بلوا کر اُن کو اپنی فراخدلانہ تربیت میں رکھا۔ امن کی برقراری کے ساتھ، زراعت نے بھی ترقی کی۔ کاشتکاروں کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی گئی۔ اس نے کشمیر کو تباہی اور بربادی کی حالت میں پایا اور اسے کثیر زراعت سے مالا مال ایک ملک میں بدل دیا۔ میرزا حیدر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس نے چند نئے شہر اور قصبے بسائے لیکن متعلقہ شہادت میّسر نہ ہونے کی وجہ سے مورخین اس کی تصدیق کرنے سے کتراتے ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ اس نے کئی عالی شان عمارتیں بنوائیں اور کئی مسجدیں اور حمام بھی بنوائے۔ ان حماموں سے سخت جاڑوں میں بھی مسلمانوں کو عبادت کے لیے گرم پانی مہیار رہتا تھا۔ نئی طرز کی کھڑکیاں اور دروازے بھی ایجاد کیے۔ تعلیم کو ترقی دینے کی خاطر ہر گاؤں میں ایک مدرسہ کھولا۔ میرزا حیدر کی فتوحات اور سیاسی روابط کے نتیجے میں کشمیر کی تجارت خارجی ممالک، خصوصاً وسط ایشیا کے ساتھ بہت بڑھ گئی جس سے لوگوں کی خوشحالی میں اضافہ ہوا...... میرزا حیدر ایک بہادر سپاہی تھا اور اس کی ساری زندگی جرأت مندانہ مہمات کا کارنامہ ہے۔ کوئی بھی بڑی مشکل اور دشوار رکاوٹیں اس کے جوش و ولولے کو پسپا نہیں

کرسکتی تھیں۔ جس کسی جنگ میں شرکت کی گو اس میں مقابلے کی فوج کی تعداد ہمیشہ زیادہ ہوتی تھی لیکن وہ ہمیشہ فاتح بن کر چمکا ہے۔ اسکی زندگی کا خاتمہ بھی، گو ایک حادثاتی خاتمہ تھا، ایک جرأتمندانہ عمل کو انجام دیتے ہوئے واقع ہوا...... اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جانا چاہیے کہ لوگوں کو میرزا حیدر کی حکومت کے بارے میں جو ناراضگی تھی اس کے ذمہ دار خود کشمیر کے چند خود غرض امراء تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ ابدال ماگرے اور ریگی چک ہی میرزا حیدر کو کشمیر میں لانے کے ذمہ دار تھے۔ ان امراء کا خیال تھا کہ میرزا حیدر دوغلات کے ہاتھوں کاجی چک کو ہٹائے جانے کے بعد حقیقی اقتدار اُن کے پاس رہیگا لیکن میرزا حیدر نے کٹھ پتلی بننے سے انکار کردیا اس لیے ان امراء نے اس کو گرادینے کے لیے سازشیں کیں اور میرزا کی خلافِ مصلحت پالیسی اُن کے لیے ایک بہانہ بن گئی اور بالآخر کشمیری امراء کی سازشیں میرزا حیدر کے المناک خاتمہ کے حق میں کچھ کم پایہ ثابت نہیں ہوئیں۔ اس بات کو بھی مان لینا ہوگا کہ میرزا حیدر ایک مہذب آدمی تھا۔ اس نے فن تعمیر ادب اور فن کی تربیت کی موسیقی کا عاشق تھا اور اس کے دربار میں استادانِ فنِ موسیقی کی ایک خاصی تعداد موجود تھی۔ خود اس کے قلم سے نثر اور نظم روان ہوتی تھی۔ کشمیر میں رہ کر اس نے اپنے آثار میں سے مشہور تصنیف **تاریخ رشیدی** فارسی میں لکھی جو وسطِ ایشیا کے مغلوں کے بارے میں ایک یادگار تاریخ ہے"۔

یہ تھے کنگڈم آف کشمیر (انگریزی) کے مصنف ایم ایل کپور کے تاثرات میرزا حیدر دوغلات کے بارے میں۔ **واقعاتِ کشمیر** کا مؤلف خواجہ محمد اعظم دِدّمری لکھتا ہے: "میرزا حیدر مذکور، کاشغر کے حکمران سعید خان کے بھائی کا بیٹا (بھتیجا) اور ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کا خالہ زاد بھائی تھا۔ دینی و رسمی علوم سے بہرہ ور تھا۔ میرزا حیدر کی کتاب تاریخ رشیدی ایک قابل اعتماد

کتاب ہے جو عجیب وغریب واقعات پر مشتمل ہے۔ میرزا کے زمانے میں شہر (کشمیر) کے لوگوں کو بڑے فائدے پہنچے چنانچہ بازاروں میں بدرو اور روشندان اور کاغذ گیر (دریچوں اور پنجروں میں کاغذ لگانا) اور نارہ للّو نامی آگ کے برتنوں میں شالی کو سکھانا اور حمام وغیرہ اسی کے اختراعات ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے عوامی نفع بخش اُمور اس سے منسوب ہیں۔ اگرچہ دس سال تک کشمیر میں حکمرانی کی لیکن کشمیر کے بادشاہ کے نام کے خطبہ وسکّہ کو نہیں ہٹایا......"۔ **تاریخ حسن** (ج ۲/ص ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۶۲) میں آیا ہے کہ: "میرزا حیدر نے ملک کو منظّم کرنے میں پسندیدہ کوششیں کیں۔ ہر صنعت وحرفت کے استادوں کو ہر جگہ سے بلوا کر اس ملک میں رونق پیدا کی اور ان صنائع کو رواج دیا [ذیلی یادداشت = اکبرنامہ ج ا/مترجمہ بیورتج ص ۲۰۴۔ توزک (R.L.B) ج ۲/ص ۱۴۸] حمام کی تعمیر مکہ دار دریچوں کے طاق، پنجروں کی کاغذ گیری، (ذیلی یادداشت = تاریخ اعظمی قلمی ص ۶۹)۔ بازاروں میں بدرو، نارہ للّو (ذیلی یادداشت = نارہ للّو کشمیری لفظ ہے جو دو جُز کا بنا ہوا ہے نار بمعنی آگ اور للّو یعنی بڑا سا برتن) نامی برتنوں میں شالی کو سکھانا، اسی کے اختراعات میں سے ہے اہل فضل وکمال سے محبت کرتا تھا اور علماء کا سخت احترام کیا کرتا تھا۔...... میرزا حیدر سلطان سعید کاشغری کا بھتیجا اور شہنشاہ بابر کا خالہ زاد بھائی تھا۔ نقلی وعقلی علوم وسخن اور شعروسخن میں موزون طبع تھا۔ تاریخ رشیدی اس کی تصنیفات میں سے ہے۔ دس سال کا عرصہ (ذیلی یادداشت = مجموع التواریخ بیربل کاچرو قلمی نسخہ ص ۲۱۴) حکومت میں گزارا لیکن سکّہ اور خطبہ سلطان نازک شاہ کے نام پر ہی جاری رکھا"۔ پروفیسر محبّ الحسن کی کتاب **کشمیر سلاطین کے عہد میں** (اردو ترجمہ ص ۲۱۵) مؤلف مذکور نے لکھا ہے کہ: "میرزا حیدر کے کارنامے اور حالاتِ

زندگی اس کے خالہ زاد بھائی بابر کی یاد دلاتے ہیں۔ بابر کی طرح وہ بھی بلند حوصلہ تھا۔ جسمانی حیثیت سے ہمیشہ چست اور دماغی طور پر ہمیشہ بیدار رہا۔ اسی کیطرح اس میں سخاوت اور شفقت کا مادہ بھرا ہوا تھا۔ وہ نڈر سپاہی اور عظیم سپہ سالار تھا[ذیلی یادداشت = رازی ہفت اقلیم ورق ۳۶۵/الف۔ مصنف تاریخ داؤدی ورق ۱۹۶/الف پر لکھا ہے کہ میرزا حیدر ایک باہمت نوجوان تھا] لیکن بابر کی طرح اس میں بصیرت نہیں تھی اور اپنے عظیم خالہ زاد بھائی کی طرح مصلحت اندیش نہ تھا اور اس میں وسیع المشربی کی بھی کمی تھی لیکن وہ تنگ نظر نہ تھا اور موقع پڑنے پر اپنی عالی ظرفی دکھا سکتا تھا۔ وہ آسانی سے اپنے کو کشمیر کے سلطان ہونے کا اعلان کرسکتا تھا لیکن ایسا کرنے سے گریز کیا.....شروع میں میرزا حیدر نے کشمیر پر انصاف اور اہلیت سے حکومت کی۔ اس نے زین العابدین کے عہد کے کشمیر کے بعض علاقوں کو پھر سے حاصل کیا۔ بہتر حکومت کی۔ تجارت، زراعت اور کاروبار کو ترقی دی لیکن آگے چل کر کشمیری امراء سے تعلقات خراب ہونے پر نظام سلطنت بگڑتا چلا گیا اور کسانوں کو مغلوں کی زیادتیوں سے نہ بچا سکا[ذیلی یادداشت = حیدر ملک ورق ۱۴۶/ب]۔ کشمیر کے ازمنۂ وسطٰی کے بہت کم حکمرانوں نے آرٹ اور کلچر کی ترقی کے لیے میرزا حیدر سے زیادہ کام کیا ہوگا۔ اس لحاظ سے وہ زین العابدین کا بہت بڑا پرستار تھا اور اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس نے مختلف ممالک سے فن کاروں اور کاریگریوں کو بلایا اور ان فنون کو پھر سے زندہ کیا جو مستقل خانہ جنگیوں کی وجہ سے ختم ہو رہے تھے[ذیلی یاد داشت = اکبر نامہ ج ا ص ۴۰۴۔ حیدر ملک ورق ۱۴۶/الف]۔ علماء کی سرپرستی کی اور بچوں کی تعلیم کے لیے ہر گاؤں میں اساتذہ مقرر کیے۔[ذیلی یادداشت = رسالہ در مناقب خلفا ورق ۵۱۳/ب] سرینگر میں متعدد مسجدیں

تعمیر کیں جن میں حمام بھی تھے جو عبادت کے کمروں کو سخت سردی میں بھی گرم رکھتے تھے تاکہ لوگ وہاں نماز پڑھ سکیں اور آرام کر سکیں۔ اس نے بڑی شاندار عمارتیں بنوائیں اور اندر کوٹ میں خوبصورت باغ لگوائے۔ اس نے نئی طرز کی کھڑکیاں اور دروازے ایجاد کئے اور لباس و طعام میں بہت سی اختراعات کیں [نوادر الاخبار ورق ۷۰/ب] میرزا حیدر گوناگوں خوبیوں کا مالک اور صاحبِ کمال حکمران تھا۔ وہ خطاطی، مصوری اور دوسری دستکاریوں میں بڑی مہارت رکھتا تھا [ذیلی یادداشت = بابر نامہ ج ا/ص ۲۲] فنِ موسیقی کا بہت دلدادہ تھا اور کشمیر میں مختلف قسم کے سازوں کو متعارف کیا [ذیلی یادداشت = آئین اکبری جلد ا/ص ۴۰۴/] ۔ جہانگیر لکھتا ہے کہ میرزا حیدر کا دربار فنِ موسیقی کے لیے مشہور تھا [ذیلی یاد داشت = تزکِ جہانگیری ج ۲/ص ۱۴۸/] میرزا حیدر ترکی کا بہت اچھا شاعر تھا۔ فارسی نظم و نثر بھی خوب لکھتا تھا [ذیلی یادداشت = بُلِٹن آف دی سکول آف اورینٹل اینڈ افریکن سٹڈیز جلد ۷/ص ۹۸۷، ۹۸۸ ۔ بابر نامہ جلد ۲/ص ۲۲ ۔ مزید دیکھو رازی ہفت اقلیم ورق ۳۶۵/الف میرزا حیدر کی سیرت کے لیے] ۔ اس نے تاریخ رشیدی کشمیر کے دورانِ قیام میں لکھی۔ اس کے علاوہ جہان نامہ جس کے مصنف کا نام نہیں معلوم ہو سکا، اسی کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔ جہان نامہ ترکی زبان میں جغرافیہ پر ایک منظوم رسالہ ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ۹-۱۵۰۸ء میں بدخشان کے دورانِ قیام میں لکھا تھا [ذیلی یادداشت = بُلِٹن آف دی سکول آف اورینٹل اینڈ افریکن سٹڈیز جلد ۷/ص ۹۸۷، ۹۸۸ ۔ پرشن لٹریچر سٹوری حصہ دوم Phase ۲/ص ۲۷۴] ......" ۔

مجموع التواریخ کا مؤلف پنڈت بیربل کاچرو لکھتا ہے: "میرزا حیدر خداوند اکبر کی تائید سے فتح وظفر سے بہرہ ور ہوا اور سکہ و خطبہ نازک شاہ

کے نام سے جاری رکھا۔ عیدی رینہ کو سپہ سالاری کا عہدہ دیا اور خود اہل فضل و ہنر کی حوصلہ افزائی کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بالخصوص اربابِ موسیقی سے بہت محبت کرتا تھا.....''

البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مندرجہ تاریخ نگاروں نے میرزا حیدر دوغلات کے کشمیر میں جنگوں میں اس کے قتل و غارت کا بھی ذکر ہے۔ جنگ یا جنگوں میں کشت وخون اور قتل و غارت ایک یقینی عمل ہے جو ہمیشہ ہوا، ہورہا ہے اور ہوتا رہیگا خواہ یہ جنگیں سیاسی اغراض کے لیے لڑی گئی ہوں یا مذہبی تعصب کی بنا پر لڑی گئی ہوں یا دینی تعصب کو مٹا ڈالنے کی نیت سے لڑی گئی ہوں یا ملک کی دولت کو لوٹ لینے یا کسی ملک پر قابض ہونے کی نیت سے۔ دنیا میں جنگوں کی اہم وجوہات یہی رہی ہیں اور جنگ کے مقامات پر ہمیشہ مفتوح و فاتح اقوام دونوں نے خدا کی زمین پر خون بہایا۔ وقت گذر جانے پر بالآخر اقوام نے ان جنگوں کو مع ان کے نتائج کے فراموش کرڈالا بلکہ ان وجوہات تک کو بھی بھول گئے جن کی وجہ سے یہ جنگیں ابھری تھیں اور یہی نہ صرف ایک منطقی نتیجہ ہے بلکہ ایک دانشمندانہ فکر بھی!

۱۱۳۱: **بادشاہ سعید خان**: دیکھئے حاشیہ ۱۱۳۰

۱۱۳۲: **کوٹ**: غالباً بلتستان کا علاقہ مقصود ہے۔

۱۱۳۳: **کاس کار**: مراد ہے بلتستان اور لداخ کے لوگ جو میرزا حیدر کی فوج میں راہ میں شامل ہوئے تھے۔

۱۱۳۴: **سکندھر شہر**: مراد ہے موجودہ نوشہرہ جو سلطان زین العابدین کا دارالخلافہ تھا۔

۱۱۳۵: **حاجیہ**: شوپیان سے مراد ہے جو چیرہ اُڈر سرینگر سے شوپیان جانے والی سڑک کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔

۱۱۳۶: **کجّل**: کنگڈم آف کشمیر کے مؤلف نے لکھا ہے کہ راجہ رام دیو (وفات ۱۲۷۳ء) کی وفات کے بعد اس کا متبنیٰ بیٹا راجہ لکھشم دیو جو بھس یگ پورہ کا ایک بڑا برہمن تھا، تخت نشین ہوا۔ لکھشم دیو محض ایک عالم آدمی تھا جو علم کی چھ شاخوں کا دلدادہ تھا اور شجاعت و بہادری سے محروم تھا۔ پس وہ بڑی آسانی سے قتل ہوا جب کہ ایک تُرشک یعنی کجّل نامی ترکی مسلمان نے سال ۱۲۸۶ء میں اس پر حملہ کیا۔ کجّل غالباً ایک منگول تھا لیکن تاریخ حسن (جلد۲رص ۱۵۹) میں آیا ہے کہ ''راجہ لچھمن دیو نے ۱۳۳۴ بکری میں ولی عہدی کا تاج سر پر رکھا اور پست فطرتی وکم ہمتی کی وجہ سے حکومت کا بوجھ برداشت نہ کر پایا۔ اس کے زمانے میں کچل نامی ایک جادوگر، جو طلسمات کے علم اور شعبدہ بازی میں ماہر تھا اور شعبدہ و افسون گری کے زور سے لوگوں کو رلاتا تھا، سیر و سیاحت کی غرض سے کشمیر آیا اور کوہِ سلیمان کے دامن میں قیام پذیر ہوا۔ چونکہ کشمیر کے لوگ بہت ضعیف الاعتقاد لوگ ہیں وہ اس کے پاس جوق در جوق جانے لگے! اور ہزاروں اس کے مکر وفریب کی جال میں گرفتار ہوکر اس کے اطاعت گذار اور فرمان بردار بن گئے یہاں تک کہ اس جادوگر کے دل میں سلطنت پر قابض ہونے کا خیال آیا اور فساد پھیلایا۔ چنانچہ بغیر کسی فوج ولشکر کے شہر کو فتح کرلیا اور ارکان سلطنت اس کا مقابلہ کرنے میں عاجز آ گئے۔ بالآخر سنگرام چندر کے ساتھ متفق ہوکر لشکر کو اکٹھا کر کے کچل ساحر کو مغلوب کر دیا گیا۔ راجہ نے ۱۳رسال اور تین مال تک حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا راجہ سہم دیو سال ۱۳۴۸ بکرمی میں تخت پر بیٹھا (سمہہ دیو ۱۲۸۶ء تا ۱۳۰۱ء)۔ سنگرام چندر نے لار سے خروج کر کے اس نئے راجہ کے خلاف جنگ کی اور جنگ میں قتل ہوا۔ اس کا بیٹا فرمان بردار ہوکر واپس اپنی بستی میں لوٹ گیا۔ ان ہی ایام میں شنکر آچارج، جو وقت کے دانا لوگوں کا رہنما تھا، شہر میں آپہنچا اور اس نے کچل جادوگر سے مباحثہ ومناظرہ کیا

اور اس کے نیرنگ و افسون کو پامال کر کے لوگوں کے ہجوم کی وساطت سے اسے ملک سے نکلا دیا......"۔ تاریخ حسن کے مؤلف نے کچل جادوگر کے ایک ترکی مسلمان ہونے یا اس کے منگول ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

۱۱۳۷: **لدری**: اسے لمبودری اور لِدر بھی کہتے ہیں۔ پرگنۂ لار کے جنوبی پہاڑوں کے برفانی پہاڑوں کے پانی اور کوہِ امرناتھ کے برفاب سے چار ندیاں ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں۔ ایک گوپہ بری کی راہ سے، دوسری داراہ واس پہاڑ سے، تیسری پرگنۂ پھاک کے سرد علاقے میں واقع تارسر نامی چشمے کے پانی سے اور چوتھی شیشرم ناگ کی جھیل کے پانی سے ایک ہی ندی میں تبدیل ہو کر اور دچھن پارہ کے کھیتوں کو سیراب کر کے چار جگہوں پر چار حصوں میں بٹ جاتی ہے اور دریائے جہلم کے ساتھ مل جاتی ہے۔

۱۱۳۸: **اسکندر خان**: والی کاشغر سلطان سعید خان کا بیٹا جسے سلطان موصوف نے اپنی فوجوں کے ہمراہ میرزا حیدر دوغلت کی سرکردگی میں کشمیر کو فتح کرنے کے لیے بھیجا۔

۱۱۳۹: **مارتانڈ**: یعنی مارتانڈِ یشور یا مارتنڈ مندر جو مٹن گاؤں کے قریب سڑک کے کنارے پر واقع ہے۔ شک نے دراصل مٹن کے کریوہ کے دامن میں یا کریوہ کے اوپر جنگ کے واقع ہونے کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ سارا قصبہ جو اب مٹن کہلاتا ہے مارتنڈ کے نام سے جانا جاتا تھا جس کی بگڑی صورت مٹن ہے۔

۱۱۴۰: **علی میر**: یعنی ملک علی چاڈورہ

۱۱۴۱: **وِدُر**: چالاک۔ ہوشیار۔ سازشی، دِھرِت راشٹر اور پانڈو کے چھوٹے بھائی کا نام [دانا۔ عالم۔ ذہین۔ ہنر مند]۔ غالباً یہاں پر ڈرپوک کے معنی میں آیا ہے۔

۱۱۴۲: غالباً عربی رسم الخط میں۔

۱۱۴۳: بقولِ تاریخ حسن (ج ۲ ص ۲۴۲) دہم ماہ ہار، سن کشمیری چہار دہم۔ محب الحسن نے مئی کا مہینہ سال ۱۵۳۳ء (۹۴۰ھ) لکھا ہے اور کنگڈم آف کشمیر میں بھی یہی تاریخ درج ہے۔

۱۱۴۴: محب الحسن نے لکھا ہے کہ "کشمیری امراء سے صلح کی بات چیت میں یہ طے پایا کہ سعید خان (ابن سلطان احمد خانِ مغلستان) کے نام سے خطبہ پڑھا جائے۔ سعید خان کو تحفے تحائف دیے جائیں۔ کشمیری، جو مغلوں کی قید میں تھے چھوڑ دیے جائیں اور اس کے بدلے میں مغل، محمد شاہ کو ادنی کپڑے اور دوسری چیزیں تحفے میں دیں اور محمد شاہ کے بھائی کی لڑکی کی شادی سکندر سلطان سے ہو"۔ اس کے برعکس تاریخ حسن (جلد ۲ ص ۲۴۲) کے مؤلف نے شک کی تائید میں لکھا ہے کہ "میرزا حیدر نے سلطان محمد شاہ کی بیٹی کا عقد سکندر خان سے کیا اور سلطان سعید خان کے لیے بے پایان تحفے تحائف حاصل کر لئے"۔ کنگڈم آف کشمیر میں آیا ہے (ص ۱۷۱۔۱۷۲) کہ (مغلوں نے) امن کی یہ شرائط رکھیں (۱) خطبہ و سکہ سلطان سعید خان پادشاہِ کاشغر کے نام ہوں گے۔ (۲) سلطان محمد شاہ کی بیٹی کا نکاح سلطان سعید خان کے بیٹے شہزادہ سکندر خان کے ساتھ کیا جائے گا۔ (۳) جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے گا اور (۴) سلطان سعید خان اور سلطان محمد شاہ کے درمیان تحفے تحائف کا تبادلہ ہوگا۔ کشمیریوں نے ان شرائط کو قبول کر لیا"۔ پس پروفیسر محب الحسن کا بہارستانِ شاہی کے حوالے سے یہ لکھنا کہ محمد شاہ کے بھائی کی بیٹی کا بیاہ شہزادہ سکندر سے ہوگا، صحیح نہیں ہے۔

۱۱۴۵: **نِشک**: ایک سو آٹھ رتی سونے کا وزن۔ تاریخ حسن (ج ۲ ص ۲۴۳) میں آیا ہے کہ: "سال ۹۴۱ھ (۱۵۳۴ء) ایک عظیم قحط پڑا جس میں

فاقوں کی شدت سے باپ اپنے بیٹوں کا گوشت کھاتے تھے اور غلے کی ایک خروار نے دس ہزار تنگوں کی قیمت پائی۔ لوگوں کی آبادی کے دو حصے تلف ہوئے اور صرف ایک حصہ باقی رہا''۔

۱۱۴۶: **جَن پور**: زین پور

۱۱۴۷: یعنی سلطان شمس الدین شہمیری (۱۳۳۹ء-۱۳۴۲ء = ۷۴۰ھ-۷۴۳ھ = مقامی فارسی مورخین کے بقول ۷۴۳ھ تا ۷۴۷ھ = ۱۳۴۲ء-۱۳۴۶ء)۔

۱۱۴۸: تاریخ حسن (ج ۲/ص ۲۴۳) میں آتا ہے کہ ''سال ۹۴۴ھ (۱۵۳۷ء) میں سلطان محمد شاہ جہان فانی سے جاودانی ملک کی طرف چلا گیا ۔

ز آسمان سر کشیدہ ہاتف گفت

''رفت سلطان محمد از دنیا''

اب کی بار اس نے حکومت میں کل آٹھ سال گزارے (ذیلی یاد داشت = ابوالفضل نے پانچویں بار کی حکومت کو کلی طور پر حذف کردیا ہے)'' ۔ پروفیسر محب الحسن نے لکھا ہے: ''۱۵۳۷ء (۹۴۴ھ) کے تقریباً وسط میں محمد شاہ کا انتقال ہوگیا'' (ص ۱۹۱)۔ کنگڈم آف کشمیر میں بھی آیا ہے کہ سلطان محمد شاہ نے سال ۱۵۳۷ء میں انتقال کیا۔ واقعاتِ کشمیر میں بھی سلطانِ موصوف کی وفات کا سال ۹۴۴ھ (۱۵۳۷ء) آیا ہے۔ بہارستانِ شاہی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: ''سال ۹۴۴ھ (۱۵۳۷ء) میں سلطان محمد شاہ دنیا سے رخصت ہوا۔ اس کی مدت سلطنت تقریباً ۵۱/سال تھی'' [بہارستانِ شاہی کے نامعلوم مصنف کی یہ ۵۱/سال کی کل مدت کشمیر کی کسی بھی تاریخ میں درج مدت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ بہرحال سلطان محمد شاہ کی تاریخ وفات یعنی سال ۹۴۴ھ (۱۵۳۷ء) متفقہ طور پر صحیح ہے۔

۱۱۴۹: **کارتکیہ:** شِو اور پاروتی کے ایک بیٹے کا نام جسے ہندو عام طور پر جب کا دیوتا مانتے ہیں کیونکہ وہ شِو کے گن نامی دیوؤں کے ہجوم خلاف رہنمائی کرتا ہے۔ ایک داستان کے مطابق کارتکیہ، شِو کی تولیدی طاقت پاروتی کی مداخلت کے بغیر شِو کا بیٹا تھا کہ اسے آگ میں ڈال دیا گیا اور اس کے بعد گنگا نے اسے لے لیا جس کی بناء پر اسے کبھی اگنی اور کبھی گنگا کا بیٹا بھی کہتے ہیں جب وہ پیدا ہوا تو اس کی پرورش چھ کرِتکاؤں نے کی [کرِتکا = ہندو دیومالا میں چھ پریاں جنہوں نے جنگ کے دیوتا کارتِکیہ کی دایہ بن کر پرورش کی]۔ چھ پستانوں سے دودھ پی کر یہ بچہ چھ سروں والا بچہ بن گیا۔ کارتکیہ کو کمار، سکندر اور سُبرَھمَنیَا بھی کہتے ہیں۔ اس کا نام اس کی رضاعی ماؤں یا کارتِک مہینے سے جنگ کے لیے بہترین ہونے کی وجہ سے اخذ ہوا ہے۔ بعض اسناد میں اُس سے چوروں کی صدارت کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ پاروتی کو کرتکیہ پرُسُو یعنی کارتکیہ کی ماں کہتے ہیں۔ ہندو دھرم سے مربوط تشبیہات شُکَ کی اپنی ہیں ان تشبیہات سے مسلمان لوگوں کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

۱۱۵۰: **شمس شاہ** : یعنی سلطان شمس الدین **تاریخ حسن** (جلد۲/ص۲۴۳) میں آیا ہے کہ سلطان شمس الدین (ثانی) فرزند سلطان محمد شاہ سال ۹۴۴ھ (۱۵۳۷ء) میں تخت نشین ہوا اور ملک کاجی چک نے وزارت کا علم بلند کیا۔ امراء اپنے اپنے علاقوں پر قابض رہے۔ سلطان ایک بے مسمّیٰ نام کا بادشاہ تھا۔ کل ایک سال حکومت میں گذار کر فوت ہوا۔ **واقعاتِ کشمیر** میں آیا ہے کہ شمس الدّین شاہ فرزند محمد شاہ نے باپ کی وفات کے بعد خداوند خالقِ خیر وشر کے حکم سے بادشاہی پائی۔ ملک کے اختیارات کاجی چک، جس کی بہن محمد شاہ کے نکاح میں تھی، کے ہاتھ میں رہے اور یہ کاجی چک نامی بہادروں میں سے تھا۔ ہندوستان کے غالب آنے والوں کے

خلاف لڑ کر انہیں باہر نکال دینے کی خاطر پہاڑوں پر رہتا تھا۔ کاجی دارو کی سرحد، جو ایک دشوار گذار پہاڑی جگہ ہے، اسی کی اقامت کرنے کی وجہ سے اس کے ساتھ منسوب ہے۔ (سلطان) شمس الدین ایک آزاد بادشاہ نہیں تھا۔ دیرپا نہ تھا اور ایک سال کے بعد سال ۹۴۵ھ (۱۵۳۸ء) میں فوت ہوا۔ **مجموع التواریخ** کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: ''اس (سلطان محمد شاہ) کی وفات کے بعد اس کے بیٹے سلطان شمس الدین نے اپنے سر کو تاج بادشاہی سے آراستہ کیا اور تخت پر بیٹھا اور ملکی اُمور کو کاجی چک، جو اس زمانے میں نامور دلیروں میں سے تھا، کے اختیار کے سپرد کر دیا۔ چونکہ اُس نے (کاجی چک نے) ہند اور کاشغر کی فوجوں کو بھگانے میں بڑی مردانگی کا مظاہرہ کیا اور کاجی دارہ ، جو ہندوستانی پہاڑوں میں بڑی دشوار گذار جگہ ہے، پر بھی اس کا تصرف تھا۔ اس لیے وہ سلطان شمس الدین کو خیال میں نہیں لاتا تھا اور خود ہی ہر کام کو عمل میں لاتا تھا۔ کل ایک سال کا عرصہ بے استقلالی اور پریشان حالی میں گذار کر سلطان شمس الدین نے سال ۹۴۵ھ میں اس سرائے عاریت سے عالم بقاء کا سفر اختیار کیا۔ **بھارستانِ شاھی** میں آیا ہے کہ سال ۹۴۴ھ میں محمد شاہ نے اس دنیا سے رحلت کی اور اس کی مدت سلطنت تقریباً ۵۱ رسال تھی۔ مذکورہ تاریخ میں اس کا بیٹا سلطان شمس شاہ مسندِ حکومت پر بیٹھا اور ایک سال سے زیادہ قائم نہ رہا۔ **کشمیر سلاطین کے عھد میں** (اردو ترجمہ) نامی کتاب میں پروفیسر محب الحسن نے سلطان شمس الدین کے عنوان کے تحت جو کچھ لکھا ہے اسے بیشتر خالص بہارستانِ شاہی کے حوالے سے لکھا ہے مؤلف مذکور نے سلطان شمس الدین (۱۵۳۷۔۴۰ء) کے عنوان سے لکھا ہے کہ ''۱۵۳۷ء کے تقریباً وسط میں سلطان محمد شاہ کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا دوسرا لڑکا شمس الدین تخت نشین ہوا (شک ص ۳۷۵)۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد خانہ جنگی کی

آگ بھڑک اٹھی۔ کاجی چک جو زین پور میں اپنی جاگیر میں تھا اپنے ساتھیوں کو لے کر ماگریوں اور ریگی چک پر حملہ کرنے کے لیے چلا لیکن موخر الذکر اس کی آمد کی خبر سن کر بارہ مولہ کی طرف ہٹ کر چلا گیا۔ کاجی چک نے اس کا تعاقب کیا لیکن دولت چک اور دوسرے سردار جو اس کے حمایتی تھے دشمن سے مل گئے اس لیے ریگی چک پنجاب کی طرف روانہ ہو گیا (بہارستانِ شاہی ورق ۱۰۲ ر ب)۔ ۱۵۳۸ء کے موسم بہار کے شروع میں ریگی چک جموں کے حکمران کی لڑکی سے شادی کرنے کے لیے گیا۔ اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر کاجی چک، گکھر قبیلہ کی مدد سے ماگرے کی جماعت بندی کا خاتمہ کرنے کے لیے وادی میں واپس لوٹ آیا۔ وہ گیسو کے گاؤں (ناگام کے جنوب مشرق میں ایک گاؤں ہے) میں خیمہ زن ہوا اور پھر وہاں سے سوپور کے قلعہ کا محاصرہ کرنے کے لیے بڑھا جہاں ابدال ماگرے، لوہر ماگرے اور چاڈورہ کے سرداروں نے اپنے آپ کو بند کر رکھا تھا کیونکہ ریگی چک کی مدد کے بغیر وہ اپنے آپ کو کاجی چک سے دو بدو لڑنے کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔ ابھی محاصرہ جاری تھا کہ ریگی چک جموں سے واپس آ گیا۔ کاجی نے، دولت چک، غازی چک اور سید ابراہیم کو قلعہ کی ناکہ بندی جاری رکھنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود ایک بڑا لشکر لے کر ریگی چک کے خلاف چل پڑا جو سرینگر پہنچ چکا تھا۔ ریگی چک نے علاء الدین پورہ میں مدافعت کی تیاری کی لیکن سخت جنگ کے بعد اس کو شکست ہوئی۔ اس درمیان میں ماگریوں نے یہ سن کر کہ کاجی شہر کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے سوپور سے کوچ کیا لیکن ان پر کاجی چک کے پیچھے چھوڑی ہوئی فوج نے حملہ کر کے ان کو شکست فاش دے دی۔ ماگرے سرداروں نے اپنی فوج کو پھر سے منظم کرنا چاہا لیکن وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے اور راجوری کی طرف فرار کر گئے۔ ابدال ماگرے کے زوال کے بعد کاجی چک وزیر اعظم بنا۔ کچھ عرصہ بعد شمس الدین خان کا

انتقال ہوگیا......''۔

۱۱۵۱: یعنی موسم بہار۔

۱۱۵۲: یعنی روشن اور آشکار شہرت۔

۱۱۵۳: **کَرنِکار:** ایک خوشبودار پھولوں کی جھاڑی جس پر خوشبودار پھول کھلتے ہیں۔ **منجری** پھولوں کے خوشبودار دستے کو کہتے ہیں۔

۱۱۵۴: مراد ہے غالباً مرزا حیدر دوغلات۔

۱۱۵۵: **ھندو واٹ:** ہندوستان [متن میں جہاں بھی یہ نام آیا ہے اس سے ہندوستان ہی مراد ہے]

۱۱۵۶: پروفیسر محب الحسن نے لکھا ہے کہ کاجی چک بروز جمعہ تھنہ میں بخار میں مبتلاء ہوکر ۱۲ رسمبر ۱۵۴۴ء (۹۵۱ھ) کو انتقال کر گیا [ذیلی یادداشت = بہارستانِ شاہی ورق ۱۱۰، ۱۱۱/الف۔ بہارستانِ شاہی میں یہ غلط لکھا ہے کہ کاجی چک نے دان گلہ میں انتقال کیا تھا۔ دیکھو حیدر ملک، نوادرالاخبار ورق ۶۹/ب Biblio the que National ورق ۴۷/ب]۔ مجموع التواریخ کے مصنف پنڈت بیربل کاچرو وارستہ نے لکھا ہے کہ ''کاجی چک ہندوستان کی طرف چلا گیا اور ٹھٹھہ کے مقام پر اس کی موت واقع ہوگئی''۔ تاریخ حسن (ج ۲/ص ۲۵۳) میں آیا ہے کہ کاجی چک تھنہ کے مقام پر تپ لرزہ (ملیریا) میں مبتلا ہوا اور فوت ہوگیا۔ ''فوت سرور'' (۹۵۲ھ = ۱۵۴۵ء) تاریخ ہے۔ بہارستانِ شاہی میں آیا ہے کہ ۲۳/ جمادی الآخر ۹۵۲ھ میں ہندوستان میں فوت ہوا۔ تاریخ وفات ہے فوتِ سرور جو ۱۱/ ستمبر ۱۵۴۵ء کے برابر ہے۔ فرشتہ نے بھی (ج ۲/۳۵۵) پر یہی تاریخ لکھی ہے۔

۱۱۵۷: **مرجا مشغول:** قیاساً مرزا حیدر دوغلت سے مراد ہے۔

۱۱۵۸: **دیوان**: دفتر محاسبہ، دفتر حساب۔ آمدنی اور خرچہ کو ضبط کرنے کا دفتر۔ خزانہ داری کا دفتر۔ کچہری۔ دارالخلافہ۔ حاکم۔

۱۱۵۹: یعنی سال ۱۵۴۶ء (۹۵۳ھ)۔

۱۱۶۰: یعنی سال ۱۵۵۴ء (۹۶۲ھ)۔

۱۱۶۱: **تاریخ حسن** (جلد اوّل ص ۴۶۸، ۴۶۸) میں آیا ہے کہ:

"بادشاہ اسماعیل شاہ ثانی (۹۵۸ھ۔۹۶۱ھ) کے عہد میں ایک سخت بھونچال آیا جو گویا قیامت کا بھونچال تھا۔ لوگوں کے مکانات مع لوگوں کے زمین میں دھنس گئے اور خاک کے ساتھ برابر ہو گئے۔ زمین کی سطح وسیع میں شگاف ظاہر ہوئے۔ بعض قدیم چشمے غائب ہو گئے اور نئے چشمے پھوٹ پڑے۔ ایک زلزلہ ایک ہفتے تک قائم رہا اور عجیب عجیب واقعات رونما ہوئے۔ کہتے ہیں نندہ مرگ کے متصل آڈون پرگنہ میں حسن پور اور حسین پورہ نامی دو گاؤں دریائے وِیشو کے کنارے ایک میل کی مسافت پر ایک دوسرے کے مقابل واقع تھے نصف رات کے وقت دونوں کی آباد زمینیں بدل گئیں اور حسین پورہ کی جگہ پر **حسن پورہ** اور **حسن پورہ** کی جگہ پر حسین پورہ آ گیا اور حسن پورہ کے رہنے والوں کی زمین حسین پورہ کی طرف میں ہے اور دریائے وِیشو بیچ میں واقع دونوں گاؤں سے گزرتا ہے اور یہ واقعہ کشمیر میں ضرب المثل ہے۔ تاریخ حسن (جلد ۲ / ص ۲۶۸، ۲۶۹) میں بھی اس واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ واقعاتِ کشمیر (ص ۸۸) میں آیا ہے کہ: "مراج پرگنہ میں بیجبہاڑہ گاؤں سے نیچے نندی مرگ کے قریب دریائے بہت (جہلم) کے دونوں اطراف کے مقابل میں حسن پورہ اور حسین پورہ نام کے دو گاؤں واقع تھے ایک نصف رات کو دونوں گاؤں کی آباد زمینیں زمین میں دھنس گئیں اور حسن پورہ کی جگہ پر حسین پورہ اور حسین پورہ کی جگہ پر حسن پورہ آ گیا چنانچہ ابھی بھی زراعت کی تبدیلی

اس کیفیت پر شاہد ہے اور لوگ آج تک وہاں اس بات کو نقل کرتے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد ہی سلطنت میں انقلاب آ گیا''۔

۱۱۶۲: **دولت چکّ**: یعنی دولت چکّ، چکّ طائفہ کا اہم رئیس۔

۱۱۶۳: **ھمای**: مراد ہے پادشاہ ہمایوں ابن بابر۔ [ھمای کو ھُما بھی کہتے ہیں جس کے لغوی معنی فرخندہ یا مبارک و خجستہ ہیں۔ ھمای یا ھُما روزانہ شکار کرنے والے پرندوں کی نسل سے تعلق رکھتا ہے جس کا قامت نسبتاً سخت تر ہے۔ اس کے اوپر کے پر اس کی کمر سفید مائل خاکستری رنگ کے، اس کے سینہ کا رنگ حنائی مائل زرد ہوتا ہے اور اس کے سر کے اوپر قدرے اونچے چند عدد پَر ہوتے ہیں جو دونوں طرف سے نکلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی چونچ کے نیچے بھی چند پر بڑھے ہوئے ہوتے ہیں جن سے اس کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگرچہ طبقہ بندی میں ھُما شکاری پرندوں میں شمار ہوتا ہے لیکن اسکی غذا فقط ہڈیاں ہوتی ہیں۔ ھُما ہڈیوں کو زمین سے اٹھالیتا ہے اور اوپر اڑ کر ان کو چٹانوں پر پھینک دیتا ہے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے پر ان کو کھاتا ہے۔ قدیم لوگ اس جانور (ھُما) کو سعادت و خوش بختی کا موجب جانتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ جس کسی آدمی کے سر پر اس کا سایہ پڑے گا وہ سعادتمند اور خوش قسمت آدمی بن جائے گا۔ ھُمایوں دراصل ھُما گون یا ھُمای گوُن ہے یعنی ھُما مانند یا ھُمای مانند اور ھمایوُن کے معنی مبارک، خجستہ، خوش بخت، سعادت مند، میمون اور خوش قسمت کے ہیں۔ اکثر بادشاہ اور کبھی کبھی وزیر کے لیے بھی آتا ہے۔ یہ ایرانی موسیقی کا ایک مقام بھی ہے ھُما ایران کے بادشاہ بہمن کی بیٹی کا بھی نام تھا جس کا بیٹا داراب تھا]۔

۱۱۶۴: **اَجھمای**: افسوس ہے کہ مغلیہ دور کی تاریخ لکھنے والے تاریخ نویسوں نے کشمیر کے تعلق سے کشمیر میں ابتدائی مغل بادشاہوں کے

زرمیہ کارناموں یا مساعی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ اس بارے میں یورپی مورخین بھی مستثنیٰ نہیں۔ گویا ان سارے مورخین نے کشمیر کے قدیم فارسی یا سنسکرت منابع کو نظر انداز کر کے کامل مغلیہ دور کو نامکمل چھوڑ دیا ہے۔ شُکؔ کی چشم دید اور معاصرانہ اطلاعات تاریخی اعتبار سے کشمیر کی مناسبت سے بڑی اہم ہیں اور بلاشک تازہ ہیں۔ ان اطلاعات پر تحقیق کرنے کی بڑی ضرورت ہے تاکہ کشمیر کی تاریخ میں وسعت پیدا ہوجائے اور یہ چند ایسے تاریخی اطلاعات کی حامل بن جائے جو اپنی اہمیت میں منفرد ہوں گے۔ شُکؔ نے اَجھمائیؔ کو ہمایوںؔ کا دشمن کہا ہے۔ ہمایوںؔ کے دشمنوں میں اس کا بھائی کامران، سہسرام کا شیر شاہ سوری اور سکندر شاہ سوری جو پنجاب کا بادشاہ تھا سخت ترین دشمن تھے۔ ان میں اوّلین دو دشمن کشمیر کی طرف نہیں آئے البتہ سکندر سوری کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ ہمایوںؔ سے شکست کھا کر کوہِ شوالک کے علاقہ میں چلا گیا۔ شوالک کشمیر کی سرحد میں واقع ہے اور ممکن ہے کہ سکندر شاہ سوری فرار کی حالت میں کشمیر میں اپنی بچی کھچی لشکر کے ہمراہ پناہ لینے کی خاطر آگے بڑھ چکا ہو۔ یہ میرا ذاتی خیال و قیاس ہے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ اجھمائی نام کا کوئی سردار تھا جو ہمایوںؔ کا دشمن تھا۔

۱۱۶۵: **ناجُکؔ**: یعنی سلطان نازک شاہ۔ دیکھئے حاشیہ ۱۱۲۳۔

۱۱۶۶: **بادشاہ حبیبہ**: مراد ہے سلطان حبیب شاہ۔ **تاریخ حسن** (جلد ۲ ص ۲۷۰، ۲۷۱) میں آیا ہے کہ: ''سلطان حبیب شاہ نے سال ۹۶۱ھ (۱۵۵۳ء) میں غازی خانؔ کی پشت پناہی سے بادشاہت کا مسند پایا اور غازی خان نے مملکت کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لیا۔ ایک سال کے اختتام پر ایک روز حبیب شاہ نے تخت شاہی پر بڑے کرّ و فر سے سخت پاد چھوڑ دیا جس کی صدا سے اہل دربار شرمندہ ہوئے۔ علی خانؔ نے جوش میں آکر اس کے سر

پر سے شاہی تاج اٹھا کر غازی خان [ذیلی یادداشت = لیکن واقعات کشمیر اور حیدر ملک دونوں مورخین نے پاد چھوڑنے کا ذکر کرنے میں خاموشی اختیار کی ہے۔ حیدر ملک کی تاریخ کشمیر میں یہ عبارت درج ہے " سال ۹۶۲ھ میں جب کہ دربار میں بیٹھا ہوا تھا احکامِ صادر کرنے میں غلطی کی جس سے اکثر ارکانِ دولت شرمندہ ہوئے غازی خان کے بھائی علی خان نے حبیب شاہ کے سر پر سے تاج اٹھا کر غازی خان کے سر پر رکھ دیا"] کے سر پر رکھ دیا اور حبیب شاہ کو شاہی دربار سے باہر نکال دیا۔ اس طرح سے سلاطینِ کشمیر کی بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا......"۔ **مجموع التواریخ** میں آیا ہے کہ " غازی چک نے سلطان اسماعیل شاہ کے بیٹے حبیب شاہ کو خواہرزادگی کی قرابت کی بناء پر سال ۹۶۱ھ میں مسند نشین کرایا اور وہ ایک سال تک فرمانروا رہا۔ ایک دن احکامِ حکمرانی کے دوران اس سے ناشائستہ بات نکلی جو حاضرینِ دربار کے لیے ننگ کا باعث بن گئی۔ اس لیے علی چک نے اس کے سر پر سے تاج اٹھا کر غازی چک اپنے بھائی کے سر پر رکھ دیا" **واقعات کشمیر** کے مؤلف نے لکھا ہے کہ " سال ۹۶۱ھ میں اس ملک کی آزادانہ حکومت ہر خاص و عام کے اتفاق سے حبیب شاہ ولد اسماعیل شاہ کے نام سے، جو غازی چک کا بھانجا تھا، مسلّم ہو چکی تھی چونکہ اس کام کے لیے اس میں لیاقت نہیں پائی گئی۔ سال ۹۶۲ھ میں غازی چک کے بھائی علی خان نے حبیب شاہ کے سر پر سے تاج اٹھا کر اپنے بھائی کے سر پر رکھ دیا اور بادشاہت غازی خان کے نام مقرر ہوگئی ......" **کنگڈم آف کشمیر** میں آیا ہے کہ: " اسی دوران اسمٰعیل شاہ کی موت واقع ہوگئی اور اس کے بعد اس کا بیٹا حبیب شاہ تخت نشین ہوا جو غازی چک کا بھانجا تھا۔ ......اندرونی اور بیرونی دشمنوں پر پے در پے فتح حاصل کرنے کی راہ سے غازی چک متکبر بن گیا اور اس نے حبیب شاہ کو

برائے نام بادشاہ بھی خاطر میں نہ لایا۔ چنانچہ سال ۱۵۶۱ء میں اس نے حبیب شاہ کو تخت سے اتار دیا اور خود ناصر الدین محمد غازی شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا"۔

۱۱۶۷: مقامی تاریخوں میں لکھا ہے کہ حبیب شاہ نے ایک سال تک حکومت کی۔

۱۱۶۸: **غناج خان**: یعنی غازی خان۔ **تاریخ حسن** (جلد ۲، ص ۲۷۲) میں آیا ہے کہ: "کاجی چک کے بیٹے غازی چک نے سال ۹۶۲ھ میں قسمت کی یاوری اور اقبال کی مدد سے اپنے سر پر اجلال کے تخت پر بیٹھ کر بادشاہی کا تاج رکھا۔ کشمیر کے پہاڑوں میں واقع مضافات جیسے لداخ، اسکردو، گلگت اور کشتواڑ وغیرہ کو کمالِ شجاعت کے ساتھ فتح کر کے ان تمام جگہوں پر اپنے فوجدار مقرر کیے۔ اس کے بعد لشکر اور سپاہیوں کی جماعت کو ہمراہ لے کر گکھڑوں کے ملک پر حملہ کیا اور کمال خان گکھر، جو اس قوم کا سرغنہ تھا، کی بیٹی کو اپنے عقد میں لے آیا۔ وہاں سے پکھلی کے حدود میں جا کر اس علاقے کو اپنے قبضۂ اقتدار میں لا کر لوٹ آیا اور اس کے بعد گلگت اور داردو کا رُخ کیا اور ان علاقوں کو فتح کر لیا۔

تنبیہہ وہ سفا کی اور خونریزی، نظم ونسق، اعضاء کو کاٹ ڈالنے، آنکھیں نکالنے اور عدل وانصاف اور رعایا پروری میں ممتاز تھا[ذیلی یادداشت = ملک حیدر چاڈورہ اور ملّا سعد اللہ شاہ آبادی لکھتے ہیں کہ وہ عدل وانصاف کے لیے اپنے حقیقی فرزند حیدر خان کو اس کے خالو ملک محمد کو قتل کر دینے کی پاداش میں قتل کرنے سے بھی باز نہ رہا۔ اس ضمن میں اوّل الذکر سے مربوط روایت یہ ہے کہ: چنانچہ مشہور ہے کہ اس نے اپنے فرزندوں میں سے راست زو تر فرزند حیدر خان کے ملازموں میں سے ایک ملازم کے، جس نے کسی پر زیادتی کی

تھی، ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم دیا۔ یہ عمل حیدر خان کی طبیعت پر گراں گذرا اور اس کے دل میں بغاوت کر دینے کا خیال آیا...... خانِ مذکور (غازی خان) نے بیٹے کو نصیحت کرنے کی خاطر ملک محمد چندو، اس کے خالو، کو بھیج دیا۔ گفتگو کے دوران ملک محمد نے کوئی نا ملائم سی بات کہہ دی اور خان زادہ نے اپنے خالو کو قتل کر دیا۔ غازی خان نے بھی اپنے بیٹے کو قتل کر ڈالا اور پدرانہ شفقت نے کوئی کام نہیں لیا'' اور ثانی الذکر سے مربوط روایت ہے:

گشت از بسکہ در عدالت خاص
کشت فرزندِ خویش را بقصاص

تاریخ کشمیر ص ۶۱۔ باغ سلیمان ص ۲۵۵] اور شیعہ مذہب کو کُلّی طور پر رواج دیا اور سنّی مسلمانوں کو ترکِ مذہب پر مجبور کیا۔ تب امراءِ کشمیر اپنی ذاتی سیرت کے موجب اس کی مخالفت و منازعت کرنے پر آمادہ ہو گئے اور فتنے اٹھائے بلکہ غازی خان اور حسین خان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ غازی خان اُن کی اس حرکت سے مطلع ہوا اور اس نے نصرت چک اور یوسف چک کو، جو ریگی چک اور شنکر چک کے بیٹے تھے، اپنے پاس بلا کر نرمی و مدارات کے ساتھ مخالفت اور دشمنی برتنے کے بارے میں شکایت کی۔ اسی حالت میں اُن کے بھائی آ پہنچے اور ان کو مجلس سے اٹھا کر لے گئے۔ دوسرے روز نصرت چک اور اس کی جماعت نے شہر کے پلوں کو کاٹ کر جنگ کے اقدامات کئے۔ غازی خان نے کشتیوں کے ذریعے سے دریا کو پار کر لیا اور جنگ و جدال کر کے نصرت چک کے بھائیوں اور اس کی جماعت کے بعض آدمیوں کو قتل کر دیا اور نصرت چک اور یوسف چک کو زنجیروں میں باندھ کر قید میں ڈال دینے کے بعد اُن کے متعلقین کو تتر بتر کر ڈالا۔ کچھ عرصے کے بعد شنکر چک، بہرام چک اور فتح چک وغیرہ نے قصبۂ سوپور میں جمع ہو کر بغاوت کا علم بلند کیا۔ غازی

خاں نے بھاری لشکر کے ہمراہ مقابلہ کرنے کے لیے وہاں جاکر ان کو شکست دی اور قتل کر دیا۔ بہرام چک کو کھو یہامہ میں گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ یوسف چک کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی اور اس کے بھائی ابراہیم چک کو تلوار کی مار سے گذار دیا۔ اس واقعہ کے وقوع کے بعد عیدی رینہ کا بیٹا شمس رینہ اور چند امراء امداد و استعانت پانے کے لیے دہلی میں ہمایوں بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اسی روز ہمایوں بادشاہ چھت پر سے گر گیا اور اس فانی دنیا کو الوداع کہا (ذیلی یاد داشت = ہمایوں بادشاہ کی وفات سال ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۵ء میں واقع ہوئی۔ مولانا قاسم کاہی نے اس عرصہ میں اس کی وفات کی تاریخ کہی۔

ہمایون پادشاہ از بام افتادہ (۹۶۲ھ)۔

بقولِ ابوالفضل اس تاریخ میں ایک سال کم پڑتا ہے اس لیے اس کی وفات کا سال ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۵ء ہے)۔ کشمیر کے امراء نے میرزا ابوالمعالی کو [ذیلی یاد داشت = وفات یکم شوال ۹۷۱ھ (۱۳/مئی ۱۵۶۴ء) کو کابل میں ہوئی ۔۔۔ اکبر نامہ جلد ۲/ص ۳۰۸۔۴۱۱ ترجمہ بیوریج] جو کاشغر کے سادات میں سے بادشاہ کا منہ بولا فرزند تھا، مکر و فریب سے ورغلا کر ایک عظیم فوج کے ہمراہ اچانک پٹن میں داخل ہوئے اور وہاں کشمیر کے بہت جانباز اور بہادر سپاہی اُن کے ساتھ مل گئے۔ غازی خان نے کمالِ سرعت کے ساتھ بالآخر لشکر کے اہم اُمور کو انجام دیتے ہوئے سید ابراہیم کو دلاسا و مدارات کے ساتھ اپنا معاون بنا کر بیٹی کا عقد اس کے بھتیجے کے ساتھ کر دیا اور اسے اپنا لیا۔ نصرت چک کو زنجیروں کے ساتھ اٹھا کر نیز پوری تیاری کے ساتھ سامان و یراق خاصے طمطراق کے ہمراہ لے کر اس نے ہانجی ویرہ کی نہر [تاریخ ملک حیدر چاڈورہ قلمی نسخہ ص ۶۱۔ تاریخ کشمیر مصنف

نارائن کول عاجزؔ قلمی نسخہ ص ۶۲۔ تاریخ اعظمی مطبوعہ ص ۸۹۔ ہانجی ویرہ یا ہانس ویر ایک بڑا سا گاؤں ہے جو نہر کے دونوں کناروں پر سری نگر کی راہ پر پٹن سے جنوب مغرب کی طرف دو میل کی دوری پر واقع ہے] پر مقابلے کا علم بلند کیا۔ دوسرے روز دریا کو پار کر کے فریقین نے جنگ کی اور خون کی نہریں بہا دیں۔ جانبین نے شجاعت و مردانگی کی داد دی اور میدانِ جنگ کی گرد آسمان تک پہنچائی۔ صبح سے شام تک خون آشام تلواریں انتقام لینے میں مصروف رہیں۔ بظاہر غلبہ مغلوں کا رہا لیکن اچانک مغل فوج میں رعب و دہشت پھیل گئی اور وہ پہاڑوں کی طرف فرار کر گئی۔ شمسی رینہ کے ہاتھ پاؤں گم ہو گئے اور وہ مغلوں کو نکال دینے کی کوششوں میں لگا رہا کہ کہیں گرفتار ہو کر قتل نہ ہو جائیں۔ اس کیفیت میں غازی خان نے مغلوں پر ہلہ بول دیا اور تقریباً ایک ہزار سات سو مغل فوجیوں کو شمس رینہ کے ہمراہ قید کر لیا۔ ان کے علاوہ فریقین کے چار ہزار آدمی میدان جنگ میں قتل ہوئے (تاریخ ملک حیدر ص ۶۱۔ تاریخ کشمیر نارائن کول عاجز ص ۶۲۔ تاریخ اعظمی ص ۸۹) اور ابوالمعالی باقی بچے ہوئے فوجیوں کی جماعت کے ساتھ ہندوستان لوٹ گیا۔ سفا کی سے کام لیتے ہوئے غازی خان نے اسیر کئے گئے مغلوں کو تیغِ اجل کی غذا بنا دیا اور شمس رینہ کو تختۂ دار پر چڑھا دیا [حیدر ملک اور نارائن کول عاجز کے بقول ”گو کہ اس کی بیٹی غازی خان کے گھر میں تھی اسے پھانسی دی“] اور وہاں سے فتح کا ڈنکا بجاتے ہوئے مسند حکومت کی طرف لوٹ گیا۔ دوسرے سال [بقول حیدر ملک یہ جنگ دو سال کے بعد ذالڈگر (سرینگر کا ایک محلّہ) کے مقام پر ہوئی] شمسی رینہ کے بھائی محمد رینہ نے حبیب چک کی مدد سے پائے ثبات سے کام لے کر غازی خان پر جنگ و جدل کی راہ سے غلبہ پانے کی کوشش کی۔ غازی خان نے میدان جنگ میں اپنے غضبناک ہاتھی کو محمد رینہ کے خلاف

جنگ میں آگے بڑھا دیا اور محمد رینہ تلوار اور نیزے کی ضربوں سے ہاتھی کے جسم کو پسپا نہ کر سکا۔ حبیب چک نے ہاتھی کے سامنے آکر مردانہ وار حملے کیے چنانچہ ہاتھی نے خشم آلود ہو کر اپنی سونڈ حبیب چک پر بڑھا دی اس نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال کر فرار کیا لیکن بموجب تقدیر اس کے گھوڑے کی ایک ٹانگ کشتی کے لکڑی کے مستول میں پھنس گئی اور اس کے ہاتھ سے اسلحہ بھی چھوٹ گیا۔ ہاتھی کمالِ غضب کے ساتھ اس کے پیچھے دوڑا اور اپنی سونڈ اس پر بڑھا دی۔ حبیب چک نے ہاتھی کی سونڈ کو اس شدت کے ساتھ اپنے دانتوں سے کاٹا کہ ہاتھی بھاگ گیا لیکن اس کی اجل آچکی تھی ہاتھی نے لوٹ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ غازی خان نے فتح مندی کا علم لہرا کر اپنے سپاہیوں کو انعام و اکرام سے ممنون کر دیا اور سلطنت کے نظم و ضبط کی طرف متوجہ ہوا۔ سید حمید رینہ کو شمس رینہ کے ساتھ قرابت کی تہمت پر شہید کر دیا جو ہانجی ویرہ گاؤں میں مدفون ہے۔ سید کمال کو، جو پرگنہ پھاک میں منتخب سادات میں مشہور تھا، زہر دے کر شہید کیا [واقعات کشمیر ص ۹۱] اور حضرت محبوب العالم قدس سرہٗ کو بیروہ پرگنہ کی طرف خارج کر دیا اور بزرگ وار اہل سنت کو سخت تکلیفیں پہنچائیں۔

سال ۹۶۷ھ میں حاجی بانڈے اور نجی ملک اور یوسف چک، جو ہندوستان میں آوارہ و پریشان تھے متفق ہو کر قرا بہادر [قرا بہادر کے لیے دیکھئے مآثر الامراء جلد ۳ ص ۴۹، ۵۰۔ قرا بہادر ایک جرار لشکر اور نو ہاتھیوں کے ہمراہ آیا تھا — طبقات جلد سوم] کو، جو میرزا حیدر کا بھتیجا تھا، مغلوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ اپنے ساتھ لاکر راجوری کے پہاڑوں میں شورش برپا کی۔ غازی خان اور سید ابراہیم نے بھاری فوج کے ہمراہ ہیرہ پورہ کی راہ سے پیش قدمی کی اور بہرام گلہ کے مقام پر مقابلہ آرائی کا علم بلند کیا۔ فتح ملک اور لوہر ملک جو پنوچ کے

پہاڑوں میں پریشان تھا، غازی خان کے ساتھ مل گئے اور نصرت چک بھی، جو لاہور کے نواحی میں غم والم میں مبتلا تھا آکر غازی خان سے مل گیا۔ دوسرے روز غازی خان نے مغلوں کی فوج پر حملہ کردیا اور فریقین جنگ میں الجھ گئے اور دونوں طرف کی ایک کثیر جماعت زیرِ تیغ آ گئی۔ بالآخر مغلوں کی لشکر مغلوب ہوگئی اور ہندوستان کی طرف بھاگ گئی اور غازی خان اپنے بھائیوں اور مددگاروں کی جماعت کے ہمراہ فتح ونصرت کے ساتھ دارالحکومت کی طرف لوٹ گیا۔ بعض مورخین قائل ہیں کہ غازی خان جب اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ہیرہ پورہ میں ٹھہرا تھا تو اس نے ڈونب طائفہ کے [ذیلی یادداشت = رذیل لوگوں کا طائفہ ہے]، جو شہر اور گاؤں کی حفاظت کے لیے مقرر ہوتے ہیں، پانچ چھ ہزار آدمیوں کو اکٹھا کر کے ان سے وعدہ کیا کہ جو کوئی آپ میں سے کسی مغل کا سر کاٹ کر میرے سامنے لاکر رکھ دے گا اسے میں ایک سر کے عوض انعام میں ایک اشرفی دوں گا۔ یہ خبر سن کر ڈونب طائفہ مغل فوج پر ٹوٹ پڑا اور مکر وفریب سے ان کے سر کاٹ کر غازی خان کے سامنے پیش کرتے رہے اور انعام کے وعدہ سے زیادہ رقم عوض میں پائی۔ اس طرح سے مغل فوج کے بہت سے فوجی بے سر ہوگئے اور باقی بچے ہوئے لشکری فرار کو غنیمت جان کر لوٹ گئے [ذیلی یادداشت = تاریخ ملک حیدر چاڈورہ ص ۶۲۔ تاریخ نارائن کول عاجز ص ۶۴۔ دونوں مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس معرکہ میں مغل لشکر کے سپاہیوں کے سات ہزار سر غازی خان کی درگاہ میں لائے گئے]۔

غازی خان ہمیشہ عدل وانصاف انجام دینے میں مصروفِ عمل رہتا تھا چنانچہ اس کی عدالت سے روایت کی جاتی ہے کہ عید کے دن غازی خان عیدگاہ میں تھا اس کے بیٹے حیدر خان کے ملازموں میں سے ایک ملازم نے کسی سے

چند بیریاں چھین لیں ابھی اس نے انہیں منہ تک پہنچایا بھی نہ تھا کہ بیری والے نے غازی خان کے حضور میں شکایت کی۔ غازی خان نے فوراً خیانت کار کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اتنے سے معمولی جرم پر اتنی بڑی سزا دینے پر حیدر خان اپنے باپ سے رنجیدہ ہوا اور اس کے حلقۂ متابعت سے منہ موڑ کر مصاحبت کو ترک کر دیا۔ اس کے ماموں ملک محمد نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا اور حیدر خان نے جہالت و شرارت سے کام لے کر اپنے غمخوار ناصح کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ پر غازی خان نے خشم آلود ہو کر اپنے فرزند کو عید گاہ میں پھانسی دی [تاریخ ملک حیدر چاڈورہ ص ۶۲۔ نارائن کول ص ۶۴۔ باغ سلیمان ص ۲۵۵۔ مجموع التواریخ بیربل کاچرو ورق ۱۱۰]۔

بالآخر کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور اس کی آنکھوں کی روشنی چلی گئی۔ نو سال اور دو ماہ تک (تمام مورخین کشمیر کے برخلاف فرشتہ اور نظام الدین نے اس کی کل مدتِ حکومت چار سال لکھی ہے __ فرشتہ ج ۴ / ترجمہ مولوی فدا علی طالب ص ۸۱۹۔ طبقات اکبری ج ۳ / مترجم راجندر ناتھ) سلطنت کے امور بجالانے کے بعد اپنے سوتیلے بھائی حسین خان کو مسند سلطنت پر بٹھا دیا لیکن چند دنوں کے بعد بعض مصاحبوں اور مقربوں کے ورغلانے سے ایسا کرنے پر نادم ہوا اور اس کی معزولی پر آمادہ ہو گیا۔ حسین خان نے بعض رئیسوں اور امراء کو اپنا طرفدار بنا کر غازی خان کو بے اختیار کر کے اسے خانہ نشین بنا دیا"۔

تاریخ حسن ج ۲ / موسوم بہ اسرار الاخیار (اردو ترجمہ ص ۱۶۹ / چھاپ غلام محمد نور محمد جنوری ۱۹۶۰ء) میں آیا ہے کہ غازی خان چک نے مذہبی تعصب کے موجب حضرت شیخ (حمزہ مخدوم رحمة الله علیه) کو شہر سے نکالا اور جنابؒ علاقہ بیروہ کے اُہنہ نامی گاؤں میں تشریف لے گئے۔ اسی دن غازی شاہ کو کوڑھ کی بیمار لگ گئی۔ کچھ دن گذر جانے پر خواہ ناخواہ مجبور

ہو کر غازی خان چک نے اپنے بیٹے کو حضرت شیخ (حمزہ مخدومؒ) کے پاس روانہ کیا۔ حضرتؒ نے شہر آنا منظور نہ کیا اور فرمایا: ''جب تک وہ شہر میں ہے میں نہیں آوں گا'' اس نے عرض کیا: ''بادشاہ بیمار ہے اس کے حق میں دعاء خیر کریں'' حضرتؒ نے فرمایا: ''جو اس نے ہمارے ساتھ کیا آج اس کے ساتھ وہی کریں گے'' جب اس نے حد درجہ عجز وانکساری کی تو حضرتؒ نے اسے فرمایا: ''جو تیر ہاتھ سے نکلا وہ واپس نہیں آتا۔ جا کر اس کی خدمت کرو''۔ جب وہ شہر واپس پہنچا غازی خان مر چکا تھا''۔ **واقعاتِ کشمیر** (مطبوعہ ص ۸۹، ۹۰) کے مؤلف نے بھی غازی خان چک کی جنگوں اور مغل فوج کے خلاف اس کی مسلح کشمکشوں کے مختصر بیان کے بعد، جو تاریخ حسن کے مندرجہ بالا بیان کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے، لکھا ہے: ''غازی خان چک (عیدگاہ میں اپنے بیٹے حیدر چک کو پھانسی پر چڑھانے کے بعد) جب بھی کبھی اس راہ سے گزرتا تو آنکھیں بند کر لیتا تھا لیکن اَولادُنا اَکبادُنا کی رو سے اس کا جگر پارہ پارہ ہو گیا اور بستر مرض پر دراز ہوا۔ ملک غازی خان چک کی حقیقت کے بارے میں یوں لکھا گیا ہے کہ ''تعصبِ مذہب کی وجہ سے وہ منبع ظلم تھا چنانچہ حضرت شیخ حمزہ مخدومؒ کو شہر سے نکال دیا اور آنجنابؒ پرگنہ بیروہ کے اُوہنہ گاؤں میں اپنے احباب کے ساتھ رہے جہاں آپؒ امر معروف کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اسی روز غازی خان کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہوا۔ ہر چند علاج معالجہ کیا گیا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ غازی خان نے اپنے بیٹوں کو حضرت شیخ حمزہؒ کے واپس شہر میں آنے کی درخواست لے کر انؒ کے حضور میں بھیجا لیکن حضرتؒ نے قبول نہیں فرمایا اور فرمایا: ''جب تک وہ شہر میں ہے ہم نہیں آئیں گے'' اور اسی روز اسی وقت اس کی وفات ہو گئی اور حضرت شیخ حمزہؒ واپس آ گئے''۔ غازی چک نے نو سال اور دو مال تک حکمرانی کی۔ **مجموع التواریخ** میں بھی انہی

مندرجہ بیانات کی تکرار ہے البتہ لکھا ہے کہ غازی چک نے نو سال اور نو ماہ تک حکومت کی۔ **کنگڈم آف کشمیر** کے مؤلف نے کاجی چک (مؤلف نے غازی کی جگہ کاجی لکھا ہے) کی حب الوطنی کے جذبہ اور مقامی جنگوں میں اشتراک کی تفصیل کے بعد لکھا ہے کہ "کاجی چک؟ ایک شیعہ تھا اور میر شمس الدین عراقی کا پیرو تھا اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں پر اپنا مذہب قبول کرنے کے لیے جبر و زور سے کام لیا۔ بالآخر سنّیوں نے ماگریوں کی ہدایت میں اس کے خلاف کھلی بغاوت کی۔ وہ میرزا حیدر دوغلات کے پاس گئے جو اب ہمایوں بادشاہ کی ملازمت اختیار کر چکا تھا اور اسے کاجی چک کو دفع کرنے کی گذارش کی۔ میرزا حیدر نے ۱۵۴۰ء میں کشمیر پر قبضہ کرلیا......" لیکن **کشمیر سلاطین کے عهد میں** (اردو ترجمہ) کے مصنف پروفیسر محبّ الحسن نے غازی چک کے سُنّیوں پر بے انتہاء مظالم ڈھانے کی اس کی سیرت سے چشم پوشی اور تمام مقامی معتبر فارسی تواریخ کو نظر انداز اور خالص دو سخت متعصب شیعہ مورخین کی کتابوں یعنی بہارستان شاہی اور تاریخ کشمیر حیدر ملک چاڈورہ پر اعتبار کرتے ہوئے، کہ پروفیسر مذکور خود ایک شیعہ مورخ تھا لکھا ہے کہ: "غازی شاہ شیعہ تھا لیکن تمام مذہبی اعتقادات کی آزادی دے رکھی تھی"۔

۱۱۶۹: **قرهدهر** : یعنی قرابہادر۔ **تاریخ حسن** (ج ۲، ص ۲۵۶) میں آیا ہے کہ قرابہادر میرزا حیدر دوغلت کا بھتیجا تھا اور **کنگڈم آف کشمیر** کے مؤلف نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ پروفیسر محبّ الحسن نے قرا بہادر کو میرزا حیدر دوغلت کا چچازاد بھائی کہا ہے۔

۱۱۷۰: **پاشاند** : پروفیسر محبّ الحسن نے مان کوٹ لکھا ہے جو صوبہ پونچھ میں ایک گاؤں اور قلعہ ہے اور منڈیل چشمہ کے داہنے کنارے پر عرض البلد ۳۸ ر ۳۳ اور طول البلد ۶ ر ۷۴ میں واقع ہے۔

۱۱۷۱: **خجیہ حاجیہ**: خواجہ حاجی، جو قرا بہادر کی فوج کے ہمراہ تھا۔

۱۱۷۲: **یُوسپہ چکر**: یوسف چک

۱۱۷۳،الف: آتش فشان ہتھیار اور سانپ جیسے دہن صورت آگ برسانے والے ہتھیار۔

۱۱۷۳: قرا بہادر، میرزا حیدر دوغلت کی ملازمت میں تھا اور مغل لشکر کا ایک سردار تھا اس کے علاوہ وہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا میرزا مذکور کا بھتیجا بھی تھا۔ دیکھئے حاشیہ ۱۱۶۹۔

۱۱۷۴: **راج وِیر**: راجوری

۱۱۷۵: **نسمی چک**: یعنی نصرت چک۔ پروفیسر محب الحسن نے **نوادر الاخبار** کے حوالے سے لکھا ہے کہ "غازی شاہ متعصب تھا اور اسی وجہ سے بہت سے سنّی سردار مثلاً سردار نصرت چک، یوسف چک اور ناجی چک کاشغر گئے اور اس کا تختہ الٹنے کے لیے قرا بہادر کو بلا کر لائے"۔ **شُک** نے قرا بہادر نہیں بلکہ شاہ عبدل المعالی لکھا ہے **تاریخِ حسن** (ج ۲ ر ص ۲۷۴، ۲۷۵) میں آیا ہے کہ شمس رینہ اور چند اور امراء ہمایوں بادشاہ کے پاس مدد مانگنے گئے اور اسی روز ہمایوں چھت پر سے گر کر فوت ہوا۔ امرای کشمیر میرزا ابولمعالی کو ورغلا کر ایک عظیم فوج کے ہمراہ کشمیر لے آئے۔ ان کشمیری امراء میں نصرت چک کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ اسی تاریخ کے مصنف کے بقول غازی چک نے نصرت چک اور اس کے بھائیوں کے معاندانہ رویہ کے خلاف جنگ میں نصرت چک اور یوسف چک کو زنجیر میں باندھ کر قید میں ڈال دیا اور نصرت چک کے بھائیوں اور ان کی جماعت کے بعض افراد کو قتل کر دیا"۔ پس ابوالمعالی کو بلانے والوں میں نصرت چک شامل نہیں تھا۔ دیکھئے

حاشیہ ۱۱۶۸۔

۱۱۷۶: شاہ عبدل مالی: صحیح ہے شاہ ابوالمعالی۔ ملّا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تصنیف **منتخب التواریخ** میں لکھا ہے کہ ''شاہ ابوالمعالی، کاشغر کے ایک عالی نسب سیّد زادہ تھے۔ تناسب اعضاء اور دلاوری کی صفتوں میں اپنے ساتھیوں سے بالاتر تھے۔ ہمایوں نے آپ کی طرف خاص توجہ سے کام لیتے ہوئے آپ کو فرزند کے خطاب سے سربلند کیا تھا''۔ ابوالمعالی کے لیے دیکھیے طبقات اکبری، اکبرنامہ، اور منتخب التواریخ۔

۱۱۷۷: **کنگڈم آف کشمیر** میں آیا ہے کہ ابوالمعالی کا حملہ سال ۱۵۵۸ء (۹۶۶ھ) میں ہوا۔ اس کے ہمراہ تین سو مغل اور آٹھ سو کشمیری تھے۔ غازی چک نے پٹن کے پاس ہانجی ویرہ میں اس کا مقابلہ کیا اور اسے شکست دی۔ پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ ''ابوالمعالی نے نوشہرہ پہنچ کر شمس رینہ، فتح چک، خواجہ حاجی اور اندھے دولت چک سے فوجی اتحاد کیا اور تین سو مغلوں اور آٹھ سو کشمیریوں کی ایک فوج بنا کر کشمیر میں پونچھ اور بارہ مولہ کے راستے سے داخل ہوا اور پٹن کے مقام پر (۱۵۵۸ء) خیمہ زن ہوا۔ جب غازی چک ک اس کی اطلاع ملی تو اس نے نصرت چک اور سید ابراہیم کو قید سے آزاد کر دیا اور ان کو لے کر دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ ابوالمعالی کا اس سے مقابلہ ہانجی ویرہ میں ہوا (ہانجی ویرہ عرض البلد ۳۴/۸، طول البلد ۳۸/۴/ میں پٹن سے دو میل مشرق میں سرینگر جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ یہ ایک بڑا گاؤں ہے) بڑی شدید جنگ ہوئی جو صبح سے شام تک جاری رہی۔ حملہ آور ہارنے لگے۔ شمس رینہ نے اس خیال سے کہ ابوالمعالی کہیں دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ بارہ سپاہیوں کے محافظ دستہ کے ساتھ اس کو باہر بھیج دیا اور شدید زخمی ہونے کے باوجود لڑتا رہا۔ پھر اس نے خود

کشی کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ وہ زندہ پکڑلیا گیا اور اگرچہ اس کی لڑکی کی شادی غازی (چک) کے لڑکے سے کردی گئی لیکن اس کو معافی نہ ملی اور پھانسی دے دی گئی (ذیلی یادداشت = حیدر ملک ورق ۱۵۴/۱۱۵/الف میں اور اکبرنامہ وطبقات اکبری میں لکھا ہے کہ ابوالمعالی کو ایک مغل نے بچایا تھا) بہت سے مغل بھی قید ہوئے تھے ان کے سرتن سے جدا کرکے ان کا ایک مینارہ بنادیا گیا۔[ذیلی یادداشت = کشمیری تاریخوں میں دونوں طرف کے چار ہزار افراد مارے گئے اور سترہ سو مغل قید کئے گئے لیکن اس تخمینہ میں غلو ہے اکبرنامہ کے مطابق ابوالمعالی کے پاس صرف تین سو مغل تھے]۔ پروفیسر محب الحسن نے ابوالمعالی کو کشمیر کے اسیروں میں پھانسی دئے جانے کی جو بات لکھی ہے وہ نادرست ہے۔ ابوالمعالی کی موت کابل میں اوّل شوال ۹۷۱ھ (۱۳/مئی ۱۵۶۴ء) کو ہوئی تھی"۔ **تاریخ حسن** (ج ۲/ص ۳۸۴، ۳۸۵) میں جلال الدین محمد اکبر شاہ کے حالات ضمن میں آیا ہے کہ اسی سال ۹۷۰ھ = ۱۵۶۵ء)۔ ابوالمعالی جو مجلس سے بھاگ کر مکہ معظّمہ چلا گیا تھا لوٹ کر میرزا اشرف الدین حسین کے ساتھ مل گیا اور نارنول میں دست اندازی کی۔ حسین قلی خان نے یوسف بیگ اور احمد بیگ کو ان کا مقابلہ کرنے کو بھیجا اور خود میرزا شرف الدّین کا مقابلہ کرنے کے لیے گیا۔ ابوالمعالی نے کمین میں رہ کر ان دونوں سرداروں کو قتل کردیا اور خود محمد حکیم میرزا کے پاس کابل چلا گیا[ذیلی یادداشت = محمد حکیم میرزا، شہنشاہ ہمایوں کا بیٹا تھا۔ ۱۵/جمادی الاوّل ۹۶۱ھ کو (۱۸/اپریل ۱۵۵۴ء) کابل میں ماہ چوچک کے بطن سے پیدا ہوا۔ اکبر کے زمانے میں کابل کا حاکم تھا۔ پنجاب پر دوبار حملہ کیا ایک ۹۷۴ھ میں (۱۵۶۶ء) اور دوسرا ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) لیکن شکست کھائی۔ ۱۶/شعبان المعظم ۹۹۳ھ کو (۲۶/جولائی ۱۵۸۵ء) کابل میں

۳۳رسال کی عمر میں وفات پائی__ قاموس المشاہیر جلد ۲رص ۱۸۸ مطبع نظامی بدایون ۱۹۲۶ء] اور وہاں محمد مرزا نے اپنی بہن کی شادی اس کے ساتھ کردی اور ملکی امور میں اسے دخیل بنادیا۔ بادشاہت کے خیال میں پڑکر ابوالمعالی نے اپنی ساس کو، جو ملک کی مختار تھی بڑی سختی اور بے رحمی کے ساتھ مار ڈالا اور میرزا، جو کمسن تھا، کی وکالت حاصل کی۔ اس کے بعد سلیمان میرزا نے بدخشان سے کابل آکر شاہ ابوالمعالی کو قتل کردیا"۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ابوالمعالی کی موت یکم شوال ۹۷۱ھ کو (۱۳رمئی ۱۵۶۴ء) کو کابل میں واقع ہوئی (تاریخ حسن ج ۲رص ۲۷۵ر حاشیہ ۲)۔

۱۱۷۸: محب الحسن نے لکھا ہے کہ وہ (غازی چک) کشمیر کا پہلا سلطان تھا جس نے سیاسی حریفوں کو اندھا کرنے اور اُن کے اعضاء کاٹنے کا طریقہ جاری کیا تھا (بہارستانِ شاہی ورق ۱۲۴رب)۔ حاشیہ ۱۱۶۸ دیکھیں۔

۱۱۷۹، الف: **تاریخ حسن** نے حکمرانی کی مدت چار سال لکھی ہے **کنگڈم آف کشمیر** میں بھی یہی مدت درج ہے۔

۱۱۷۹: **حُسین خان**: یعنی حُسین چک۔ **واقعاتِ کشمیر** میں مرقوم ہے کہ اپنے مادری برادر (غازی چک) کی موت کے بعد کشمیر کی سلطنت پائی۔ خسرو عادل تاریخ جلوس ہے (۹۷۱ھ = ۱۵۶۳ء)۔ احسان کرنے اور رعایا پروری کی طرف مائل ہوا اور سلطنت کے امور کو ملک محمد ناجی، المعروف بہ نجی ملک جو چاڈورہ کے ملکوں کا جد ہے، کی تدبیر اور مشورے سے انجام دیتا تھا لیکن اچانک شیعہ مذہب کو رواج دینے کی راہ اختیار کی اور اپنی تمام تر توجہ مذہبی تعصب وتقید کی طرف مبذول رکھی اور شیعوں کو بہت آگے لے آیا لیکن شیعہ لوگوں کے غالب آجانے کے باوجود وہ اہل سنت والجماعت کی شرعی خدمات پر عمل پیرا تھا۔ اس زمانے میں جب کہ شہر کا قاضی اور جامع

مسجد کا خطیب قاضی حبیب اللہ تھا ایک عجیب وغریب واقعہ وجود میں آیا۔ اس قصے کا اختصار یوں ہے کہ حسین شاہ کے عہد میں میرزا مقیم، جو اکبر بادشاہ کی طرف سے سفیر کی حیثیت سے آیا تھا، کے ملازموں میں سے یوسف منڈو نامی ایک ملازم نے جمعہ کی نماز کے بعد قاضی حبیب اللہ کے ساتھ بے ادبی کے ساتھ پیش آنے کی جرأت کی اور قاضی کی پگڑی اس کے سر سے اُچھال دی۔ اس حرکت سے لوگوں نے حسین شاہ پر لعنت ملامت کی۔ بظاہر قاضی کے حکم پر یوسف مذکور کو لوگوں نے قتل کر دیا۔ حسین شاہ نے مجمع عدالت میں دو بزرگوار مفتیوں مولانا شمس الدین الماس اور مولانا فیروز معروف بہ ملاّ پچی ولد بابا نونی گنائی ملا شپوری جو حضرت بابا عثمان گنائی کی اولاد میں سے تھے، فتویٰ چاہا کہ جو کوئی ناحق کسی کو قتل کرنے کا حکم دے شرعی طور پر اس کو کیا سزا دی جانی چاہیے۔ دونوں مفتیوں نے خالی ذہن ہو کر لکھ کر دے دیا کہ ایسا حکم دینے والے کا خون اس کی گردن پر ہے۔ یوسف مذکور کے وارثوں نے اسی تحریر کو حجت بنا کر دعویٰ کیا کہ یوسف مذکور مسجد کے باہر تلوار بازی کر رہا تھا غلطی سے اس کی تلوار قاضی کے ہاتھ پر لگی اور اس کی پگڑی زمین پر آ گری اور اسی غلطی پر قاضی کے حکم اور مفتیوں کے فتویٰ سے اسے ناحق قتل کر دیا گیا۔ اسی دعویٰ پر حسین شاہ نے دونوں مفتیوں کو بے گناہ شہید کر ڈالا۔ اتفاقاً اس روز شہر کے لوگ خاص اجتماعِ عام کا دن ہونے کی وجہ سے جھیل ڈل کی سیر کو گئے ہوئے تھے اور شہر خالی تھا حسین شاہ نے عوام کے ہنگامے کو نظر انداز کرتے ہوئے اور میدان کو خالی پا کر دونوں بزرگواروں کو شہید کر ڈالا اور اس طرح سے مذہب کا فتنہ اور شیعہ وسُنی جھگڑا فتنہ وفساد بن گیا اور کینہ وعداوت پھیل گیا۔ حسین شاہ کے شیعہ ہونے کی رعایت کرتے ہوئے میرزا مقیم نے اس کی بیٹی کو اکبر بادشاہ کے لیے لے کر ہندوستان کا رخ کیا۔ لوگوں کے لعن طعن اور نفرت سے وحشت زدہ ہو کر حسین شاہ اپنے کردار سے

شرمندہ ہوا اور احسان وملکی پرورش سے کام لیا اور گذشتہ اعمال کا تدارک کرنے کی کوشش کی۔ بہرحال حکمرانی کے دنوں میں اس نے اپنی عمر کے دنوں کو اپنے اعتقاد سے تقسیم کرلیا۔ سات دنوں کو سات طائفوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا۔ جمعہ کے دن کو علماء اہل اسلام کے ساتھ، سنیچر کو برہمنوں اور پنڈتوں کے ساتھ، اتوار کو مشائخ وفقراء، سوموار کو قاضی اور مفتیوں، منگلوار کو سیر وشکار میں، بدھوار کو سپاہیوں اور تیراندازوں اور جمعرات کو اہل نشاط اور مقامی لوگوں کے ساتھ گزارتا تھا۔ ہر کسی کے لیے خزانوں سے نقد وجنس کے انعامات کو معیّن اور مقرر کیا تھا۔ سلطنت کے کاموں میں مشغول رہنے کے باوجود کبھی کبھی شعر گوئی کے خیال میں بھی رہتا تھا۔ یہ شعر اسی کا ہے۔

حمائل کردہ تیغ و بستہ خنجر یار می آید
دلا! برخیز وکاری کن کہ جان درکار می آید

اور یہ شعر بھی اسی کا ہے۔

آن تُرکِ آل پوش سوارِ سمندر شد
یاران حذر کنید کہ آتش بلند شد

اس زمانے کے جملہ واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہوا کہ ایک روز بادشاہ جھیل وتھ نار میں شکار کو گیا تھا ملک محمد ناجی کو کسی کام پر بھیجا تھا خان زمان اور بہادر خان دونوں شجاعت ولیاقت کی بناء پر بادشاہ کے حضور میں صاحب اعتبار تھے اور دونوں ملک (محمد ناجی) کے تعاقب میں رہتے تھے اس روز قابو پا کر ملک پر ٹوٹ پڑے لیکن اتفاق سے جماعت کا ایک جمعدار وقت پر آپہنچا اور ملک کو قتل ہونے سے بچالیا۔ اسی روز بادشاہ کے حکم سے مذکورہ زمان خان اور بہادر خان کو قتل کردیا گیا۔ اس واقعہ کی تاریخ ہے "دُو خون شُد"۔ اسی اثنا

میں بادشاہ کا بیٹا ابراہیم خان چیچک سے مرگیا اور یہ بیماری پھیل گئی۔ علی خان نامی اپنے چھوٹے بھائی کو اپنا جانشین بنایا اور سلطنت و حکومت اس کے سپرد کردی اور خود زین پور گاؤں میں، جو تروتازگی اور طراوت میں گویا دارالسرور تھا جا کر زندگی گزاری اور سال ۹۷۷ھ (۱۵۶۹ء) میں اپنی جان اپنے خدا کے حوالے کردی''۔ **تاریخ حسن** (ج ۲ ص ۲۸۰۔ ۲۸۸) میں واقعات کشمیر میں درج اوپر کے بیان میں قدرے اختلاف اور خاصی تفصیل کے ساتھ حسین چک کے بارے میں جو اطلاعات مذکور ہیں وہ یوں ہیں کہ:

''حسین خان نے سال ۹۷۱ھ (۶۴۔۱۵۶۳ء) میں ملک کے تخت پر حکومت کا علم لہرایا۔ خسرو عادل (۹۷۱ھ) اس کے جلوس کی تاریخ ہے۔ ملک محمد ناجی کو (مورخِ کشمیر ملک حیدر چاڈورہ کا جدّ) وزارت کا رتبہ بخشا اور عدل و احسان اور انصاف سے کام لے کر سب کے دل خوش کردئے۔ ہفتہ کے سات دنوں میں سات طائفوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا۔ جمعہ کے روز علماء اسلام کے ساتھ بیٹھ کر ان سے مباحثہ کرتا تھا۔ سنیچر وار کو برہمنوں، پنڈتوں اور وید خوانوں کے ساتھ اتوار کو مشائخ و فقراء کے ساتھ، سوموار کو مفتیوں اور قاضیوں کے ساتھ، منگلوار کو سیر و شکار میں، بدھوار کو سپاہیوں اور تیر اندازوں کے ساتھ، جمعرات کو اہل نشاط اور ارباب رقص و سرود کے ساتھ گزارتا تھا اور ہر طائفہ کے حق میں خزانۂ عامرہ سے مدد معاش کے لیے انعامات اُن کے مراتب کے مطابق مقرر تھے۔ [ذیلی یادداشت = واقعاتِ کشمیر ص ۹۱، لیکن ملک حیدر چاڈورہ (تاریخ کشمیر قلمی نسخہ ص ۶۳) کے بقول حسین چک کی تقسیم اوقات یوں تھی: ''جمعہ کا دن علماء و فضلاء کے ساتھ، سنیچر اور اتوار عدل و دادرسی کرنے میں، سوموار دانایانِ ہندوستان کے ساتھ، منگلوار شکار میں، بدھوار سپاہ و لشکر، تیر اندازی، عربی گھوڑوں اور چوگان بازی میں اور جمعرات کو قوالوں اور

اہل نشاط کے ساتھ گزارتا تھا]۔ حکومت رانی میں مشغول رہتے ہوئے شعر گوئی کے خیال میں بھی رہتا تھا۔ یہ دو شعر اسی کی طبیعت کی تخلیق ہیں۔

حمائل کردہ تیغ و بستہ خنجر یار می آید
دلا! برخیز و کاری کن کہ جان در کار می آید

❁❁❁

آن تُرکِ آل پوش سوارِ سمندر شد
یاران حذر کنید کہ آتش بلند شد

بعض بغاوت اندیشوں نے، جن کا پیشہ ہی ہمیشہ فساد و عناد رہا ہے، باہمی طور متفق ہو کر حسین شاہ پر قابو پانے کا ارادہ کیا اور حسین خان نے ان کی نیت خاطر سے خبر دار ہو کر ان سرکشوں کو پوری سزا دی۔ غازی خان کے بیٹے احمد شاہ اور ابدال ماگرے کے بیٹے محمد ماگرے کو فریب کے ساتھ گرفتار کرا کے ان کی آنکھوں کو کاسۂ چشم سے نکلوا کر اندھا کر دیا۔ ان ہی ایام میں سخن چینوں کی وہم اندازی سے فتح خواجہ مخاطب بہ خانِ زمان اور بہادر خان، جو بادشاہ کے مقربوں میں سے تھے، محمد ناجی سے وحشت زدہ ہو گئے اور وہ فتح چک اور شمسی دوبی (دھوبی) کے ساتھ قسمیں کھا کر محمد ناجی کو قتل کر دینے پر مستعد ہو گئے۔ ایک روز جب کی حسین خان، وتھ نار کی طرف شکار کو گیا ہوا تھا، خان زمان اور بہادر خان اپنے معاونین کے ہمراہ، فرصت کو غنیمت جان کر، ملک ناجی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ملک ناجی نے اپنے معاونین کے ساتھ حسین خان کی حویلی میں داخل ہو کر دروازے بند کر دیئے۔ فتح چک اور بہادر خان راستہ نکال کر حویلی میں گھس آئے اور جنگجوؤں کے دونوں فریق زیرِ تیغ آ گئے۔ ملک ناجی ایک کمرے میں چھپ گیا اور خان زمان اور شمس دوبی (دھوبی) مخالف کو قتل کر دینے میں ناکام ہو کر معرکہ سے بھاگ نکلے اور سپاہیوں نے ان کا

تعاقب کر کے دونوں کو بہادر خانؔ کے سمیت گرفتار کرلیا اور انہیں حسین خانؔ کے سامنے پیش کیا۔ حسین خانؔ نے تینوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور خان زمانؔ کی جگہ مبارز خانؔ کو رتبہ تقرب بخشا۔

کچھ عرصہ بعد مبارز خانؔ نے حسین خانؔ کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا اور فرصت کی تلاش میں رہا۔ حسین خانؔ اس کی نیت خاطر سے واقف ہو گیا اور مبارز خانؔ اور لوہر چک کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور نصرت چکؔ کو جو ایک مدت سے قید میں تھا، رہا کر کے اس کی آنکھوں کی روشنی چھین لی۔ کچھ مدت کے بعد محمد ناجی میں فتنہ وقصور کی علامتیں پائی گئیں اور اسے منصب وزارت سے معطل کر دیا گیا اور اس کی جگہ علی کوکہ کو، جو اہل سنت والجماعت میں سے تھا، مقرر کر دیا۔

سال ۹۷۵ھ میں بادشاہ کا چھوٹا بھائی شنکر خانؔ، نوشہرہ کے پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلا اور وہاں کے حدود واطراف پر قابض ہو گیا اور ظلم وستم کرنے لگا۔ اس کے ظلم وجور سے تنگ آ کر رعایا نے حسین خانؔ کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کی۔ حسین خانؔ نے حکم دیا کہ اس بدفطرت کو اس کے علاقے سے باہر نکال دیا جائے اور اگر ضرورت ہو تو اس بارے میں مدد فراہم کی جائے۔ یہ خبر سن کر شنکر خانؔ نے ایک لشکر کو آراستہ کر کے حسین خان کے ساتھ جنگ کرنے کے اقدامات کئے اور پونچھ میں آ گیا۔ ادھر سے علی خان چکؔ اور ملک محمد ناجی نے سمندر کا سا جوش رکھنے والی فوج کے ساتھ اس خرگوش کا تدارک کرنے کی خاطر جوش میں آ کر پونچھ کے پہاڑوں میں جنگ کی آگ بھڑکائی اور بہت جدال وقتال کے بعد شنکر خان کو شکست دے کر لوٹ آئے۔

حسین خانؔ اپنے دیگر بھائیوں کے مقابلے میں رعایا پروری اور انصاف کرنے میں موصوف تھا لیکن مذہب کے تعصب، شیعہ مسلک کی ترویج اور اس

مسلک کی رسومات کو ترجیح دینے میں وہ ہمیشہ ہندوؤں اور اہل سنت والجماعت کی مخالفت و مزاحمت کیا کرتا تھا۔ اگرچہ ظاہر کی رعایت کرتے ہوئے امور شریعت کی خدمات کے بارے میں وہ حنفی مذہب کی عزت کرتا تھا لیکن اندرونی بدی و شر کے بموجب اس نے بہت سے اہل سنت علماء و فضلاء کو قتل کردیا۔ چنانچہ سال ۹۷۵ھ میں شیعہ میرزا مقیم [ذیلی یاد داشت = بقول ڈاکٹر صوفی (**کشیر** ج ا رص ۲۲۳) حسین خان چک بذات خود میرزا مقیم کے استقبال کے لیے ہیرہ پورہ چلا گیا۔ ہیرہ پورہ وادی پیر پنچال میں قصبۂ شوپیان سے جنوب مغرب کیطرف قریب سات میل کی دوری پر ایک گاؤں ہے۔ ڈاکٹر صوفی کی تحقیق سے ہیرہ پورہ کا پرانا نام شیو پور تھا۔ ہیرہ پورہ، راجوری کی طرف، جو ہندوستان کے چغتائی بادشاہوں کی شاہراہ ہے، کشمیر کا دروازہ ہے] بادشاہ اکبر کیطرف سے بظاہر سفیر کی حیثیت سے لیکن بہ باطن اس ملک کے اطوار و احوال کے جاسوس کی حیثیت سے، ایک جماعت کے ہمراہ کشمیر میں آکر ایک عرصہ کے لیے قیام کیا۔ قاضی حبیب اللہ، جو شہر کا قاضی اور جامع مسجد کا خطیب تھا جمعہ کی نماز کے بعد کوہِ ماران کے دامن میں زیارتِ قبور کے لیے جارہا تھا۔ یوسف بندر (واقعاتِ کشمیر ص ۹۱ میں یہ نام یوسف منڈو آیا ہے) نے تعصب اور ثواب حاصل کرنے کی خاطر شمشیر کھینچ کر قاضی پر ماردی اور قاضی کا سر زخمی ہوگیا۔ جب دوسرا ضرب لگایا تو قاضی نے اپنے ہاتھ کو سپر بنالیا جس سے اس کی انگلیاں کٹ گئیں۔ مولانا کمال نے [ذیلی یادداشت = میر کمال الدین یا ملّا محمد کمال، مولانا جمال کے بھائی ہیں۔ آپ حقائق و مشکل مسائل کے کشّاف تھے۔ مجموعۂ علم و عمل اور زُہد و تقویٰ تھے۔ اوّل آپ بابا فتح اللہ اور پھر اس کے بعد خواجہ عبدالشہید احراری، جو مقرّب پروردگار حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی بزرگوار اولاد میں سے تھے، کی

خدمت میں حاضر ہو کر کمالات سے مستفید ہوئے۔ آپ نے سیالکوٹ اور لاہور میں مسند علوم کو آراستہ کیا۔ حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد شرہندیؒ (متوفی صفر المظفر ۱۰۳۵ھ مطابق نومبر ۱۶۲۵ء) اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ آپ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ سال ۱۰۱۷ھ میں (۱۶۰۸ء) لاہور میں آسودۂ خاک ہوئے ___ **واقعاتِ کشمیر** ص ۱۱۹] جو قاضی کے داماد تھے، خود کو قاضی پر ڈال دیا اور یوسف مذکور قاضی کو مجروح کرنے کے بعد بھاگ گیا۔

یہ خبر سن کر علی کوکہ اور دیلی کوکہ نے، جو اہل سنت میں سے تھے، یوسف مذکور کو قید کر دیا اور دربار عام میں حسین خان سے لکھ کر لے لیا کہ یوسف بندر کے بارے میں جو بھی شرعی حکم ہو اسے جائز ٹھہرایا جائے۔ علی کوکہ نے مولانا شمس الدین الماس، ملاّ یحیٰ گنائی ولد نونی گنائی مشہور بہ ملاّ فیروز کے پاس جا کر بیان کیا کہ حسین شاہ نے سزا کے طور پر یوسف بندر کو مار ڈالنے کا حکم دیا ہے پس آپ بھی اس کے فرمان کے مطابق شرعی حکم کو جاری کر دیں۔ دونوں مفتیوں نے کہا کہ اگر کوئی آدمی حاکم شرع یا والیِ اسلام کے خلاف کوئی ذہانت وتذلیل کرنے یا اسے قتل کرنے اقدام کرے، تو اگر حاکمِ وقت ایسے شخص کو سزا دینے کی خاطر قتل کر دے اس پر شرعاً کوئی گرفت نہیں۔ اسی اثناء میں شہر کے عوام نے ہجوم کر کے یوسف بندر کو آنکھ جھپکنے میں قتل کر ڈالا۔ چند دنوں کے بعد حسین خان کا اپنا فرزند ارجمند ابراہیم خان جو حسن وخوبصورتی میں روشن چاند اور فن سپاہ گری، تیراندازی اور گھوڑ دوڑ میں بے مانند تھا، چیچک کی بیماری سے فوت ہوا۔ حسین خان اس کی جدائی میں مصیبت زدہ اور پریشانِ خاطر رہا اور ایک شیعہ عالم ملاّ زین الدین نے حسین خان کو یہ بات ذہن نشین کر دی کہ مسلمان مفتیوں نے بے گناہ یوسف کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اسی کی بیگناہی کی شامت سے آپ کا جگر گوشہ کی جان چلی گئی کیونکہ اس کے حق میں انصاف

نہیں ہوا۔ حسین خاں نے دربار میں شہر کے مفتیوں کو بلوایا اور اکبر بادشاہ کے سفیر میرزا مقیم کے سامنے، جو شیعہ مذہب کا تھا تجویز پیش کی کہ: ''یوسف بندر مطلق طور پر بے گناہ ہے۔ حنفی مفتیوں نے تعصب کی بناء پر اس کے خلاف قتل کا حکم جاری کر دیا۔ اس بارے میں آپ میری طرف سے منصف ہیں۔ آپ دونوں فریقین سے دعویٰ و دلیل کے ساتھ تحقیق کر کے مناسب حکم دے دیں''۔ میرزا مقیم نے سنّی مفتیوں سے پوچھا کہ: ''آپ لوگوں نے کس مسئلہ کے تحت یوسف بندر کو قتل کر ڈالنے کا حکم دیا؟'' مفتیوں نے شرعی دلیل پیش کی کہ: قاضیِ اسلام کی توہین کرنا شریعت اور صاحب شریعت کی توہین کا موجب ہے اور ہر ملّت و مذہب میں اس کا مرتکب قتل کا حقدار اور سزاوار ہے نیز شریعت میں آیا ہے کہ اگر والیِ اسلام چھوٹی سزا کی جگہ، سزا و تنبیہہ کی خاطر بڑی سزا بھی جاری کر دے تو روا ہے۔ ہم نے شریعت کی اطاعت اور اولی الامر کی متابعت کرتے ہوئے حکم جاری کر دیا۔ علاوہ اس کے علی کوکہ اور دیلّی کوکہ نے ہمارے پاس آ کر اظہار کیا کہ حسین خاں نے سزا کی خاطر یوسف بندر کو قتل کئے جانے کا حکم دیا ہے پس آپ اس کا قتل کر دینے کا حکمنامہ لکھ دیں۔ ہم نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ حاکم کے حکم نے اسے قتل کر ڈالا''۔ حسین خان نے قسم کھائی کہ میرا اسے قتل کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا میں نے اس کا معاملہ قاضیوں اور علماء کے سپرد اس لیے کر دیا کہ اسے کوئی مار نہ ڈالے۔ جب حسین خاں نے یہ بات کہی تو مفتی خاموش رہے۔ یوسف بندر کے وارثوں نے دعویٰ کیا کہ یوسف بندر مذکور مسجد کے باہر شمشیر بازی کر رہا تھا غلطی سے اس کی تلوار قاضی کے ہاتھ پر آ لگی اور وہ زخمی ہو گیا اور اسی بات پر انہوں نے فرضی گواہ (جھوٹی شہادت) پیش کئے۔ میرزا مقیم نے تجویز کیا کہ: ''مفتیوں نے تعصب کی بناء پر اس کے حق میں قتل کا حکم دیا ہے وہ مطلق بے گناہ ہے''۔

حسین خاںؔ نے یوسف بندرؔ کے وارثوں کو حکم دیا کہ وہ یوسفؔ بے گناہ کے قصاص میں دونوں مفتیوں کو قتل کر ڈالیں۔ اس روز کشمیرؔ کے تمام لوگ جھیلِ ڈلؔ کی سیر کو گئے ہوئے تھے شہر خالی تھا وقت کو غنیمت جان کر حسین خاںؔ نے ان دونوں مفتیانِ بزرگوار کو شہید کر ڈالا [ذیلی یادداشت = فرشتہؔ کے بقول (ص ۳۶۴) میرزا مقیمؔ کے حکم سے دونوں مفتی حضرات فتح خان چکؔ کے ہاتھوں قتل ہوئے] تاریخ۔

از پیِ تاریخِ آن در دینِ وحید
گفت :"شد از بہر دین ملاّ شہید"

(۹۷۳ھ = ۱۵۶۵ء)۔ ان دو بزرگواروں کی شہادت کے بعد میرزا مقیمؔ نے لوٹ جانے میں جلدی سے کام لیا۔ حسین خاںؔ نے شاہی فرامین کو قبول کرتے ہوئے طوق بندگی گردن میں ڈال دیا اور اکبر شاہؔ کے ساتھ بیاہ کرنے کی خاطر اپنی بیٹی کو بے شمار تحائف و نذرانوں کے ساتھ میرزا مقیمؔ کے ہمراہ روانہ کیا اور وکیل کی حیثیت میں اپنی طرف سے میرزا یعقوبؔ کو بھیج دیا۔ ان کے جانے کے بعد خواجہ حاجی گاؔنی نے جو شہر کے اکابرین میں سے تھا شیخ عبدالنبیؔ ، ملاّ عبداللہؔ اور اہل سنت کی ایک جماعت کے ہمراہ اکبر بادشاہ کے دربار میں جا کر فریاد کی اور مولوی الماسؒ اور ملاّ فیروزؒ کی شہادت کے بارے میں استغاثہ پیش کیا۔ اس سانحہ کے واقع ہو جانے پر اکبر بادشاہ نے میرزا مقیم، میرزا یعقوبؔ اور میر چستیؔ کو قتل کر دیا اور حسین خان کے تمام تحائف کو مسترد کر دیا اس کے بعد حسین خاںؔ نے اپنے طور طریقوں سے بیزار ہو کر رعایا پروری اور علماء و مشایخ اور اہل سنت کی پرورش کی طرف توجہ کی اور گذشتہ اعمال و افعال کا تدارک کرتا رہا۔ آخری عمر میں فالج کے مرض میں مبتلا ہو کر زندگی سے محروم ہو گیا۔

اسی حال میں محمد ناجی، علی کوکہ اور دیلی کوکہ وغیرہ نے چند لوگوں کے ساتھ مشورہ کیا کہ علی خان اور سیّد مبارک خان بیہقی کو بیڑیوں میں باندھ کر قید میں ڈال دیا جائے اور حسین خان کے بیٹے کو ملک کے تخت پر قائم مقام کی حیثیت سے بٹھا کر اُمور مملکت کا انتظام خود سنبھالیں گے۔ یہ بات علی خان نے جب سنی تو وہ پریشان ہو گیا اور اس نے سید ابراہیم خان کے فرزند سیّد مبارک اور غازی خان کے بیٹے ابراہیم خان اور لولی ملک [ذیلی یادداشت = فرشتہ اور نظام الدین بخشی نے اس نام کی جگہ لودنی ملک لکھا ہے جو بظاہر سہو ہے] وغیرہ اعیان ملک کے ساتھ عہد و پیمان کو استوار کر کے، شکار کے بہانے سے سوپور قصبہ کی طرف دھاوا بول دیا۔ علی کوکہ نے اپنے قابلِ اعتماد آدمیوں میں سے دو تین آدمیوں کو علی خان کو بلوانے کے لیے بھیج دیا کہ اسے مکر و فریب کے ساتھ گرفتار کر لے لیکن علی خان اس کے مکر کے دام میں نہیں آیا اور اپنی جماعت میں رہا یہاں تک کہ سارے امراء جو آوارگی کی حالت میں اطراف میں منتشر تھے لوٹ کر علی خان کے ساتھ مل گئے اور اِبہ خان اور لولی ملک بھی شہر سے بھاگ کر اس کے ساتھ ملحق ہوئے۔ جب فوج جمع ہو گئی تو علی خان نے سوپور سے اٹھ کر شہر کا رُخ کیا اور ہانجی ویرہ گاؤں میں مقابلہ آرائی کا علم بلند کیا۔ نجی ملک اور علی کوکہ نے پوری فوج کے ہمراہ اُن پر شبخون مارا اور ددونون جانب کے بہت سے لوگ مجروح اور قتل ہوئے۔ علی کوکہ اور نجی ملک وہاں سے اٹھ کر زینہ کوٹ گاؤں میں چلے آئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ علی خان کے بغیر کوئی دوسرا بادشاہت کا سزاوار نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ بغیر کسی فتنہ و فساد کے حکومت کا تاج اس کے سر پر رکھ کر ہم بھی سر بلندی و افتخار پائیں۔ پس انہوں نے اسی وقت بابا خلیل کے ہاتھ شاہی تاج اور قابل مباہات خلعت علی خان کے پاس بھیج دیا اور سیّد مبارک خان کے ساتھ قسم کھا کر متحد و ہم پیمان ہو گئے۔ اس کے بعد علی خان

کے حضور میں گران قیمت خلعت پاکر سربلندی حاصل کرتے ہوئے کمال کرّ وفر کے ہمراہ شہر میں داخل ہوکر علی خان کو بادشاہی تخت پر بٹھا دیا۔ حسین خان نے سات سال کا عرصہ حکومت میں گزار کر زینہ پورہ میں یادِ خدا کے لیے گوشہ نشین ہوگیا اور چند ماہ کے بعد فوت ہوا[ذیلی یادداشت = ملک حیدر چاڈورہ (ص ۶۴) کے بقولِ سل کی بیماری اور فرشتہ (ص ۲۴) اور بخشی نظام الدین صاحب طبقات اکبری ص ۶۲۸، اسہال کی بیماری سے فوت ہوا]''۔

مجموع التواریخ کے مصنف نے اپنے معمول کے مختصر بیان میں لکھا ہے کہ: ''اس (غازی چک) کی وفات کے بعد حسین چک اس کا بھائی ملک رانی کے امور کو ناجی چک کے مشورہ سے احسان اور رعیّت پروری کے ساتھ انجام دیتا تھا وہ شیعہ مذہب کا پیرو تھا اور اس نے اپنی بیٹی کو میرزا مقیم کے ہاتھ اکبر بادشاہ کے لیے بھیج دیا۔ اس نے ہفتہ کے دنوں کو یوں تقسیم کرلیا تھا جمعہ کے روز علماء اور دانش مندوں کے ساتھ، سنیچر کو پنڈتوں اور برہمنوں، (یک شنبہ یعنی اتوار کا ذکر میرے قلمی نسخہ کی نقل میں موجود نہیں ہے ــــ ڈاکٹر شمس الدّین احمد) سوموار کو قاضی اور مفتیوں کے ساتھ، منگلوار کو سیر و شکار، بدھوار کو تیر اندازی اور سپاہیوں کے ساتھ اور جمعرات کو اہلِ نشاط اور مقامی لوگوں کیساتھ گزارتا تھا اور ہر طائفہ کے حق میں ان کے مراتب و مقام کے مطابق انعام اور مدد معاش کی رقم مقرر کی تھی۔ شاعری میں بھی استعداد پائی تھی اور یہ دو شعر اس کے نتائجِ طبع ہیں۔

حمائل کردہ تیغ و بستہ خنجر یار می آید
دلا! برخیز و کاری کن کہ جان در کار می آید

آن تُرکِ آل پوش سوارِ سمندر شد
یاران حذر کیند کہ آتش بلند شد

کچھ عرصہ بعد حکومت اپنے بھائی علی چک کے حوالے کر دی اور خود زینہ پور پرگنہ میں اقامت کر کے سال ۹۷۷ھ (۱۵۶۹ء) میں وفات پائی‘‘۔

کنگڈم آف کشمیر میں آیا ہے کہ: ’’غازی چک کے بعد اس کا بھائی حسین شاہ چک سال ۱۵۶۳ء میں تخت نشین ہوا۔ موخر الذکر کے عہد میں، **شگ** لکھتا ہے کہ: ’’لوگوں کو یقین ہوا کہ ملکِ کشمیر جنت کے برابر ہے‘‘ ملک کو چوروں اور لٹیروں سے خالی کر دیا گیا۔ رشوت خوار افسروں کے ساتھ سختی کا برتاؤں کیا گیا۔ لوگ آسانی کے ساتھ سلطان کے پاس پہنچ جاتے اور اپنی شکایات کو حل کراتے تھے۔ کاشتکاروں کے مسائل کا بالخصوص خیال رکھا جاتا تھا۔ اس کی حکومت کی ایک خاص خصوصیت بہر حال شاہی زمینوں کی منصوبہ بندی اور ملکی قوانین کی پابندی تھی۔ سلطان نے ہر شعبہ کے اُمور کو حل کرنے کی خاطر ہفتہ میں ایک خاص دن مقرر کر رکھا تھا اس کے عہد میں ہندوؤں کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی۔ وہ ان کے بعض تہواروں جیسے بسنت پنچمی اور شری پنچمی میں ذاتی طور پر شرکت کرتا تھا۔ لیکن حسین شاہ کی حکومت میں چند بغاوتوں نے خلل ڈالا۔ ان میں سے سب سے زیادہ تہدید آمیز بغاوت سال ۱۵۶۵ء کی تھی جس کی ہدایت فتح چک، شمس دوتی اور کئی دیگر امراء کر رہے تھے۔ ایک روز جب کہ سلطان دار الخلافہ سے دور شکار کو گیا ہوا تھا ان باغیوں نے اس کے شاہی محل پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن سلطان کے معاونین نے ان کو شکست دی اور ان میں سے بعض کو قتل کر دیا۔ مُبارز خان، حسین چک کا پہلا وزیر اعظم تھا۔ سال ۱۵۶۷ء میں اس کو ملک لولی کے تقرر سے بدل دیا گیا لیکن اسے غبن کا مرتکب پا کر الگ کر دیا گیا اور علی کوکہ کو

نیا وزیر اعظم بنا دیا گیا لیکن وہ بھی اپنے آقا کا وفادار نہ نکلا اور اس کے لیے کئی مصیبتوں کا موجب بن گیا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا حسین شاہ ایک وسیع القلب حکمران تھا اگر چہ وہ خود ایک شیعہ تھا اس نے خوارزم کے ایک سُنی فقیہہ سیّد حبیب کو سرینگر کا قاضی اور جامع مسجد کا امام و خطیب بنا دیا۔ ایک روز سال ۱۵۶۸ء میں قاضی نے شیعوں کی ایک مجلس مباحثہ میں یوسف عین دار نامی شیعہ کی ملامت کی جس کے جواب میں موخرالذکر نے قاضی کی توہین کی [یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ تمام فارسی تاریخوں نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ یوسف شیعہ نے ثواب کمانے کی نیت سے سنّی عالم قاضی حبیب اللہ کو شمشیر کا ضرب لگا کر، جس سے اس کے سر پر سے پگڑی زمین پر آگری تھی، اس کی توہین کی تھی۔ کسی بھی تاریخ میں شیعہ مجلس مباحثہ کی تشکیل اور اس میں مذکورہ قاضی کی شرکت کرنے کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے ــــ ڈاکٹر شمس الدّین احمد]۔ فوراً اُن کا باہمی مناقشہ مسلّح لڑائی میں بدل گیا اور قاضی نے یوسف پر چابک کی ضرب ماری جب کہ موخرالذکر نے اوّل الذّکر کو تلوار سے زخمی کر دیا۔ جب اس واقعہ کی خبر علی کوکہ کو ملی، جو ایک کٹر سنّی تھا، اس نے سلطان کو اس معاملہ کی تحقیق کرنے کے لیے علماء کی ایک مجلس شوریٰ تشکیل دیے جانے کا مشورہ دیا۔ اس کے مطابق قاضی موسیٰ، ملّا یوسف الماس اور ملّا فیروز گنائی، جو سب سنّی تھے، پر مشتمل مجلس شوریٰ ترتیب دی گئی اور چھان بین کرنے کے بعد انہوں نے یوسف کو قتل کر دینے کی سفارش کی۔ [مولانا الماس کا نام شمس الدین تھا نہ کہ ملّا یوسف ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ یہ سزا خود قاضی حبیب کی نظر میں بہت سخت تھی کیونکہ اسے حملہ آور نے قتل نہیں کیا تھا لیکن سلطان نے سزا کو قائم رکھا جس کے نتیجے میں یوسف کو بے رحمی کے ساتھ عوام کے سامنے سنگسار کر دیا گیا [یہ صحیح نہیں ہے۔ یوسف شیعہ حملہ آور کو قتل کر دیا گیا ــــ ڈاکٹر شمس الدین

احمد]۔اس سے شیعوں میں سخت ناراضگی پھیل گئی اور انہوں نے تقاضا کیا کہ
ناانصافی پر مبنی سزا دینے والے ججوں کو مناسب سزا دی جائے۔اس موقع پر مغل
شہنشاہ اکبر نے ،جس کی سخت خواہش تھی کی ہندوستان کی بڑھتی ہوئی سلطنت
میں کشمیر کو ضم کردیا جائے ،ایک میرزا مقیم اصفہانی نامی شیعہ کو حسین شاہ کے
دربار میں سفیر کی حیثیت سے بھیجا تھا۔کشمیر کے شیعہ جب یوسف کے قتل کے
معاملے پر سخت برہم ہوئے تو سلطان نے معاملہ میرزا مقیم کے سپرد کردیا۔
میرزا نے وادی کے تمام علماء سے ،بشمول ان علماء کے جنہوں نے یوسف کے
حق میں قتل کا حکم دیا تھا ،مشورہ کیا۔ان اراکین نے اسے کہا کہ انہوں نے علی
کوکہ کی ہدایت پر بادشاہ کی طرف سے ،جو چند سیاسی وجوہات کی بناء پر یوسف
سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔سزا سنائی تھی لیکن بادشاہ حسین شاہ نے اس معاملے
پر کسی بھی طرح سے اثر انداز ہونے سے انکار کیا۔آخر کار علماء نے خواہ سنّی یا
خواہ شیعہ ،سزا کو ناانصافی پر قرار دیا[یہ نادرست ہے بلکہ مقیم مرزا نے محض شیعہ
ہونے کی بناء پر حسین شاہ شیعہ بادشاہ کے ایماء پر فیصلہ بدل دیا___ ڈاکٹر شمس
الدّین احمد] نتیجہ یہ ہوا کہ ملاّ فیروز گنائی اور یوسف الماس (صحیح ہے مولانا
شمس الدّین الماس) کو اہانت کے ساتھ بازاروں میں پھروانے کے بعد قتل
کردیا گیا اور تیسرا جج قاضی موسیٰ پہلے ہی فرار ہوچکا تھا[قاضی موسیٰ کے فرار
ہونے کی بات نادرست ہے کسی بھی مورخ نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے
___ ڈاکٹر شمس الدّین احمد]۔اس کے فوراً بعد حسین شاہ نے میرزا مقیم کو قیمتی
تحائف اور شہزادہ سلیم کے لیے اپنی بیٹی کو نکاح کی خاطر آگرہ بھیج دیا۔[مقامی
فارسی تاریخوں میں لکھا ہے کہ حسین شاہ نے اپنی بیٹی کو خود اکبر بادشاہ کے ساتھ بیاہ
کرنے کی غرض سے بھیجا تھا___ ڈاکٹر شمس الدّین احمد] لیکن سفیر کے واپس پہنچنے
سے پہلے ہی علی کوکہ کے آدمی اکبر بادشاہ کے دربار میں آچکے تھے انہوں نے

قاضی حبیب اور یوسف عین دار کے معاملہ کو اس طرح سے بیان کیا تھا جس سے میرزا مقیم کی ساری کارکردگی اور طور طریقہ شیعوں کی طرف داری کرنے کی طرف دکھائی دی۔ اس طرح سے شہنشاہ اکبر کے احساسات برانگیختہ ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واپس آتے ہیں فوراً سفیر مذکور کو آگرہ میں قتل کر دیا گیا [یہ مصنف کا استشباہ ہے کہ میرزا مقیم کے آگرہ لوٹتے ہی اسے قتل کر دیا گیا۔ اکبر بادشاہ اپنے دربار میں موجود علماء وفقہاء کے ہوتے ہوئے علی کوکہ کے آدمیوں کی بات پر کیسے یقین کر سکتا تھا اس نے معاملے کی پوری تحقیقات خود اپنی طرف سے ایک مجلس شوریٰ کو قائم کر کے کروالی اور ان کے بے طرف اور حقائق پر مبنی فیصلے کی رُو سے جانب دار شیعہ میرزا مقیم کی گردن اڑا لی ـــ ڈاکٹر شمس الدین احمد] اور حسین شاہ کے تحائف اور اس کی بیٹی کو واپس کر دیا گیا۔

علی کوکہ کی سازشوں کی وجہ سے حسین شاہ کی حکومت بھی رسوائی کی حالت میں ختم ہوئی۔ سلطان کی بگڑتی ہوئی صحت کے پیش نظر علی کوکہ نے اسے مشورہ دیا کہ اپنے بیٹے کے حق میں تخت سے دستبردار ہو کر اپنے بھائی علی خان کو قید میں ڈال دے جو تخت کا حریف بن سکتا تھا لیکن اس مشورہ پر عمل کرنے سے پہلے ہی علی خان نے اس منصوبہ کی شہ پالی اور وہ سوپور بھاگ گیا۔ اپنے معاونین کو وہاں پر اکٹھا کر لینے کے بعد وہ سری نگر لوٹ آیا اور مختصر جنگ کے بعد شہر میں داخل ہوا۔ حسین شاہ نے تخت چھوڑ دیا اور زین پور چلا گیا جہاں ایک سال بعد اس کی وفات ہوئی''۔ پروفیسر محب الحسن نے **کشمیر سلاطین کے عہد میں** (اردو ترجمہ) نامی کتاب میں سلطان حسین شاہ کی جنگوں کے بارے میں جو ذکر کیا ہے وہ کم وبیش تمام مقامی فارسی تاریخوں سے مطابقت رکھتا ہے البتہ یوسف (پروفیسر موصوف نے یوسف غیدار لکھا ہے یہ نام کسی بھی مقامی تاریخ میں نظر سے نہیں گذرا) کو قتل کرنے کے قصے کے حوالے کثر شیعہ

مورّخوں کی صرف دو تاریخوں یعنی میرزا حیدر چاڈورہ کی تاریخ کشمیر اور کسی نامعلوم تاریخ نویس کی بہارستانِ شاہی سے پیش کرنے سے چونکہ بیان میں سخت تضاد اور جانبداری کا پہلو داخل ہوا ہے اس لیے محبّ الحسن کا یہ ذکر مشکوک لگتا ہے اور محبّ الحسن خود بھی شیعہ ہونے کی وجہ سے طرفداری سے خالی نظر نہیں آتا۔

۱۱۸۰: **خَانُ جَمانَ** : یعنی خان زمان جو سلطان حسین شاہ چک کا وزیر تھا۔

۱۱۸۱: **شَارِکَا سُتھَانَ**: غالباً شارکا مندر سے مراد ہے جو کوہِ ماران کے مغربی ڈھلوان پر بنا ہوا ہے کشمیر کے ہندوؤں میں یہ مندر بڑی شہرت رکھتا ہے اور تقریباً ہر روز علی الصباح ایک بڑی تعداد وہاں پوجا کرنے کے لیے جمع ہو جاتی ہے۔

۱۱۸۲: **جَیشٹھہ ردرَ** : غالباً کوہِ سلیمان سے مراد ہے۔

۱۱۸۳: پروفیسر محبّ الحسن نے لکھا ہے کہ اپنی حکومت کے آخری دور میں حسین شاہ کے منہ میں سرطان ہو گیا تھا اور حسین شاہ جب مستقل قیام کے لیے زین پور چلا گیا تو وہیں بخار میں مبتلا ہو کر ایک سال کے بعد انتقال کر گیا۔ حیدر ملک چاڈورہ نے دِق (سِل) کی بیماری اور طبقاتِ اکبری کے مولف اور فرشتہ نے حسین شاہ کی موت کو اسہال کی بیماری کا موجب بتایا ہے۔

۱۱۸۴: **علی خان**: یعنی علی شاہ چک۔ **تاریخ حسن** (ج ۲/ص ۲۸۸۔۲۹۵) میں آیا ہے کہ "حسین خان چک کے بھائی علی خان نے سال ۹۷۸ھ (۱۵۷۰ء) میں بخت کی مدد سے تخت پر جلوس کر کے رعایا کی بہبودی، فضلاء کی عزت افزائی، علماء کی تکریم اور مشائخ و فقراء کی تعظیم کا علم لہرایا اور جامع مسجد میں علماء و فضلاء اور عام لوگوں کی حاضری میں ظلم و ستم، جور و جفا، بدعت و تعصب، لہو و لہب اور ناجائز امور سے توبہ کر کے اپنی حکومت کے

ایام میں بندگانِ خدا کے حق میں عدل واحسان کے ساتھ آرام وآسائش کا سلوک کیا اور بے رحمی وسنگدلی، آنکھیں نکال دینے، اعضاء کو کاٹ ڈالنے، جو گذشتہ سلاطین کا معمول تھا، کی رسم کو ترک کر دیا۔ **حضرت سلطان العارفینؒ** اور **شیخ ہردی بابا ریشیؒ** کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض پایا اور اُنؒ کی خدمت بجالاتا تھا۔ چنانچہ **شیخ بابا داؤد خاکیؒ** قصیدۂ لامیہ میں اس کی توصیف میں لکھتا ہے ؎

والیِ دوران علی شاہ دوستدارِ صالحان
پُورِ او شہزادہ یوسف شاہ باجاہ وجلال
ہر دو ایشان صحبتِ این پیرؒ را دریا فتند
ہر دُو کردندی دعایِ خیرِ خود از وی سوال
اُوؒ دعا گفتی و ایشان را مبارک آمدی
ہم در بن اشفاق ایشان کرد ازین جا ارتحال

[ذیلی یاد داشت = یعنی حضرت مخدوم حمزہ کشمیریؒ وفات ۹۷۴ھ

☆**شیخ ہردہ ریشیؒ بابا**، **واقعاتِ کشمیر** کے مؤلف کے بقول آہنگروں کے قبیلے سے تھے کمسنی میں خدا پرستی کا ذوق پیدا ہوا اور رشیوں کا طریقہ (دنیا کو ترک کرنے کا طریقہ) اختیار کیا۔ کثیر کرامتوں کے مالک تھے آخر میں حضرت مخدوم العرفاء شیخ حمزہؒ کی صحبت میں پہنچے اور کلّی فوائد سے مستفید ہوئے۔ جب رحلت کی تو اسلام آباد قصبہ میں مدفون ہوئے۔ شیخ دین بود تاریخ وفات ہے (۹۸۶ھ = ۱۵۷۸ء) ☆**شیخ بابا داؤد خاکیؒ**، حضرت مخدوم العارفین شیخ حمزہ کشمیریؒ کے مریدانِ باصفا میں سے تھے۔ ظاہری وباطنی کمالات کے جامع تھے دوبار ہندوستان کا سفر کیا اوّل ملتان کی طرف اپنے پیر کی زیارت کے لیے اور دوسری بار دہلی چلے گئے جب

یوسف شاہ چک کے زمانے میں قاضی موسیٰ کو (یہاں کشمیر میں) شیعوں نے شہید کر دیا۔ حضرت بابا داؤد خاکی کا تاریخِ وصال ۹۹۴ھ (۱۵۸۵ء) ہے۔ واقعاتِ کشمیر سے خلاصہ]۔ سیّد مبارک خان بیہقی کو، جو زمانے کا یگانہ فردِ دانشمند تھا وزارت کے منصب پر امتیاز بخشا اور ملک کے رؤسا کو مناصب و جاگیریں عطا کیں اور ہر کسی سے موافقت اور محبت کا سلوک کر کے اپنی عنایات کا ممنون بنا دیا۔

سلاطینِ کشمیر کی نسل سے (ذیلی یادداشت = یعنی خاندانِ شاہمیری جو چک خاندان سے پہلے حکمران تھا) نازک شاہ کے بیٹوں حاجی حیدر خان اور سلیم خان نے کشمیری امراء کی ایک جماعت کے ساتھ اتفاق کر کے ایک عظیم فوج آراستہ کی اور کشمیر کا رُخ کیا۔ یہ خبر سن کر علی خان نے اپنے بھتیجے لوہر خان اور حبیب چک کے بیٹے محمد چک کو پانچ ہزار سواروں کے ساتھ ان کو دفع کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔ محمد چک نے دھوکے اور فریب سے لوہر خان کو باندھ کر حاجی حیدر خان اور سلیم خان کے پاس لے جا کر اطاعت و فرمان برداری کا اظہار کیا اور نوشہرہ سے ان کو اٹھا کر کشمیر میں لے آیا اور سنگ پور میں پہنچا دیا اور وہاں پر کثیر فوج کے ہمراہ سلیم خان کو قتل کر دیا اور حاجی حیدر خان نے فرار کر کے ہندوستان کی راہ لی۔ اسی حالت میں کشتواڑ کے راجہ بہادر سنگھ نے سرکشی کی۔ علی خان نے اس کے تدارک کے لیے ایک بھاری لشکر بھیج دیا۔ بہادر سنگھ نے خود میں مقابلہ کی طاقت نہ پا کر اپنی بیٹی شنکر دیو (ذیلی یادداشت = بقول ڈاکٹر صوفی شنکر دیوی ـــ کشیر ج ۱ ص ۲۲۰) کو بادشاہ کے پوتے یعقوب خان سے نکاح کے لیے نامزد کیا اور ہر سال اپنے اوپر باج و خراج لازم کر دیا[تاریخ کشتواڑ کے مصنف عشرت کاشمیر نے لکھا ہے (ص ۴۵، مکتبۂ چاند جموں مارچ ۱۹۷۳ء) یہ حملہ سال ۱۵۷۲ء (۹۸۰ھ) میں علی شاہ چک نے کیا اور خود

فوج لے کر حملہ آور ہوا۔ عشرت مذکور نے راجہ بہادر سنگھ کی ہمشیرہ کا نام شنکر دی لکھا ہے ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد] اور مصالحت کی راہ اختیار کی۔ دوسرے سال پھر سے گھمنڈ و تکبّر سے کام لے کر فتنہ و فساد برپا کیا۔ ادھر سے اس کی سرکوبی کے لیے اسماعیل گنائی اور حیدر چک کو اجازت ملی اور بہادر سنگھ پر سے عجز و نیاز سے پیش آیا اور جرائم کی معافی کے لیے اپنی بیٹی فتح خان کو اپنے بیٹے نراین سنگھ ہمراہ بھیجدیا اور بدستور اپنے اوپر باج و خراج، زعفران، باز اور شکاری پرندے بھیجنا لازمی قرار دیا۔ علی خان نے اس کی خطائیں معاف کر دیں اور نراین سنگھ پر نوازشیں کرنے کے بعد اسے رخصت کر دیا۔

اسی سال اکبر بادشاہ کی طرف سے قاضی صدر الدین اور مولانا عشقی، علی خان کے پاس سفیر بن کر آئے اور شاہزادہ سلطان سلیم کے حق میں اس کے بھائی کی بیٹی کی خواستگاری کی۔ علی خان نے تواضع و نیاز مندی کا اظہار کرتے ہوئے اکبر بادشاہ کے نام کا خطبہ و سکہ منظور کیا اور اپنی بھتیجی کو اہل سفارت کے ہمراہ نادر تحائف کے ساتھ لوٹ جانے کی اجازت دی۔ [ذیلی یاد داشت = طبقاتِ اکبری مطبوعہ نول کشور پریس لکھنو ص ۶۲۹ ۔ تاریخ فرشتہ ج ۲ ر مطبوعہ نول کشو پریس لکھنو ص ۳۶۵]۔ اسکے بعد نوروز چک کے بیٹے علی چک نے اپنے طائفہ کے امراء کے ساتھ علی خان کی مخالفت اور اسکے خلاف لڑائی جھگڑا کرنے کے لیے بغاوت کا علم بلند کیا [ذیلی یاد داشت = بقول صاحب طبقات ص ۶۲۹ ر اور فرشتہ ص ۳۶۵ ر علی چک کی علی خان کے خلاف منازعت کی وجہ یہ تھی کہ حسین چک کے مدار الملک دو کہہ نے علی چک کی جاگیر میں داخل ہو کر خلل اندازی کی اور علی خان سے اس معاملے کی شکایت کرتے ہوئے کہا: ''اگر آپ اس کو (دو کہہ کو) روکیں گے نہیں تو ہم اپنے گھوڑوں کے پیٹ کاٹ کر رکھ دیں گے''۔ علی شاہ نے اس بات سے کنایہ مطلب لے کر یہ سمجھا

کہ اس کا مقصد علی شاہ کا پیٹ چاک کر دینا ہے اس لیے غصے میں آ کر اسے گرفتار کر کے کامراج میں بھیج دیا] اور علی خان نے اس کی نیت خاطر سے آگاہ ہو کر اسے فوراً گرفتار کروا کے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ آخر سیّد مبارک خان کی سفارش پر جان کی امان پا کر اسے ملک سے نکال دیا۔ مشارٌ الیہ نے (یعنی علی چک) لاہور میں حسن قلی خان (ذیلی یادداشت = صحیح ہے حسین قلی خان حاکمِ پنجاب) کے پاس جا کر قوّت وامداد کی درخواست کی حسن قلی خان نے اس میں فتورِ عقل اور سر میں پریشانی کا شکار پا کر اس کی بات رد کر دی۔ وہاں سے بھاگ کر محمد کوٹ کی پہاڑیوں میں آ کر شورش اٹھائی۔ علی خان کی فوج وہاں پر پہنچ گئی اور علی چک کو قیدی بنا کر لے آئے۔ کچھ عرصہ بعد اسے مبارک خان کی سفارش پر پھر رہا کر دیا گیا۔

غازی خان کے بیٹے اِیبہ خان (یعنی ابراہیم خان) کے سر میں بھی سلطنت کا خیال تھا ایک روز یوسف خان کے ساتھ برائی اور بے ادبی کے ساتھ پیش آ کر اس کی پگڑی کو سر پر سے اچھال دیا اور یوسف خان کے ملازمین نے تلواروں کے ضرب مار کر اسے قتل کر دیا۔ اسے قتل کر دینے کے بعد یوسف خان اپنے باپ کے خوف سے ہراسان ہو کر خیل وخدم کے ہمراہ سوپور چلا گیا۔ علی خان کے بھائی ابدال خان نے جوش میں آ کر ایک جماعت کو اپنے ساتھ کر لینے کے بعد یوسف خان کے خلاف جنگ و جدل کے اقدامات کئے۔ علی خان نے بھی اپنے ناہنجار فرزند سے بیزار ہو کر اسے مار ڈالنے کے لیے ابدال خان کے ساتھ اپنی فوج ہمراہ کر دی۔ جب ہانجی ویرہ میں اُترے تو سیّد مبارک خان نے [ذیلی یادداشت = سیّد مبارک بیہقی (وفات ۱۵۹۱ء = ۱۰۰۰ھ)، علی شاہ چک کا وزیرِ اعظم اور سیّد ابراہیم بیہقی کا پوتا تھا۔ بیہقی سادات، جو سب سنّی مذہب تھے، کا نسب سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ

کے سُسر محمد بیہقی تک پہنچتا ہے۔ یہ خاندان ایران کے نیشاپور کے شمال مغرب میں واقع بیہق سے سلطان سکندر کے عہد میں کشمیر آ کر آباد ہوا۔ سیّد مبارک خان کی وفات ۹۹۹ھ (۱۵۹۰ء) میں ہوئی۔ تاریخ وفات ہے ''شہید رفت'' اور بہاء الدین گنج بخش'' کے مقبرہ میں مدفون ہوئے ـــــ واقعاتِ کشمیر]۔ ابدال چک کو سمجھایا کہ انہوں نے اپنا وعدہ نبھایا، ایبہ خان کو دم عیسیٰ سے بھی زندہ نہیں کر سکتے۔ اب بہتر ہے کہ اس کی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور اب یوسف خان کو قتل کرنے سے سوائے فتنہ وفساد کے اور کیا حاصل ہوگا؟ یہ باتیں سن کر ابدال خان وہاں سے شہر لوٹ گیا اور سیّد مبارک کی تحریک پر یوسف خان بھی لوٹ کر بساط بوسی سے معزز ہوا۔

اسی سال ۹۸۴ھ (۱۵۷۶ء) میں ماہِ سنبلہ میں [سُنبلہ = سالِ شمسی کا چھٹا بُرج یعنی شہر پور مہینہ جو اگست کے مطابق ہوتا ہے۔ منطقہ البروج کی صورتوں میں سے ایک آسمانی صورت۔ اس صورت میں Spica نامی روشن اور بڑا ستارہ آسمان کے جنوب میں واقع ستاروں میں نمایاں ہوتا ہے۔ مغرب میں سنبلہ کی جگہ Virgo استعمال کرتے ہیں ـــ ڈاکٹر شمس الدّین احمد] جب کہ ابھی فصل پکی نہ تھی ایک ہفتے تک برف وبارش کی شدت سے پیداوار سراسر ضائع ہوگئی اور غلّہ کا وہ قحط پڑا جو مسلسل تین سال تک جاری رہا اور علی خان نے دو سال تک خیرات کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے تمام خزانوں اور دفینوں کو خالی کر ڈالا۔ تیسرے سال قحط زدگان کو اس نے امراء اور ارکان دولت کے حوالے کر دیا۔ قحط کے آخر میں، جب کہ سختی اور تنگی کمال کی انتہا کو پہنچ چکی تھی، علی خان مددگاری اور معاونت طلب کرنے کی غرض سے اکابرِ اولیاء کے مقبروں کی زیارت کرنے کے لیے سوار ہوا۔ راستے میں زیتو چک مجذوب سے، جو کراماتیں کرنے میں مشہور تھے، عاجزی کے ساتھ پوچھا: ''اے مستانۂ خدا! یہ مصیبت کب تک رہیگی؟''

مستانہ نے فرمایا: ''جب تک تیری زندگی باقی ہے''۔ یہ بات سن کر علی خاں سخت آزردگی کی حالت میں اپنے گھر لوٹ گیا۔ جب فصلِ ربیعہ پک گیا تو قحط میں قدرے کمی آ گئی چنانچہ اس کا ذکر حصہ اوّل (ذیلی یادداشت = ''قحط سالی ہائے کشمیر'' کے بیان میں واقعہ ہفتم) میں بیان ہوا۔ علی خاں اپنی زندگی میں اکثر صبح سویرے چوگان بازی اور تیر اندازی کے لیے عید گاہ جاتا تھا اور ان تین برسوں میں اس سے الگ ہو گیا تھا اور قحط کے مصیبت زدوں کی طرف متوجہ رہا تھا جب قحط کی مشکل میں تھوڑی سی کمی آ گئی، علی خاں نے پرانی چوگان بازی کی عادت کو دہراتے ہوئے عید گاہ میں چوگان بازی کی اور گیند کھیلنے کے وقت ذرا سا خم ہو گیا اور اس کی انتڑیاں کٹ گئیں اور گھوڑے پر سے گر پڑا۔ زندگی کے چوگان کو ہاتھ سے چھوڑ کر بہت تیزی کے ساتھ گھر کی طرف دوڑ پڑا لیکن راستے ہی میں فوت ہوا۔ اس کا بھائی ابدال خاں پہلے ہی گھر پہنچا اور اپنے جنگجوؤں اور مددگاروں کی ایک فوج ترتیب دیکر یوسف خاں کا مقابلہ کرنے کی خاطر پوری دلاوری کے ساتھ نوہٹہ میں بغاوت کا علم نصب کیا۔ جب یوسف خاں نے ابدال خاں کی مخالفت اور فتنہ و فساد کی خبر سنی تو علی خاں کی میّت کو جامع مسجد میں رکھ کر اپنے باپ کے جنگجوؤں اور مشیروں اور سید مبارک کاں کے فرزندوں اور مددگاروں کی ایک جماعت کو اسلحہ و سامانِ جنگ سے آراستہ کر کے قصر شاہی کا رخ کیا۔ حالات کے اسی منظر کے دوران سیّد مبارک خان کی صلاح پر، ابدال خاں کا سُسر محمد چک اور بابا خلیل چند امراء کے ساتھ ابدال خاں کے پاس جا کر اسے پند و نصائح سے سمجھایا کہ وہ قتل و حرب اور فتنہ و فساد سے باز رہے لیکن اس کے دل کے پتھر میں ان کی نصیحت کا پانی نہ اترا [ذیلی یادداشت = فرشتہ اور صاحبِ طبقات کے بقول، ابدال خاں نے یوسف شاہِ چک کے پاس جانے کے لیے آمادگی ظاہر کی تھی لیکن چونکہ سیّد

مبارک خان ابدال خان کے حق میں بد باطن تھا یوسف شاہ چک کے پاس جا کر اس نے کہا کہ: "ابدال خان میرے کہنے پر نہیں آیا۔ پہلے اسی کا علاج کیا جانا چاہیے اس کے بعد علی شاہ کو دفن کیا جائے"]۔ سیّد مبارک خان کے قہر و غضب کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے یوسف خان کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا اور سلام و تعظیم و آداب بجا لا کر دلاوری کا زرہ بکترہ پہن لیا اور جنگجوؤں اور بہادروں کی ایک کثیر لشکر جمع کر کے فوہٹہ محلّہ میں حرب و ضرب اور جدال و قتال سے شورِ محشر اٹھا کر دلاوروں کے سر خاک و خون میں ملا دئے۔ سیّد مبارک خان کے فرزندوں سید جلال خان اور سیّد ابوالمعالی نے دلیری کا مظاہرہ کر کے کارہائِ رستمانہ انجام دے کر ایک زخم خنجر سے نصرت چک اور شمس چک کے سر کاٹ دئے اور ملاّ محمد امین ـــــ [غالباً محمد امین مستغنیؔ ـــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد] نے فوراً آواز دے کر یہ تاریخ کہی۔

اوّلاً شاہ بر سرِ صف

زد (۹۸۷ھ =۱۵۷۹ء)

ابدال خان کے جنگجو شیروں کے حملوں سے تنگ آ گئے اور اُن کے پنجوں سے دلاوری اڑتی نظر آئی۔ ابدال خان نے اپنے جنگجوؤں کا انتشار دیکھ کر غضبناک شیر کی طرح سیّد مبارک خان کے سر پر حملہ کر دیا اور اس کے پہلو میں نیزہ ڈبو دیا لیکن سیّد مبارک خان اس کے نیزہ کے ضرب کو اپنے ہاتھ پر روک کر جان بچا لی اور اسی دوران ابوالمعالی کے ہاتھ سے ابدال خان کے سر پر تیر آ کے لگا اور وہ زمین پر گر گیا۔ سیّد حسین خان نے اس کا سر کاٹ دیا اور اس کی موت ہو گئی۔ ابدال خان کا بیٹا حبیب خان باپ کے قتل ہو جانے کے بعد میدانِ جنگ سے باہر نکل کر بھاگ گیا۔ سید جلال خان نے اس کے پیچھے دوڑ کر اسے جنگ میں الجھا دیا اور حبیب خان نے تیز تلوار کے زخم سے جلال

خاںؔ کا پہلوں پھاڑ کر اسے بے جان کر ڈالا ۔

درین باغ سروی نیاید بلند
کہ بادِ اجل بخش از بُن نکند

(اس باغ میں کوئی بھی ایسا سرو نہیں اُگتا جسے موت کی ہوا بنیاد سے نہ اُکھیڑ ڈالے)۔ابھی یوسف خاںؔ میدانِ جنگ میں پہنچا بھی نہ تھا کہ سیّد مبارک خاںؔ فتح مند اور ظفر یاب ہو کر میدان سے لوٹ آیا اور راستے میں یوسف خاںؔ کو مبارک باد و تہنیت دی۔قاضی موسیٰؔ نے میدان جنگ سے ابدال خاںؔ کی لاش کو اٹھا کر علی خاںؔ سے پہلے اس کے آباء کے مزار میں دفن کر دیا اور یوسف خاںؔ نے دوسرے روز اپنے باپ کی تجہیز و تکفین کی۔علی خاںؔ نے کُل نو سال تک حکومت کی"۔

واقعاتِ کشمیرؔ میں اگر چہ تاریخ حسنؔ (جلد دوم) مذکور میں اوپر درج بیانات کو خلاصہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے لیکن چند اہم اضافے بھی کئے گئے ہیں مثلاً یہ کہ مؤلف واقعاتِ کشمیرؔ نے لکھا ہے (ص ۹۲) کہ علی شاہؔ نے سال ۹۷۸ھ میں تختِ سلطنت پر جلوس کیا اور اپنے بھائی حسن خاںؔ کو، جس نے ہنگامہ برپا کر کے کود کو لایق و فائق قرار دیتے ہوئے حکومت کا طوق اپنی گردن میں ڈال رکھا تھا، معزول کر کے اسے زینہ پورؔ کے قلعہ میں محبوس کر دیا۔تین ماہ کے بعد حسن خاںؔ کی موت واقع ہوگئی۔مؤلف واقعاتِ کشمیرؔ نے یہ بھی لکھا ہے کہ دوسری بار جب راجۂ کشتواڑ نے اپنے جرائم کی معافی لی تو فتح خاتونؔ نامی عورت کو بھی اپنے بھائی نارائن سنگھ کے ہمراہ علی شاہؔ کے پاس بھیج دیا۔فتح خاتونؔ، علی شاہ کی مطلوبہ تھی جسے علی شاہ اپنے عقد میں لے آیا۔مؤلف مذکور نے یہ بھی لکھا ہے کہ اکبر بادشاہ کی طرف سے قاضی صدرالدین اور مولانا عشقی نامی جو سفیر علی شاہ کے دربار میں آئے تھے وہ در حقیقت جاسوس تھے جنہوں نے لوٹ کر کشمیر کے طور طریقوں کے مطالعہ کے نتائج سے اکبر بادشاہؔ کو آگاہ کر دیا۔ **مجموع**

التواریخ میں مندرجہ بالا مذکورہ تواریخ کی عبارتوں کی تصدیق وتکرار ہے۔ پروفیسر محبؔ الحسنؔ نے بھی **کشمیر سلاطین کے عہد میںؔ** (اردو ترجمہ) ان ہی بیانات کو نقل کیا ہے البتہ لکھا ہے کہ راجۂ کشتواڑؔ کے ساتھ جنگ کے نتیجے میں راجۂ مذکور نے جب خود میں مقابلہ کی طاقت نہ پائی تو اس نے علی شاؔہ کا اقتدارِ اعلیٰ تسلیم کرلیا اور خراج دینے کے وعدہ کے علاوہ اپنے ایک رشتہ دار کی بیوی کو بھی تحفہ میں پیش کیا جس سے سلطان محبت کرتا تھا۔ دوسری بار کی راجۂ کشتواڑ کے خلاف جنگ میں راجۂ مذکورہؔ نے آئیندہ باقاعدہ خراج دینے کا وعدہ کیا اور اپنی بہن شنکر دیویؔ کو علی شاؔہ کے پوتے یعقوبؔ سے شادی کے لیے بھیجا۔ **کنگڈم آف کشمیرؔ** کے مؤلّف نے بھی مندرجہ بالا منابع کے بیانات کی تائید کی ہے۔

۱۱۸۵: **دیتیہ** : دیوتاؤں کا دشمن۔ ایک دیو۔ بدروح۔ ہندو خرافات میں ایک دیو یا جن۔

۱۱۸۶: **چنتا منی** : ایک داستانی ہیرا جس کے پاس رہنے سے کہتے ہیں کہ آدمی کے سارے ارمان پورے ہو جاتے ہیں۔

۱۱۸۷: **سَمُدرَمَٹھ** : اسے راجہ رام دیو (۱۲۵۲ء۔۱۲۷۳ء) کی رانی سَمُدَرؔ نے سرینگر میں بنایا اور سدرمرؔ سے مشہور ہوا۔

۱۱۸۸: **سکندر پورہ**: موجودہ نوہٹہ کا علاقہ۔

۱۱۸۹: **مُومَار خان** : سیّد مبارک خان بیہقی سے مراد ہے۔

۱۱۹۰: **تاریخ حسنؔ** (جلد۲/ص ۳۰۱۔۳۰۶) میں **سید مبارک خان بیہقیؔ** ، (جسے شُکَؔ نے مومار خانؔ کے نام سے یاد کیا ہے) کے بارے میں مذکور ہے کہ: "سید مبارک خان بیہقی نے سال ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ء) میں حکمرانی کے تخت پر بیٹھ کر ملک رانی کا تاج سر رکھا (ذیلی یاد

داشت = لیکن خواجہ محمد اعظم نے سید مبارک خانؔ کا سن جلوس سال ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) لکھا ہے)۔ایک ساعت کے بعد جلوت سے اٹھ کر خلوت میں چلا گیا اور شاہانہ تاج کو سامنے رکھ کر اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہا: ''اے نفسِ بد! یہ شاہی تاج قابلِ مذمت چیز ہے خبردار! مطلق مغرور نہ ہونا کہ کل کو تمہارا کاسۂ سر مٹی میں ذلیل حالت میں ملا ہوگا۔ چند روز کے لیے یہ تاج تمہارے سر پر وبال ہے ؎ دولتِ گیتی کہ تمنا کند؟ با کہ وفا کرد کہ باما کند!'' یہ کہنے کے بعد مسند شاہی پر بیٹھ کر امور سلطنت کے نظم و ضبط کی طرف متوجہ ہوا۔ ملک رانی کے تاج کو، جو عہد سلاطین سے موتیوں، جواہرات اور یاقوتوں سے جڑا ہوا تھا، توڑ کر غریبوں اور مسکینوں میں بانٹ دیا اور خود حقیر و معمولی لباس پہن کر سادگی کے ساتھ حکمرانی کرنے لگا۔ چکوںؔ کے عہد میں رائج ظلم و ستم اور بے راہ روی کی بدعتوں کو ہٹا دیا۔ چھ ماہ کے بعد کشمیر کے امراء نے سید مبارک خان سے منہ موڑ لیا اور وہ یوسف خانؔ (مراد ہے یوسف شاہِ چکؔ) کے ساتھ مل گئے۔ پہاڑی لوگوں کے ساتھ متفق ہو کر کشمیر کے امراء کی پشت پناہی میں ۲/ ماہِ شعبان ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ء) کو [اس کا مطلب ہے کہ سید مبارک خان بیہقی نے محرم ۹۸۸ھ میں اقتدار سنبھالا تھا ـــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد] یوسف خان نے برتل نامی پہاڑی پر مخالفت کا علم بلند کیا اور ادھر سے سیّد مبارک خانؔ نے اپنے لشکر کے ہمراہ ان کے مقابلہ میں نکل کر موضع سند میں پڑاؤ ڈال دیا چونکہ سید مبارک خانؔ کو حکومت کی ہوس طبیعت کے لیے نامرغوب تھی اس لیے اس نے یوسف خانؔ کے پاس داؤ دمیر کو قاصد کی حیثیت سے بھیجا اور یہ نوشتہ لکھ دیا کہ: ''شہا! فقر و فنا از ما، و ملک و عزّ و جاہ از تو ☆ کہ دنیا را وفائی نیست خواہ از ما و خواہ از تو ☆ دنیا ناپائیدار ہے اور دنیا کے ایام بہت ہی بے وفا۔ اگر باہمی ملاقات ہو جائے تو جانبین کے لیے موجب راستی و

بہبودی ہوگا''۔ جب یہ مسرت سے معمور پیغام داؤ د میر نے یوسف خان کو دیا تو یوسف خان نے اسے جنگ کے مقابلہ میں صلح وصفا کا پیغام پا کر اپنے فرزندوں یعقوب خان اور ابراہیم خان کو داؤ د میر اور ملّا حسن اسود کے ہمراہ سیّد مبارک خان کے پاس بھیج دیا بلکہ خود بھی اس سے ملنے کی خاطر مستعد تھا اسی اثنا میں ابدال بٹ نے یوسف خان، اس کے مصاحبوں اور مشیروں کو یہ بات ذہن نشین کرائی کہ ''خبر دار! سیّد مبارک خان کی باتوں میں نہ آجائیں اور اس کے مکر وفریب کو سمجھ پائیں کہ کہیں ہمارا مقصد ناکام نہ ہو جائے کیونکہ ہماری مراد دو ایک دنوں میں پوری ہونے والی ہے پس ہم کیوں خود کو ذلیل کریں''۔ یوسف خان کے مشیروں اور تدبیر سازوں نے اس بات کی تائید و تصدیق کر کے داؤ د میر کو یہ جواب لکھ کر دیا کہ: ''خان را نہ دانیم ازین گفتگو☆ چہ باشد غرض باشہِ صُلح جو☆ بہ ما از ضرورت صفامی کند☆ نہ از مہر، بل از دغا می کند☆ بہ بیند اگر سیفِ مارا بہ خواب☆شود زہرہ اش آب از اضطراب☆[معلوم نہیں اس گفتگو سے مبارک خان کا ہمارے صلح پسند بادشاہ کے ساتھ کیا مقصد ہے۔ مجبوری کی حالت میں ہم سے صلح کرنا چاہتا ہے مہر ومحبت کی راہ سے نہیں بلکہ فریب کی راہ سے۔ اگر خواب میں بھی ہماری تلوار کو دیکھے گا تو خوف واضطراب سے اس کا پتا پانی پانی ہو جائے گا]۔ داؤ د میر نے جب ان کا یہ سخت قول وقرار سید مبارک خان کے کانوں تک پہنچا دیا، اس کی فطری غیرت کی آگ بھڑک اُٹھی اور بادشاہانہ چم وخم کے ساتھ اس نے ہلہ بول دیا اور مخالفین کے مقابلے میں آ کر گدا بیگ ترکمان اور تمر خان افغان کو، جو ان کی فوج کے سردار تھے، میدان جنگ میں قتل کر دیا اور شنگی میر چاڈورہ کو کئی دلاوروں کے ساتھ گرفتار کر لیا اور نجی رینہ کے گھروں میں موضع برتل میں آگ لگا دی اور یوسف شاہ چند آدمیوں کے ساتھ برتل کے پہاڑی پشتہ کے پیچھے

خسران زدہ و پشیمان ہوکر پڑا رہا اور جب سیّد نامدار کے جنگجو سپاہی اس کے تعاقب میں گئے سید مبارک خانؔ نے ان کو روک کر مزاحمت کرنے کی اجازت نہیں دی اور خود فتح مندی و کامرانی کے ساتھ حکمرانی کے مسند پر رونق افروز ہوا۔ شکار کے بہانے سے نوروز چکؔ کے بیٹے علی چکؔ نے وہاں چند دن گزار دئے اور یوسف خانؔ کو تسلّی و دلد ہی دے کر اپنے ساتھ شہر میں لے آیا اور یوسف خانؔ اور ابدال بٹ کے درمیان رابطۂ الفت میں درستی پیدا کی۔ اس اثنا میں سید مبارک خانؔ کی طبیعت علیل ہو چکی تھی۔ ابدال بٹ اس کی عیادت کو گیا اور جناب سیدؔ کو اکسایا کہ "علی چکؔ پرانے طریقے پر حیلہ وفتنہ انگیزی پر کاربند ہے بہتر ہے کہ چندروز کے لیے اسے قید کرلیا جائے تا کہ فتنہ و فساد مستحکم نہ ہونے پائے" سید مبارک خانؔ نے اس کے کہنے پر عمل کر کے علی چکؔ کو قید کرلیا۔ اسکے معاونین شمس دوبیؔ اور دولت چکؔ ڈر کر سید حسینؔ کی پناہ میں آ گئے۔ شمس چکؔ اور علم شیر خانؔ وغیرہ سید ابوالمعالیؔ کے پاس جا کر التجا کی۔ ابدال بٹ نے خباثت اور بدسیرتی سے کام لے کر لوہر چکؔ اور چک فرقہؔ کے سرداروں کو یہ کہہ کر مشتعل کر دیا کہ سید مبارکؔ نے تمہارے خاندان پر ہاتھ ڈال دیا ہے اور اب وہ عنقریب ہی تم سب کو تتّر بتّر کر کے رکھ دے گا۔ اس سے ان کے دلوں میں رعب و ہراس بیٹھ گیا اور انہوں نے یوسف خانؔ کو پیغام بھیجا اور باہمی محبت و اتفاق کے رشتے درست کر لیے۔ اس وقت سید مبارک خانؔ جسمانی کمزوری کی وجہ سے بستر پر دراز تھا اور چک فرقہ نے ابدال بٹ کے ساتھ عہد و پیمان اور اتفاق کر کے بغاوت کا علم بلند کیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر سید مبارک خان نے جسمانی کمزوری کے باوجود اس جماعت کے ساتھ مقابلہ کرنے کی خاطر عیدگاہ میں پڑاؤ ڈال دیا اور محمد بٹؔ کے ذریعہ ابدال بٹ کو پیغام بھیجا کہ "کل کوزالڈگر کے میدان میں اپنے دلاوروں اور

جنگجوؤں کے ہمراہ آ کر جنگ کرلو۔ جس کسی کے حق میں احکم الحاکمین نصرت و فتح مندی عطا کر دے گا وہی مسندِ حکومت پر بیٹھے گا'' خباثت کی وجہ سے ابدال بٹؔ نے میدان جنگ میں آنے کی جسارت نہیں کی بلکہ یوسف خانؔ کو آگاہ کیا کہ شہر میں آنے میں جلدی نہ کرے۔ ادھر سے بابا خلیلؔ کو سید مبارک خانؔ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا کہ ''آپ کے مشیروں نے علی چکؔ کو قید کر رکھا ہے جس کی وجہ سے چک فرقہ کے جنگجو وحشت زدہ ہیں اور انہوں نے شہر کے پلوں کو محفوظ رکھا ہے اور آپ کے ساتھ جنگ کرنے کا ان کا مطلق کوئی ارادہ نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ علی خانؔ کو قید سے نکال کر آپ کو دخانقاہِ بابا خلیلؔ میں تشریف لے آئیں اور وہاں پر آپس میں عہد و پیمان کو مستحکم کر کے یوسف خانؔ کو پہاڑ سے بلوا کر اس کو حکومت کے تخت پر بٹھا دیں گے اور ہر کسی کو اس کی قدر و منزلت کے مطابق مناصب دیں گے''۔ اَلصُّلحُ خَیرٌ پر عمل کرتے ہوئے سید مبارک خانؔ نے علی خانؔ کو قید سے نکال کر اس کی ہمراہی میں خانقاہِ بابا خلیلؔ کا رخ کیا۔ ابدال بٹؔ نے امراء کی ایک جماعت کے ساتھ اپنی طرف سے حیدر چکؔ کو وہاں بھیج دیا۔ علی چکؔ کو اس نے اپنے مکان میں رہنے کی اجازت دے کر سید موصوف کو تعظیم و تبجیل کے ساتھ کشتی میں بٹھا کر پھر اپنے ہی گھر میں لا کے رکھا۔ ابدال بٹؔ نے اسی وقت علی چکؔ کو مع اس کے فرزندوں کے زنجیروں میں کس کر قید کر لیا اور تیزی سے اپنے بیٹے کو یوسف خانؔ کے پاس روانہ کر دیا کہ ''فی الحال آپ کا آنا باعث نقصان ہوگا آپ اپنی جگہ پر قیام کریں''۔ یوسف خانؔ، پٹنؔ کے مقام پر پہنچ چکا تھا وہاں سے اپنی جگہ پر لوٹ کے چلا گیا اور چند دنوں میں سامانِ سفر مہیا کرنے کے بعد وہ سید مبارک خانؔ کے بھتیجوں کے ساتھ اکبر بادشاہ کی بساط بوسی سے آگرہ میں شرفیاب ہوا۔ اسکے بعد ابدال بٹؔ نے شنکر خانؔ کے فرزند لوہر خانؔ کو ۱۵ ر ماہِ شعبان کے دن

تختِ حکومت پر بٹھا کر سید مبارک خان کو چھ ماہ اور دو دنوں کی حکومت کے بعد معزول کر دیا[ذیلی یاد داشت = خواجہ محمد اعظم کی روایات کے مطابق سید مبارک خان کی حکومت آٹھ ماہ اور پندرہ روز کی تھی ــــ (واقعاتِ کشمیر ص ۹۴) لیکن ابوالفضل نے اس کی حکومت صرف دو ماہ قرار دی ہے جو اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ: "سید مبارک خان دس زبانوں والے فتنہ اندوزوں کی جادوزبانی اور حیلہ گری کے مکروفریب سے تختِ حکومت پر بیٹھا اور دو ماہ کی مدّت پوری ہونے سے پیشتر ہی بے شرم وحیا بدسیرتوں اور ناہنجار بدفطرتوں نے اسے بیقدری کے زاوئے میں بٹھا دیا اور یوسف خان کے عم زاد برادر لوہر چک کو بزرگواری بخشی (اکبرنامہ ج ۳ ص ۳۱۸]" **واقعاتِ کشمیر** (ص ۹۴) میں آیا ہے کہ: "سید مبارک خان نے سال ۹۸۷ھ میں حکومت کشمیر کا علم نصب کیا اور یوسف شاہ کے تخت پر بیٹھ گیا۔ اس کی حکومت کی مدت آٹھ ماہ اور پندرہ روز کی تھی۔ جب سید مبارک خان نے بھی بدسلوکی اور خرابی کا راستہ اختیار کیا تو یوسف شاہ کے اشارے پر، جو پہاڑوں میں کمین میں تھا، شنکر چک نے حیدر چک اور شمسی چک کو پہ واری وغیرہ نے سید مبارک خان کی مخالفت کرنے پر اتفاق کو مستحکم کر لیا اور یوسف شاہ کو بلوانے کے لیے دو آدمیوں کو بھیجا۔ ابھی یوسف شاہ نہیں آیا تھا کہ حیدر چک اور لوہر چک نے پلوں کو توڑ کر زالڈگر میں جنگ کا سمان باندھ کر لوہر چک کو تخت پر بٹھا دیا (حاشیہ پر یادداشت = سید مبارک خان بیہقی سادات کے بزرگواروں میں سے ہے۔ چکوں کی حکومت کے زمانے اپنی قوم کا پیشرو ہوا چنانچہ کشمیر کی حکومت پائی۔ حضرت سلطان مخدوم حمزہؒ کے حضور میں رجوع کر کے توبہ و استغفار کر لیا۔ سال ۹۹۹ھ میں وفات پائی۔ تاریخ ہے شہید رفت۔ بہاء الدین گنج بخشؒ کے مقبرہ میں مدفون ہے۔ سید ابراہیم خان جاگیردار کا بیٹا تھا)۔

سید مبارک خان اگرچہ چکوں کے زیر دست تھا اور یوسف شاہ کے خلاف قول و قرار بھی بے اختیاری اور مجبوری میں کیا تھا پھر بھی جنگ کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ بابا خلیل کے ہاتھ تخت و تاج اور چتر شاہی گوہر چک کے پاس بھیجدیا"۔ [گوہر چک چھاپی اشتباہ ہے یہ لوہر چک ہونا چاہیے ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔ **مجموع التواریخ** کے مؤلف نے بھی واقعاتِ کشمیر کے بیان کی ہی پیروی کی ہے اور **بہارستانِ شاهی** میں بھی تاریخِ حسن مذکور کی عبارات سے مطابقت موجود ہے۔ **کشمیر سلاطین کے عهد میں** پروفیسر محبّ الحسن نے سید مبارک بیہقی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ تاریخ حسن مذکور کی عبارات کے عین مطابق ہے۔

۱۱۹۱: یعنی **یوسف شاہِ چک**۔

۱۱۹۲: **تاریخ حسن** (جلد۲) میں سید مبارک خان بیہقی کی مدتِ حکومت چھ ماہ اور دو دن لکھی ہے جبکہ **واقعاتِ کشمیر** اور **مجموع التواریخ** کے مولفین نے آٹھ ماہ اور پندرہ روز لکھی ہے۔ اور ابوالفضل نے (اکبر نامہ) کل دو ماہ کا عرصہ لکھا ہے۔

۱۱۹۳: **لِهُوَر چَکّ**: یعنی لوہر چک۔ **لوهر چگ** کے بارے میں **تاریخ حسن** میں آیا ہے (ص ۳۰۶-۳۱۲ / جلد دوم) کہ: "حسین خان (چک) کے بھتیجے لوہر خان (چک) نے سال ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ء) میں ابدال بٹ کی صوابدید سے حکومت کے تخت پر جلوس کیا اور ابدال بٹ کو وزارت کا منصب بخشا اور ملکداری کے امور کے نظم و ضبط کی طرف متوجہ ہو کر رعایا کے ساتھ عدل و احسان کا سلوک کر کے (گویا) نوشیروان کا نام صفحۂ روزگار سے مٹا دیا۔ اس کی نیک نیتی کی آبیاری سے غلہ کی کثرت اور کھیتوں کی آبادی اس حد تک پہنچی کہ لوگ شالی کی ایک خروار مس کے ایک فلوس، جس کا وزن اکیس ماشہ

تھا، کے عوض ہر جگہ پر خریدتے اور بیچتے تھے اور بڑی روٹی کی ایک ٹکیہ، جس کا وزن پانچ پاؤ ہوتا تھا اور کشمیر کے لوگ اسے لوہر منڈ کہتے تھے، بازار میں ایک پشیز میں بیچتے تھے (پشیز = پائی، دھیلا، پیسہ۔ سب سے کم قیمیت سکہ۔ کھوٹا سکہ۔ بے چیز۔ تانبے یا مس کا کم قیمت سکہ [ذیلی یادداشت = تاریخ حیدر ملک چاڈورہ قلمی نسخہ ص ۶۹۔ واقعاتِ کشمیر ص ۹۴]۔ جب یوسف خان (چک) اکبر بادشاہ کی آستان بوسی سے فائض ہوا، پادشاہی عنایات اس کے شامل حال رہیں اور دو کنیزیں انعام میں پائیں اور اردوِی معلّی میں گیارہ ماہ تک الطاف و مراحم بارنظروں میں رہا۔ ہر چند امداد و معاونت کی التجائیں کرتا رہا لیکن وقت کی مصلحتوں کے پیش نظر اکبر بادشاہ ٹالتا رہا بالآخر اکبر بادشاہ نے راجہ مان سنگھ [ذیلی یادداشت = راجہ مان سنگھ، راجہ بھگوان داس کچھواہہ کا بیٹا ہے عرش آشیانی کا امراء کے درست عقل و شجاعت میں راہ نما تھا۔ فرطِ خلوص و جان فدائی کی وجہ سے دربارِ شہنشاہ سے فرزند کے خطاب اور کبھی میرزا راجہ سے مخاطب ہوتا تھا۔ سال ۹۸۴ھ (۱۵۷۶ء) میں مغرور رانا کیکائی کو سزا دینے پر مامور ہوا۔ سال ۹۹۳ھ میں عرش آشیانی کے سوتیلے برادر میرزا محمد حکیم کی وفات کے بعد کابل کی حکومت کا امتیاز پایا۔ دلاوری اور مردانگی کا مظاہرہ کر کے روشنائی طائفہ کو، جو خیبر کے راستے میں رہزنی اور لٹیری کیا کرتے تھے خوب سزا دی ۔۳۲ رویں سال میں خود اپنی خواہش پر کابل کی صوبیداری چھوڑ دی۔ ۳۴ رویں سال میں، جب کہ اس کا باپ مر گیا، راجگی کے خطاب اور پنج ہزاری کے منصب سے بلند مرتبہ پایا۔ ۴۵ رویں سال میں ہفت ہزاری اور سات ہزار سوار کے منصب سے (کہ اس عہدہ پر کوئی بھی امیر اس زمانے میں سرافراز نہیں ہوا تھا) سرافراز ہوا۔ نویں جہانگیری سال میں جب کہ خانِ خاناں کی مدد کو دکن گیا تھا، قدرتی موت مرا اور اس کے ساتھ ساٹھ آدمیوں نے اپنی جان جلا ڈالی ___

خلاصہ از مآثر الامراء جلد ۲/ص ۱۶۰ تا ۱۷۰] اور میرزا یوسف کو [ذیلی یاد داشت = میرزا یوسف خان رضوی، مشہد مقدس کے صحیح النسب سادات میں سے ہے۔ عرش آشیانی (اکبر) کی خدمت میں عظیم ترقی کی اور بڑا اعتبار حاصل کیا۔ تیسویں سال میں دو ہزار پانچ سو کے منصب پر سرافراز ہوا۔ جب شہباز خان بہار سے بنگال چلا گیا تو میرزا کو اودھ کی نگہبانی ملی۔ ۳۲/سال میں سنہ ۹۹۵ھ (۱۵۸۶ء) میں جب حاکم کشمیر قاسم خان نے وہاں کی پیوستہ شورش و فساد سے تنگ آ کر استعفیٰ دے دیا تو میرزا وہاں کی حاکمیت پر متعین ہوا اور حسنِ تدبیر سے لوگوں کے دل جیت لیے۔ ۳۹/ویں سال میں توپ خانہ کی داروغگی پر سرافراز ہوا اور اسی سال (۱۰۰۲ھ = ۱۵۹۳ء) قلیج خان کے تبدیل ہو جانے پر جون پور کی جاگیرداری کا حکم پایا۔ اس کے بعد ۴۱/ویں سال میں گجرات کی صوبیداری اور ۴۲ویں سال میں شہزادہ سلطان مراد کی اتالیقی پانے کا فخر حاصل کیا۔ سال ۱۰۱۰ھ (۱۶۰۱ء) میں شہزادہ دانیال کے حکم پر میرزا رستم صفوی کے ساتھ شیک ابو الفضل اور خانخانان کی مدد کرنے کے لیے بالا گھاٹ میں متعین ہوا۔ اسی سال کے جمادی الآخر مہینے میں جالنا پور میں پھوڑے کے درد سے وفات پائی اور اس کی میّت کو مشہد لے جایا گیا۔ اپنے پیچھے تین بیٹے میرزا صف شکن، میرزا عوض اور میرزا افلاطون یادگار چھوڑے۔ ان میں سے دوسرے فرزند نے احوالِ عالم پر مشتمل چمن نامی کتاب تصنیف کی۔ خلاصہ از مآثر الامراء ج ۳/ص ۳۱۴ تا ۳۲۱] ایک کثیر کے ساتھ کشمیر کو مسخر کرنے کے لیے یوسف خان کے ہمراہ متعین کیا۔ شاہی لشکر جب دار الخلافہ لاہور میں پہنچی تو یوسف خان اپنے فرزندوں سے ملاقات اور کشمیری سرداروں کے بارے میں پوچھ تاچھ کرنے کی خاطر پہلے ہی بہلول پور میں پہنچا۔ یہ خبر پا کر ابدال بٹ اور کشمیر کے امراء کی ایک جماعت نے یوسف خان کے نام مدارات و معذرت کے خطوط اپنے معتمد آدمیوں کے ذریعہ

سے بھیج دیے جن کا مضمون یہ تھا کہ: ''اگر اکبر بادشاہ کشمیر کو فتح کر لے گا تو پھر آپ کا اعتبار و اقتدار اپنی جگہ پر قائم نہیں رہے گا بہتر یہی ہے کہ آپ اس مصیبت کو اپنے ملک میں آنے کی راہ نہ دیں اور خود بذاتِ والا بغیر کسی خوف و ہراس کے اس ملک کا رخ کر کے اپنے ملک پر قابض ہو جائیں اور ہم نیاز مندوں کو جو آپ کے خاک بردار ہیں، اپنا فرمان بردار جان لیں''۔ یوسف خان نے ان کے جھوٹے وعدوں اور باطل عہد و پیمان پر اعتبار کر کے، محمد بٹ وزیر اور بعض کشمیری امراء کے اتفاق سے، جو پنجاب میں خراب حال اور آوارہ تھے، تقریباً چار ہزار سپاہی جمع کر کے اور لاہور کے تاجروں سے ایک کثیر رقم قرض لے کر [ذیلی یاد داشت = واقعاتِ کشمیر (ص ۹۵) کی روایت کے بموجب: ''پریشانی احوال کی وجہ سے یوسف شاہ نے لاعلاج ہو کر لاہور کے تاجروں سے ایک رقم قرض لی اور نو سو سوار اور آٹھ سو پیدل فوج کا اہتمام کر کے کشمیر کا رخ کیا] مان سنگھ کی اجازت کے بغیر کشمیر کی طرف چل پڑے۔ جب یوسف خان کے فرار کی خبر اکبر بادشاہ کے کانوں میں پہنچی تو اس کا حال غیر ہو گیا اور اس کے دل میں نفرت پیدا ہو گئی اور راجہ مان سنگھ اور میرزا یوسف پر اعتراضات کیے۔ جب یوسف خان کی لشکر راجوری کے پہاڑوں میں داخل ہوئی، ابدال بٹ نے اپنے عہد و پیمان کو نظر انداز کرتے ہوئے جنگ کی تیاری کر لی۔ لوہر خان نے خود ہیرہ پورہ میں قیام کر کے یوسف خان ولد حسین خان اور حسین خان ولد ایبہ خان کو جنگجو دلاوروں کی ایک جماعت کے ہمراہ یوسف خان (چک) کے مقابلے میں متعین کیا اور نوشہرہ کے مقام پر طرفین میں آپس کا آمنا سامنا ہوا اور وہ جماعت بغیر کوئی جنگ کیے یوسف خان (چک) کے ساتھ مل گئی (ذیلی یاد داشت = واقعاتِ کشمیر ص ۹۵) اور میر حسن چاڈورہ اور شمس دوبی جو اپنی جماعت کے ساتھ بہرام گلہ میں حفاظت اور راستے کو مسدود کر دینے پر متعین تھے، یوسف

خاں (چک) کی بساط بوسی سے فائض ہوئے۔ سیّد مبارک خاں نے ابدال بٹ کے دامِ فریب سے نکل کر اور لوہر چک سے متفق ہونے سے باز رہتے ہوئے یوسف خان (چک) کے ساتھ پیغام و مکتوبات کے دروازے کھول دئے۔ یوسف خان (چک) نے اپنے جنگجوؤں کی ایک جماعت کو بہرام گلہ میں لوہر چک کے مقابلے میں قائم رکھتے ہوئے خود لشکرِ سادتمند کے ساتھ بارہ مولہ کی راہ سے سوپور قصبہ میں اقبال مندی کے خیمے نصب کر کے کامراج پر قبضہ کرلیا اور ابدال بٹ نے لشکر کا ساز وسامان مہیّا اور سوپور کا رخ کر کے علی چک کو قید سے نکال کر اپنے ساتھ لے گیا۔ یہ خبر سن کر لوہر چک ہیرہ پورہ سے دھاوا بولتے ہوئے ابدال بٹ کی فوج کے ساتھ مل گیا۔ تقریباً بارہ ہزار سواروں اور پانچ سو پیدل فوجیوں کی جماعت اکٹھی ہو کر دریائے سوپور کے جنوبی کنارے پر ڈٹ گئے اور وہاں پر چند دنوں تک تیغ و تفنگ اور جنگ و جدل میں مصروف تو رہے لیکن دریا کا پانی حائل ہونے کی وجہ سے دلیرانہ و پلنگانہ جنگ نہ کر سکے۔ ابدال بٹ نے ایک ہزار سواروں کو مسلح اور پوری طرح سے ساز وسامان کے ساتھ لیس کر کے حیدر چک کی سرکردگی میں کھویہامہ کے راستے سے یوسف خان (چک) کے خلاف جنگ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ دوسرے روز ابدال بٹ کے برادر علی بٹ نے مکر و فریب سے کام لے کر بابا خلیل کے ہاتھ یوسف خان (چک) کے پاس خط بھیجا کہ: ''میں علی خاں کا پرورش یافتہ اور ان ہی کا خاک بردار ہوں۔ میں ان کے مخالفین کی باتوں کو چھپا نہیں سکتا۔ کشمیر کے ان امراء نے جو آپ کی لشکر کے ساتھ مل گئے ہیں، لوہر خاں کے ساتھ مل گئے ہیں، لوہر خاں کے ساتھ روابط مستحکم کر لیے ہیں کل وہ لوہر خان کی فوج کے ساتھ مل کر آپ کے خلاف جنگ کرنے کا اقدام کر رہے ہیں اور حیدر چک دو ہزار سواروں کے ساتھ بوسنگری کے مقام پر آ کر آپ پر شبخون مارے گا۔ خبردار! خبردار! آپ راتوں رات پونچھ کی طرف جا کر خود کو بچالیں۔

بگفتم بہ تو جملہ اسرارِ تو
ازین پس تو دانی ہمہ کارِ تو

[میں نے سبھی اسرار آپ سے کہہ ڈالے اب آپ جانیں اور آپ کا کام]"۔

یوسف خاںؔ نے جب ابدال بٹؔ کے تہدید و خوف سے بھرپور خط کا مطالعہ کیا تو اپنی طبع رسا سے ابدال بٹؔ کی طرف یہ منظوم جواب ارسال کیا۔

منظوم خط (ترجمہ اردو ــــ ڈاکٹر شمس الدّین احمؔد)۔

اے رنگ بدلنے والے! کیا کہہ رہے ہو؟ کیا نہنگ کو دریا کے پانی سے ڈرا رہے ہو؟ شیر نے اب سر اٹھالیا پوری آن بان کے ساتھ خبردار ہو جاؤ! لومڑی بازی سے باز آجاؤ۔ تم تو میرے آباء کے محض ایک کاشتکار تھے۔ ایک کاشتکار کو میری جگہ کب زیب دیتی ہے۔ تجھے بھلا خنجر و تلوار سے کیا کام؟ ایک کاشتکار کا دلاوری سے کیا تعلق؟ اصیل و عجیب تو میں ہوں اور دوسرے سب میرے نیچے ہیں علی شاہؔ کے فرزند کو بھلا کون ہرا سکتا ہے؟ تم نے تو اپنے مکر سے سید پادشاہ کو رستمؔ کی مانند کنوئیں میں دھکیل دیا

[سید پادشاہ سے مراد ہے سید مبارک خان بیہقیؔ
ــــ ڈاکٹر شمس الدّین احمؔد] کوڑے کے گڑھے سے سر اوپر
اٹھالیا تو نے۔
اور مردانِ جنگجو کے میدان میں گھوڑا دوڑالیا
میرے خلاف جنگ کرنے کے لیے لشکر سنبھالی
اور شبخون مار کر میری طرف رخ کیا۔
اس لیے کہ مجھے اپنی جگہ سے ہٹاؤ گے
اور مجھ سے میرے آباء کا ملک چھین لو گے

اگر تو ہوشیار ہے میں بھی تو کوئی بے حس آدمی نہیں ہوں
میں وہی ہوشیار ہوں اور وہی صاحب فہم و ہوش
میں اسی وقت راہ سے پیچھے مڑ جاتا ہوں
جب یا اپنا سر کٹادوں یا کلاہ کو چھین لوں
جو کچھ مجھے تجھ سے کہنا تھا وہ کہہ دیا
اب تو جانے اور تیرا کام ! والسلام

یہ پیغام سن کر ابدال بٹ نے بابا خلیل کو شہر لوٹ جانے کی اجازت دے کر خود کو لشکر اور گروہ معاونین کو سامانِ جنگ سے آراستہ کیا۔ آخر سب کو یوسف خان نے دوسرے روز مشعلیں جلا کر دلنہ کے مقام پر جہاں پر پانی کا ٹھہراؤ تھا دریا کو پار کر کے شہر کا رخ کیا۔ ابدال بٹ نے راستے کی رکاوٹ بن کر جنگ کی اور دست و بازو کو کھول کر یوسف خان نے ابدال بٹ کو تیز تلوار کی ایک ہی کاٹ سے موت کی قبر میں پھینک دیا۔ تاریخ ہے نا گہانی شیر دریدہ یک دِمنہ (اچانک شیر نے ایک گیدڑ کو پھاڑ ڈالا)۔ اس کے بعد یوسف خان نے یوسف چک، ایبہ چک، حسین چک، شمسی چک، دولت چک، میر حسین، عالم شیر ماگرے اور سید یوسف خان بیہقی جیسے دلاوروں کے ساتھ دلاوری کے میدان میں شجاعت و جنگ آوری کی داد دیتے ہوئے مخالفین کی لشکر کو فوراً ہی درہم برہم کر دیا اور مملکت کے چتر کو زمین پر پھینکتے ہوئے لوہر خان نے میدان جنگ سے فرار کی راہ اختیار کر لی اور حبیب چک جو ابدال بٹ کی قید میں تھا، کو میدان جنگ میں پابہ زنجیر پا کر اس کی زنجیریں کاٹ ڈالنے کے بعد اسے رہا کر دیا گیا۔ اس کے بعد یوسف خان نے بہادری و شجاعت کا مظاہرہ کر کے فتح و نصرت کا علم لہرا کر شہر کا رخ کیا اور شہر کے تمام لوگوں نے خواہ وہ ادنیٰ تھے یا شریف، چھوٹے تھے یا بڑے، استقبال کرنے کے لیے برتھنہ کے گاؤں میں

آ کر تہنیت و مبارک بادی دیتے ہوئے شور و غوغا بلند کیا۔ یوسف خان نے ہر ایک آدمی کو اپنی عنایات میں شامل کر کے مدارات و دلجوئی کی۔ ملّا محمد امین مستغنیؔ [ذیلی یادداشت = مولانا محمد امین مستغنی کشمیر کے باشندوں میں سے ہے۔ بہت سلیم ذہن رکھنے اور راست طبعی میں مشہور تھا اور یوسف شاہ کے عہد میں اس کا پایۂ اعتبار خاصا بڑھ گیا۔ فضل و کمال کے زیور کی آراستگی کے باوجود فکر شعر بھی کرتا تھا۔ محلّہ آروٹ (دریائے جہلم کے کنارے پاس) حضرت سید جلال الدین کے آستان کے باہر مدفون ہے ___ واقعات کشمیر ص ۱۱۶] اس سے پہلے دیوان حافظ [ذیلی یاد داشت: محمد شمس الدّین حافظ سال ۷۱۵ھ (۱۳۱۵ء) میں تولد اور سال ۷۸۲ھ (۱۳۸۸ء) فوت ہوئے ___ ایرانی تذکروں میں حافظ کا دقیق سالِ تولد درج نہیں۔ صرف لکھا ہے کہ آپ اوائل قرن ہشتم یعنی آٹھویں صدی ہجری کے اوائل برسوں میں پیدا ہوئے ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد] کسی نے حافظ کا تاریخِ وصال کیا خوب کہا ہے ؎

چو در خاکِ مصلّی گشت مدفون

بجو تاریخش از خاکِ مصلّیٰ (۷۹۲ھ)]

سے فال نکالا تھا ع

یوسفِ گم گشتہ باز آید بہ کنعان غم مخور

(اس مصرعہ کا دوسرا مصرعہ یہ ہے ع

کلبۂ احزان شود روزی گلستان غم مخور

پورے شعر کے معنی یہ ہیں کہ کھویا ہوا یوسف کنعان میں پھر سے لوٹ آئے گا غم نہ کھا۔ غمکدہ بالآخر ایک نہ ایک دن گلستان میں بدل ہی جائے گا، غم نہ کھا]۔ لوہر خان کی مدتِ حکومت ایک سال اور ایک ماہ تھی [ذیلی یاد

داشت = خواجہ محمد اعظم کی روایت کے بموجب (واقعاتِ کشمیر ۹۴) لوہر چک کی مدتِ حکومت ایک سال تھی]۔ یوسف خان (یوسف شاہ چک) نے دوسری بار سال ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) میں قسمت کی یاوری سے تخت پر جلوس کیا اور محمد بٹ کو وزارت کا رُتبہ عطا کیا۔ لوہر خان سوپور سے پانچ ہزار سواروں کے ساتھ فرار کر کے شہر میں چھپ گیا تھا۔ یوسف خان نے اس کو سزا دینے میں چند دنوں تک چشم پوشی کی۔ آخر محمد بٹ کے مشورہ سے اس جماعت کو حاضر کر دینے کا حکم جاری کیا۔ لوہر خان، قاضی موسیٰ کے تہہ خانے میں روپوش ہوا تھا جس کی قاضی کی ماں کے بغیر کسی اور کو خبر نہ تھی۔ خواجہ ملک ناظر نے اسے وہاں سے نکال کر پیش کیا۔ اسی طرح محمد چک، حسی چک [ذیلی یادداشت = ان دونوں کے نام ہستی اور مستی چک لکھ کر فرشتہ اور نظام الدین سے غلطی ہوئی ہے] بچہ گنائی وغیرہ سردارانِ شہر اور دیہات میں سے ایک بڑی جماعت کو ان کی کمین گاہوں سے نکال کر دربارِ اعلیٰ میں حاضر کر دیا۔ یوسف خان نے ان پر چار گناہ ثابت کیے، "ایک یہ کہ، قدیم نمک خوارگی کے باوجود مجھ سے بے وفائی کی، دوسرے یہ کہ، سید مبارک خان کے ساتھ دغا کیا، تیسرے یہ کہ خود اپنے مُہر و دستخط کے ساتھ عہد و پیمان کے خطوط پنجاب سے مجھے لکھ کر بھیج دئے اور اُن پر کوئی عمل نہ کیا اور چوتھے یہ کہ آج میرے خلاف بغاوت کی"۔ پس اس دغابازی و فریب کی پاداش میں لوہر خان، محمد چک، حسی چک، بچہ گنائی، فتح خان اور حسین خان کو کہ کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے......"۔ **واقعاتِ کشمیر** کے مؤلف نے (ص ۹۴ تا ۹۶) لوہر خان کو لوہر شاہ لکھا ہے اور اسے یوسف شاہِ چک کے چچیرے بھائیوں میں سے لکھا ہے۔ مؤلف کے تاریخ حسن مذکورہ کی لوہر شاہ اور یوسف شاہ کی باہمی مقابلہ آرائی کی عبارات کے ساتھ کامل مطابقت ہے البتہ آخر میں بیان کیا ہے کہ بادشاہ (یوسف شاہِ

چک) کے حکم سے لوہر شاہ کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی۔

قوۃ الظہر پشتِ او بشکست　　　قرۃ العین کرد چشمش کور

[جو اس کا پشت پناہ تھا اسی نے اس کی کمر توڑ ڈالی۔ جو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھا اسی نے اس کی آنکھوں کو اندھا کر دیا]"۔ **بھارستانِ شاھی** میں بھی لوہر شاہ اور یوسف شاہ کے درمیان جنگ کی عبارات کے ساتھ تاریخ حسن مذکور کی عبارات کی مطابقت پائی جاتی ہے اور واقعاتِ کشمیر کے مؤلف کے بیان کی تائید میں لوہر شاہ کو اندھا بنائے جانے کا ذکر کیا ہے۔ **مجموع التّواریخ** میں گو لوہر شاہ (لوہر خان چک) کا محض سرسری ذکر آیا ہے لیکن لکھا ہے کہ قاضی موسیٰ کے گھر سے اسے نکال کر یوسف شاہ چک نے بھائی کی ایذا رسانی پر راضی ہو کر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی۔ **کشمیر سلاطین کے عھد میں** (اردو ترجمہ) میں بھی لوہر شاہ (یعنی لوہر خان یا لوہر چک) اور یوسف شاہ چک کے باہمی تنازعہ و جنگ وحرب کے بیان کی مقامی فارسی تاریخوں کے ساتھ مطابقت پائی جاتی ہے اور بہارستانِ شاہی کے حوالے سے لوہر شاہ کی آنکھیں نکال دئے جانے کا ذکر کیا ہے۔ **کنگڈم آف کشمیر** میں حالات مذکور کا نہایت اختصار کے ساتھ ذکر آیا ہے اور مؤلف نے لکھا ہے کہ "سوپور کی جنگ میں سے یوسف شاہ چک ظفر مند ہو کر نکلا۔ لوہر چک نے بھاگنا چاہا لیکن گرفتار کر کے اسے قید کر لیا گیا"۔

۱۱۹۴: **بادشاہ یُوسُبَہ**: یعنی یوسف شاہ چک۔ **تاریخ حسن** (جلد دوم) کے حوالے سے ہم کشمیر کے اس مشہور بادشاہ کے اوّل بار تخت کو حاصل کرنے کی کشمکشوں کی داستان کو سید مبارک بیہقی اور لوہر خان چک

کے حالات کے ضمن میں دیگر مقامی تواریخ کی تائید کے ساتھ بیان کر چکے ہیں (دیکھئے حاشیہ ۱۱۹۰ اور حاشیہ ۱۱۹۳) اب ہم ان ہی تواریخ کے حوالے سے مذکورہ بادشاہ کے دوسری بار کشمیر کا بادشاہ بن جانے اور مربوط سیاسی حالات کا ذکر کریں گے جو ہمارے کشمیر کے آئیندہ سیاسی قسمت کے متعین ہونے کے بارے میں ایک مکمل مُہر زدہ قسمت ثابت ہوئی جس کے نتیجے میں ہمارا کشمیر جو ایک آزاد و خود مختار ملک تھا غیروں کے ہاتھ میں چلا گیا ہے اور اب اس کی خاکستر سے پھر اُن ہی شراروں کا انتظار ہے جن کی وجہ سے کشمیر ہر رنگ میں جنت نظیر ملک تھا۔ **تاریخ حسن** (جلد ۲ رص ۳۱۳۔۳۲۷) میں آیا ہے کہ "**یوسف خان** (یعنی پادشاہ یوسف شاہ چک) سال ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) میں قسمت کی یاوری سے تخت پر بیٹھا اور محمد خان کو وزارت کا رتبہ عطا کیا۔ لوہر خان سوپور کے معرکہ سے پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ فرار کر کے شہر میں چھپ گیا تھا۔ یوسف خان نے چند روز کے لیے ان کو سزا دینے میں چشم پوشی سے کام لیا آخر محمد بٹ کی صوابدید پر اس جماعت کو حاضر کئے جانے کا حکم جاری کیا۔ لوہر خان، قاضی موسیٰ کے گھر میں تہہ خانہ میں مخفی تھا جس کے بارے میں قاضی کی والدہ کے بغیر کسی اور کو خبر نہ تھی خواجہ ملک ناظر نے وہاں سے نکال کر اسے حاضر کر دیا۔ اسی طرح محمد چک، حسی چک، بیچہ گنائی وغیرہ سرداران شہر اور دیہات سے ایک کثیر جماعت کو ان کی کمین گاہوں سے نکال کر شاہی دربار میں پیش کر دیا اور یوسف خان نے ان پر چار گناہ ثابت کئے، ایک یہ کہ قدیم نمک خوار ہونے کے باوجود مجھ سے بے وفائی کی، دوسرے یہ کہ سید مبارک خان بیہقی کے حق میں دغا کیا، تیسرے یہ کہ اپنے مُہر و دستخط سے عہد و پیمان کے خطوط پنجاب سے مجھے لکھ کر بھیجے لیکن ان پر عمل نہ کیا اور چوتھے یہ کہ آج مجھ سے بغاوت کی۔ اس دغابازی اور مکر وفریب کی پاداش میں لوہر خان، محمد چک، حسی چک، بیچہ گنائی، فتح

خاںؔ اور حسین خاںؔ کوکہ کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے۔[یہاں تک کی عبارت لوہر خاںؔ کے حالات کے سلسلے میں حاشیہ ۱۱۹۴ میں پہلے ہی نقل کی گئی ہے۔۔۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔یوسف لنڈؔ، علی چکؔ اور علی بٹ برادرِ ابدال بٹ سے جرمانہ وصول کر کے انہیں زنجیر بند کیا گیا۔شمس چکؔ کو پہ وارہ، دارودُو کی طرف فرار کر چکا تھا لوہر قورچیؔ نے اس کے تعاقب میں جا کر اسے پکھلیؔ میں پہنچا دیا اور وہاں سے قلعۂ فیروزہ میں گھس گیا لیکن قلعہ والوں نے اسے گرفتار کر کے لوہر قورچیؔ کے حوالے کر دیا۔یوسف خاںؔ نے اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اسے اندھا کر دیا۔حیدر چکؔ، تبتؔ کی طرف بھاگ گیا تھا اور وہاں سے ہندوستانؔ جا کر اس نے لاہورؔ میں راجہ مان سنگھ (ذیلی یادداشت = راجہ مان سنگھ نے حیدر چکؔ کو بھمبیرؔ اور نوشہرہؔ کے علاقے جاگیر میں دے دیئے۔۔۔ واقعاتِ کشمیر ص ۹۶۔تاریخ ملک حیدر چاڈورہ قلمی ص ۲۷) کی ملازمت میں سربلندی پائی۔غرض یوسف خاںؔ نے ملک کے چمن کو دشمنوں کے خس و خاشاک سے پاک کرنے کے بعد عدل و انصاف کی بساط پھیلا دی اور سخاوت کا ہاتھ نقد و بذل کے ذریعہ سے بڑھاتے ہوئے پہلے سے قائم ہوئی بدعتوں کی بنیادوں کو جڑ سے اکھیڑ ڈالنے میں بہت کوشش کی اور انہیں دور کر دیا۔اولیاء کرام کے مزارات، بزرگوں اور مشائخ کی صحبتوں سے مستفید ہوتا تھا اور حضرت بابا ہردی ریشیؒ کی خدمت میں ننگے پاؤں حاضر ہوتا تھا۔اکثر اوقات یہ سرود اور نوائے ساز اور موسیقی کے سننے میں اور نغمہ و چنگ کی مجلسوں میں خود وقت گزارتا تھا۔موسیقی کا بہت شوق رکھتا تھا اور اس شعر کو بار بار پڑھتا تھا۔

به عیش کوش که تا چشم می زنی برهم خزان همی رسد و نو بهار می گذرد

[عیش و عشرت کرو کہ جب تک آنکھ جھپکو گے خزان آ کے رہیگی اور بہار

گذر چکی ہوگی]۔

سید مبارک خاںؔ کے گھر کی راہ کو اپنے معزز قدموں سے طے کر کے ان کی ملاقات کر کے ابدی سعادت پائی اور مملکت کی بنیادوں کو مستحکم بنانے کی خاطر ان کے فرزندوں سے عہد و پیمان کر کے اپنی بیٹی کو ان کے (ایک) فرزند کے لیے نامزد کیا۔ کچھ عرصہ بعد بعض امراء نے لوگوں کے دلوں میں فتنہ وفساد پیدا کر کے انہیں شورش پر آمادہ کیا۔ یوسف خاںؔ نے اس سے آگاہی پا کر یوسف چکؔ، عالم شیر خان ماگرےؔ، سید یوسفؔ اور محمد ملکؔ کو زنجیروں میں بندھوا کر قید میں ڈال دیا۔ ابدال چکؔ کا بیٹا حبیب چکؔ خوف و ہراس سے بھاگ کر لاہورؔ میں حیدر چکؔ سے جاملا۔ اس کے بعد نجی چکؔ کے بیٹے شمس چکؔ نے کامراجؔ میں جا کر شورش اٹھائی۔ یوسف خاںؔ نے اسے گرفتار کر کے قید کر لیا۔ علی چکؔ کا بیٹا یوسف چکؔ قید سے بھاگ کر لاہورؔ میں حیدر چکؔ کے ساتھ مل گیا۔ وہاں سے حیدر چکؔ، حبیب چکؔ اور یوسف چکؔ نے تبت کلاںؔ (یعنی لداخ) میں جا کر وہاں کے راجہ۔ سے پانچ ہزار سواروں کی مدد سے پرگنۂ لارؔ میں یوسف خاںؔ کے خلاف مقابلہ آرائی کا علم لہرایا۔ یوسف خاںؔ نے ان سے جنگ کرنے کے لیے ایک لشکر جرار کو بھیجدیا اور شر انگیزوں کا وہ فرقہ کوئی لڑائی کیے بغیر ہزیمت کھا کر بھاگ گیا۔ حیدر چکؔ کشتواڑ کی طرف فرار کر گیا۔ حبیب چکؔ، سوپورؔ میں اور یوسف چکؔ برنگ پرگنہ میں روپوش ہو گئے۔ یوسف خاںؔ نے ان دونوں شیطانوں کو گرفتار کر کے ان کی آنکھیں نکلوا کر ان کی آنکھوں کی روشنی چھین لی۔ ایک معمولی سبب سے محمد بٹؔ وزیر نے یوسف خاںؔ سے منحرف ہو کر حسین خاںؔ کے بیٹے یوسف چکؔ کے ساتھ یوسف خاںؔ کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ یوسف خاںؔ نے آگاہی پا کر جب ان کا تدارک کیا تو ان دونوں شیطانوں نے بھاگ کر اوڑیؔ کے پہاڑوں میں

چھپ کر پناہ لی۔ سید مبارک خاںؔ کے بیٹے ان کے تعاقب میں جا کر ان سے معرکہ آراء ہوئے۔ مخالفین نے محاربہ کر کے محمد بٹؔ کو زخمی کر دیا بالآخر مغلوب ہو کر پہاڑ کی کھوہ میں چھپ گئے۔ کافی کشمکش اور کشش سے شریروں کی ایک جماعت کشتواڑؔ سے فرار کر کے حیدر چکؔ کے ساتھ مل گئی۔ محمد بٹ وزیر کو دلاوروں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر زنجیروں میں باندھ دئے جانے کے بعد شاہی زندان میں ڈال دیا گیا۔ ان ہی حالات کے دوران یعقوب خاںؔ (یوسف خاںؔ کا بیٹا) جہالت کی وجہ سے اور رذالت کا مظاہرہ کر کے اپنے باپ کا باغی ہو گیا اور ابدال خاںؔ کے بیٹے ایبہ خاںؔ کے ساتھ کشتواڑؔ جا کر حیدر چک کے ساتھ جا ملا۔ ملاّ حسن اسود اس کے پیچھے جا کر نرمی و مدارات کے ساتھ اپنے ساتھ واپس لے آیا اور ایبہ چکؔ وہیں پر ٹھہرا رہا۔ شمس چکؔ بھی قید سے بھاگ کر حیدر چکؔ کے ساتھ مل گیا۔

حیدر چک کے اردگرد ایک جماعت کے جمع ہو جانے پر اس نے بانہالؔ کے پہاڑوں کے حصوں میں گھس کر بغاوت کا علم لہرایا۔ ادھر سے یوسف خان بھی ایک کثیر جماعت کے ہمراہ حملہ آوار ہوا اور جنگ چھڑ گئی۔ حیدر چکؔ، ایبہ چکؔ اور شمس چکؔ نے معرکہ میں داخل ہو کر علی شیر بٹؔ اور نجی رینہ کو، جو یوسف خاںؔ کے دلاوروں کے سرگروہ تھے، تلوار سے گزار دیا اور ان کے سبب یوسف خاںؔ کے جنگجوؤں کی ایک کثیر جماعت قتل اور زخمی ہوئی۔ یوسف خان کے جنگجوؤں نے ہمت کے بازو نیچے ڈالتے ہوئے پہاڑوں کی راہوں میں پناہ لی۔ اسی اثناء میں سید مبارکؔ کے بیٹوں نے ہمت کو شجاعت کے پاؤں کو پھیلاتے ہوئے دس بیس آدمیوں کی ہمراہی میں مخالفین کی لشکر کو تتر بتر کر کے شکست دے دی۔ حیدر چک پیادہ پا ہو کر بھاگ نکلا اور اسکی جماعت بکھر گئی اور یوسف خاںؔ ظفر مند و فتحیاب ہو کر لوٹ آیا۔ اس کے بعد شمسی چکؔ اور ایبہ

خاںؔ نے عجز و انکساری کے ساتھ سید مبارکؔ کی سفارش پر تخت شاہی کے آگے سرخم ہو کر شاہی عنایات پائے۔ حیدر چک، یوسف لنڈؔ اور علی چک لاہور میں راجہ مان سنگھ کے پاس چلے گئے۔ راجۂ مذکور پہلے سفر میں یوسف خاںؔ کی علحیدگی کی وجہ سے پہلے ہی رنجیدۂ خاطر ہو چکا تھا اس لیے اُس نے ان مخالفین کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے انہیں اپنے سایۂ حمایت میں رکھا۔ اس وجہ سے یوسف خاںؔ کے دل میں مان سنگھ کی فتنہ اندیشی کا خیال پیدا ہوا اور اس نے خواجہ حاجی بانڈےؔ کے پوتے خواجہ قاسمؔ کو نفیس و عمدہ تحائف کے ساتھ راجہ مان سنگھ کے پاس قاصد کی حیثیت سے روانہ کیا اور خواجۂ مذکور نے محمد غنی کابلی کی ہمراہی میں حیدر چکؔ کی بد سیرتی اور بدکرداری کی داستان راجہ مان سنگھ کو سنا دی۔ راجہ مان سنگھ نے اسے ایک خود غرض آدمی جان کر اس کی اس داستان پر کوئی اعتبار نہیں کیا بلکہ اس کی چغلخواری سے حیدر چکؔ کی تقویت بڑھ گئی اور اس نے نوشہرہ و بھمبیرؔ کی حکومت پائی اور خواجہ قاسم ناکام ہو کر وہاں سے لوٹ کر آیا اور یہاں پر بادشاہ کے حضور میں چاپلوسی کی اور خوش آئیندہ باتیں عرض کیں۔ یوسف خان نے اس کی چاپلوسی کی باتوں کو حقیقت پر مبنی جان کر اسے مرزاؔ کا خطاب دیا بلکہ مملکت کے امور بھی اس کی تفویض میں دئے۔ محمد بٹ کے قید ہو جانے کے بعد یعقوب خاںؔ آخر کار وزارت کے اہم کاموں کو حسن و خوبی سے انجام دیتا رہا۔ جب خواجہ قاسمؔ وزارت کا منتظم بن گیا وہ اکثر اوقات غرض آمیز باتیں یوسف خاںؔ کے حضور میں پیش کرتا تھا۔ یعقوب خان اس رویہؔ پر اس کو ٹوکتا تھا جس کی وجہ سے سرد مہری پیدا ہو گئی تھی۔ اسی اثنا میں اکبر بادشاہ کیطرف سے تیمور بیگؔ سفیر کی حیثیت سے آیا [ذیلی یادداشت = بقول ابوالفضلؔ اس سفیر کا نام صالح عاقلؔ تھا چنانچہ کہتا ہے: ''اس لیے صالح عاقلؔ کو کشمیرؔ کے والی یوسف خاںؔ کو نصیحت کرنے کی خاطر بھیج دیا گیا تھا ___ اکبر نامہ

ج ۳ ص ۳۷۵۔ لیکن ملک حیدر چاڈورہ (ص ۷۴) نے ایلچیوں کے نام میرزا طاہر اور صالح عاقل لکھے ہیں]۔ واجبِ اطاعت فرمان کو اس نے خان کی نظروں سے گزار دیا جس کا خلاصہ یہ ہے **فرمانِ شاہی کی نقل**:

''چونکہ آپ ارادت مند کی پیشانی سے صدق واخلاص کی روشنی پھوٹتی تھی آپ بادشاہی توجہات ونوازشات سے بیشتر ممتاز ہوتے رہے۔ جب سے آپ واپس کشمیر چلے گئے، ملکی حالات کو تخت شاہی کے سامنے کھڑے ہونے والوں کے حضور میں عرض نہیں کیا گیا۔ اب جب کہ فسادیوں سے آپ نے خاطر جمعی پالی ہے، آپ کو چاہیے کہ قضا کی مانند جاری ہونے والے اس فرمان کو پاتے ہی آپ بغیر کسی درنگی وتوقف اور بغیر کسی حیلے بہانے اور مکر وفریب کے، ہماری درگاہ کے خاقانوں کے آستان کی قبولیت میں شامل ہوکر دونوں دنیاؤں کی سعادت پائیں''۔

یوسف خان جب اس ملازم اطاعت حکمنامے کے مضمون سے آگاہ ہوا، تو جان گیا کہ پادشاہِ عالم پناہ کشمیر کو مسخر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پس اس نے اس بات پر اپنے مشیروں اور وزیروں سے انکی رائے پوچھ لی۔ چونکہ میرزا قاسم یعقوب خان سے وحشت زدہ تھا اس لیے اس نے یوسف خان کو مشورہ دیا کہ یعقوب خان کو تحائف وہدایا کے ساتھ تیمور بیگ کی ہمراہی میں اکبر بادشاہ کی درگاہ میں بھیجنا بہتر ہے۔ یوسف خان نے اس کی حُسنِ تدبیر پر عمل کرتے ہوئے یعقوب خان کو [ذیلی یاد داشت = ابوالفضل کا قول ہے: ''قسمت کی یاوری سے نصیحت کو قبول کر کے صاحب عاطفیت کا شکرانہ ادا

کرنے کی خاطر اپنے تیسرے بیٹے کو اس ملک کے عمدہ ومنتخب متاع کے ساتھ درگاہِ مقدس میں روانہ کردیا (اکبر نامہ ص ۳۷۵)۔ حیدر ملک چاڈورہ (ص ۷۵) اور خواجہ محمد اعظم (ص ۹۶) کے بقول اس بیٹے کا نام میرزا حیدر تھا۔ اکبر بادشاہ کے دربار میں یوسف خان کے بڑے بیٹے یعقوب خان کا بھیجا جانا دوسری بار واقع ہوا ہے] کثیر ارمغان وتحائف کے ساتھ کیوان جاہ (اکبر بادشاہ) کی درگاہ میں بھیجا۔ وہ کچھ عرصہ تک فتح پور میں اردوی معلّی میں آستانِ عالی پر جبین سائی کرتا رہا۔ اس اثناء میں شہزادہ محمد حکیم میرزا کے انتقال کی خبر بادشاہ کے کانوں میں پہنچی۔ اکبر بادشاہ نے علم ہای عالی کو کابل کی طرف لہراتے ہوئے راہ میں جس کسی منزل ومقام پر نزولِ اجلال فرمایا یوسف خان کے فوراً آجانے پر یعقوب خان کی یاددہی کرتا رہا اور یعقوب خان نے ہر منزل و مقام پر اپنے والد کو اس بات سے آگاہ رکھا۔ خواجہ قاسم کسی وجہ سے آگاہی کے ان خطوط کی تکمیل وتصدیق نہیں کیا کرتا تھا۔

اسی دوران لودیانہ میں ٹھہرنے کے دوران جہاں پناہ (اکبر بادشاہ) نے حکیم علی اور صالح عاقل کو حکم دیا کہ ''لاہور میں شاہی علم پہنچنے کے وقت تک یوسف خان کو حضور میں حاضر کریں۔ اگر آنے میں کسی قسم کی درنگی کی تو یہ سخت بادشاہانہ قہر کا باعث ہوگا''۔ یعقوب خان، خاقان (اکبر بادشاہ) کے فرمان کے جاری ہوتے ہی وحشت زدہ اور فکر مند ہوکر بہلول پور کے مقام سے اجازت حاصل کئے بغیر کمال عجلت کے ساتھ تین دن رات میں اپنے والد کی خدمت میں مشرف ہوا اور گویا خواجہ قاسم کے سر پر سے ٹلی ہوئی آفت پھر سے لوٹ آئی۔ اس نامناسب حرکت پر یوسف خان نے یعقوب خان پر قہر و غضبناک سلوک کا مظاہرہ کرکے اسے زندان میں ڈال دئے جانے کا جلدی میں حکم بھی صادر کردیا جس سے بعد میں امراء کی سفارش پر نظر انداز کردیا [ذیلی

یادداشت = ملک حیدر کی روایت ہے کہ ''اکبر بادشاہ کے حضور سے یعقوب خان کے بھاگ جانے کی وجہ یہ تھی کہ ایک روز اکبر بادشاہ نے کہا کہ: ''ہماری درگاہ میں سرفراز ہوکر یوسف خان اپنے ملک میں لوٹ جانے کے بعد عیش و عشرت میں مست ہوگیا اور بالکل ہی مریدی اور بندگی کے طور طریقے کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کو طلب کئے جانے کے بارے میں جو فرمان عالی صادر ہوا تھا کہ درگاہِ خلائق پناہ میں حاضر ہوکر مشرّف ہوجائے، پھر بھی خود نہیں آیا بلکہ اپنے بڑے فرزند کو بھیجا جو دماغی خلل اور پاگل پن اور خبط سے خالی نہیں''۔ جب یعقوب خان نے بلا واسطہ خلافت پناہ (شہنشاہ اکبر) کی زبان سے یہ حقیقت سنی تو اس نے یہ سارا معاملہ یوسف شاہ کی عرضداشت میں لایا اور پھر اسی کے بعد فرصت کو غنیمت جان کر یعقوب خان نے کشمیر کا رخ کیا (ص ۷۶، ۷۷)''۔ ابوالفضل کی روایت ہے کہ اکبر بادشاہ کے یہاں سے یعقوب خان جلوس کے تیسرے سال مطابق ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ء) میں بھاگ گیا (اکبر نامہ ج ۳ ص ۴۶۹)] جب حکیم علی [ذیلی یادداشت = ابوالفضل کی روایت ہے (اکبر نامہ ج ۳ صفحہ مذکور) کہ حکیم علی کے ہمراہ بہاء الدین کنبوہ کو بھی بھیجا گیا تھا] خامپور میں پہنچا تو یوسف خان نے بڑی شان وشوکت سے اس کا استقبال کر کے کمال احترام وحشمت وجاہ کے ساتھ اپنے دولت خانہ کے متصل اسے ٹھہرایا اور اپنی توجہات ومدارات سے اس کو مرہون وممنون رکھا۔ یوسف خان کے دل میں خاقان (اکبر بادشاہ) کی بساط بوسی کا خیال موجود تو تھا لیکن مشیروں اور صلاح دینے والوں میں سے کسی ایک نے بھی اس خیال کو مفید نہیں جانا اور بڑی شدت وملامت کے ساتھ اسے اس خیال سے باز رکھا۔ اس حقیقت سے آگاہی پاکر حکیم علی نے حضور میں (یعنی اکبر بادشاہ کے حضور میں) عرضداشت بھیج دی۔ خاقانِ زمان (شہنشاہ اکبر) جو پہلے ہی

یوسف خاں کی حکم عدولی کے طریقِ کار کے رویہ سے غضبناک تھا۔ اب یعقوب خاں کے فرار وتکبّر اور یوسف خان کی حکم عدولی کے طریق کار سے اسکا قہرِ جہانبانی جوش میں آ گیا اور اس نے راجہ بھگوان داس پچھواہہ، شاہرخ میرزا اور شاہ قلی وغیرہ بائیں ناموراافسروں کو پچاس ہزار سوارانِ جرار کے ساتھ کشمیر کو فتح کرنے کے لیے لاہور سے روانہ کیا اور خود بذاتِ والا دریائے اٹک کے کنارے پر شاہی خیمے نصب کر دئے۔ شاہی لشکر نے جب دریائے کرشنہ گنگا کو پار کرلیا تو یوسف خاں نے ارکان واعیانِ حکومت کی رائے پر جنگ کی تیاری کر لی اور حکیم علی کو لوٹ جانے کی اجازت دے کر خود سامانِ لشکر، جیسے تیغ وتلوار، نیزہ وخنجر اور کلاہ و جوشن کو تہیہ کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ محمد بٹ اور علی شیر خاں کو جن کو ایام بغاوت میں قہر وسزا کے طور پر زنجیر بند کر کے قید میں ڈال دیا گیا تھا، انعام واکرام اور نرمی و مدارات کے ساتھ اپنے ساتھ ملا لیا اور محمد بٹ کو شہر کی حفاظت کی خاطر اور رسد پہنچاتے رہنے کے لیے سرینگر میں رکھ کر خود سرداروں اور نامداروں کے ہمراہ بارہ ہزار سواروں اور تیس ہزار پیادہ سپاہیوں کی جماعت کے ساتھ روانہ ہوکر کوارمست میں قیام کیا [ذیلی یاد داشت = البتہ بقول ابوالفضل (اکبر نامہ ص ۴۸۰) ''یہ اطلاع پاکر یوسف خاں کو جنگ کرنے کا خیال سر میں سمایا اور اس نے بہت سے تجربہ کاروں کو روانہ کر دیا کہ وہ جا کر دریائے نین سُکھ کے پاس ایک فصیل کھڑی کر دیں'']۔ سید ابوالمعالی اور حسین چک کو کھاورہ کی راہ پر متعین کیا اور شمس چک، یعقوب خاں، لوہر قورچی، بابا طالب اصفہانی [ذیلی یادداشت = بابا طالب اصفہانی، چکوں کے زمانے میں اصفہان سے کشمیر آیا۔ فنون علم اور کمالات سے آراستہ تھا، امراء وسلاطین میں صاحب اعتبار تھا جب فوت ہوا تو نوا کدل میں بابا خلیل مزار میں آسودۂ خاک ہوا۔ فن شاعری میں ماہر تھا__ واقعاتِ کشمیر ص

[۱۱۴] حسن بٹ، حسن ملک چاڈورہ، کھکھ کے زمینداروں اور بموں کو لشکر کی جماعتوں کے ساتھ بولیاسہ میں جنگ و حرب کے لیے مامور کر دیا اور وہاں پر طرفین کے دلاوروں نے دست و بازو کو کھول کر حرب و ضرب کا مظاہرہ کیا۔ یوسف خان کے جنگجوؤں نے کمال شجاعت سے لڑتے ہوئے بہت سے مغلوں کو قتل کر دیا اور اُن کے سر یوسف خان کے پاس بھیج دئے۔ جانبین نے چند دنوں تک ایک دوسرے پر غلبہ و برتری پا کر جنگ کی آگ کو شعلہ ور رکھا۔ اچانک خدائے قادرِ قدیر کی قدرت سے بارشوں سے لدے بادل ہر طرف چھا گئے اور برف و باران کے برسنے سے ایک ہفتے تک پرندگان اڑنے سے قاصر رہے، دریاؤں میں سیلاب آ گیا، نہریں اور ندیاں طوفان کی لپیٹ میں آ گئیں اور ہر راستے کے پُل ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے۔ افواج شاہی تک رسد پہنچنے کے راستے بند ہو گئے اور فوج میں عظیم قحط اٹھا کہ ایک اشرفی کے عوض سیر بھر غلہ بھی نہیں ملتا تھا اور ہاتھیوں اور گھوڑوں تک کو کھانے کی نوبت آ گئی۔ اس بارے میں مولانا احمد نے کہا۔

گر نظر بر ہلال می کردند
لب نانی خیال می کردند
گردنِ خود درازی می کردند
دہنِ آز باز می کردند

(اگر ہلال کو دیکھتے تو اسے روٹی کا کنارہ سمجھ کر اپنی گردنیں اس کی طرف دراز کر کے طمع کے ساتھ اپنا منہ کھول دیتے تھے)۔ علاوہ اس کے شاہی فوجی لشکرگاہ پہاڑ کے دامن میں زرعی زمین میں تھی جس میں ہل جوتے جانے کے باعث اور پانی کی کثرت سے کیچڑ ہی کیچڑ بن گئی اور جس میں سپاہی لت پت ہو کر گرتے سنبھلتے سردی کی شدت و سختی سے بے جان ہو کر آنکھ جھپکنے میں ان کی

ایک خاصی تعداد تباہ ہوگئی۔ خدا کی پناہ! فوجِ شاہی پر ایک عجیب بلا اور واویلا نازل ہوئی۔ راجہ بھگوان داس نے فکرمند اور دہشت زدہ ہوکر شاپور خان کے ہاتھ اس مضمون کا ایک خط یوسف خان کے نام لکھ کر بھیجا۔

نقلِ خط

''بالفرض اگر اس وقت قہرِ الٰہی کی تیز ہواؤں سے شاہی لشکر تباہ ہوگئی لیکن پادشاہ جم جاہ کے حضور سے پھر سے ایک لاکھ سپاہی متعین ہونگے اور وہ اس ملک کے بر و بوم کو ہاتھیوں کی سُموں کے نیچے برباد کرڈالیں گے آپ کو اس اصلی حقیقت اور ہمارے لوٹ آنے کے خیال میں رہنا چاہیے''

یوسف خان کے دل میں چونکہ بادشاہ کی قدمبوسی کا خیال موجود تھا اس لیے شاپور خان کی ہمراہی میں میرزا قاسم نے راجہ بھگوان داس سے عہد و پیمان اور قسموں، وعدوں نیز مُہر و تصدیق کے ساتھ عہد نامہ لکھ کر لیا کہ: ''اگر یوسف خان یہاں سے خلافت نظیر تخت کی آستان بوسی سے فائض ہوجائے تو میں اس کے حق میں جانفشانی کے ساتھ کوشش کر کے پادشاہِ کیوان جاہ کے حضور سے اسے گرانبہا خلعتوں اور کثیر عنایات سے سرفراز کروا کے اسکو اس کے اپنے مقبوضہ ممالک پر بدستور مسلط اور قائم رکھوالوں گا اور بال برابر بھی اس کی حکومت میں کوئی قصور و فتور واقع نہیں ہوگا''۔ میرزا قاسم نے فوراً اس عہد نامہ کو لے کر یوسف خان کی نظروں سے گزار دیا اور چاپلوسی و فریب کاری کی دوسری باتوں کو ترتیب دیتے ہوئے یوسف خان کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ بے تامل اور اپنے فرزندوں، امراء اور فوجی سرداروں سے مشورہ کیے بغیر، لشکر

کے ہراولوں کا ملاحظہ کرنے کا بہانہ کرکے، سلطنت وجاہ وجلال کو چھوڑ کر تین چار سواروں کی معیّت میں راجہ بھگوان داس کی فوج میں داخل ہو گیا۔ بدیہہ گویوں نے تاریخ کہی: ''نیو، گرفتار گو'' [ذیلی یاد داشت = سال ۹۹۳ھ = ۱۵۸۵ء نیو، گرفتار گو کشمیری ترکیب ہے جس کے معنی ہیں: لے گئے، گرفتار ہو گیا]۔

جب یوسف خان نے اس بھاری اقدام کا بے تامل وتدبیر ارتکاب کیا تو امراء اور سپاہی وسرداران لشکر حیرت سے فکرمند اور وحشت زدہ ہو گئے اور اسی وقت اعیانِ حکومت کے اتفاق سے یعقوب خان نے [ذیلی یاد داشت = بقول ابوالفضل ''کشمیر کے امراء نے پہلے کوارمست کے قریب حسین خان چک کو اپنا بڑا منتخب کر لیا۔ اس کے بعد جب یوسف خان کا بیٹا یعقوب خان آ پہنچا تو اس نئے والی سے منہ موڑ کر اس کے ساتھ مل گئے (اکبر نامہ ج ۳ ص ۴۸۱)]۔ تختِ حکومت پر سلطنت کا علم نصب کر کے اپنی کمر پر ہمت کا پٹہ باندھتے ہوئے بابا طالب اصفہانی اور محمد سلیم کاشغری کو ہراوّل لشکر مقرر کیا اور انہیں جنگ پر بھیج دیا۔ ان دونوں سرداروں نے نصف روز تک ایسی کوشش اور مساعی سے کام لیا کہ شاہی فوجوں کے قریب دو تین ہزار آدمیوں کو مار دیا اور شاہرخ میرزا سے مربوط سپاہیوں نے اوستا لولو نجار کے مشورے پر دریائے بہت پر ایک مضبوط پل بنا کر کھاورہ کی سرحد کی جانب عبور کیا۔ کھکھ زمینداروں کی ایک جماعت ان پر ٹوٹ پڑی اور ان سب کو خاک میں ملا کے رکھ دیا اور ان کا مال ومنال، اور رخت واسباب سب لوٹ لیا اور مذکورہ پل کو توڑ کر فراغت کے ساتھ بیٹھ گئے۔ یوسف خان کی صلاح پر راجہ بھگوان داس نے میرزا علی اکبر کو یعقوب خان کے پاس قاصد بنا کے بھیجا اور اسے تسلی وتشفی دے کر مبارک خان کھکھ کی بیٹی کو اسکے عقدِ نکاح کے لیے نامزد کیا۔ ایک طرح

کی صلح ہوگئی اور جنگ سے دستبردار ہوکر سلطنت کے تخت کی طرف یعقوب خاںؔ نے واپسی کے علم لہرائے۔

راجہ بھگوان داسؔ نے لوٹ جانے کے طبل بجاتے ہوئے کمالِ جاہ و حشمت اور احترام کے ساتھ یوسف خاںؔ کو اپنے ساتھ لے جاکر اٹکؔ کے مقام پر]ادشاہِ جم جاہ کے حضور میں پیش کیا اور اس کی شفاعت وحمایت میں بڑی منتیں کیں۔ غیرت کی وجہ سے راجہ بھگوان داسؔ نے خودکشی کا اقدام کرکے اپنے سینہ میں خنجر اتار دیا لیکن زندگی نے یاوری کی اور اس کا سرمایۂ حیات باقی رہا۔ پس یوسف خاںؔ کو زنجیروں میں ڈال کر رام داس کچھواہہ کی حفاظت میں لاہور بھیج دیا گیا جہاں دو سال تک وہ ٹوڈرملؔ کی نگہبانیؔ میں زنجیر بند رہا۔ راجہ مان سنگھ جب کابلؔ سے لوٹ آیا تو اس کی سفارش پر یوسف خاںؔ نے پانچ سو کے منصب پر ترقی پائی اور اس کا ہمرکاب ہوکر بنگال میں جاکر فوج میں داخل ہوا۔ [ذیلی یادداشت = ابوالفضلؔ کی روایت ہے کہ اسی روز (٦ ردی ماہِ سال ۳۲ مطابق ۹۹٦ھ) کشمیر کے والی یوسف خاںؔ کو زندان سے نکال کر اس پر نوازش کی گئی اور اسے بہارؔ میں جاگیر دی گئی۔ یہ سب اس مقصد سے ہوا کہ وہ ادب سیکھے اور رعایا پروری وآگاہ دلی کو جان پائے اور جب اس کے حالات کے روزنامچہ سے ہوشیاری کی صفت پڑھنے میں آجائے تو کشمیر کی دلکش سلطنت اسے لوٹا دی جائے (اکبرنامہ ج ۳ رص ۵۲۵)]۔ جب اس کی عشرت عُسرت میں بدل گئی تو اس کے دماغ میں خلل پیدا ہوا [ذیلی یادداشت = یوسف شاہؔ کی دیوانگی کے بارے میں ابوالفضلؔ لکھتا ہے کہ: ’’بادشاہ کی عرض میں یہ بات پہنچی تھی کہ والیِ کشمیر نے مستی میں اپنے مستورات میں سے ایک کو اونچے چھت سے گرادیا تھا۔ ایک روز جب کشمیر کے شاہی محلات کا ملاحظہ کر رہے تھے تو کئی اونچے دریچوں اور دلکشا نظارہ گاہوں کو دیکھ کر گوہر فشان زبان سے فرمایا: ’’بے

شک اس چھت سے یوسف (چک) نے اس بیگناہ (عورت) کو چھت سے گرادیا ہوگا"۔ جب اس کی تفتیش ہوئی تو یہی سچ تھا۔۔۔۔ اکبر نامہ ج ۳ ر ص ۵۴۹][لیکن مستی، دیوانگی نہیں ہوتی، عبارت سے ظاہر ہے کہ یوسف شاہِ چک نے شراب کے نشے میں چور ہوکر اپنی ایک بیگم کو چھت سے گرادیا ہوگا۔۔۔۔ پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد] اور عارضۂ جنون کی وجہ سے اس کی زندگی کا جام الٹ گیا اور فوت ہوا۔ اب کی بار کشمیر میں اس کی حکومت کی مدت چار سال تھی"۔ **واقعاتِ کشمیر** کے مؤلف خواجہ محمد اعظم دِدّ مری نے بھی کم وبیش یوسف شاہ چک کی سلطنت کے ان ہی واقعات وحالات کو بیان کیا ہے لیکن یوسف شاہ کی وفات کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے بلکہ مغل لشکر میں ملحق ہونے کے بعد کے زمانے سے مربوط یوسف چک کے حالات کا واقعاتِ کشمیر میں کوئی بیان نہیں۔ **مجموع التواریخ** کے مصنف پنڈت بیر بل کاچرو وارستہ نے بھی تاریخ حسن مذکور کی پیروی میں یوسف شاہِ چک کی سلطنت کے حالات کو بیان کیا ہے لیکن یوسف شاہ کے ہندوستان جانے کے بعد کی زندگی اور موت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ **بہارستانِ شاہی** کے نامعلوم شیعہ مؤلف نے گو یوسف شاہ چک کی سلطنت کے پرآشوب حالات و واقعات کو قدرے تفصیل لیکن تاریخ حسن مذکور اور مجموع التواریخ مذکور کے مطابق لکھا ہے لیکن اس نے بھی یوسف شاہ چک کے حالات ووفات کا جو اس کی ہندوستان میں زندگی گزارنے سے متعلق ہیں کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ پروفیسر محبّ الحسن نے البتہ کشمیر میں یوسف شاہ چک کی سیاسی زندگی کے حالات کا، جو مندرجہ بالا منابع کے بیانات سے مکمل مطابقت رکھتے ہیں اپنی کتاب **کشمیر سلاطین کے عہد میں** (اردو ترجمہ) میں یوسف شاہ چک کی ہندوستانی زندگی کا منابع کے حوالوں سے ذکر کیا ہے جو دل چسپ ہیں۔

پروفیسر موصوف نے لکھا ہے (ص ۲۷۹ ۔ ۲۸۴) کہ: ''اس کے بعد کچھ سواروں کے ساتھ (یوسف شاہ چک) مغل کیمپ کی طرف بھاگ نکلا اور ۱۴ فروری ۱۵۸۶ء میں ان سے جا ملا [ذیلی یاد داشت = حیدر ملک ورق ۱۸۹/ب۔ اکبرنامہ ج ۳/ص ۴۷ ۲، لیکن اکبرنامہ میں یہ غلط لکھا ہے کہ یوسف خان نے مغلوں کے پاس ہتھیار ڈالنے کے خیال سے اپنا سفیر بھیجا تھا] یوسف شاہ چک کے ایک بادشاہ کی حیثیت سے کشمیر کے مظلوم و بے سہارا لوگوں کو بیگانی فوج کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ جانا اس کی زندگی پر، جو رعایا کے لیے وقف ہونی چاہیے تھی، ایک سیاہ دھبہ ہے یہ یوسف شاہ چک کی سراسر غدّاری تھی جو اس عیّاش و عشرت پرست بادشاہ نے اپنی رعایا کے حق میں کی۔ اسی طرح کی غداری یوسف شاہ چک بادشاہِ کشمیر سے ڈھائی سو سال پہلے راجہ سہہ دیو (۱۳۰۱ء۔ ۱۳۲۰ء) نے اس وقت کی جب ذوالچو نے کشمیر پر حملہ کیا اور راجہ مذکور صرف اپنی جان بچانے کی خاطر کشمیری مظلوم رعایا کو شرم آور طریقے سے نظر انداز کرتے ہوئے کشتواڑ بھاگ گیا تھا ـــــ پروفیسر محبّ الحسن نے بھی حکمران یوسف شاہ چک کے رویّہ کو غدّاری سے تعبیر کیا ہے ـــــ ڈاکٹر شمس الدّین احمد]۔ اگرچہ کشمیریوں کے ساتھ ان کے حکمران نے غداری کی تھی لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری۔ یوسف شاہ چک کی بجائے انہوں نے یعقوب کو سلطان بنایا اور حملہ آوروں کے خلاف جدوجہد جاری رکھی [بہارستانِ شاہی ورق ۲۷۶/الف۔ جنگ زیادہ تر درۂ بولیاس میں ہوئی۔ جہانگیر نے تزک جلد دوم ص ۱۳۲/میں لکھا ہے کہ اسی درہ میں یعقوب، بھگوان داس کے خلاف لڑا تھا۔ بہارستانِ شاہی ورق ۷۷/ب کے مطابق مغل کیمپ بولیاس گاؤں میں تھا]............صلح کے بعد مغل فوج کشمیر سے واپس ہوئی اور ۲۸/مارچ ۱۵۸۶ء کو اٹک کے مقام پر راجہ بھگوان داس نے یوسف

شاہ کو اکبر کے سامنے پیش کیا[ذیلی یادداشت = اکبر نامہ ج ۳ ر ص ۳۸ ۔ مزید دیکھو طبقاتِ اکبری ج ۳ ر ص ۵۰۶ ۔ اکبر مصنفہ اسمتھ ص ۳۲۹ ر میں یہ غلط لکھا ہے کہ یعقوب بھی اپنے باپ کے ساتھ پیش ہونے کے لیے گیا تھا۔ اسمتھ کبھی کبھی واقعات کے تسلسل کو غلط بیان کر دیتا ہے] اکبر اس سے عزت سے پیش آیا(تاریخ حسن مذکور میں اس کے برخلاف آیا ہے۔ دیکھئے یہی حاشیہ ابتدائی اوراق ــــ ڈاکٹر شمس الدّین احمد) لیکن اس کو قید کر کے رام داس کچھواہہ کے حوالہ کر دیا۔ یہ صلح نامہ کی صاف خلاف ورزی تھی کیونکہ صلح نامہ کی رُو سے شہنشاہ کو خراج دینے کے بعد یوسف شاہ کو اپنے وطن واپس ہونے کا حق تھا۔ بھگوان داس اس بات سے اتنا برگشتہ ہوا کہ اس نے خودکشی کر کے اپنی نسلی شان بچانے کی کوشش کی [ذیلی یادداشت = بہارستانِ شاہی ورق ۱۷۷ ر ب ۔ منتخب التواریخ ج ۲ ر ص ۳۶۴ ۔ لیکن اکبر نامہ ج ۳ ر ص ۴۵۷ میں لکھا ہے کہ اس نے ایسا پاگل پن میں کیا تھا۔ اکبر مصنفہ اسمتھ ص ۱۴۰ ر پر اس کو ٹھیک تشریح سمجھتا ہے] لاہور پہنچنے پر اکبر نے یوسف شاہ کو راجہ ٹوڈرمل کی زیرِ نگرانی رکھا اور اس کی حراست میں وہ ڈھائی سال تک رہا[تاریخ حسن مذکور میں دو سال کی مدت لکھی ہے ــــ ڈاکٹر شمس الدین احمد)۔ راجہ مان سنگھ جب کابل سے واپس ہوا تو شہنشاہ نے اس کی درخواست پر یوسف شاہ کو آزاد کر دیا[ذیلی یاد داشت = مان سنگھ کی جگہ پر زین خان کابل کا والی مقرر ہوا اور مان سنگھ کو بہار بھیج دیا گیا]۔ اکبر نے یوسف شاہ کو پنج صدی سوار کا منصب عطا کیا جس سے ۲۱ ر سو سے ۲۵ ر سو روپے تک ماہانہ تنخواہ ملتی تھی اور اس کو راجہ مان سنگھ کے ساتھ بہار بھیج دیا گیا [اکبر مصنفہ اسمتھ ص ۲۴۰ ۔ ۲۴۱ ۔ حیدر ملک ورق ۱۹۱ ر الف ۔ Bibliothique Nationale ورق ۶۲ ر ب کے مطابق یوسف شاہ کو اپنے اخراجات کے لیے سو روپیہ یومیہ ملتا تھا]...... جلاوطنی کے ایام میں یوسف

شاہ کے حالات بڑے المناک تھے شہنشاہ سے اسے جو وظیفہ ملتا تھا اگرچہ اس کے آرام و آسائش کے لیے کافی تھا لیکن اس کی شان برقرار رکھنے کے لیے ضرور کم تھا اور پھر وہ بڑا ہی فیاض اور عیش و عشرت کا عادی تھا اس لیے اس کا ہاتھ ہمیشہ خالی رہا۔ اس کے علاوہ بہار کے میدانوں کی شدت کی گرمی میں وہ کشمیر کے حسین مناظر اور ٹھنڈی اور خوشگوار آب و ہوا کی حسرت میں مرتا تھا۔ جلاوطنی میں اس کو شعراء، علماء اور مغنیوں کی بڑی کمی محسوس ہوتی اور سب سے زیادہ اپنی محبوبہ ملکہ حبہ خاتون کے لیے وہ بے چین رہتا۔ وہ اپنے پہلے شوہر سے خوش نہ تھی وہ ایک کسان کی لڑکی تھی جو وہی پرگنہ میں چندہار گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اس کا شوہر شرابی اور بدکار تھا اور اس سے بُرا برتاؤ کرتا تھا۔ حبہ خاتون شاعرہ اور مغنیہ تھی اس کی آواز بڑی سریلی تھی۔ یوسف شاہ اس پر فریفتہ ہو گیا اور پھر اس سے شادی کرلی [ذیلی یاد داشت = تاریخ حسن ج ۲/ورق ۱۴۲/ب۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ معاصر سندوں مثلاً بہارستانِ شاہی اور حیدر ملک میں حبہ خاتون کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ہماری اطلاعات مقامی روایتوں پر مبنی ہیں لیکن بدقسمتی سے اس کے متعلق وادی کشمیر میں بیشمار رومانی کہانیاں مشہور ہیں اس لیے حقیقت کو افسانہ سے علاحیدہ کرنا مشکل ہے] اس نے اس کے واسطے گلمرگ، سونہ مرگ اور دوسرے خوبصورت مقامات پر پہاڑی تفریح گاہیں تعمیر کرائین جہاں وہ اس کے ساتھ جایا کرتا۔ [ذیلی یادداشت = تاریخ حسن ج ۲/ورق ۱۴۳/الف] لیکن شاہی قید میں رہ کر اس سے دوبارہ ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی۔ ان باتوں کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ اس کا دماغ ماؤف ہو گیا اور بروز سہ شنبہ ۱۴/ذی الحجہ ۱۰۰۰ھ مطابق ۲۲/ستمبر ۱۵۹۲ء کو ۶/روز کی علالت کے بعد انتقال کرگیا اور پرگنہ بسوک میں دفن ہوا [آئین اکبری ج ۲/ص ۱۲۱/ (نول کشور) میں بٹوک لکھا ہے۔ جرنل آف دی ایشیا ٹک

سوسائٹی بنگال ۱۸۸۵ء ص ۱۶۶ر میں بھی بسوک لکھا ہے اور ابھی تک یہ جگہ اسی نام سے مشہور ہے لیکن آئین اکبری ج ۲ر ص ۱۶۶ (انگریزی اڈیشن) میں بسوک (Biswak) لکھا ہے اور بہارستانِ شاہی میں بسنگ یا بسنک لکھا ہے میں پٹنہ یونیورسٹی کے پروفیسر حسن عسکری کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میرے لیے یہ زحمت اٹھائی کہ وہ خود بسوک گئے اور یوسف شاہ اور یعقوب شاہ کی قبروں کے بارے میں مقامی باشندوں سے معلومات فراہم کیں۔ وہ لکھتے ہیں :"بسوک، اسلام پور (ضلع پٹنہ) کے شمال مشرق میں ۳ر میل پر واقع ہے گاؤں کے قریب ایک ٹیلہ ہے جس کو گڑھ کہا جاتا ہے لیکن اس کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی۔ اس مقام پر معمولی کھدائیوں کے وقت تانبے اور سونے کے سکے نکلتے رہتے ہیں۔ ایک بار تو مٹی کے چکے بھی ملے تھے جن میں شاہجہانی دور کی سونے کی مہریں بھی تھیں۔ اس گڑھ کے پاس ہی شاہ یعقوب اور یوسف شاہ کے مقبرے ہیں۔ ان دونوں شخصیتوں کے بارے میں گاؤں والوں کو کچھ معلوم نہیں۔ بسوک سے تھوڑے فاصلہ پر ایک گاؤں کشمیری چک ہے جو ابنا چراغی ہے۔ مقامی روایتوں کے مطابق اس گاؤں کے رہنے والے مسلمان کشمیر سے آئے تھے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ یوسف شاہ کے مقبرے کے پاس والے گاؤں میں ایک مسجد ہے اب یہاں پر صرف ایک ٹیلہ رہ گیا ہے جس کو کسانوں نے زیر کاشت لانے کے خیال سے زمین کے برابر کرنا چاہا لیکن یہ جان کہ یہ مقبرہ ہے اس کو تو ہم پرستی کی بناء پر نیم منہدم چھوڑ دیا۔ اگر مقامی روایتوں کو تاریخی اطلاعات سے ملایا جائے تو بات یقینی طور پر ثابت ہو جائے گی کہ یہ مقبرے کشمیر کے حکمران یوسف شاہ چک اور اس کے لڑکے اور جانشین یعقوب شاہ کے ہیں۔ اکبر نامہ اور دوسری تاریخوں کے مطابق اکبر نے یوسف شاہ کو شکست دے کر قید کر لیا۔ بعد میں اس کو قید سے

رہا کر دیا گیا اور پرگنہ بسوک میں جاگیر عطا ہوئی۔ باپ بیٹے بس گئے اور وہیں انتقال کیا۔ کشمیری چک گاؤں جس میں کشمیری آباد تھے اس کا مزید ثبوت ہے۔ تاریخی سند اور روایتیں ایک دوسرے سے مطابقت رکھتی ہیں اس لیے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مقبرے یوسف شاہ اور یعقوب شاہ کے ہیں''] **کنگڈم آف کشمیر** میں یوسف شاہ چک کے سیاسی واقعات کا ذکر پروفیسر محبّ الحسن کے مندرجہ بیانات کے عین مطابق ہیں سوائے یوسف شاہ مذکور کے مدفن بسواک (واقع صوبہ بہار) کے، جس کا کنگڈم آف کشمیر میں کوئی ذکر نہیں۔ صرف لکھا ہے کہ: ''پس یوسف شاہ ایک مغموم شخص کی حیثیت سے ستمبر سال ۱۵۹۲ء (۱۰۰۱ھ) میں فوت ہو کر بہار میں مدفون ہوا''۔

۱۱۹۵: **بادشاہِ جیلال الدّین**: مراد ہے شہنشاہِ ہندوستان اکبر جلال الدین (۱۵۵۶ء۔ ۱۶۰۷ء) کشمیر پر جلال الدین اکبر کے قابض ہونے کے بارے میں ہندوستانی تواریخ میں بہت اختلاف پائے جاتے ہیں جس کی ایک اہم وجہ میری نظر میں ہندوستانی مورخوں کی کشمیر میں لکھی گئی فارسی تاریخوں کی طرف لاتعلقی اور اس ایک اہم وجہ سے ان کی کشمیر میں اکبری فتح اور اکبری دور کے صحیح حالات سے بے خبری کا یا کم از کم غلط مندرجات کا اندازہ ہو جاتا ہے ممکن ہے ان ہندوستانی مورخین میں چند استثنائی تاریخ نگار بھی ہونگے لیکن بالعموم کشمیر کے اکبری فوج کے ہاتھوں فتح ہو جانے کے مندرجات کا صحیح اور منطقی مآخذ و منابع یعنی کشمیر کے فارسی منابع سے ہندوستانی مورخوں نے استفادہ نہیں کیا ہے۔ مندرجہ بالا اوراق میں ہم نے اکبر اور یوسف شاہ چک پادشاہِ کشمیر کی باہمی مناقشات کا مقامی معتبر منابع سے نقل کیا ہے جو تیزی کے ساتھ کشمیر کے اکبری اقتدار میں چلے جانے کا باعث بن گئیں۔ البتہ ایک ہندوستانی مورخ شوکت علی فہمی نے یوسف شاہ چک پادشاہِ

کشمیر اور جلال الدین اکبر شہنشاہِ ہندوستان کے درمیان باہمی تنازعہ اور مناقشہ کا ذکر کرنے کے علاوہ ایک اور بنیادی وجہ کا ذکر کیا ہے جو مورخ مذکور کے کشمیر کے سیاسی حالات کا بغور اور بڑی دقّت کے ساتھ، گویا ایک مقامی فرد کی طرح جو چک بادشاہوں کے خونخوار مظالم کا مسلسل شکار رہا ہو، مطالعہ کا نتیجہ ہے اور جسے مورخ مذکور شوکت علی فہمی نے جلی حروف کے عنوان ''شیعہ سنّی جھگڑے کی وجہ سے مغلوں کی فتح'' سے بیان کیا ہے (ہندوستا پر مغلیہ حکومت از شوکت علی فہمی، چھاپ ۱۹۹۱ء، شائع کردہ دین دنیا پبلشنگ کمپنی دہلی ص ۸۷ تا ۸۹) اور یہ وجہ بھی جو شیعہ چک بادشاہوں کی ان کی مسلکی اور دینی عصبیت کا اظہار ہے (اور جس پر ایک نامعلوم شیعہ مورخ کی بہارستانِ شاہی گواہ ناطق ہے) کشمیر کے، مغل بادشاہ شہنشاہِ اکبر کی گود میں چلے جانے کی ایک اہم ترین وجہ ہے۔

۱۱۹۶: **بھگوان داس**: یعنی بھگوان داس، بھگوان داس، امبر کے راجا بھرمل کا بیٹا تھا۔ اس کی بہن کی شادی شہنشاہ اکبر سے ہوئی تھی۔ وہ سال ۱۵۶۲ء سے اس کے سال وفات ۱۵۸۹ء تک اکبر کا مستقل دوست اور ساتھی رہا۔ اس نے گجرات سے کابل تک نیز کشمیر میں (جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان ہوا) اہم جنگوں میں حصہ لیا۔ اس کی جان بازی، استعداد اور وفا کاری کی وجہ سے اسے پانچ ہزاری منصب دار بنایا گیا اور اسے امیر الامراء کا خطاب بھی عطا ہوا۔ چند برسوں تک وہ لاہور کا حاکم رہا۔ اکبر جب کشمیر آیا تو بھگوان داس کو ٹوڈرمل اور قلیچ خان کے ہمراہ مرکزی حکومت کا نگران مقرر کیا گیا۔ اس کی وفات پر اکبر کو بڑا دکھ ہوا اور اس نے اپنے فرزند شہزادہ سلیم کو اظہار تعزیت کے لیے امبر میں بھیج دیا۔ بھگوان داس مغل شہنشاہ اکبر کا بہت معتبر امیر تھا جو بقول ابوالفضل صاحب ہمت اور صاحب رائے آدمی تھا۔

۱۱۹۷: **اَکْوَر**: یعنی اکبر (جلال الدین شہنشاہِ ہندوستان)۔

۱۱۹۸: **بالی** : بندروں کا ایک سردار (ہندو عقیدے کے مطابق) جو اِندَر کا بیٹا اور بندروں کے راجہ مسگر یو کا بھائی تھا۔ اسے رامچند ر نے مار ڈالا۔

۱۱۹۹: صاف ظاہر ہے کہ یوسف شاہ چک پادشاہِ کشمیر کے تن بدن اور دل و جان پر اکبر کا خوف طاری ہو چکا تھا اور وہ ایک گھوڑے کی طرح جنگل کے شیر کے آگے دوڑ کر تسلیم ہو جانا چاہتا تھا۔

۱۲۰۰: **اَسُر** : یا آسُر۔ بدرُوح۔ دیو (آسروں کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ قطب جنوبی میں رہتے ہیں اور اوّل درجہ کے دیوزاد ہیں اور ہمیشہ دیوتاؤں کے ساتھ لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں)۔

۱۲۰۱: **بادشاہ یعقوبہ** : یعنی یوسف شاہِ چک کا فرزند یعقوب چک، **تاریخ حسن** (ج ۲ ص ۳۲۷ تا ۳۳۵) میں یعقوب خان مذکور کے بارے میں آیا ہے کہ: ''یوسف خان کا بیٹا یعقوب خان [فارسی تاریخوں میں اکثر شاہ کی جگہ خان کا لقب یا عنوان استعمال میں آیا ہے۔ خان کا عنوان اوّل ترکستان میں امیر یا شاہ کے لیے اور بعد میں دیگر جگہوں میں مستعمل تھا۔ خان کا عنوان بڑے آدمیوں کے لیے مخصوص تھا۔ اواخر صدیوں میں اس عنوان کی اہمیت گھٹ گئی اور تقریباً ہر کسی کے لیے استعمال ہوا۔ ایران میں نزدیک رشتے کے اقوام کو اس لقب سے پکارتے ہیں جیسے عُمو خان یا خان دائی یعنی خان چچا یا خان ماموں جیسے ہم اردو میں چچا جان یا ماموں جان کہتے ہیں] سال ۹۹۳ھ [ذیلی یادداشت = اکبر نامہ جلد سوم ص ۴۸۱۔ لیکن خواجہ محمد اعظم کی روایت سے سال ۹۹۴ھ (۱۵۸۵ء) میں یعقوب شاہ نے فتح و نصرت کے ساتھ پایِ تخت کشمیر پر مستقل تصرف پایا اور حکومت کے تاج کو سر پر رکھا اور سکّہ و خطبہ کو اپنے نام پر جاری کرادیا ___ واقعات کشمیر ص ۹۸] میں تخت شوکت

وشان پر بیٹھا اور وزارت کا رتبہ علی ڈار کو بخشا۔ ایک خوش دماغ آدمی تھا نشہ و کیف آور چیزوں کا بہت استعمال کیا کرتا تھا جس کی وجہ سے لوگوں کے امور و معاملات کے بارے میں وہ سچ اور جھوٹ اور اچھائی اور برائی میں فرق نہیں کر سکتا تھا چنانچہ دوپہر کو جو گاؤں کسی کو جاگیر میں دیتا عصر کے وقت وہی گاؤں کسی اور کو دے دیتا تھا جب دونوں مناقشہ کرتے تو وہ کہتا تھا کہ یہ گاؤں سرکار کے حق میں محفوظ ہے۔ اس طرح سے اس کا نظم وضبط باقی نہ رہا اور لوگوں نے فساد وعناد پھیلایا۔ اسی حال میں یعقوب خان، سید حسن اور شمس دوبی کو شہر میں اپنا قائم مقام بنا کر جاہ وحشم اور سپاہیوں کے ساتھ اپنے فرزند کی شادی کے لیے ہالہ والہ کی طرف روانہ ہوا۔ لوٹتے وقت جب اچھ بل پہنچا تو علی ڈار، شمس چک، علی شیر ماگرے اور میر حسن چاڈورہ نے متحد ہو کر اس پر حملہ بول دیا اور جنگ وجدل کیا۔ بالآخر مقابلہ کی طاقت نہ لا کر وہ بکھر گئے اور سید حسن اور شمس دوبی دو دو ہاتھ کرنے کو شہر میں آ گئے۔ یعقوب خان محمد بٹ کی مدد سے یلغار کر کے مخالفین سے پہلے ہی شہر میں پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے علی ڈار نے شہر میں داخل ہو کر شہر کے پلوں کو توڑتے ہوئے زالڈگر میں بغاوت کا علم لہرایا اور یعقوب خان نے عیدگاہ میں صفیں سنبھالیں۔ سابق الفت ومحبت پر اعتماد کرتے ہوئے علی ڈار نے یعقوب خان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے تقصیرات کی معافی چاہی۔ یعقوب خان نے اپنے رفقاء کی صلاح پر اس کی صُلح کی خواہش کو نامنظور کر دیا۔ پس علی ڈار اور شمسی چک نے اپنے رفیقوں کے ہمراہ سوپور جا کر شورش اٹھائی اور یعقوب خان نے اپنی جماعت کے ساتھ یلغار کر کے سوپور قصبہ میں جنگ لڑی۔ مخالفین نے مغلوب ہو کر ہزیمت پائی اور سوپور پل کو پار کرتے وقت ہجوم کرتے ہوئے ان کی ایک جماعت دریا میں ڈوب گئی۔ شمسی چک کو یہامہ کے راستے سے اپنے معاونین کے ساتھ شہر لوٹ آیا لیکن

یعقوب خان ان سے پہلے ہی شہر میں آ پہنچا اور علم شیر ماگرے نے اپنی جماعت کے ہمراہ کچھامہ کی طرف فرار کیا۔ میر حسین چاڈورہ، شمہ ہال گاؤں میں چلا گیا اور علی ڈار برٹھل کے زمیندار کے گھر میں چھپ گیا اور شمسی چک، خانقاہِ شمس عراقی میں روپوش تھا۔ یعقوب خان نے اسے گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا اور محمد بٹ کو وزارت کے منصب پر مقرر کیا گیا۔

مخالفین کو رفع دفع کرنے کے بعد یعقوب خان نے تعصب کا علم بلند کرتے ہوئے اہل سنت والجماعت کو جور و جفا کے شکنجے میں کس کر انہیں سخت اذیتیں دیں۔

قاضی موسیٰؒ جو قاضی میر علی کی اولاد میں سے تھے، علوم غربیہ اور فنونِ عجیبہ سے آراستہ تھے اور اباً عن جدٍ قاضی ابراہیم کے زمانے سے اس ملک کے امورِ قضا آپ ہی کے خاندان سے مربوط تھے۔ ان ایام میں آپ کمالِ متانت و استواری کے ساتھ جامع مسجد کی اندرونی اور بیرونی چھت کی تعمیر میں مشغول تھے اور ایک سال کی مدت میں آپ نے اس کام کی تکمیل کا اہتمام کیا۔ یعقوب خان نے مذہبی تعصب کی بناء پر آپ کے ذمہ کر دیا کہ اہل سنت کو تحقیق کے ساتھ اس بات کی طرف راغب کریں کہ مسجدوں میں موذن اذان میں علیؑ ولی اللہ کے جملے کو ملا دیں [ذیلی یادداشت = بقول ملک حیدر چاڈورہ ص ۸۱/اور خواجہ محمد اعظم ص ۹۹، ۱۰۰/اصل میں اس فتنہ کا محرک ملاّ عینی تھا جس نے یعقوب شاہ چک کو علی ولی اللہ کا فقرہ نماز کی اذان میں داخل کروانے پر مجبور کیا۔ اس شخص نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے عارفِ حق مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ (وفات ۸۹۱ھ = ۱۴۹۲ء) کی بھی توہین کی۔ ملک حیدر کی روایت یوں ہے: "یعقوب خان کسی کی بات کو نہیں مانتا تھا وہ خود پسند اور خود رائے تھا اسی خود رائے اور بیفکری میں ایک روز اس نے ملاّ عینی

اعمیٰ کو، جس نے تبرّا خوانی میں خود کو ممتاز اور ایک قحر آدمی بنا رکھا تھا بلا کر کہا کہ: ''قاضیؔ کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ نماز کی اذان میں علی ولی اللّٰہ کو ملا دے''۔ ملاؔ چونکہ اس بات کا خود باعث اور تحریک دینے والا تھا، اس نے قاضیؔ مذکور تک بات پہنچائے بغیر ہی قاضیؔ کی زبان سے عرض کیا کہ: ''اس طرح کی اذان پڑھنا اہل سنت والجماعت کے مذہب میں رفض ہے''۔ یہ دو شعر ملاؔ کے ہیں۔

هنوز آن ابرِ رحمت دُرّفشان است
می و میخانه بامهرو نشان است
درین دیرِ مسدّس خُم تهی نیست
تهی گفتن بغیر از ابلهی نیست

[رحمتوں کے وہ بادل ابھی بھی موتی برسا رہے ہیں شراب اور شرابخانہ مُہر ونشان کے ساتھ قائم ہیں۔ اس دنیا میں خُم خالی نہیں ہے۔ خالی کہنا بیوقوفی کی بات ہے]۔ بقول خواجہ محمد اعظم، ملاّ عینیؔ نے آخری مصرعہ میں مولانا جامیؔ کی نسبت حماقتؔ سے کام لیا ہے۔ اس نے مولونا جامیؒ کے فرمائے ہوئے اس شعر کے جواب میں کہ۔

حریفان باده ها خوردند و رفتند
تهی پیمانه را کردند و رفتند

یہ دو شعر کہے ہیں۔ ملا عینیؔ سمجھا نہیں کہ مولانا جامیؒ کا مقصد انبیاء و اہل بیت اور صحابہ کرامؓ کی مجلسِ پُرفیض کے ختم ہو جانے سے ہے جس کی مانند اب ہونے کی اس زمانے میں کوئی صورت نہیں اور اگر انصاف سے دیکھا جائے ہر طائفہ میں، خواہ وہ اہل علم کا ہو یا اہل علم کا ہوا یا خواہ سخندانوں کا ہو، فیضان میں فرق آگیا ہے۔ پیچھے آکر ملنے والے البتہ سابقین کی مانند نہیں ہیں یہ جو کہا ہے

کہ ۔ (می و میخانہ بامُہر ونشان است) اس میں بھی تبرّا کہا ہے گویا اسے یقین ہے کہ سابقین بھی لاحقین کی طرح فیض سے محروم رہے ہیں]۔ سنت کی رعایت کرتے ہوئے قاضی موسیٰؒ اس کے دبدبہ سے خوفزدہ نہیں ہوا اور اس سخت امر پر عمل نہیں کیا۔ یعقوب خانؔ نے آپ پر شمس چکؔ کی حمایت کرنے کا الزام لگا کر آپ کو دربار میں شہید کردیا اور آپ کی لاش کو ہاتھی کی دُم سے باندھ کر شہر میں گھمایا۔ کہتے ہیں جب اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو آپ کی والدہ باہر آگئیں اور اپنا دوپٹہ آپ کے سر پر پھیلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میرا بیٹا اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوا۔ اس دن کے اواخر میں شدت و تیزی کے ساتھ بادلوں، ہواؤں اور بجلیوں نے سارے ملک میں وہ تزلزل پیدا کیا کہ گرج اور چمک کی ہیبت وقہر سے اکثر حاملہ عورتوں کے حمل گر گئے اور بعض بچے بھی ہلاک ہوگئے۔ یعقوب خانؔ کے گھر میں بجلی گری جس کے شعلوں سے علی ڈار کی چار اور عورتوں کے ہمراہ مر گئی۔ ان واقعات کے ظاہر ہو جانے پر کشمیرؔ کے لوگ، کیا چھوٹے اور کیا بڑے، اس کے اطوار سے متنفر ہوگئے اور ہر طرف سے بغض و عناد کے چشمے ابلنے لگے [واقعاتِ کشمیر ص ۹۹]۔

نیز اسی دوران یعقوب خانؔ نے ملّا احسن اسودؔ کی سست رائے پر محمد بٹؔ کو رتبہ وزارت سے معزول کر کے اسے قید کردیا اور اس کی جگہ پر نازک بٹؔ کو جو عقل و تدبر سے خالی تھا وزارت پر مقرر کردیا۔ اس کے بعد ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ملک کی خرابی، رعایا کی پریشانی، شیعہ مذہب کی ترویج، اہل سنت کی توہین و عذاب کرنے اور ہندو آبادی کو اجاڑنے اور انہیں خوف دلانے کی کوششوں میں رہتے ہوئے ظلم و ستم کو عام کردیا اور بہت سے لوگوں کو ہلاکت وفلاکت میں ڈال دیا۔

اس لیے کشمیر کے اکابرین کی ایک کثیر جماعت جیسے جناب حضرت شیخ یعقوب صرفیؒ اور شیخ بابا داؤد خاکیؒ نامور امراء کے ہمراہ اکبر بادشاہ کے دربار میں گئے اور اس کو کشمیر کو مسخر کرنے کی ترغیب دی اور شرائط کو مقرر کر کے عہد نامہ لکھ کرلیا۔ ان میں ایک شرط یہ تھی کہ حاکمانِ وقت مذاہب کے اموراور غلے کی قیمتوں میں کوئی خلل اندازی نہیں کریں گے۔ دوسری یہ کہ کشمیر کے لوگوں میں سے کسی کو کنیز اور غلام نہیں بنائیں گے۔ تیسری یہ کہ کشمیر کے لوگ سخت محنتوں اور مختلف بدعتوں سے آزاد رہیں گے۔ چوتھی یہ کہ امراء کشمیر کا جو اس وقت فتنہ وفساد اور لڑائی جھگڑا کر رہے ہیں ملکی اور مالی امور میں کوئی دخل نہیں ہوگا [واقعاتِ کشمیر ص ۹۹]۔

عہد و پیمان کے انعقاد کے بعد خاقان زمان (اکبر بادشاہ) نے میرِ بحر میرزا قاسم کو [ذیلی یادداشت = ابوالفضل کے بقول حیدر چک اور شیخ یعقوب صرفیؒ نے یوں بیان کیا کہ اس ملک کے بزرگوار ہماری صوابدید سے منہ نہیں موڑیں گے اگر پنجاب کے کچھ سپاہی ہمارے ہمراہ کردئے جائیں تو بیشک بغیر کسی لڑائی کے حاصل ہوگا۔ اس لیے مبارک خان اور جلال خان گکھڑ اور دیگر زمینداروں نے اجازت دے دی۔ وہ دونوں کشمیری بنیر کے پاس مدد کے انتظار میں رہے۔ اس وقت خاطر مقدس میں خیال آیا کہ ہم وطنوں کو لے جانے پر دل راضی نہیں۔ ایسا کرنے سے تباہی ہوگی۔ اس لیے اس کام کے لیے قاسم خان کو جو کارشناسی اور شجاعت میں زمانے کے بے مثال لوگوں میں سے تھا، سر بلند کیا اور اس نے کشادہ پیشانی کے ساتھ اسے قبول کیا ___ اکبر نامہ ج ۳ ص ۴۹۶] شیخ یقوب صرفیؒ اور حیدر چک برادرِ یعقوب خان اور دوجی تواجی وغیرہ امراء کشمیر کی رہنمائی میں چار ہزار سوار اور بیس ہزار پیدل فوج کی جماعت کے ساتھ کشمیر کو فتح کرنے کے لیے مامور کیا۔ جب شاہی

فوج کے آسمان کو چھونے والے علم راجوری کے حدود میں پہنچے تو اطلاع پاتے ہی یعقوب خان نے نازک بٹ ولد ابدال بٹ کو شہر میں حکومت کا قائمقام بنا کر تیس ہزار سواروں اور دس ہزار بندوقچیوں کی جماعت کے ساتھ جنگ کے لیے روانہ ہو کر ہیرہ پورہ میں مقابلے کے جھنڈے نصب کئے۔ یہاں سے کشمیر کے لوگ، شریف وادنیٰ، یعقوب خان کی بدکرداری اور بدسلوکی سے چونکہ متنفر اور عداوت زدہ ہو چکے تھے اس لیے اکثر امراء اور ارکانِ حکومت شاہی فوج کے ساتھ مل گئے۔ چنانچہ سید یوسف خان بیہقی نے نازک بٹ سے فریب کے ساتھ خلعت اور گھوڑا اور اسلحہ لے کر کچھامہ میں علم شیر خان ماگرے اور شمسی چک کے بیٹے ظفر خان کے ساتھ مل کر آپس میں عہد و پیمان طے کیا اور شہر میں آ گئے اور یہاں پہنچتے ہی محمد بٹ اور شمس چک کو قید خانہ سے رہا کر کے تعصب کی آگ بھڑکائی اور عوام کے ہمراہ جڈی بل کی خانقاہ کو جلا کر شمس عراقی کی قبر کو اہل شہر کے لیے کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ بنا دیا اور شیعوں کے خانمان کو غارت کر کے خاکستر بنا دیا اور تین روز تک شیعوں کی خرابی کرنے کے بعد پونچھ کے راستے سے بھاگ کر اکبر بادشاہ کی فوج کے ساتھ مل گئے۔ یعقوب خان ہیرہ پورہ پہنچا اور یوسف چک ولد حسین خان ایبہ چک ولد ابدال چک اور سید براہیم خان ولد مبارک خان وغیرہ کو کونہ بل کی راہ کی حفاظت کے لیے مقرر کیا۔ ان کے ہمراہ ایک کثیر جماعت بھاگ کر شاہی فوج کے ساتھ مل گئی اور یوسف چک، ایبہ چک اور سید ابراہیم اکیلے رہ گئے اور یعقوب خان کے ساتھ مل گئے۔ بہرام نایک اور شنگی نایک نے جوسِدو کی راہ پر محافظت کے لیے متعین تھے جا کر شاہی فوج میں شمولیت کی۔ قاسم نایک اور حسین چک نے جو پیر پنجال کے راستے سے فوج کے ہراول بن کر گئے تھے، شاہی فوج کے مقابلے میں آ کر جنگ و جدل کی اور قاسم نایک پہلے ہی حملے میں مارا گیا۔

اپنے باپ کے مارے جانے کے باوجود اس کا بیٹا ظفر نیایک لڑائی سے باز نہ رہا اور اس نے محمد چک کی مدد سے شاہی فوج کا قافیہ تنگ کیا لیکن بالآخر مارے گئے۔ محمد بٹ اور شمس چک، جو ظفر خان اور علی شیر خان کے ہاتھوں قید سے رہائی پا چکے تھے، سید ابوالمعالی کی مدارات و دلجوئی سے یعقوب خان کی مدد کرنے کے لیے ہیرہ پورہ چلے گئے اور اسی روز شاہی فوج پیر پنچال پہاڑی کو پار کر کے یعقوب خان کی فوج کے ساتھ جنگ میں الجھ گئی اور دن کے ایک پہر تک قتل و جدال کی آگ روشن رہی۔ یعقوب خان کے فوجی افسر بے دلی کی وجہ سے جنگ میں درنگی سے کام لیتے تھے۔

اسی اثنا میں یعقوب خان، پیشاب پھیرنے کے لیے اپنی گھوڑی سے اتر کر لگام کو ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھا کہ اچانک ایک مغل گھوڑا جو مغل دستے سے چھوٹ چکا تھا مذکورہ گھوڑی سے الجھ پڑا اور رسی کو توڑ کر دونوں نے فرار کیا۔ یعقوب خان پیدل چل کر میدان جنگ سے منہ موڑتے ہوئے اپنی نزول گاہ کی طرف جا رہا تھا لیکن جب یعقوب خان کی فوج نے بادشاہ کی گھوڑی کو سوار کے بغیر حیرانگی کے عالم میں دوڑتا ہوا دیکھا تو فوراً سب کے سب ہزیمت کھا کر ایک دوسرے سے بکھر کر منتشر ہو گئے اور شاہی فوج نے ان کا تعاقب بڑی گرمجوشی سے کر کے ان کے بہت آدمیوں کو قتل اور زخمی کر دیا اور شوپیان قصبہ میں شاہی علم نصب کیا۔ دوسرے روز کمال شان وشوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہو کر فتح و نصرت کے ڈھول بجائے اور یعقوب خان پریشان و پشیمان، زیان زدہ اور شکستگی کی حالت میں کل ایک سال اور دو ماہ [ذیلی یاد داشت = خواجہ محمد اعظم کے بقول ایک سال اور چھ مال تک حکومت کی ــــ واقعات کشمیر ص ۹۸] تک حکومت کی اور کشتواڑ کی طرف فرار کیا گیا [ذیلی یاد داشت: ابوالفضل کی روایت ہے کہ اس کے بعد یعقوب شاہ چک نے دو تین

بار کشتواڑ کے مقام سے اکبری فوج کے ساتھ شبخونوں میں وقت گزارا۔ بالآخر خودسری اور سرتابی کے بارِ غرور سے تنگ آکر خود کو شاہی فوج کے حوالے کر دیا اور میرزا یوسف خان رضوی کی سفارش سے قدسی اساس آستانِ شاہی پر حاضر ہوا۔ مہربان دل شہر یار نے اسے قبول کر کے خوش کر دیا۔ سال ۱۰۰۲ھ (۱۵۹۳ء) میں بنگال میں جاگیر پائی (اکبر نامہ ج ۳)۔ ڈاکٹر صوفی کے بقول کشمیر کے آخرین بادشاہ یعقوب شاہ (چک) کا مقبرہ کشتواڑ قصبہ کے باہر شیر کوٹ کے جنوب میں چوگام کے راستے پر واقع ہے۔ اس کی ملکہ فتح خاتون نے اپنے شوہر کی یاد میں ایک نہر کھدوائی جو اب تک اہلِ کشتواڑ کے لیے ایک بڑی نعمت ہے۔ اس کے علاوہ فتح خاتون نے ایک تالاب اور زیوار گاؤں کے پاس کالی ناگ سے ایک نہر کھودی۔ ڈاکٹر صوفی کی تحقیق کے مطابق کشمیر کے اس آخرین بادشاہ کی آرام گاہ بس پتھر اور چونے کا ایک چھوٹا سا تودہ ہے اور یہ بھی ایک برہمن کے مملوکہ قطعۂ زمین میں ہے (کشیر ج ارص ۲۳۷)]۔ **واقعاتِ کشمیر** میں یعقوب شاہ چک کے سیاسی حالات اور مغل فوج سے مقابلہ آرائی اور جنگوں کے بیانات، چند اضافی مقاماتِ جنگ کے ساتھ، مذکورہ تاریخ حسن کے بیانات سے مطابقت رکھتے ہیں البتہ یعقوب شاہ چک کے قاضی موسیٰ کو شہید کرنے کی حرکت کو اکبری حملہ کا ایک اہم باعث قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ: ''قاضی موسیٰ کی شہادت کے بعد شہر کے لوگ یعقوب شاہ سے متنفر ہو گئے اور لوگوں کے دل اس سے برگشتہ ہوئے اور اکثر بزرگ لوگوں نے اس شہر سے حرکت کی۔ حضرت بابا داؤد خاکیؒ اپنے پیروں کی زیارت کرنے کے ارادے سے ملتان چلے گئے اور حضرت جامع الکمالات شیخ یعقوب صرفیؒ اکابرین، روسا اور فقراء کی ایک جماعت کے ساتھ اکبر بادشاہ کو تحریک اور بادشاہ کی حکومت کے وزراء کو کشمیر کو مسخر و

تصرف کرنے کی بشارت دی اور عہد و پیمان کیا''۔ **مجموع التواریخ** کے مؤلف پنڈت بیربل کاچرو وارستہ نے بھی اس موجب کا ذکر ہوتے لکھا ہے کہ: ''یعقوب شاہ چک نے شیعہ مذہب کو رواج دے کر قاضی موسیٰ کو دینی گفتگو پر قتل کر دیا۔ اس حرکت پر بزرگانِ شہر کی ایک جماعت شہر کو چھوڑ کر اکبر بادشاہ کے حضور میں پہنچ گئی اور حالات کو بیان کرتے ہوئے اسے کشمیر کو مسخر کرنے کی تحریک دی......'' **کشمیر سلاطین کے عہد میں** (اردو ترجمہ) پروفیسر محبّ الحسن نے بادشاہ یعقوب شاہ چک کے زمانے کے سیاسی حالات اور خود بادشاہ مذکور کے جنگی واقعات کے سلسلے میں بیشتر حیدر ملک اور بہارستانِ شاہی کے نا معلوم مصنف کی تحریرات کو نقل کیا ہے۔ یہ دونوں مصنفین شیعہ ہیں اور انہوں نے شیعہ چک بادشاہ یعقوب چک کے بارے میں جانبداری سے کام لیا ہے چنانچہ پروفیسر محبّ الحسن نے جو خود شیعہ مسلک کے ایک مورخ ہیں ان ہی مذکورہ شیعہ مورخین کے بیانات کو ترجیح دی ہے اگرچہ جنگی معاملات کے ضمن میں ایک دو غیر شیعی مآخذ کا بھی حوالہ دیا ہے لیکن پروفیسر موصوف نے بہر حال یعقوب شاہ چک کی سنّی دشمنی کے پس منظر میں اس کے قاضی موسیٰ'' کو شہید کرنے کے اقدام کو ایک غیر دانشمندانہ فعل قرار دے کر لکھا ہے کہ اس اقدام سے سنّی دشمن ہو گئے اور کشمیر کی مغلیہ حکومت میں الحاق کی راہ ہموار ہو گئی۔ **کنگڈم آف کشمیر** (انگریزی) کے مصنف پروفیسر ایم ایل کپور نے یعقوب شاہ چک سے مربوط سیاسی حالات اور اس کی سنّی دشمنی کے نتائج کا جو ذکر کیا ہے وہ دیگر تمام مقامی تاریخوں سے مطابقت رکھتا ہے۔ یعقوب شاہ چک کے بارے میں کپور موصوف نے لکھا ہے (ص ۱۹۱) کہ: ''اس نے کوئی قابل تعریف کام نہیں کیا۔ متکبّر ہونے کی وجہ سے وہ اپنے امراء کی بیقدری کرتا تھا۔ رعایا کی نسبت بھی اس کا سلوک بالعموم ظالمانہ

اور بے رحمانہ تھا۔ پس لوگ اور امراء اس سے بیزار ہو گئے اور اُن کی بیزاری اس کے خلاف بغاوتوں کی شکل میں پھوٹ پڑی جب اس نے مذہبی غیر رواداری کا مظاہرہ کیا۔ یعقوب شاہ ،، اکثر چک بادشاہوں کی طرح، ایک شیعہ تھا لیکن وہ ایک متعصب شیعہ تھا اور اس نے قاضی موسیٰؒ کو ہدایت دی کہ وہ عام نمازوں میں علیؑ کا نام لیا کرے۔ قاضی نے نہ صرف اس کی ہدایات پر عمل کرنے سے انکار کیا بلکہ اسے نصیحت کی کہ اسے دینی معاملات میں دخل نہیں دینا چاہیے بلکہ ہر فرقہ کے ساتھ رواداری سے کام لینا چاہیے۔ اس نصیحت کے جواب میں قاضی کو گالیاں ملیں۔ یعقوب شاہ چک کے دین تعصب نے اس کے بہت سے امراء کو برافروختہ کیا جن میں شمس چک، ملک حسن چاڈورہ ، عالم شیر ماگرے اور خود اس کا اپنا وزیر اعظم علی ڈار شامل تھے۔ انہوں نے بغاوت کی اور یعقوب شاہ کو اکبر بادشاہ کی مدد سے تخت سے اتار دینے کا فیصلہ کیا لیکن شیخ حسن اور بابا خلیل ، دو شیعہ بزرگوں نے انہیں غیر ملکیوں کو اپنے اندرونی اختلافات میں شریک نہ بنانے کی ترغیب دی بلکہ دونوں جماعتوں میں باہمی صلح بھی کرا لی لیکن جلد ہی یعقوب شاہ چک اور ان کے درمیان اختلافات پھر سے پیدا ہو گئے اور یعقوب شاہ چک نے سوپور میں باغیوں کو شکست دی۔ اس کامیابی پر اتراتے ہوئے یعقوب چک نے قاضی موسیٰؒ پر حضرت علیؓ کا نام جمعہ کی نمازوں میں داخل کرنے پر زور ڈالا لیکن قاضی موسیٰؒ نے صریح انکار کیا۔ اس پر سلطان نے قاضی موسیٰؒ کو قتل کر دینے کا حکم دیا۔ اب لوگوں کے صبر کا پیمانہ بھر گیا۔ شیخ یعقوب صرفیؒ ، ایک مشہور عالم ، کی سرکردگی میں نیز کئی اور نامور بزرگوں کی قیادت میں ایک وفد لیکر اکبر بادشاہ سے ملا اور اسے درخواست کی کہ مزید کسی توقف کے وہ کشمیر کو اپنی مملکت میں شامل کرے......"

مندرجہ بالا معتبر تاریخی مقامی مآخذ سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ کشمیر کے مغلیہ سلطنت کا ایک حصہ بن جانے کا ایک اصلی سبب خود کشمیر کے اصولاً غیر کشمیری نسل کے چک بادشاہوں کی سنّی دشمنی بھی تھی اور یہ شدید جذبۂ تعصب ان میں اور بالخصوص یعقوب چک کے رگ و پئے میں، اس حد تک سرایت کر چکا تھا کہ گویا چک حکومت صرف اور صرف کشمیری سنّیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی خاطر ہی وجود میں آگئی تھی لیکن خدا کو یہ کہاں منظور تھا ظلم کی سلطنت کو اللہ تعالیٰ نے ۳۲ رسال کے مختصر عرصے میں یوں مٹا دیا کہ چک خاندان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔

۱۲۰۲: شُکؔ نے اہل سنت والجماعت کے چار فقہی مکتبوں کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن اس کا اصلی مقصد یہاں پر شیعہ جماعت کے اٹھائے ہوئے فتنہ و فساد کی طرف ہے اور یہ جو اس کے بقول چار مختلف نظریات پر جھگڑا اٹھا صحیح نہیں ہے اور یہ خود اس کے دین اسلام کی کم مطالعی کا نتیجہ ہے جس پر ہمیں کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ وہ خالصتاً کشمیر میں ہندوؤں میں رائج شِو مذہب سے واقف تھا اور بس!

۱۲۰۳: دِدّ مٹھ میں یہ لڑائی ہونے کا ذکر مقامی تاریخوں میں موجود نہیں۔

۱۲۰۴: **مُلکِ عَالِکَ** : غالباً علی ڈار سے مراد ہے واللہ اعلم!

۱۲۰۵: **مَدھیہ دیش** : اصطلاحاً یہاں پر ہندوستان سے مراد ہے اگرچہ پورے ہندوستان سے مقصد نہیں کیونکہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں سارا ہندوستان آج کی طرح نہ آپس میں جڑا ہوا تھا اور نہ ہی متحد۔ یہ ملک الگ خود مختار ممالک (آج کل صوبہ جات) پر مشتمل تھا جن پر راجے اور نواب حکمرانی کرتے تھے۔ مدھیہ دیش (سنسکرت ترکیب) یعنی درمیانی ملک یا علاقہ۔

ہندوستان کے مرکزی صوبہ جات۔ ہندوستان کا درمیانی علاقہ (شمال میں ہمالیہ کے درمیان کا علاقہ، جنوب میں وِندھیا پہاڑوں کا علاقہ، مغرب میں وِنشان اور مشرق میں پریاگ جس میں موجودہ الہ آباد، آگرہ، دہلی وغیرہ آباد ہیں)۔

۱۲۰۶: **قاسم خان : تاریخ حسن** (جلد۲/ص ۴۱۶تا۴۲۶)

میں قاسم خان کے بارے میں آیا ہے کہ: "قاسم خان میر بحر نے ۱۷/ماہ ذی قعد ۹۹۴ھ کو شہر کشمیر میں حکومت و اقبال کا علم لہراتے ہوئے سلطنت کی بنیاد اور مملکت کی اساس کو مستحکم بنانے کے اقدامات کیئے۔ اس کی آمد کی تاریخ خیر مقدم (۹۹۴ھ=۱۵۸۵ء) کہی گئی ہے حیدر ملک ولد یوسف شاہ جو فتح یاب فوجوں کے ہمراہ تھا یہاں پر پہنچ گیا۔ کشمیر کے امراء جوق در جوق اس کے پاس آنے لگے۔ اس سے قاسم خان اس کی نسبت وحشت زدہ ہوگیا اور اسے قید کرلیا۔ کشمیر کے امراء، جو نفاق و فساد میں پختہ کار ہو چکے تھے اس سے خوفزدہ ہو کر روپوش ہوگئے۔ یعقوب خان نے ہیرہ پورہ میں [ذیلی یادداشت = ہیرہ پورہ اصل میں سورہ پور کا قدیم نام ہور پور ہے تفصیل کے لیے دیکھئے سٹائن اور بیٹس] ہزیمت پا کر دیوہ سر کے مضافات کا رخ کرتے ہوئے کشتواڑ میں فرار کیا۔ راجۂ کشتواڑ بہادر سنگھ نے جس کا یعقوب خان کے ساتھ خسر دامادی کا رشتہ تھا (یعنی یعقوب شاہ اس کا داماد تھا) اس کی ایسی ملامت و تنبیہہ کی کہ اس سے اجازت لئے بغیر برق و باد کی تیزی کے ساتھ یعقوب شاہ کشمیر پہنچ گیا۔ اور یہاں کے جنگجو، جو ایک دوسرے سے علیحدہ اور بچھڑ چکے تھے ایک کثیر تعداد میں جمع ہو کر اس کے ساتھ مل گئے اور چیرہ ونی گاؤں میں آکر استقامت کی [ذیلی یادداشت = واقعاتِ کشمیر میں چیرہ اُوڈر (کشمیری زبان میں چیر — ژیر — خوبانی کو کہتے ہیں اور اُوڈر یعنی ٹیلہ یا کریوہ) آیا ہے۔ چیرہ اُڈور

بڈگام تحصیل میں سرینگر سے جنوب میں قریب ۱۳ میل دور ایک گاؤں ہے۔ اگلے زمانوں میں یہ میدان پونچھ اور کشمیر کے درمیان جنگ ومقاتلہ کا مقام رہا ہے۔ ویران ہو جانے کے ایک عرصۂ دراز کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ کے وزیر اعظم دیوان جوالا سہائے نے چیرہ ون کو پھر سے آباد کر کے اس کا نام جوالا پور رکھا۔ سال ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی تعداد ۶۹۷ افراد تھی۔ ترجمہ از حاشیہ کشیر ج ۱ ربزبان انگریزی مصنفہ، ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی ص ۲۴۱،۲۴۲]۔ رات کے وقت یعقوب خان نے یوسف خان ولد حسین شاہ، ابراہیم چک اور علی ملک ناجی وغیرہ جنگجوؤں کی ہمراہی میں قاسم خان پر شبخون مار کر یوسف شاہ کے شاہی محل کو، جو قاسم خان کی رہائش گاہ تھا، آگ لگا دینے سے اندھیری رات کو روزِ روشن میں بدل ڈالا۔ اس کے بعد مغلوں کو قتل اور ان کی خونریزی کے لیے ان پر حملہ آور ہو کر ان کے دلاور جنگجوؤں کے سر کاٹ کر زمین پر پھینک دئے اور مقتولوں کے ڈھیر لگا دئے۔ عوام نے گلی کوچوں اور بازاروں میں ہجوم کر کے ڈھیلوں اور پتھروں سے اور لکڑیاں مار کر مغلوں کو بے درنگ مقتول و مجروح کر دیا اور شاہی خزانے کو، جو میر عبدالرزاق معموری کے ہاتھوں میں تھا، کشمیر کے جنگجوؤں نے آنکھ جھپکنے میں لوٹ لیا[ذیلی یاد داشت = سید ابوالمعالی، سید مبارک خان کا دوسرا بیٹا تھا جو سال ۹۸۶ھ (۱۵۷۸ء) میں کشمیر کا سلطان تھا، اس نے جلاوطنی میں فیروز آباد میں وفات پائی۔ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے تصرف سے آزاد کرنے کی خاطر سید موصوف نے بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اپنے وطن میں امن وامان قائم ہو جانے کے بعد سید مبارک خان، اکبری ملازمین کے حلقہ میں شامل ہوا اور قریب ۲۴ ربرسوں تک راجہ مان سنگھ کی ماتحتی میں خدمات لائق بجا لایا۔ جہانگیری دور میں بڑا رُتبہ پایا ـــــ اس سیّد ابوالمعالی کو اس سیّد ابوالمعالی

کاشغری کے ساتھ مشتبہ نہیں کرنا چاہیے، جو چغتائی شہنشاہ محمد نصیر الدین ہمایوں کا منہ بولا فرزند تھا اور جس کی ماہ کو چک کی بیٹی فخر النساء سے شادی ہو چکی تھی ــــ تلخیص از حاشیہ کشیر انگریزی ج ارص ۲۴۹ر تصنیف ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی۔لاہور ۱۹۴۹ء] اس حادثہ کے وقوع پر قاسم خان نے پہلے تو حیدر خان کو قید سے نکال کر قتل کر دیا اور پھر اپنے جنگجوؤں کے ہمراہ ثابت قدم رہ کر میدانِ جنگ و جدل میں مردانگی کی داد دیتے ہوئے بہت سے مخالفین کو موت کی وادی میں پھینک دیا۔ پایندہ قزّاق نے جو جرأت شعار دلاوروں میں سے تھا اور جس نے میدانِ ہمت و محاربہ میں جرأتمندی کا مظاہرہ کیا، ایک کثیر تعداد کو تلوار کی کاٹ سے گذار دیا اور علی میر کوکہ کو، نامی بہادروں میں سے تھا قتل کر دیا۔ بالآخر سید ابوالمعالی نے اس پر حملہ کر دیا اور نیزے کی ایک ہی ضرب سے اس کا سر کاٹ کے رکھ دیا۔ اس پر شاہی فوج کے ستّر بہادروں نے ہجوم کر کے اس کو محاصر میں لے لیا لیکن گھوڑے کی ایک چھلانگ اور دوڑ میں وہ حلقۂ جنگ سے باہر نکل آیا۔ بالآخر شاہی فوج ہر طرف میں بکھر گئی اور یعقوب خان نصرت و فتح مندی اور کامرانی کے ساتھ شاہی محل میں داخل ہو کر مسند حکومت پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ شاہی لشکر میں سے اب کوئی بھی زندہ نہیں رہا ہوگا۔ پس اسی غرور میں کہا کہ: "ہیرہ پور کے معرکہ میں جو بھی میدان جنگ سے بھاگ کر قاسم خان کے ساتھ مل چکا ہوگا میں اسے قتل کر دوں گا"۔ یہ بات سنتے ہی وہ سارے جنگجو اور امراء جو ہیرہ پور کے معرکہ میں بھاگ گئے تھے، اس کی مجلس سے اٹھ کر منتشر ہو گئے اور یعقوب خان نے معدودے چند آدمیوں کے ساتھ تنہا رہ کر اُولر پہاڑوں کی طرف فرار کیا۔ اور قاسم خان نے پھر سے بادشاہی محل میں قرار پایا اور شمسی چک، سید حسین خان بیہقی اور شمسی دوبی [ذیلی یادداشت = اکبر نامہ جلد سوم میں یہ نام شمس دولی آیا

ہے] کے خلاف، جنہوں نے سوپور قصبہ میں بغاوت کا علم نصب کیا، دولت بختیار کی سرکردگی میں گکھروں کی ایک جماعت کو مقابلہ کے لیے بھیجا۔ شاہی لشکر جب پٹن میں پہنچی تو شمس چک نے اپنی جماعت کے ساتھ ان پر شبخون مارا اور بہت جنگ وقتال کے بعد ہزیمت پا کر سوپور کی طرف واپس چلا گیا اور وہاں سے جاڑے کے دنوں کی آمد پر کرناو کی جانب بھاگ کر نکل گیا۔ یعقوب خان نے اپنی جماعت کے ساتھ جاڑے کے دن کشتواڑ میں کاٹے اور شاہ ابوالمعالی نے لدہ گاؤں اور نیا یکوں کے پہاڑوں میں پناہ پائی اور یہاں کے باقی سپاہیوں نے جاڑے کی وجہ سے زمینداروں کے گھروں میں رہ کر شاہی فوج کے ساتھ کوئی ربط نہیں رکھا البتہ یوسف خان، حسین خان، اور ابراہیم خان نے [ذیلی یادداشت = حسین خان اور ابراہیم خان دونوں سید مبارک خان بیہقی کے بیٹے تھے ___ اکبر نامہ جلد سوم ص ۵۱۶] آپس میں عہد و پیمان طے کر کے قاسم خان کے ساتھ جا ملے۔ قاسم خان نے اپنی تدبیر کی صوابدید سے سیّد مبارک خان، بابا مہدی، بابا خلیل، یوسف خان ولد حسین شاہ کو پورے اعزاز واحترام کے ساتھ خنجر بیگ کے ہمراہ اکبر بادشاہ کے حضور میں بھیج کر فتنہ وفساد کی آگ کو بجھا دیا۔ بادشاہ نے اُن کی نسبت مرحمت مبذول کر کے انہیں اپنی مہربانیوں کے سائے میں رکھا۔

سال ۹۹۵ھ کی بہار کے اوائل میں یعقوب خان، اپنے بھائیوں ابراہیم چک اور ایبہ چک [ذیلی یادداشت = ایبہ خان، یعقوب شاہ کے بھائی ابراہیم خان نام کا مخفف ہے اور یہ جو یہاں پر مکرر آیا ہوا ہے غالباً کاتب کا سہو ہے۔ تاریخ اعظمی اور تاریخ ملا خلیل مرجانپوری میں یہ نام ایبہ چک ہی آیا ہے سوائے پنڈت نارائن کول عاجز اور ابوالفضل کے جنہوں نے بالترتیب تاریخ کشمیر اور اکبر نامہ (جلد ۳ رص ۵۰۴) میں اسے ایبنہ چک اور ابیا چک لکھا ہے]۔ وغیرہ کے

ساتھ کشتواڑ سے آ گیا اور پرگنہ اُولر کے ڈگون پہاڑ پر بہت سی فوج کے ہمراہ مخالفت کا جھنڈا لہرایا۔ سیّد ابوالمعالی، ابراہیم خان، برٹھل کا زمیندار نجی رینہ ناگام کے زمیندار بہرام نیا یک اور احمد نیا یک، گیرو کے زمیندار یوسف شی وغیرہ نے لدہ گاؤں سے نکل کر غازی ناری مقام پر فساد کی آگ بھڑکائی۔ شمس چک نے کرنا سے آ کر کامراج میں شورش اٹھائی، قاسم خان نے مقابلہ کا علم نصب کر کے سیّد جلال الدین کو سیّد ابوالمعالی کی مدافعت کرنے کے لیے بھیجا اور مبارک خان گکھڑ کو شمسی چک کے مقابلہ کے لیے متعین کیا اور خود علم شیر خان ماگرے، میرزازادہ علی خان [ذیلی یادداشت = صحیح ہے میرزادہ علی خان، جو محترم بیگ کا بیٹا ہے۔ جنت آشیانی (اکبر بادشاہ) کے عہد کے امراء میں سے ایک ہزاری منصب کا امیر تھا۔ ساری عمر شاہی خدمات میں گذاری اور کشمیریوں کے ساتھ سن جلوس (۹۹۵ھ) کے ۳۲ رسال میں جنگ کے روز جب کہ سیّد عبداللہ خان کی نوبت تھی اور شاہی فوج کو شکست ہوئی، اس کی زندگی تمام ہوئی۔ مآثر الامراء ج ۳ رص ۲۵۸] سیّد عبداللہ خان، گوجر خان [ذیلی یادداشت = بعض نسخوں میں گوہر خان آیا ہے] میرزا علی اکبر شاہی اور جلال مسعود کے ہمراہ آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ شہر سے نکل کر گاسو کے مقام پر جنگ کی صفیں آراستہ کر کے یعقوب خان کے ساتھ جنگ لڑی اور سخت جنگ و محاربہ ہوا۔ چنانچہ میرزازادہ علی خان جنگجوؤں کی ایک جماعت کے ساتھ قتل ہوا۔ [ذیلی یادداشت = یہ واقعہ سن جلوس سال ۹۹۵ھ (۱۵۸۶ء) کے ۳۲ ویں سال میں ہوا۔ میرزادہ علی خان کے ساتھ اس جنگ میں تقریباً تین سو آدمیوں کی جان گئی۔ اکبر نامہ ج ۳ رص ۵۲۲ رمطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۶ء] اور لشکر کے بہت سے افسر قید ہوئے اور قاسم خان نے ہزیمت پا کر شہر کی واپسی کا رخ کیا اور اپنی حُسنِ تدبیر سے سیّد جلال رخان اور مبارک خان کو ان کی متعین جگہوں سے

اپنے پاس بلایا۔ اس کے بعد یعقوب خان نے کوہ ڈگون سے یلغار کرتے ہوئے سلیمان پہاڑی کے دامن میں پاؤں جمالئے اور سیّد ابوالمعالی بھی اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ سے نکل کر اس کے ساتھ مل گیا اور اس کی قوت میں اضافہ ہوا۔ شمس چک اور شمس دوبی نے بھی سوپور سے آکر ہانجک کر یوہ پر فساد کے شعلے بھڑکائے۔ اب اس وقت قاسم خان کے تصرف میں سوائے شہر کے اور کچھ نہ رہا۔ اب قاسم خان نے اپنی فوج کے دو حصے کیے، ایک حصے کو پان درٹھن [ذیلی یادداشت = پاندرٹھن اسلام آباد کو (اننت ناگ) جانے والی سڑک پر سرینگر سے قریب پانچ میل کی دوری پر جنوب کیطرف ایک گاؤں ہے] اور ایک حصے کو گوپکار کی طرف یعقوب خان کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا۔ [ذیلی یاد داشت = گوپکار کی جگہ واقعاتِ کشمیر مطبوعہ غلام محمد نور محمد تاجران کتب سرینگر ص ۱۰۱ آیت گجی آیا ہے۔ یہ دونوں جگہیں سرینگر کے محلہ درگجن سے شمالی مشرق میں قریب ایک میل دور ایک دوسرے کے متصل واقع ہیں]۔ طرفین کے جنگجوؤں نے بازو پھیلا کر جنگ کی آگ کو ایسی ہوا دی کہ میدان کارزار کے بہت سے دلاور سپاہی خون بہاتے ہوئے خاک میں مل گئے اور بعض دلاوران روزگار خونبار و افگار حالت میں فرار کر گئے۔ یہ کشش و کوشش اور حالت آویزش صبح سے لے کر پیشین کے وقت تک جاری رہی۔ قریب تھا کہ شاہی لشکر کو شکست ہو جاتی لیکن خداوندِ قادر قدیر کے فضل سے تقدیر کے پنجے سے اچانک ایک تیر نکل کر نورنگ چک [ذیلی یاد داشت = ابوالفضل علامی کے بقول نورنگ خان کا اصلی نام فتح علی خان تھا اور نورنگ خان لقب ہے جو یعقوب خان نے اسے دیا تھا ــــ اکبر نامہ جلد ۳ ص ۵۰۵ مطبوعہ ۱۸۸۶ء] جو یعقوب خان کی لشکر کا سپہ سالار تھا، کی آنکھ میں آکر لگا جس کی شدت سے وہ مر گیا اور قاسم خان فتح و نصرت پا کر شہر میں

لوٹ آیا۔ یعقوب خانؔ نے پسپائی کے باوجود وہاں پر آرام کرنے کے بعد کل کو شمس چکؔ کے نام، جو ہانجکؔ قلعہ میں تھا خط بھیجا کہ:

"ہمارے درمیان طے پایا تھا کہ اگر دشمن ہم پر حملہ کرے آپ جا کر شہر پر قبضہ کریں گے اور اگر فوج آپ کی طرف بڑھے تو ہم شہر پر تصرف کرلیں گے آپ عہد و پیمان کے خلاف جا رہے ہیں اگر آپ کی مرضی یہی ہے کہ ملک ہاتھ سے چلا جائے تو پھر اس قدر خون بہانے سے کیا فائدہ!"

خط کے مضمون کا مطالعہ کرنے کے بعد شمس چکؔ نے حسن ملک ناجیؔ کو یعقوب خان کے پاس بھیجا کہ: "آپ اپنی لشکر کے ساتھ ہانجکؔ میں آجائیں کہ متحد ہوکر دونوں مخالفین پر حملہ آور ہوکر اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائیں"۔ پیغام کے بموجب یعقوب خانؔ، ہانجک میں آگیا اور دونوں متفق ہوگئے۔ یہ اطلاع پاتے ہی قاسم خانؔ نے اپنی فوج کے ساتھ مخالفین پر حملہ کردیا اور حسنِ انتظام کے ساتھ میمنہ و میسرہ اور لشکر کے اطراف کو آراستہ کرکے دشمنوں کے مقابلے میں ایک بدمست ہاتھی کو ڈال دیا۔ یعقوب خانؔ کی لشکر سے شمس دوبیؔ اور حسن ملک چاڈورہؔ میدان جنگ میں نکل کر دلیرانہ رزم اور رستمانہ جنگ کا مظاہرہ کیا۔ اس حالت میں شاہی لشکر نے ہجوم کی صورت میں ان کو گھیرے میں لیا۔ یہ حال دیکھ کر شمس چکؔ اور سیّد مبارکؔ کے فرزندوں نے ان کی مدد کے لیے تلواریں سونت کر جنگ کی۔ اسی دوران بدمست ہاتھی نے حسن چکؔ کی طرف سونڈ بڑھادی اور حسن ملک نے ہاتھیؔ کی ناک ایسا تیر مارا کہ غضب ناک ہاتھی کو بھگا دیا اور ہاتھی کے لوٹ آتے وقت شاہی فوج کے بہت سے سپاہی پامال و خستہ ہوئے اور ایک ہزار پانچ سو آدمی مقتول و مجروح ہوئے اور شام کے وقت ناکام ہوکر شہر کی طرف لوٹ گئے۔

ڈھائی ماہ تک کوئی بھی دن جنگ وجدل کے بغیر نہیں گذرتا تھا۔ کشمیر کے دلاور شہر میں آکر مغلوں کا اسلحہ اور سامانِ جنگ اور ان کا لباس زور زبردستی کے ساتھ چھین کر لے جاتے تھے۔

شاہی فوج کی تباہی اور خرابی کو دیکھتے ہوئے میرزا قاسم خان نے عاجز اور مغموم ہوکر حسرت وناکامی کا یہ حال حضور میں لکھ کر عرض کردیا [ذیلی یاد داشت = خواجہ محمد اعظم دِدّمری کے الفاظ میں: ''یہ تیسری دفعہ تھی کہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کو خبر پہنچی کہ مغل فوج شہر سے باہر نہیں نکل سکتی ہے''۔۔۔۔ واقعاتِ کشمیر ص ۱۰۲]۔ عرش آشیانی (اکبر بادشاہ) نے سیّد مبارک خان، محمد بٹ [ذیلی یادداشت = یہ محمد بٹ سابقہ پادشاہِ کشمیر کا وزیر تھا۔ ابوالفضل نے اسے ''اس ملک (کشمیر) کا حیلہ ساز دمنہ (لومڑی) کہا ہے'' چونکہ شمس چک اس کے ساتھ مخفی طور پر حسد رکھتا تھا تو محمد بٹ نے اپنے وطن سے مہاجرت کرکے اکبری فوج میں شامل ہوکر اس کے اقتدار کو ختم کرنے کا اقدام کیا۔۔۔۔ اکبر نامہ ج ۳ / ص ۵۰۲] اور بابا خلیل [ذیلی یادداشت = ابوالفضل کے بقول ان دنوں میں کشمیر کے جن لوگوں نے خسروانی حکومت کی سعادتمندی سے اپنے چہروں کو بخت افروز کیا وہ یہ ہیں: سیّد مبارک خان بیہقی، یعقوب شاہ چک کے پانچ بھائی حیدر علی، محمد حسین، احمد حسین، حسین چک، جسے شورش کے آغاز میں حکومت میں لیا گیا، حسین خان اور ابراہیم خان (سیّد مبارک کے بیٹے)، محمد بٹ، (غالباً علی حسن کے بیٹوں کے ساتھ)، بابا خلیل اور بابا مہدی کہ یہ تینوں اہل سعادت کے لباس میں کشمیریوں کے پیشوا تھے، بہادر علی، بھکر ولوہر، ملّا حسن اور حیدر چک کے بیٹے۔۔۔۔ اکبر نامہ ج ۳ / چھاپ ایشیا ٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۸۶ء ص ۵۱۶] کو حکم دیا کہ وہ شاہی فوج کے ساتھ کشمیر جاکر جیسے بھی جائیں فساد وعناد کی آگ کو خاموش کردیں۔ سیّد مبارک خان

نے اس اہم امر کی انجام دہی قبول نہیں کی جس کی وجہ سے بادشاہ اس سے بگڑ گیا اور اسے شہباز خان کے پاس بنگال بھیج دیا [ذیلی یادداشت = شہباز خان کنبوہ، جس کا نسب چھ واسطوں سے حاجی جمال تک پہنچتا ہے، حضرت مخدوم بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ کا مرید تھا۔ ابتداء حال میں اپنے آباء کی روش پر زہد و درویشی میں گزارتا تھا۔ اس کے بعد احتیاط کی حد تک کوتوال کی جانشینی کے امور انجام دئے اور عرش آشیانی (جلال الدین محمد اکبر بادشاہ) کا منظور نظر بن کر ایک صد کے منصب سے امیری کے رُتبہ سے فائز ہوا اور میر توزکی کا اختصاص پایا۔ جب ۱۶/ویں سال میں لشکر خان میر بخشی پر عتاب ہوا تو اس کے مناصب شہباز خان کے لیے مخصوص کردئے گئے۔ کچھ عرصہ بعد میر بخشی گری کا منصب بھی ان کے ساتھ ضم کر دیا گیا۔ ۲۱/ویں سال میں راٹھور خاص کر مالدیو کے پوتے رام دیو کے بیٹے کلہ کی تنبیہہ کرنے اور جودھپور سے تعلق رکھنے والے سوانہ کے قلعوں کی تسخیر پر مامور ہوا۔ کم عرصے میں کامیابی ہوئی۔ اسی سال ۹۸۴ھ میں (۷۷-۱۵۷۶ء) شہباز خان کو راجہ گجپتی، جو صوبۂ بہار کے بڑے زمینداروں میں سے تھا، کو زیر کرنے کے لیے متبعین کیا گیا اور کم مدت میں اس کو گمنامی و زاویہ نشینی کے گوشے میں بٹھا دیا۔ سال ۹۸۶ھ میں کو بن ہلمیر نامی قلعہ کو جو ناقابلِ تسخیر تھا، مسخر کیا۔ ۲۸/ویں سال میں جب خانِ اعظم نے، جو بنگال کی آب و ہوا سے تنگ آچکا تھا، کسی اور خدمت کی استدعا کی، تو وہاں کی پاسبانی کرنے کی اجازت شہباز خان کو دی گئی۔ ۳۴/ویں سال میں وہاں سے تبدیل ہو کر اردوی پادشاہی کی کوتوالی پر مقرر رہا اور وہاں سے سواد کے افغانوں کو سزا دینے پر مامور ہوا۔ ۴۴/ویں اکبری سال ۱۰۰۸ھ (۱۵۹۹ء) میں اچانک وفات پائی اور شہزادہ سلیم اس کی مال و جائداد پر قابض ہوا۔ شہباز خان مذکور صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا۔ وقت کے رسم و رواج

کے مطابق داڑھی کو چھوٹا نہیں کرتا تھا اور نہ شراب پیتا تھا۔ کبھی بھی بے وضو نہیں رہتا تھا، ہمیشہ ہاتھ میں تسبیح ساتھ رہتی تھی اور ورد پڑھتا رہتا تھا۔ بخشش و سخاوت کرنے میں بے نظیر تھا ـــــ تلخیص از مآثر الامراء ج ۲/ چھاپ کلکتہ ۱۸۹۰ء] جب فیروز پور علاقہ میں پہنچا تو وفات پائی۔ وہیں دفن ہیں۔ تاریخ

میر مبارک ضمیر، سیّدِ صاحب سریر
بود شہِ کاشمیر راہ صفا رشید؟ رفت
کرد چو عمر جہاں ، یافت بجنت مکان
سال و فاتش عیاں گفت خرد "شہید رفت
(۹۹۹ھ =۱۵۹۰ء)"

اس کے بعد خاقانِ اکبر کے فرمان پر بابا خلیل اور محمد بٹ، جو کئی ماہ سے حضور میں باریاب ہو چکے تھے کی رہنمائی میں یوسف خان مشہدی ۲۵/ ہزار زرہ پوش و خنجر باز سپاہیوں کے ہمراہ کشمیر کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے منزلیں طے کرتے کرتے شہر کے اندر داخل ہوئے۔ محمد بٹ چونکہ ایک نیک سیرت اور نیک نیت آدمی تھا یہاں کے باشندوں نے خواہ وہ چھوٹے تھے یا بڑے اس کے قدموں (آمد) کو غنیمت جان لیا اور اس کی مدارات و دلجوئی سے بہت سے فوجی دلاور سپاہی شاہی لشکر میں شامل ہو گئے چنانچہ لوہر چک ولد دولت چک، بہرام نایک اور اسماعیل نایک وغیرہ اور دیگر بہت سے آدمی اس کی وساطت سے یوسف خان کے ساتھ مل گئے۔ یہ خبر سن کر یعقوب خان سیّد ابوالمعالی اور ایبہ خان نے کشتواڑ پہاڑوں کی طرف راہِ فرار اختیار کی اور غم و مصیبت کے دشت میں سرگردان ہو گئے۔ شمس چک اور شمسی دوبی پونچھ کے علاقے میں تباہ حالی میں گزر بسر کرنے لگے اور ایک جماعت نے پہاڑوں کے گوشوں اور رخنوں میں گھس کر بسر اوقات کیا۔

غرض محمد بٹ نے اس سرزمین کے امراء واراکین اور پُرکین جنگجوؤں اور دلاوروں کو طرح طرح کی دلجوئی و مروت اور نرمی و مدارات سے شورش وفساد سے باز رکھ کر ہر کسی کو منصب و جاگیر اور خلعت سے نوازتے ہوئے سب کو الفت و محبت کی دام کا اسیر بنادیا۔ کشمیر کے امراء کی ایک جماعت جیسے شیر علی خان ماگرے، یوسف خان ولد حسین خان اور ابراہیم خان وغیرہ اور یہاں کے بزرگواروں میں سے چند اشخاص کے ساتھ میرزا قاسم خان ۲۲/ماہ شوال ۹۹۵ھ کو خلافت پناہ درگاہ کی طرف روانہ ہوکر حضور میں باریاب ہوئے [ذیلی یادداشت = کشمیر کی مہم میں میر بحر صوبیدار میرزا قاسم خان کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ بدہمنشینی کے نتیجے میں اس نے بری خواہشوں کو اختیار کیا اور کشمیریوں کی پکڑ دھکڑ شروع کی اور ان سب چیزوں کو واپس کرنے کو کہا جو اقتدار کے وقت اس ملک کے سپاہی یعقوب خان سے چھین چکے تھے۔ اکبر نامہ ج ۳/ص ۵۲۱/چھاپ کلکتہ ۱۸۸۶ء] اور دربار عالی سے یوسف خان کو ایک ہزار پانچ سو کا منصب اور ابراہیم خان کو ایک ہزاری کا منصب اور دوابہ پرگنہ جاگیر میں ملا۔ قاسم خان کی حکومت کشمیر میں کل گیارہ ماہ اور پانچ روز کی تھی''۔ **واقعاتِ کشمیر** میں بھی اختصار کے ساتھ مندرجہ بالا تاریخ حسن کے میر بحر قاسم خان سے مربوط بیان کی تائید موجود ہے۔

مجموع التواریخ بھی مختصر عبارت کے ساتھ مذکور میر بحر قاسم خان کے بارے میں ان ہی بیانات کا ذکر کرتا ہے البتہ دوایک مقامات کی تبدیلیِ نام کے تفاوت کے ساتھ۔ **کشمیر سلاطین کے عہد میں** (اردو) نامی کتاب بھی تاریخ حسن میں درج بیانات کی مجموعی طور پر تائید کرتی ہے البتہ مذکورہ تاریخ کے اس بیان سے اختلاف کرتی ہے کہ یعقوب شاہ چک، کشتواڑ میں مدفون ہے اور بہارستانِ شاہی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یعقوب شاہ چک

نے محرم ۱۰۰۱ھ مطابق اکتوبر ۱۵۹۳ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ ابوالمعالی اس کی لاش بسوک لے گیا اور اس کے باپ کی قبر کے پاس دفن کر دیا۔ **کنگڈم آف کشمیر** نے بھی میر بحر قاسم خان کے مجموعی جنگی مصروفیات کی تفصیل کو نہایت اختصار کے ساتھ دیگر مقامی تاریخوں سے مطابقت میں بیان کیا ہے اور کشمیر سلاطین کے عہد میں نیز بہارستانِ شاہی کی پیروی میں یعقوب شاہ چک کا مدفن اس کے باپ یوسف شاہ چک کے ساتھ (بسوک میں) قرار دیا ہے۔

۱۲۰۷: **شمش چک** : صحیح ہے شمس چک۔

۱۲۰۸: **شاک** ۱۵۰۹ یعنی ۹۹۶ھ مطابق ۱۵۹۷ء

۱۲۰۹: **سیّد یوسبھ** : یعنی سیّد یوسف رضوی۔ تاریخ حسن (ج ۲ ص ۴۲۶۔۴۳۰) میں سیّد یوسف خان رضوی کے بارے میں آیا ہے کہ: "سال ۹۹۵ھ (۱۵۸۷ء) میں سیّد یوسف خان رضوی نے حکمرانی پائی اور عوام کے دل عدل و احسان کی کثرت کی راہ سے خوش کر دئے اور اپنوں اور بیگانوں کے خاطرات سے خوف و خطر کے گرد و غبار کو دور کر دیا۔

شمس چک اور شمس دوبی نے، جو پونچھ کے پہاڑوں کی طرف فرار کر چکے تھے چند اوباشوں کو اکٹھا کر کے وہاں شورش اٹھالی۔ ان کی گوشمالی کے لیے یوسف خان نے محمد بٹ [ذیلی یادداشت = ابوالفضل کے بقول شمس چک کی سرکوبی کے لیے جن سرداروں کا تعین ہوا وہ مبارک خان، جلال خان، سیّد دولت خان اور ایک اور جماعت تھی ــــ اکبر نامہ ج ۳ ص ۵۲۳ مطبوعہ ۱۸۸۶ء کلکتہ] اور سیّد بہاء الدین کو مامور کیا۔ جب وہ بیروہ پرگنہ میں پہنچے تو شمس چک اور شمس دوبی نے فرصت پا کر ان پر شبخون مارا اور [ذیلی یادداشت = ابوالفضل کے کہنے کے مطابق یہ شبخون ترھگام مقام سے ہوا۔ اس

حملے میں شمس چک بہت سا مالِ غنیمت اپنے ساتھ لے گیا (ایضاً ۵۲۳)۔ ترہگانو یا ترھگام سری نگر سے شمال مغرب کی طرف انگریزی ساٹھ میل کے فاصلے پر ہندوارہ تحصیل میں ہے۔ مورخوں کے بقول چکوں کی اصلی سکونت کی جگہ یہی مقام تھا]۔ اکثر بہادروں کو قتل کر ڈالا۔ جس وقت شمس دوبی خیمہ کے پاس پہنچا تو سیّد (یوسف خان رضوی) کے بھائیوں میں سے ایک بھائی نے ننگے پاؤں خیمے سے نکل کر تلوار کی ضرب سے اس کے تیز رفتار گھوڑے کی لگام کو کاٹتے ہوئے اس کے گھوڑے کو زخمی کر دیا۔ زخمی گھوڑا بھاگ نکلا اور شمس دوبی ہلاک ہونے سے بچ گیا لیکن جنگجو سپاہیوں نے اس کا تعاقب کیا اور اسے پھر سے پونچھ کے پہاڑوں میں پہنچا کر خود شہر میں لوٹ آئے۔ یوسف خان (رضوی) نے ان بہادروں کو بہت سا انعام عطا کیا۔ اس کے بعد یعقوب خان اور ابوالمعالی نے کشتواڑ سے یلغار کر کے دچھن پارہ کے پہاڑوں میں اوباشوں کے ایک گروہ کو جمع کیا اور ان کے ساتھ بغاوت کا علم بلند کیا۔ یوسف خان رضوی نے محمد بٹ اور حاجی میرک کو جو شاہی امراء میں سے تھا یعقوب خان کا مقابلہ کرنے پر مامور کیا۔ محمد بٹ نے فریب کا دام پھیلا کر مکر و حیلے سے ان کی گرفتاری کا قصد کر لیا تھا لیکن سیّد ابوالمعالی نے اس کے فریب کے دام سے نکل کر پانچ سو سواروں کی جماعت کے ساتھ ایک اور وقت جنگی شمشیریں نکال کر شاہی فوج کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا اور محمد بٹ نے ناکام ہو کر شاہی فوج میں پناہ لی اور سیّد ابوالمعالی اس کا تعاقب کرتے ہوئے زخمی حالت میں گھوڑے سے گر پڑا۔ یعقوب خان اس کی مزاج پرسی کے لیے ٹھہر گیا اور پھر تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ اسی وقت تند و تیز ہوا اور بارش کا ایک طوفان اٹھا اور جنگجو سپاہی اپنی جگہوں پر لوٹ آئے اور دس دنوں تک اپنی جگہوں پر بیٹھ کر انتظار میں رہے۔

اس دوران یعقوب خاںؔ اپنی توقف گاہ سے کوچ کر کے پرگنہ اُولرؔ میں فوج کو جمع کرنے کی طرف متوجہ ہو چکا تھا اس حال میں اس کے بعض فوجی بھاگ کر محمد بٹؔ کے ساتھ مل گئے۔ یعقوب خاںؔ نے وحشت زدہ ہو کر اولر پہاڑ پر جو بہت بلند تھا، سکونت اختیار کی اور محمد بٹؔ بچھہاڑہ سے آکر نارستان پہاڑ کے دامن میں اترا۔ کل کو جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور حرب وضرب میں مشغول ہو گئے۔ یعقوب خاںؔ کی فوج کے بہت سے سپاہی قتل ہوئے [ذیلی یاد داشت = لیکن ابوالفضلؔ کے کہنے کے مطابق شاہی افواج کے ساتھ جنگ میں شمس چکؔ کی دستبرداری اس شکست کی وجہ سے تھی جو اس نے شبخون کی صبح کو ترھگامؔ میں شاہی فوج کے ہاتھوں کھائی تھی۔ اس ضمن میں اکبر نامہؔ میں (ج ۳رص ۵۲۳) ابوالفضلؔ کا بیان ہے کہ ''فتح کی صبح کو سپاہیوں نے پینترا بدل کر ان کو ایسی شکست دی کہ شمس چکؔ پھر نہ اٹھ پایا''] اور آخر مغلوب ہو کر یعقوب خاںؔ کشتواڑؔ کی طرف بھاگ نکلا لیکن سیّد ابوالمعالیؔ نے اپنی مقررہ جگہ پر ثابت قدم رہ کر شیرانہ جنگ دلیرانہ حرب اور کارہائِ رستمانہ انجام دئے۔ چونکہ شاہی فوج کی تعداد چیونٹیوں اور ٹڈیوں سے بھی زیادہ تھی، محاصرہ کر کے ایک لمبی رسی پھینک کر اسے یوسف خاںؔ (رضوی) کے سامنے لے آئے۔

جو اقبال برگشت در روزگار دلیری و مردی چہ آید بکار

(جب قسمت ہی دنیا میں الٹ جائے تو پھر دلاوری اور بہادری کس کام کی؟)

یوسف خان رضویؔ نے اس کی دلاوری اور شجاعت کی رعایت کرتے ہوئے اپنے بدن پر پہنے ہوئے خاص خلعت کو سیّد ابوالمعالیؔ کو عطا کیا اور عزت واحترام کے ساتھ اسے اوپر بیٹھنے کو جگہ دی۔ جب شمس چکؔ اور شمس دوبیؔ اس واقعہ سے آگاہ ہوئے تو سیّد بہاء الدینؔ کی سفارش پر یوسف خاںؔ (رضوی) کی

خدمت میں باریاب ہو کر حضور میں روانہ ہو گئے اور بادشاہ (اکبر) نے ان دونوں بزرگواروں کو مناسب جاگیریں دے کر سر بلندی بخشی۔ اور ایبہ خان ولد ابدال خان نے جو یعقوب خان کے ساتھ کشتواڑ میں تھا، شاہزادہ سلیم کے ساتھ روابط پیدا کر کے یعقوب خان کے ساتھ اپنی عہد بندی کو منقطع کر لیا اور کشمیر میں آ گیا اور یہاں یوسف خان (رضوی) کی وساطت سے دہلی جا کر شہزادہ سلیم کی خدمت میں مصاحبت کا رتبہ پایا۔ کچھ عرصہ بعد مصلحت وقت کے پیش نظر یوسف خان (رضوی) نے سیّد حسین خان بیہقی، علی ڈار، لہر چک ولد دولت چک اور اسماعیل دوبی وغیرہ اور ایک بڑی جماعت کو سپاہیوں کی حفاظت و نظر میں دربارِ خلافت پناہ میں بھیج دیا جہاں پر ہر ایک کو اس کی قسمت کے مطابق منصب و خدمت عطا ہوئی اور اپنا وقت گذارا۔ بہرام نایک نے اپنے فرزند کے ساتھ زہر کھا لیا اور مر گئے۔ سیف خان بیہقی، دچھن پارہ کا علی خان حیدر شیطان کا بھائی ایبہ شیطان، جو فساد کی کان تھے، یوسف خان (رضوی) کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے اور ان کی آنکھوں کو کاسۂ چشم سے اُکھیڑ دیا گیا۔ لوہر چک کو سزا دے کر پھانسی دی گئی اور ہر روز کسی نہ کسی حیلہ و بہانے سے زمانے کے لوگوں میں سے ایک نہ ایک شخص کو ماخوذ کر کے قتل کر دیا جاتا تھا یہاں تک کہ سرکشوں کی دشمنی کے کانٹوں سے یہ گلزمین پاک ہو کر انتظام مملکت کے قابل ہو گئی۔

چند ماہ کے بعد خاقانِ (اکبر بادشاہ) کے حکم پر یوسف خان (رضوی) اپنے بھائی باقر خان کو یہاں پر اپنا نایب بنا کر حضور میں چلا گیا۔ استاد لولو بجار نے، جو باقر خان کی بارگاہ کا مصاحب تھا، باقر خان کو امراءِ کشمیر کی فتنہ انگیزی کا خوف دلایا جس کے بموجب باقر خان نے سیّد ابوالمعالی علی شیر ماگرے اور لوہر چک وغیرہ چند آدمیوں کو گرفتار کر کے حضور میں لکھ بھیجا کہ "کشمیر کے امراء

فساد وشورش اٹھانے پر مستعد اور آمادہ ہو چکے ہیں اگر یوسف خان جلدی سے نہیں پہنچے گا تو ملک ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا"۔ یوسف خان (رضوی) حضور سے رخصت پاکر تیزی کے ساتھ کشمیر آپہنچا اور اس نے سیّد ابوالمعالی، علم شیر خان ماگرے، لوہر چک اور بہادر خان وغیرہ کو حضور انور میں بھیج دیا۔ حضور کے فرمان سے سیّد ابوالمعالی، مان سنگھ کی مصاحبت سے مشرف ہوا۔ غازی چک اور لوہر چک جو ظفر مند رکاب میں آگرہ میں مقیم تھے، فتنہ وفساد برپا کرنے کی نیت سے بھاگ کر جموں کے راستے سے کشمیر آگئے۔ محمد بٹ اور یوسف خان (رضوی) نے انہیں فی الفور گرفتار کر کے اُن کی آنکھیں نکال کر انہیں سسزا دی۔ اس کے بعد محمد بٹ کی یاوہ گوئی کرنے پر یوسف خان (رضوی) نے استاد لولو کو حضور کے دربار میں روانہ کر دیا.......... اس کے بعد یعقوب خان (چک) نے جو کشتواڑ میں گذر بسر کر رہا تھا یوسف خان (رضوی) کے ساتھ عہد وشرائط کو قسموں کے ساتھ [ذیلی یادداشت = یوسف خان رضوی کے ساتھ عہد وپیمان باندھنے کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ یعقوب خان کشتواڑ کی تنگ جگہ میں پریشانی کے دن گذار رہا تھا وہ دل میں بیمناک تھا کہ کہیں زمین دار اسے گرفتار کر کے حوالے نہ کردیں۔ اس نے میرزا یوسف (خان رضوی) کو میانجی بنایا (اکبر نامہ ایضاً ص ۵۵۷) اور عہد وپیمان کو موکد و مستحکم بنا کر کشمیر آپہنچا۔ فرمان کے مطابق یوسف خان (رضوی) یعقوب خان (چک) کے ہمراہ لاہور چلا گیا اور میرزا یادگار کو یہاں پر اپنا نایب بنا دیا۔ دربار جہابانی سے یعقوب خان (چک) نے الطاف وعنایات پائے اور بہار کے علاقہ میں بیس ہزار روپیوں کی جاگیر پائی۔ [ذیلی یادداشت = متن میں بہار کی جگہ بھیرہ آیا ہے جو کاتب کا سہو ہے۔ بہارستانِ شاہی (فولیو ۱۹۹/ب ۱/۲۰۰) کی روایت کے مطابق بادشاہِ خلافت پناہ نے حسن بیگ

ترکمان کے ہمراہ اسے راجہ مان سنگھ کی خدمت میں اپنے باپ یوسف شاہ (چک) کے پاس بھیج دیا اور حقیقت یہ ہے کہ راجہ مان سنگھ بہار کا صوبہ دار تھا۔۔۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مآثر الامراء جلد ۳/] اور احتیاط کے طور پر راجہ مان سنگھ کے سپرد ہوا۔ ساری عمر اسی کی مصاحبت میں گذاری۔ آخر چغلخوروں کی یاوہ گوئی پر کچھ عرصہ کے لیے رہتاس قلعہ میں نظر بند رہا اور اس کے بعد رہائی پائی۔ اس کے بعد سال ۱۰۰۱ھ (۱۵۹۳ء) میں اس کو اپنے بھائی نے زہر دے دیا اور کشتواڑ میں مدفون ہے"۔[پروفیسر محب الحسن نے ایک نامعلوم شیعہ کی کتاب بہارستانِ شاہی جس سے آپ نے بیشتر حوالے اپنی تصنیف میں دیئے ہیں، سے نقل کر کے لکھا ہے کہ "روہتاس چھوڑنے سے پہلے یعقوب شاہ، قاسم خان سے رخصت ہوگیا جو یوسف شاہِ چک کی اولاد ہونے کا دعویدار تھا۔ قاسم خان نے اس کو پان میں زہر دیا جس کو وہ کھا گیا۔ بھیرا [بہارستانِ شاہی ورق ۲۰۱/الف۔ ۲۰۲/ب۔ مزید دیکھو ص ۱۸۰/فٹ نوٹ کتاب ہٰذا یعنی کشمیر سلاطین کے عہد میں۔ صوفی جلد ۱/ص ۲۳۶، ۲۳۷/نے یہ غلط لکھا ہے کہ یعقوب خان کشتواڑ میں دفن ہوا تھا۔۔۔ صوفی کا حوالہ مشکوک ہے البتہ حسن نے ضرور لکھا ہے۔۔۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد] پہونچتے پہونچتے اس کی حالت غیر ہوگئی اور محرم ۱۰۰۱ھ مطابق ۱۵۹۳ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ ابوالمعالی اس کی لاش بسوک لے گیا اور باپ کی قبر کے پاس دفن کر دیا۔۔۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد]۔

۱۲۱۰: **چکرَواک** : سرخ وسفید یا گلابی رنگ کی ہنس جسے عام طور پر براہمنی بطخ کہتے ہیں۔

۱۲۱۱: **مرجا بَردَھک** : مورخ حسن نے تاریخ حسن (ج ۲/ص ۴۳۰) میں لکھا ہے یوسف خان (رضوی) خاقانِ دوران (اکبر

بادشاہ) کے حکم سے اپنے چھوٹے برادر باقر خان کو یہاں پر نایب بنا کر خود حضور میں چلا گیا۔ غالباً شُکّ کی مراد مرجا برد ھک سے باقر مرزا باقر خان ہو۔ واللہ اعلم!

۱۲۱۲: **یوسبہ خان:** یعنی سیّد یوسف خان رضوی۔ تاریخ حسن (جلد دوم) میں سیّد یوسف خان رضوی کی جس قدر تفصیل آئی ہے (دیکھئے حاشیہ ۱۲۰۹) وہ مقامی فارسی تاریخوں میں درج نہیں۔ **واقعاتِ کشمیر** میں آیا ہے کہ کشمیر کی صوبہ داری میرزا یوسف خان (رضوی) سے متعلق ہوئی جو اکبر شاہی کے قدیم امراء میں سے تھا۔ مشارٌ الیہ ملکی امور کے ضبط و ربط کی متوجہ ہوا لیکن اہل غرض کی شورش کے سبب وہ کچھ نہ کر سکا اور حضور (اکبری دربار) کی ملازمت پر مامور ہوا۔ **مجموع التواریخ** میں بھی میرزا یوسف خان رضوی کی بس اتنی ہی اطلاع کی تکرار آئی ہے۔ **بہارستانِ شاہی** کی اطلاعات بھی تاریخ حسن کی مندرجہ بالا اطلاعات کے عین مطابق ہیں۔ **کشمیر سلاطین کے عہد میں** نامی کتاب (اردو) کے مؤلف پروفیسر محبّ الحسن نے سیّد یوسف خان رضوی کا ذکر کشمیر کے تعلق سے بیشتر بہارستانِ شاہی کے حوالوں سے کیا ہے جو کشمیر کی بعض جگہوں کے ناموں کے اضافوں یا اختلافات کے باوجود تاریخ حسن کی مندرجہ بالا اطلاعات (دیکھئے حاشیہ ۱۲۰۹) سے مطابقت رکھتا ہے۔ **کنگڈم آف کشمیر** (انگریزی میں) میں مؤلف ایم ایل کپور نے مختصر الفاظ میں پروفیسر محبّ الحسن کی انگریزی میں لکھی ہوئی تاریخ Kashmir Under Sultans (جس کے کشمیر سلاطین کے عہد میں نامی اردو ترجمے سے ہم نے ان حاشیوں میں جابجا حوالے دیئے ہیں) کی پیروی کی ہے۔ گویا سبھی مقامی تواریخ کے سیّد یوسف خان رضوی کے بارے میں کشمیر کے تعلق سے ذکر کرکے چشمے

تاریخ حسن کے منبع سے پڑھتے ہیں۔ اس لحاظ سے تاریخ حسن (جلد دوم) کی سیّد یوسف خان رضوی کے بارے میں اطلاعات بڑی اہم ہیں۔

۱۲۱۳: **امریشور**: شِو نامی ہندو بھگوان جو امر ناتھ کے نام سے بھی کشمیری پنڈتوں میں مشہور ہے۔

۱۲۱۴: کشمیر میں پہلگام سے اوپر مشرق کی پہاڑیوں میں **امرناتھ** نامی غار کی طرف اشارہ ہے۔

۱۲۱۵: **تاریخ حسن** (جلد دوم) میں اکبر بادشاہ کے کشمیر کا دیدار کرنے کے بارے میں آیا ہے کہ: "اکبر بادشاہ ۱۲/ماہ شعبان ۹۹۷ھ کو شہر (سرینگر) میں داخل ہوا۔ [ذیلی یادداشت = مطابق ۱۶/جون ۱۵۸۹ء لیکن اکبر نامہ (ص ۶۲۴) کے بموجب اب کی بار اکبر کا سرینگر شہر میں داخلہ ۹ محرم الحرام ۱۰۰۱ھ مطابق ۷/اکتوبر ۱۵۹۲ء کو ہوا۔ خود حسن کا بیان کہ "بادشاہ نے چند روز زعفران زاروں کے شگوفوں کی بہار اور خزاں رسیدہ درختوں کا نظارہ کرنے میں گذارے" ابوالفضل کے قول کی درستی کی تائید کرتا ہے کیونکہ "زعفران کے شگوفوں کا کھل جانا اور درختوں کی زرد رخساری" انگریزی اکتوبر مہینے میں واقع ہوتا ہے]۔ [لیکن تاریخ حسن کے بقول اکبر بادشاہ نے کشمیر کا تین بار دیدار کیا، جیسا کہ اسی حاشیہ میں درج ہے، جن میں مندرجہ بالا ذیلی یادداشت کا سال ۱۰۰۱ھ کا علیحدہ ذکر بھی آیا ہے ___ ڈاکٹر شمس الدین احمد]

...... جب سایۂ مبارک نے کشمیر کے دارالخلافہ میں دخول کا پرتو ڈالا، دریائے بہت (جہلم) کے دونوں طرف کشتیوں میں چراغاں کیا گیا۔ اس گہرے دریا کے سواحل پر ایک نمائش دکھائی دی جس کو دیکھ کر ہر شخص کو فرحت و مسرت حاصل ہوئی۔ اسی روز شمس چک کی بیٹی کا بخت جاگا اور اسے والا مرتبہ حرم سرای شاہی میں پرستاری کا افتخار حاصل ہوا۔ کچھ عرصہ کے لیے بادشاہ نے عیش و

عشرت، کامرانی، بری اور آبی سیر وسیاحت، پہاڑی اور دریائی پرندوں کا شکار کرکے، چند دن پانپور کے زعفران زار کے شگوفوں کی بہار کا تماشا اور پہاڑوں کے اطراف میں خزان رسیّدہ درختوں کی زرد رخساری کا نظارہ کرنے کا حظ اٹھانے کے بعد شہر کی جانب رخ کیا اور کوہِ ماران کے دامن میں دولت خانۂ شاہی کی بنیاد مشرق کی طرف ڈال دئے جانے کا حکم دیا اور عام لوگوں کی آبادی ومعیشت کے لیے جو چک بادشاہوں کے ظلم وستم کے سبب تباہ ہوچکی تھی، کوہِ ماران کے حوالی میں ایک قلعہ تعمیر کرنے کا فرمان صادر کیا جس کا میر عمارت خواجہ حسین کابلی مقرر ہوا[ذیلی یادداشت = اس قلعہ سے مراد ہے قلعۂ ناگرنگر۔ اس قلعہ کے تین دروازے اس تفصیل کے ساتھ کہ شمال کی طرف کاٹھی دروازہ اور مغرب میں سنگین دروازہ اور باچھی دروازہ ہے۔ ابھی بھی یادگار ہیں (کاٹھی دروازہ شمال میں نہیں بلکہ جنوب میں بنا ہے ــــ ڈاکٹر شمس الدّین احمد]۔ شمال کا دروازہ جو کاٹھی دروازہ نام سے مشہور ہے ان قطعاتِ (فارسی) سے مزیّن ہے۔

بنای قلعۂ ناگرنگر شد
بہ حکم پادشاہِ داد گستر
شہِ شاہانِ عالم شاہِ اکبر
تعالیٰ شانہٗ اللہ اکبر
کرورو دہ لک از مخزن فرستاد
دو صد استادِ ہندی جملہ چاکر
نہ شد ہرگز کسی بیکار آنجا
تمامی یافتند از مخزنش زرّ
چل و چار از جلوسِ پادشاہی

ہزار وشش زتاریخ پیمبرؐ

(ناگر نگر قلعہ تعمیر ہوا پادشاہِ عادل کے حکم سے، دنیا کے بادشاہوں کے بادشاہ اکبر شاہ کے حکم سے جس کی شان اونچی ہے، اللہ اکبر (کیا کہنے اس کی شان کے!) خزانے سے ایک کروڑ دس لاکھ کی رقم بھیجی نیز دو سو ہندوستانی استاد جو کام کرنے والے اور سب کے سب شاہی ملازم تھے کوئی بھی یہاں (کشمیر میں) بیکار نہ تھا۔ سب کو اس کے خزانے سے نقد پیسے ملے: تخت نشینی کا ۴۴ رواں سال تھا اور ہجرت نبویؐ کا سال ۱۰۰۶ھ۔ نیز — بنای قلعہٴ ناگر نگر بہ عونِ اِلٰہ

بہ حکم حضرتِ ظلّ اِلٰہ اکبر شاہ

بنای دولت این شاہ تا ابد بادا

بحقِ اشھد ان لا الٰہ الاّ اللہ

بہ سعی خواجہ محمد حسین گشت تمام

حقیر بندہٴ از بندگان اکبر شاہ

(اللہ تعالیٰ کی مدد سے قلعہ ناگر نگر تعمیر ہوا سایہٴ الٰہی حضرتِ اکبر بادشاہ کے حکم سے ☆ اس بادشاہ کی سلطنت ابد تک قائم رہے بپاسِ اشھد ان لا الٰہ الاّ اللہ ☆ تمام ہوا یہ کام خواجہ محمد حسینؔ کی کوشش سے جو اکبر بادشاہ کے خداموں میں سے ایک ادنیٰ سا غلام ہے) ڈاکٹر غلام محی الدّین صوفیؔ کے بقول اس قطعہ کی تکمیل جہانگیر کے عہد میں ہوئی ــــ تاریخ حسن جلد اوّل

مخطوطہ ورق ۱۵۷، ۱۵۸/ مملوکہ کتابخانۂ خانقاہ معلیٰ فتحکدل سرینگر اور کشیر جلد ا/ص ۲۴۸/ چھاپ جامعہ پنجاب لاہور، ترجمہ فارسی اشعار ___ ڈاکٹر شمس الدّین احمد]......... دو ماہ اور تین دن کی مدت گزر جانے کے بعد بادشاہ نے ارادہ کے گھوڑے کو مہمیز دے کر واپسی کا اہتمام کیا اور فوج کے لوگ بارہ مولہ کی خشک راہ سے روانہ ہوئے۔ بادشاہ کی ذات والا نے دریائی راستہ اختیار کر کے پہلی رات کو اندر کوٹ میں قیام کیا [ذیلی یاد داشت = اکبر نامہ (ج ۳ص ۶۲۷) میں اندر کوٹ کی جگہ اندر کول آیا ہے جو صحیح نہیں ہے] دوسرے دن جھیلِ اُولر کی سیر کی اور زینہ لنک کا ملاحظہ کر کے مسرت اندوز ہو کر بارہ مولہ میں قیام کے خیمے نصب کئے اور لشکر کی تعداد کو سات حصوں میں بانٹ کر منزل بہ منزل طے کر کے پھکلی میں پہنچا جہاں برف و بارش ہوئی۔ محمد قلی خان کو کشمیر کی صوبہ داری پر مقرر کیا گیا اور میرزا یوسف خان رضوی کو ظفر مند رکاب کے ساتھ ہمراہ رہنے کا حکم ہوا۔ اس کی حکومت دو سال چھ ماہ اور سات روز کی تھی۔ [ذیلی یادداشت = ابوالفضل کے بقولِ ظلِ سبحانی کا ارادہ یہ تھا کہ کشمیر کی حکومت میرزا یوسف کے حق میں بحال کی جائے لیکن چونکہ اس نے کشمیر کے جمع و محاصل کی بات کی تھی تو قاضی علی کی تحریر سے اس کا راز آشکارا ہوا۔ جہان خدا (اکبر بادشاہ) نے قبلی ارادہ کے مطابق کشمیر کو خالصہ قرار دے دیا جس کیسر براہی خواجہ شمس الدّین کے سپرد کر دی اور اسے تین ہزار سواروں کے ہمراہ روانہ کیا نیز وہاں کی صوبہ داری لاہور میں مستقل طور پر محمد قلی خان کے حق میں مقرر کی ___ اکبر نامہ ج ۳/ص ۶۲۷، چھاپ ۱۸۸۶ء]۔

کشمیر کے اس سفر سے پہلے جس کا بیان اوپر درج ہوا، بقولِ تاریخ حسن، اکبر نے سال ۹۹۶ھ میں کشمیر کا اوّلین سفر کیا تھا۔ اس اوّلین سفر کی تفصیل تاریخ حسن کے مؤلف نے (جلد ۲/ص ۴۳۰ تا ۴۳۴) یوں بیان کی ہے: ''

ان ہی ایام میں سال ۹۹۶ھ (۱۵۸۷ء) میں کشمیر کے باغات کی سیر وتفریح اور روح کی تازگی کی خاطر گلگشت کرنے کا خیال کر کے لاہور میں قاسم خان کو قبلاً ہیرہ پور کی راہ کو صاف کرنے کے لیے سنگتراشوں کی ایک جماعت کے ساتھ جانے کا حکم دیا [ذیلی یادداشت = بموجب اکبر نامہ (ج ۳ رص ۵۳۷) تین ہزار کوہ کن سنگتراشوں کو جو خاراشگاف اور فرہاد فن تھے نیز ماہر اور تجربہ کار دو ہزار بیلداروں کو قاسم خان کی سرکردگی میں اس راہ کے نشیب وفراز کی ہمواری کے لیے جانے کی اجازت ملی]۔ چند دنوں کے بعد ذات والا نے خوش وخرامی اور فرحت وراحت کے ساتھ منزل بہ منزل مراحل طے کرتے ہوئے رتنہ پنچال [ذیلی یادداشت = رتن پنچال، موضع تھنہ کے شمال مشرق میں پانچ میل کی دوری پر ایک پہاڑ ہے۔ اس کی بلندی کا آٹھ ہزار دوسو انگریزی فٹ اندازہ کیا گیا ہے ___ حاشیہ انگریزی اکبر نامہ ج ۳ رص ۸۲۲ رترجمہ بیورتج مطبوعہ ۱۹۱۰ء کلکتہ] کی چوٹی پر نزول اجلال کیا اور گلفام نامی خوش قدم گھوڑا جو پہاڑ پر آگے آگے جارہا تھا چوٹی سے پھسل کر مر گیا۔ پہاڑ کے اطراف کے بزرگوار، جو پوشانہ کے مقابل کے رہنے والے تھے، باریاب خدمت ہو کر تحائف ولطائف پیش کر کے عزت سے سرفراز ہوئے۔ دوسرے دن پیر پنچال پہاڑ پر عروج کیا [ذیلی یادداشت = پیر پنچال جو اصل میں پیر پنت سال ہے، ایک مشہور اونچا پہاڑ ہے گیارہ ہزار چار سو فٹ انگریزی۔ یہ بھمبیر سے سرینگر جانے والے راستے پر ہے (ایضاً ص ۸۲۴)]۔ ڈھائی کروہ کے فاصلے تک برف حائل تھی۔ اولوں کی بارش ہوئی۔ سعادت مند فوجی گھبرا کر وحشت زدہ ہوگئے لیکن بادشاہ کے تسلی دینے پر ہر کسی نے آسانی اور شادمانی کے ساتھ پہاڑ کو پار کر لیا اور دوسرے روز فتح مند موکب ہیرہ پور میں اُترے [ذیلی یادداشت = اکبر نامہ (ج ۳ رص ۸۲۷) کے مترجم ایچ بیورتج

نے اقبال نامہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اکبر نے ہیرہ پور سے سرینگر تک کا سفر دو دن اور ایک رات میں طے کیا لیکن ابوالفضل نے سفرِ کشمیر میں اکبر کی آخری منزل خامپور یا خانپور لکھی ہے جو خلاف قیاس ہے کیونکہ خامپور سے سرینگر تک کا فاصلہ چار یا پانچ کروہ سے زیادہ نہیں ہے یہ بیورتیج مذکور کے بقول اکبر لاہور سے چالیس دنوں کی مدت میں کشمیر پہنچا تھا]۔ اچھی آب وہوا، دل پسند چمن وگلزار، شگوفہ دار درخت اور پرندوں کی نغمہ سرائی کو دیکھ کر ہر کسی کا دل خوشیوں سے بھر گیا اور راستے کی زحمتیں فرحتوں میں بدل گئیں۔

بہارے دگر بوستانے دگر　　زمینے دگر آسمانے دگر

[ایک اور ہی بہار تھی اور ہی بوستان وباغ تھے کچھ اور ہی زمین تھی اور ایک اور ہی آسمان تھا]۔ چھوٹے بڑے، مشائخ، علماء وفضلا، اعیان واکابر اور امراء، ہنرمندوں، شاعروں، اہل رقص وسرور اور مطربوں کے گروہ در گروہ لوگ جوق در جوق تحائف ونفائش ونوادرات کے ساتھ پادشاہانہ نظر سے شرفیاب ہوکر نوازشوں سے کامیاب ہوگئے۔

دوسرے روز کمالِ جاہ وحشمت کے ساتھ ۲۵/ ماہ رجب ۹۹۶ھ کو [ذیلی یادداشت = ایلیٹ صاحب کی ہسٹری آف انڈیا (ج ۵/ص ۴۵۷) میں جو تاریخ درج ہے وہ ہے اول شعبان ۹۹۷ھ مطابق ۵/ جون ۱۵۸۹ء لیکن خواجہ محمد اعظم دِدّمری (واقعاتِ کشمیر ص ۱۰۲) نے یہی تاریخ سال ۹۹۸ھ لکھی ہے] سری نگر شہر میں باغِ حسن شاہ میں [ذیلی یادداشت = لیکن ابوالفضل کے الفاظ میں ''بہ والا کاخِ یوسف خان مرزبانِ کشمیر قدسی نزول شد'' (کشمیر کے والی یوسف خان کے قصر والا میں بادشاہ نے نزول کیا) اکبر نامہ ج ۳/ص ۵۴۳۔ یہاں پر باغِ حسن شاہ سے مراد ہے کشمیر کے بادشاہ حسن شاہ چک کا باغ جو ان دنوں محلہ نوہٹہ کے خواجہ بازار میں واقع تھا ـــــ کشیر

ج ۱ص ۲۴۷] [لیکن حسن شاہ کی جگہ حسین شاہ صحیح ہے جس نے تاریخ حسن (ج ۲ص ۲۸۰) کے بقول سال ۹۷۱ھ = ۶۴-۱۵۶۳ء سے ۹۷۸ھ = ۱۵۷۰ء تک حکومت کی۔ حسن شاہ چک نام کا چک خاندان میں کوئی بادشاہ کشمیر کا حکمران نہیں تھا۔۔۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد] جس میں اس وقت خانقاہ نقشبندیہ واقع ہے، خیمۂ اجلال نصب کیا۔ شعراء اور صاحبان بلاغت نے قصیدے اور مثنویاں پیش کیں [ذیلی یادداشت = اس ضمن میں ابوالفضل نے صرف اپنے بڑے بھائی فیضی کا نام لینے پر اکتفا کیا ہے۔ فیضی نے بادشاہ اور کشمیر کی تعریف میں جو قصیدہ لکھا ہے وہ ۹۸ ابیات پر مشتمل ہے اور اس کا یہ بیت مطلع ہے ؂

ہزار قافلۂ شوق می کند شب گیر　　که بارِ عیش کشاید به خطۂ کشمیر

(اکبر نامہ ج ۳ص ۵۴۳)] اور شہر میں منادی کر دی گئی کہ سپاہیوں میں سے کوئی ایک بھی سپاہی رعیت کے گھروں میں نہ اترے۔ کل دوسرے روز بادشاہ نے کشتی میں سوار ہو کر شہاب الدین پورہ تک دریائے بہت کی سیر کی اور شام کو لوٹ آیا۔ تیسرے روز تالاب (ڈل) کی سیر کرتے ہوئے آبی پرندوں وغیرہ کے شکار سے تفریح خاطر کی۔ اس کے بعد ملکی امور کی طرف متوجہ ہو کر اعیان ملک اور امراءِ شہر نیز اہل علم و فضل اور بڑے بڑے خاندانوں کے بزرگواروں کو منصب اور جاگیریں عطا کیں۔ اکثر باغیوں اور سرکشوں کا قلع قمع کر کے ان کو مغلوب و پامال کیا اور عام رعایا کے دلوں کو مدارات و بخششوں سے خوش کر کے انصاف و عدالت کی بنیاد قائم کی۔

اٹھائیس دنوں کے بعد بادشاہ نے پکھلی کی راہ کے تصفیہ کے لیے قاسم خان کو اجازت دے کر [ذیلی یادداشت = اکبر نامہ (ج ۳ص ۵۵۰) میں

قاسم خاںؔ کی جگہ قاسم خاںؔ کے بیٹے ہاشم بیگؔ کا نام مذکور ہے۔ ابوالفضلؔ کی روایت ہے کہ ہاشم بیگؔ، پکھلی کے راستے کو ٹھیک کرنے کے لیے ۲۳ر تیر ماہ مطابق ۳ر جولائی ۱۵۸۹ء کو روانہ ہوا۔] مراجؔ کی سیر و سیاحت کے لیے چند دنوں کے اندر ایک ہزار بنگلہ دار کشتیوں یعنی پرندہؔ اور کرناو نامی شاہی کشتیوں کو کمال زینت کے ساتھ سجا کر سطح دریا پر عجیب طرح کا ایک شہر بسا دیا گیا [ذیلی یادداشت = اس ضمن میں ابوالفضلؔ کہتا ہے کہ اس ملک میں اگر چہ تیس ہزار کشتیاں بلکہ زیادہ ہی تھیں لیکن کشور خداؔ (اکبر) کے نشیمن کے لیے کوئی کشتی لائق نہ تھی۔ تجربہ کار خدمت گذاروں نے کم وقت میں عمدہ دریائی کاخ بنائے اور دریا کی سطح پر ایک گلزار وجود میں لے آئے اور نزدیک اور نام آور مقربین کے لیے بھی اسی قسم کی کشتیاں بنائیں۔ ایک ہزار کشتیوں سے زیادہ کشتیاں آراستہ کی گئیں ــــ اکبر نامہ ج ۳ر ص ۵۵۰]۔

پہلے روز پانپور کے قصبے میں مبارک پرتو جلوہ افروز ہوا۔ دوسرے دن بیجبہاڑہ میں حشمت کا سائبان نصب ہوا اور وہاں سے نندی مرگ کا، جو ایک دلکشا اور روح افزا مقام ہے، نظارہ کرنے کی خاطر خوش خرام گھوڑے کو دوڑایا اور جرہ و باز اور عقاب کا شکار کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں سے اننت ناگؔ چشمے پر آسمانؔ حشمت خیمے بلند کئے اور اس کے بعد صحرائے بابلؔ اور راجہ رام دیو کے بُت خانہ کا تماشا کرنے میں ایک روز گزارا۔ وہاں سے اس ملک کی شگفتگی و سرسبزی اور سدا بہار تر و تازگی کا ملاحظہ کر کے صبا رفتار کشتیوں میں سوار ہو کر تیز رفتاری سے لوٹ کر جھیل اُلر میں آبی پرندوں کا شکار کرنے، کشتیوں کی دوڑ اور زینہ لنک کا تماشا کرنے میں ایک دن گزارنے کے بعد بارہ مولہؔ میں شوکت و حشمت کا سائبان نصب کیا۔ راستے کی دشواری اور سختی کو نظر میں رکھتے ہوئے ظفر مند فوج کے آٹھ حصے کر کے آٹھ روز تک چلے جانے کا حکم دیا۔ کوارمست

اوز بولیاسہ کی راہ کو پار کرتے ہوئے راہ چلنے والوں کو بہت تکلیف ہوئی اور پھکلی کے حدود میں خیمے بلند کئے۔ وہاں سے لاہور روانہ ہوئے اور حسن ابدال کے مقام پر یوسف خان (رضوی) کولوٹ جانے کی اجازت ملی۔

اکبر بادشاہ کے تیسری بار کشمیر آنے کا ذکر کرتے ہوئے تاریخ حسن کے مؤلف نے لکھا ہے (ج ۲ ص ۴۴۷) کہ سال ۱۰۰۱ھ میں [ذیلی یاد داشت = کشمیر کی طرف اکبر کی سیاحت تیسری بار سال ۱۰۰۵ھ (۱۵۹۷ء) میں ہوئی اور حسن نے جو لکھا وہ سہو ہے۔ سیر وتماشا کی کیفیت بھی جو یہاں پر مذکور ہے وہ اس حقیقت پر گواہ ہے] خاقانِ اکبر نے لاہور میں جشن نوروز منانے کے بعد کشمیر کی سیر وسیاحت کرنے کے عزم کا علم نصب کیا اور پیر پنچال پہاڑ کو، جو برف سے ڈھکا ہوا تھا، عبور کر کے ہیرہ پورہ میں پرتو نزول ڈال دیا۔ وہاں سے سیر گلگشت کی خاطر دیوہ سر کے اطراف کی طرف خوش قدم گھوڑے کو دوڑا کر جمال نگری میں توقف کیا [ذیلی یادداشت = سٹاین اس جگہ کو متعین نہیں کر پایا ہے۔ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (ص ۱۷۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام غالباً نارہ پور سوختہ ہوگا ــــ حاشیہ انگریزی اکبرنامہ ج سوم ص ۱۰۸۳ مترجم بیوریج] اس علاقے کی سیر وتماشا کرنے کے بعد انت ناگ میں نزول فرمایا۔ مستوراتِ شبستان، جو سفر میں آہستہ آہستہ چل رہی تھیں یہاں پر بساطِ عشرت سے مشرف ہوئیں۔ کل کے دن شکار کے ارادے سے صحرای بابل میں جرہ و باز وشہباز کا شکار کر کے پچھ بون میں دو رات قیام کیا۔ وہاں سے ہمت کا گھوڑا دوڑا کر شہر کی جانب رخ کیا اور تخت سلیمان کے نیچے تخت شوکت نصب کیا۔ دوسرے روز جھیل ڈل کی سیر اور آبی پرندوں کے شکار کا عیش وسرور پانے کے بعد، خواجہ محمد حسین کنٹ ابن میر کمال الدین کے اہتمام سے بنائے ہوئے جروگۂ شاہی میں، جو کمال استواری و

زینت سے ایک عجوبۂ روزگار تھا نزول کیا۔ صبح کو جروگہ، درشنی باغ، بازاروں، دکانوں، کوٹھیوں، شہزادگان کے محلات سلطنت کے امراء کے مکانوں، بلند مرتبہ تاجروں کی رہائش گاہوں اور شہر کی فصیل، جو کوہ ماران کے حوالی میں چار برسوں کی مدت میں تعمیر ہوئی تھی، کا سبک قدم گھوڑے پر خرامان خرامان نظارہ و تماشا کیا اور تعمیرات کا اہتمام کرنے والوں کو شاہانہ اکرام و انعامات سے سر بلندی بخشی اور قلعہ کی اندرونی آبادی کو ناگر نگر شہر سے موسوم کیا۔

ایک ہفتے کے بعد سنیچر کے روز، عیدگاہ میں قریب اسی (۸۰) ہزار لوگوں کو، خاص و عام اور چھوٹے بڑوں کو، خواہ وہ اہل شہر تھے یا خواہ اہل دیہات تھے، رنگ رنگ کی نعمتوں اور قسم قسم کے کھانوں، پکوانوں، گوشت کے مختلف سالنوں اور شیرینیوں سے کمال کرم اور سخاوت کے ساتھ ضیافت کھلائی۔ اسی روز دریای بہت، کوہ ماران اور کوہ سلیمان اور مکانوں اور گھروں کے چھتوں پر شاہی چراغان کیا گیا جس کی روشنی و نور سے سارا شہر جگمگا اٹھا اور ایک عجیب نورستان وجود میں آ گیا۔ نیز اسی روز حافظ قاسم نامی ایک مقرب نے ایک پرہیزگار عورت کے دامنِ عصمت کو آلودہ کیا۔ بادشاہ نے حکم نافذ جاری کر کے اسے آختہ کر کے مروا ڈالا [ذیلی یادداشت = ابوالفضل کی روایت کے بموجب یہ واقعہ سال جلوس کے ۴۲ رسال مطابق ۱۰۰۶ھ میں ہوا] اور اسی روز دونوں تبتوں کو مسخر کرنے کے لیے ظفریاب لشکر کو دستور دیا گیا اور لداخ کے والی اجورای [ذیلی یادداشت = حسن کی یہ روایت ابوالفضل کی روایت سے بالکل مختلف ہے حقیقت یہ ہے کہ تبت کا بڑا حکمران کلیو یا کلیوم تھا اور رجورائے یا واجورائے اس کا سپہ سالار تھا جس نے دولت سے مست ہو کر ناسپاسی کا مظاہرہ کیا۔ کلیوم حکمران نے لشکر فراہم کر کے علاقہ لے لیا اور راجورائے نے آوارگی اختیار کر لی۔ علی رائے نے جو کلیوم سے ذاتی عداوت رکھتا تھا، کینہ وری

سے کام لیتے ہوئے، اس پر غلبہ پایا جب اکبری فوج کا آوازہ سن لیا تو کلیو کے موروثی ملک کو کلیو کے حوالے کر کے لوٹ گیا ـــ اکبر نامہ ج ۳ رص ۱۳۷] گرفتار ہوا اور اس کی جاہ و حشمت غارت ہوئی۔ علی رائے، جو اس علاقہ کے حکمرانوں کی نسل سے تھا، وہاں کی حکومت پر مقرر ہوا۔

۳ رماہ اور ۲۷ رروز تک بادشاہ نے اس ملک کے اطراف واکناف کی سیاحت اور سیر گلگشت کر کے، ہیرہ پور کے راسے سے عزم وارادے کا گھوڑا دوڑایا۔ پہلے روز شہاب الدّین پورہ کے چنار باغ میں نزول اجلال کیا۔ دوسرے روز اس گلستان (کشمیر) کے خزان کا تماشا کرنے کی خاطر پرگنہ لار کی طرف روان ہوا اور دو دنوں تک میگام میں تماشا اور نظارہ کر کے شگفتگی خاطر پائی۔ وہاں سے زعفران کا شگوفہ دیکھنے کے لیے پانپور میں خیمۂ حشمت نصب کیا اور وہاں سے کوچ کر کے خامپور [ذیلی یاد داشت = اکبر نامہ میں (ج ۳ رص ۳۴۷) خان پور آیا ہے] میں قیام کیا۔ دوسرے دن منزل بہ منزل مرحلہ پیما ہو کر پیر پنچال کی چوٹی کے برف و باران کو خیر سے طے کیا اور وہاں پر محمد قلی خان کو لوٹ جانے کی اجازت دے دی......"۔

گویا تاریخ حسن میں اکبر بادشاہ کے کشمیر میں تین بار آنے کا ذکر ہوا ہے اور خاصی تفصیل کے ساتھ ہوا ہے بلکہ تاریخ وار ہوا ہے۔ **مجموع التواریخ** کے مؤلف نے بھی ایک مختصر سے جملے میں اس کی تائید کر کے لکھا ہے کہ: "بعد تسخیر کشمیر ہفدہ سال در قید حیات بود وسہ مرتبہ در کشمیر نزول نمود......" کشمیر کو فتح کرنے کے بعد ۱۷ رسال تک زندہ رہا تین بار کشمیر میں نزول کیا)۔ **واقعاتِ کشمیر میں** آیا ہے کہ: "......تا آنکہ بسببِ اخبارِ مختلفہ بذاتِ خود بندگان جلال الدّین اکبر بادشاہ با عسا کر نصرت اثر حرکت را ضرور دانستہ کشمیر دلپذیرِ جنت نظیر در تاریخ نہ صد و نود و ہشت نزول فرمودند و

یعقوب شاہ لاعلاج شدہ خود را در لشکر ظفر رسانیدہ کارسازی نمود و کفش ظلِ الٰہی (را) بر سر بستہ بہ عتبہ بوسی مشرف گردید و صوبہ تعلق بہ سلاطینِ چغتائی گرفت'' (یہاں تک کہ مختلف خبروں کے پانے کی وجہ سے جلال الدّین اکبر بادشاہ نے بذاتِ خود ظفر مند لشکر کے ہمراہ روانگی کو لازم جان کر سال ۹۹۸ھ میں دلپذیر جنت نظیر کشمیر کے ملک میں نزول فرمایا۔ لاعلاج ہو کر یعقوب شاہ (چک) نے خود کو ظفر مند فوج میں پہنچا کر تدبیر سے کام لیتے ہوئے سایۂ الٰہی (اکبر بادشاہ) کا جوتا سر پر باندھ کر آستان بوسی سے مشرّف ہوا اور صوبۂ (کشمیر) چغتائی سلاطین کا ہو گیا'')۔ ایک اور جگہ پر صاحب واقعاتِ کشمیر نے لکھا ہے (ص ۱۱۷) کہ ''میرزا یادگار، سوپور سے ایک جماعت کے ہمراہ پھر سے شہر (سرینگر) میں آیا اور سرکشی سے کام لے کر طفلانہ خام خیالی میں پادشاہی کا بھوت اس کے سر پر سوار ہو گیا اور لوگوں کو بے اعتبار و ناپائیدار خطابات و مناصب سے نوازا۔ جس روز اس نے یہ اہم کام انجام دیا اکبر بادشاہ نے غیبی تائید سے لاہور سے سیرِ کشمیر کا ارادہ فرمایا......'' گویا یہ بقول واقعاتِ کشمیر اکبر بادشاہ کی کشمیر میں دوسری سیر تھی۔ تیسری سیر کا ذکر واقعاتِ کشمیر میں نظر نہیں آیا۔ **ہسٹری آف میڈیول انڈیا** کے مؤلف وی ڈی مہاجن نے لکھا ہے کہ اکبر نے سال ۱۵۸۹ء (۹۹۸ھ) میں کشمیر کی سیر کی۔ اس نے کسی اور سیر کا ذکر نہیں کیا ہے۔ **بہارستانِ شاہی** کے نامعلوم مصنف نے صرف اکبر بادشاہ کے کشمیر آنے کا ذکر تو کیا ہے لیکن کوئی تفصیل نہیں لکھی ہے بلکہ اس ایک جملہ پر اکتفا کیا ہے کہ: ''......لاجرم عنانِ عنایت بہ تماشائی ممالکِ کشمیر مصروف فرمودہ بہ نزول و اجلالِ ممالکِ مذکور را ممتاز و معزز فرمود'' (لازماً عنایات کی لگام کو کشمیر کے جگہوں کا تماشا کرنے کی طرف موڑ دیا اور ان مذکورہ جگہوں کو اپنے نزولِ اجلال سے ممتاز و معزز فرمایا)

لیکن ان جگہوں کا مؤلف ناشناس نے مطلق کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ **تاریخ فرشتہ** میں صرف سال ۹۹۷ھ میں اکبر کا کشمیر میں آنے کا ذکر ہے۔

۱۲۱۶: **مارتنڈ** : غالباً موجودہ مٹن گاؤں سے مراد ہے جو مارتنڈ نام کی ہی بگڑی صورت ہے کہ مٹن بھی ایک تیرتھ ہے۔

۱۲۱۷: **تالی** : پہاڑ کے درخت۔ کشمیر میں یہ درخت یآر کہلاتا ہے اس کا انگریزی نام ہے Corypha Taliera **تالی** سنسکرت لفظ ہے جس کا پودا انگریزی میں Flacour Tia Cataphrcta کہلاتا ہے۔

۱۲۱۸: یعنی راجہ مان سنگھ [سِنہہَ یا سِمہہَ سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی ہیں شیر اور سنگھ جو ہندی لفظ ہے بھی شیر کے معنی رکھتا ہے۔]

۱۲۱۹: مراد ہے مرزا یوسف خان رضوی جو کشمیر کا حاکم تھا۔ حاشیہ ۱۲۱۲ دیکھیں اور حاشیہ ۱۲۰۹۔

۱۲۲۰: **قاضی عالَ** : یعنی قاضی علی۔ **تاریخ حسن** میں آیا ہے (ج ۲ ص ۴۳۶) کہ: "کہتے ہیں کہ لاہور سے یوسف خان رضوی (حاکمِ کشمیر) بادشاہ (اکبر) کے ہمرکاب رہ کر دہلی گیا۔ جب شاہی جاہ وجلال کا علم آگرہ پہنچا تو استاد لُولُو نے عرض کیا کہ: "ملکِ کشمیر میں پیداوار کی کثرت خاصی ہے لیکن اسے حاصل کرنے کا صحیح اہتمام نہیں ہوتا۔ صوبہ دار اس کا انتظام کرنے میں غفلت سے کام لیتے ہیں"۔ بادشاہ نے قاضی نوراللہ (ذیلی یاد داشت = قاضی نوراللہ سے مراد ہے حضرت علامہ قاضی نوراللہ شوستری صاحب مجالس المومنین ــــ منتخب التواریخ۔ ج ۳ ص ۱۳۷/۱۳۸) اور قاضی علی کو کشمیر کے مالیہ کے بندوبست کا نظم و ربط کرنے کے لیے مقرر کر کے روانہ کیا اور یہاں پر محصولات ومحالات (ضلع جات و پرگنہ جات) کا نظم وضبط عمدگی کے ساتھ عمل میں آیا۔ لوگوں نے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے شورش اٹھائی۔

قاضی نوراللہ نے دربار میں جا کر عرض کیا کہ "بغیر حاکم و ناظم کی کوشش کے یہ معاملہ سلجھ نہیں سکتا۔ یوسف خان کے وکلاء اس بارے میں جیسا کہ چاہیے کوئی تدارک نہیں کرتے"۔ یہ بات سن کر بادشاہ نے حسن بیگ [ذیلی یاد داشت = اکبر نامہ ج ۳ ر ص ۶۱۷ ر میں اس کا نام حسین بیگ شیخ عمری آیا ہے اور اس کتاب کے مصنف نے جو حسن بیگ اور شیخ عمر کے نام الگ الگ لکھے ہیں صحیح نہیں ہے۔ اقبالنامہ کے مصنف کے بقول خسرو شاہ کی بغاوت میں شریک ہو جانے کی وجہ سے حسن بیگ کا انجام نیک نہیں نکلا ــــ اکبر نامہ، بیورتج ج ۳ ر ص ۹۴۵] اور شیخ عمر کو قاضی علی کی مدد کے لیے کشمیر بھیج دیا۔ قاضی علی نے سبھی محالات کو بحق خالصہ (بادشاہی زمین) ضبط کیا اور مقرر کیا کہ سپاہیوں کے چوپایوں کی خوراک کو میں نقد ادا کر دیا کروں گا۔ اس سے خیانت کاروں کا قافیہ تنگ ہوا کیونکہ وہ بہت زیادہ رشوت کھاتے تھے اور رشوت کے فائدے کے ظاہر ہو جانے پر ان کی زمین ضبط ہو جانے کا خطرہ تھا۔ پس وہ فتنہ و فساد برپا کرنے لگے۔ چنانچہ درویش علی، عادل بیگ، یعقوب ترکمان اور امام قلی جولاقی [ذیلی یادداشت = اکبر نامہ میں امام قلی چولاق قیا بیگ] اور دیگر اوباشوں نے ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق کو استوار کرنے کے بعد میرزا یادگار کے ساتھ، جو یوسف خان (رضوی) کا بھتیجا اور اس کا قائم مقام تھا، [ذیلی یادداشت = صاحب اقبال نامہ کہتا ہے کہ باغیوں نے پہلے سیادت کی مناسبت سے میر کمال الدین حسین اسکوکہ کو (جسے کشمیری، میر کمال الدین کہا کرتے تھے) جو میرزا یوسف خان مشہدی کے ملازموں میں سے تھا، اختیار کیا۔ لیکن چونکہ اس نے ان کی قیادت کرنے سے انکار کیا پس قرعہ مرزا یادگار کے نام پڑا اور بے وقوفی سے اس نے مان لیا (حاشیہ انگریزی اکبر نامہ ج ۳ ر ص ۹۴۵ ر مترجمہ بیورتج] مل گئے اور قسموں وعدوں کے ساتھ عہد و پیمان کو

مضبوط کرلیا۔ چونکہ میرزا یوسف خانؔ (رضوی) کی ملازمت میں تقریباً دلہ رانؔ قوم کے تین چار ہزار پیادہ تھے [ذیلی یادداشت=صاحب اقبال نامہ کے مطابق میرزا یوسف خانؔ کے پیادگان کی تعداد دلہ زاکؔ قوم سے پانچ سے چھ ہزار تک تھی (ایضاً ص ۹۴۵)]۔ ان میں سے حسن بیگؔ اور شیخ عمرؔ کے ملازموں میں سے ایک سپاہی کی بیوی کو چند ایک ورغلا کر اپنے مقام پر لے گئے۔ بغاوت پیشہ فسادیوں نے اسی بدکردار پیادہ سپاہی کو اکسا کر بے خبری میں حسن بیگؔ کے گھر پر حملہ کر دیا۔ اس وقت حسن بیگؔ کے اپنے سپاہی اور ملازم ادھر اُدھر منتشر تھے لیکن ہمت کے ساتھ ثابت قدم رہ کر خود حسن بیگؔ نے اُن کا مقابلہ کیا۔

اسی اثناء میں قاضی علی اور شیخ بابا والی نے بیچ میں آکر فساد کی آگ کو خاموش کر دیا اور دوسرے روز کوہِ ماران پر [ذیلی یادداشت=ہری پربت کا فارسی نام کوہِ ماران ہے جس کی چوٹی پر شہنشاہ اکبر نے ناگرنگر قلعہ تعمیر کیا] پھر سے باغیوں نے ہجوم کر کے حسن بیگؔ کے ساتھ جنگ کی لیکن خاصی جنگ و جدل کے بعد صلح پسند لوگ ایک اور بار درمیان میں آگئے اور صلح کرا دی۔ اس کے بعد حسن بیگؔ نے بدسرشتی سے کام لے کر چند آدمیوں کو صلاح و مشورہ کے لیے بلا لیا اور انہیں قتل کر ڈالا جس کے سبب فساد کی آگ پھر سے مشتعل ہوئی۔ حسن بیگؔ اور قاضی علی شہر کو چھوڑ کر راول پورؔ میں آکر بیٹھ گئے اور چند روز غفلت میں گذار کر فساد کی آگ کو بجھانے کی کوئی کوشش نہ کی۔ بغاوت اندیشوں نے اپنی جماعت اور اپنے استحکام کی فکر میں ہیرہ پورؔ کی راہ کو مسدود کرنے کی خاطر چند آدمیوں کو بھیج دیا۔

میرزا یادگارؔ نے خود کامراج کے علاقہ میں جا کر شورش اٹھائی۔ تب حسن بیگؔ خوابِ غفلت سے جاگا اور جلدی سے اس کا تعاقب کیا لیکن آدھا راستہ

طے کرنے کے بعد لوٹ آیا اور شہر میں قیام کیا۔ یادگار (مرزا) نے اس کی واپسی پر فخر کا اظہار کیا اور شہر آ گیا۔ حسن بیگ اس کے غلبہ پانے سے گھبرا گیا اور اس نے ہندوستان کی راہ لی۔ جب ہیرہ پور پہنچا تو راستے کے مخالفین نے خبر دار ہو کر پلوں کو توڑ ڈالا۔ کمال اضطراب میں حسن بیگ نے پانی میں چھلانگ لگائی اور اس کے بعض پیروکار دریا میں ڈوب گئے اور بعض ساحل پر آ کر گرفتار ہوئے۔ حسن بیگ اور قاضی علی بچ کر نکل تو گئے لیکن پیر پنچال کے مخالفین کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے، البتہ چند بدخشیوں کی ہمراہی میں تیراندازی کے زور سے رہائی پائی لیکن قاضی علی قتل ہوا۔

جب پادشاہ جاہ وجلال کے کانوں تک حقیقت پہنچی تو فوراً زین خان کوکلتاش کو سپاہیوں کی ایک جماعت کے ساتھ مظفر آباد کے راستے سے [ذیلی یادداشت = اکبرنامہ (ج ۳ ص ۶۱۸) میں سواد (سوات) آیا ہے] مامور کیا اور بہادروں کی ایک فوج کو صادق خان کے ہمراہ کر کے پونچھ کی راہ سے متعین کیا اور شیخ فرید بدخشی کو [ذیلی یادداشت = صحیح ہے شیخ فرید بخشی بیگی ـــــ اکبرنامہ ج ۳ ص ۶۱۸] دارہ ہال کی راہ سے بہت سے جنگجوؤں کے ساتھ روانہ کیا اور میرزا یوسف خان (رضوی) کو حزم واحتیاط کے طور پر شیخ ابوالفضل کی سپردگی میں رکھا گیا اور اس کے بیٹوں کو، جو یادگار (میرزا) کے چنگل سے نجات پا کر حضور میں حاضر ہوئے تھے، نظر بند کیا۔ دوسرے روز ذاتِ والا (اکبر بادشاہ) نے لاہور سے علم لہراتے ہوئے راجوری کی طرف عزم کیا۔

غرض حسن بیگ کی ہزیمت کے بعد یادگار میرزا شہرِ کشمیر میں داخل ہوا اور یوسف خان رضوی کے بیٹوں کو ہندوستان روانہ کر دیا اور خزانوں، دفینوں، سواروں، ہاتھیوں اور توپ خانوں وغیرہ سب پر قبضہ کر لیا اور خود کو سلطان کا نام دے کر سکہ وخطبہ اپنے نام جاری کر دیا [ذیلی یادداشت = ابوالفضل کی

روایت ہے کہ خطبہ جاری کرتے وقت عجیب اقبال مندی سے یادگار میرزا پر بخار کی تھرتھری طاری ہوگئی ــــ اکبر نامہ ج ۳ ص ۶۲۱] اور بہرام نیا یک کو خانِ خاناں، درویش علی کو خانِ جہان، عادل بیگی کو عادل خان، مقصود احدی کو مقصود خان [ذیلی یادداشت = اکبر نامہ کی مذکورہ جلد اور صفحہ پر مخصوص خان آیا ہے] خواجہ مومن کو آصف خان اور موسیٰ میر کو میرزا خان کا لقب دیا اور فسادیوں اور اوباشوں کی جماعت کو اپنی طرف مائل کردیا اور اپنی جگہ خیال کیا کہ ''جاڑے کا موسم ہے راستے بند ہیں کوئی اس طرف نہیں آسکتا۔ پانچ چھ مہینوں تک اپنی مراد کے مطابق سامان حرب وضرب مہیا ہے اور مملکت کا انتظام عمدہ طور پر ہوگا اور خوب استحکام کے ساتھ ہوگا اس لیے کسی کی طاقت نہیں کہ آئندہ مجھ سے لڑ پڑے'' اسی خیال میں اس نے چندروز بیکاری وغفلت میں گذارے اور کنجوس طبعی اور رزالت نفس کی وجہ سے اس نے اپنے معاونین اور جنگجوؤں کو انعام واکرام اور نوازشوں سے خوش رکھنے کی طرف کوئی توجہ نہ کی جس کی وجہ سے بعض فسادی اس سے بیزار ہوکر کنارہ کش ہوگئے۔

جب خداوندِ جہان (اکبر بادشاہ) کی روانگی کی شہرت شہر میں پہنچی تو وہ کوتاہ اندیش اضطراب و انقلاب کے گرداب میں پھنس گیا اور اس نے درویش علی کو، ایک فوج کے ساتھ فتح یاب (شاہی) لشکر کا راستہ روکنے کی خاطر پیر پنچال پر بھیج دیا اور درویش علی نے تیزی کے ساتھ روانہ ہوکوہِ پیر پنچال پر ایک حصار بنایا اور اس میں سامان، اسلحہ اور خوراک رکھ کر فوج کو ترتیب دیا جب فتح مندی کی موجیں اٹھاتی ہوئی (شاہی) فوج کے ہراول دستہ نے پیر پنچال کی چوٹی پر آسمان کو چھونے والا علم نصب کیا تو درویش علی نے شاہی فوجوں کے مقابلہ میں آکر لڑائی کے معرکہ میں بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بہت سے دلاور جنگجو خون میں لت پت ہوجانے کے نتیجے

میں گنوادئے اور باقی مجروح و مغلوب ہو کر بھاگ نکلے۔ شاہی فوج کے چار آدمی کام آئے۔ دوسرے روز درویش علی وغیرہ نے ثابت قدمی کے ساتھ شاہی فوج پر حملہ کیا لیکن جب دیکھا کہ شاہی فوج ٹڈیوں اور چیونٹیوں سے بھی تعداد میں بڑھ کر ہے تو سب نے راہ فرار اختیار کی۔

جب میرزا یادگار نے پنچال پہاڑی پر سعادت مند علم کے نصب کئے جانے کی خبر سُنی تو اس نے لوگوں میں زر بانٹ کر ان کو درویش علی کی مدد کے لیے بھیج دیا اور خود ہیرہ پور میں رہا۔ شہباز خان، ابراہیم خان، کاکڑو، سارو بیگ شاملو [ذیلی یادداشت = بعض نسخوں میں سارو بیگ کی جگہ شاد بیگ آیا ہے چنانچہ اکبر نامہ جلد ۳/ ص ۶۲۳/ میں بھی یہی نام آیا ہے] یار بیگ اوزبک نے یوسف خان (رضوی) کے بعض ملازموں کے ساتھ عہد و پیمان کرنے کے بعد نصف رات کے وقت یادگار کے خیمے پر حملہ بول دیا۔ وہ خیمے سے نکل کر چھپ کر بیٹھا تھا انہوں نے اس کی تلاش کی اور گرفتار کرلیا [ذیلی یادداشت = اس واقعہ کے بارے میں حسن نے قدرے چشم پوشی اور تسامح سے کام لیا ہے۔ جیسے کہ اکبر نامہ ج ۳/ ص ۶۲۳/ میں درج ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ رات کا نصف حصہ جب گذر گیا اور نعرۂ اللہ اکبر بلند ہوا تو حملہ کر دیا گیا۔ وہ بدسیرت (یادگار میرزا) خیمے کے نیچے سے باہر نکل کر صحرا کی طرف جا نکلا اور یوسف نامی ایک ملازم کے سوا کسی کو اپنے ساتھ نہیں لے گیا۔ تھوڑا راستہ طے کر کے ایک جھاڑی میں پناہ لی اور ساتھ کو گھوڑا لانے کے لیے واپس بھیج دیا۔ سلطنت کے بعض خیر خواہوں نے حملہ کو روک کر اسے تلاش کرنے کی کوشش کی اور اس کے غائب ہو جانے پر اظہار حیرت کیا۔ اچانک سارو بیگ کی نظر یوسف پر پڑ گئی اور اسے شکنجے میں کس لیا۔ ناچار اس نے حقیقت بیان کی اور اس کی رہنمائی میں گرفتار ہوا اور منت سماجت کی۔ شہباز خان (یعنی شہباز خان

نیازی) جایِ موقعہ پر آ گیا اور اس کے کندھے کو سر کے بوجھ سے ہلکا کر دیا۔ یادگار میرزا کی حکومت کل ۵۱ روز کی تھی] سارو بیگ نے اسے] پادشاہِ جم جاہ (اکبر بادشاہ) کے حضور میں زندہ پیش کرنا چاہا لیکن شہباز خان نے تیزی سے اس کا سر تن سے الگ کر دیا۔

ہر آن کو می زند بر آسمان سنگ   بآزارِ سر خود دارد آہنگ

[جو کوئی آسمان پر پتھر پھینکتا ہے وہ اپنے ہی سر کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے]۔ اور جب ظفر یاب علم بہرام گلہ میں پہنچا [ذیلی یادداشت = بہرام گلہ اور بقول شری ور بہرو گل، کشمیر کا دروازہ ہے جو راجوری سے قریب ۲۴ میل پر دوری پر ہے۔ پیر پنچال کی چڑھائی یہاں سے شروع ہوتی ہے ___ انگریزی حاشیہ اکبر نامہ ج ۳ مترجم بیوریج چھاپ ۱۹۱۰ء] تو ستر داس نے [اکبر نامہ ج ۳ ص ۶۲۳ میں اس آدمی کا نام متھر اداس آیا ہے] اس چوہڑے کا سر گیتی نورد شہنشاہ کے گھوڑے کے قدموں پر ڈال دیا۔ بادشاہ نے خداوند کبریا کی درگاہ میں حمد و ثنا بجا لائی اور تیزی سے کشمیر کی سیاحت کرنے کا عزم کیا اور ۱۲ ماہ شعبان سال ۹۹۷ھ [مطابق ۱۶ جون ۱۵۸۹ء] میں شہر میں داخل ہوا۔ راستے میں شیخ فرید بخشی اور دوسرے جان باز سرداروں نے بندگی و اخلاص کے مراتب انجام دئے اور سر بلندی پائی اور اکثر باغی مخالفین نے گرفتار ہو کر سزا پائی اور بعض پہاڑوں کی کھوہ میں فرار کر کے چھپ گئے"۔

واقعاتِ کشمیر (ص ۱۱۶) میں آیا ہے کہ: "قاسم خان بحر کے بعد کشمیر کی صوبہ داری میرزا یوسف خان (رضوی) کے حصے میں آئی جو اکبر شاہی کے قدیم امراء میں سے تھا۔ مشارٌ الیہ ایک سال تک ملکی امور کے ربط و ضبط کی طرف متوجہ رہا لیکن دعویٰ داروں کی سرکشی و شورش کے سبب کچھ نہ کر پایا اور حضور (بادشاہ کے دربار) میں ملازمت پر مامور ہوا اور محمد قلی خان صوبہ دار

ہوا۔ قاضی نوراللہ اور قاضی علی جو پرگنوں اور تمام سرکاری متعلقات کے ضبط و انتظام پر (جدید اصطلاح میں رِکارڈ رکھنے کے کام پر) مقرر تھے، اربابِ خیانت، جنہیں اجارہ داری حاصل تھی اور خدشہ لاحق ہونے کا ڈر تھا، کی مخالفت ورکاوٹیں ڈال دینے کی وجہ سے آخرکار اپنے کام سے عاجز آ گئے۔ چنانچہ شیخ حسن بیگ ان کی مدد کے لیے حضور سے متعین ہوکر آیا۔ یہاں آ کر اس نے مقرر کیا کہ سپاہیوں کے لیے مقرر علوفہ نقد دیا جائے اور پرگنوں کو ضبط کیا جائے۔ یہ معاملہ جاگیرداروں اور اجارہ داروں کے حق میں پریشانی و تشویش کا باعث بن گیا اور انہوں نے شورش اٹھائی چنانچہ انہوں نے میرزا یوسف خان (رضوی) کے ان آدمیوں کو اکسایا جو یہاں موجود تھے اور اپنے مکر وفریب میں لاکر ان کو اپنا طرفدار بنالیا اور میرزا یادگار کو، جو میرزا یوسف خان (رضوی) کا چچیرا بھائی تھا، بادشاہ بنالیا۔ پادشاہ (اکبر) کے آدمیوں پر عجیب حالت گذری لیکن جناب حضرت شیخ بابا علی والیؒ قدس سرہٗ العالی، جوخود اس ہجوم میں آئے، کی مساعی سے اس روز کا فتنہ بیٹھ گیا۔ بالآخر طرفین ایک دوسرے کی گھات میں رہے۔ میرزا یادگار نے سوپور جاکر ایک جماعت تیار کرلی اور شہر کے اطراف میں آکر بغاوت کی گرم بازاری کی اور بادشاہ بن جانے کے طفلانہ خام خیالی کو سر میں جگہ دے کر لوگوں کو بے اعتبار و ناپائیدار مناصب وخطابات سے نوازا۔ جس روز کشمیر میں وہ یہ اہم کام کررہا تھا غیبی تائید سے حضور اکبر بادشاہ نے کشمیر کی سیر کرنے کا ارادہ کیا۔ روانگی سے پہلے جناب امرالامراء شیخ فرید بخاری میر بخشی کو، جو صحیح النسب سادات اور کمال توفیق واحسان کے ساتھ عظیم الشان امراء میں سے تھے، کشمیر بھیج دیا تھا۔ اپنے تمام نابکار پیرووں کے ہمراہ اور جاڑے میں پہاڑی راستوں کے بندھو جانے، سامان اور آزادی کے خیال میں فارغبالی کے ساتھ میرزا یادگار

نے مخالفت و مقابلہ کی ٹھان لی۔ جب شاہی آدمی مغلوب ہو گئے تو حسن بیگ مذکور نے مختلف حیلوں بہانوں سے خود کو اس شہر سے باہر نکالا اور دوسرے کچھ تو گرفتار ہوئے اور کچھ بھاگ نکلے۔ اکبر بادشاہ نے راہ میں یہ خبر اچانک سن کر زین خان کوکہ کو پہکلی سے، صادق خان کو کامل فوج کے ساتھ پونچھ کی راہ سے اور شیخ فرید بخشی کو یلغار کرنے کی خاطر براہ راست مقرر کر کے خود بھی فتح مند لشکر کے ہمراہ منزل بہ منزل عبور کرتا رہا۔ چونکہ کشمیر کے خاص لوگ اور اس خطۂ جنت نظیر کے عوام اس افراتفری میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے، تب شیخ فرید کا جو معدودی چند آدمیوں کے ساتھ یلغار کرنے کے لیے خاصے رعب و داب کے ہمراہ ہیرہ پور میں پہنچ چکا تھا، استقبال کرنے کو دوڑ کر اس کی تقویت اور دلیری کو بڑھانے کو پہنچے۔ میرزا یوسف خان (رضوی) کی جماعت کے بعض لوگ اپنے امور سے شرمندہ ہو کر میرزا یادگار کے تعاقب میں گئے۔ جنگ و جدل کے بعد وہ روپوش ہو گیا۔ سراغ پا کر اسے بادشاہ کے آدمیوں کو، جن کے سردار شہباز خان نیازی اور ابراہیم خان کاکری وغیرہ تھے دکھلایا گیا اور میرزا یادگار کو پکڑ کر قتل کر کے اس کا سر بادشاہ کی نظر سے گذار دیا گیا۔ اکثر فسادیوں کو سزا دی گئی اور بعض بھاگ نکلے اور بعضوں کو معافی دی گئی"۔

مجموع التواریخ میں آیا ہے کہ "قاسم خان میر بحر نے (کشمیر کی صوبہ داری میں) ایک سال اور چند ماہ گذارے۔ اس کے بعد یوسف خان رضوی نے صوبہ داری کے رُتبہ پر اختصاص پایا اور ایک سال تک امورات کے ربط و ضبط میں سرگرم رہا لیکن ارباب فتنہ و فساد کی سرکشی اور شورش کا مداویٰ نہ کر پایا۔ پس اپنے ایک رشتہ دار محمد قلی کو صوبہ کا حاکم مقرر کر کے وہ خود حضور (دربار) میں حاضر ہونے کے لیے چلا گیا۔ مالی معاملات کی تحقیق اور ملکی امورات کے بندوبست کے لیے حضور (دربار شاہی) سے قاضی نور اللہ، قاضی علی، حسن بیگ

اور طوطہ رام دفتری کو اجازت ملی تھی۔ انہوں نے اپنے کام کی بنیاد اس امر پر رکھی کہ نقد و جنس کی سبھی مالیات کو ضبط میں لاکر سپاہیوں وغیرہ کے مواجبات کو خزانے سے نقد ادا کر دیا جائے۔ جاگیرات و پرگنوں کے مالکوں نے یہ سن کر ایک فکر محال کی اور انہوں نے یوسف خان (رضوی) کی لشکر کے ایک گروہ کے ساتھ، جسے وہ یہاں پر چھوڑ کر چلا گیا تھا، متفق ہو کر اس کے پچیرے برادر میرزا یادگار کو گمراہ کر کے حکومت کرنے پر اکسایا۔ اس نامناسب خیال کو عملی بنانے میں اکثر معتبر ملازمین نے اسے منع کیا تھا لیکن تکبّر وغرور کا مارا ہوا وہ ناستودہ کردار آدمی، دور از کار خیالات سے معمور، سوپور کی طرف روانہ ہوا اور وہاں فساد پیشہ لوگوں کی تحریک پر اس نے ایک جماعت کو تشکیل دیا اور شہر کی طرف چلا آیا اور یہاں بغاوت کا بازار گرم کیا اور اپنے ہمراہی فتنہ بازوں کو ناپائیدار اور بی اعتبار خطابات سے پادشاہی کے خیالِ خام میں نوازا۔ اسی دوران سال ۱۰۰۱ھ میں اکبر بادشاہ نے دل میں پھر سے کشمیر آنے کا ارادہ کیا اور شیخ فرید بخاری کو [قلمی نسخہ میں فرید کی جگہ فرزند لکھا ہے جو کاتب کا سہو ہے ـــــ ڈاکٹر شمس الدّین احمد] اپنے سے پہلے بھیجا۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ میرزا یادگار نے جاڑے کے ایام اور پہاڑی راستوں کے مسدود ہو جانے کے پیش نظر فسادیوں کی ہمراہی میں بادشاہ کے آدمیوں کے ساتھ سرد مہری کا سلوک کیا۔ یہ حال دیکھ کر ایک بادشاہی ملازم حسن بیگ نے خود کو کسی حیلے سے کام لیتے ہوئے خلاص کرا کے حضور (دربار شاہی) میں پہنچایا اور حالات بیان کئے۔ پادشاہِ خورشید کلاہ نے ان حالات کو جان لینے کے بعد یہاں پر لشکر کشی کرنے کا سامان ترتیب دیا اور پہکلی کی راہ سے زین خان کوکہ کو، پونچھ کے راسے سے صادق خان کو اور شیخ فرید بخشی کو بنیر اور راجور کی راہ سے مامور کر کے خود بھی منزل بہ منزل اس راہ پر روانہ ہوا۔ یہ خبر سن کر یادگار میرزا نے

مقابلہ کرنے کی تیاریاں کیں۔ کشمیر کے لوگ چونکہ اس کی بدکرداری سے بیزار تھے اس لیے اس سے منہ موڑ کر وہ شیخ فرید کے استقبال کو دوڑے جو ہیرہ پور میں اُتر چکا تھا۔ یہ حال دیکھ کر بھی وہ جنگ پر آمادہ تھا اور ثابت قدم رہا۔ یوسف خان (رضوی) کی جماعت جو معرکہ میں اس کے ساتھ اس کی بدمزاجی سے نالان و دل فگار تھی انہوں نے عین جنگ میں اس نابکار کا سر کاٹ کر اسے بادشاہ کے حضور میں بھیجدیا......"۔

قاضی علی کے ضمن میں مربوط سیاسی حالات کا جو ذکر مندرجہ بالا عبارتوں میں آیا ہے وہ میرزا یادگار اور شیخ فرید اور حسن بیگ سے بھی متعلق ہیں جن کا ذکر پنڈت شُک نے آگے چل کر کیا ہے اس لیے میں نے ان تینوں اہم افراد کا ذکر مذکورہ حوالوں سے تفصیل کے ساتھ کیا ہے کہ قارئین میرزا یادگار اور شیخ فرید بخاری کے کردار سے واقف ہو جائیں۔

۱۲۲۱: **مرجا یادگار**: یعنی مرزا یادگار۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۴۲۰۔ اس مذکورہ حاشیہ میں جن مآخذوں سے استفادہ ہوا ہے ان کے مولفین نے میرزا یادگار کو میرزا یوسف خان رضوی صوبہ دار کشمیر کا چچیرا بھائی کہا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں آیا ہے کہ میرزا یادگار یوسف خان رضوی کا چھوٹا بھائی تھا۔

۱۲۲۲: **جِیَلال دِیَن**: مراد ہے جلال الدین اکبر پادشاہِ ہندوستان۔

۱۲۲۳: **حسن بیگ**: ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۲۲۰۔

۱۲۲۴: **شیخ پھرید**: مراد ہے شیخ فرید بخشی۔ دیکھئے حاشیہ ۱۲۲۰۔ **تاریخ دعوت و عزیمت** جلد چہارم میں مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مرحوم نے شیخ فرید بخشیؒ کا ذکر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (۹۷۱ھ۔ ۱۰۳۴ھ) کے مکتوبات کے حوالوں سے ملک کو اکبری الحاد سے بچانے اور

محفوظ رکھنے کے ضمن میں ایک معاونِ مجاہد کی حیثیت سے کیا ہے چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سیّد فرید بخاریؒ کے نام جو مکتوب لکھے ہیں وہ ''درد و اخلاص'' جوش و تاثیر، زور قلم اور قوت انشاء کے لحاظ سے ان خطوط و مکاتیب کے مجموعہ میں، جو دنیا کی کسی زبان میں اور کسی دینی اصلاح و تحریک کی تاریخ میں سپرد قلم کیے گئے ہیں، خاص امتیاز رکھتے ہیں اور سینکڑوں برس گذر جانے کے بعد بھی آج بھی ان میں اثر و دلآویزی پائی جاتی ہے'' البتہ مکتوبات کی اس خصوصیات کا تعلق ان تمام اکبری امراء کبار اور ارکان سلطنت کے مکتوبات سے ہے جو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان کو ہندوستان میں دین اسلام کو اکبری ارتداد و الحاد سے بچانے کے لیے لکھے تھے اور ان میں حضرت نے ایک بڑی تعداد سیّد فرید بخاریؒ کے نام لکھی۔ مولانا ندوی مرحومؒ نے جلد چہارم کے صفحہ ۳۰۲ (چھاپ ۱۴۰۰ھ = ۱۹۸۰ء) کے ذیلی یادداشت نمبر ۲ میں نزہۃ الخواطر کی جلد ۵/ سے مختصراً نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''امیر کبیر نواب مرتضیٰ ابن احمد بخاری معروف بہ سیّد فرید کی شخصیت عجیب جامع الکمالات و مختلف الجہات تھی۔ سیاست و انتظام، سخاوت و کرم، تواضع و اخلاق، دین و اہل دین سے محبت اور عالی ہمتی اور بلند نظری کا عجیب نمونہ تھے۔ عہد اکبری ہی میں میر بخشی گری کے عہدہ تک پہنچ گئے تھے جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو ان کے منصب میں اضافہ کیا اور صاحب سیف و قلم اور مرتضیٰ خان کا لقب دیا اور پہلے گجرات اور پھر پنجاب کا صوبہ دار بنایا جس پر وہ مدۃ العمر فائز رہے۔ جُود و سخا میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے کبھی اپنے کپڑے تک اتار کر سائلوں کو دے دیتے تھے۔ متوکلین اور اہل حاجت کے روزینہ اور سالانہ مقرر کر رکھے تھے، یتیم بچوں پر ماں باپ کی طرح شفقت کرتے، شادی کے قابل غریب لڑکیوں کی شادی اور ان کا جہیز کا انتظام کرنا ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا ان کے دستر خوان

پر ڈیڑھ ہزار آدمیوں کے قریب روزانہ کھانا کھاتے۔ شہر فرید آباد ان ہی کے نام سے منسوب ہے۔ سال ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی''۔ مولانا ندویؒ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں سے شیخ فریدؒ کے نام لکھے گئے چند ایک کی جو نقل بیان کی ہے ان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ ، ان کو ''سیادت پناہا! مکرّ ما'' کے جلیل القدر خطابات سے مخاطب کرتے ہیں اور ان کو ان کے آباء کرام کی راہ پر ثابت قدم رہنے کی دعاءِ خیر سے یاد کرتے ہیں (ص ۳۰۷ ۔۳۱۳)۔ ان خطوط سے حضرت شیخ فریدؒ کے صاحب قلم مرد مجاہد ہونے کی تصدیق ہو جاتی ہے لیکن صاحب نزہۃ الخواطر نے جن کا ایک اقتباس ہم نے حضرت سیّد ابوالحسن ندویؒ کے حوالے سے اوپر نقل کیا ہے'' شیخ فریدؒ کا اکبری دور میں کشمیر کے تعلق سے جو عملی کردار رہا ہے، اور جس کا ذکر اوپر حاشیہ ۱۲۲۰ میں معتبر مقامی تواریخ سے ہم نے حوالے دے کر کیا ہے، اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ چنانچہ خود مولانا ندویؒ مذکور نے بھی شیخ فرید بخاریؒ کا کشمیر کی اکبری دور میں سیاسی سرگرمی کے تعلق سے کوئی نام نہیں لیا ہے جو ہمارے لئے مایۂ استعجاب ہے! (ڈاکٹر شمس الدّین احمد)۔

۱۲۲۵: یہ کشمیر کے برہمنی مزاج کا کشمیری مسلمانوں کے خلاف حقیقی اظہار ہے جس کے اثرات ابھی بھی موجود ہیں اور یہ ہم ان ہی حواشی میں پہلے کہہ چکے ہیں کہ **شگ برھمن کشمیری مورخ** ان مسلمان بادشاہوں یا شاہی دربار کے مسلمان امراء کو بھی ملیچھ سے مخاطب کرتا ہے جن کے آستانے پر سجدہ ریز ہونے سے ہی وہ اپنی روزی روٹی کماتا تھا اور ان کی ملازمت اختیار کرنے کی راہ سے ہی اپنی دنیوی امیرانہ ٹھاٹھ کو قائم رکھتا تھا۔ کشمیر برہمنی مزاج کے اس مسلمان دشمن رویہ پر قارئین خود قیاس فرمائیں۔

۱۲۲۶: یعنی دین اسلام کو اختیار کر کے مسلمان بن گئے تھے یہ بات قابل

توجہ ہے کہ کشمیری برہمنوں میں کوئی قسم نہیں ہوتی بلکہ ان میں جو برہمن ہے سو برہمن ہی ہے۔ شُکَّ نے تعصب میں آکر ان میں بھی پست واعلیٰ ذات پیدا کردی ہے۔

۱۲۲۷: **مان دَھاتا** : معزز۔ صاحب اعتبار۔

۱۲۲۸: **جِمُوت باھَن** : اِندر دیوتا۔

۱۲۲۹: **پرَھلاد** : مسرت۔ عیش۔ شادمانی۔ ایک پارسا دیتیہ کا نام جو ہرنیہ کشپ کا بیٹا اور پاتال کے ایک علاقے کا راجکمار تھا۔ لیکن یہ نام یہاں پر کشمیر کے کسی معزز برہمن کے طور پر آیا ہے جس کے ساتھ پنڈت نرمل کا نام بھی شُکَّ نے لیا ہے۔

۱۲۳۰: **آدِتیہَ** : دیتیوں کا ایک طبقہ جن کی تعداد بارہ ہے۔ آدِتی کا بیٹا ۔(آدِتی کسی بھی مرد دیوتا کا خطاب ہے) یا آدِتی کے بیٹے۔ دیوتا۔ سورج۔ لیکن یہاں پر کسی کشمیری درباری ملازم کے نام کے طور پر آیا ہے جو زمین بانٹنے کا کام پر (افسر اراضی) مقرر تھا البتہ پنڈت شُکَّ کے بقول!

۱۲۳۱: **شِیخ پھیَج** : شیخ فیض مراد ہے۔

۱۲۳۲: **یَوسبُه خانَ** : مراد ہے سیّد یوسف خان رضوی جو یہاں کا مغل حاکم تھا۔ دیکھئے حاشیہ ۱۲۱۲۔

۱۲۳۳: **مَرجا لَسکر**: مراد ہے مرزا لشکر جو سیّد یوسف خان (رضوی) کا بیٹا تھا۔

۱۲۳۴: غالباً **سیس ناگ** سے مراد ہے یہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق اور ان کے خرافاتی افسانوں میں ایک ہزار سروں والے سانپ کا نام ہے جسے ہندو ابدیت کی علامت مانتے ہیں۔ ہندو اس سانپ کو ناگوں یا سانپوں کا بادشاہ مانتے ہیں جو پاتال میں رہتا ہے اور وشنو دیوتا کے پیدائش

کے کام انجام دیتے وقت بیچ کے وقفوں میں سائبان اور سواری کے کام آتا ہے کبھی کبھی یہ سانپ ہندو عقیدے کے مطابق اپنے ایک سر پر ساری دنیا کا بوجھ لیتا ہے اسی سیس ناگ کے نام پر امرناتھ غار کو جاتے ہوئے ہندو ایک جھیل کا درشن کرتے ہیں۔

۱۲۳۵: **پدم پورہ:** یعنی پانپور نامی گاؤں جسے کشمیری میں پامپر کہتے ہیں اس کی بنیاد نویں صدی عیسوی میں راجہ چپت جَیہ پیڈ کے چچا پدم نے ڈالی تھی جس کی وجہ سے یہ مقام پدم پورہ کہلایا اور یہی نام بعد میں رفتہ رفتہ پانپور کے نام سے مشہور ہوا۔

۱۲۳۶: **شرَاوَن:** ہندو تقویم کا چوتھا مہینہ جو ساون بھی کہلاتا ہے۔ یہ مہینہ جولائی، اگست نامی انگریزی مہینوں میں پڑتا ہے۔

۱۲۳۷: **تَکشک ناگ:** پاتال کے ایک خاص سانپ کا نام۔ درمیانی اندازہ اور سرخ رنگ کا ایک سانپ۔ (تکشک بڑھئی یا نجار یا لکڑہار ے کو بھی کہتے ہیں سنسکرت میں)۔

۱۲۳۸: **آساح خان:** غالباً آصف خان سے مراد ہے۔ یہ قوام الدّین جعفر کا لقب تھا جو شاید محمد قلی خان ترکمان کا، بقول ابوالفضل پیشرو تھا۔

۱۲۳۹: **سلطان محمد قُلَ خان:** مراد ہے محمد قلی خان ترکمان۔ **تاریخ حسن** (جلد دوم ص ۴۴۵) میں اس کا نام محمد قلیچ خان آیا ہے اور لکھا ہے کہ محمد قلیچ خان [ذیلی یاد داشت = صحیح ہے محمد قلی خان ترکمان۔ ابوالفضل کے بقول محمد قلی خان ترکمان کا پیشرو قوام الدّین جعفر المعروف بہ آصف خان تھا۔ سال ۱۵۹۳ء میں کشمیر کی صوبہ داری پر فائز ہوا۔ پانچ سال کی مدت کے بعد جب کہ کشمیر میں ایبہ چک کو حکومت پر بٹھایا تو اس کے بیٹے علی قلی خان نے ان کی تمام امیدوں کو مٹی میں ملا دیا۔ آئین اکبری

مترجمہ بلاخ مین ص ۷۴۸ میں **سوکہ پنڈت کشمیری** کے حوالے سے، جو محمد قلی کے معاصرین میں سے تھا لکھتا ہے کہ محمد قلی خان کو آصف خان کی معزولی کے لیے بھیجا گیا تھا مورخ حسن نے جو محمد قلی خان کو میرزا یوسف خان مشہدی کا جانشین بتلاتا ہے بظاہر تحقیق سے کام نہیں لیا ہے۔ اسی طرح محمد قلی خان کی درست تقرری کا سال تاریخ ۹۹۷ھ (۱۵۸۹ء) کی جگہ ۱۰۰۱ھ (۱۵۹۲ء ہے)] نے سال ۹۹۷ھ میں خطۂ کشمیر کی صوبہ داری پر افتخار حاصل کیا اور **قلعۂ ناگر نگر** کی تعمیر اور قصر شاہی کی استواری کی طرف جان و دل کے ساتھ متوجہ ہوا۔ چک فرقہ اور مفسدوں کی بیخ کنی جبر وزور کے ساتھ کی۔ جس کسی صاحب مرتبہ فوجی آدمی کے دل میں شجاعت کا دغدغہ اور جنگجوئی کا خیال دیکھ لیتا اسے سزا دیتا تھا...... اسی طرح بہت سے مفسدوں اور باغیوں کے طائفوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ چک قوم کے لوگوں کو اس قدر پسپا کردیا کہ وہ اس ملک کے جاگیرداروں اور منصب داروں کی چاکری کرتے تھے اور ان میں سے اکثر کاشتکار بن گئے...... اکبر بادشاہ نے (کشمیر کی سیر سے فراغت پاکر) پیر پنچال سے محمد قلی خان کو رخصت کیا۔ محمد قلی خان نے چکوں کی ویرانی، باغوں اور عمارتوں کی تعمیر وتربیت، عدل واحسان، رعیت و دادگستری اور نظم ونسق اور ملکی امور کو سنبھالنے کی طرف متوجہ ہوکر پندرہ سال حکومت میں گذارے اور اسکے بعد تبدیل ہوا۔

ف ۱۲۴۰: یعنی اکبر بادشاہ کی خدمت میں چلا گیا۔

ف ۱۲۴۱: **پرور پورہ**: یعنی موجودہ شہر سرینگر۔ پرورسین پور یا پرور پور کی بنیاد راجہ پرورسین نے ڈالی جس نے شاید چھٹی صدی کے وسط میں حکومت کی تھی۔ (۱۵۳ بکرمی _ ۱۹۵ بکرمی بقول تاریخ حسن ج ۲ / ص ۶۹، ۷۰۔ نیز دیکھئے کنگڈم آف کشمیر ص ۲۵)

۱۲۴۲: **شارکا پہاڑی:** موجودہ کوہِ ماران یاہاری پربت جو شہر سرینگر کے وسط میں واقع ہے۔ اسی پہاڑی کے جنوبی ڈھلوان پر حضرت شیخ مخدوم حمزہ رح کی زیارت واقع ہے رحمۃ اللہ علیہ۔ حاشیہ ۱۳۸۱ بھی دیکھئے۔

۱۲۴۳: **نگ نگری:** مطلب ہے ناگورنگر

البتہ ناگرنگر یا ناگورنگر اس ساری بستی یا شہر کو کہا گیا ہے جسے اس پہاڑی کے نیچے ایک اونچی فصیل کے اندر قصرِ شاہی، شہزادگان، امراء و وزراء، فوجی کمانڈروں اور دیگر اہم شخصیتوں کے مکانات پر مشتمل تھا۔ کشمیر کی تواریخ میں درج ہے کہ موجودہ قلعہ کی تعمیر افغان حاکم عطا محمد خان نے کی تھی۔ تاریخ حسن کے بقولِ عطا محمد خان مذکور نے سال ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ء) سے ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ء) تک کشمیر پر حکومت کی اور سال ۱۲۲۶ھ (۱۸۱۱ء) میں قلعۂ مذکور کو تعمیر کیا۔

۱۲۴۴: مراد ہے علاء الدّین پورہ جو موجودہ گورگاڑی محلہ اور عالی کدل وغیرہ ملحق موجودہ محلات پر مشتمل تھا۔

۱۲۴۵: **سِدَھ:** غالباً نوشہر سے مراد ہے۔

۱۲۴۶: مراد ہے بادشاہ نازک شاہ۔

۱۲۴۷: یعنی سلطان زین العابدین۔

۱۲۴۸: یعنی ملک سیف الدّین ڈار۔

۱۲۴۹: یعنی کاجی چک،

۱۲۵۰: **ویدانگ** : ویدوں کے ماتحت چھ شاخوں کے لیے عمومی اصطلاح یعنی (۱) شکشا = تلفظ اور بول چال کے قوانین۔ (۲) کلپ = مذہبی روایات کے تفاصیل۔ (۳) ویاکرن = گرامر (دستور) (۴) چند = صرف و نحو۔ (۵) نرکتی = ویدوں میں موجود مشکل، قدیم یا متروک الفاظ کی

تشریح۔(٦) جیوتِش=اجرام فلکی کا علم۔

۱۲۵۱: **ویدانت:** کامل وید کا نام۔ایک خاص ہندو فلسفہ اور دینی علم کا نام جو بالخصوص اُپنشدوں پر منحصر ہے اور اس فلسفہ کے بارے میں کتابوں اور اس فلسفہ پر لکھے گئے آثار سے تعلق رکھتا ہے۔

۱۲۵۲: **سِدھانت:** عملی نتیجہ۔ثابت کیا ہوا سچ۔نتیجہ۔کسی بحث، تلاش، نتیجہ یا فیصلے اور ارادے کا نتیجہ۔قابل اعتبار نظریہ۔علم (سائنس) کا سلسلہ (بالخصوص ہئیت، جیومٹری وغیرہ کا)۔ہئیت، نجوم الجبرا اور دیگر علوم کے کئی رسالہ جات کا عمومی نام۔

۱۲۵۳: **منطِق:** کلام کرنا۔بولنا سخن گوئی۔سخن۔گفتار۔قواعد وقوانین کا علم جو غور وفکر کی ہدایت کرے اور غلطی سے محفوظ رکھے۔منطق کو علم حقیقت اور اس کا مطالعہ کہا جاسکتا ہے کیونکہ یہ حقیقت اور غلط میں امتیاز کرتا ہے اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے مخالف جانتا ہے یا اس لیے کہ منطق میں اس بات کو دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ آدمی کو حقیقت تک پہنچنے اور غلط سے احتراز کرنے کے لیے کس طرح سے استدلال کرنا چاہیے۔گویا کہا جاسکتا ہے کہ منطق قوانینِ علم استدلال اور اس کا مطالعہ ہے۔منطق کو غور وفکر کرنے کا فن بھی کہا گیا ہے۔

۱۲۵۴: **دستور:** یعنی گرامر (Grammar) زبان کے قواعد۔صرف ونحو۔کسی شخص کا قواعد صرف ونحو کے استعمال کا خاص طریقہ۔تقریر یا تحریر جسے قواعد صرف ونحو کے اعتبار سے اچھا یا برا کہا جائے۔قواعد صرف کا صحیح استعمال۔کسی زبان کے محاورات۔کسی فن یا علم کی مبادیات۔ادب کی ایک شاخ جو لفظ کی اقسام سے بحث کرتی ہے اور اس سے صحیح بولنا اور صحیح لکھنا سکھاتی ہے۔

۱۲۵۵: **پُوران**: جو پُرانے یا قدیم زمانوں سے مربوط ہو۔ قدیم۔ پرانا معمر۔ تاریخ سے قبل کا۔ ابتدائی۔ بوسیّدہ۔ ماضی کی کوئی چیز۔ ماضی کا واقعہ۔ ماضی کا قصہ۔ قدیم تاریخ جو افسانوی ہو اور روایتی۔ چند معروف مقدس کتابوں کا نام جن کے بارے میں فرض کیا جاتا ہے کہ انہیں وِیاس نے لکھا جن میں جدید ہندو دینی علم اور خرافات (Mythology) سے بحث کی گئی ہے۔ پورانوں کی تسلیم شدہ تعداد اٹھارہ ہے۔

۱۲۵۶: **منتر**: ہر وید کا وہ حصہ جس میں مناجات ہو۔ ویدوں کی ایک عبارت۔ ایک مقدس متن۔ وہ ضابطہ جو کسی خاص دیوتا کے لیے مقدس ہو۔ کوئی جادوئی ضابطہ۔ سحر۔ متوصوّفانہ نظم۔ افسون۔ روحانی۔ ہدایت۔ مشورہ۔ نصیحت۔

۱۲۵۷: **شُرتی**: الہامی قانون۔ مقدس تحریر۔ وید۔ کوئی مقدس یا ویدی متن، سننے کی حِس۔ جیومٹری چوگوشہ کا قُطر۔

۱۲۵۸: **ترکَ شاستر**: بحث و دلیل کا علم۔ منطق و مناقشہ کا علم۔

۱۲۵۹: **کوٹ**: لاتعداد شمار۔ بے شمار۔ کثیر تعداد۔

۱۲۶۰: **وِدیا دھر**: یابد یا دھر، عالم، جادوئی علوم کا ماہر، علم کا گھر۔

۱۲۶۱: **اَمرِت**: پینے کی چیز جو ہمیشہ کی زندگی بخشتی ہے۔ دیوتاؤں کی شراب۔ زندگی بخشنے کا پانی۔ آبِ حیات۔ کوئی میٹھی چیز۔ کوئی خوشگوار پینے کی چیز۔ جام۔ امرود۔ لازوالیت۔ آخری نجات۔

۱۲۶۲: **شکتی**: کسی دیوتا کی طاقت یا اس کی عملی قوت جو اس کی بیوی میں مجسم ہو جیسے شِو کی گوری وِشنو کی لکھشمی وغیرہ۔ زنانہ شرم گاہ (بحیثیت شِو کے مردانہ شرم گاہ کے مقابلے میں جس کی شاکتا نامی ہندو جماعت حقیقی یا تصویری صورت میں پرستش کرتی ہے)۔

۱۲۶۳: **نِیل**: نیلا رنگ۔ کُوبیر کے نَو نِدھیوں میں سے یا نو مقدس خزانوں میں سے ایک خزانہ۔ ہندوؤں کے دیوتا شِو یا مہادیو کا نام جس کا لقب نیل کنٹھ ہے۔

۱۲۶۴: **ھَستِناپور**: یا ہستنا نگر۔ ایک شہر کا نام جس کی بنیاد راجہ ہَستِنا نے ڈالی تھی۔ یہ شہر جدید دلّی سے ۵۷ میل کی دوری پر دریائے گنگا کی ایک قدیم نہر پر واقع تھا اور چندر مکھی خاندان کے راجاؤں کا دارالخلافہ تھا جیسے کہ ایودھیا۔ سورج مکھی خاندان کے راجاؤں کا دارالخلافہ تھا۔

۱۲۶۵: **یُدِھشتَھِر**: (یُدھ = جنگ۔ شتھر = مضبوط یا ثابت قدم)۔ پانڈو کے پانچ مشہور بیٹوں میں سب سے بڑے بیٹے کا نام۔ کَلِ یُگ کے آغاز میں پانڈوؤں اور کوروؤں کے درمیان مہا بھارت نامی جو عظیم جنگ ہوئی تھی اس میں پانڈوؤں کا رہبر یدھشتھر تھا۔

۱۲۶۶: **اَرجُن**: مہابھارت کی جنگ میں پانڈوؤں کے تیسرے بھائی کا نام (ارجن ایک درخت کا بھی نام ہے جو (Terminalia alato globra) کہلاتا ہے)۔

۱۲۶۷: **نـاگ**: ناگ یا افسانوی ناگ دیو کا نام جس کا چہرہ انسانی چہرے کا سا ہے اور سانپ کی سی دُم رکھتا ہے۔ یہ مخلوق نسل کشیپ کی بیوی کدرو سے پیدا ہوئی ہے یا سُورَسا سے، تاکہ زمین کے نیچے پاتال نامی ایک حصے کو آباد کیا جائے۔

۱۲۶۸: **یَجن**: یا یگیہ۔ قربانی کی رسم۔ نذر و نیاز ادا کرنے کی رسم۔ چڑھاوے کی رسم۔

۱۲۶۹: ہندوؤں کی اصطلاح میں اِیشور یعنی وجودِ اکبر۔ خدا۔ ہندو شِو اور کام دیو کو بھی اس نام سے پکارتے ہیں۔

۱۲۷۰: **پنج گھور** : محمد الدّین فوقؔ نے تاریخ بڈشاہی میں لکھا ہے (ص ۲۳) کہ "افغانستان کے شمالی کوہستان میں جو اہم مقامات ہیں ان میں پنج کوڑہ بھی ہے۔ ذرا سے غور کے بعد صاف معلوم ہوتا ہے کہ پنج کوڑہ وہی مقام ہے جس کا نام آج سے پانچ چھ صدی پیشتر پنج گور تھا"۔ میرا خیال ہے کہ پنڈت شُکؔ نے افغانستان کے گردونواح میں واقع مقامات جیسے سوات، بُنیر، چترال، پنج کوڑو غیرہ سے سوات کا ذکر کیا ہے جس کی تصدیق مقامی فارسی تاریخ نگاروں نے کی ہے۔ سوات سے پنج گھور یا پنج گور زیادہ دور بھی نہیں ـــــ (پروفیسر ڈاکٹر شمس الدّین احمد)۔

۱۲۷۱: مقامی فارسی تاریخوں میں یہ نام قورشاہ آیا ہے جو شہمیر کا دادا تھا اور طاہر آلؔ یا طاہر شاہ شہمیر کے باپ کا نام تھا۔

۱۲۷۲: **پاروتی** : شِو کی بیوی کا درگا کا ایک نام جو برفیلے پہاڑوں کے راجہ ہِماوَت کی بیٹی تھی۔ [لوبان کے درخت کا نام Grislea Tomientosa- Boswellia Thurifera یا Celtis Orientalis درخت]۔

۱۲۷۳: **ھَر** : مہادیو یا شِو کا ایک نام۔ اور اگنی کا۔ وِشنو اور کرشن (جسے وِشو کے مساوی جانا جاتا ہے) شِو، برہما، اِندر اور یم کا نام۔

۱۲۷۴: انگریزی مترجم جوگیش چندر دَتّ (جس نے خود اپنے بقول اصیل سنسکرت سے ترجمہ کیا ہے) نے ان تینوں ضمیمہ جات الف، ب اور ج کو اپنے دیباچہ میں غیر ضروری اور غیر دلچسپ حکایات کہا ہے۔

۱۲۷۵: مقامی غیر فارسی تاریخوں میں عیسوی سالوں کا اندراج ان کا باہمی مقابلہ کرنے پر صحیح پایا جاتا ہے البتہ فارسی زبان میں لکھی گئی تاریخوں میں درج ہجری سالوں میں ان عیسوی سالوں کے ساتھ جو فرق نظر آتا ہے اسے ہم

تاریخ نگاری کے شرائط کے پیش نظر درج کرر ہے ہیں تا کہ صحیح تاریخ کا آئیندہ کا کوئی مقامی تاریخی نگار اندازہ کر سکے۔ فارسی تاریخوں میں سے میں نے کشمیر کی مکمل تر اور معتبر تر تاریخ حسن (ج ۲) اور واقعاتِ کشمیر نامی دو فارسی تاریخوں سے ہجری سن وسال کا انتخاب کیا ہے تا کہ انگریزی سن وسال سے ان میں فرق معلوم ہو۔ تاریخ حسن نے بکرمی سال جہاں جہاں پر درج کئے ہیں ہم نے ان کا بھی اعادہ کیا ہے:

جَیہ سِمھہ : سال عیسوی ۱۱۲۷ء = ۵۲۱ھ بقول تاریخ حسن (۱۱۸۹ بکرمی) [واقعاتِ کشمیر میں اس کا سال وفات ۵۵۸ھ درج ہے جو ۱۱۶۲ء کے برابر ہے]۔

پَرمانُک : سال عیسوی ۱۱۵۴ء = بقول تاریخ حسن (۱۲۱۶ بکرمی) [واقعاتِ کشمیر میں آیا ہے کہ سال ۵۶۰ھ تک حکومت کی جو ۱۱۶۴ء کے برابر ہے۔ دونوں مذکورہ فارسی تاریخوں میں یہ نام پرمانو آیا ہے۔

وَرتِ دیو: سال عیسوی ۱۱۶۴ء = ۵۶۰ھ (۱۲۲۵ بکرمی) [واقعاتِ کشمیر مطبوعہ میں یہ نام ونتہ دیو آیا ہے جو چھاپی اشتباہ ہے۔ نیز لکھا ہے کہ ۵۷۷ھ میں وفات پائی جو انگریزی سال ۱۱۸۱ء کے برابر ہے]

دوپیہ دیو: سال عیسوی ۱۱۷۱ء = ۵۶۷ھ (۱۲۳۲ بکرمی) [مطبوعہ واقعاتِ کشمیر میں یہ نام چھاپی غلطی کی وجہ سے بومہ دیو آیا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ سال ۵۸۸ھ (۱۱۹۲ء) میں وفات پائی]

جَسّک: سال عیسوی ۱۱۸۰ء = ۵۷۶ھ (۱۲۴۱ بکرمی) [تاریخ حسن مذکور میں یہ نام راجہ رسہ دیو آیا ہے اور اسے دوپیہ دیو کا بھائی کہا ہے۔ واقعات کشمیر میں یہ نام زیہ دیو آیا ہے اور اس نے سال ۶۰۴ھ (۱۲۰۷ء) اس کا سال وفات لکھا ہے]

جگدیو: سال عیسوی ۱۱۹۸ء = ۵۹۵ھ (۱۲۵۹ بکرمی)۔ واقعاتِ کشمیر میں اس کی تخت نشینی کا سال ۶۰۴ھ (۱۲۰۷ء) لکھا ہے اور تاریخ وفات ۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) درج ہے۔

راج دیو: سال عیسوی ۱۲۱۳ء = ۶۱۰ھ۔ تاریخ حسن میں اس کا سال وفات ۶۳۷ھ (۱۲۳۹ء) آیا ہے جبکہ واقعاتِ کشمیر نے اس کا سال وفات ۶۴۱ھ (۱۲۴۳ء) لکھا ہے۔ دونوں تاریخوں میں اس راجہ کا نام رازہ دیو آیا ہے۔

سنگرام دیو: سال عیسوی ۱۲۳۶ء = ۶۳۴ھ بقول تاریخ حسن (۱۲۹۷ بکرمی)۔ واقعاتِ کشمیر میں اس کا سال وفات ۶۵۷ھ (۱۲۵۸ء) آیا ہے۔

رام دیو: سال عیسوی ۱۲۵۲ء = ۶۵۰ھ (۱۳۱۳ بکرمی بقول تاریخِ حسن)۔ واقعاتِ کشمیر نے اس کی تخت نشینی کا سال ۶۵۷ھ (۱۲۵۸ء) اور سال مرگ ۶۷۸ھ (۱۲۷۹ء) لکھا ہے۔

لکھشمن دیو: سال عیسوی ۱۲۷۳ء = ۶۷۲ھ (بقول تاریخ حسن ۱۳۳۴ بکرمی)۔ واقعاتِ کشمیر میں اس کا سال وفات ۶۹۱ھ (۱۲۹۱ء) آیا ہے۔

سِمھہ دیو: سال عیسوی ۱۲۸۶ء = ۶۸۵ھ (بقول تاریخ حسن ۱۳۴۸ بکرمی)۔ واقعاتِ کشمیر میں اس کا نام سیہہ دیو اور سال وفات ۷۰۵ھ (۱۳۰۵ء) آیا ہے۔ تاریخ حسن نے اس کا نام سہم دیو لکھا ہے۔

سُھہ دیو: سال عیسوی ۱۳۰۱ء = ۷۰۱ھ (بقول تاریخ حسن ۱۳۶۲ بکرمی)۔ سہہ دیو کے بارے میں جو اس انگریزی ترجمہ میں سہہ دیو عرف رام چندر آیا ہے وہ بظاہر نادرست ہے کہ کشمیر کی تمام تواریخ کے متفقہ قول کے

مطابق رام چندر، راجہ سہدیو کا سپہ سالار تھا۔

رنچن: سال عیسوی ۱۳۲۰ء = ۲۰ھ (بقول تاریخ حسن سال ۲۵ھ مطابق ۱۳۸۱ بکرمی = (۱۳۲۴ء)۔ واقعاتِ کشمیر میں بھی رنچن کی تخت نشینی کا سال ۲۵ھ (۱۳۳۴ء) اور سال وفات ۲۷ھ (۱۳۲۶ء) آیا ہے۔

اُدین دیو: سال عیسوی ۱۳۲۳ء = ۲۳ھ (تاریخ حسن میں اُدین دیو کی تخت نشینی کا سال ۲۸ھ (۱۳۲۷ء) مطابق ۱۳۸۴ء آیا ہے اور واقعاتِ کشمیر میں اس کا سال وفات ۴۲ھ (۱۳۴۱ء) لکھا ہے۔

کوٹا: سال عیسوی ۱۳۳۸ء = ۳۹ھ۔ تاریخ حسن میں آیا ہے کہ اُدین دیو کی موت کے بعد کوٹا رانی نے (کوٹہ رین) اندر کوٹ میں اپنے بھائیوں کی مدد سے اپنے جاہ وجلال کا علم لہرایا اور بے استقلالی کی حالت میں پچاس روز گذارے۔ واقعاتِ کشمیر نے بھی ''کوتہ رین'' کے اندر کوٹ میں جاکر اپنے بھائیوں کے ساتھ بادشاہی کرنے کا ذکر کیا ہے لیکن مدت نہیں لکھی ہے۔

شہمیر عرف شمس الدّین: سال عیسوی ۱۳۳۹ء = ۴۰ھ [بقول تاریخ حسن ۱۳۹۹ بکرمی اور ۴۳ھ مطابق ۱۳۴۲ء سال تخت نشینی۔ سال وفات ۴۷ھ = ۱۳۴۶ء۔ صاحب واقعاتِ کشمیر نے بھی شہمیر کی تخت نشینی کا سال ۴۳ھ (۱۳۴۲ء) اور سال وفات ۴۷ھ (۱۳۴۶ء) لکھا ہے

جمسر (جمشید): سال عیسوی ۱۳۴۲ء = ۴۳ھ۔ بقول تاریخ حسن سال تخت نشینی ۴۷ھ مطابق ۱۴۰۳ بکرمی مطابق ۱۳۴۶ء اور سال وفات ۴۸ھ (۱۳۴۷ء)۔ واقعاتِ کشمیر نے بھی جمشید کی تخت نشینی کا سال ۴۷ھ

لکھا ہے اور سال وفات ۷۴۸ھ ہے۔

عَلاءُ الدّین : سال عیسوی ۱۳۴۳ء = ۷۴۴ھ [بقول تاریخ حسنؔ سال تخت نشینی ۱۴۰۴ بکرمی مطابق ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء)۔ صاحب واقعاتِ کشمیر نے بھی سلطان علاء الدّین کی تخت نشینی کا سال ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء) لکھا ہے لیکن اس کی وفات کا سال ۷۵۸ھ (۱۳۵۶ء) درج کیا ہے جبکہ تاریخ حسنؔ میں اس کا سال وفات ۷۶۱ھ (۱۳۵۹ء) آیا ہے۔

شِھابُ الدّین : سال عیسوی ۱۳۵۴ء = ۷۵۵ھ [بقول تاریخ حسنؔ سال تخت نشینی ۱۴۱۶ بکرمی مطابق ۷۶۱ھ مطابق ۱۳۵۹ء اور سال وفات ۷۸۰ھ (۱۳۷۸ء)۔ واقعاتِ کشمیر میں سلطان شہاب الدّین کی تخت نشینی کا سال ۷۵۸ھ (۱۳۵۶ء) اور سال وفات ۷۸۰ھ (۱۳۷۸ء) لکھا ہے۔

قطب الدّین : سال عیسوی ۱۳۷۳ء = ۷۷۵ھ [تاریخ حسنؔ میں تخت نشینی کا سال ۷۸۰ھ (۱۳۷۸ء) مطابق ۱۴۳۵ بکرمی اور سال وفات ۷۹۶ھ (۱۳۹۳ء) آیا ہے۔ واقعاتِ کشمیر میں بھی سلطان قطب الدّین کی تخت نشینی کا سال ۷۸۰ھ (۱۳۷۸ء) اور سال وفات ۷۹۶ھ (۱۳۹۳ء) آیا ہے۔

سکندر : سال عیسوی ۱۳۸۹ء = ۷۹۲ھ [مؤلف تاریخ حسنؔ نے تخت نشینی کا سال ۷۹۶ھ (۱۳۹۳ء) مطابق ۱۴۵۱ بکرمی، اور سال وفات ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) لکھا ہے جبکہ واقعاتِ کشمیر میں بھی سلطان سکندر کی تخت نشینی کا سال ۷۹۶ھ (۱۳۹۳ء) اور وفات پانے کا سال ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) لکھا ہے۔

علی شاہ : سال عیسوی ۱۴۱۳ء = ۸۱۶ھ [بقول تاریخ حسنؔ سال تخت نشینی ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) مطابق ۱۴۷۳ بکرمی۔ واقعاتِ کشمیر میں بھی تخت

نشینی کا یہی سال درج ہے لیکن دونوں مذکورہ تاریخوں میں سلطان علی شاہ کا سال وفات درج نہیں۔ واقعاتِ کشمیر نے لکھا ہے کہ: ''تا مدت شش سال و نُہ ماہ مُلک رانی فرمود'' یعنی چھ سال نو ماہ تک حکومت کی گویا قیاساً سال ۸۲۷ھ (۱۴۲۳ء) تک۔

۱۲۷۶: **زین العابدین**: سال عیسوی ۱۴۲۰ء = ۸۲۳ھ [تاریخ حسن میں تخت نشینی کا سال ۸۲۷ھ (۱۴۲۳ء) مطابق ۱۴۸۰ بکرمی اور سال وفات ۸۷۹ھ (۱۴۷۴ء) آیا ہے جبکہ واقعاتِ کشمیر میں زین العابدین کی تخت نشینی کا سال ۸۲۷ھ (۱۴۲۳ء) اور سال وفات ۸۷۸ھ (۱۴۷۳ء) آیا ہے۔

حیدر شاہ: سال عیسوی ۱۴۷۰ء = ۸۷۵ھ [تاریخ حسن میں تخت نشینی کا سال ۸۷۹ھ (۱۴۷۴ء) مطابق ۱۵۳۱ بکرمی اور سال وفات ۸۸۰ھ (۱۴۷۵ء) آیا ہے۔ واقعاتِ کشمیر میں بھی سال وفات ۸۸۰ھ (۱۴۷۵ء) آیا ہے اور تخت نشینی کے بارے میں لکھا ہے کہ: ''بعد واقعۂ پدر تخت و تاج یافت'' باپ کی وفات کے بعد تخت و تاج پایا یعنی بقول صاحب واقعاتِ کشمیر سال ۸۷۹ھ (۱۴۷۴ء) میں جو سلطان زین العابدین کا سالِ مرگ تھا۔

حسن شاہ: سال عیسوی ۱۴۷۲ء = ۸۷۷ھ [تاریخ حسن میں تخت نشینی کا سال ۸۸۰ھ (۱۴۷۵ء) مطابق ۱۵۲۳ بکرمی آیا ہے اور سال وفات ۸۹۲ھ (۱۴۸۶ء)۔ واقعاتِ کشمیر میں بھی تخت نشینی کا سال ۸۸۰ھ (۱۴۷۵ء) آیا ہے البتہ سال وفات ۸۹۳ھ (۱۴۸۷ء) درج ہے۔

محمد شاہ: سال عیسوی ۱۴۸۴ء = ۸۸۹ھ [بقول مؤلف تاریخ حسن تاریخ تخت نشینی سال ۸۹۲ھ (۱۴۸۷ء) مطابق ۱۵۴۴ بکرمی اور بقول مؤلف واقعاتِ کشمیر سال ۸۹۳ھ (۱۴۸۸ء)۔ دونوں مورخین نے سلطان محمد

شاہ کی پہلی مرتبہ کی بادشاہت کا عرصہ ۲ ر سال ۷ ر ماہ لکھا ہے]۔

۱۲۷۷: **فتح شاہ**: سال عیسوی ۱۴۸۶ء = ۸۹۱ھ [تاریخ حسن میں تخت نشینی کا سال ۸۹۵ھ (۱۴۹۰ء) مطابق ۱۵۴۶ بکرمی آیا ہے۔ واقعاتِ کشمیر میں فتح شاہ کی تاریخ درج نہیں]۔

محمد شاہ بار دوم): سال وعیسوی ۱۵۱۴ء = ۹۲۰ھ [تاریخ حسن میں سلطان محمد شاہ کی دوسری بار تخت نشینی کا سال ۸۹۸ھ (۱۴۹۲ء) مطابق ۱۵۴۹ بکرمی آیا ہے۔ واقعاتِ کشمیر میں تاریخ کا ذکر نہیں]

فتح شاہ (بار دوم): تاریخ عیسوی ۱۵۱۵ء = ۹۲۱ھ [تاریخ حسن میں تخت نشینی کا سال بارِ دوم ۹۰۷ھ (۱۵۰۱ء) مطابق ۱۵۵۸ بکرمی آیا ہے۔ تاریخ وفات سال ۹۲۰ھ (۱۵۱۴ء) اور مدت سلطنت تیرہ سال۔ واقعاتِ کشمیر میں یہ دونوں تاریخیں درج نہیں ہیں]۔

محمد شاہ (بار سوم): تاریخ عیسوی ۱۵۱۶ء = ۹۲۲ھ [تاریخ حسن میں محمد شاہ کی تیسری بار حکومت کی تاریخ سال ۹۲۰ھ (۱۵۱۴ء) لکھی ہے۔ واقعاتِ کشمیر میں اس کا ذکر موجود نہیں۔

ابراهیم شاہ: تاریخ عیسوی ۱۵۲۸ء = ۹۳۵ھ۔ تاریخ حسن میں ابراہیم شاہ کی تخت نشینی کا سال ۹۳۴ھ (۱۵۴۰ء) آیا ہے اور مدت حکومت دو سال لکھی ہے۔ واقعاتِ کشمیر میں ابراہیم شاہ کی تخت نشینی کا سال نہیں لکھا ہے۔

نازک شاہ: تاریخ عیسوی ۱۵۲۹ء = ۹۳۶ھ۔ تاریخ حسن میں سلطان نازک شاہ کی تخت نشینی کا سال ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ء) آیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سلطنت کی مدت گیارہ سال تھی۔

محمد شاہ (بار چهارم): تاریخ عیسوی ۱۵۳۰ء = ۹۳۷ھ ۔ تاریخ حسن میں محمد شاہ کی چوتھی بار کی تخت نشینی کا سال ۹۲۴ھ (۱۵۱۸ء) لکھا

ہے اور اسی بادشاہ کی پانچویں بار کی تخت نشینی کا سال ۹۳۶ھ (۱۵۲۹ء) لکھا ہے اور لکھا ہے کہ محمد شاہ مذکور نے سال ۹۴۴ھ (۱۵۳۷ء) میں وفات پائی۔

شمس الدّین شاہ: تاریخ عیسوی ۱۵۳۷ء = ۹۴۴ھ۔ تاریخ حسن میں اس کا نام سلطان شمس الدّین ثانی آیا ہے اور لکھا ہے کہ سال ۹۴۴ھ (۱۵۳۷ء) میں تخت نشین ہوا۔ [اس لحاظ سے میرا خیال ہے کہ سلاطین کی اوپر درج کی گئی تاریخ حسن سے منقول تخت نشینی کی تاریخیں صحیح ہیں واللہ اعلم۔ ڈاکٹر شمس الدّین احمد] اور ایک سال کی حکومت کے بعد وفات پائی۔ گویا سال ۹۴۵ھ (۱۵۳۸ء) میں۔ سلطان شمس الدّین مذکور کے بعد تاریخ حسن میں بر خلاف شک کی تاریخ کے، سلطان اسماعیل شاہ فرزند دوم محمد شاہ کا ذکر آتا ہے جو سال ۹۴۵ھ (۱۵۳۹ء) میں تخت نشین ہوا اور ڈیڑھ سال تک کی سلطنت رانی کے بعد فوت ہوا۔ گویا سال ۹۴۶ھ (۱۵۳۹ء) میں۔ تاریخ حسن میں سلطان شمس الدّین مذکور کے بعد سلطان ابراہیم شاہ جو سلطان اسماعیل شاہ کا بیٹا تھا، کی تخت نشینی (۹۴۶ھ = ۱۵۳۹ء) کا ذکر آیا ہے۔ واقعاتِ کشمیر میں بھی یہی ذکر موجود ہے۔ سلطان ابراہیم شاہ مذکور کے بعد تاریخ حسن میں اس کے بیٹے سلطان اسماعیل شاہ ثانی کا ذکر آیا ہے جو سال ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ء) میں تخت نشین ہوا۔

حبیب شاہ: تاریخ عیسوی ۱۵۶۰ء = ۹۶۸ھ۔ تاریخ حسن میں اس کی تخت نشینی کا سال ۹۶۱ھ (۱۵۵۳ء) آیا ہے اور تخت سے ہٹائے جانے کا سال ۹۶۲ھ (۱۵۵۴ء)۔ واقعاتِ کشمیر میں یہی تاریخیں درج ہیں۔

غازی شاہ: تاریخ عیسوی ۱۵۶۰ء = ۹۶۸ھ۔ تاریخ حسن اور واقعاتِ کشمیر دونوں میں غازی شاہ کی تخت نشینی کا سال ۹۶۲ھ (۱۵۵۴ء) لکھا ہے اور تخت سے ہٹائے جانے کا سال ۹۷۱ھ (۱۵۶۳ء) لکھا ہے۔

حسین شاہ: تاریخ عیسوی ۱۵۶۲ء = ۹۷۰ھ۔ تاریخ حسن اور

واقعاتِ کشمیر دونوں میں تخت نشینی کا سال ۹۷۱ھ (۱۵۶۳ء) آیا ہے۔ واقعاتِ کشمیر نے اس کا سالِ مرگ ۹۷۷ھ (۱۵۶۹ء) لکھا ہے جب کہ تاریخ حسن میں آیا ہے کہ حسین شاہ نے حکومت میں سات سال کا عرصہ گزارا اور زینہ پور میں یادِ خدا میں گوشہ گیر ہوا اور پھر ایک سال اور چند ماہ گزار کر مر گیا۔

علی شاہ: تاریخ عیسوی ۱۵۶۹ء = ۹۷۷ھ۔ تاریخ حسن نے علی شاہ کی تخت نشینی کا سال ۹۷۸ھ (۱۵۷۰ء) لکھا ہے اور واقعاتِ کشمیر میں بھی یہی سال درج ہے اور سالِ وفات ۹۸۶ھ (۱۵۷۸ء) لکھا ہے لیکن تاریخ حسن میں سالِ وفات ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) آیا ہے۔

یوسف شاہ: تاریخ عیسوی ۱۵۷۸ء = ۹۸۶ھ۔ تاریخ حسن میں یوسف شاہ کی تخت نشینی کا سال ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) آیا ہے اور دوسری بار اسکی تخت نشینی کا سال ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) لکھا ہے۔ واقعاتِ کشمیر میں یوسف شاہ کی تخت نشینی کا سال ۹۸۶ھ (۱۵۷۸ء) آیا ہے لیکن دوسری بار کی تخت نشینی کا سال نہیں لکھا ہے۔

مبارک خان: تاریخ عیسوی ۱۵۷۸ء = ۹۸۶ھ۔ تاریخ حسن میں مبارک خان کی تخت نشینی کا سال ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ء) آیا ہے لیکن واقعاتِ کشمیر میں سال ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) آیا ہے۔ سیّد مبارک خان نے بقول تاریخ حسن چھ ماہ دو روز تک حکومت کی اور بقول واقعاتِ کشمیر آٹھ ماہ اور پندرہ روز تک۔

لوھر چک: تاریخ عیسوی ۱۵۷۸ء = ۹۸۶ھ۔ تاریخ حسن نے لوھر چک کا سالِ جلوس ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ء) لکھا ہے اور لکھا ہے کہ لوہر خان چک نے ایک سال ایک ماہ تک حکومت کی جبکہ مؤلف واقعاتِ کشمیر نے صرف ایک سال لکھا ہے اور سالِ جلوس ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) لکھا ہے۔

یوسف شاہ (بار دوّم): تاریخ عیسوی ۱۵۷۹ء = ۹۸۷ھ۔

تاریخ حسن میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا، یوسف شاہ چک کی دوسری بار کی تخت نشینی کا سال ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) آیا ہے جس کے بارے میں واقعاتِ کشمیر میں ذکر نہیں۔

یعقوب چک: تاریخ عیسوی ۱۵۸۷ء = ۹۹۶ھ۔ تاریخ حسن میں یعقوب چک کی تخت نشینی کا سال ۹۹۳ھ (۱۵۸۴ء) اور واقعاتِ کشمیر میں ۹۹۴ھ (۱۵۸۵ء) آیا ہے۔

سیّد یوسف خان (رضوی یا مشهدی) : تاریخ حسن میں کشمیر میں اس کی حکمرانی کا ابتدائی سال ۹۹۵ھ (۱۵۸۷ء) آیا ہے۔

۱۲۷۸: **قاضی علی** سے **محمد قلی خان** تک کے لیے ملاحظہ ہوں پچھلے حواشی۔

پایان حصۂ حواشی
مختصر توضیحات

۲۸ ماہ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ / ۲۴ مارچ ۲۰۰۳ء، سوموار

پروفیسر ڈاکٹر شمس الدّین احمد
بُرج بخت آور
آستان پور روڈ، راول پور، سرینگر